

فہرست مضامین کتاب نظام الملک طوسی

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۲۵	امام محمد غزالی ۶		پہلا حصہ
"	امام احمد غزالی ۱۴-۱		دوسرا حصہ
۲۶	ابو جعفر طوسی ۱۷		طوس کی مختصر تاریخ
"	ابو جعفر ثالث "		بنائے طوس
"	ابو نصر سراج صوفی ۱۲۲۹۹۰		جشنید پشادی
"	محمد بن اسلم ۱۹		طوس کی قدیم تاریخ
"	احمد سروق "		کائنات
"	مشوق طوسی "		قطبہ
۲۷	ابو علی فارغی "		
"	ابوبکر رشاج ۲۰		
"	محمد بن منصور ۲۱		تاریخ اصفہان
"	بابا محمود ۲۲		التماویز
"	فردوسی طوسی شاعر ۲۳		القاموس بن حوقل سیاح و ابن خرداد بہ
"	محمد میرک شاعر ۲۵		نامیر طوس کی فہرست

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U12249

M

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
سلطان الحکماء خواجہ نصیر الدین طوسی	۲۸	بخارا کا سفر	۲۵
طوس کا موجودہ نام	۳۱	شیخ ابو سعید کی ملاقات	۲۶
حضرت امام علی رضا علیہ السلام	۳۲	شیخ کے مختلف حالات	"
خواجہ حسن کا خاندان اور وطن	۳۳	مرو، غزنین کا سفر	۲۸
نسب نامہ اور خاندان	"	نسب نامہ آل سلجوق	۲۹
رادکان	۳۶	خواجہ حسن کی وزارت کی ابتدائی تاریخ	۵۰
خواجہ حسن کی ولادت اور ابتدائی حالات	۳۷	دربار غزنین کی ملازمت	"
وجہ تہیہ	"	ابو علی احمد بن شاذان گورنر بلخ کی کتابت	۵۱
خواجہ کا عہد طفولیت	۳۹	الپ ارسلان کا دربار	۵۲
خواجہ حسن کی تعلیم و تربیت اور	۴۰	قلعہ کردکوه	۵۳
طالب علمانہ سفر	"	وزیر عید الملک کنذری	۵۴
ابتدائی تعلیم	"	ایام وزارت کی تشریح	۵۶
تاج الدین سبکی	"	خواجہ نظام الملک کا فضل و کمال فقہ،	"
حالات مکتب	۴۲	حدیث شاعری، انشاء، تصنیف	۶۰
نیشاپور کا سفر	۴۳	یچگی برکی (وزیر)	۶۱
حسن صباح اور خواجہ حسن محمد خیام کا معاہدہ	۴۴	صاحب عباد (وزیر)	۶۲

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
فقہ	۶۲	گور (شہر)	۱۲۳
حدیث	۶۳	شیلز (شہر)	۱۲۴
شاعری	۶۶	امام الحرمین جوینی	۱۳۰
نثر فارسی کا نمونہ خطوط میں	۶۷	جوین پرگنہ	"
تصنیفات	۷۲	امام ابوالقاسم قشیری	۱۳۶
دستور الوزراء (وصایا)	۷۳	اُستوا (پرگنہ)	۱۳۷
سیاست نامہ (سیر الملوک)	"	ابوبکر محمد بن حسین بن فورک	"
سیاست نامہ کا طرز تحریر	۷۵	ابوبکر احمد بن حسین ہیتی	۱۳۸
فارسی عبارت کا ترجمہ	۹۴	ابوعلی فارمدی	۱۳۹
عقائد مذکور مع مختصر حالات	۹۶	ابو الحسن علی الباخزنی	"
زروشت عجمی	۹۹	نصیحت پذیری	۱۴۱
خواجہ نظام الملک کے عام اخلاق و عادات۔	۱۱۹	حلم و عفو	۱۴۲
تمہید	"	مذہبی زندگی	۱۴۶
خواجہ نظام الملک کی صفات و مجلس	۱۲۱	ذکر و عبادت	۱۴۷
شیخ ابواسحق فیروز آبادی	۱۲۳	حج و زیارات	۱۴۸
		حجاج کی تہنیز و تکفین	۱۴۹

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۱۶۲	شادی	۱۵۰	حجاز کا راستہ
"	انجاز (شہر)	"	بے قصبی
۱۶۳	خواجہ نظام الملک کی اولاد	"	امام ابوالحسن اشعری
۱۶۵	آلِ اولاد سے محبت	۱۵۱	شوق عبادت
"	خواجہ نظام الملک کی وزارت کا خاتمہ	۱۵۲	بحرِ حرم
"	ملک شاہ سے مخالفت اور قتل کے	۱۵۳	رقت طبع
	مفصل حالات	"	نیک مزاجی
"	خواجہ نظام الملک کی بیٹیاں	"	فیاضی
۱۶۶	(۱) نظام الملک کی پہلی شکایت	۱۵۴	لطیفہ
۱۶۸	(۲) مؤند الملک کی معزولی	۱۵۶	تقسیم تحائف
"	ابو اسماعیل حسین طغرائی	"	صبر و شکر
۱۶۰	(۳) ترکان خاتون کی سازش	۱۵۷	خیرات
"	ترکان خاتون	"	عفو جرائم
"	ملک شاہ کی اولاد اور خانہ جنگی	۱۵۹	خاموشی
۱۶۲	(۴) تاج الملک کی سازش	"	حکمت علمی
۱۶۴	(۵) خلفائے عباسیہ کی حمایت	۱۶۲	خواجہ نظام الملک کی خانگی زندگی

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۱۸۸	خواجہ نظام الملک اور منجم موصلی	۱۷۵	خلیفہ مقتدی اور لشکر کا محمد دخترا ملکشاہ سے
۱۹۱	خواجہ نظام الملک کی وفات کے شعراء کے مرثیے۔	۱۷۶	حسن صباح کا دربار اور ملکشاہ کی سفارت
۱۹۵	دوسرا حصہ	۱۷۷	الپ ارسلان اور محکمہ جابوسی
"	تمہید	۱۷۸	(۷) نظام الملک کی معزولی
۲۰۰	خواجہ نظام الملک کا قانون سلطنت	۱۸۲	(۷) تاج الملک کی وزارت
"	(۱) بادشاہ اور رعایا کے فرائض	"	ابو المعانی نجاس شاعر
۲۰۲	(۲) بادشاہ کا برتاؤ رعایا سے	۱۸۳	(۸) قول فضیل
"	بیت المال	۱۸۴	(۹) نظام الملک کا قتل
۲۰۳	ہرون الرشید	"	ملک شاہ اور مقتدی کی مخالفت
۲۰۴	امہ العزیز طغبت زبیدہ خاتون	۱۸۵	ہناوند (شہر)
۲۰۶	(۳) بادشاہوں کو خدا کی نعمت کا قدر شناس ہونا چاہیئے۔	۱۸۶	خواجہ نظام الملک کا قاتل
۲۰۷	(۴) عدل و انصاف	"	خواجہ نظام الملک کی نظم کا نمونہ
۲۰۸	سمیل سامانی	۱۸۷	خواجہ نظام الملک کا مدفن
"	یعقوب صفاریہ	۱۸۸	رسم تعزیت
"		"	خواجہ کی عمر
"		"	ایام وزارت

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
المعتد علی اللہ عباسی	۲۱۰	(۹) محتب	۲۳۴
المہدیہ (شہر)	۲۱۱	محتب کے فرائض	۲۳۵
(۵) عمال و وزراء اور غلاموں کی نگرانی	۲۱۶	(۱۰) عاملانہ عہد داروں کی نگرانی	۲۳۶
قبائلسانی	۲۱۷	طاہر بن کچین اور اسکا بیٹا عبداللہ	"
راست و ش وزیر ہرام گور	۲۱۸	طاہر کا خط عبداللہ بن طاہر کے نام	۲۳۸
ہرام گور	۲۲۱	فضیل بن عیاض صونی	۲۴۱
(۶) متاجراور کاشتکاروں کے تعلقات	۲۲۳	(۱۱) شریعت	۲۴۳
نوشیروان عادل	۲۲۶	سفیان ثوری صونی	۲۵۱
(۷) قاضی خطیب اور محتب کے فرائض	۲۲۸	لقمان (حکیم)	"
عہدہ قضا	"	حسن بصری صونی	۲۵۲
قاضی	۲۳۰	(۱۲) منطارت	۲۵۳
نوروز	۲۳۱	(۱۳) محکمہ وقائع نگاری	"
مہرجان	۲۳۲	پرچہ نویسی	۲۵۴
ارد شیر بن بابک ساسانی	۲۳۳	کوچ بلوچ	۲۵۵
نیرود گرد	"	دیر کچین (موضع)	۲۵۶
(۸) خطیب	۲۳۴	(۱۴) محکمہ جاسوسی	۲۶۱

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
عضد الدولہ دہلی	۲۶۲	فوج بھرتی کرنے کا قاعدہ	۲۹۲
(۱۵) تقرری ہرکارہ و نامہ برکبوتر	۲۶۷	فوج میں مختلف اقوام	"
نامہ برکبوتروں کی تاریخ	"	(۲۵) خدمتگزار و غلاموں سے کام لینے کا طریقہ	۲۹۳
(۱۶) وکیل خاص	۲۷۴	امیر احمد بن اسماعیل سامانی	۲۹۵
(۱۷) ندیم و مصاحب	"	(۲۶) دربار عام و خاص	۲۹۶
ندیم کے فرائض	"	(۲۷) اہل فوج کی حاجتیں	۲۹۸
طیب	۲۷۷	(۲۸) صاحبان جاگیر و منصب	"
طیب کے اوصاف	"	(۲۹) اُن لوگوں کے قصوں کی مزاحمت	"
(۱۸) فوج خاصہ	۲۸۱	سلطنت کے درجوں سے اعلیٰ پر پہنچا یا کر	"
فوج خاصہ کی تاریخ	"	امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۲۹۹
(۱۹) فرامین احکام شاہی کی غلطی	۲۸۲	(۳۰) پاسبان اور دربان	۳۰۳
(۲۰) بادشاہ کو حکما اور عقلاً مشورہ کرنا چاہئے	۲۸۴	(۳۱) دسترخوان شاہی	"
مشورہ	"	سلاطین عجم و عرب کا دسترخوان	۳۰۴
(۲۱) سفارت	۲۸۶	فراغ مصر	۳۰۵
(۲۲) برداشت خانہ	۲۹۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام	"
(۲۳) قاعدہ تقسیم تنخواہ فوج	۲۹۱	ولید بن مصعب زعونی مصر	۳۰۶

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۳۲۵	دارا	۳۰۷	حاکم طائی
۳۲۶	روشنک دختر دارا	۳۰۸	(۳۲) خدمتگارا و شائستہ غلاموں کے حقوق
۳۲۷	حکیم بزرچہمزدی و زینوشیرواں	"	باربد مطرب
۳۲۹	(۳۹) خزانہ	۳۰۹	(۳۳) اعمال کی شکایت کی تفتیش
۳۳۰	(۴۰) فیصلہ مقدمات	۳۱۰	(۳۴) امور سلطنت میں بادشاہ کو جلدی
۳۳۱	سلطان محمود غازی		نکرنا چاہیئے
۳۳۳	حضرت عرب بن عبد العزیز	"	(۳۵) امیر حرس و چوبدار کی خدمات
۳۳۵	(۴۱) مد داخل و خارج	۳۱۱	(۳۶) خطاب القاب
۳۳۶	سیاست نامہ پر ایک تقریر نظم میں	۳۱۲	القادر باللہ عباسی
۳۳۸	خاتمہ	۳۱۶	سلطان محمود اور القادر باللہ کا ایک خاص قصہ
۳۳۹	دستور الوزرا (وصایا)	۳۱۷	المقتدی بامر اللہ
"	تمہید وزارت پر	۳۱۹	عطاء خطابات پر ایک نوٹ
۳۴۰	مشکلات وزارت	۳۲۰	(۳۷) اہل عمل رجال
"	(۱) مقدمات میں عدل	۳۲۳	(۳۸) بیگمات شاہی کے اختیارات
۳۴۲	(۲) بادشاہ کی رضامندی	۳۲۵	سوداہ
۳۴۵	فضل بن بیج وزیر	"	سکندر اعظم

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
(۳) ولیعہد سلطنت اور دو کسر شہزادوں کی رضامندی۔	۳۴۷	(۱) تفرقہ ملکی	۳۷۵
نشین الملک خاقان ترکستان	۳۴۸	(۲) تفرقہ مالی	۳۷۸
ترند (شہر)	"	فراہان (قریہ)	"
منتخب	"	علامہ صمیمی	۳۸۱
بطام	"	ابو جعفر منصور عباسی	۳۸۲
قوس (پرگنہ)	۳۴۵	وزیر کے اوصاف	۳۸۳
جائیت (ذہبی عمدہ)	۳۵۰	البتکیں اور منصور سامانی کی ایک لڑائی	۳۸۵
(۴) عمال و فہرست دوتی اور اسکے خطرات	۳۵۵	ملک فیروز	۳۸۷
(۵) عمال کی عدوت کا نتیجہ۔	۳۵۷	(۱) رعایت بیگمات محرم	۳۸۹
اسباب وزارت	۳۶۳	حکم میکان	۳۹۲
(۱) احکام آہی کی تعمیل	۳۶۴	(۲) رعایت شاہزادگان	۳۹۵
(۲) اتفاقات حسنہ	۳۶۷	احمد بن بھیمندی وزیر	۳۹۷
(۳) بادشاہ کی اطاعت	۳۷۱	(۳) امیروں کی خاطر تواضع	۳۹۹
ابن اعلم رصدی	۳۷۳	سومناٹ کامندر	۴۰۱
سلطان کا درجہ	"	(۴) رعایت ملازمان شاہی	۴۰۶
		(۵) رعایت اہل سیف و قلم	۴۰۷

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
(۶) قائمہ خلائق کی نگہداشت	۴۱۱	خاندانی پیشہ	۴۵۰
خواجہ نظام الملک کے دربار کے شعراء	۴۱۲	تخلص	۴۵۱
تمہید	"	خیام کی ولادت	"
عباس مروزی	۴۱۵	تعلیم و تربیت	۴۵۲
شعراء آل سامان	"	خیام کی آئینہ زندگی	۴۵۳
شعراء غزنویہ	"	عمر خیام اور سنہ جلالی	۴۵۶
(۱) مہیر مغربی	۴۱۶	سنہ ہجری	۴۵۹
(۲) حکیم لامعی جرجانی	۴۳۱	سینین سلاطین باضیہ	۴۶۰
(۳) شمس الدین محمد	۴۴۲	سنہ فارسی کی ابتدا	"
(۴) معین الدین طنطرائی	"	قری سال کا شمس سال بنالینا	۴۶۵
(۵) سید شریف نظام الدین	۴۴۳	ارکان مجلس اصلاح تقویم	۴۶۷
(۶) قاضی شمس الدین	۴۴۴	نتیجہ	۴۶۹
(۷) مشاہیر شعراء کی فہرست	۴۴۵	گری گورین دل	۴۷۱
حکیم عمر خیام نیشاپوری	۴۴۸	عمر خیام کی شاعری	۴۷۳
نام و لقب	"	تصنیفات	۴۹۲
خیام کا باب	"	حکیم عمر خیام کا متفرق کلام و فضل	۴۹۴

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
کمال امام غزالی سے مناظرہ	۴۹۴	خیام کی نجات	۵۰۵
نذہبی علوم علم نجوم خانگی زندگی		الزام زندگی	۵۰۶
اور موت۔		خیام کی بادیہ نوشی	"
قطعہ فارسی	۴۹۵	حسن صباح بانی دولت اسماعیلیہ	۵۰۹
عربی اشعار	۴۹۶	مشرقیہ	"
فضل و کمال۔ امام غزالی سے مناظرہ۔	۴۹۷	تمہید	"
تحصیل زبان یونانی	۴۹۸	حسن صباح کا نسب نامہ	۵۱۰
تفسیر القرآن	"	حسن صباح اور خواجہ کی ملاقات	۵۱۱
علم قرأت	۴۹۹	ملک شاہ کا دربار	"
توت حافظہ	"	حسن اور خواجہ کی مخالفت	۵۱۳
سلاطین کے درباریں اعزاز	"	حسن صباح کی سیروسیاحت	۵۱۶
علم نجوم	۵۰۰	حسن صباح مصر میں اور خلیفہ مستنصر باللہ	۵۱۷
خانگی زندگی	۵۰۲	کی ملاقات۔	"
موت	"	حسن صباح کا قید ہونا اور اتفاقات حشر	۵۱۸
خاقانی کا مرثیہ	۵۰۳	قلعہ الموت کا قبضہ	۵۱۹
قبرستان حیرہ	۵۰۴	شاہی سفارت اور فوج کشی	۵۲۱

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۵۵۱	۲۔ محمد بن کیا بزرگ	۵۲۲	حسن صباح کی کامیابی
"	۳۔ حسن بن محمد	۵۲۳	مذہب اسماعیلہ کی مختصر تاریخ
۵۵۲	۴۔ محمد ثانی بن حسن	۵۲۸	مذہب اسماعیلہ کی تعلیم و تربیت کے قواعد
۵۵۳	۵۔ جلال الدین محمد ثانی ملقب چچ ثالث	۵۲۹	قاہرہ کا ایوان الکبیر
۵۵۴	۶۔ علاء الدین محمد بن جلال الدین	"	مجلس الدعوة
"	ملقب بہ محمد ثالث	۵۳۳	فرقہ باطنیہ کا حلف نامہ
"	۷۔ کرک الدین محمد شاہ بن علاء الدین	۵۳۷	ارکان مذہب اسماعیلہ
۵۵۵	قلعہ الموت پتاری محلہ کا سبب	۵۴۰	حسن صباح کا عام لقب
۵۵۶	فہرست فرقہ اسماعیلہ	"	حشیش (بھنگ) کا استعمال اور جنت کی
۵۶۰	مختصر فہرست مشاہیر اسلام جن کو حسن صباحیوں نے قتل کیا۔	۵۴۳	اسسین (حشاشین)
"	دولت سلجوقیہ کی ابتدائی تاریخ	۵۴۴	مذہب اسماعیلہ ہندوستان میں
"	طغرل بیگ کے فتوحات سلجوقی	"	حسن صباح کی مستقل حکومت اور شاعت مذہب
۵۶۴	سلطنت کا قیام و استحکام خلیفہ قائم بامر اللہ عباسی سے عزیزانہ مراسم الپ سلاطین کا عہد حکومت	۵۴۸	حسن صباح کی موت
"		"	حسن صباح کے ذاتی حالات
"		۵۵۰	حسن صباح کے جانشین
"		"	۱۔ کیا بزرگ

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
ترک و تاتار	۵۶۴	تخت نشینی، خواجہ نظام الملک	
دولت سلجوقیہ کی مختصر تاریخ	۵۶۵	کے مہتمم باشان کا زمانے اور	
سلجوق پر ایک نوٹ	۵۶۶	مختلف حالات و واقعات۔	
طغرل بیگ کی فتوحات	۵۶۹	خواجہ نظام الملک کی مستقل وزارت	۵۸۶
ارسلان جاذب	۵۷۰	عہد الپ ارسلان کی بغاوت و فتوحات	۵۸۸
طغرل بیگ کی ملکی تقسیم عراق و عرب و قبضہ	۵۷۲	استخر (قلعہ)	۵۹۴
باسیری	۵۷۴	پہن دژ (قلعہ)	۵۹۶
قتلہ باسیری	۵۷۷	بغاوت فضلویہ شبانکارہ۔	۶۰۴
صفی الدین کا کتب	۵۷۸	شبانکارہ (فارسی کا ایک خاص حصہ)	۶۰۶
طغرل بیگ کی شادی	۵۸۰	فرنگ نقشہ تبرہم	۶۰۹
سیرت طغرل بیگ	۵۸۲	وفات الپ ارسلان	۶۱۲
الپ ارسلان کا عہد سلطنت	۵۸۵	سیرت الپ ارسلان	۶۱۶
خواجہ نظام الملک کی مستقل		تخت نشینی جلال الدولہ سلطان کاشا	۶۱۸
وزارت عہد الپ ارسلان کی	۵۸۶	جنگ قارہ اور خواجہ کی حکمت عملی	۶۲۰
بغاوت اور ملکی فتوحات،		خواجہ کی رسلے فوج کی تخفیف پر	
الپ ارسلان کی موت، ملک شاہی		ملک شاہ کورومیوں کی قید سے چھڑانا	

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
جیون کے ملاحوں کا ایک خاص واقعہ	۶۲۲	طغرانیس	۶۳۵
رومی سفارت	"	دیوان الزمام	۶۳۶
فیوڈل سسٹم (قانون جاگیر داری)	۶۲۳	دیوان الاستیفاء	۶۳۷
الکھ اشعریہ پر یمن اور اُس کا انسداد	۶۲۴	دیوان الحجند	"
خواجہ نظام الملک کے خطاب القاب	۶۲۵	لطیفہ	"
نظام الملک کی جاگیر	۶۳۱	خزانہ	۶۳۸
خواجہ نصیر الدین طوسی	"	خواجہ نظام الملک کا علمی ذوق	"
نظارت نافعہ (بیکٹ ریس)	۶۳۲	مدرسہ اعظم نظامیہ بغداد کی تعمیر علوم	۶۳۹
وامغان	"	وفنون کی اشاعت صنیعہ تعلیم کی ویسا	"
بظام	"	امیات المدارس	"
دیوان الانشاء	۶۳۳	نظامیہ بغداد کا موقع	۶۴۲
وزارت تفویض	"	سامرا	۶۴۳
وزارت تنفیذ	"	باب المراتب و باب الانج	"
خواجہ نظام الملک کے ماتحت عہد دار	۶۳۴	سوق الثلثاء	۶۴۴
صنیعہ انشاء و مراسلات	"	مدرسہ مستنصریہ بغداد	"
کتاب رسائل	۶۳۵	تعمیر مدرسہ نظامیہ بغداد	۶۴۶

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۴۴۱	۴۔ واعظ	۴۴۸	خزانہ لکھتہ (لابریری)
۴۴۳	مجلس غلط شیخ رضی الدین قسروٹی	۴۴۹	نظامیہ کے اطراف و جوانب
"	مدرسہ نظامیہ میں	"	نظامیہ کی وسعت
"	۵۔ ناظر وقف	۴۵۰	رسم افتتاح مدرسہ نظامیہ
۴۴۴	۶۔ متولی	۴۵۱	نظامیہ کا عملہ بصراحت خدمات
"	۷۔ محققین مدرسہ نظامیہ	۴۵۲	نظامیہ کے سالانہ مصارف
۴۴۵	نظامیہ بغداد کے ماتحت مدارس	۴۵۳	نظامیہ کے کامیاب طلباء
"	تمہید	۴۵۵	نظامیہ کے نتائج اور اولیات
۴۴۶	نمبر ۱۔ نظامیہ نیشاپور	۴۵۶	نظامیہ اور محققین
۴۴۷	۲۔ نظامیہ اصفہان	"	درس نظامیہ بغداد
۴۴۸	۳۔ نظامیہ مرو	۴۵۷	درس نظامیہ ہندوستان
"	۴۔ نظامیہ خورستان	۴۵۸	مدرسہ نظامیہ بغداد کے مشاہیر
"	۵۔ نظامیہ مصل	۴۵۹	شیوخ اور علماء کی فہرست
۴۴۹	۶۔ نظامیہ بسزیرہ ابن عمر	۴۶۰	۱۔ شیوخ
"	۷۔ نظامیہ آمل	۴۶۱	۲۔ معید
۴۶۰	۸۔ نظامیہ بصرہ	"	۳۔ مفتی

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
۴ - نظامیہ ہرات	۶۶۰	فارسی علم ادب اور علم خط کی ترقی	۶۶۹
۱۰ - نظامیہ بلخ	۶۶۱	تصادد و ریح سلطان ملک شاہ	۶۸۰
۱۱ - نظامیہ طوس	"	اصلاح رصد (سنہ جلالی ملک شاہی)	"
ضمیمہ	۶۶۳	سلطان کا ذاتی شوق	۶۸۱
ملک شاہ کا نسب نامہ - ولادت - تعلیم و تربیت تخت نشینی	"	شکار کی یادگار	"
حد و سلطنت و ملت سلجوقیہ	۶۶۴	منارۃ القرون (سیگون کا مینار)	"
ملک شاہ کی ایکے بائی	"	محبت علماء و شعراء	۶۸۲
بغاوت و فتوحات عہد ملک شاہ	۶۶۵	حج و زیارت	"
ملک شاہ کا ملکی دورہ	۶۶۶	تعمیرات	۶۸۳
فوج شاہی	۶۶۸	ملکی نظم و نسق	"
خراج سلطنت	"	خانگی زندگی	"
صیغہ رفاہ عام	۶۶۹	محبت اولاد	۶۸۵
زراعت و تجارت	"	خلفاء عباسیہ سے رشتہ داری	"
امن عامہ	"	ملک شاہ کا مدل و انصاف	"
معانی محصول جنگی	"	سلطان ملک شاہ اور ایک شکار کا مکالمہ	۶۸۶
	"	مسئلہ تعلیم عہد ملک شاہ میں	۶۸۸

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
ملکشاہ کے آخری ایام	۶۸۸	خاتمہ	۶۹۲
خلفاء عباسیہ کا شجرہ نظم میں	۶۹۰	فہرست کتب جن سے کتاب	۶۹۳
طبقات سلجوقیہ	۶۹۱	نظام الملک طوسی ماخوذ ہے	نفاۃ ۷۰۴

فہرست تصاویر و نقشہ جات

- ۱۔ وزیر کبیر خواجہ بزرگ نظام الملک طوسی صفحہ ۱
- ۲۔ حکیم عمر خیٹا مینشا پوری ۵۰۸
- ۳۔ حسن صباح بانی دولت اسمعیلیہ شرقیہ ۵۰۹
- ۴۔ جلال الدولہ سلطان ملکشاہ سلجوقی ۶۷۳
- ۵۔ نقشہ قلعہ تبرجہرم ۶۰۸
- ۶۔ نقشہ مقبوضات سلجوقیہ ۶۹۲



نظام الملک طوسی

۱۳۶۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



الحمد لله رب العالمين والصلاة على سيد المرسلين وعلى اله الطيبين واصحابه اجمعين
قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوتیرا اک بندہ نافرمان ہے حمد سرتیرا
گو سب سے مہتمم ہی حق تیرا داکرنا بندے سے مگر ہو کا حق کیونکر ادا تیرا

اسلاف پرستی کا اب سے میں برس پہلے آنریبل مسر سید احمد خاں صاحب ہمارے
اثر اخلاف میں مرحوم نے المامون (مصنفہ علامہ شبلی نعمانی) کے دیباچہ کو مندرجہ ذیل مقولہ
سے شروع کیا تھا۔ ”یہ نہایت پتہ مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت بھینسے جو اپنے بزرگوں کے ان کاموں کو
جو یاد رکھنے کے قابل ہیں بھلا دے، یا ان کو نہ جانے۔ بزرگوں کے قابل یادگار کاموں کو یاد کرنا
اچھا اور بُرا دونوں طرح کا پھل دیتا ہے۔ اگر خود کچھ نہوں اور نہ کچھ کریں اور صرف بزرگوں کو
کاموں پر شہی کیا کریں تو استخوان جھڑویش کے سوا کچھ نہیں۔ اور اگر اپنے میں بھی ویسا ہونے کا
چکا ہو پھر تو وہ امرت ہے۔“

مقولہ مذکورہ بالا کی تائید میں ایک دوسرے بزرگ قوم کا یہ ارشاد ہے۔ ”ہم مسلمانوں میں

۱۔ رپورٹ ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس چارم مقام اپریل ۱۹۴۷ء صفحہ ۷۷۔ ۷۸ اور نواب عابد الملک سے حسین بگڑامی

آج کل ایک بیمارِ شائع ہو گیا ہے جس کو اسلام پرستی کہتے ہیں اکثر انگریزی میں ان فوجوں
ہمارے خصوصاً علی گڑھ کے طلبہ اس میں بکثرت مبتلا ہیں۔ اور اس مرض کی اشاعت کے
بانی اول دو چار یورپین ماسخ ہیں مگر زیادہ تر بعض ہمارے ہی گروہ کے بزرگوار ہیں..... ان
حضرات نے آفت برپا کر دی ہے۔ کوئی مسلمانوں کی علمی دولت کو شمار کرتا ہے، کوئی تہذیبی گناہ
ہے، کوئی ہمارے مدارس اور یونیورسٹیوں کی فہرست طیار کرتا ہے، کوئی ہماری یونانی کتابوں کے
ترجموں کا حساب دیتا ہے، کوئی آئندس کی حکومت کا زور دکھاتا ہے، کوئی ہارون اور مامون کی شہ
بیان کرتا ہے۔“

اس محسنِ قوم کے نزدیک یہ مسلمانوں کی بیماریاں ہیں، مگر جبناصح مشفق دیکھتا ہے تو قوم
میں یہ مرض پڑ رہا ہے، اور کسی کے روکے نہیں رکھتا ہے، تو خود ہی مہربانِ طبیب بن کر ازالہِ امراض
کے لیے یہ نسخہ تجویز کرتا ہے۔ ”اس میں شک نہیں کہ اسلام پرستی بہت عمدہ شیوہ ہے، مگر
اُسی حد تک کہ ہم اپنے بزرگوں کی خدمات کی داد دیں اور اُن کی عزت کریں اور اصل طریقہ
اُن کی بزرگیوں کی داد دینے، اور قدر کرنے کا یہ ہے کہ ہم اُن کے قدم پر قدم رکھیں اور اُن کی محنت
اُن کی یک رنگی، اُن کی نفس کشی کی تقلید کریں، اور اُن کا صبر و استقامت اُن کا سا اٹھنا
طلب علم میں پیدا کریں اور جس فن کو خست یا در کریں اُس میں اُن کی سی نظر تحقیق حاصل کریں۔ نہ یہ کہ
ہمارے بزرگوار جو کچھ اپنے وقت میں کر گئے ہیں، اُس پر غرہ کریں، اور مثلِ زن بیوہ کے
اُن کے نام پر بیٹھ رہیں، اور اُن کی علمی بزرگیوں کا تذکرہ دوسروں سے سُن کر زمانہ حال کی
دولتِ علمی کو حقیر سمجھیں۔ اور اُس کے دریافت سے اغماض کریں مختصر یہ کہ اسلام پرستی کو

اپنی جہالت یا کاہلی یا نفس پروری کا بہانہ گردانتا ہرگز جائز نہیں ہو۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ
 اُن کی بزرگیوں کو یاد کر کے ہم اپنے عیوب سے غافل ہو جائیں۔ اُس شخص نے تاریخ پر بالکل
 گورانہ نظر ڈالی ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُس وقت کے لوگوں میں کوئی عیب نہ تھا اور ہماری
 زمانہ بدیوں سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی وقت عیب سے خالی نہیں ہوا کرتا جو نقصانات
 ہم میں اس وقت کی قدر و بالغہ کے ساتھ موجود ہیں اُس وقت بھی موجود تھے۔ اور ہماری
 ناکامی کا تخم بوسہ تھے ”من عرف نفسه فقد عرف ربه“ خدا شناسی کی واسطے
 اول خود شناسی ضرور ہے، جب تک ہم اپنے عیوب سے واقف نہوں اور اُن کو صدا
 کے ساتھ تسلیم نہ کر لیں کبھی ہماری حالت میں صلاح نہیں ہو سکتی مگر بے شک ”یٰٰھذا العالج
 الکی“ کا حکم رکھتا ہے۔ اس سے اذیت بہت ہوتی ہے۔ نفس انسانی جو بالطبع خوشامد پسند ہے
 اپنے عیب چینی کے گزند سے بچنا چاہتا ہے۔ اور ناصح صادق سے ہمیشہ ملول رہتا ہے۔
 عین الرضا ہر فرد بشر کو پسندیدہ ہے، عین السخط کی نقادیوں سے ہر کوئی گھبراتا ہے کیونکہ لے
 وعین الرضا عن کل عیب کليلة ولكن عین السخط تبدی المساویا
 ایک عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے دوسرا اُن کو ڈھونڈہ ڈھونڈہ کر نکالتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ
 عین السخط ہی ہمارا دوست ہے۔ دوسرا جو عیب پوشی کرتا ہے وہ دراصل ہمارا دشمن
 ہے۔ والعقل تکفیتہ الاشارة۔

بزرگان قوم کی جو نصیحت ہم نے نقل کی ہے۔ یہ غور سے پڑھنے اور عمل کرنے کے

لے خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے وہ تو غصہ ہی کی ہی جس کو میرانی ہی بُرائی سوچتی ہے۔

لائق ہے کیونکہ یہ واقعہ نفس الامری ہے کہ ہم اختلاف کے کارنامے مزا لینے اور اظہارِ فخر کے لئے پڑھا کرتے ہیں۔ اور ہمارا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ ہمارے بزرگوں کی ترقی کے سبب اب اور کامیابی کے راہ کیا تھے اور آیا ہم کو بھی ویسا ہی ہونا چاہیئے یا نہیں؟

تاریخ و سیرت میں اعلیٰ
تصنیفات کی ضرورت

لیکن اس مسئلہ کے حل ہونے کے بعد اب ایک سوال یہ ہے کہ ایسی کتابیں ہمیں کہاں مل سکتی ہیں جو اختلاف کے صحیح حالات

کا مرقع ہوں؟ اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ علمائے مشرق و مغرب کی نئی تاریخیں پڑھنا چاہیئے۔ مگر انوس ہو کہ مشرقی علماء ایسے مصنفین کا قحط ہے جو فلسفیانہ نکتہ سنجی سے تاریخ لکھیں اور صحیح ماخذ سے لکھیں۔ اب رہے علمائے مغرب وہ بے شک تاریخ نویسی میں کمال رکھتے ہیں مگر اس کا کیا علاج ہے کہ تاریخ اسلام لکھتے ہوئے نہایت بیدردی، مگر

کمال دوراندیشی سے مہذب تصرف کرتے ہیں۔ لیکن ایک تیسری صورت یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ مغربی مذاق میں تصنیف کریں۔ یہ سب سے بہتر شکل ہے، مگر وقت یہ ہے کہ ان نوجوانوں میں باہشتنا بعض عربی زبان دان کا عنصر نہیں ہو، اور ان کی نظر صرف انگریزی علم ادب تک محدود ہو، لہذا یہ تصنیف بھی ناقص ہوگی۔ لیکن یہ ایسا مرض نہیں ہے جو علاج پذیر نہ ہو۔

ہمارے عزیز عربی کی بحال کر کے اس نقص کو دور کر سکتے ہیں۔ مگر قبول غالب مرحوم سے

جانا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبیعت دھس نہیں آتی

خیر یہ تو بڑی بات ہے وہ تو اردو میں بھی ادبی، تاریخی، مذہبی اور اخلاقی تصنیفات نہیں پڑھتے ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ کسی موقع پر اگر قومی شجاعت، ہمت، غیرت، یا کسی اہل علم کا ذکر آتا ہے تو ناموان

اسلام کے بجائے شاہیر یورپ کے نام گنائے جاتے ہیں! ندوۃ العلماء کے ایک جلسہ میں شمس العلماء شبلی نعمانی نے نوجوانانِ قوم کو مخاطب کر کے حبِ ذیل اشعار پڑھے تھے جس کا اعادہ کرنا ہم بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

نکتہ شریع با فساد برابر بینہی	یورپ ارگپ زنداں نیز مسلم باشد
حل ہر مسئلہ فتنہ زور و پٹلی	شرع پیش تو ز تقویم کمن کم باشد
از ابو بکر و عمر، مسیح بادت ناید	گرمی بزم تو از سینہ زر عظم باشد
دسخن بگذر داور سیرت شان نبوی	ہر چہ گوئی ہمہ از گفتہ ولیم باشد

لیکن ان خیالات کا یہ سبب نہیں ہے کہ نوجوانانِ قوم سے خدا نخواستہ قومی حمیت اور مذہبی جوش کا مادہ سلب ہو چکا ہے۔ بلکہ اُس کی خاص وجہ یہ ہے کہ تعلیمِ جدیدہ میں اول سے آخر تک اس کا موقع ہی نہیں ملتا ہے کہ تاریخِ اسلام سے صحیح واقفیت حاصل کی جائے۔ ایسی صورت میں ان کی زبان سے جو لفظ نکلیں گا وہ مغربی نکال کا ہوگا۔ لیکن انشاء اللہ امید ہے کہ قومی یونیورسٹی قائم ہونے پر یہ رکایت باقی نہ رہے گی۔

سبب تالیف کتاب
نظام الملک طوسی

تاریخ اور سیرت نگاری کے متعلق جو مشکلات ہیں، وہ تم اور پڑھ چکے ہو۔ لیکن باوجود ان اسباب کے صرف اس خیال سے جسارت کی گئی ہے کہ مشرقی یا ہندوستانی ہو کر ہندی (اردو) علم ادب اور ملکی زبان کی خدمت نہ کرنا، داخل کفر و نفاق ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کی تمام مہذب اقوام کی طرح، ہمارا بھی فرض ہونا چاہیے کہ ان اسلاف کو جو صفات خاص سے

اپنے زمانہ میں ضرب المثل تھے بقائے دوام کی زندگی سے محسوس نہ کھیں۔ اور یہ زندگی اُن کو اس طرح میسر آسکتی ہو کہ اُنہوں نے اپنی حیات متعارفین جو عسکرۃ الآخر کام کئے ہیں ہم اُن کو منظرِ علم پر لاویں۔ اور گمنامی کے ساتھ صفحہ ہستی سے مٹنے نہ دیں۔ کیونکہ معمولی مرنا تو وہ مر چکے، لیکن اصلی موت کا وہ دن ہوگا، جس دن اُن کے کارنامے ہماری غفلت سے مٹ جائیں گے۔ جو لوگ حیات انسانی کے معنی، بارہ گھنٹے میں دو مرتبہ، پیٹ بھر لیا، یا چند گھنٹے فکرِ معاش میں مبتلا رہنا، اور رات کو آرام سے پر کر سو رہنا سمجھتے ہیں، وہ دائرۃ انسانیت سے خارج ہیں۔ اور اُن کی مثال حشرات الارض اور برسات کے سبزہ خود سے زیادہ نہیں، یہ حقیقی زندگی اور حیات جاوید کے معنی ہیں کہ انسان اپنے اعمالِ حسنہ اور خصائلِ حمیدہ سے قیامت تک زندہ رہے۔ چنانچہ خواجہ حسن نظام الملک طوسی بھی انہیں نامورانِ اسلام کے طبقہ میں ہی جس کے مساعی حمیدہ سے صفحاتِ تاریخ گراں بہا احسان ہوئے ہیں۔ چنانچہ سلسلہ وزرے اسلام میں ہر اکملہ کے بعد دوسرے درجہ پری ممتاز و زیر تھا جس کو ہم نے انتخاب کیا ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اردو علم ادب میں آج کل پچاس پچاس نئی عاقلانہ نظمیں، ناول، افسانے، اور قصص و حکایات شائع ہوتی ہیں اور لقبِ نصف میں قانون، مذہب، اخلاق، طب، ریاضی، فلسفہ، سائنس، تاریخ، اور سیر کی کتابیں ہیں۔ اس میں ترجمہ کا حصہ تصنیف اور تالیف سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن یہ امر تعجب انگیز ہے کہ مسلمانوں نے اپنے علمی دور میں یونان، مصر، ایران، اور ہند سے جو کتابیں ترجمہ کیں وہ عموماً علوم و فنون کی کتابیں

تھیں قصص و حکایات میں کلیلہ و منلیٰ جیسی مفید چند کتابیں انتخاب کی تھیں لیکن ہماری
 زمانے کے مترجم آج یورپ کے علمی سرمایہ سے ریٹالڈز کے ناول ترجمہ کر رہے ہیں۔
 اور سلسلہ تصنیف میں بھی یہی حال ہے کہ حروف تہجی میں سے کوئی حرف ثقیل بھی باقی نہیں
 ہے جس میں دو ایک ناول موجود نہ ہوں۔ باقی اعلیٰ درجے کی تصنیفات تمام سال میں دوچار
 سے زیادہ نہیں ہوتی ہیں۔ اور مغربی علوم و فنون میں جو کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں وہ انگلیوں پر
 شمار کی جاسکتی ہیں۔ اور ہنوز سیکڑوں مفید شاخیں باقی ہیں جن کی طرف کسی نے توجہ
 نہیں کی ہے۔ اگر علمی مسائل کی اہستہ دلی کتابیں ترجمہ ہو جائیں تو حصول علم میں طلبہ کو
 آسانی ہو جائے۔ لہذا غیر مفید کتابوں کے مقابلے میں سلسلہ وزارت کے اسلام فائدہ سے خالی
 نہیں ہے جس میں وزارت کے ساتھ سلطنت کی بھی تاریخ (ضمیمہ میں) ہوتی ہے۔

اردو کی مختصر تاریخ

اس کتاب کی تالیف سے ایک اہم مقصد یہ بھی ہو کہ ملک
 کی عام مشترکہ زبان میں ترقی ہو۔ اور اس کے علم ادب میں
 معلومات جدیدہ اور قدیمہ کا اضافہ ہو۔ اور آئندہ ترقی کے وسائل پر بھی غور کیا جائے لیکن
 عوض مطلب سے پہلے اردو کی ابتدائی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنا دیکھی سے خالی
 نہ ہوگا۔

ہندوستان جنت نشان میں ہمارا جہ بکرماجیت (۱۵۰۰ برس قبل مسیح علیہ السلام)
 کے عہد میں درباری زبان سنسکرت (دیوبانی یا زبان آری) اور بازاری زبان پراکرت
 (طبعی غیر منذب) تھی جس کا ثبوت ملک الشعر اکالیداس کا نامک شکتلاہو۔ بعد ازاں

بدھ مذہب کی ترقی سے گدھ دیس کی پراکرت کا ہندوستان میں عروج ہوا۔ اور یہ
 حالت دسویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔ لیکن ۸۰۰ھ (عہد شہاب الدین غوری) میں
 جب ہندوستان پر ہلال اسلام پڑ تو نکلن ہوا تو ملک کی تقریری زبان پراکرت کے
 درجہ سے گر کر ہندی بھاشا ہو چکی تھی جس کا دوسرا نام بیج بھاشا ہے، مگر جب تک
 افغانی اور ایرانی نسلوں سے ہندوؤں کا میل جول ہوا تو بھاشا میں فارسی، عربی،
 الفاظ داخل ہو گئے جس کی نظیر چند کوئی شاعر کی کتاب ”پر تھی راج راسا“ ہے بعد
 ازاں غلیجیوں کے عہد میں حضرت امیر خسرو (المتوفی ۷۴۲ھ) نے پیدیاں، مکتبیاں،
 نسبتیں، غزلیں اور خالق باری، لکھ کر اس مذاق کو اور ترقی دی۔ ۸۹۷ھ میں (عہد حکومت
 بہلول لودھی) کالیستوں نے فارسی شروع کی اور زیور علم سے آراستہ ہو کر شاہی دفتر
 میں داخل ہوئے۔ اب تمام ملک پر عربی، فارسی الفاظ کی حکومت تھی اور ہندی نظم
 میں بھی یہی رنگ غالب تھا کہ سیر داس بنارس کے دُہرے، گروناک صاحب
 کی تصنیفات، اور بابائلیسی داس کی رامائن دیکھو) سرکاری دفتر بھی فارسی میں تھے۔
 لودھیوں کے بعد بابر نے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ اور اکبر عظمیٰ کے عہد میں جین
 قومی منافرت میں کمی ہوئی تو مسلمانوں نے بھی ہندوستان کو اپنا گھر سمجھ کر سنسکرت
 اور بھاشا میں نمایاں ترقی کی۔ چنانچہ اس زمانے کے تراجم کتب سنسکرت، شاہزادہ
 دانیال اور عبدالرحیم خاناناں کی بھاشا نظمیں ہمارے دعوے کی دلیل ہیں۔ اور
 ملک محمد جائسی کی پدم اوت تو رامائن کے ہم پلہ مانی جاتی ہے، اور آج تک اس کی

بازاروں میں مانگ ہو۔ جہانگیر نے بھاشا کی اسے نظموں پر انعام دیکر شاعروں کے
 حوصلے بڑھائے۔ اس قدر وانی کا ہی نتیجہ تھا کہ بھاشا میں غواہی، ملا نوری، شیخ
 شاہ محمد بگڑامی جیسے نامور شاعر ہوئے۔ اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے
 زمانے میں تو بھاشا مسلح کمال پہنچ گئی۔ مختصر یہ ہے کہ ہندوستان کی ملکی زبان نے
 سلاطین اسلام کے اغوش تربیت میں پرورش پائی اور شاہجہاں کے عہد دولت میں
 جبکہ پہلے ہی میں دلی آباد ہوئی، ترقی کر کے "اردو" کے خطاب سے متا
 ہوئی۔ اور یہ بھی شاہجہاں کی بلند اقبال ہے کہ اردو کا سکھ آج تک اس کے نام سے
 چل رہا ہو۔ ورنہ اس فخر کے مستحق سلطان محمود غزنوی، اور شہاب الدین غوری تھے۔
 جہانگیر کے عہد میں متعدد شاعر ہوئے۔ لیکن علم و فضل اور شاعرانہ کمالات کے لحاظ سے
 شاہ ولی اللہ دکنی (ولی تخلص) اپنے ہم عصروں میں نامور ہیں۔ شاہ صاحب نے
 سب سے اول رنجیت (اسی زبان کا دوسرا نام ہے) میں دیوان مرتب کیا۔ اور آئندہ نسلوں
 کے لیے ایک شاہراہ قائم کر گئے۔ ولی کے بعد میر، سودا اور انشا کا دور آیا،
 جنہوں نے شاہان آودہ کی سرپرستی میں اردو کو اردو سے معیے بنا دیا۔ اور انصاف
 یہ کہ دلی کے بعد زباندانی کی یہ دوسری ٹکسال تھی جو لکھنؤ میں قائم ہوئی۔ اس کے بعد
 طبقہ متحرکین میں مومن، ذوق، غالب، ہلوی اور ناسخ و آتش لکھنؤی
 پر نظم اردو کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن علمی زبان کا درجہ شہنشاہوں کی بدولت حاصل ہوا جس کی
 مختصر کیفیت یہ ہے کہ شاہجہان کے بعد گردشِ فلکی نے جب تیموری تاج و تخت کا مالک

دولتِ برطانیہ کو بنا دیا تو سکے کی طرح زبان بھی وراثت میں آئی جس کو برٹش حکام کی دست گیری نے اوج کمال پر پہنچا دیا۔ لیکن اس زمانے کی تصنیفات میں سے مشرف زکریا، اور جنرل ولیم ہائیک کے لغات اردو، اور میر محمد عطاء حسین خاں تحسین کی کتاب **نور و مصباح** کے سوا دوسری کتابیں نایاب ہیں۔ لیکن انیسویں صدی کا شروع ہونا تھا کہ اردو کی قسمت جاگ اُٹھی۔ اور دار السلطنت کلکتہ سے مشرقی علم ادب کا آفتاب طلوع ہوا یعنی فورٹ ولیم میں اردو کا بیتِ محکم قائم ہوا۔ جس کے ناظم (سکرٹری) ڈاکٹر جان گلکرسٹ صاحب تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے دہلی اور لکھنؤ کے حب ذیل مشہور ادیب کلکتہ میں جمع کیے۔ اور اشاعت کتب کے لیے ایک عمدہ سہولت ٹائپ بھی ایجاد کیا۔

(۱) میر شیر علی افوس لکھنوی (۲) سید محمد حیدر بخش حیدری

۱۵ مشرف زکریا کا اردو لغت مشہور ہے اور جنرل صاحب کے لغت کا ایک حصہ (یعنی وہ لغت جو ہندی فارسی سے ہندی میں لکھی) مشہور ہے۔ میں بمقام لندن شائع ہوا

۱۶ میر صاحب اٹا دہ کے رہنے والے تھے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں ۱۲۱۳ھ میں امیر خسرو کی کتاب چار درویش کا ترجمہ کیا تھا۔

۱۷ ان بزرگوں کی تصنیفات نمبر وار حسب ذیل ہیں۔

(۱) آرائش محفل (ہندوستان کے مختلف تاریخی حالات) بلغ اردو ترجمہ گلستاں (۲) تو تانہائی آرائش محفل (قصہ حاتم طائی) وہ مجلس گلزار و خوش۔ ترجمہ بہار دانش، تاریخ نادری (۳) بلغ وہاں سیسی قصہ چار درویش ولی کی زبان میں، گنج خوبی (۴) شربے نظیر (میر حسن کی مثنوی سحر لبیان کا قصہ نشریں) اخلاق ہندی (۵) خروہندہ ترجمہ عیار دانش ابو الفضل (۶) شکستہا و ستور ہند (بارہ گانہ) (۷) پریم ساگر وغیرہ ترجمہ

(۳) میرامن دہلوی (میر صاحب کی نثر میں سر کی نظم کے ہم پلہ مانی جاتی ہے)۔
 (۴) میر بہادر علی حسینی (۵) حفیظ الدین احمد پروفیسر فورٹ ولیم کالج۔
 (۶) میر کاظم علی جواں دہلوی (۷) سری للوچی پنڈت گجراتی۔
 (۸) نہاچند لاہوری (۹) میر اکرام علی (۱۰) مظہر علی والا۔

گورنمنٹ کا مقصد اس محکمہ سے یہ تھا کہ ہندوستانی زبان میں ایسی کتابیں طیار ہوں جو
 ہندوستان کے رسم و رواج کا آئینہ ہوں۔ اور جن کو پڑھ کر یورپین ہندوستان کی طرز
 معاشرت سے واقف ہو جائیں۔ چنانچہ حسب منشاء اس کار تصنیف تالیف اور ترجمہ
 سے مفید کتابیں طیار ہوئیں اور وہ یورپین میں خصوصاً اور تمام ملک میں عموماً مقبول ہوئیں۔
 ۱۸۲۲ء میں میر انشا اللہ خاں انشائے دریائے لطافت (قواعد اردو) لکھکر ملک پر
 عام احسان کیا۔ انداز تحریر میں اگرچہ ظرافت و شوخی ہے مگر زبان دانی کا پورا راق اور کیا ہو
 اور عجیب و غریب نکلتے لکھے ہیں۔ اسی سال حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی
 رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ وہ فیض تھا کہ جو تمام ہندوستان
 پر چھا گیا۔ اور اردو میں عام تصنیفات کا دروازہ کھل گیا۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ جان شیکسپیر
 اور ڈاکٹر فیلن صاحبان نے اردو ہندوستانی لغت شائع کیے۔ ۱۸۳۳ء عیسوی میں
 شاہی دستہ فارسی سے اردو ہو گیا۔ اور یہ زبان تعلیمی و تہذیبی و ادبی کے لیے عیسوی میں

بقیہ نوٹ صفحہ ما قبل (۸) مذہب عشق دگل بکاؤلی کا قصہ، عزت اللہ بنگالی کی فارسی کتاب سے ترجمہ کیا (۹) مناظرہ
 انسان حیوان (اخوان الصفا کے ایک علمی رسالہ کا ترجمہ ہے) (۱۰) بیتال پچھتی بھیسہ رنگھاسن تبتی۔

لیتھوگراف پریس مٹی میں جاری ہوا۔ یہ اسباب تھے جنہوں نے اُردو کو علمی درجہ پر پہنچا دیا۔ اس زمانے میں ملکی محبت سے اُردو زبان ”ہندی“ کہلاتی تھی۔ اُس زمانے کے نثر اور نظم کتابوں کے دیباچے پڑھو (چنانچہ وہی ہندی ہے) جو آج تک اُردو کے لباس میں جلوہ گر ہے۔ اد جس کو بعض نا عاقبت اندیش صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ زبان قدیم ہندوؤں، مسلمانوں اور انگریزوں کی ایک متحدہ یادگار ہے۔ مگر انشا اللہ جب تک برٹش راج قائم ہو اس کا مٹانا محال ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی طرح انگریزوں کے بزرگوں نے بھی اس زبان کی اصلاح اور ترقی میں غیر معمولی حصہ لیا تھا۔ اور ہندوؤں پر تو اُردو کا سب سے زیادہ حق ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد سنسکرت و بھاشا پر قائم ہوئی ہے۔ اور مقتضائے فطرت یہ ہے کہ ماں اپنے بچہ پر باپ سے زیادہ مہربان ہو۔

زبان اُردو کی موجودہ حالت
اور آئندہ ترقی کے وسائل

جو کچھ بیان ہوا یہ تو عہد گزشتہ کی تاریخ تھی
لیکن اُردو نے انیسویں صدی میں جس قدر ترقی

کی ہے، علمی حیثیت سے وہ ضرور نہایت قابل قدر ہے، اور تصنیفات مزاجم کے ذخائر سے اُردو کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے۔ لیکن باوجود اس ترقی کے اگر السنہ شرقیہ سے مقابلہ کیا جائے تو اُردو ہنوز ابتدائی حالت میں ہے۔ مثلاً ہم چار زبانوں سے مقابلہ کریں گے۔

۱۔ ترکی۔ یہ ایک بڑی اسلامی سلطنت کی زندہ یادگار ہے اور اس زبان کا علم ادب

مغربی علوم و فنون کے سرمایہ سے معمور ہے۔ اور اخبارات بکثرت جاری ہیں۔

۲۔ عربی۔ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے، اور زندہ قوم کی یادگار ہے۔ صوبہ بین

اور جازیں اگر چہ کئی تعلیم سے جمود کی حالت میں ہیں۔ لیکن مصر، بیروت، استامبول اور حاکم
بربر میں نمایاں ترقی کر رہی ہے۔ علمی رسائل اور اخبارات میں بھی غیر معمولی ترقی ہے
۳۔ فارسی، زندہ قوم اور سلطنت کی زبان ہے۔ شہنشاہ ناصر الدین شہید
کے زمانے میں ترجمہ کے لیے بیت الحکمت قائم ہوا، اور مفید کتابیں ترجمہ اور تصنیف کے
ذریعہ سے طیار ہوئیں۔

۴۔ بنگلہ، ہندوستان کی زبانوں میں سے علمی درجہ صرف بنگلہ کو حاصل ہے اور
نوجوان بنگالیوں نے اپنے کتب خانوں کو علمی کتابوں سے مالا مال کر دیا ہے، اور ہر روز ترقی
کا قدم لگے ہے۔ بنگلہ کے مقابلہ میں صوبہ متحدہ اگر وہ آدہ میں اب سنسکرت اور بھاشا کی
طرف خاص توجہ ہو رہی ہے، اور ترقی کے اسباب مہیا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ان زبانوں
کے مقابلے میں کون کہہ سکتا ہے کہ اردو ترقی کر رہی ہے۔ اب اگر اُس کے ذاتی سرمایہ
پرنٹس کی جائے توعیش و طرب کی دستاویزوں اور عاشقانہ نظموں کے سوا اور کچھ نہ ملیگا
کیونکہ تاریخ ولادت سے عالم شباب تک شعر و سخن سے زیادہ تعلق رہا ہے۔ باقی جس قدر
سرمایہ ہو وہ زمانہ انگریزی کی پسداد رہے۔ دوسری زبانوں سے اردو میں جو ترجمہ ہوا
ہم اُس کا ذکر کر چکے ہیں۔ لہذا اردو کی بقا اور ترقی کے لیے انجمن تعلیم مسلمانان دہلی
کیشل کانفرنس، اور انجمن اردو کانفرنس (اردو) اور تمام قوم کو حسب ذیل امور پر غور
کر کے عملی کام شروع کر دینا چاہیئے۔

۱۔ مغربی اور مشرقی زبانوں سے علوم و فنون کی کتابیں ترجمہ ہوں اور تعلیم یافتہ

کسی علم و فن کی ایک مفید کتاب ترجمہ کرے۔ اور ترجمہ کے صلہ کا سلطنت یا اُمراء سے امیدوار نہو، بلکہ ترجمہ کی آمدنی سے تجارتی اصول پر نفع اٹھایا جائے۔

۲۔ انجمن ترقی اُردو کا دائرہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں غلی حیثیت سے وسیع کیا جائے۔

۳۔ مسلم یونیورسٹی قائم ہونے پر ابتدائی مدارس میں اُردو کے ذریعہ سے علوم و فنون کی تعلیم ہو۔

۴۔ کتابوں کی اشاعت کے لیے استعینق ٹائپ کو ترقی دیجائے اور فی الحال پرتہ کے ٹائپ سے کام لیا جائے۔

۵۔ ہر صوبہ سے اُردو میں متعدد اخبارات جاری ہوں۔ اور علمی سائل کو ترقی دیجائے۔

۶۔ ہر ضلع اور قصبہ میں انجمن اور سوسائٹیاں قائم ہوں جس کے ساتھ کتب خانہ اور اخبارات کا انتظام لازمی ہے۔

۷۔ ہندوستان کے جن صوبوں میں اردو کمزور حالت میں ہو۔ مثلاً بنگالہ، ممبئی، مدراس۔ مالک متوسط، راجپوتانہ وغیرہ وہاں اردو کی عام اشاعت کی جائے۔

نظام الملک کے اصول حکومت اور
بنی اُمیہ کے نامور تاجدار، سلیمان
بن عبد الملک (متوفی ۹۹۹ھ) کا مقولہ

ہو ”عجبت لہولاء الا عاجم ملکوا الف سنة، فلم یحتاجوا الی ناسعة
وملکنا مائتین سنة لم یستغن عنہم ساعة (تاریخ آل سلجوق صفحہ ۴۵) یعنی اہم

تجربہ نگیز ہے کہ عجمیوں کو ایک ہزار برس کی حکومت میں ایک ساعت کے لیے بھی عربوں کی ضرورت نہ ہوئی۔ اور عرب ایک صدی کی حکومت میں بھی عجمیوں کی اعانت سے بے نیاز نہ رہ سکے۔ ہماری رائے میں اس مقولہ کا ثبوت خود سلجوقی حکومت ہی۔ سلجوقی ترکوں نے اپنی فطری شجاعت و جلاوت سے اطراف و جوانب کے ممالک کو فتح کر لیا۔ اور وہ چاہتے تو مفتوح اقوام کو پامال اور ملک کو خاک سیاہ کر دیتے۔ مگر نہیں، انھوں نے رعایا کے دلوں پر حکومت کی اور سلجوقی حکومت سے ملک میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ اس کا باعث یہ تھا کہ الپ ارسلان کو خواجہ حسن نظام الملک طوسی جیسا فاضل و وزیر لگایا تھا۔ اور باوجودیکہ وہ ایک خود مختار بادشاہ کے ماتحت تھا، لیکن اپنی عقلانہ حکمت عملی اور حکیمانہ ضوابط سے تمام ملک کو منظم کر لیا تھا۔ جس کی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے۔

خواجہ حسن خود شافعی تھا۔ مگر فوجداری، دیوانی عدالتوں میں فقہ حنفی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے جس کا اپیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مانتا تھا۔ اور صیغہ مال، خزانہ، تعمیرات، سرشتہ تعلیم، پولیس، اور رفاہ عام کے تمام صیغے ماتحت وزراء کے سپرد تھے۔ اور فوجی انتظام، فیوڈل سسٹم (قانون جاگیر داری) کے تحت میں تھا۔ الغرض کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو اُس زمانے کے مطابق اعلیٰ پیمانہ پر نہ ہو۔ اور اس بنا پر خیرہ و دعویٰ کیا جاتا ہی کہ اسلام میں ہر طرح کے سیاسی، قانونی، معاشرتی ترقی کی عام صلاحیت ہو

تصاویر کا ماخذ

خواجہ نظام الملک حکیم عمر خیام، اور حسن صباح کی شبیہ ایک

قدیم مرتع کا عکس ہیں جس کے لیے ہم مولانا سید محمد حاذق مرحوم کا بلی کے شکر گزار ہیں اور ملک شاہ کی تصویر علامہ شبلی نعمانی کے سفر روم و شام کا ہدیہ ہے۔ اور ان سب کے ہمراہ مکرم مخدوم منشی محمد رحمت اللہ صاحب رعد کے قلم اعجاز رقم نے زندہ کیا ہے جس کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

ملک معظم ہندوستان میں
اور ولی کا عظیم شان دربار
دیباچہ کتاب میں بادشاہ وقت کا تذکرہ
ایک قدیم اسلامی طریقہ ہے۔ مگر بزم تیموری کے
برہم ہونے کے بعد اوسمبر ۱۹۱۱ء میں لال قلعہ شاہجہانی کو یہ فخر حاصل ہوا کہ مہاجلی نے رعایا
کو اپنے درشن کرنے۔ اور ولی کو دار السلطنہ ہونے کا دوبارہ عہد از نصیب ہے۔ لہذا
دستور قدیم کے مطابق نہایت فخر و مسرت سے نظام الملک کا دیباچہ اعلیٰ حضرت
ہذا مہر پیل محبی ملک معظم جابج پنجم (بالقابہ) خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و علیا حضرت حضور
ملکہ معظمہ میری دامت اقبالہا کے نام نامی پر ختم کیا جاتا ہے۔ خدا کرے کہ شاہانہ اقبال کی
روشنی میں نظام الملک کا ستارہ، آسمان شہرت پر فائز ہو کر چلے۔ آمین۔ خاتمہ اس دعا پر

دولت ترانہ اربعہ اقبال یار باد

ذات تو در حمایت پروردگار باد

نوٹ: تحریر تاریخ دیباچہ یوم جمعہ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۱ء مطابق ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲۹ء بمقام کانپور

حصہ اول

طوس کی مختصر تاریخ

اس حصہ کے آغاز پر طوس کی مختصر تاریخ لکھنا نہ صرف اسوجہ سے موزوں ہے کہ دنیا سی اسلام کے جغرافیہ میں طوس کا نام داخل ہے بلکہ اس خاک سے ایسے شاہیر اور صاحب فضل و کمال پیدا ہوئے ہیں جنکے خیالات اور تصنیفات سے ہمارے کتب خانے مالا مال ہیں۔ اور جس نامور کا یہ تذکرہ ہے اُسکے نشو و نما اور جاہ و جلال کا مرکز بھی یہی خطہ پاک ہے

بنائے طوس | مورخین عجم کا قول ہے کہ جسے شہر طوس کی بنیاد ڈالی وہ سلطنت عجم کا ناموشہنشاہ جمشید پیشدادی ہے لیکن انقلاب روزگار سے کیا نیون کے عہد حکومت تک یہ شہر مریاد

۱۔ طبعہ پیشدادیان میں جمشید چوتھا تاجدار ہے یہ طہورث کا بیٹا تھا اور اُسکے بعد ہی تخت نشین ہوا۔ اسکا عہد حکومت عدل و انصاف اور تمدن و معاشرت کی اعلیٰ ترقیوں کی وجہ سے ضرب المثل ہے۔ حکمرانی میں طہورث اور ہوشنگ کے آئین پر عمل تھا۔ عمارت سے خاص ذوق تھا۔ چنانچہ فارس کے آثار قدیمہ میں تخت جمشید (پرسی پولس) آج تک موجود ہے۔ مفصل تاریخ کے لیے دیکھو فائل معارف سنہ ۱۹ء کو کتاب قدیم نقش ایران، و سفرنامہ میرزا فرحت شیرازی جمشید کے ادلیات حسب ذیل ہیں (۱) جشن نوروز (۲) انگور سے شراب بنائی گئی اور ”شاہ دارو“ نام رکھا گیا (۳) بولہ گلا کر آلات حرب تیار کرائے (۴) روٹی اور ریشم کا کپڑا تیار ہوا (۵) خیاطی اور شنواری ایجاد ہوئی (۶) غوطہ لگا کر سندھ سے موتی نکالے گئے (۷) پانی اور مٹی سے اینٹ تیار ہوئی (۸) معدنیات سے جواہرات نکالے گئے (۹) مفرد و اؤن سے مرکبات تیار ہوئے (۱۰) بخور اور خوشبو کا استعمال (باقی صفحہ آئند)

ہو چکا تھا۔ جب ایران کی حکومت کینسر وکے ہاتھ آئی اور پہلی مرتبہ توران پر فوج کشی ہوئی تو کینسر وکے نامور سپہ سالار طوس ابن نوذر ابن منوچہر نے ازسر نو اس شہر کو آباد کیا اور طوسٹش نام رکھا۔

اگرچہ شاہنامہ میں فردوسی نے اس لڑائی کے ذیل میں بنائے طوس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن سب سے پہلے جب فردوسی سلطان محمود غزنوی کے دربار میں پیش ہوا ہے اس وقت سلطان کے تفسار پر فردوسی نے بیان کیا تھا کہ ”شہر طوسٹش کا بانی طوس ابن نوذر ہے“

بقیہ صفحہ ۱۷۔ کیا گیا (۱۱) حام تیار ہوا (۱۲) جنگل کے اندر سے شہر ون کے جانے کو طریقہ نکالی گئیں (۱۳) ملک کی آبادی مثل اربع عناصر کے چار حصوں پر تقسیم کی گئی۔ ۱۔ ارباب دانش (۲۱) ارباب فوج ۳۔ ارباب زراعت ۴۔ ارباب صنعت و حرفت جمشید نے آخرین خدائی کا دعویٰ کیا اور ضحاک کے ہاتھ سے اسکا خاتمہ ہوا حضرت ہود علیہ السلام اسی زمانہ میں تھے۔ انتخاب ازراخ تہواریج جلد اول، نامہ خسروان المعجم و شاہنامہ حالات جمشید۔
۱۵۔ نربہ انقلاب حمد اسد ستونی ذکر طوس صفحہ ۲۹۸ دیا چہ شاہنامہ فردوسی طوسی صفحہ ۹ مطبوعہ مہرستان ۱۳۵۲ ہجری ۱۳۵۲ فردوسی نے جن الفاظ میں یہ واقعہ لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

دگر گفت با طوس کاسے نامدار	سیکے پتہ گویم زمن یاد دار
گزر بر کلات اتج گو نہ کن	گر آن رہ روی خام گرد سخن
در انجبا فرد دست با ما درست	یکے لشکر کشن کند او راست
روان سیاوش چو خورشید باد	بدان گیتیش جاسے اسید باد
پسر بودش از دشت پیران یکے	کہ پیدا بنود از پدر اند کے
برا درین نیرمانندہ بود	جوان بود و ہمسال دفر خندہ بود
کنون در کلات ست ہما درست	جہاندار و با فرو باشکر سنت
ہم اومد جنگ ست و گرد و سوار	بگو ہر بزرگ و بہر تنامدار
براہ بیابان ببايد شدن	نہ نیکو بود جنگ شیران زون

فرستادن کینسر و طوس پہلے جنگ تورانیان صفحہ ۱۵۲ شاہنامہ مذکور۔

اور اُسکے بنا کی یہ وجہ بیان کی تھی کہ ”جب کچھ تر و نے طوس کو افراسیاب کے مقابلے پر روانہ کیا ہے تب رخصت کے وقت نصیحتاً کہا تھا کہ ”بہر دار براہ کلاٹ“، تو ران کو نہ جانا کیونکہ اس راستے میں فردوس جو میرا بھائی ہے لڑائی ہو جائیگا خدشہ ہے، لیکن جب سپہ سالار طوس سرحد توران پر پہنچ گیا تو اُس نے کلاٹ ہی کا راستہ اختیار کیا اور آخر کار بڑی خونریزی کے بعد فردوس قتل ہوا اور واپسی کے وقت کلات و جرم کے متصل طوس کی بنیاد ڈالی۔“

قدیم تاریخ | ایمن کوئی شبہ نہیں ہے کہ صوبہ خراسان میں قدامت کے لحاظ سے طوس ”شیخ البلاد“ کے خطاب کا مستحق ہے۔ کیونکہ یزدگرد کے زوال سلطنت تک اُس کی عمر ۳۸۳ سال کی ہو چکی تھی۔

سلاطین عجم کے وقت میں طوس کی کیا حالت تھی اور فتوحات اسلام تک سپر کیا انقلاب آئے؟ ہم اس افسانہ کو چھڑنا نہیں چاہتے ہیں۔ البتہ تاریخی حیثیت سے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں طوس ۹۴ھ تک ہجری میں فتح ہوا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اُس مبارک زمانہ سے آج تک اسلامی علم کے زیر سایہ ہے۔ مگر جو نشان و ثبوت خلفائے عباسیہ کے عہد میں تھی وہ باقی نہ رہی۔ اور شاہان سامانیہ،

۱۰ھ سلسلہ کیانی میں کچھ روین سیاوش تیسرا جدار ہے۔ افراسیاب سے جو مکر ہوئے ہیں انکی تفصیل شامانہ و معجزات و برج ہے۔ ۶۰ برس حکومت کر کے لہر اپ کو اپنا جانشین بنایا اور خود غائب ہو گیا۔ لہر اپ وادافری خسروی و بعد ہی و تلج کچھ خسروی، نامہ خسروان و المعجم ۱۰ھ ”کلات و جرم“ مبرکات قلندر کا نام ہے جو اپنے استحکام میں ضرب المثل تھا۔ ۱۰۱۹ھ و نمبر ۱۰۱۹ھ واقعہ واقع تھا۔ نزہت القلوب صفحہ ۱۰۹۔ ۱۰۱۹ھ یزدگرد و ساسانیوں کا سبب خیر تاجدار ہے اور خراسان کے فتح کے بعد جو ۱۰۱۹ھ میں ہوئی یزدگرد کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلجوقیہ، غزنویہ وغیرہ کے باہمی جنگ و جدال سے روز بروز طلوس کی حالت بگڑتی گئی۔ تاہم تیمور کی فتوحات تک ہندوستان اور یورپ کے سیاحوں نے اسکو عمدہ حالت میں پایا تھا لیکن آج تو ہندوستان کے ایک معمولی موضع کے برابر ہے۔

اپنے عروج کے زمانہ میں طوس و حصون پر تقسیم تھا ایک حصہ کا نام طابریان اور دوسرے کا نام توقان تھا۔ اور ہر حصہ میں حیثیت ایک چھوٹے ضلع یا پرگنہ کے ایک ایک ہزار موضعیات تھے۔ اور ہر حصوں کا درمیانی فاصلہ اٹھارہ میل تھا۔ اور آمد و رفت کے لیے تمام شہر میں ڈور وازے تھے۔

ابو عبد اللہ یاقوت الحموی اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے کہ طلوس چار شہروں کے مجموعہ کا نام

لے گنج دانش کا طلوس ص ۳۲۷۔ نام غزالی علیہ الرحمہ ص ۳۱۳ میں اسی جگہ پیدا ہوئے۔ شیخ شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی اپنے زمانہ کتابت نامہ زاجرا سیاح اور جغرافی سے ص ۱۱۳ میں بمقام بغداد پیدا ہوا۔ اور برادر کشنبہ بیسویں رمضان المبارک ۷۱۳ھ میں بمقام حلب انتقال کیا یا قوت کی شخص رسول غم عمری یہ ہے کہ بچپن میں اپنے والدین اور وطن سے جدا ہو کر کویون کے ہاتھ میں پڑ گیا اور انھوں نے بطور ایک غلام کے بغداد میں لا کر بیچ دیا اسکے بن ابو نصر ابراہیم حموی نے جو بغداد کا ایک مشہور تاجر تھا اس کو ہر گز نامہ کو خرید کر لیا۔ اور یا قوت کو بعد ضرورت تعلیم دلائی۔ پھر اپنے ساتھ لیکچر فریقین چلا گیا۔ ایک عرصہ دراز کے بعد جب عسکر سفر سے واپس آیا تو اس نے یا قوت کو آزاد کر دیا۔ یہ واقعہ ۷۱۹ھ کا ہے۔ اس زمانہ میں یا قوت کتابت کرتا تھا۔ اور یہی ذریعہ معاش تھا۔ مگر آمدنی گزاراوقات کے لیے کافی نہ تھی اور یہ پیشہ اسکے حسب حال بھی نہ تھا بلکہ وہ تجارت کے ساتھ سیر و سفر کو بہت پسند کرتا تھا۔ ایسے عسکر تاجر نے اپنے پاس سے تجارت کے لیے یا قوت کو روپیہ دیا۔ اور یا قوت دوبارہ سفر کو روانہ ہوا چنانچہ ایک تاجر کی حیثیت سے یا قوت نے مغربی ایشیا، اور اناطولیہ، مصر وغیرہ کا سفر کیا اور علم و دولت کے ذخیرے لیکر حلب میں واپس آیا اور اپنے نامور دوست ابو الحسن علی بن یوسف بن القفطی مصنف تاریخ الحکما کی وجہ سے حلب میں سکونت اختیار کر لی۔ اور کتب جغرافیہ کی تصنیف میں مشغول ہوا چنانچہ اس فن میں (باقی آئندہ)

جینین و وشرطے تھے اور دو چھوٹے "مگر حصص مذکورہ بالا کے علاوہ دو حصوں کے نام نہیں لکھے
 فتوحات اسلام تک نشان عجم کی کوئی یادگار قابل تذکرہ طوس میں باقی نہ تھی۔ مورخین اور
 جغرافیہ نویسوں کی تحقیقات کے مطابق اس شہر کو جو عروج ہوا وہ دولت اسلام کے متعلق ہے۔
 حمید بن قحطلبہ کا وہ عالیشان محل (جو ایک میل مربع میں تھا) جس کے پائین باغ میں امام
 علی رضا (رضی اللہ عنہ) اور ہارون الرشید کے مزار میں اسی طوس میں تھا۔

ابو عبد اللہ شریف ادرسی نے اپنے مشہور جغرافیہ "نزهت المشتاق فی اختراق الآفاق" میں

بقیہ صفحہ ۲۰۔ یا قوت کی سببے لاجواب کتاب "معجم البلدان" ہے۔ عربی میں جتہ جغرافیہ لکھے گئے ہیں کوئی اس سے بہتر وکیل
 نہیں ہیں یہ کتاب تقریباً چار ہزار صفحات پر ختم ہوئی ہے اور حکومت اسلامیہ کی ایک کل لغت ہے۔ ہر شہر کا حال بہ ترتیب
 حروف تہجی لکھا ہے۔ علامہ دو منفذہ جزئی کے انتہام سے ۶ جلدوں میں مقام لنگر (نہضت اللہ) چھپکر شائع ہوئی ہے۔
 اس کتاب کا ایک خلاصہ علامہ جلال الدین سیوطی نے کیا تھا جس کا نام "مرصد الاطلاع علی اسما الاکنۃ و البقاع" تھا مگر
 افسوس ہے کہ وہ خلاصہ نام رہ گیا۔ دوسری کتاب یا قوت کی "المشترک فی البلدان" ہے یعنی ایک نام کے جس قدر شہر و
 مقامات ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں مثلاً میں بمقام گائیکن یہ کتاب بھی چھپ گئی ہے اور دوسری کتاب "مرصد الاطلاع
 علی اسما الاکنۃ و البقاع" ہے یہ بھی خلاصہ خود یا قوت نے مرتب کیا تھا۔ یہ کتاب مصر، بیروت، لیدن، صفہائی
 چھپ گئی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ "ارشاد الالباء الی معرفۃ الادباء" (۳ جلدیں) اخبار الشعراء القدا و بہتائخرین
 کتاب معجم الشعراء کتاب معجم الادباء کتاب المبدأ و المال فی التاریخ کتاب الدول ابن۔ یہ کتابیں مصر، ایران، یورپ کے
 کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اربعین ہے کہ طوس مصر و یورپ کی توجہ سے چھپکر شائع ہو گئی۔ انتخاب اکتفاء القنوع۔
 کشف الظنون۔ دیباچہ مرصد الاطلاع محمد عرب۔

۱۰ مرصد الاطلاع فی معرفۃ الاکنۃ و البقاع مصنفہ یا قوت حموی مطبوعہ ایران صفحہ ۲۶۷۔ یہ وزارت کا مشہور
 خاندان تھا اور خواجہ نظام الملک کی والدہ اسی خاندان سے تھی ۱۱ ابو عبد اللہ شریف محمد بن محمد ادریس۔
 عرب کا سب سے مشہور جغرافیہ ہے۔ مغربی افریقہ میں ادریس بن عبد اللہ مدطوی جسے حکومت ادریسہ قائم کی تھی۔
 شریف کا مورث اعلیٰ ہے۔ اور اسی نسبت سے ادرسی کہلاتے ہیں ۱۲ شریف بمقام سیتہ پیدا ہوا اور
 عالم شباب میں وطن سے قریب چلا آیا۔ بیان سے سیاحت کو روانہ ہوا اور ایک عرصہ تک (باقی صفحہ آئندہ)

طوس کے حالات میں لکھا ہے کہ "طوس ایک بڑا شہر ہے اسکی عمارتیں عمدہ ہیں متعدد بازار ہیں جنہیں تمام پیرین فروخت ہوتی ہیں۔ اور آبادی بھی اچھی ہے۔ اور طوس کے اطراف میں رادکان، طبران، بردخورد و دان، مہرجان، توادہ، موقان واقع ہیں۔ یہ سب آباد ہیں، اور انہیں خوب تجارت ہوتی ہے۔"

قریب قریب اسی قسم کی تحریر ابو الفداء اور ابن حوقل کی ہے۔ اور ابن خرداد بہ کی روایت کے

بقیہ صفحہ ۲۱۔ تمام اندلس شمالی افریقہ اور ایشیائے کوچک میں پھرتا رہا لیکن جب مسلمانوں نے ہسپانیوں نے جزیرہ صقلیہ دسلی چھین لیا اسوقت شریف صقلیہ میں وارد ہوا اور راجس دوم بادشاہ صقلیہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور اسی کے حکم سے وہ مشہور و معروف جغرافیہ لکھا جسکا نام "نزمۃ المشتاق فی انقراق الآفاق" ہے یہ کتاب ۱۱۹۹ھ میں ختم ہوئی اس کتاب کی ترتیب قالیس سید کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ ہر شہر کی حالت لکھنے کے بعد میل و فرسخ کے حساب سے اسکی مسافت بھی لکھی ہے نصف تمدن عرب لکھا ہے گاوریسی کی تصنیفات سے ہوا علینہ میں ترجمہ ہوئے جغرافیہ کا علم یورپ کے ازمنہ متوسط میں پھیلا۔ اس کتاب میں متعدد نقشے تھے۔ اور میں صدیوں سے زیادہ تک یورپ نے محض اسی کتاب کی تقلید پر قناعت کی، شریف ادرسی پہلا شخص ہے جس نے دریائے نیل کا منبع دریافت کیا (خط استوا کی بڑی جھیلیں) جسکو ایل یورپ نے بہت ہی قریب زمانہ میں معلوم کیا ہے "افسوس ہے کہ اس کتاب کا پورا اصل نسخہ نایاب ہے۔ افریقہ اندلس اٹالیا فلسطین کے حالات میں جو ابواب ہیں وہ بمقام لیدن (مسئلہ ۱۰۹) مع ترجمہ فریخ، ورومیدہ (مسئلہ ۱۰۸) مع ترجمہ ایتالین، و بون (مسئلہ ۱۰۷) چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔

کشف الفنون، تمدن عرب، الکفایہ القنوع۔ ۱۱۹۹ھ پورا نام مع شجرہ نسب اس امور عالم کا یہ ہے "سلطان ملک الملوید عباد الدین ابو الفداء اسمیل بن ملک الافضل نور الدین علی بن جمال الدین محمود بن محمد بن عمر بن شہنشاہ بن ایوب صاحب حماہ" ابو الفداء ۱۱۹۹ھ میں بمقام دمشق پیدا ہوا اور ۱۲۳۳ھ میں فوت ہوا۔ فقہ اصول عربیت، ادب، تاریخ میں کامل تھا۔ علی ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ باوجود سلطنت نصیحت میں مشغول رہتا تھا تاہم تاریخ ابو الفداء (مصر) یورپ میں کئی بار چھپ چکی ہے) کے علاوہ تقویم البلدان "جغرافیہ میں مشہور کتاب ہے۔ ابو الفداء سے قبل عرب میں سائنس جغرافیہ میں گر رہ چکے تھے اور انکی تصانیف ابو الفداء کے سامنے موجود تھیں لہذا اس کتاب میں دباتی تبدیلی

بموجب طوس کا سالانہ خراج سینتالیس ہزار آٹھ سو ساٹھ درہم تھا۔ (۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۱ء) (۱)

قدیم طوس کی عظمت و شان سے انکار نہیں ہو سکتا ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں ٹوٹے پھوٹے قلعے پرانے محل، پلوں کے آثار یا شہرِ پناہ کی دیواروں کے سوا اور کچھ باقی نہیں ہے اور انھی کھنڈرات سے عمارت کے استحکام اور صنعت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ قدیم آبادی کا

بقیہ صفحہ ۲۲۔ جغرافیہ کی بہت سی ضروری فرگنداشتوں کی اصلاح ہو گئی ہے۔ اور ہر شہر کے طول البلد اور عرض البلد بھی لکھ دیے گئے ہیں۔ ابوالقداس نے یہ طرز ترتیب ابن جزلی کی تقویم البلدان سے اخذ کیا ہے۔ سنہ ۵۸۰ھ میں مع ترجمہ فرخ ۲ جلدوں میں بمقام پیرس یہ جغرافیہ چھپ گیا ہے۔ تقویم البلدان کے علاوہ مصر کا جغرافیہ بھی ابوالقداس نے لکھا ہے جو سنہ ۸۰۰ھ میں بمقام گٹنگن چھپا ہے "کشف الظنون تمدن عرب، الکفوال القنوع۔ ۵۸۰" ابوالقاسم ابن حوقل مشہور تاجر اور سیاح ہے۔ سنہ ۳۰۰ھ میں بغداد سے بغرض سیاحت روانہ ہوا اور پورے ۲۸ برس کے بعد ۳۲۸ھ میں واپس آیا۔ بلادِ بربر، ایلان، عراق، فارس وغیرہ کی سیر کی بعد اس نے اپنا سفرنامہ مرتب کیا جس کا نام المسالك الممالك والمفاوز دہلہا ملک ہے اس سفرنامہ کا اخذ کتاب الاقالیم (مصنف ابو جحاق مصطری) ہے اور قداسہ وغیرہ کی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے ممالکِ یورپ کے نامور سیاح آج جن چیزوں کو اپنے سفرنامہ میں درج کرتے ہیں۔ ابن حوقل نے وہ تمام امور اپنے سفرنامہ میں لکھے ہیں تفصیل کے واسطے تمدن عرب دیکھنا چاہیے جس میں اس سفرنامہ کے دیباچہ کا اقتباس درج کیا گیا ہے اس سفرنامہ کے بعض ٹکڑے مع ترجمہ انگریزی سنہ ۱۸۰۰ھ میں بمقام لیڈن اور بون چھپ گئے ہیں اور فارسی میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے۔ المسالك والممالك کے نام سے متقدمین اور متأخرین نے متعدد جغرافیہ اور سفرنامے لکھے ہیں جس کی تفصیل کشف الظنون میں ہے۔ ابن حوقل کی وفات کی صحیح تاریخ نہیں معلوم ہو سکی لیکن سنہ ۳۲۸ھ کے قریب انتقال کیا ہے۔ الکفوال القنوع وغیرہ

۵۸۰ ابوالقاسم عبد اللہ بن احمد بن حمد داد بخراسانی رحاکم طبرستان مشہور مؤرخ اور جغرافیہ ہے اس کے جغرافیہ کا نام "المسالك الممالك" ہوا اس کا طرز تقسیم اور اصول ترتیب زینہ المشتاق اور سی کے مطابق ہے۔ سنہ ۸۰۰ھ ہجری کے قریب ابن خرداد بہ کا انتقال ہوا۔ الکفوال القنوع۔ مذکورہ بالا جغرافیوں کے پورے خلاصے گنج دانش میں درج ہیں بشرط ضرورت شائقینِ صل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

ایک محل باقی ہے جسکی عمارت شکل مربع متساوی الاضلاع ہے جسکا ہر ضلع ۱۲ گز ہے! اور سطح زمین سے گنبد تک دیوار کی بلندی ۸ گز ہے پھر زمین سے گز کی بلندی تک شکل مربع اسکے بعد صناعتوں نے اسکو دشمن دہشت پہلو کر دیا ہے اور پھر ہر گوشہ میں عجیب و غریب صنعت سے طاق بنائے ہیں۔ علاوہ اسکے فن عمارت کی جو صناعتیں ہیں وہ بغیر ٹوٹو کے قلم سے ادا نہیں ہو سکتی ہیں اور چند مقامات پر بخط نسخ و قلع تحریر ہے کہ "اَللّٰهُمَّ اَسْأَلُكَ" موجود زمانہ میں اس جگہ سے اُس عہد کے مسلمانوں کے خیالات کا پتہ لگ سکتا ہے۔

اس محل کے علاوہ شہر کے شمالی جانب شاہی قلعہ کے بھی نشانات باقی ہیں دیہ قلعہ شکل مربع متساوی الاضلاع تھا اور اسکا محیط ۸۰۰ گز تھا اور قلعہ کے سامنے خندق ہے جسکا عرض ۵ گز ہے اور باوجود امتداد زمانہ کے بمحکمہ بارہ برجوں کے بعض برج بھی اب تک قائم ہیں شہر نیادہ کی دیوار بھی موجود ہے جسکا عرض سطح زمین کے برابر ۵ گز ہے۔ اور بمحکمہ ۱۵۶ برج کے بعض آج تک برقرار ہیں۔

تمام عمارتوں میں تھرا اینٹ اور چونہ سے کام لیا گیا ہے۔ قدیم آبادی کے دو مزرعے ہنوز باقی ہیں اور طوس کے نام سے مشہور زمین۔ مگر مجموعی آبادی پچاس خاندانوں سے زیادہ نہیں ہے۔

مجمع البلدان یا قوت حموی میں طوس کا طول البلد ۴۰ درجہ اور عرض البلد ۳۰ درجہ درج ہے اور نیشاپور سے فاصلہ دس فرسخ ہے۔

طوس کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ان چیزوں کا تذکرہ تھا جو ٹٹنے والی ہیں لیکن حقیقت میں

طوس کی شہرت عام اور بقائے دوام کے باعث خود اس کے نامور بیٹے میں ججکا فضل و کمال قیامت تک اسکو زندہ رکھیگا۔

طوس کے جن نامور لوگوں کے مفصل حالات تذکرہ طبقات، انساب الرجال، اور کتب تاریخ میں تحریر ہیں۔ انکی محفل سوانح عمری کے لیے بھی ایک مستقل کتاب چاہیے۔ لیکن ناظرین کی اطلاع کے لیے ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے جس سے بڑی اعلیٰ معلوم ہوگا کہ بقائے دوام کے دربار میں کس کس طبقے کے باکمال جلوہ افروز ہیں۔

مشاہیر طوس کی مختصر فہرست

۱۔ ائمہ | ۱۔ امام محمد غزالی - ۲۔ امام احمد غزالی۔

۱۔ امام محمد غزالی - محمد بن محمد بن احمد حجتہ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۴۵۰ھ وادی الثانی رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۵ھ میں بمقام طابریان انتقال کیا۔ امام الحارثین کا شاگرد تھے۔ ختم تعلیم کے بعد درس و تدریس میں مصروف رہے پھر گوشہ نشین ہو گئے اور تصوف کا رنگ غالب ہوا۔ شیخ ابو علی فارابی کے مرید ہوئے بیت المقدس، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، مصر، اسکندریہ کا سفر کیا مختلف علوم و فنون میں ۸۰۰ کتابیں متعدد جلدوں میں تصنیف کیں جن میں سے صرف یا قوت القادری نے تفسیر ہم جلدوں میں ہے۔ احیاء العلوم، کیمیائے سعادت مشہور کتابیں ہیں۔ انکے علاوہ متعدد کتابیں علوم و فنون کی مضامین میں چھپ گئی ہیں مفصل سوانح عمری کے لیے دیکھو الغزالی شمس العلما شہابی نعانی۔ ۵۰۵ھ ملک لابادل مجد لدین ابو الفتوح امام احمد غزالی۔ مختصر تعریف یہ ہے کہ آپ امام غزالی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ جامع العلوم تھے گرفتار میں خاص پایہ رکھتے تھے۔ کچھ دنوں نظامیہ کے درس رہے۔ مگر پھر ملازمت چھوڑ کر عظیم میں مصروف ہوئے۔ کیونکہ قومی خدمت کا امام کے نزدیک یہ سب سے عمدہ ذریعہ تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ ۵۱۵ھ میں بمقام قزوین انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ محمد شاہ قاجار متوفی ۱۲۸۳ھ کے عہد سلطنت میں ایک امور مجتہد کے فتوے سے غرار پر انوار بر باد کردیا گیا اور ضریح کے کمرے کے گئے۔ افسوس!! تصنیفات میں سے سوانح ایک عمدہ کتاب ہے۔ جسکے طرز پر شیخ فخر الدین عراقی نے لغات لکھی ہے ابو کرناج سے میت تھی نظم میں یہ قطعہ مشہور ہے ۵۰۰ چون چتر سنخری رخ بخت سیاه با باقر اگر بود ہوس تاج سخرم (باقی آئندہ)

محمد بن

۲۔ تیمم بن محمد طنج ابو عبد الرحمن۔ شیخ الطائف ابو جعفر۔ عماد الدین ابو جعفر شہو باجمہ

۳۔ طواس الفقیر ابو نصر سراج۔ شیخ محمد بن اسلم۔ ابو العباس احمد بن محمد بن مسروق

صوفیہ کرام

معشوق۔ شیخ ابو علی فارمدی۔ شیخ ابو بکر بن عبد اللہ نسلج۔ محمد بن منصور۔ بابا محمود

بقیہ صفحہ ۵ تا یافت جان بن نجران ملک نیم شب صد ملک نیروزی یک جونی خرم رنج دانش صفحہ ۲۴۹ مطبوعہ اصفہان۔
 مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۴۴ صاحب سند الکبیر محدثی موثق بودہ و کثیر الحدیث مدنی بنو سیاحتی شتغال
 دہشت مواعظ جلیلہ بیادگار گذار شدہ گنج دانش تذکرہ طوس ۵۱ ابو جعفر طوسی طبقہ امامیہ کے نہایت جلیل القدر عظیم القیام
 فقیہ اور محدث ہیں۔ ابو جعفر ثالث مشہور ہیں کیونکہ علامہ کلینی اور شیخ صدوق کی بھی یہی کنیت ہے اور نام بھی
 ہر سہ بزرگوں کا "محمد" ہے۔ شیخ مذکور حسن بن علی طوسی کے نامور بیٹے ہیں۔ رمضان ۳۹۹ھ میں بمقام طوس ولادت
 ہوئی۔ اور محرم ۴۱۲ھ میں بمقام نجف اشرف انتقال فرمایا تصنیفات میں ہتھکڑیاں تہذیب نہایہ، مہبوط اور
 تفسیر قرآن (دس جلدیں) مشہور ہیں۔ مزید حالات کے لیے تاریخ اور تذکرہ دیکھو گنج دانش صفحہ ۲۴۱۔ ۵۱ عماد الدین
 ابو جعفر ثالث کے مثل آپ بھی فقیہ اور محدث ہیں پورا نام یہ ہے۔ ابو جعفر عماد الدین محمد بن علی بن حمزہ بن محمد بن علی
 طوسی الشہدی، مذہب جعفری کے کتب اسناد الیہ میں مختلف عنوان سے شیخ کا نام آتا ہے یعنی ابن حمزہ ابو جعفر ثانی
 ابو جعفر عماد طوسی شیخ طوسی صاحب اسناد تصنیفات میں سے نقیض کتاب الوسیلۃ الی الفضیلۃ مشہور ہے۔ ولادت اور
 موت کی تاریخ کا کین پتہ نہیں ہے لیکن یا تو ابو جعفر ثالث کے ہم عصر تھے یا قریب العصر تھے۔ گنج دانش صفحہ ۳۵۲
 ۵۱ ابو نصر سراج عالم عارف اور شیخ وقت تھے۔ کتاب التلویف میں آپ کی مشہور تصنیف ہے طوس میں عماد بخاراؤ کی
 نماز آپ کے مزار کے سامنے پڑھائی جاتی ہے۔ ابو محمد رقیس کے مرید تھے۔ ۵۱ محمد بن اسلم۔ یہ اپنے زمانہ کے مطلب تھے
 "انسان الرسول اور شیعہ خراسان" کے نام سے مشہور تھے۔ تمام عمر کوئی اور خطاں شریعت سرزد نہیں ہوا۔ امام علی رضا
 کے ہم عصر تھے۔ آپ کے وعظ سے ۵۰ ہزار آدمی پابند شریعت ہو گئے۔ ۲ برس قید رہے مگر قرآن کو مخلوق نہیں کہا۔
 ۵۱ احمد شرقی مشہور ابراہیم بن علوم ظاہر و باطن میں کامل تھے۔ آپ کا مجاہدہ اور تقویٰ مشہور ہے حارث عباسی اور
 سری قحطی سے صحبت ہستی تھی۔ ۵۱ معشوق۔ محمد نام تھا۔ اور معشوق کے لقب سے ممتاز تھے۔ مولانا جامی لکھنوی
 "انضواء سے جانیں بودہ و بس بزرگوار و صاحب حالتی کمال" شیخ ابو سعید باخیز نیشاپور کو جا رہے تھے جب طوس کے
 دروازے پر پہنچے تو اول خادم بھیج کر حضرت سے اجازت چاہی کہ اگر حکم ہو تو شرمین داخل ہوں۔ چنانچہ اجازت ہوئی
 اور آپ آئے۔ "جنکو شیخ ابو سعید کا درجہ معلوم ہے وہ اس واقعہ سے معشوق طوسی کی غلط سمجھ سکتے ہیں (باتی آیندہ)

شعر

۴- فردوسی- اسدی- خواجہ منصور- سلطان علی- مولانا عبد الصمد- ملا نامی-
محمد میرک صالحی- ملاغزالی- شیخ رباعی- نجاتی- اقدسی- قاسم ارسلان- محمد رضا- غری-
نسبتی- بدلی- لغتی- نادری- قدسی- شیدا-

بقیہ صفحہ ۲۶ ۵۵ ابوی فارسی فضل بن محمد بن علی ہشوار شیخ ابوی فارسی حقیقت میں شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے تھے
علوم ظاہری میں امام ابوالقاسم قشیری کے شاگرد تھے شاہان سلاجقہ اور وزراء شیخ کے واسطے اپنی مسدغالی کرتے تھے۔
۵۹ ابوبکر نسلی شیخ ابوالقاسم گرگانی کے سلسلہ میں نہایت نامور عارف ہیں ۱۲۰ برس کے ہو کر انتقال فرمایا۔ ذریعہ معاش
کپڑا بنانا تھا۔ اور ہائے زمانہ کے صوفیوں کی معاش مریدوں کے نہ راتہ پر ہے۔ ۵۵ میں تفاوت رہ از کجاست تا کجا۔
۶۰ محمد بن منصور مولانا جامی نے آپ کو صوفی اور محدث لکھا ہے۔ بغداد میں اکثر قیام رہتا تھا۔ بڑے مشہور عارف ہیں
عثمان بن سعید الدارمی، ابوالعباس مسروق، ابوجعفر حداد، ابوسعد خزاز اور جنید آپ کے شاگردوں میں ہیں۔
۶۱ اباحمد شیخ عبدالمکدک مرید ہیں حلقہ تعلیم سے بھاگ چکے تھے۔ اندامہ و ہم ہو کر رہ گئے۔

انتخاب از لطائف الانس جامی طبعہ کلکتہ ۷۷۷ ذکرہ فریدالدین عطار جملہ لاہور گنج و انش ذکرہ طوس میں صفہ ان
۶۲ شاید ہی کوئی جو جو حسان لہجہ حکیم ابوالقاسم منصور فردوسی یا اسدی طوسی سے واقف نہ ہو۔ شاہنامہ اور
کر شاہ نامہ نے دونوں کو حیات جاودید بخشی ہے۔ اور فردوسی کی مرثیہ میں ذیل کے اشعار کا ذکر ہے۔ ۶۳
سکندر زخم فردوسی طوسی نشاند کا فرم کر چکس از جملہ فرسی نشاند اول زبالہ کرسی زدن آئین او در گزشتش گرفت باز کر نشاند
۲- در شعر تن ہمیں برانند ہر چہ کہ لا بنی بعدی

اوصاف و قصیدہ و غزل را فردوسی و ابوری و سنہ ۳- اب حکیم فردوسی کا قول سنہ ۵
آفرین بردان فردوسی آن ہایون نداد و فرخندہ او نہ آتا و بود و ما شاگرد او خلاق و بود و ما بندہ
فردوسی کی سوانح عمری اردو میں چھپ گئی ہے اسلئے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے اور شاہنامہ ہر کتب خانہ میں موجود ہے
۶۴ سنہ ۵۷۰ میں کتب خانہ ٹرنر نے ایک انگریزی ترجمہ بھام کلکتہ شائع کیا اور ۱۸۷۳ میں مٹی انکسن نے دوبارہ شائع کیا اور ۱۸۷۳
میں فریخ ترجمہ جلدوں میں زیر نگارانی فعل صاحب شائع ہوا جو جلد ۵ صفحہ ۳۵۸ یو پو لور اشائیکلو پیڈیا۔ اور
بقیہ شعر کے حالات تذکروں میں موجود ہیں۔ الدیہ صالحی محمد میرک خواجہ نظام الملک کی اولاد میں ہے طوس کو چھوڑ کر
صفہ ان میں سکونت اختیار کی تھی اول شاہ عباس صفوی کا وظیفہ خوار تھا اسکے بیٹا شاہشاہ ہندوستان دہلی آئے

وزرا

۵- ابوعلی حسن بن علی (نظام الملک) عبدالرزاق (شہاب الاسلام)

حکما

۶- خواجہ نصیر الدین (سلطان الحکما نصیر الملک والدین)

بقیہ صفحہ ۲۸ بحال الدین اکبر کے دربار میں ماضی ہوا کلام کا نمونہ یہ ہے۔

مراوستے اگر کوئے گریبان پارہ میکر دم
اسباب ہلاک این بھلہ وزندہ ام ای ہجر
شرمندہ خود کرد ما را سے تو مارا
درو دل گفتم تغافل کرد خوار ی را بین
گریہ کردم خندہ زد بے اعتباری امین
بدست اوست مرگم صالحی عاقل شاغم شد
کہ تباہین اجل ہم مرغ دست آموزی بوست
نزدیدہ قطره خون از جگر بر آوردہ
بدین تودل از دیدہ سر بر آوردہ

۳۱۶- آئین اکبری صفحہ ۲۰۰ مرتبہ انریل سرسید احمد خان بہادر مرحوم بطوطہ دلی شہید ہوا تشکدہ آور صفحہ ۳۱۶۔

۳۱۷- نظام الملک کی سوانح عمری ناظرین کے اچھے ہیں ہے۔ اور عبدالرزاق شہاب الاسلام نظام الملک کا بھتیجا تھا۔ جو سلطان بنجر سلجوقی کا وزیر تھا۔ پورا نام یہ ہے "شہاب الاسلام عبداللہ وام ابن الفقیہ عبداللہ بن علی بن اسحق طوسی" مزید حالات کے لیے دیکھو تاریخ "آل بلجوق" ۳۱۷- خواجہ نصیر الدین سلطان الحکما خواجہ نصیر الدین ابو جعفر محمد طوسی محمد بن حسن طوسی کے بیٹے تھے۔ بروز شنبہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۵۹۹ھ قریب طلوع آفتاب شہید مقدس میں پیدا ہوئے۔ گو بزگون کا وطن جہرود مضائقہ ہے مگر چونکہ خواجہ کا مولد و نشا طوس تھا اسوجہ سے طوسی مشہور ہوئے۔ خواجہ نے ابتدائی تعلیم اپنے باپ سے پڑھیں اور مقولات اپنے امون سے لیکن فرید الدین و اما د نیشاپوری قطب الدین مصری کمال الدین بن یونس مصری معین الدین سالم بن بدراہن مقرنی سید علی بن طوس حسینی حلی شیخ شہنشاہ علی بخرانی جیسے نامور علمائے کبیل علوم فنون کی تھی اور مراتب حکمت میں خواجہ کا سلسلہ شاگردی دہلیخ واسطون سے بولے سینا تک پہنچا ہے جسکی تفصیل یہ ہے فرید الدین و اما د صدر الدین فضل الدین نعمانی ابو العباس بگوڑی بہمن یار شیخ رئیس بولے سینا لکھی اگرچہ خواجہ جامع علوم تھا مگر ریاضی میں فردا کل تھا۔ فوٹا نوشتا کا مصنف لکھا ہے "کان لاساقی علمہ الا وائل لا سیمانی الا دصاد و الجسطی" تصنیفات میں المنتہی نظام الدین بن الشہرہ و البیہا تھقف المحصل تجرید الکلام اوصاف الاشرف جام گیتی نامہ قواعد العقائد التخلیص ااداب المتعلین العروض تحریر قلیدس و تحریر الجسطی جامع الحسباف تقدیل المعیار سما تہافۃ الفلاسفہ وغیرہ مشہور ہیں علاوہ اسکے کہ اصططلاب اور زیج کے متعلق متعدد تصنیفات ہیں۔ مؤرخین کا سار ہے کہ جب خواجہ کے فضل و کمال کا بلا د ایران میں شہرہ ہوا تو رئیس ناصر الدین عبدالرحیم دہلی دہلی و صفحہ ۳۱۷

اور کسی شاعر نے ذیل کے اشعار میں انہی نامور بزرگوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔
حبذا آب و خاک بقعہ طوس۔ کہ شد آرا مگاہ اہل نظر

بقیہ صفحہ ۲۸ ابی منصور مختصم حاکم قستان گور زمتاجب شادان اسمعیلیہ نے خواجہ سے ملنے کا ارادہ کیا۔ اور آخر کار
بہت سماجت اپنے پاس بلایا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق ابن مسکویہ (المتوفی ۴۲۸ھ) کا
خواجہ نے ترجمہ کیا تھا اور امیر ترکو کے نام پر بطور تہدیہ (ڈیٹیکشن) اخلاق ناصری نام رکھا (دیکھو دیباچہ ناصری)
اور اسی جگہ سے خواجہ نے مولیٰ الدین محمد بن لطفی وزیر مستعصم بامد خلیفہ بغداد سے خط و کتابت شروع کی۔ اور خلیفہ
کی طرح میں ایک عربی قصیدہ لکھا۔ لیکن ابن لطفی چونکہ خواجہ کے فضل و کمال سے واقف تھا لہذا اسے یہ گوارا نہیں
ہوا کہ دربار خلافت میں کوئی میر اسیم و شریک پیدا ہو۔ اور خواجہ کی آمد کو اپنے زوال کا باعث سمجھا لہذا اصل خط کی نسبت
پر حسب ذیل عبارت لکھا میر ناصر الدین کے لفظ کے لیے بھیجہ یا "نصیر الدین طوسی را دوری در گاہ تو در خاطر خلیفہ
و مدحی در حق خلیفہ" عصر سرودہ و قاسم بن رقم نمودہ منظور را در پیش گاہ خلافت پناہ متمنی سازم و از انجا کہ انجام
ازین معنی منافی مقام نجوتی و دوستداری بود لازم شد کہ علامہ نایم افاضی زبانی "امیر مذکور یہ خط پڑھ کر شتمل ہو گیا اور
خواجہ کو قید کر دیا۔ اور پھر قستان سے دار السلطنت قزوین میں علاؤ الدین محمد بادشاہ اسمعیلیہ کی حضور میں بھیج دیا۔
خواجہ قلعہ الموت میں راکر آتا تھا۔ اور اپنی زندگی تصنیفات میں بسر کرتا تھا چنانچہ قاضی شمس الدین احمد قزوینی کی
تحریر پر حسب منقولہ آں نے اپنے بھائی مولانا کو خان کو لاجہ اسمعیلیہ پر تعینات کیا۔ ہے اسوقت خواجہ کی لدین
خورشاہ کی خدمت میں حاضر تھا جو آخری بادشاہ اسمعیلیہ کا تھا گویہ بادشاہ کسب تھا مگر خواجہ کی بہت بڑی عزت کرتا تھا
لیکن قید سے پھوڑا نہیں چاہتا تھا اس لیے خواجہ اور رئیس الدولہ وغیرہ امر لے دربار نے مولانا کو خان سے سازش شروع
کی۔ اور درپردہ خورشاہ کو بھی اطاعت پر رضامند کر لیا۔ اور بالآخر خواجہ نے متہ و مسفار توں کے آمد و رفت کے بعد
خورشاہ کو مولانا کو خان کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا چنانچہ اس واقعہ کو خود ہی خواجہ نے نظم کیا ہے

سال عرب پچوش صد و چار شد یکشنبہ روز اول ذیقعدہ ہ ما د
خورشاہ بادشاہ اسمعیلیان ز تخت برخاست پیش تخت ہلا کو بایستاد

چنانچہ جب قلعہ الموت فتح ہو گیا اور ۱۱۵۶ھ میں تمام لاجہ کا استیصال ہو گیا تو خواجہ کو مولانا کو خان اپنے ہمراہ
لے گیا۔ اور چونکہ محض خواجہ کی حکمت علی سے (بغیر خونریزی کے) خورشاہ قبضہ میں آ گیا تھا لہذا اس (باقی آئندہ)

معدن و منبع حقیقت و فضل	مرتع و مربع صفا و نظیر
آب اوچون سپہر مہر نماے	خاک اوچون صدف گہر پرور
ہر بزرگی کہ بود اندر طوس	آمدہ است از جہانیاں برتر
ہمچو غزالی و نظام الملک	ہمچو فردوسی و ابو جعفر
و اندرین روزگار خواجہ نصیر	اعلم عصر و مقتداے بشر

بقیہ صفحہ ۲۹ صلہ میں خواجہ کا قصہ و معائنہ کر دیا گیا اور نوازشات شاہی سے خواجہ کی عزت افزائی کی گئی اور چندی ہی روز کے بعد خواجہ نے اس ظالم کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ چنانچہ سلطنت کا کوئی کام ایسا نہ تھا جو بے مشورت خواجہ کے ہوتا ہو لیکن افسوس ہے کہ خواجہ نے اپنے اقتدار سے جو کام لیا وہ یہ تھا کہ ہولا کو خان کو بغداد کی بربادی پر پوری طور سے آمادہ کیا اور اسکا مشائخ اس کے اور کچھ نہ تھا کہ مویہ الدین عثمی سے پورے جوش سے انتقام لیا جائے گا ابتدا میں قصبہ مویہ الدین عثمی نے ہولا کو سے سازش کی تھی۔ لیکن اگر خواجہ کی ترغیب شامل نہ ہوتی تو بغداد پر ہرگز حملہ نہ ہوتا کیونکہ خلفائے عباسیہ کی عظمت و شان اور نیز ان افسانوں سے جو عقیدہ مندوں نے ہولا کو خان کو سنا ہے۔ اسکی ہرگز حرات نہ پڑتی تھی کہ وہ بغداد پر حملہ کرے کیونکہ اسکا خیال تھا کہ بغداد پر فوج کشی کرنے سے قیامت آجائیگی۔ یا ایسے واقعات کا ظہور ہوگا جو قیامت سے کم نہ ہوں گے۔ لیکن خواجہ نے سمجھا یا کہ عادت امردین عالم چنین قرار گرفتہ کہ امور بر مجاری طبیعت عالم باشند مستصم ہمد در شرف نہ پوچھی بن زکر یا میرسد نہ محمد بن علی۔ و این ہزدو را اعاوی بر تیغ بیدر تیغ سر بریدند و جان بچھان بر قرار است" اسی قسم کے اور بھی فلسفیانہ اور حکیمانہ فقرے کہے جو جاہل کی سمجھ میں آگئے اور غفلوں کے فوجی سیلاب نے بغداد کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور آخر کو مستصم ہمد قتل کر دیا گیا اور چالیس دن قتل عام کے بعد کو بھی تباہ کر دیا وریاے دجلہ کا پانی یگینا ہون کے خون سے سرخ ہو کر بہا گیا تباہی کیسی عظیم الشان تھی اور سیل تباہی کی طغیانی کہا تک تھی اسکو قلم سے ادا کرنا مشکل ہے ہذا یقین مستصم ہمد کے عہد کی تاریخ اور نامور شعراء فارسی و عربی قصائد پڑھیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ۵

آسمان راقی بود و گون گرید بر زمین بر زوال ملک مستصم سپہر لومنین

ہر حال خلافت عباسیہ کی بربادی کا خواجہ کے دامن پر ایسا دھبہ ہے جسکو قیامت تک کوئی مٹو نہ نہیں دھو سکتا ہے۔ اس کا گنہ گاری کے بعد ۱۱۳۵ھ میں ہولا کو خان نے خواجہ کو تعمیر صدر پر امور کیا دباقی بر صفحہ آئندہ

کزا فاضل زمبدا فطرت تا با کنون چا او نخواست دگر
این چنین شهر با چنین فضل سر د ار بر فلک فراز و سر
ایک دوسرے شاعر کا یہ قول ہے۔

۲۔ ہر دیر و شاعر مفتی کم او طوسی بود چون نظام الملک غزالی فردوسی بود

طوس کا موجودہ نام | طوس کا موجودہ نام ”مشہد مقدس یا مشہد رضوی“ ہے۔ اور یہ تقدس
امام علی رضا علیہ السلام کی ذات پاک سے ہے لیکن مشہد حقیقت میں فی زمانہ صوبہ خراسان کا
ایک مشہور شہر ہے جس میں امام صاحب کا مزار پڑا ہوا ہے۔ اور یہ جگہ طوس سے پندرہ میل کے
فاصلہ پر جانب شمال و مشرق واقع ہے۔ اور یہی موقع موضع دس آباد کا ہے جہاں ہرول رشید

بقیہ صفحہ ۳۰۔ اور خواجہ کی زندگی کا یہ ستم باشان واقعہ ہے۔ اس رصد کی بدولت خواجہ کو علاوہ جاگیر اور منصب کے اس قدر
دولت ہاتھ آئی جس کا شمار غیر ممکن ہے۔ یہ رصد بمقام مراغہ بنائی گئی تھی اور خواجہ کے علاوہ موبد الدین عروضی و دشقی۔
اور فخر الدین مراغی، فخر الدین غلاطی، اور نجم الدین تریخی، قطب الدین شیرازی، محی الدین مغربی جیسے حکماء شریک تھے۔
اور جو رنج تیار کی تھی اس کا نام ”زیچ الیمانی“ تھا۔ بہر حال خواجہ ان شاہیر میں داخل ہیں کہ شکی مستقل ہوا جو عمری
کی ضرورت ہے ۳۱۳ھ میں انتقال کیا اور بغداد میں بمقام کاظمین دفن ہوئے۔

نصیر ملت و دین پادشاہ کشور فضل یگانہ کہ چو مادر زمانہ نہ زاد
بسال ششصد و ہفتاد و دو ہند بحجر بروز چہدہم در گزشت در بغداد
انتقال کے وقت خواجہ کے تین بیٹے موجود تھے۔ جس کے نام یہ ہیں۔ صدر الدین علی۔ اصل الدین حسن
فخر الدین احمد۔ انتخاب از ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۴۹۔ جامع التواریخ رشیدی مطبوعہ
پیرس ۱۲۵۴ھ ۶ محمد ہوا کہ۔ گنج دانش صفحہ ۳۲۲۔ طبقات ناصری مطبوعہ سوسائٹی
کلکتہ ۱۸۶۳ء۔ مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۴۳۳۔ کشف الظنون صفحہ ۴۱ جلد ۲۔
آکفاء القنوع صفحہ ۱۹۷۔

عباسی کی قبر ہے۔ خلیفہ امون الرشید نے اس خیال سے کہ امام صاحب کے قرب سے
ہیرون الرشید بھی مستفید ہو قبر کا تعویذ اکھڑوا کر حضرت علی رضا کو بھی اُسی میں دفن کیا تھا لیکن
خاتقاہ کی تعمیر کے وقت رشید کی قبر کا تعویذ جدا کرنا یا گیا ہے۔

اٹلس میں مشہد کا موقع حسب ذیل ہے۔

طول البلد شرقی ۲۷-۳۵-۵۹-

عرض البلد شمالی ۳۰-۱۷-۳۶-

طوس اور مشہد مقدس کے مختصر تاریخی حالات جبکہ لکھنا ضروری تھا، وہ سب لکھے جا چکے ہیں
اب ہم اس نامور کے حالات زندگی لکھتے ہیں جس کے وطن ہونیکا طوس کو فخر ہے۔

طوس امام علی رضا اور مشہد علیہ السلام ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ جبرئیل حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہے امید ہو کہ ناظرین
اس تاریخی معلومات کو خارج از بحث کا الزام نہ دیں گے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام ثنا عشرین ائمہ ہیں۔ امون الرشید نے آپ کا لقب (الکَیْصَانِیْنِ اَبِیْ مُحَمَّدٍ) قرار دیا تھا
اور عوام (سُلَاطَنُ الْغُرَبَا) کہتے ہیں۔ امام موسیٰ کاظم کے آپ خلع الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں پہلے بیچے تھے
جمعہ کے دن پیدا ہوئے اور اخیر صفر ۱۸۳ھ میں بمقام طوس بیچے بس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ زہد و تقویٰ آپ کا
ضرب المثل ہے۔ امون الرشید نے جامع الصفات دیکھا آپ کو ولید خلافت مقرر کیا تھا اور یہ ولید مدعی آپ کی
زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے شعرے عجم اور عرب نے آپ کی مدح میں بکثرت قصائد لکھے ہیں چنانچہ وکیل کے
ایک مطلع اور ثانی کے چند اشعار پر ہم بھی التفات کرتے ہیں۔

ذکوت محل الوریع من عرفات	فاجریات دمع العین بالعبوات
بگردن تیرہ ابری بادادان برشد از دریا	جواہر خیزد گوہر ریزد گوہر ریزد گوہر رزا
چمن از فروردین چنان نازان بشت چین	کہ طوس از فرنا و دین برین نہ گنبد خضر
ننال باع علین ہمار غسزار وین	نسیم روضہ یاسین شمیم دوحہ طوس

نواجہ حسن کا خاندان اور وطن

نسب نامہ | نواجہ حسن کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ حسن بن علی بن اسحاق بن عباس طلوسی۔

بقصہ صفحہ ۳ نظام عالم اکبر قوام شرع پیغمبرؐ فروغ دیدہ حیدر سرور سینہ زہرا
امام نامن ضامن جیش چون حرم آمین زمین زخرم او ساکن پیراز عزم او بویا
شہد کی اصلی عظمت و شان و شوکت امام صاحب کی ذات سے وابستہ ہے۔ شہد مشرقی طرز کا شہر ہے۔ جسکے چاروں طرف
کچی مٹی کی فصیل ہے اور پیر جیان بنی ہوئی ہیں۔ شہر نہا چن در دا زون پر تقسیم ہے۔ اور ایک خوبصورت نہر شہر
کے اندر آئی ہوئی ہے جسکے کنارے خوشنما اور سرسبز درخت نصب ہیں۔ اور سب سے زیادہ دلفریب منظر ایک
بڑی بانار کا ہے جسکا نام خیابان ہے یہ بازار بظلمت تقسیم پونے وکیل لبا ہے اور شمال و مغرب سے جنوب مشرق کی
سمت میں شہر کو در حصوں پر تقسیم کرتا ہے۔ نواب لارڈ کرزن بہادر موجودہ دیر لے ہندوستان اس بازار کو پیرس کی
"شان زری لیری" سے تشبیہ دیتے ہیں مردم شماری پینتالیس ہزار ہے جیمن سلطان عیسائی۔ یہودی۔ شامل ہیں اور
مسلمانوں میں سب سے بڑی جماعت طبقہ امامیہ کی ہے شاذ و نادر اہل سنت و جماعت بھی ہیں البتہ یہ خوشی مقام
ہے کہ مذہبی تعصب میں روز بروز کمی ہو رہی ہے صنعت اور حرفت میں صرف ریشمی سوئی کپڑے اور محض تیار
ہوتی ہے چھ سوئیٹس ریشم کے اور تین سوئیٹس لٹانی کارخانے ہیں۔ قالین کی بھی تجارت اچھی ہوتی ہے خوشی وضع
کے عمارت کے پھل بھی تیار ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ اور دولت روس کا کاسل رہتا ہے۔ آٹھ سو جوانوں کی
تین سپید بلیٹین ہمان رہتی ہیں اور شاہی قلعہ میں بیس توپیں ہیں۔ ایرانی گورنر جنرل دارک قلعہ میں رہتا ہے
تجارت میں ہر قسم کی آسانی ہے۔ ۱۳۴۳ بڑے ساہوکاروں کی دکانیں ہیں۔ جسکے سرائے کا اندازہ چھ لاکھ چھپا آٹھ
ہزار پونڈ انگریزی کیا جاتا ہے۔ علاوہ اسکے "امپریل بینک خراسان" کی ایک شاخ بھی کھلی ہوئی ہے۔ روس کے
نوٹ اور انگریزی روپیہ پوری قیمت پر بکتا ہے مشہد سے اصفہان تک مار برتی جاری ہے اور ایک شاخ
قلات درگزر اور سرخس تک گئی ہوئی ہے۔ سیستان کی شلخ زیر تیار ہے۔ عمارت میں امام صاحب
کا مزار اور مساجد مشہور ہیں۔

امام صاحب کا مزار اگرچہ تاریخ دفن سے مرعہ خلائی ہے لیکن آئین شان و شوکت کے جلوے آہستہ آہستہ
پیدا کیے گئے ہیں ابتدا میں تیمور کے سب سے چھوٹے بیٹے اور اسکی نامور بیگم کو ہر شاد نے اسکو فرما دیا کہ
لیکن سو طہون صدی عیسوی کے شروع میں جبکہ ایران کی حکومت صفویہ خاندان میں آئی (باقی صفحہ آئندہ)

اور "دوسری روایت ہے کہ خواجہ علی احمد بن اسحق بن احمد طوسی" مگر پہلا شجرہ متفق علیہ ہے۔
خواجہ حسن کی والدہ کا نام "زمر و خاتون" تھا۔ اور یہ مغر ز خاتون ابو جعفر کی نسل سے ہے۔

بقیہ صفحہ ۳۳۔ تو اسکے امیر حکمران شاہ جمیل طہاسب اور عباس صفوی نے اسکو مذہبی شہرت کا مرکز بنا دیا چنانچہ ہر سال ایک لاکھ زار مراد مقدس کی زیارت کو آتے ہیں اور پانچ ہزار سے آٹھ ہزار زار مراد کا مجمع روزانہ رہتا ہے اور اس کا خاصہ تنولی اور مجتہدین شہد کے ہاتھ میں ہر وقت گویا ایک بے ضابطہ فوج رہتی ہے۔ مزار کا ناظم "متولی ہاشمی" کہلاتا ہے اور رسوخ میں ایرانی گورنر جنرل کے برابر درجہ رکھتا ہے۔ خانقاہ کی موجودہ آمدنی ساٹھ ہزار تومان (سترہ ہزار روپے) انگریزی، اور دس ہزار خروار غلہ درہمن پہ سیر کا ایک خروا رہے وقفی خزانے میں کروڑوں کی دولت جمع ہے۔ اسکے علاوہ غیر منقولہ جائیداد تمام ایران میں وقف پائی جاتی ہے تنخواہ دار علمہ قریب دو ہزار کے ہے۔ پروفیسر و تیسری لکھتے ہیں کہ خانقاہ خوبصورتی اور شان و شوکت میں۔ بخت۔ کروہلا۔ مدینہ اور قم کی خافتا ہوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اندرونی اور بیرونی منظر کیسا ہے۔ کیونکہ خانقاہ کا گنبد دوسرے مسافروں کو روشنی کے نیار کا کام دیتا ہے۔ اور اندرونی زیب و زینت نظر کو چکا چوند میں ڈالتی ہے "سوںے چاندی کی قندیلین اور گولے چھت سے آویزان ہیں۔ ایک دانین باغ میں سو نیک گولہ لنگتا تھا جسکو نادر شاہ کے بیٹے آنا کر لے گئے۔ دیوارین اور زمین جواہرات سے آراستہ ہیں بھلا طرافوس۔ اور طلائی شمع دان۔ حریر کے پردے نہایت بیش قیمت ہیں۔ مزار کے گرد تقریبی طلائی اور فولادی ضربیں نصب ہیں۔ پہلی ضرب شاہ طہاسب نے نصب کرائی تھی۔ داخلہ کے دروازہ میں زمین ایک تقریبی۔ دوسرا طلائی درخت علی شاہ کا بنوایا ہوا ہے جس میں بیش قیمت جواہرات نصب ہیں تیسرے دروازے پر موتیوں کا قالین بچھایا ہوا ہے۔ مزار کا حرم لمزون کے واسطے ماس ہے۔ مزار کے متصل امام صاحب کے مسجد ہے۔ جس میں چھ سو خادم تنخواہ دار ہیں۔ اور جوڑا لڑکیاں ٹھہرتے ہیں انکو امام صاحب کے منکر خانہ سے کھانا دیا جاتا ہے اور درحرم میں یہ خیرات غیر معمولی طریقہ سے ہوتی ہے۔ دوسری مسجد گوہر شاد کی ہے جو سولہ گنبد میں تعمیر ہوئی ہے۔ عمارت میں کاشی (منسوب بہ کاشان) کا کام بے نظیر ہے۔ خانقاہ کے متعلق ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں تین ہزار چھ سو چوبیس جلدیں ہیں جنملا اسکے آٹھ سو باون مصاحف دو سو ننانوے کتب ادعیہ دو سو چھیالیس عام کتب فقہ اور دوسوا کیس فقہ شیعہ کی کتابیں ہیں۔ یہ کتب خانہ شاہ رخ کا قائم کیا ہوا ہے۔ لیکن شاہ عباس اور سلطان حسین صفوی نے اسپریت کچھ اضافہ کیا ہے۔ نادر شاہ جو محض جاہل تھا چار سو طلی کتابیں اسے بھی واصل کیں تھیں، انتخابیے کتاب الاتحاف بحبل الانوار صفحہ ۱۵۰۔ المامون حالات ولید علی صفحہ ۱۹۰ حصہ اول طبع ثانی دیانی جھنڈا نندہ

جبکہ سلسلہ نسب محمد بن حمید بن عبد الحمید طوسی پر ختم ہوتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں آل حمید کا خاندان بہت مشہور ہے کیونکہ اس خاندان کے اکثر نامور عہد خلافت عباسیہ میں وزیر ہوئے ہیں۔
 خاندان علامہ تاج الدین ابن سبکی سمعانی اور ابن خلکان کے خواجہ حسن کے خاندان کی نسبت یہ یہ الفاظ ہیں۔ ”وكان من اولاد الدّٰہاقین ای الذی یملون فی البساتین بنو احمی طوس“
 یعنی خواجہ دہقان زادہ تھا اور اسکے بزرگ نواح طوس میں باغبانی کا پیشہ کرتے تھے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے چونکہ کسب معاش کے جائز ذریعوں کو چھوڑ رکھا ہے اسلئے انکی نظریں باغبانوں کی شاید کچھ عظمت نہو یا خواجہ اور اسکے بزرگوں کی نسبت انکا خیال تحارت آمیز ہو۔ مگر اس عہد میں جبکی یہ تاریخ ہے شاید ہی کوئی ایسا بنصیب مسلمان ہوگا جسے محض علم کو معاش کا آلہ بنایا ہو۔ ورنہ قوم کا ہر فرد پیشہ ورتھا۔ حتی کہ امیہ اور مجتہدین بھی پیشوں کے انتساب سے خالی نہ تھے اور پھر لطیف یہ تھا کہ ترقی تجارت انکی علمی مشاغل پر کبھی غالب نہیں ہوئی۔ اور اسی ذوق شوق کا نتیجہ تھا۔ کہ معمولی دیہات کے طلبہ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے تعلیم یافتوں سے بڑھکر ہوتے تھے۔

مسلمانوں کی علمی تاریخ کا یہ باب نہایت پُر فخر ہے کہ اُس میں جیسے باغبانوں کے نو نہال گلستان حکمت و فلسفہ میں سرسبز و روہ ہوا کرتے تھے۔ ویسے ہی اعلیٰ طبقہ کے ہونہار علمی

بقصہ صفحہ ۳۴۔ سفر نامہ ایران لارڈ کرزن ویرلے ہندوستان خیابان فارس مترجمہ ظفر علی خان بی۔ بی۔ لے
 صفحہ ۳۰۷۔ سفر نامہ پروفیسر ویسیری باب ۲۷۔ زبدۃ الاخبار حالات مشہد صفحہ ۲۰۲۔ بغرافیک اندیک امیر کانی
 صفحہ ۱۰۶۔ سفر نامہ ابن بطوطہ حالات مشہد۔

۱۔ دستورالوزراء نسخہ قلمی حالات خواجہ نظام الملک۔

شائخون میں ممتاز ہوتے تھے۔ خصوصاً طوس کی تاریخ میں یہ واقعہ نہایت مہتمم بالشان ہے۔ اور اُسکے اس فخر کو کون مٹا سکتا ہے؟ کہ فردوسی بھی دہقان زادہ اور ایک باغبان کی لڑکا تھا۔ مگر ایسا شاعر ہوا کہ نو سو برس میں کسی فصیح و بلیغ شاعر سے اُسکی کتاب شاہنامہ کا جواب نہوسکا۔ اور دوسرا مامور خواجہ حسن تھا جو وزیر ہوا اور وزیر بھی کیسا کہ ضرب المثل کے درجہ تک پہنچا۔

خواجہ حسن کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔

عباس
اسحاق

عبداللہ (دقیقہ) علی
عبدالرزاق شہاب الاسلام - حسن (نظام الملک)

عبداللہ و ام دوزیر سنجر سلجوقی
خواجہ حسن کی اولاد کی تفصیل اپنے موقع پر تحریر ہو
علامہ سمعانی نے کتاب الاشباب میں لکھا ہے کہ نواح طوس میں رادکان ایک چھوٹا شہر ہے
جو خواجہ حسن (نظام الملک) کا وطن ہے۔

سلجوقی خاندان جاتے ہوئے چغندر بنز کے قریب رادکان لٹا ہے۔ قدیم شہر کئی مرتبہ ویران ہوا ہے۔ سب سے اخیر دور میں رضاقلی میرزا سزاد شاہ نے اسکو آباد کیا تھا۔ موجودہ آبادی ایک گاؤں کے برابر ہے۔ آثار قدیمہ میں قلعہ "تالاب" حوض "حام" باقی ہیں رادکان میں اکثر اہل علم گذرے ہیں جن میں ابو محمد عبداللہ بن ہاشم حسین بن احمد بن محمد ابو الازہر اور ابو سعد رادکانی مشہور علماء ہیں۔ رادکان سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر مشہور مرغزار واقع ہے جسکو اب "کوک باغ" کہتے ہیں۔ اور قدیم نام "انگ رادکان" ہے۔ انگ ترکی میں چمن و سنہ زار کو کہتے ہیں (دبائی آئینہ)

بہر حال خواجہ حسن کا اصلی وطن طوس ہے۔ جسکے ایک حصہ کا نام **نوقان** ہے۔ اور نوقان سے متصل رادکان ہے۔ جسکو غالباً آب و ہوا کی عمرگی کی وجہ سے خواجہ کے بزرگوں نے اپنی مستقل سکونت کے لیے انتخاب کیا ہوگا اور یہی سبب ہے کہ کتب انساب میں خواجہ کو رادکانی لکھا ہے۔

بہر حال یہ مسلم ہے کہ خواجہ کے بزرگ باغبان تھے۔ اور یہی پیشہ معاش کا ذریعہ تھا۔ مگر اسحق اور عباس جو خواجہ کے دادا اور پردادا تھے۔ انکے حالات زندگی بالکل نامعلوم ہیں۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ دو دن بزرگ باغبانی کرتے تھے یا کیا!

خواجہ حسن کی ولادت اور ابتدائی حالات

ابن خلکان کی روایت کے مطابق جمعہ کے دن اکیسویں ذیقعدہ ۵۱۸ھ میں بقام نوقان خواجہ حسن کی ولادت ہوئی۔

وجہ تسمیہ | ولادت کے بعد علی اور زمر و خاتون نے اپنے پیارے بیٹے کا نام ”حسن“ رکھا اور اس وجہ تسمیہ کے متعلق ایک دلچسپ روایت ہے جسکو زمر و خاتون نے اس طرح پر روایت کیا ہے کہ ”خواجہ کی ولادت کے دو دن بعد میں نے خواب دیکھا کہ ایک پاک اور ستھری جگہ میں رحل پر کلام مجید رکھا ہوا ہے۔ اور سجادہ پر ایک بی بی بیٹھی ہوئی بچہ کو دودھ

بقیہ صفحہ ۳۸ (انجمن آریہ ناصری) یہ جگہ لطافت آب و ہوا میں مستفید سمندر وغیرہ کے ہم پلہ ہے اسکا طول ۱۲ فرسنگ اور عرض ۵ فرسنگ ہے۔ شہان ایران تبدیل آب و ہوا کی غرض سے یہاں جایا کرتے تھے۔ اور ترکان خاتون بیگم لکنا بھلوئی اکثر یہاں رہا کرتی تھی۔ ناصر الدین شاہ مرحوم نے بھی خراسان جاتے ہوئے اس جگہ قیام فرمایا ہے۔ گنج دانش صفحہ ۳۳

۱۵ ابن خلکان صفحہ ۱۴۳۔ جلد اول حالات خواجہ حسن۔

۱۶ دستورالوزراء مصنفہ خواجہ نظام الملک نسخہ قلمی صفحہ ۸۰۔

پلا رہی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میرا نام "فاطمہ زہرا" ہے میں نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ میرے سلام کا نرمی اور مہربانی سے جواب دیا لیکن چونکہ میں نام نامی منکر ہیبت زدہ ہو گئی تھی۔ اس لیے خواجہ کو گو دین لیے ہوئے الگ کھڑی رہی خاتونِ جنت نے مجھ کو بلا کر اپنے قریب بٹھالیا اور ارشاد فرمایا کہ "میں نے ایک دن بابا جان صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ کاش میری بھی ایک بن ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی تمام نیک بیبیاں تمھاری بنیں ہیں۔ اور میں تمھیں بھی نیکی کے آثار پاتی ہوں۔ پھر خواجہ کو اپنی گو دین لے لیا اور صابن لے کر مجھے آپ گو دین لے ہوئے تھیں مجھے دیدیا اور خواجہ کو کمالِ محبت دودھ پلایا اور مجھے پوچھا کہ اس بچے کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس وقت تک کوئی نام تجویز نہیں ہوا ہے۔ فرمایا اس کے باپ کا نام "علی" ہے لہذا اس کا بھی نام "حسن" رکھنا۔ کیونکہ میرے تحت جگر کا بھی یہی نام ہے۔ جب صبح کو میں نے یہ خواب خواجہ علی سے بیان کیا تو وہ جوشِ مسرت سے اچھل پڑا اور اس شکر یہ میں بہت کچھ خیرات کی اور خواجہ کا نام "حسن" رکھا۔

زمرِ دُخاتون کا یہ خواب سچا تھا یا جھوٹا ہم کو اس سے کوئی بحث نہیں ہے مگر زمر دے اپنے لال کا نام ایسا پیا را رکھا کہ وہ اسمِ مہی ثابت ہوا اور حسنِ حقیقت میں آسمانِ شہرت پر آفتابِ امتاب ہو کر چمکا۔ اگرچہ کہہ سکتے ہیں کہ زمر دُخاتون کے خواب کی تعبیر پوری ہوئی لیکن ہمارے خیال میں خواجہ کا نام حسن علیہ السلام کا ہونا خود ایک نیک شگون تھا جو دنیا میں اس کی نیکنامی کا باعث ہوا ہے۔

۱۵ چونکہ خواجہ کا نام حسن ہے۔ لہذا مستقل وزیر ہونے تک ہر جگہ خواجہ حسن لکھا جائیگا۔

فی الجملہ نسبتے بتوکافی بود مرا بلبس ہمین کہ قافیہ گل شود بس ست

عورتوں کے عقیدہ کے مطابق زمر و خاتون نے جو خواب دیکھا تھا۔ اسکا یہ لازمی اثر دل پر ہو گا کہ میرا بچہ آگے چل کر خوش نصیب ہو گا۔ کیونکہ کسی بچہ کو حضرت فاطمہؑ ہر ارضی اور عباد کا دودھ پلانا بڑی خیر و برکت کی بات ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنے اس ہونہار بچہ کی جوانی کی بہار دیکھنا زمر و خاتون کی قسمت میں نہ تھی اور ہنوز حسن کی دودھ بڑھائی کی تقریب بھی نہ ہونے پائی تھی کہ زمر و خاتون اپنے بچہ کے ٹکڑے کو قسمت کے حوالے کر کے خود دنیا سے چل بسی۔ اور حسن بے مان کا بچہ ہو گیا۔ خواجہ علی کو اپنی رفیق بی بی کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا مگر صبر کر کے خاموش ہو رہا اور حسن کو اسکی تقدیر پر چھوڑ دیا اور خاص توجہ سے حسن کی پرورش کا اہتمام کیا مگر ان کی گود کچھ ایسی بری ساعت میں خالی ہوئی تھی کہ ایک دایہ کا دودھ بھی حسن کو نصیب نہوا بلکہ یام رضاعت میں یہ چکتا سیارہ مختلف دایوں کی گود میں چلتا پھرتا رہا۔ اور اسی طرح سے دو طفل ختم ہو گئے۔

ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ ”حسن کی ولادت کے قبل طوس میں چار برس سے بارش نہیں ہوئی تھی اور خدا کی مخلوق قحط کی مصیبت سے تباہ حال ہو رہی تھی لیکن جسدِ نوجوان حسن پیدا ہوا اُسی دن بارانِ رحمت کا نزول ہوا اور خشک سالی کی بلا دور ہو گئی اور عوام نے اس مولود سعید کی ولادت کو ایک مبارک سال سمجھا۔“ اس روایت کی تحریر سے یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے خواہ مخواہ سچ سمجھو بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ بلند اقبال لوگوں کی سوانح عمری میں انشاپرداز

لے کال ایٹر جلد دہم صفحہ ۷۷۷ دیا بچہ وصایا نظام الملک نسخہ قلی۔

کس قسم کے واقعات فخریہ لکھا کرتے تھے۔ البتہ یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ شاہون، وزرا، اور اہل کسب و کار کے بچوں میں بعض باتیں ایسی افوق الفطرت ہوتی ہیں کہ جو عوام کے بچوں میں نہیں ہوتیں۔

چونکہ خواجہ حسن کے سر سے بچپن میں اسکی ان کا سایہ اٹھ گیا تھا اسلئے عالم رضاعت اور زور سالی کے کچھ حالات نہیں معلوم ہو سکے کیونکہ ایسی روایتوں کا مجموعہ ہمیشہ ان مرتب کرتی ہے اور وہی اسکی راوی ہوتی ہے۔

خواجہ حسن کی تعلیم و تربیت، شیوخ و اساتذہ، طالب علمانہ سفر تمام مورخ خواجہ حسن کے فضل و کمال کی گواہی دیتے ہیں اور اسکی ذہانت و فراست کی تعریف کرتے ہیں لیکن علوم و فنون کی کیفیت اور حد تحصیل کی شرح کسی نے بھی نہیں لکھی ہے۔ علامہ تاج الدین طبقات میں لکھتے ہیں "نحفظہ ابوالقران و شغلہ فی التفقہ علی مذہب الشافعی"

علامہ قاضی القضاۃ تاج الدین ابوالنصر عبدالوہاب علامہ تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی الانصاری بکے نامور پیشینہ ہیں۔ ۷۹۲ھ میں بمقام مصر پیدا ہوئے۔ اور علوم و فنون کی تکمیل لینے والد اور دیگر شاہیر علمائے کی فراغ علم کے بعد تصنیفات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور جو کتاب لکھی وہ مقبول عام ہوئی۔ طبقات الکبریٰ شاہیر شافعیہ کا نہایت مکمل تذکرہ ہے مگر اسوقت تک چھپا نہیں ہے۔ کتب خانہ پٹنہ حیدر آباد اور کھنؤن قلی ندرہ موجود ہے۔ بخارہ دیگر کتابوں کے معبد النعم مصر میں چھپ گئی ہے۔ ۸۱۲ھ میں انتقال فرمایا۔ قاضی صاحب کے والد علامہ تقی الدین مصر کے ائمہ مجتہدین میں داخل ہیں فقہیہ محدث اصولی حافظ مفسر اصولی، متکلم، نحوی، لغوی، ادیب، جدلی، غلافی، سب لفاظ علامہ کے ذاتی صفات ہیں بمقام بیک مصر صفر ۸۱۲ھ میں پیدا ہوئے شاہیر و زکا ر علمائے مکمل علوم و فنون کی بحر العلوم کے خطاب کے مستحق تھے صلاح الدین صفدی کا قول ہے کہ "لوگ کہتے ہیں کہ امام غزالی کے بعد کوئی شخص انصاف تقی الدین کے منسل نہیں گزرا ہے۔ مگر میری رائے میں جو یہ کہتے ہیں وہ بڑا ظلم کرتے ہیں علامہ عقیان ثوری کے ہم پلہ ہیں، ہر علم و فن میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور اب زور سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ پورے ایک صفحہ میں تصنیفات کی فہرست لکھی جاسکتی ہے جزیرۃ الفیل (دریئے نیل کے کنارے واقع ہے) میں بروز دوشنبہ ۸۴۵ھ جمادی الآخر ۸۵۵ھ میں انتقال فرمایا۔

اور ابن خلکان مین ہے و اشتغل بالحدیث والفقہ:

ایسی کمزور دنیا و پر حکم عمارت نہیں اٹھ سکتی ہے کیونکہ صرف یہی چند لفظ مین جو خواجہ کی ابتدائی اور انتہائی تعلیم کے متعلق ہمارے نامور مورخوں نے لکھے ہیں لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ اسحق کے خاندان مین علمی مذاق کا فی طور سے موجود تھا۔ کیونکہ دستورالوزرا کی روایت ہے کہ ”خواجہ حسن کا والد خواجہ علی طوسی ایک فیاض اور کریم النفس شخص تھا اور سلطان چغریگ داؤد بلجوقی کی طرف سے طوس مین وصول الگذاری کا ہتمم صاحب الخراج تھا۔ یہ عمدہ کوئی معمولی نہ تھا جس طرح فی زمانہ تحصیل درہوا کرتے ہیں۔ بلکہ اسلامی قاذن کے مطابق صاحب الخراج کو علم فقہ حساب مساحت وغیرہ جاننا لازمی تھا۔ کیونکہ وصول الگذاری کے علاوہ وصول جزیرہ کا بھی یہی عمدہ دارومہ دار ہوتا تھا۔ لہذا یہ قیاس غلط نہیں ہو سکتا ہے کہ خواجہ حسن کا باپ فقہیہ اور ایک تعلیم یافتہ شخص تھا۔ اور بیٹے کو سب سے پہلے کلام مجید حفظ کرانا۔ پھر فقہ و حدیث کی تعلیم دلانا اس قیاس کا موید ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ خواجہ علی کا بھائی عبداللہ مشہور فقہیہ تھا۔ ابن سبکی نے خواجہ نظام الملک کے تذکرہ مین خواجہ علی کو بلفظ فقہیہ یاد کیا ہے۔ اور جو عظمت اس لفظ کی ہے وہ شرح کی محتاج نہیں ہے

بقیہ صفحہ ۴۰۔ جمال الدین ابن نباتہ اور صلاح الدین صفدی نے مرثیہ لکھا تفصیل کے لیے دیکھو حسن المحاضرہ نے انبار مصر والقاهرہ جلد اول صفحہ ۱۴۵۔ ۱۵۰۔

۱۔ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۴۲۔ دستورالوزرا نسخہ علی صفحہ ۱۷۰ آثار الاول فی ترتیب الدول صفحہ ۸۰ مطبوعہ حاشیہ سیوطی۔ ۲۔ آئینہ واقعات جھنڈے کے لیے یاد رکھنا چاہیے کہ ۱۱۴۲ھ مین بلجوقیوں نے اول اول طوس پر قبضہ کیا اور ۱۱۵۵ھ مین کل عراق پر قبضہ ہو گیا تھا۔

غرض کہ خواجہ سہتی کے دونوں بیٹے علی اور عبداللہ صاحب فضل و کمال تھے اور اُسی شان سے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے خواجہ حسن کو اول قرآن شریف یاد کرایا گیا اور گیارہویں برس حفظ قرآن سے فراغ حاصل کیا۔ لیکن خواجہ کے آئندہ حالات سے معلوم ہوگا کہ وہ محض دنیات ہی کا عالم نہ تھا بلکہ علوم عقلیہ کا بھی ماہر تھا۔

علی صمدی شاگردی دستورالوزار کی روایت ہے کہ خواجہ حسن کا پہلا استاد اور تالیق فقیہ عبدالصمد قجی دیشاپور کا ایک گاؤں تھا۔ جو اپنے زمانے کے صالح اور علمائین مشہور تھا اور ابتدائی تعلیم فقیہ کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ اور جب شاگرد درجہ وزارت پر پہنچا تو اُس نے بھی حق شاگردی ادا کیا یعنی فقیہ کو اوقات نظامیہ کا افسر کر دیا تھا۔

حافظ فقیہ عبدالصمد کی روایت ہے کہ خواجہ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ جو سبق ہم مکتب بمشکل رٹ کر یاد کرتے تھے وہ خواجہ کو دو تین دو رین یا دو ہو جایا کرتا تھا۔ اور اُس کے چہرہ سے ایسے آثار نمایاں تھے کہ جب کاخرو سال بچوں میں کہیں تہہ بھی نہیں ہوتا مثلاً۔

ایک دن خواجہ نے اپنے استاد عبدالصمد سے کہا کہ "مکتب میں طلبہ کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اس لیے ناظرہ اور حفظ دونوں کا سلسلہ درہم برہم ہے اور بمشکل مثل طلبہ کی نسبت یقین ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنا سبق یاد کر لیا ہے۔ اور باقی کا پتہ نہیں چلتا ہے؟" فقیہ نے کہا کہ پیارے بیٹے! پھر اسکا تہہ کیا علاج تجویر کیا ہے؟

خواجہ نے کہا کہ "سو قتل طلبہ ہیں انہیں چہ کو انتخاب کرنا چاہیے۔ اور پھر ہر ایک کے دس دس

لے آتا روز اسیت الدین نغمہ نقلی درگنج دانش حالات خواجہ حسن۔ دستورالوزار نغمہ نقلی صفحہ ۶

طلبہ سپرد کیے جائیں۔ اور یہ اپنے ماتحتوں کے سبق نین۔ اگر سبق میں کوئی مشکل مسئلہ ہو تو صرف یہی ٹچہ دریافت کریں اور اپنے ماتحتوں کو سمجھائیں۔ اور اُسکے سبق میں کوئی خامی ہو تو انھی کو سزا دیجائے۔ اس انتظام سے کل خرابیاں دور ہو جائیں گی۔ علاوہ اسکے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اباجان ہمیشہ مکتب کے لڑکوں کو انعام تقسیم فرماتے ہیں اور تقسیم انعام کے وقت آپ کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اس انتظام سے آپ کو کل رقم کے صرف چھ حصے کرنا پڑیں گے اور بقیہ لڑکوں کی تقسیم اُنکے ہاتھ سے ہو جائے گی خصوصاً عیدین اور نوروز کے موقع پر بہت آسانی ہوگی۔

یہ واقعہ خواجہ کے بچپن کا ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت طبع اور ذہین تھا۔ اور اُسکا دماغ مدبرانہ واقع ہوا تھا۔ اور کیا عجب ہے کہ مکتب خانے کی خلافت کی ابتدا بھی اسی واقعہ سے ہوئی ہو جو آج تک مکاتیب میں جاری ہے۔

نیشاپور کا سفر | خواجہ حسن کی تعلیم پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ گویا خانگی تعلیم تھی جو والدین کی نگرانی میں بمقام طوس ہوئی۔ لیکن واقعات سے ظاہر ہے کہ تحصیل علمی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خواجہ کو تکمیل علوم کے لیے وطن کو الوداع کہنا پڑا۔ اس مبارک زمانہ میں علوم و فنون کے دریا نہ صرف شہروں میں موجزن تھے۔ بلکہ معمولی دہات اور قصبات میں بھی فیض کے چشمے جاری تھے۔ ہر مسجد اور زاویہ سے قال اللہ اور قال رسول اللہ کی صدائیں بلند تھیں۔ لیکن پھر بھی عراق عرب میں بغداد اور صوبہ خراسان میں نیشاپور کو خاص فضیلت تھی کیونکہ یہ دونوں شہر علم کے مرکز تھے۔ ایرانی طلبہ کے قافلے عموماً نیشاپور کو

جاتے تھے۔ کیونکہ ہتھیہ اور نصریہ جیسے درس گاہوں کے دروازے عام و خاص پر کھلے ہوئے تھے۔ اور فخر روزگار علما ان کے مدرس تھے۔ اور باشندگان طوس کے لیے متبادلہ بغداد و نیشاپور قریب تھا۔ اسلئے خواجہ حسن نے بھی نیشاپور کا سفر کیا اور یہ سفر محض تحصیل علم کے لیے تھا۔ چنانچہ کتاب الوصایا میں خواجہ نے اس سفر کا حال یوں لکھا ہے کہ علماء خراسان میں امام موفق بڑے مقدس اور نامور عالم تھے (عمر کی ۵۸ منرین طے کر چکے تھے) اور تمام اطراف میں انکی شہرت تھی۔ فیض کا یہ عالم تھا کہ جسے امام صاحب سے قرآن اور حدیث کا سبق لیا وہ دنیاوی مراتب میں ضرور بڑے درجہ پر پہنچ جاتا تھا۔ اسلئے والد بزرگوار نے مجھ کو ہتھیہ عبدالصمد کی اتالیقی میں طوس سے نیشاپور روانہ کر دیا اور میں امام محترم کے حلقہ درس میں شریک ہوا۔ امام صاحب میرے حال پر خاص طور سے توجہ فرماتے تھے اور مجھے بھی شاگردانہ خلوص تھا۔ چنانچہ چار برس تک امام موفق کے درس میں شریک رہا۔ اسی زمانہ میں عمر (خیام) اور حسن (صبیح) بھی امام صاحب کی شاگردی میں داخل ہوئے۔ یہ دونوں نہایت فہیم اور ذکی الطبع تھے اور چونکہ میری ہم عمر تھے اسلئے میں انکا ہم درس ہوا اور میرا رابطہ ضبط اُسے بہت بڑھ گیا۔ حلقہ درس سے اٹھ کر میں انھی رفیقوں کے ساتھ سبق کی تکرار کیا کرتا تھا۔

حسن صبح اور عمر خیام سے معاہدہ
انھی دنوں کا تذکرہ ہے کہ ایک دن حسن (صبح) نے عمر خیام (ہم) اور مجھے سے کہا کہ یہ مشہور بات ہے کہ امام موفق کے شاگرد بڑے رتبے پر پہنچتے ہیں اور اس میں شک ہے یہ معاہدہ حقیقت میں ایک مذاق تھا اور اس وقت کسکو خبر تھی کہ حسن صبح کی پیشین گوئی پوری ہوگی لیکن بہت زمانہ گزرتا تھا کہ خواجہ حسن درجہ وزارت پر متنازع ہوا۔ اور اُسے اپنی عالی ظرفی سے معاہدہ کو پورا کیا۔ تفصیل اپنے موقع پر لکھی جائیگی

نہیں ہے کہ اگر ہم سب جاہ و دولت کے مرتبے پر نہ پہنچیں تو کوئی ایک قصہ ضرور کامیاب ہوگا
اسی لیے ہم مینون معاہدہ کریں۔ مین نے کہا شرائط کی تکمیل کیونکر ہوگی حسن نے کہا کہ ہم مین سے
خدا جسکو جاہ و حشم کے درجے پر پہنچائے اس پر فرض ہوگا کہ وہ باقی دونوں دوستوں کو بھی
اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے اور کسی کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی ذات کو کسی معاہدہ میں
ترجیح دے پچنانچہ سب نے اس معاہدے کو تسلیم کر لیا اور معاہدہ تحریر ہو کر مھر و دستخط سے
مزمین ہوا۔ اور درس کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔

بخارا کا سفر | چار برس کامل امام موفق کے درس میں خواجہ حسن شریک رہا پھر واپس آیا۔ اور
اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حدیث و فقہ کا بہت بڑا ذخیرہ خواجہ کو امام موفق کی درگاہ
سے ہاتھ آیا ہوگا۔

مصفیٰ دستورالوزرا لکھتا ہے کہ جب خواجہ فارغ التحصیل ہو کر طوس میں آیا تو گردشِ ایام
خواجہ علی کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا تھا۔ اور اس تباہی کا یہ سبب ہوا کہ خواجہ ابوعلی بن شاذان
جو بلخ کا عمید تھا اپنے عہدے سے موقوف کر دیا گیا اور خواجہ علی جو اس کا تحت تھا وہ بھی
اس زد سے نہ بچ سکا اور طوس کی مالگداری جو عرصہ سے باقی چلی آتی تھی یکایک طلب ہوئی
خواجہ علی نے بیباکی میں بڑی کوشش کی اور گھر کا اسباب تک بیچ ڈالا مگر مطالبہ پورا نہ ہوا۔
لیکن خواجہ علی کو بد جو اس دیکھ کر حالے طوس لے باقی رقم کو اپنے ذمہ لے لیا۔ اور خواجہ علی
سے یہ شرط کی کہ وہ تین برس تک اُنکے خدمات بلا معاوضہ انجام دے۔ خواجہ حسن کو یہ شرط

۱۷ ترجمہ انگریزی ربا عبات عن رضام مصنفہ ناگر کا رطبوعہ ممبئی۔

شکر بڑا صدمہ ہوا اور اپنے باپ سے کمال گھس زمانہ میں آپ کی حکومت تھی مجھے آپ کا بیان رہنا پسند نہ تھا اور جب آپ انکے مزدور ہو جائیں گے تو میری حالت اور بھی خراب ہو جائیگی اس لیے اجازت ہو تو بخارا چلا جاؤں اور چند روز تک علمی مشاغل میں اور مصروف رہوں پھر حاضر خدمت ہوں گا چنانچہ خواجہ علی نے سفر کا سامان کر کے بیٹے کو رخصت کر دیا بخارا بھی اس عہد میں دارالعلوم تھا۔ اور کمالات علمیہ کے شائق اطراف عالم سے بخارا میں آیا کرتے تھے۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر ^{رحمۃ اللہ علیہ} کی ملاقات سفر میں

۱۱۵۰ فضل اسماعیل ابوسعید کنیت ہے اور آپ کے والد کا نام ابوالخیر محمد تھا۔ پانچویں صدی ہجری کے مشاہیر صوفیہ سے ہیں۔ شیخ کے والد ابوالخیر علم نباتات میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ اور جنگل سے دوائیں لاکر فروخت کیا کرتے تھے۔ گرا ایک زمانہ وہ آیا کہ سلطان محمود غزنوی کے مصاحبوں میں داخل ہو گئے۔ شیخ ابوسعید علوم ظاہری میں کامل تھے۔ مگر فقہ حدیث تفسیر میں مبتدل تھے۔ اور تصوف کا شوق کم سن میں ہو گیا تھا۔ اکثر اوقات کتب تصوف کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ عبداللہ صحریٰ اور امام تھمال کے حلقہ درس میں بمقام مروایک عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ اور روحانی برکات ابوالفضل مخرمی اور ابوعبدالرحمن سلی اور ابوالعباس آلی سے حاصل کیں پھر سات برس تک بادیہ پیمائی کر کے منہ کی خانقاہ میں بیٹھ گئے۔ اور ۸۳ برس کی عمر میں بمقام نیشاپور سلسلہ ہجری مطابق جنوری ۱۱۸۷ میں انتقال فرمایا اور رُسنہ میں دفن ہوئے نیشاپور آخر زمانہ میں آئے تھے۔ تذکرہ درویشوں میں آپ کے متعدد اقوال و درج ہیں مثلاً التصوف قیام القلب مع اللہ بلا واسطہ شیخ کی رباعیات حکیم عمر خیام کی طرح بہت مشہور ہیں تیسرا چند درج کی جاتی ہیں۔

غازی برہ شہادت اندر نگاہ پواست

خافل کہ شہید عشق فاضل ترازدوست

در روز قیامت این بدان کے ماند

کاین گشتہ دشمن ست و آن گشتہ دوست

جمع الفصحا جلد اول صفحہ ۴۴ و التلکدہ اور صفحہ ۱۳۷

زندہ تھے اور ہمنہ مبارک کی خانقاہ میں وعظ فرمایا کرتے تھے ایک دن مجلس میں سعادت شقاوت اور امارت کی علامتوں پر وعظ ہو رہا تھا کہ شیخ نے فرمایا جو شخص دین و دنیا کے سردار کو دیکھنا چاہیے وہ کل صبح کو ارجاہ کی سڑک پر جا ٹھہرے چنانچہ چند باصفا مرید مقام مذکور پر گئے۔ سب سے پہلے جو مسافر انکو ملا وہ خواجہ حسن تھا۔ انھوں نے خواجہ کو سلام کیا۔ اور چونکہ ایک قسم کا غیر معمولی استقبال تھا اندھا خواجہ نے اسکا سبب پوچھا تو مریدوں نے شیخ کا مقولہ دھرایا سوقت خواجہ طوس سے چکر دربنہ پہنچ چکا تھا۔ جب شیخ کے حالات سنے تو خواجہ زیارت کا مشتاق ہو کر حاضر مجلس ہوا۔ اور ایک گوشہ میں بیٹھ رہا۔ دوران وعظ میں ایک سائل نے آواز لگائی۔ خواجہ نے کمر سے ٹپکا اور طلائی پیٹی کھو کر سائل کو دیدی شیخ نے فرمایا کہ جس نے میری مجلس میں اپنی کمر سے ٹپکا کھولا ہے وہ دن قریب ہیں کہ ارباب دنیا اسکی حضور میں کمر باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ جب وعظ ختم ہو گیا تو شیخ ابوسعید نے خواجہ پر اپنی شفقت کا اظہار کیا اور فرمودہ سنایا کہ تم عنقریب بڑے مرتبے کو پہنچو گے۔ پھر فرمایا کہ حسن! اب تجھ سے بظاہر ملاقات نہو گی جس مجلس میں

در عشق تو بے جہم ہی باید زیست	بقیہ صفحہ ۴۸
چون من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست	از من اثرے نامہ ابن عشق از چیست
رخسار نگار چاروہ سالہ پرست	لے برہن آن عارض چون لالہ پرست
خورشید پرست شونہ گو سالہ پرست	گر چشم خدایے بین نداری بارے
گفت کہ ز غیر دوست بر بند زبان	رفتم بطیب گفتم از درد نہان
گفتم پرہیز؟ گفت از ہر دو جان	گفتم کہ غذا؟ گفت! ہمین خون جگر

لے قائل معارف جلد ۱۰ نمبر ۱۰ لے کشف المحجوب صفحہ ۹۰ لے اشیا کلویڈیا جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۷۰ حالات عمر خیام۔

تو پہلے دن آیا ہے آج اس مجلس کا آخری دن ہے۔ میری باتوں کو بھول نہ جانا اپنی ہمیشہ عمل کرنا۔ یاد رکھو کہ جب تک تمہاری دولت سے مستحقین فیضیاب ہوتے رہینگے اس وقت تک تمہاری دولت اور امارت قائم رہیگی۔ اور جب نیکی کے دروازے بند کر دو گے اور حقدار تھائے مہربانی سے محروم ہو جائینگے تو وہی زمانہ تمہاری امارت کے زوال کا ہوگا اور بعد بزرگانہ نصیحت کے شیخ ابوسعید نے خواجہ کو رخصت کر دیا۔

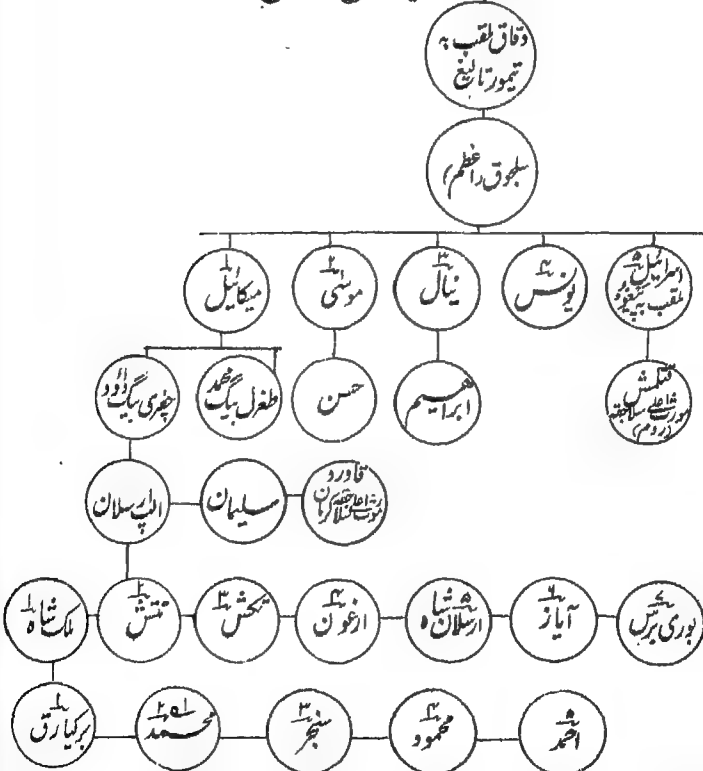
شیخ سے رخصت ہو کر خواجہ نے بخارا کا رخ کیا اور منزل مقصود پر پہونچ کر خواجہ نے کتاب قانون اور تکمیل علوم میں سخت محنت کی اور فضیلت کی سند حاصل کر کے بخارا سے مرو کر رخصت ہو گیا۔

بخارا میں کتنے دنوں خواجہ کا قیام رہا۔ یہ بتانا مشکل ہے مگر بخارا سے وطن کی جانب پھر خواجہ کی واپسی نہیں پائی جاتی ہے۔ بلکہ تکمیل علوم کے بعد خواجہ مرو گیا، مرو سے ماوراءالنہر ہوتا ہوا براہ غرینہ کابل پہونچا اور سیر و سیاحت کے بعد بلخ واپس آیا۔ بلخ پہونچ کر خواجہ حسن کی سونخ عمری کا ایک حصہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور وہ دور شروع ہوتا ہے جس سے ترقی پا کر خواجہ وزارت پر پہونچتا ہے۔ اور چونکہ خواجہ نے محض اپنی

۱۷ کتاب الوصایا خواجہ نظام الملک ۱۷ سفر نیشاپور اور بخارا کے حالات کتاب الوصایا سے لکھے گئے ۱۷ صورت خراسان میں یہ اول درجہ کا شہر تھا اور آبادی کے لحاظ سے نہایت قدیم ہے۔ کیونکہ مرثاسکا بانی ہے اور لر اسپ سے منوچہر تک سب اسکی آبادی میں کوشش کرتے رہے ہیں۔ آتشکدہ نوبہار کی وجہ سے بلخ کا شمار مقدس شہروں میں تھا۔ اب معمولی درجہ کا شہر ہے اور حکومت افغانستان میں داخل ہے یعنی ترکستان کے اس حصہ میں جو داخل افغانستان ہے دیکھو نقشہ افغانستان عرض بلد شمالی ۳۵-۳۶ طول بلد مشرقی ۴۶-۴۸

لیاقت سے وزارت کا عمدہ حاصل کیا تھا۔ اس لیے اب جس قدر حالات اور واقعات ہیں وہ عمدہ وزارت کے سلسلہ میں بیان کیے جائینگے خواجہ حسن کی وزارت کی ابتدائی تاریخ میں شامان سلجوقیہ کے نام آویں گے علاوہ اسکے اس کتاب میں مختلف مقامات پر آل سلجوق کا تذکرہ ہے لہذا واقعات کے سمجھنے کی غرض سے اول شامان سلجوقیہ کا شجرہ نسب لکھا جاتا ہے ناظرین کو یہ نسب نامہ اپنے حافظہ میں محفوظ رکھنا چاہیے۔

شجرہ نسب آل سلجوق



سلجوقیہ کی اولاد میں ۱۲ بادشاہ حکمران ہوئی جن کے ناموں کی تفصیل کی اس شجرہ میں ضرورت نہیں ہے۔

خواجہ حسن کی وزارت کی ابتدائی تاریخ

یہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ فراغ تعلیم کے بعد خواجہ حسن نے بھاراسے مرو کا سفر کیا تھا۔ اور وہاں لاہور اور انہروں کے غزنین پہنچا تھا۔ یہ عبدالرشید غزنوی کی حکومت کا دور تھا۔ جس نے ۶۴۱ھ سے ۶۴۲ھ تک حکومت کی۔ اور چونکہ غزنین کو دار السلطنت ہونے کی عزت حاصل تھی اس لیے محل بڑے دفتر اور شاہی محلے اسی شہر میں تھے۔ اور دربار کی قدر وانی سے مختلف ملک و دیار کے اہل کمال غزنین میں جمع تھے۔ اس لیے خواجہ نے ایک عرصہ تک غزنین میں قیام کیا۔ اور اہل کاران عدالت سے دفتر کا کام سیکھا۔ ابن سبکی کی روایت ہے کہ خواجہ کسی دفتر میں نوکریاں کیا تھا۔ اور یہی ذریعہ تھا جس کی وجہ سے خواجہ کو علم حساب اور انشائین کامل مہارت ہو گئی تھی۔ اور یہی مہینے اُس نے اپنا مختصر سفر نامہ ترتیب دیا تھا جو اب مفقود ہے۔ پھر خواجہ نے غزنین سے خراسان کا سفر کیا اور یہاں بھی دو قریب ملازمت اختیار کی۔ لیکن چند روز کے بعد خراسان کو خیر باد کہہ کر بلخ کا رخ کیا۔ اس زمانہ میں جغریگ داؤد بلخوئی کی جانب سے ابوعلی احمد بن شاذان بلخ کا گورنر تھا

سلط عبدالرشید بن محمود غزنوی ۶۴۱ھ میں تخت نشین ہوا اور ۶۴۲ھ میں قتل ہوا۔ خواجہ ابوعلی احمد بن شاذان اُن شہسوار اور اہل کمال لوگوں میں سے ہے کہ چہرہ خاک خاوردان کو ہمیشہ فرہیگا۔ ابوعلی طغرل بیگ بلخوئی کا ملازم تھا اور عرصہ تک بلخ میں گورنر رہا ہے۔ اخیر غزنین طغرل بیگ کا وزیر بھی ہو گیا تھا لیکن جب بڑھا پے نے مجبور کر دیا تو وزارت سے استعفا دے کر بلخ گیا اور طغرل بیگ سے خواجہ حسن کے واسطے سفارش کی کہ یہ الپ ارسلان کا وزیر کیا جائے۔ چنانچہ خواجہ عبد الملک ابو نصر گندری کے بعد الپ ارسلان نے خواجہ کو وزیر مقرر کر دیا تھا۔ اور یہی سبب ہے کہ جب الپ ارسلان خواجہ کی کارگزاری سے خوش ہوا تھا تو خواجہ ابوعلی کو بلخ سے خیر سے یاد کرتا تھا "خاوردان کے مشاہیر حسب ذیل ہیں۔

تاپہر صیت گردان شد ز خاک خاوردان تاشا شگاہ آمدش چار آفتاب خاوردی

چنانچہ خواجہ کو خوش قسمتی سے عید بلخ کے میرنشی کا تب کا عمدہ مل گیا۔ اور خواجہ کو دنیاوی اشغال میں جو جاہ و منصب ملا اسکا پہلا زینہ ہی تھا۔

کاتب کا عمدہ ہر عہد میں معزز رہا ہے بلکہ زمانہ سابق و حال کا تجربہ شاہد ہے کہ گورنر دکن کے دفتر میں جو محرر و منتظم دکلرک و سکرٹری ہوتے ہیں۔ وہ اس درجہ قابل و لائق ہو جاتے ہیں کہ کسی زمانہ میں خود ترقی پا کر نیابت سے وزارت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اگر خواجہ اپنے عہد پر ایک عرصہ تک قائم رہتا تو ضرور تھا کہ کسی اعلیٰ درجہ پر پہنچتا لیکن ابوالی کے خسیانہ حرکات اور ذنات نے خواجہ کو ناراض کر دیا۔ چنانچہ خواجہ کی روایت ہے کہ جب میرے پاس کچھ ہرایہ ہو جاتا تو ابن شاذان مجھے حیرانہ کر کے وصول کر لیتا تھا، اور یہ تو اسکا ایک معمولی فقرہ تھا کہ ”حسن اب تو خوب فریہ ہو گئے ہو“

غرض کہ ہر سال یوں ہی تمام نقدی چھین لی جاتی تھی اور عذر کرنے پر جواب ملتا تھا کہ ”کاتب کو صرف قلم کافی ہے“ جب عرصہ تک خواجہ سے ابن شاذان نے یہی بڑا وکیا تو آخر برداشتہ خاطر ہو کر خواجہ بلخ سے فرار ہو گیا۔ اور سلطان چغریگ داؤد بلجوتی کے دربار میں بمقام مرو پہنچا۔ اور سلطان کی حضور میں اپنا مختصر حال بیان کیا چغریگ خواجہ کی خوش بیانی سے بہت

عالمی چون اسعد منہ زہر شتر سے بری

شاعر کا درجو مشہور خراسان افوری

خواجہ چون بولی شاذان وزیر نامدار

صوفی صافی چو سلطان طریقت بو سعید

بیت

از تذکرہ دولت شاہ سمرقندی۔ و طبقات الشافعیہ سبکی حالات نظام الملک۔

سلف گنج دانش صفحہ ۳۵۰ جہانک مکن تھا تحقیقات لنگی گرجی تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ خواجہ کس سن میں حاضر دربار ہوا۔ اگر غزنویہ اور بلجوتیہ کے تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ ۳۲۵ھ اور ۳۲۸ھ کے مابین آیا ہے۔“

خوش ہوا۔ اور چونکہ خود مبصر تھا سمجھ لیا کہ یہ نوجوان ہونا رہے لہذا شانہزادہ الپ ارسلان کے سپرد کر دیا اور یہ تحریر بھیجی کہ ”حسن تمہارا کاتب مدبر مشیر اور محاسب ہے تم اسکو اپنے باپ کے برابر سمجھنا“ جب عید بلخ کو معلوم ہوا کہ خواجہ حسن مروین ہے تو اسنے دربار میں عرض کیا کہ ”میرا کاتب بھاگ گیا ہے فرمان عالی بغرض واپسی صادر ہو ورنہ بیان کے دفتر میں بہت ابتری پڑ جائیگی“

چغریگ نے جواباً لکھ بھیجا کہ ”میں نے خواجہ کو الپ ارسلان کے سپرد کر دیا ہے لہذا شانہزادہ سے براہ راست درخواست کرنا چاہیے“ لیکن پھر عید نے ضد میں کی اور خواجہ حسن الپ ارسلان کی خدمت میں رہنے لگا۔

گویہ سچ ہے کہ خواجہ کو ابو علی سے کوئی نفع نہیں ہوا۔ لیکن اس نامور مدبر کی شاگردی یا فیض صحبت نے خواجہ کو حقیقت میں نظام الملک بنا دیا۔ اور جب قدر ملک و مالی تجربہ خواجہ کو ہوا وہ علی بن شاذان کے طفیل ہے ابن بکی کی ولایت ہے کہ اخیر عمر میں ابن شاذان نے الپ ارسلان سے یہ سفارش کی تھی کہ خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دیا جائے۔ چنانچہ الپ ارسلان نے مستقل حکمران ہونے کے بعد ہی خواجہ کو وزیر مقرر کر دیا تھا۔

بہر حال یہ قابل تسلیم ہے کہ ابو علی کی سفارش بھی منجملہ سبب حصول وزارت کے ایک قومی سبب ہے۔ لیکن حکمت نظام الملکی کو بھی انتخاب وزارت میں بہت کچھ دخل ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ خواجہ نے الپ ارسلان پر اپنی خدا داد قابلیت اور کارگزاری سے پورا قبضہ کر لیا تھا۔ زمانہ ولیمہ دی میں الپ ارسلان کا مصاحب کاتب مشیر تالیق اور

با وفاق غرضکہ جو کچھ سمجھ صرف خواجہ تھا۔ رزم ہو یا بزم ہر جگہ خواجہ ہمراہ رہتا تھا لیکن اس وقت تک الپ ارسلان صاحب اختیار نہ تھا۔ بلکہ باپ اور چچا کی مشترکہ حکومت تھی۔ کیونکہ طغرل بیگ اور چغریگ دونوں حقیقی بھائیوں میں از حد محبت تھی اور سلطنت کے تمام کام ایک ل ہو کر انجام دیتے تھے مساجد میں دونوں کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ البتہ اخیر دور حکومت میں ابتداً چغریگ نے مرو اور طغرل بیگ نے نیشاپور کو دار السلطنت قرار دیا تھا۔ چنانچہ ۴۰۴ھ میں ہمسلم بن چغریگ نے انتقال کیا اور الپ ارسلان ولیعہد سلطنت اسکا جانشین ہوا لیکن الپ ارسلان کے دوسرے بھائی سلیمان نے بھی بحیثیت وعوید ارتاج و تخت اسے میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا لیکن ۴۰۵ھ میں جب طغرل بیگ نے انتقال کیا تو حسب وصیت طغرل وزیر عید الملک کندری نے سلیمان کو تخت نشین کر دیا۔ طغرل بیگ اگرچہ لا ولد فوت ہوا اور ولیعہد سلطنت الپ ارسلان موجود تھا مگر طغرل بیگ اپنی بھانجہ دزوحہ چغریگ والدہ سلیمان کے اصرار سے سلیمان کے حق میں وصیت کر گیا تھا۔ جسکی تکمیل میں عید الملک کندری نے بڑی سرگرمی دکھائی۔ مگر خواجہ کو یہ کب گوارا تھا کہ الپ ارسلان کے پوتے ہوئے سلیمان تخت اڑا لے جائے قطع نظر اس کے قومی قبائل بھی سلیمان سے ناراض تھے اسلئے مساجد کا معمولی خطبہ تخت نشینی کے واسطے کافی نہ تھا۔ الپ ارسلان اور خواجہ سلیمان کی بغاوت سے ہنوز دم لینے کا موقع نہیں ملا تھا کہ قتلش جو قلعہ کر دہ میں مقیم تھا وہ بھی وعویدار سلطنت ہو کر اٹھا۔ اور دوسری طرف سے قاور و فتوحات کے ذوق میں چلا۔

۴۰۵ھ زیدہ انصرہ و خبثہ العصرہ عماد الدین صفائی از صفحہ ۴۰۶: مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ دہلی و اسٹان سے پریس کے (باقی آئندہ)

اور الپ ارسلان کا بد مقابل بکر برڈیر تک اپنی فوجیں بڑھالایا۔ لیکن خواجہ کی مدد پر نہ اور
خافلانہ حکمت علیوں سے الپ ارسلان نے اپنے تمام مخالف بھائیوں کا ترکی بتر کی جواب یا
قتلش میدان کا رزارین قتل ہوا۔ اور قارو روئے صلح کر لی۔ عمید الملک کندری نے جب کیکھا
کہ سلیمان کا میاب ہوگا تو وہ بھی طوعاً و کرہاً الپ ارسلان سے آکر مل گیا۔ چونکہ چچا کا وزیر اور
خاندانی نکلور تھا اس لیے الپ ارسلان بھی چپ سا دھ گیا۔ لیکن مذکورہ بالا معرکوں میں غنیمتیں
اپنے محسن کے ساتھ رہا تھا اس لیے الپ ارسلان نے خانہ جنگی سے فارغ ہو کر انتظام سلطنت پر
توجہ کی اور امور وزارت کو عمید الملک اور خواجہ حسن کے سپرد کر دیا۔ اور خواجہ کو نظام الملک کا

بقیہ صفحہ ۵۲) فاصلہ پر قلعہ ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ قدیم تہا نام عجیم کا تیسرا کیا ہوا ہے۔ شاہنامہ دیر میں اس کا نام دژ گنبدان
و گنبدان دژ کو دیکھنا ہے۔ ایران کے نعلوں میں یہ نہایت مستحکم اور قطع ہے۔ ملک شاہ بلوچی کے انتقال پر سچلیہ نے
اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور وہ تو ان کے قبضہ میں رہا چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں یہ سب کے چون لھان کر دکوہ حمد قدیم کے
آہارا سوقت تک باقی ہیں۔ اگر مرمت کی جائے تو آج بھی فوجی ضرورتوں کے واسطے از حد مفید ہے گنج دانش صفحہ ۴۲۵۔
۱۷۱۱ برڈیر کرمان کا بہت بڑا شہر ہے۔ مرصدا لاطلاع۔ ۱۷۱۱ ابو نصر محمد بن منصور بن محمد لقب بعمید الملک کندری
سلطان مغرل بیگ بلوچی کے وزیر کا ایک امور رکھ ہے۔ ابو نصر موضع کندر کا باشندہ تھا۔ متعلق طریت اطراف نیشاپور
اور محض اپنے ذاتی فضل و کمال کی وجہ سے کاتب کے درجہ سے وزارت تک پہنچا تھا۔ تاریخ آل سلجوق میں تحریر ہے
کہ جب سلطان مغرل بیگ نیشاپور میں وارد ہوا ہے تو اس کو ایک ایسے کاتب کی ضرورت ہوئی کہ جو عربی فارسی طرز
پر قادر ہو۔ چنانچہ مولانا بلوخی (مہتاب) والد ابو نصر افسر دارالانشاء فارسی نے ابو نصر کو پیش کیا اور سلطان نے اس
نوجوان کو اپنا کاتب اور دارالانشاء عربی کا افسر مقرر کر دیا۔ جو بعد کو اپنی کارگزاریوں سے مغرل بیگ کا وزیر ہو گیا۔ چنانچہ
دولت بلوچی میں سب سے پہلے وزیر ہونے کی عزت ابو نصر کو حاصل ہوئی ہے مورخین نے اس کی طرح کی ہے۔ خود صاحب
فضل و کمال تھا اس وجہ سے علماء و شعرا کی عزت کرتا تھا۔ امام محمد بن اور امام ابو القاسم قشیری اسکے دربار میں تشریف لایا
کرتے تھے۔ اور وہ اسکے خیالات سے مستفید ہوا کرتا تھا۔ اس کی طرح عربی فارسی میں بکثرت تصانیف موجود ہیں (باقی آئندہ)

خطاب مرتعت فرمایا۔ اور عید الملک و نظام الملک نے ملکہ سلطنت کا کام شروع کیا مگر خواجہ کو شرکت فی الوزارت منظور نہ تھی۔ اور نہ وہ عید الملک کو دیکھ سکتا تھا۔ مگر مجبوراً گیا کرتا موقع کا

بقیہ صفحہ ۵۴ جنہیں سے ابوالحسن الباخری اور ابو منصور ابن قنادر کا کلام خاص کر قابل ملاحظہ ہے۔ طغرل بیگ کے زمانہ میں جو لگی کا زمانہ اس وزیر کے بن وہ حالات طغرل بیگ میں لکھ دیے گئے ہیں۔ اس کے مذہب میں اختلافات ہے بعض نے شافعی لکھا ہے اور بعض نے حنفی۔ مگر اس کا تعصب مذہب ضرب اشل ہے۔ اس کی عمر کا اخیر حصہ نہایت بیچ و بالم بین گذرا طغرل بیگ کے انتقال پر چند روز کے واسطے اب ارسلان کا وزیر مقرر ہو گیا تھا۔ مگر یہ عہد اس کے حق میں کچھ مفید ثابت نہ ہوا۔ اور بہت جلد قتل کر دیا گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ خواجہ نظام الملک اس کے قتل میں بہت سامی ہوا کیونکہ وہ اس کی زبردست چالوں سے ڈر کر اڑتا تھا۔ اگر خواجہ چاہتا تو ابونصر کی جان بخشی ہو سکتی تھی مگر شوق وزارت نے خواجہ کو اس نیکی سے محروم رکھا۔ جب ابونصر کو قید میں ایک سال گذر گیا۔ تو اب ارسلان نے دو غلام اس کے قتل کے واسطے روانہ کیے جب یہ غلام ابونصر کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت وہ بخار میں پڑا ٹرپ رہا تھا یہی حالت میں اس کو قتل کا حکم سنایا گیا جب ابونصر کو معلوم ہوا کہ اب موت دم لیکے ٹیلگی تو اسے غسل کیا اور عرصہ تک تو یہ استغفار کرتا رہا۔ پھر اپنے جرم سرا میں گیا اور سب عزیزوں سے ہمیشہ کے واسطے رخصت ہوا آیا۔ اس کے بعد مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی پھر مرنے پر تیار ہو گیا اور ایک غلام نے تلوار سے سراؤڑا دیا۔ اور غریب مقتول کا سر بقا مقام کران اب ارسلان کے سامنے لا کر رکھا گیا۔ آثار اوزرا کی روایت ہے کہ جب چلاؤ تلوار ٹیکر سر پر کھڑا ہوا عید الملک نے ایک غلام سے کہا کہ مجھ عاجزگی طرف سے اب ارسلان سے کہدینا کہ تمہارے چچا طغرل بیگ نے بھوکہ قنادران وزارت عطا کیا تھا اور تو شہادت کی عزت دیتا ہے جبکہ مجھے آخرت میں صلیب لگا دو وزیر نافذ فرمان سے کہنا کہ تو نے بہت بڑا کیا وزیر کشی کی بدعت تیری جانب سے ہوتی ہے۔ سلطان کو تو نے یہ پیغم کھائی ہے اور وہ زمانہ قریب ہے کہ خود تو اور تیری اولاد اس آفت میں مبتلا ہوگی اور آخرین فارسی کا یہ شعر پڑھا۔

مابین روزگار خور ویم و شرم تا خود بکجا رسد انجام شمس

عید الملک بمقام کندر اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہوا۔ اور خوش نصیبی سے چار نبوی کا فن میر آیا۔ یہ چار آپ زفر میں دھوئی ہوئی تھیں اور خلیفہ مقتدی بامد عباسی نے اس کو محنت فرمائی تھی اور جو کفنی گلے میں ڈالی گئی وہ ایک قیص ہی تھا جو خلیفہ قائم باند نے اس کو دیا تھا۔ عجیب عبرت کا مقام ہے کہ عید الملک کا عضو..... اس کی حیات میں خواہ نرم میں دفن ہوا ایک خیانت کے جرم میں طغرل بیگ نے یہ سزا دی تھی، اور قتل کے (باقی آئندہ)

منتظر رہا۔ چنانچہ محرم ۱۰۶۳ھ کا واقعہ ہے کہ ایک دن عمید الملک خواجہ کی ملاقات کیلئے اُسکے گھر گیا اور پانسو دینار بطور نذرانہ پیش کیے۔ لیکن ملاقات کے بعد اکثر فوجی سردار عمید الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے الپ ارسلان کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اس کارروائی کو مشتبہ نظر سے دیکھا اور خواجہ کے اشارے سے عمید الملک کو گرفتار کر کے مرو دے بھیج دیا۔ یہاں ایک سال تک یہ جیلخانہ میں پڑا رہا اور ہر دو ایک شنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۰۶۳ھ میں الپ ارسلان کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

چنانچہ مورخین کے نزدیک عمید الملک کی موت اور خواجہ حسن کی وزارت پر مستقل ہونے کی ایک ہی تاریخ ہے۔ اور یہ بالکل سچ ہے کیونکہ خواجہ نے جب تک عمید الملک قتل نہیں ہو گیا اپنے تین مستقل وزیر نہیں سمجھا۔

اب انشاء اللہ جو واقعات تحریر ہونگے اُسکا تعلق خواجہ حسن کی وزارت سے ہوگا۔ اور ان واقعات کی ابتدا ۱۶ ذی الحجہ ۱۰۶۳ھ سے ہوگی۔

تبصرہ

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ خواجہ حسن کس ملک کا باشندہ تھا اور اُسکے خاندان کی کیا حالت تھی؟

لغیہ صفحہ ۵۵: وقت جو خون طشت میں جمع ہوا تھا وہ مرو رو سین کا لگایا۔ باقی جسم کندر میں۔ داغ نیشاپور میں اور کاہہ سر جبین گھاس بھری گئی تھی وہ کرمان میں دفن ہوا۔ کچھ اوپر چالیس برس کی عمر میں آٹھ برس وزارت کر کے دنیا سے رخصت ہوا افسوس! اسے

ہے عجب سیرا کر دیدہ بنا دیکھے دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

از بخارستان صفحہ ۸۱۷۔ ابن خلکان تذکرہ حسن۔ ریاض الفطرہ صفحہ ۲۹۔ ۳۰۔ روضۃ الصفا آثار الموزراد حالات نظام الملک۔ گنج دانش صفحہ ۵۰۲۔ حالات نیشاپور۔

اور ولادت کے بعد کس عنوان سے اسکی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ اور نیز یہ بھی معلوم ہے کہ طالب علمانہ زندگی کے بعد اُس نے کن ممالک کا سفر کیا اور دارالسلطنتِ غزنین سے نکل کر آلِ بلخ کے دربار میں کیونکر آیا۔ اور پھر دفترِ انشا کی ملازمت سے ترقی پا کر مسندِ وزارت پر بیٹھا اور ایسا بیٹھا کہ مرکز اٹھا۔

لیکن اس پر بہت کم غور کیا ہوگا کہ جو تاریخ اُس کے مستقل وزیر ہونے کی ہے، اُس وقت وہ اپنی عمر طبعی کی کتنی منزلیں طے کر چکا تھا۔ اور تاریخِ ولادت سے تاریخِ وزارت تک اس پر انقلاب کے کس قدر طوفان آپگئے تھے۔ چونکہ اس طلسم کی پردہ کشائی سوانح نگار کے لیے ایک ضروری امر ہے لہذا ظاہر کیا جاتا ہے کہ خواجہ حسن کو اڑتالیس برس کی عمر میں خلعتِ وزارت عطا ہوا تھا۔ اور کچھ کم اُنتیس سال وزارت کر کے دنیا سے رخصت ہوا جسکی تفصیل یہ ہے۔

صحیح روایتوں کے مطابق خواجہ حسن کی ولادت بروز جمعہ اکیسویں ذیقعدہ ۸۵۸ھ میں ہوئی اور سلسلہ میں یعنی تقریباً پانچ برس کی عمر میں مکتب نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اور ۸۶۹ھ میں حفظِ کلام مجید سے فراغ حاصل کیا۔ کم سن بچوں کے واسطے حفظِ قرآن سے زیادہ مشکل اور کوئی کام نہیں ہے، اس لیے یہ ناممکن ہے کہ بحرِ حفظ کے خواجہ نے دوسرے علوم و فنون کی بھی تعلیم پائی ہو۔ قطع نظر اس کے خواجہ کا چچا عبداللہ خود فقہ تھا۔ اور خواجہ کا پاپ بھی ایک یندار اور مذہبی شخص تھا اس لیے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ کلام مجید کو اتنا مچھوڑ کر دوسری طرف توجہ کی گئی ہو۔ غرض کہ بارہویں سال سے فقہ اور حدیث کی باضابطہ تعلیم شروع ہوئی اور دارالعلوم نیشاپور کی روانگی تک خانگی طور پر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اگرچہ کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ فقہ اور

حدیث وغیرہ کی تحصیل کس عمر تک ہوئی لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل دس برس تک یہ علمی مشغلہ جاری رہا کیونکہ ۱۲۹۷ھ کے خاتمہ پر یا ۱۳۰۳ھ کے ابتدا میں خواجہ حسن نے نیشاپور کا سفر کیا تھا۔ اگرچہ تاریخوں میں روانگی سفر کی تاریخ تحریر نہیں ہے۔ مگر مندرجہ ذیل قرآن سے اسکا پتہ چلتا ہے۔

اول یہ کہ ۱۲۹۷ھ میں سلجوقیوں کا طوس پر قبضہ ہوا اور خواجہ علی (خواجہ حسن کا باپ سلطان چغریگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس میں صاحب الخراج کے عہدے پر مقرر کیا گیا۔ سلجوقیوں کا اگرچہ طوس پر قبضہ ہو چکا تھا۔ مگر عراق کا وسیع ملک فتح کرنے کو پڑا ہوا تھا۔ اور شاہان غزنویہ کی چیر چھاڑ چلی جاتی تھی۔ اس لیے خواجہ نیشاپور بھیجا گیا تاکہ امن و عافیت کے ساتھ تعلیم ہو۔ اور گھر کی تعلیم کے مقابلے میں کالج کی تعلیم جو فضیلت رکھتی ہے وہ ظاہر ہے۔

دوسرے یہ کہ حکیم عمر خیام کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ ۱۲۹۷ھ میں وہ داخل مدرسہ نیشاپور ہوا ہے۔ اور داخلہ کے بعد حسن صلیح اور خواجہ حسن اور عمر خیام ہمدرد ہوئے ہیں۔ اور قرغ کے بعد ایک ساتھ ان دوستوں نے مدرسہ چھوڑا ہے۔ اور بقول خواجہ حسن دارالعلوم نیشاپور میں کل ۴ برس تعلیم پائی ہے۔ لہذا مدرسہ کی تعلیم ۱۲۹۷ھ میں ختم ہو جاتی ہے۔ اب مکتب نشینی سے حساب لگایا جائے تو پوری اکیس برس کی مدت ہوتی ہے اور اس عہد کی تعلیمی مدت کا پانچ اقل درجہ پچیس تیس سال تھا۔ اور جب عمر کا اس قدر قیمتی حصہ چراغوں کی روشنی اور مساجد و مدارس کے حجر و نین صرف کیا جاتا تھا تب تا فضیلت لے دیا چہ ربا عیات عمر خیام مطہر ہوئی۔

میسر ہوتی تھی۔ اور جو طالب علم نکلتا تھا وہ آسمان شہرت پر آفتاب ہو کر چمکتا تھا۔
 بہر حال طوس اور نیشاپور میں خواجہ نے جس قدر فضل و کمال حاصل کیا وہ خواندگی اور مدت کے لحاظ
 سے کچھ کم نہیں ہے۔ مگر نہیں خواجہ نے ہنوز کتاب بند نہیں کی ہے۔ اور اسکو ابھی مدت تک
 خرچ گردانی کرنا باقی ہے۔

کتاب اوصایا میں جس قدر حالات خواجہ نے اپنی تعلیم و تربیت کے لکھے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے
 کہ دارالعلوم نیشاپور سے خواجہ سیدھا طوس کو آیا ہے۔ کیونکہ دوسرے شہروں کی سیر و سیاحت کا
 کوئی ذکر خواجہ نے نہیں کیا ہے۔ البتہ اسکی صراحت کین نہیں کی ہے کہ نیشاپور سے واپس ہو کر
 خواجہ کس شغل میں مصروف ہوا۔ اور کس مدت تک طوس میں ٹھہرنا پڑا یہاں قیاسات سے
 کام لینا بیکار ہے لیکن خواجہ نے جب طوس سے غارا کا سفر کیا ہے۔ تو مختصر الفاظ میں اس سفر کا
 ذکر کیا ہے گو سنہ و سال کی صراحت نہیں کی ہے۔ لیکن یہ غماط پر چل ہو جاتا ہے۔ کہ رہتہ میں
 خوش نصیبی سے شیخ ابوسعید ابو الخیر سے ملاقات ہوئی ہے اور شیخ نے پند و نصائح کے بعد
 فرمایا ہے کہ خواجہ آج تو جس مجلس میں پہلے دن آیا ہے وہ اس مجلس کا آخری دن ہے۔ اور
 اب تجھے بظاہر ملاقات نہ ہوگی۔

جسکے معنی بطور رموز و کنایہ یہ تھے کہ یہ دن شیخ کے وصال کا تھا۔ اور عالم فانی سے عالم
 جاودانی کو کوچ کرنا تھا۔ یہ تحریر خود خواجہ حسن کی ہے۔ جسکے لیے فرید شہادت کی حاجت پیش
 اور صحیح روایت کے مطابق شیخ موصوف نے مسئلہ میں انتقال فرمایا ہے۔ اسلئے ظاہر ہے

کہ خواجہ کا یہ دوسرا سفر اس لئے کہ میں ہوا۔ اور یہ بھی محض حصول علم کے لیے تھا جیسا کہ اپنے موقع پر لکھا جا چکا ہے۔ آگے چل کر پھر نہیں معلوم ہوتا کہ بخارا میں کتنے دنوں خواجہ کا قیام رہا ہے۔ لیکن کم از کم اربعین برس قریب کے پانچویں۔ اور واپسی نہیں پورے سفر بخارا تک جب قدر زمانہ گزرا ہے اسکو فرض کر لیں کہ کتب بینی یا علمی تحقیقات میں صرف ہوا تو خواجہ سن کی مسلسل طالب علمی کا زمانہ تیزاً ہی بسر قرار پاتا ہے۔ اور یہ مدت ایک جید عالم ہونے کے لیے کم نہیں ہے۔ اور عمدہ وزارت کے واسطے بھی اسقدر فضل و کمال اور اٹھارہ سال کا تجربہ سیر و سفر و ملازمت کافی ہے۔ خواجہ نظام الملک نے مستقل وزیر ہو کر خدمات نارت کو کرنا انجام دیا اور کیا کارنامے چھوڑے؟ یہ واقعات اپنے موقع پر لکھے جائینگے اب ہم اس کے ذاتی فضل و کمال کا تذکرہ لکھتے ہیں۔

خواجہ نظام الملک کا فضل و کمال فقہ حدیث

شاعری کا تذکرہ انشا کا نمونہ تصنیفات

اسلام کے وسیع عہد حکومت میں ایک ہی نسبت سے اکثر نامور فرمانروا مانج و تخت کے اور وزیر امند وزارت کے مالک ہوئے ہیں یعنی جیسے تاجدار فضل و کمال میں فرد ہوتے تھے ویسے ہی وزیر بھی اپنی شان کی نائی میں ہمیشہ نظر آتے تھے۔ اور سلاطین عجم کو یہ خاص عزت حاصل ہے کہ جب طرح سلطان ابن سلطان ہوتا تھا۔ اسی طرح وزیر ابن وزیر ہوتا تھا۔ اور یہ وراثت صدیوں تک قائم رہی ہے۔

وزیر کے انتخاب میں ہر عہد میں خاص اہتمام کیا گیا ہے حتیٰ کہ جاہل اور وحشی حکمرانوں نے بھی

اپنے لیے ایسا وزیر منتخب کیا ہے جسکو زمانہ نے فلاسفر اور حکیم کے معزز لقب سے یاد کیا ہے۔

مؤرخین کا افسر اتفاق ہے کہ کبھی برہمکی اور صاحب ابن عباس کے بعد کوئی وزیر جامعیت

۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوا۔ ۳- محرم ۱۱۱۱ھ میں بمقام رقد انتقال کیا۔ ہرون الرشید کے عہد کی لکائی، علی، ترقیان بھی کے عہد وزارت میں ہوئیں۔ کبھی کی فیاضی اور علی قدردانی کے واقعات سے تاریخ اور ادب کی کتابیں، الامال، بن، فضل اور جعفر شیعہ کے وسیطہ اسکے بعد وزیر ہوسے۔ اور جعفر کے قتل کے بعد بڑے پر تباہی آگئی اور گمریہ حالات آئندہ نسلوں کے واسطے عبرت ہو گئے تفصیلی حالات کے لیے ہماری کتاب البرامکہ دیکھنا چاہیے۔

۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوا اور ۱۱۱۱ھ میں بمقام رقد انتقال کیا۔ وزیر لے اسلام میں صاحب ایسا باکمال اور نادر دروڑ کا شخص ہے۔ کہ خود نظام الملک اسکا مداح ہے فضل و کمال کے لحاظ سے طبقہ علمائین شمار کیا جاتا ہے۔ مؤید الدولہ بن منصور بویہ بن رکن الدولہ دلی کا وزیر تھا۔ اور اسکے انتقال پر فرالدولہ کا وزیر ہوا۔ یہ زمانہ اسکی وزارت کا نہایت کامیاب تھا۔ ابوالقاسم اسماعیل وزیر امین پہلا شخص ہے جو صاحب کے لقب سے ممتاز ہوا۔ اور اسکے بعد دیگر وزراء بھی صاحب کلائے ہرظم و فن کے باکمال اسکے دربار میں موجود رہتے تھے لیکن شراکی تھا، ادب پر غالب تھی۔ صاحب کی مرح میں جعفر قضا اور متفرق اشعار ہیں انکے انتخاب کے واسطے ایک جلد چاہیے۔ فوج بن منصور سامانی نے صاحب سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ اسکی وزارت اختیار کرے لیکن صاحب نے فرالدولہ کے دربار سے جانا پسند نہیں کیا اور معذرت نامہ بھیج دیا منجملہ عذرات کے ایک عذر یہ تھا کہ اگر میں حاضر خدمت ہوں تو کا قصد کروں تو صرف کتب خانہ کے واسطے چار سو اونٹ درکار ہونگے۔ یہ واقعہ صاحب کی علمی زندگی کا ایک مختصر خاکہ ہے۔ ادبی کتابوں سے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ ملک کے دورہ کے زمانہ میں صرف تیس اونٹوں پر کتابیں ہمراہ ہوتی تھیں علامہ ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الافانی (یہ کتاب پچاس برس میں مرتب ہوئی تھی اور ابصر میں ۲۰ جلدوں میں چھپ گئی ہے) کی نقل سب سے پہلے صاحب کے واسطے لکھی گئی تھی تصنیفات میں الحیط (لغت) جلد میں کتاب الکافی فی الرسائل کتاب الاعیاد و فضائل النیر و زکات لامائے کتاب الوزرا کتاب الکشف عن مساوی شعر المتنبی مشہور ہیں جس دن صاحب نے انتقال کیا ہے اُس دن (باقی آئندہ)

اور فضل و کمال میں خواجہ نظام الملک کا ہمیلہ نہیں ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ وزارت کے انتساب نے نظام الملک کو وزراء کے سلسلہ میں داخل کیا ہے۔ ورنہ فقہ۔ حدیث تفسیر۔ ادب و حکمت۔ بلوخی انجمن ہے کہ جبکہ وہ غریز کن نہیں ہے۔ وہ ہر لڑی میں واسطۃ العقد ہو اور ہر زنجیر میں طلائی لڑی ہو۔

فقہ

تاریخ اور تذکرہ خواجہ نظام الملک کی شہرت بحیثیت ایک مہر و وزیر کے ہے اور وہ عام طور پر فقہ کے لقب سے مشہور نہیں ہے۔ لیکن اسکی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ فقہ نہ تھا صحیح نہیں ہے۔ خواجہ نظام الملک طبقہ علما میں وزارت سے زیادہ قہارت میں مشہور تھا۔ اور خواجہ کے فقہ ہونیکا ثبوت جستہ جستہ اس کے حالات سے بھی ملتا ہے اور اس کے عدالتی فیصلوں میں بھی فقہ کی روشنی پائی جاتی ہے۔ ابن خلکان میں تحریر ہے ”وَكَانَ يُجَلِّسُهُ عَامِرًا بِالْفُقَهَاءِ“ یعنی خواجہ کی مجلس فقہاء سے بھری رہتی تھی۔ یہ مختصر فقرہ معمولی نہیں ہے۔ کیونکہ مثل علوم و تعارف کے یہ مسلم ہے کہ انسان جس علم و فن میں کمال یا خاص دلچسپی رکھتا ہے وہی اسکا اور ضابطہ چھونا ہوتا ہے۔ اگر خواجہ کو فقہ سے خاص ذوق و شوق نہ ہوتا تو اسکی مجلس میں بھی بجائے فقہاء کے ایسے کوچک کے پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہوتا بے تکلف اور زندہ دل احباب جمع ہوتے۔ اور کوئی خوش آواز معنی یہ ترانہ چھیڑتا ہے

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت خواہی یافت کنار آب ز کنا باد گلگشت مصطلے را

بقیہ صفحہ ۱۱ شہر کے تمام دروازے بند ہو گئے تھے اور خزانہ الدولہ مع خدم شہم و عام رعایا کے خزانے کے ہمراہ تھا۔ صاحب الدار ابراہیم عباد کن الدولہ دہلی کا وزیر تھا، ورنہ اسلام کا سلسلہ قائم رہا تو انشاء اللہ کسی زمانہ میں ہم مستقل سوانح عمری اس وزیر کی پیش کریں گے۔ انتخاب انابن خلکان۔ جلد اول

لیکن کسی مورخ نے خواجہ کو عیش و طرب کی مجلس میں رندانہ وضع سے نہیں دیکھا ہے بلکہ خواجہ کو ہمیشہ مذہبی رنگ میں پایا ہے۔

خواجہ کی ابتدائی حالات میں بھی تم پڑھ چکے ہو کہ اسکا چچا عبداللہ فقیر تھا اور اُس نے سب سے پہلے خواجہ کو فقہ کی تعلیم دلوائی تھی۔ اور یہی شوق خواجہ کو امام موفق نیشاپوری کی درگاہ میں لگیا تھا

حدیث

فقہ کی طرح حدیث میں بھی اگرچہ خواجہ نظام الملک محدث مشہور نہیں ہوا۔ مگر یہ تحقیق ہے کہ حدیث میں خواجہ محدثانہ درجہ رکھتا تھا اور بزرگان سلف کے تذکرے اگر نظر غور ملاحظہ کیے جائیں تو انہیں ہزاروں ایسے باکمال ملین گے جو محدث کا درجہ رکھتے تھے۔ لیکن انکی شہرت اس معزز لقب سے نہیں ہوئی بلکہ کمال غالب کے لحاظ سے مشہور ہوئے اور بقیہ علمی جو ہر چہ رہ گئے۔ چنانچہ اسی استثنائے خواجہ بھی داخل ہے۔

ابن خلکان نے خواجہ کے حالات لکھتے ہوئے علم حدیث کے متعلق حسب ذیل فقرے لکھے ہیں ”وسمع نظام الملک الحدیث واسمعه وكان يقول اتی لا اعلم اتی لست اهل لذلك ولكنی اید ان اردبط نفسی فی قطار نقلة الحدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم“ ابن خلکان کی شہادت خواجہ کی محدث ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی ارادت رکھتا تھا۔ لہذا بمقتضای ادب کہتا ہے کہ ”بھلا میں اس قابل کب ہوں کہ حدیث کی روایت کروں لیکن میرے لیے ہی فخر کیا کم ہے کہ میں رسول اللہ کے راویان حدیث کے زمرے میں داخل ہو جاؤں“

طبقات الکبریٰ کی روایت ہے کہ خواجہ نظام الملک نے حسب ذیل مقامات پر مشہور محدثین سے حدیثیں سیکھیں۔

اصفہان - محمد بن علی بن مہروداویب - ابو منصور شجاع بن علی بن شجاع۔

نیشاپور - استاد ابوالقاسم قشیری۔

بغداد - ابو الخطاب بن البطر و غیرہ۔

مذکورہ بالا شیوخ حدیث کے علاوہ خواجہ نظام الملک نے خاص دارالخلافہ بغداد میں مجالس حدیث سے بھی فائدہ اٹھایا۔

حدیث کی تعلیم کا طریقہ بغداد وغیرہ میں اہل طریح پر جاری تھا کہ شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھ جاتا تھا اور شاگرد قلم و دوات لیکر سامنے بیٹھتے اور شیخ کے الفاظ بلند کرتے جاتے۔ اور جب طلبہ کا ہجوم ہوتا تو ایک مستملی کھڑا ہو کر شیخ کی روایت کے الفاظ بلند آواز سے دور کے بیٹھنے والوں تک پہنچاتا۔ ایسی مجالس کو ”مجالس الملّا“ کہتے تھے۔ چنانچہ خواجہ نے

جامع ہمدی عباسی اور مدرسہ کی مجالس الملّا سے نفع اٹھایا۔ ان مجالس میں نامور ائمہ حدیث تشریف لاتے تھے۔ اور علاوہ مقامات مذکورہ بالا کے طالب علمی کے سب سے اخیر زمانہ میں خواجہ نظام الملک بخارا گیا تھا اور اس سفر سے صرف حدیث کی تکمیل منظور تھی۔ اور خاک بخارا کو حدیث شریف سے جوازی ابدی مناسبت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

روایت حدیث | طبقات الکبریٰ میں خواجہ نظام الملک سے صرف ایک حدیث روایت ہے۔ جسکو ہم بھی تبرکاً نقل کرتے ہیں۔

أَخْبَرَكَ عَبْدُ الْغَافِرِ بْنُ مُحَمَّدٍ بِنَ عَبْدِ الْقَاهِرِ الْمَلِكِ بْنِ بَقَرٍ فِي عَالِيهِ بِدَمَشْقٍ أَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ
 ابْنُ يَحْيَى بْنِ إِسْهَامٍ الزُّهْرِيُّ الْمُحْطَبِيُّ أَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي الْمَعَالِي عَبْدِ اللَّهِ
 ابْنُ جَامِعِ بْنِ التَّبَّاعِ الصُّوفِيُّ فِي سَنَةِ ثَمَانٍ وَسِتِّ مِائَةٍ أَنَا نَصْرُ بْنُ نَصْرِ الطَّبْرِيُّ أَنَا نَظَامُ الْمَلِكِ
 أَبُو عَلِيٍّ أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ ابْنِ إِسْحَاقَ ابْنِ أَوْزَيْرٍ أَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ ابْنِ حَلَفٍ أَنَا أَبُو طَاهِرٍ
 ابْنُ مُحَمَّدٍ مِمَّا نَحْنُ بِإِسْحَاقَ الشَّارِحُ ثَمَّا قَتَيْبَةُ ثَمَّا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ
 ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ أَنَّ نَصَارَتِي عَنْ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكِعْ وَكُعْتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ ۝

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرو۔
 افسوس ہے کہ مورخین نے نظام الملک کے مذہبی حالات لکھنے میں زیادہ توجہ نہیں کی ورنہ ایک
 سے بہت زیادہ حدیثیں ملتیں لیکن یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ قلت روایت سے کسی صحابی یا امام پر
 کوئی شخص قلت نظر کا الزام نہیں لگا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ ابن
 عباس کے مقابلہ میں جسے ہزاروں حدیثیں روایت ہیں حضرت ابوبکر صدیق فاروق اعظم
 حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو حدیثیں روایت ہیں انکی مجموعی تعداد دوسرے کم ہرگز
 حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر قرب و ختصاص خلفائے اربعہ کو تھا وہ اور صحابہ کرام میں
 آیا۔ لیکن مقابلہ کی نظر سے کون کہہ سکتا ہے کہ ان ارکان اسلام کو صرف معدودی چند حدیثیں
 یا دھمیں غرض کہ روایت حدیث میں اس اصول کے لحاظ سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ خواجہ
 نظام الملک حدیث میں کم مایہ تھا۔ بلکہ اپنے زمانہ کا وہ بھی ایک شیخ تھا۔ اور خواجہ کی

تین برس کی طالب علمی بھی ایک تین شہادت اس امر کی ہے کہ وہ علمائے روزگار میں شمار ہونے کے لائق ہے۔

شاعری

خواجہ نظام الملک کو شعر و شاعری سے بچپی نہ تھی۔ اور اسکا سبب ایک توہی ہے کہ طبعی مذاق نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بچپن سے فقہ اور حدیث کی تعلیم دی گئی تھی۔ جس نے طبیعت کو شعر و سخن کی جانب متوجہ نہیں ہونے دیا۔ تاہم مثل دیگر فنون کے شاعری سے بالذات تھا افسوس ہے کہ تاریخ اور تذکروں میں بجز ایک قطعہ اور رباعی کے اسکا کوئی اور کلام درج نہیں ہے۔ بہر حال ناداری میں یہ بھی غنیمت ہے۔ نظام الملک کی مجلس میں جس قدر انعام اور اکرام صوفیہ اور علماء کے حصہ میں آیا اسکے مقابلے میں شعرا منزلوں دور رہے اور انکی محرومی کا باعث وہی مذاق شاعری تھا جسکی خواجہ میں بہت کمی تھی۔

ابن خلکان میں خواجہ نظام الملک کے عربی اشعار بھی درج ہیں۔ مگر وہ موصوفہ مذکور کو انکی صحت میں شک ہے اور لکھتے ہیں کہ بعض لوگ اسکو ابوالحسن محمد بن ابوالسفر واسطی کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ لیکن عربی زبان میں اگر خواجہ کے اشعار ہوں تو اسکے فضل و کمال کے مقابلہ میں یہ ایک ادنیٰ بات ہے۔

۱۔ خواجہ بزرگ نظام الملک رحمۃ اللہ علیہ درج شعرا اعتقادی مذہب زائکہ معرفت ان دست مذہب چہارت نظامی مصنف ۸۹۔
۲۔ اور وہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

قد ذهبت شریة الصبوة

بعد المائین لیس قوۃ

موسلی و لکن بلا نبوة

کا کئی والعصا بکف

رباعی یہ رباعی ایک خاص موقع پر عید منصور کو لکھی تھی جس کی تفصیل آدابِ زارت میں مفصلاً درج ہے۔

از سربہ این نخوت کاوسی را بگذا رہ بجزیل - طاوسی را
یعنی ہمہ صوفیہ قیروسی را پیش آر - دگر گاہ گویہ طوسی را
قطعہ یہ قطعہ اس وقت موزون کیا ہے کہ ایک ظالم فدائی نے خواجہ نظام الملک کو پھرتی زخمی کر دیا ہے اور ملک شاہ سرہانے بیٹھا ہے۔ اور نزع کا وقت قریب آتا جا تا ہے۔
تشی سال اقبال تو ای شاہ جوان بخت گردستم از چہرہ ایام ستر دم
بنشور نکونامی و طغرائی سعادت پیش ملک العرش توبقیع تو بردم
چون رقتضایت عمر نو دوشش اندر سفر از ضربت یک کار و بردم
بگذاشم این خدمت دیرینہ بفرزند اورا بخدا و بخداوند سپردم

نثر فارسی

خواجہ نظام الملک کے متفرق مضامین یا کوئی مستقل تصنیف نثر عربی میں موجود نہیں ہے جس کے اُسکے زور قلم کا اندازہ ہو سکے۔ البتہ فارسی میں ایک بڑا ذخیرہ نثر کا موجود ہے۔ جو خواجہ کے فضل و کمال کی ایک زندہ یادگار ہے۔ خواجہ کے نثر کا طرز و ہی ہے جو عموماً پانچویں صدی کے علما اور دانش پر دازوں کا تھا۔ چنانچہ جسے امام غزالی وغیرہ کی فارسی تصنیفات پڑھی ہیں ان کو

۱۔ وصایاے نظام الملک فتح علی ۲۔ آثار الوزارت علی ۳۔ دوسرا حصہ عبد الملک برہانی شاعر کی جانب منسوب ہے کہ خواجہ کے انتقال کے بعد اسے یہ حصہ لکھ کر قطعہ پورا کر دیا تھا اور بعض تذکروں میں اس شعر کا شانِ نزول کچھ اور بتایا گیا ہے جسکی تفصیل امیر مغربی کے حالات میں ہے لکھی ہے

اس طرز کا بخوبی اندازہ ہو جائیگا۔

بطور نمونہ کے ہم صرف دو خطوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو خواجہ نے اپنے نامور بیٹوں
مؤید الملک اور فخر الملک کو لکھے ہیں۔ یہ خط نہ صرف خواجہ کے انشا کا نمونہ ہیں بلکہ
انکی دینداری اور اخلاق و عادت کا بھی آئینہ ہیں کہ جس سے ہر خال و خط نمایان طور پر نظر آتا ہے

مکتوب بنام مؤید الملک

بدان اسی پس کہ مایہ نکی دو جهان اعتقاد نیکوست و شناختن حق تعالیٰ کی گنگائی کہ ہمیشہ بود دوست
و باشد و تغیر و انتقال و زوال برو حال ست و ایمان بایز تعالیٰ کہ ایمان رسول صلی اللہ
علیہ وسلم مقرون بود و بدانکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم انبیاست و بہترین خلق و
دین اوست۔ و باید کہ اوراد و ست داری و صحابہ اورا و اہلبیت اورا کہ ایہی حق اند
و دشمنی یہی کس از گوندہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ باید کہ در دل تو نباشد۔ و باید کہ
حرمیت علما کہ ورثہ انبیاء و نیکو شناسی۔ خاصہ کسانی کہ از شجرہ نبوت بطہیر و تشریف مخصوص شدہ
و بعد از ان باید کہ پیش از صبح بر خیزی و بدانی کہ پگاہ خواستن برکت عظیم دارد و کار ہاے
بستہ بکشاید۔ و زندگانی بیفزاید۔ و ہمیشہ کلمہ شہادت بر زبان رانی و نماز را بگذاری و
از قرآن در دہر خود لازم کنی و از دعوات ماثورہ بخوانی تا روز بر تو بخوشد لی گزرد و
ہمیشہ با ادیب جامع باسع نشینی یا با ہنرمندی لطیف ظریف تا چیزی در تو آموزد و محفوظ
بہ تکرار بر تو نگاہ دارند و در گاہ لطافت با ندیم طبع کشودہ میشود و ہر روز از شعر تازی پایی

لے آثار الواسع الدین عقلی و قلبی و شہد منتخب سعید مطبوعہ قدیم کنوینفہ ۱۲۷۷ھ

و رسائل و آداب آنچه توانی بر خاطر میگیر و پس از نماز پیشین باید که طبع را بمسائل غوطه‌طریب
و اشکال هندسه و قیاسات منطقی ریاضت دهی. و بمشق خط قیام نمائی تا خط مستقیم گردد و دو
انچه هست قناعت نکنی. و در اول شب باید که ساعتی نیک بباحثه و ستفادت و منامرت
با هنرمندان و نظریان نشینی و از لطافت آداب و حکایات و اشغال و ابیات چیزی یاد
گیری چون برین جمله پیش گیری زود از اقران خود راجح شوی. باید که زبان از دروغ و غیبت گهرداری
و عیب کسان گویی و در ظرافت ترکیب سخن از مقداتی نکنی که بخرست و مال کسی از زبان باز دهی چراگر
کسی براست گوئی معروف شود اگر وقتی از برای مصیحتی دروغ بگوید قبول کند و اگر به دروغ گوئی معروف
گردد اگر چه نیز راست گوید قبول نکند و کارش بسته باشد و باید که به خود و موافق و فاکنی و عزم دست داری
تا در چشم همه کس عزیز باشی و زشت نامی بسود دنیا نمی خریدن زان سبکین بود و هر دمی که از مکاسب و ن
بجاء آید حجاب صدمه نرارد و اگر در دو اگر کسی بخلاف این ابواب پیش تو تفریز کند از غیبت عیب مردم و
پیدا کردن و تفریز زشت نامی کاهی کردن تحصیل هنر و از دیوم و شمردن از خوشن و دور کتی البته غماز نام سگ
را پیش خود در راه ندی و برای و از ندیان و دوستان دور روی معلق اجتناب کنی که بعضی که
و حدیث نرم و خوش نشینی ترا از راه ببرند و زیان کار دینی و عقبی شوی و خدمتگاران با ادب
مشفق نگاه داری و باد و ستان که صاحب مکارم اخلاق باشند اختلاط کنی تا تواضع و خدمت
تو با استحقاق باشد و طمع در محارم و حرمت مردمان نکنی هیچ وجه و هر کس که ترا بران تحریص
کند خصم جان خویش دانی و در همه اوقات تازه روست و خوش خلق باشی تا همه کس بتو میل
کنند و گویند فَضْلًا غَدِیْطَ الْعَلْبِ لَا أَنْفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ و بر ظلم اقدام نه نمائی چه

و عاے مظلوم را حجاب نبود و با خلق منصف و نیکو معاشرت با شمی و با شرکیان به تبرع و تفصل
بسریری تا نیکو نام گردی و حسد و حسد و دل خود جاب نه دهی که الحسود کلا یسود و
بهر وقت به تکلف نه روی که گفته اند "التکلف شوم لانه لا یدوم" و باید که سخن
خردندان بشنوی و با اهل صلاح نشینی و سیرت ایشان گیری تا همه زبانها ستوده گردی و آنچه
تعیین شده است از موسوم و وظیفه و رواتب خدمتگاران آنرا برسان - بچندی قناعت باید کرد
و تحصیل علوم مشغول تا بس از آنکه بدرجه تهتقلال و استبداد رسی برادر خویش در همه تصرف
کنی - انشاء الله تعالی -

مکتوب بنام فخر الملک

در مطلع عمر افتتح کار نیکوختی را نیکو نامی حاصل شود و خبر آن بدو و نزدیک برسد و لباس
لشکری و رعیت بدو مال شود اگر در اثنای امور سهوی از وصا در گرد و خصمان خواستند که
بنامی بدو حاکم کنند توانند این تذکره ایست مرفرند اعز فخر الملک را که چون بدین قانون
رو و سعادت دو جهانی یابد انشاء الله تعالی -

(اول) باید که همه رعایا از تو آسوده باشند و هر وقت که حقوق برایشان لازم شود بگزارد و تا فارغ
دل بکسب مصلحت معاش خویش پردازند و با همتی از ایشان بستانند و دری حوادث بیوه برایشان
بسته باشند و گنزار و که هیچکس بعد از فرموده دیوان از ایشان چیزی نخواهد و در گذریان
باید که ایشان را بمجال نرنجانند -

(دیگر) باید که در سرای خود بهر مظلومان کشاده دارد و در هفته یک روز بدین کار پردازد و چنانکه

اینج مصلحت نسا زد و در آن آهنگی کار فرمایند تا بدانند که آن متظلم را شکایت از چیست و تدارک آن
 چگونه می باید کرد تا آنچه فرمایند از سر حقیقت و بصیرت باشد و دیگر باید که امرای لشکر و خاصگیان
 مخدوم را عزیز و محترم دارد و همچنین شیوخ و مولی و ائمه را بیستم حرمت ببیند و همه را تفقد نماید و تعهد
 کند و سبب غیبت بپرسد و اگر نیاز شوند بعیادت رود و اگر مصلحت سازند و هم در پیش گیرند و دو معاود
 و در هم بال و هم بی متکار بخل و رسمی که آن هم را شاید و همگان را بشناسد و لقب ایشان را محفوظ
 دارد و بایشان کشاده روی باشد تا بر متابعت و خدمت وی حریص گردند و مشفق شوند که
 «اَلَا لَشَانُ عَزِيزَتِ الْاِحْسَانِ» و هر روز معروفان را بر خوان خودان دهد و باندیان نزدیکان
 با و شاه زندگانی بجای کند و عزیز دارد و او خیر را بخشد (دیگر) در مہفتہ دو بار باید که پیش ارکان دولت
 و صاحب مناصب طعام خورد و حکایتها گوید که متضمن مصلح باشد و اگر از روز و بیشتر خورد و تنگ
 شمت بود و همه کس را در حق مرتبت و مصلحت تعهد کند و نوروز و عید همه کس که ملازمان و دوستان
 و حریفان و یاران و سب باشد مصلحت و خلعت رساند و خوان نگویند (دیگر) نزدیکان و ندیمان
 که در حق کسی سخنی با سم شفاعت گویند یا حاجتی خواهند که ممکن گردد و باید شنود و عذر بایز خواست
 که خدمت کنم و بنویسم اگر چه مصلحت نباشد بقدر ولداری باید کرد و هیچ حال بر منع اصرار نباید
 نمود و دیگر بایر دانست که هیچ کس مال بدان جهان نگیرد و گر آنچه در آن نام نیکو حاصل گردد و
 جزایت و جایگی چشم و خدمتکاران بوقت خود بر ساندنی احتباس از حال و وسای نواچی و
 اعمال غافل نباید بود که از ایشان بر رعایا حیفا عظیم باشد و در ایشان ازین سبب رنجور
 و گران بار باشند چون دفع ایشان بکنند نیکو نامی همه آفاق برسد از راه روان و کار و غافل

نباید بود تا راهها امین باشد و آئینه در و نده سلامت بود و در باطل امور دار و (دیگر) کار زرو
 و هم نازک بود و نصرت آن همه کس برسد متولی دار الضرب سدید باید و عیار دار امین و
 عده عیار باید که در گردن بیایان و دلالان باشد و همراه باید که کیبا بکیتی بکند و دیار باید غلامان
 و خدنگاران خاص را بواجبی نگاه دارد تا با اوب و خرد باشند و اگر بے ادبی کنند ایش و باید که
 از سر انصاف تمام نظر کند تا بر عادت قدیم بسویت همه کس حق خود گیرد و مستزاد نکند و شرب
 نیز فزاید و در کسیت و کثرت با شریکان احتیاط چه عمارت جهان به آست و چون دران ظلم
 رود خیانت کرده باشند برکت از جهان بگلی مرفوع گردد و در راستی میان و بهشت صلاح کار
 حرس و زرع فائده بسیارست و بردزد و راهزن هیچ وجه ابقا نکند و قطع و قهرایشان را از هم الممت
 داند و در حق زنان زور و بهتان نشود و کسانیکه بزنان تنگ حرمت و قصد نام و تنگ عرض
 مردم کنند در قهر ایشان مبالغت نماید و اگر سخن چین یا ندی قصد عرض کسی کند در قبح و قهر او
 کوشد چه نام و تنگ بسا لها بدست آید و بیک دروغ باطل گردد و روز آدینه هر بادا و بارعام
 دهد و ختم قرآن کند و نماز پیشین بجاعت گزارد در جامع و در همه حال توفیق از حق تعالی
 خواهد تا همه نیکوئیا برسد و برکت رضای آفریدگار جل جلاله بر احوال او در دو جهان ظاهر
 گردد انشاء الله و حده العزیز

تصنیفات

خواجہ نظام الملک کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں انکے نام یہ ہیں (۱) "وصائے نظام الملک"
 یا دستورالوزراء (۲) "سیاست نامہ یا سیر الملوک" لیکن اسکے علاوہ ایک سفرنامہ بھی ہے جس میں

اس سفر کے حالات تحریر ہیں جو خراسان سے (براہ ماوراءالنہر) کابل تک کیا گیا ہے۔
لیکن یہ سفر نامہ مفقود ہے۔

وصایا الملقب دستورالوزراء (۱)

اس کا سنہ تصنیف معلوم نہیں ہے۔ مگر مضامین سے ثابت ہے کہ یہ کتاب وزارت کے
اخیر زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ یہ مختصر مجموعہ چند قیمتی اور کثیر الغوائد مضامین کا ہے جس میں روسے
سخن فخر الملک کی جانب ہے۔ اور یہ خواجہ کا عزیز ترین فرزند ہے جسکی نسبت خواجہ چاہتا ہے
کہ میرے بعد وزارت منظور نہ کرے۔ اس لیے ناصح مشفق بنکر اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے۔ یہ
دستور العمل ایک مقدمہ اور دو فصل پر ختم ہو جاتا ہے۔ مقدمہ میں خواجہ نے اپنے بچپن کے
بعض حالات لکھے ہیں۔ اور پہلی فصل میں وزارت کی ان مشکلات کا تذکرہ ہے جن کے
پڑھنے سے خواہ مخواہ دل پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وزارت سے ہتھوڑا دینا ہی بہتر ہے اور دوسری
فصل میں وزارت کے وہ آداب و قواعد لکھے ہیں جسکی ہر وزیر کو ضرورت ہے۔

غرض کہ وصالے نظام الملک معاملات سلطنت اور وزارت میں ایک کمال اور مستحکم قانون
ہے اور لطف یہ ہے کہ جیسا وہ پانچویں صدی میں کارآمد تھا ویسا ہی آج بھی مفید ہے۔
ہم نے باب الوزراء میں ان قوانین کو مفصل لکھا ہے۔ جسکے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ
مسلمانوں میں کس دماغ کے مقشن وزیر گزرے ہیں۔

سیاست نامہ (۲)

یہ کتاب بھی خواجہ نے اپنی وزارت کے اخیر زمانہ میں یعنی انتقال کے ایک سال قبل

تصنیف کی ہے۔ اور باعث تصنیف دیباچہ میں یوں لکھا ہے کہ ”اسلمم بحری میں سلطان سعید
ابولفتح ملک شاہ نے دربار کے چند دیرینہ سال ارکان سلطنت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”نایدولت
کے عہد سلطنت پر غور کریں۔ اور سوچیں کہ ہمارے زمانہ میں کس صیغہ کا انتظام اعلیٰ درجہ نہیں ہے
اور وہ کون سے آداب ہیں جو ہماری مجلس اور دیوان میں نافذ نہیں ہیں۔ اور وہ کیا حالات
ہیں کہ جو بھیچر غنی ہیں۔ اور سلاطین سابق کے جو اصول ہمارے زمانہ میں چھوڑ دیے گئے ہیں وہ کیا تھے؟
غرض کہ شاہان سلجوق کے تمام رسم و رواج اور آئین قلبند ہو کر حضور میں پیش ہوں تاکہ بعد غور
کامل ان قوانین کے اجرا کا حکم دیا جائے جس سے دین و دنیا کے سب کام درست ہو جائیں۔
اور ساری خرابیاں دور ہوں۔ جبکہ خدایے پر ترے مجھ کو عظیم الشان سلطنت مرحمت فرمائی ہے
اور تمام نعمتیں بخشی ہیں اور میرے دشمنوں کو یا مال کر دیا ہے تو پھر کوئی انتظام مابدولت کا
باقص نہونا چاہیے اور نہ مجھے کچھ پھپھایا جائے“

سلطان کا روئے سخن نظام الملک، شرف الملک، تاج الملک، مجد الملک وغیرہ کی طرف تھا۔
چنانچہ ان امرا میں سے ہر ایک نے اپنی استعداد اور خیالات کے مطابق ایک ایک دستور لعل
لکھ کر ملک شاہ کی حضور میں پیش کیا۔ مگر صرف نظام الملک کا مسودہ پسند آیا۔ جسکی نسبت
سلطان نے فرمایا کہ ”یہ کتاب نہایت جامع ہے اور میرے خیال میں اب اس پر اضافہ کی
ضرورت نہیں ہے اور آئندہ یہی میرا دستور لعل ہوگا“

یہ کتاب پچاس فصلوں پر ختم ہوئی ہے۔ اور ہر فصل میں ایک جدا گانہ مضمون ہے۔ اور
سے شرف الملک وغیرہ کے حالات دوسرے حصہ میں تحریر ہیں۔

اس کتاب میں دخولِ عمری خواجہ نظام الملک، باستانخانے چند ابواب تمام مضامین کا مع مختصر حاشیہ کے ترجمہ کروایا گیا ہے سیاست نامہ کے ہر مضمون میں قرآنِ احادیث اور فقہ سے استدلال کیا گیا ہے اور تمام واقعات بہ سند تاریخی بیان ہوئے ہیں۔ اس کتاب کی عظمت و نشان کی یہ افنی دلیل ہے کہ سول سروس کورس میں داخل ہے۔ مسلمانوں کو پروفیسر شفیق (مدرسین مدرسۃ السنۃ شرقیہ پیرس) کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ جنہوں نے ہندوستان لندن، برلن اور سینٹ پیٹرسبرگ کے کتب خانوں سے صحت کر کے اس کتاب کو فرائس میں بھیوایا ہے۔ اور کئی بار چھپ چکی ہے اب ہم سیاست نامہ ایک پورا باب (مع ترجمہ) نقل کرتے ہیں جس سے خواجہ کی طرزِ تحریر کا جو اس کتاب میں نمونہ معلوم ہوگا۔ اور جو مضمون اس باب میں ہے وہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جسکی تفصیل ہر تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ امید ہے کہ تصنیفاتِ گہیبی سے پڑھے جائیں گے۔

سیاست نامہ باب ۳۴

اندرا باز نمون احوال بد مذہبیان کہ دشمن ملک اسلام اند

بندہ خواست کہ فضلی چند دینی خرچ خارجیان یاد کند تا جہانیاں بدانند کہ بندہ را
درین دولت چہ حقیقت بودہ است، و بر ملک سلجوق چہ ہوا و ہمت دارد و حاصلہ بر
خداوند عالم صلوات اللہ علیہ و بر فرزندان و خاندان او کہ چشم بد از روزگار او دور باد
سلہ سول سروس کا امتحان لندن میں ہوتا ہوا اس کتاب کی کامیابی پر ہندوستان کے بڑے عہدے رکھتے ہیں۔

بهمه روزگار خواج بود و اندوازد روزگار آدم علیه السلام تا اکنون خروجا کرده اند و در هر کشور
 که در جهانت بر باد و شامان و پیغمبران هیچ گروهی نیست شوم تر و بد فعل تر ازین قوم -
 بدانند که از پس دیوار بادی این مملکت می سگاند و فسادین همچو نیندگوش با و از نهاده اند و چشم
 بچشم زدگی - اگر نمود با شد هیچ این دولت قاهر و تکتبها الله تعالی ابراز آفتی حدیث رسد یا آسبی
 کو العیاذ بالله پیدا شود این سگها از نهفته بایرون آیند و برین دولت خرم کنند و هر چکن
 باشد از فساد و قتل و قاتل و بدعت چیزی باقی نگذارند بقول دعوی مسلمانان کنند و بیتی فعلن
 کافران دارند و باطن ایشان لشکر اند بخلاف ظاهر باشد و قول بخلاف عمل و دین محمد مصطفی با
 صلی الله علیه و سلم هیچ دشمن از ایشان شوم تر و بدترین تر نیست و ملک خداوند عالم را هیچ خصمی از
 ایشان تر نیست و کسانیکه مرز و درین دولت قوتی ندارند و دعوی شیعت میکنند ازین قوم
 و در سر کار ایشان می سازند و قوت می دهند و دعوت میکنند و خداوند عالم را بران می دارند که
 خانه بنی العباس بر دارد و اگر بنده غطا از سر لاین دیگر بر دارد و ای بسا سوائی بیرون آید
 و بیکن از آنکه از تماشای ایشان خداوند عالم را مالی حاصل شده است و درین معنی میخواهد که شرعی
 کند بسبب توفیر که نمایند و خداوند را بر مال حلیص کرده اند بنده صاحب غرض نهند و نصیحت بنده
 درین حال دلپذیر نیاید - بیگانه معلوم گردد و فساد و کمر ایشان که بنده از میان رفقه باشند بدانند
 که بخواهی بنده بچه اندازده بوده است و دولت قاهره را و از احوال سگالش این طائفه
 خافل نبوده است و بهر وقت بر دای عالی اعلا الله میگزرا نیده است و پوشیده نداشته
 و چون می دید که درین معنی قول بنده قبول نمی افتاد نیز نگرا نکر و لیکن بانی در معنی ایشان

بر سبیل اختصار درین کتاب سیر آورده که از مهمات بود که این بواطنه چه قوم اند و مذهب ایشان چگونه بوده است و اول از کجا خاستند و چند بار خروج کرده اند و هر وقت بدست خداوند مقبول گشته اند تا از پس وفات بنده تذکره باشد در زمین شام وین و اندلس و خروجا بوده است و قتلها کرده اند و لیکن بنده آتمه یاد نکند و اگر خواهد که بر همه احوال ایشان واقف شود تا راجعها باید خواند مخصوصاً تاریخ اصفهان و آنچه در زمین عجم کرده اند که خلاصه ملک خداوند عالم است بنده از تصدیق یا دخواهد کرد تا معلوم رای عالی و ام عالی گردد از ابتدای تا انتهای کار ایشان.

باب ۴۴

اند خروج مزدک مذهب و چگونگی کشته شدن او و بدست فیثرون عادل

نخستین کسی که اندر جهان مذهب معطله آورد مردی بود که اندر زمین عجم بیرون آمد و او را میوه بدان گفتندی نام وی مزدک با ماد آن بروزگار ملک قبا و بن فیروز پدر فیثرون عادل نخست که کیش گبرگی برگزگان بزیان آورد و راه بدو جهان گسترده و سبب آن بود که مزدک بنجوم نیکو دانستی و از روش اختران چنان دلیل میکرد که اندرین عهد مردی بیرون آید و دینی آرد و چنانکه کیش گبران و کیش یهودان و کیش ترسا آن دین پرستان را باطل کند و بجزوات و زور کیش خود در گردن مردمان کند و تا قیامت دین او بماند و او را تنها چنان افتاد که گریه این کس او باشد پس دل دران بست که چگونه مردم را دعوت کند و مذهب نو پیدا آرد و نگاه کرد و چون در مجلس بادشاه حرمی تمام وید و نیز و یک همه بزرگان و هرگز کس او را محالی نشنیده بودند.

پیش از آنکه دعوی پیغمبری کرد پس غلامان خویش را فرمود تا از جای پنهان بقبی گرفتند زمین
سبیدند بتدریج چنانکه هر سوراخ میان آتشگاه برآوردند راست آنجا که آتش میگردند سوراخ
سخت خرد پس دعوی پیغمبری کرد و گفت مرا فرستاده اند تا این دروشت تازه گردانم که خلق معنی نند
و راستا فراموش کرده اند و فرمانهای یزدان نه چنان میگردانند که دروشت آورده است
پس چنانکه هر یک چندی بنی اسرائیل فرمانهای موسی علیه السلام که در تورات از خدای عزوجل
آورده است نداشتندی و خلاف کردند پیغمبری فرستادیم بر حکم تورات اخلاف از بنی اسرائیل
بیفکندی و حکم تورات را تازه گردانیدی و خلق را بطریق راست می آوردی -

این سخن گوش ملک قبا و افتاد و دیگر بزرگان و موبدان را بخواند و مظلوم کرد و مزدک را
بخواند و بر مظلوم کرد را گفت تو دعوی پیغمبری میکنی گفت آری و بدان آمده ام که دین دروشت
را اخلاف بسیار و در وی شبهه بسیار گشته من همین بصلاح باز آرم و معنی نند و استانه آنست
که بکار میدارند باز نمایم معنی آن پس قبا و گفت مجزه توحیست گفت مجزه من آنست که
آتش را که قبله و محراب سماست من سخن آرم و از خدای تعالی درخواستم تا آتش را
فرمان دهد که پیغمبری من گواهی دهد چنانکه ملک جماعت آواز بشنوند -

ملک گفت ای بزرگان و موبدان درین معنی چه گوئید موبدان گفتند اول چیز آنست که
ما را بکیش و کتاب میخواند و دروشت را اخلاف نمیکند و در نند و استا سخن آنست که هر سخن
و ده معنی دارد و هر موبدی و دانائی را در و قوی و تعبیری بسنت ممکن باشد که قول را تفسیر نکند
و عبارتی خوشتر یار و اما اینکه میگوید آتش را که معبود است سخن آرم این شکفت است و

در قدرت آدمی نیست آنکه ملک مزدک را گفت اگر تو آتش را بسخن آری من گواهی دهم که تو پیغمبری مزدک گفت ملک و عده بنده و بدان و عده باموبدان و بزرگان آتشگاه آید تا بدست من خدای عزوجل آتش را بسخن آرد اگر خواهم امروز و هم این ساعت -

قبا گفت بران نهادیم که فردا جمله آتشگاه آیم دیگر روز مزدک راهبی را زیر آن سوراخ فرستاد و گفت هر وقت که من با و از بلند یزدان را بخوانم تو زیر زمین سوراخ آبی و گوی که صلح یزدان پرستان زمین است که سخن مزدک برگزیده نماند بختی و جهان یابند پس قبا و بزرگان و موبدان آتشگاه شدند و مزدک را بخواند و مزدک آمد بر کنار آتش با سیاه و آواز بلند یزدان را بخواند و بر زدن آفرین کرد و خاموش گشت از میان آتش آوازی آمد بران جمله که یاد کردیم چنانکه ملک و بزرگان بنشینند و از آن درنگفت مانند قبا و در دل کرد که بوی گبر و چون از آتشگاه بازگشتند بعد از آن قبا و مزدک را پیش خود بخواند و هر ساعت مقرب تر بود تا بوی گبر وید و از جهت وی کرسی زر صحر فرمود تا بر تخت بارگاه بنهند بوقت بار و قبا و بر تخت بنشست و مزدک را بران کرسی بنشانند و بسیاری از قبا و بلند تر بوی و مردمان بهر بهر رغبت و هوا و بهری بموافقت ملک در مذہب مزدک می آمدند و از ولایات و نواحی روی بعضی نهادند و پنهان و آشکار در مذہب مزدک میشدند و لشکریان رغبت کردند و از قبل شملت پادشاهی چیزی نمیگفتند و از موبدان هیچ کس در مذہب مزدک نشد و گفتند بگرییم تا از زند و استا چه بیرون می آید چون دیدند که پادشاه در مذہب آمد مردمان از دور و نزدیک دعوت او قبول کردند و آنها در میان میگردند -

و مردک گفت مال بخشیدہ است میان مردمان کہ ہمہ بندگان خدای تعالی اند و فرزندان
آدمند و بچہ حاجتمند کردند باید کہ مال یکدیگر خرچ کنند تا ہیکس را بی برگی نباشد و در ماندگی
مساوی الحال باشند چون قباد بیشتر برین راہ بنہاد و بہا بہا مال را رضی شد آنکہ گفت
زنان شہا چون مال شہاست باید کہ زنان را چو مال شناسید تا ہیکس از لذت شہوات دنیا
بی نصیب نماند و در مرد بر ہمہ خلق کشادہ بود و پس مردمان از بہت مال و زن بہر بہب او
بیشتر رغبت کردند خاصہ مردم عام۔

پس نوشیروان در تبریز بدان کس فرستاد کہ چرا چین خاموش میباشید و عاجز گشتید و معنی مردک
ہیکس سخن بنگوید و پدرم را پندہی دہید کہ این چہ حالت است کہ بدست گرفته و برق این طرار
در حال شدہ اید این سگ مال مردمان بزیان میرد و ستر از حرم مردمان برداشت بار میگوئید
کہ این بچہ حجت میکند کہ فرمودہ است و اگر شما بیش ازین خاموش باشید مال شما وزن شہا ہمہ
رفت و ملک و دولت از خاندان ارفت باید کہ جملہ پیش پدرم روید و این حال باز نہائید و
پندش دہید و با مردک مناظرہ کنید و بنگریز تا چہ حجت آرد و ہنر دیک معرو فان و بزرگان
پیغام ہمچنین فرستاد کہ سووای فاسد بر پدرم غالب شدہ است و عقل او بخل آمدہ است

سہ اس مضمون کو فردوسی نے شاہنامہ میں این الفاظ لکھا ہے۔

ہی گفت ہر کو تو انگر بود	تہدست با او بر او بود
نباید کہ باشد کسے بر فرود	تو انگر بود تا در ویش پود
زن و خانہ و چیز بخشید نیست	تہدست کس با تو انگر کیست
من این را کتم راست تا وین پاک	شود و شیرہ پیدا بند از مناک

مفسدت خویش اوصلمکت باز نمیدانند و تدبیر محالجه او باشند تا سخن مزوک نشنود و بقبول او کار
نکنند و شما نیز چون پدرم فریفته نشوید که و بر حق نیست بر طبل است باطل را بقا نشود و فرود شما را سود ندارد
و بزرگان از سخن او بشکوهیدند و اگر چه بعضی قصد کرده بودند که در مذهب او شوند از جهت نوشیروان
پای کشیدند و در مذهب او نشاندند گفتند بنگریم تا کار مزوک بچار رسد و نوشیروان این سخن از کجا میگوید
نوشیروان در آن وقت هجده ساله بود پس بزرگان و موبدان جمع شدند و پیش قباد رفتند گفتند
ما از عهد دراز باز تا اکنون در هیچ تاریخ خواندم و از چندین پندبر که در شام بودند نشنیدیم اینک
مزوک که میگوید و میفرماید ما را عظیم منکر می آید.

قباد گفت با مزوک بگوئید تا چه گوید مزوک را بخواند و گفت چه حجت داری درین که میگوئی و
میکنی مزوک گفت زردشت چنین فرموده است و در ژند و استاچین ست و مردمان تغییر
این نمیدانند اگر استوار نمی داری و آتش پیرسید بار و دیگر آتشکده شدند و آتش پیرسیدند
از میان آتش آوازی آمد که چنین ست که مزوک میگوید چنانکه شما میگویید نیست. دیگر با موبدان
نخل بازگشتند و دیگر روز پیش نوشیروان شدند و احوال بازگفتند نوشیروان گفت این مزوک
دست بران می برد که مذهب او در همه معانی مذهب زردشت ست الا این دو معنی -

چون برین حدیث مدتی بگذشت روزی میان قباد و مزوک حدیثی میرفت بر زبان مزوک
چنان رفت که مردمان بر رغبت درین مذهب درآمدند و اگر نوشیروان رغبت کردی و این بود
فرایز رفتی نیک بودی قباد گفت او درین مذهب نیست گفت نه گفت نوشیروان را بسیارید
هر چه زود تر بخوانید چون بیا داورا گفت ای جان پدر تو بر مذهب مزوک نیستی گفت نه احدی

گفت چرا گفت از بر آنکه و دروغ میگوید و محال است گفت چون محال باشد که آتش را بسخن
می آرد گفت چهار چیز از اموات است آب و آتش و باد و خاک چنانکه آتش را بسخن آرد و بگویش
تا آب و باد و خاک را بسخن آرد تا من بوی بگروم و فریفته شوم گفت او هر چه میگوید از تفسیر نه
و استامیگوید نوشیروان گفت او فرمود که مال و زن مردمان مباح است و از عهد زردشت
تا امروز یکس از دانا یان این تفسیر نه کرده است دین از بهر مال و حرم بکارست چون این
هر دو مباح است آنکه چه فرق باشد میان چهار پایی و آدمی که این روش و طریق بهائیم است
که در هر یک و کردن کیسان باشند نه مردم عاقل گفت باری مرا که پدر تو ام چرا
خلاف کنی گفت من این از تو آموخته ام اگر چه هرگز این عادت نبود چون دیدم که تو پدر خویش
را خلاف کردی من نیز ترا خلاف کردم تو از آن یا زگر تا من ازین بازگردم پس سخن قباد و
نوشیروان و مزدک بجای رسید که مطلق بگفتند که حجتی بیا که این مذمب رو کند و سخن مزدک
باطل گرداند یا کسی را بیا که حجت او از حجت مزدک قوی تر و درست تر باشد الا ترا سیاست
فرمایم تا دیگر عسرت گیرند.

نوشیروان گفت مرا چهل روز زمان دهید تا حجتی بیا رم یا کسی را بیا رم که جواب مزدک
باز دهد گفتند نیک آید زمان دادیم برین جمله پراگندند نوشیروان از پیش پدر باز گشت
هم در روز قاصد و نامه بپارس فرستاد بشهر گول بموبدی که آنجا شستی مردی پیر و دانا که
هر چه زود تر بیائی که چنین چنین کاری رفته است میان من و پدر و مزدک چون چهل روز
برآمد قباد و بار داد و بر تخت نشست مزدک بیاید و بر تخت رفت و بر کرسی نشست و

نوشیروان بیاوردند مزدک قبا و را گفت بپرسش تا چه آورده است قبا و پرسید تا چه جواب
 آوردی نوشیروان گفت در آن تبرزیم قبا و گفت کار از تبرزیم گذشت مزدک گفت بگریه
 او را و سیاست فرماید قبا و خاموش گشت مردم در نوشیروان آویختند نوشیروان دست در
 دایرین ایوان زد و پدر را گفت اینجا تعجیل است که در کشتن من بسته که هنوز وعده من تمام
 نشده است گفت چون گفت من چهل روز تمام گفته ام امروز آن من است تا امروز بگذرد آنکه شما
 دانید پس سپه سالار و موبدان بانگ برآوردند و گفتند راست میگوید قبا و گفت امروز من
 نیز را کنید دست از وی بپشتند و از خنکال مزدک برست چون قبا و برخاست موبدان
 بپرگندند و مزدک باز گشت نوشیروان بسرای خویش آمد و این موبد که نوشیروان او را از پارس
 خوانده بود در رسید بر جای نشسته تا بدر سرای نوشیروان فرو آمد و در سرای شد خادمی گفت
 برو و نوشیروان را بگوئی که موبد پارس در رسید خادم سبک و حجره رفت نوشیروان را گفت
 نوشیروان از حجره بیرون آمد و نوشیروان از شادی پیش او دوید و او را در کنار گرفت و گفت
 ای موبد چنان دان که من امروز آن جهان می آیم و احوال پیش موبد بگفت موبد گفت هیچ
 دل مشغول ندار که همه چنان است که تو گفته حق با تو است و خطا با مزدک و من نیابت تو جواب
 مزدک دهم و قبا و را از مذہب او باز گردانم ولیکن چاره کن که پیش از آنکه مزدک خبر آمدن من
 بشنود ملک را به میثم گفت این سهل است پس بار دیگر نوشیروان بسرای پدر رفت بارخوشت
 چون پدر را دید تنگ گفت پس گفت موبد من از پارس در رسید که جواب مزدک بدید ولیکن
 میخواهد که نخست ملک را به میند تا ملک سخن بخلوت بشنود گفت شاید میا و را و را نوشیروان

بارگشت و چون تاریک شد موبد را پیش پدر برد و موبد قباد را آفرین کرد و پدر آن اورا بستود
پس ملک را گفت این مزدک را غلط افتاده است این کار نه اورا نهاده اند که من اورا نیک شناسم
قدر دانش اورا دادم و از علوم نجوم اندکی داند لیکن در احکام او را غلط افتاد و درین قرآن که در آید
مروی بیرون آید و دعوی پیغمبری کند و کتابی غریب آرد و معجزهای عجیب نماید و ماه در آسمان
برویم کند و خلق را بر راه حق خواند و دین پاکیزه آرد و کیش گبرگی و دیگر کیشها باطل کند و بفرود
وعدہ کند و بد و فحش بفرساند و ما لها و حرما بکلم شریعت در حسن کند و مردم را از دیو برهانند و باسروش
تولا کند و آتشکده ها و بتکده ها ویران کند و دین او همه جهان برسد و تا قیامت بماند و زمین و آسمان
بر دعوت گواهی دهند اکنون این مزدک را تنها چنان افتاده است که این مرد او باشد و مزدک
اولا عجمی است و او خلق را از آتش پرستی نبی کند و زردشت را منکر باشد و مزدک هم بزرگوار
افتدای میکند و هم آتش پرستی می فرماید و او رخصت نمیدهد که کس گرد حرم کس گردد یا کس مال ناحق
بستاند و بدزدی دست بریدن فرماید و مزدک مال و زن مردم مبلح کرده است و آن پشیمان
فرمان از آسمان آید و از سروش سخن آید و مزدک از آتش میگوید مذہب مزدک هیچ اصل ندارد
و من فردا او را پیش ملک رسوا کنم که او بر باطل است و میخواهد که خسروی از خانه تو بیرون برود
گنجهای تو تلف کند و ترا با کمتر کسی مقابل کند و بادشاهی بدست فرو گیرد.

قباد را سخن موبد خوش آمد و دلپذیر روز دیگر قباد و بیاگاه آمد و مزدک بیامد و بر کرسی نشست و
نوشیروان پیش تخت ایستاد و موبدان و بزرگان حاضر آمدند آنکه موبد نوشیروان بیامد و مزدک
را گفت نخست تو پرستی یا من مزدک گفت چون سائل تو خواهی بود و من مسئول پس تو اینجا

کہ منم و من آنجا روم کہ توئی مزدک فخل شد و گفت ملک مرا اینجا نشانده است تو سول کن
 ساسن جواب دہم موبد گفت مال مباح کروہ و این رابطا و پہا و آتشکدہ و خیرات کہ بکنند
 از بہت آن جان میکنند بگفت بلی گفت چون مال یکدیگر مباح گرد و خیرات کنند مردان
 اگر بود مزدک از جواب فرو ماند و دیگر گفت تو زنان را مباح کروہ چون زن آہستن شود و بزا یزد فرزند را
 باشد مزدک فرو ماند و دیگر گفت این ملک کہ بر تخت نشسته است و بادشاہ است و پسر لک فیروز
 است و پادشاہی از پدر میراث دارد ملک فیروز همچنین از پدر میراث دہشت چون دہ مرد
 با زن ملک و فرزندی بیار و آن فرزند از قبل کہ باشد نسل ملک بریدہ باشد و چون
 نسل بریدہ گشت نہ از بادشاہی چمنہ بماند و مہتری و کستری در تو انگری و درویشی بستہ است

۱۵ فردوسی نے ذیل کے اشعار میں یہ مباحثہ لکھا ہے۔

چنین گفت موبد بہ پیش گروہ	مزدک کہ ای مزد دانش پڑوہ
یکے دین و ساختی در جہان	نہادی زن و خواستہ در میان
چہ دانم پدر کش کہ باشد پسر	پسر ہمچنین چون مشناسد پدر
چو مردم برابر بود در جہان	نہاشند پیداکمان از ہمان
کہ باشد کہ جوید و کستری	چگونہ توان ساختن مہتری
کہ باشد مرا و ترا کار گر	چو مردم جدا ماند از بہ بستہ
ہمہ کہ خدایند و مزدور کیست	ہمہ گنج دارند و گنجور کیست
جہان زمین سخن پاک ویران شود	نہاید کہ این بد بایران شود
زدین آوردان این سخن کس نہ گفت	تو دیوانگی دارے اندر نہفت
ہمہ مردمان را بہ و زنج برے	ہمہ کار پدر را بہ پدر شمری
چو بشتید گفتار موبد قباد	بر آشفت و اندر سخن داوداد

چون مرد درویش باشد و از ازجبت ناگزیر در بایست خدمت و مزدوری تواند گری یافت کرد
 و چون مال مباح گزود و هتیری و کتیری از جهان بر خیزد و پادشاهی بطل شود و آدمی تا پادشاهی
 از خاندان ملوک عجم بقنا بری مزدکی بیج گفت و خاموش ماند قباد گفت جوابش باز ده گفت
 جوابش آنست که هم اکنون بفرا می ناگزورنش بزند قباد گفت بی حجت گردن کسی نتوان زد
 گفت از آتش پر سیم تا چه فراید که من از خوشنشین سخن نگویم و مردمان که بسبب نوشیروان غمگین
 بودند شاد گشتند که از کشتن برست و مزدک با قباد بد شد که او را گفت موبد را بکش و فرمان نبرد
 با خوشنشین گفت که امر از خوشنشین را برانم و مرا تیغ بسیارست از رعیت و لشکری تدبیر آن کنم
 که قباد را از میان بردارم پس نوشیروان را و همه مخالفان را بران بنهاد که فردا با آتشکده بروید
 تا آتش چه فراید و برین جمله پراگندند چون شب درآمد مزدک و دو تن را از رهبانان هم ندیدان
 خویش خواند و در بخشید و وعده داد و گفت شما را بسپسم سالاری برسانم و سوگند ایشان داد
 که این سخن با کس نگویند و نوشیروان ایشان داد و گفت که چون فردا قباد با آتشکده باز برگان
 و موبدان آید اگر آتش قباد را کشتن فراید شما هر دو سبک شمشیر را برکشید و قباد را بکشید که
 بیچکس بشمشیر در آتشکده نیاید گفتند فرمانبرداریم.

روزی دیگر برگان و موبدان با آتشکده شدند و قباد برفت و موبد نوشیروان را گفت بگوئی تا
 مردمان از خاصگیان تو شمشیر در جامه پنهان کنند و با تو در آتشکده شوند و هر وقت مزدک
 با آتشکده خواستی شد آن رهبری را بیا موختی که در زیر سوراخ چه گوید خود با آتشکده شد و این بی
 را گفت تو از آتش پرس تا با تو سخن گوید موبد نیز از آتش پرسید جواب نیافت پس مزدک

گفت یا آتش میان ما حکمی بکن و برستی من گواهی ده از میان آتش آوازی آمد که من از دی باز
 ضعیف شده ام نخست مرا ز دل و جگر قبا و دهید تا پس سخن گویم که چه باید کرد مزدک را بنما میست را
 بر اجتهای جاودانی آنجانی پس مزدک گفت آتش را زور دهید و مرد دشمنش کشته آهنگ قبا و
 کردند موبد نوشیروان را گفت در باب پدر را آن ده مرد دشمنش کشیدند و پیش آن دوم و باز شدند
 و گذاشتند که در آب کشد و مزدک میگفت که آتش بفراوان یزدان میگوید مردم و گروه شدند بعضی
 گفتند قبا و را زنده یا مرده در آتش گلنیم و گروهی گفتند درین تامل کنیم در آخر آن روز باز گشتند
 قبا و گفت مگر از من گناهی در وجود آمده است که آتش روزی از من میخواهد پس با آتش باین
 جهان سوخته شوم به که با بنجان.

دیگر باره موبد قبا و خلوت کرد و از موبدان و پادشاهان گذشته سخن گفت و از هر کسی دلیل
 آورد و بخت نبود که مزدک پیغامبر نیست و دشمن خاندان ملوک است و ویل برین که اول قصد
 نوشیروان کرد و نظر نیافت قصد خون تو کرد و اگر من تدبیر نکرده بودی امروز ترا ملاک کرده بود
 و تو چه دل دران می بندی که آتش آوازی آید من چاره کنم که این نیز نگ را نیز بکشایم و
 ملک را معلوم می گردانم که آتش سخن نگوید با کسی دیگر و ملک را چنان کرد که از کرده پشیمان شد
 گفت نوشیروان را خرم پندار او بر همه جهان فرمان دهد و هر چه رای او بیند تو از آن گذراگر
 خواهی که ملک در خاندان تو بماند نهان دل هیچ با مزدک پیدا کن پس موبد نوشیروان را گفت
 جمدان کن که از خدمتگاهان مزدک یکی را بدست آری و او را ببال بفرستی تا احوال آتش را
 معلوم گرداند کیبارگی شک از دل پدرت خیزد.

نوشیروان کی را بدست آورد تا اورا بایکی از رهبان دوستی گرفت و اورا بجایه پیش نوشیروان آورد که نوشیروان اورا بخلوت بنشانند و هزار دینار پیش نهاد و گفت تو ازین پس دوست و برادر من باشی و هر چه بکن نیکوئی در حق تو بکنم درین وقت از تو سخنی نخواهم پرسید اگر راست گوئی این هزار دینار بتو بخشم و از نزد یگان خویش گردانم و بدرجه بلند رساتم و اگر نگوئی سرت از تن بردارم و برت رسید و گفت اگر راست بگویم اینکه تو گفتی وفا کنی گفت بکنم و بیشتر ازین نوشیروان گفت بگوئی که مزدک چه حیل کرده است که آتش با سخن میگوید و گفت اگر بگویم آن از نهانی توان داشت گفت تو انم گفت بنزدیک آتشکده پاره زمین ست و دیواری بلند گروان کشیده سوراخی سخت خرومیان آتش بریده کسی را آنجا میفرستد و اورا بیا موزد که زیر آتش دهنش سوختند و هر چه خواهد بگوید هر که بشنود پندارد که آتش سخن میگوید.

نوشیروان ازین سخن شاد گشت و دانت که تحقیق است آن هزار دینار بوی داد چون شب آمد اورا پیش پدر بر و تا همه حال شرح داد و قبا و تعجب انداز محتالی مزدک و تاجا سر نمودن او پس یکبارگی شک از دل او برخاست کس فرستاد موبد را بیاورد و بر او آفرین کرد و احوال او گفت موبد گفت من ملک را گفتم که این مرد مختال است قبا و گفت اکنون معلوم گشت بمیر لاک اوجیت موبد گفت نباید که او بداند تو پیشیان گشتی بار دیگر مجمعی بساز تا من با او مناظره کنم و بعاقبت سپر بکنم و بعد از خویش مقری آیم و باز پارس روم آنکه آنچه نوشیروان صواب بیند چنان باید کرد تا این امدت بریده گردد و پس قبا و بعد از چند روز بزرگان را پیش خواند و موبدان را حاضر کرد و فرمود تا موبد پاری کی باشند دیگر روز حاضر شدند و قبا و بر تخت نشست

و مزدک بر کرسی و هر یک از موبدان سخن گفتند موبد پارسی گفت مرا عجب آمد از سخن گفتن توش
مزدک گفت از قدرت این عجب نیست نه بینی که حضرت موسی علیه السلام از پاره چوب تروبا
نمود و از پاره سنگ و از ده چشمه آب روان کرد و گفت یا رب فرعون را با همه لشکرش آب
غرق کن خدای تعالی غرق کرد و زمین بفرمان او گرد و آگفت ای زمین قارون را فرو برد
عیسی علیه السلام مرده را زنده کرد و این همه آنست که در قدرت آدمی نیست خدا میکند مرا نیز
فرستاده هست و آتش را بفرمان من کرده آنچه میگویم و آتش میگوید بفرمان برید و لا عذاب
خدای تعالی در شمارسد و همه را هلاک کند موبد پارسی برپای خاست و گفت مردی که از سخن از
خدای تعالی و آتش گوید و آتش در فرمان او باشد من جواب ندارم و عاجز باشم پیش ازین
دیگری نه کنم من رفتم شما دانید پس موبد رفت و راه پارس برگرفت و قباد از بارگاه برخواست
و موبدان را بگشتند و مزدک شاد شد و آب تشکده رفت که هفت روز خدمت آتش کند چون شب
در آمد قباد و نوشیروان را بخواند و گفت موبد رفت و مرا بتو حواله کرد که نفی کردن این منزه
را تو کفایت باشی تدبیر این کار چیست نوشیروان گفت اگر خدا نگان این شغل من باز گزارد
و با کس بگوید تدبیر این کار بکنم و بوجی بسر برم چنانکه مزدک و مزدکیان را از جهان گم کنم قباد
گفت من این معنی جز با تو نخواهم گفت نوشیروان گفت موبد پارسی رفت و صاحب مزدک
شاد شد و قوی دل گشتند هر چه ابدا ازین بایشان سگایم روا باشد و مزدک را کشتن
آسان ست لیکن تیغ او بسیار اند چون او را بکشم مزدکیان بگریزند و پراگنده شوند و مردمان را
دعوت کنند و جا بنگاه بی بدست آرند و ما را و مملکت ما را کار دهند را تدبیری باید کرد چنانکه

بیکبار کشته شوند و یک تن از ایشان زنده نماند و جان از شمسیران بر نماند قبا گفت چه رای
 می بینی اندرین کار نوشیروان گفت تدبیر آنست که چون مزدک از آتش که به سیردان پیش
 ملک آید مرتبت او بفراید و گرامی تر از آن دارد که داشت با او در خلوت گوید که نوشیروان روز
 بار که مو به سر پیچید بسیار نرم تر گشت و رای دارد که تو گرد و از آنچه گفت پشیمان شد چون سر بهفته
 گذشت مزدک پیش قباد آمد و اگر گرامی کرد و تواضع نمود بچند و حدیث نوشیروان بران جلالت
 بگفت مزدک گفت بیشتر مردان چشم گوش با شارت او میدارند چون درین مذهب آید همه
 جهان این مذهب بگیرند من آتش را شفعی کردم تا یزدان این مذهب او را روزی کند
 قبا گفت نیک کردی که ولعید من است و لشکر و رعیت او را دوست میدارند و هر وقت که
 او درین مذهب در آید بچکس را بمانه نماند و من از برای او مناره سنگین بکنم و بر آنجا کوشکی
 زرین بکنم چنانکه از آفتاب روشن تر باشد چنانکه گشتاسپ از بهر زردشت کوشکی بکرد مزدک
 گفت تو پندش ده تا من دعا کنم و امیدم واقع است که یزدان مستجاب کند چون شب در آمد
 هر چه رفته بود قباد با نوشیروان بگفت نوشیروان میخندید و گفت چون سر بهفته بگزرد و ملک
 مزدک بخواند و او را گوید که نوشیروان دوش خوابی دیده است و بر سیده و باماد بگاه پیش
 من آمد و گفت در خواب چنین دیدم که آتشی عظیم قصد من کردی و من پناهی می جستی شخصی
 سخت خوب پیش من آمدی من او را گفتم این آتش از من چه خواهد گفتی آتش با تو خشم دارد
 که تو او را دروغ زن کردی گفتم تو چه میدانی گفت سروش را از همه چیز آگاهی باشد از خواب
 در آمد من اکنون آتش که خواهد شد چیزی مشک و عود و عنبر می برد تا بسوزد و سه روز

مرا آتش را خدمت کند و یزدان راستایش کند پس قبا و با مزدک همچنین کرد و مزدک عظیم شاد گشت
 چون یک هفته ازین حدیث بگذشت نوشیروان پدر را گفت مزدک را بگو که نوشیروان با من
 گفت که مراد درست شد که این مذهب حق است و مزدک فرستاده یزدان است و لیکن می ترسم که
 مردمان بیشتر مخالفت مذهب اند نمایند که بر اخراج کنند و قلب ملک از ما برزد کاشکی بانی
 که عدد مردم که در مذهب اند چند است و چه کسانی اند اگر قوتی دارند و بسیار اند من نیز در آمی و گز
 صبر کنم تا روزی که بگردم و بسیار شوند و هر چه ایشان را در باید از برگ و سلاح به هم آنگاه بقوتی تمام این
 مذهب آشکار کنم و بیشتر و بهتر در مردم کنم اگر مزدک بگوید صدوی با بسیار شده است گوعد را
 جریده بکن و اسامی ایشان بنویس تا هیچ کس نماند که من ندانم مزدک همچنین کرد و پیش قبا آورد و
 بشمرده و دوازده هزار مرد و پاد از شهری و لشکری قبا و گفت من امشب نوشیروان را بخوانم و
 جریده را و عرض کنم و نشان آنکه درین مذهب آمد آنت که در حال بفرمایم تا کوس و بوق زنند
 و آواز ه چنان بیرون آنگاه که چون تو بسرای خویش باشی و آواز بوق و دهل بشنوی بدانی که نوشیروان
 ایان آورد و چون مزدک باز گشت و شب درآمد قبا و نوشیروان را بخواند و جریده بوی نمود و
 گفت که با وی برین وجه نشان نهاده ام نوشیروان گفت سخت نیک آمد بفرمائی تا کوس زنند
 و فردا که مزدک را بینی بگو که نوشیروان تو ایان آورد و سبب آنکه مردم و جریده پیدا اگر پنج هزار
 بودی کفایت نبود اکنون دوازده هزار مرد دارد باکی نبود اگر همه عالم خصم با باشد چون هر سه
 با هم باشیم باک نیست چون پاسی از شب بگذشت مزدک با نگ کوس و بوق شنید ترم شد
 گفت نوشیروان بگوید دیگر روز مزدک به بارگاه آمد قبا و هر چه نوشیروان گفته بود با مزدک گفت

مزدک نشاود چون از بارگاه بازگشت قیاد و خلوت مزدک بخواند و نوشیروان بیاد و بسیار چیز از روضه طراقت پیش او نهاد و تبار کرد گشته عذر خواست و از هر گونه تدبیر کردند آخر الامر قرار بر آن افتاد که نوشیروان پدر را گفت تو خدا گمان جهانی و مزدک پیغمبر خداست پس سالاری این قوم بمن ده تا چنان کنم که در همه جهان کس نماند که این مذهب داشته باشد گفت فرمان تراست گفت تدبیر این کار آنست که مزدک بدین شهر با و نیاست که بوی گردیده اند کس فرستد و گوید که زامروز تا سه ماه دور و نزدیک بر فلان هفته بسرای ما گرد آیند و ما تدبیر برگ و ساز و سلج ایشان میکنم چنانکه یکس ندانند که ما بچه مشغولیم و روز میعاد خوانی بنهند پیش مردم و طعام بخورند پس بسرای دیگر تحویل کنند و مجلس شراب آیند و هر یک هفت قدح شراب بخورند و پنجاه پنجاه بیت میخلعت من بپوشانند و اسپ و ساز و سلج میدهند تا همه خلعت پوشیده شوند پس هم درست خرمن کنیم و مذهب آشکار کنیم هر که در مذهب آید امان داریم و هر که خلاف کند بکشیم قیاد و مزدک گفتند صواب نیست هم برین اتفاق برخاستند.

مزدک همه جا با نامه کرد و دور و نزدیک را آگاه کرد و باید که فلان روز همه حضرت حاضر آیند تا همه خلعت و ساز و سلج و اسپ آراسته شوند که کنون کار بر او ناست و پادشاه پیش روست پس بروعه هر دو از ده هزار مرد حاضر آمدند و بسرای پادشاه شدند خوانی دیدند نداده که هرگز کس چنان ندیده بود قیاد بر تخت نشست و مزدک بر کرسی و نوشیروان میان بسته ایستاد یعنی که من میزبانم و مزدک بس نشاد امان بود و نوشیروان هر یک را بر خوان می نشاند تا همه گشتن نشستند و نان بخوردند ازین سرای دران سرای دیگر شد و مجلس شراب دیدند که چنان نییج

نمیده بودند قبا و بر تخت نشست و مزدک بر کرسی و ایشان را همچنان بترتیب نشاندند و مطربان
 سماع برکشیدند بنواهای خوش و ساقیان شراب در آوردند چون دوری بگشت غلامان و فرزان
 و آمدند مردی دو سیت تختهای دیبا و لفافهای قصب بردست نهادند پیش مجلس بایستادند
 زمانی پس نوشیروان گفت جامهای دران سرای برند که اینجا بنوه است بایستگان سیگان
 آنجامی آیند و خلعت می پوشند و از آنجا میروند می ایستند با جله پوشیده شوند آنگاه ملک و
 مزدک بامیدان آیند و چشم بر آنگنند و نظاره کنند پس در آن خانه باز کنند و سلاها بسیارند و
 نوشیروان از پیش کس بد بها فرستاده بود و مردی سیصد خستر خواسته بود و بایلی که سرایا و باغها
 پاک کنند چون مردم از دهها بیامدند و همه را در میان گرد آورد و در استوار کرد پس ایشان را
 گفت خواهیم که امروز و شب بسیاری چاه درین میدان کنده باشند هر کی مقدار یک گز و
 دو گز و خاک چاه هم آنجا بگذارد و در بانان را فرمود که چون این چاه کنده باشند همه باز دارند
 و نگذارند که کسی از ایشان زود و شبانه مردی چهار صد را در سلاح کرده بود و در میدان در
 سرای پنهان داشته و گفته هر سیت و سی را که از آن مجلس در سرای فرستد شما ایشان را بدان
 دیگر میدان برید و هر یک را برهنه میکنید و سر در زیر چاه میکنید تا بنات و پادروا و خجاک
 استوار میکنند چون جامه داران دران سرای شدند و سیت اسپ با ساختن و سیم و
 سپر و کمر و شمشیر و بزر پیش آوردند نوشیروان فرمود که دران سرای برید و بروند پس
 بیتگان و سیگان بر میگرد و دران سرای میفرستاد و ایشان را بدان دیگر میدان می بردند
 و سرنگون در چاه میکردند و خجاک می انباشتند تا همه را برین علامت هلاک کردند آنگاه

نوشیروان پیش پدر آمد و پدر و فرودک را گفت ہمہ را بخلعت پوشانیدم و در میدان آ رہستہ
ایستادہ اند بر خیز و نظارہ کنید تا ہر کس نہایتی ازین خوبتر نہیاند قبا و فرودک ہر دو برخاستند و
دوران سرای شدند و از سرای بہ میدان شدند چون میدان آمدند نگاہ کردند ہمہ میدان
سراسر باہویدند و ہوا نوشیروان روی فرودک کرد و گفت لشکری را کہ پیش رو تو باشی
خلعت ایشان ازین بہتر تواند و تو آمدی کہ مال و تن با عہہ باد وہی و پادشاہی از خانہ ما ہرون
بری باش تا ترانہ خلعت فرایم و در میدان دوکانی بلند فرمودہ بود و چاہی بران دوکان کندہ
فرمودہ تا فرودک را سرنگون درین چاہہ کردند و بجا کہ برانپاشتند و گفت ای مزدک در گرویدگان
خود بگرو و نظارہ میکن و پدر را گفت ویدی رای فرزانگان لکنون مصلحت تو درانت کیہ کچندی
در خانہ بنشین تا مردم و لشکر بیا رہمند کہ این فساد از سست رای تو برخاست پدر را در خانہ
نشان د و فرمودہ تا مردم روستا کہ از ہر چاہہ کنند آمدہ بودند دست باز داشتند و در میدان
بکشاوند تا مردم شہر و ولایت و لشکر درآمد و نظارہ کردند و نوشیروان پدر را بند بر نہاد و
بزرگان را بجاوند و بخت پادشاہی نبشت و دست باد و دہش بر کشاد و این حکایت
از وی یادگار بماند تا خداوند عقل بخوانند و یاد گیرند۔

ترجمہ عبارت فارسی۔ یہ چند ابواب مخالفین مذہب اسلام کے خروج کی تاریخ میں لکھتا ہوں تاکہ کافران
کو معلوم ہو جائے کہ دولت بلقویہ پرین کس قدر مہربان ہوں خصوصاً خداوند عالم اور اسکے خاندان اور
اولاد پر اور کس قدر اسکی خیر خواہی کا دم بھرتا ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے آج تک ہر عہد میں خواجہ کا زور رہا ہے اور دنیا کے کسی کسی

شہر سے اُنھوں نے بادشاہوں اور پرنسپوں پر خروج کیا ہے۔ اس گروہ سے زیادہ کوئی منحوس اور بدکار نہیں سمجھا جاتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اس سلطنت کے بدخواہ ہیں اور مذہب میں فساد اٹھانا چاہتے ہیں اور ہر وقت اسکے منتظر ہیں کہ سلطنت کو صدمہ پہنچے۔ اگر خدا نخواستہ دولت قاہرہ پر کوئی وقت پڑ جائے تو یہ سب ناپاک گھات سے نکل کر سلطنت پر حملہ آور ہونگے۔ اور جہاں تک ہو سکیگا فساد و بدعت اور قتل و قاتل میں کچھ اٹھانہ رکھیں گے۔ ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور باطن میں پورے کافر ہیں۔ (خدا کی اُپہر لعلت ہو چکا باطن ظاہر کے خلاف اور جبکہ قولِ حق کے برعکس ہو) اسلام کے حق میں اُسے زیادہ کوئی دشمن قابلِ نفرین نہیں ہے۔ اور نہ دولتِ سلجوقیہ کا کوئی اُسے بڑھکر دشمن ہے جو لوگ اس سلطنت میں کمزور ہیں اور فرمانبرداری کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی ہیں اور اس گروہ سے میل جول کر کے اپنے بل پر انکو دعوت دیتے ہیں۔ اور خداوندِ عالم کو ابھارتے ہیں۔ کہ آلِ عباس کا خاندان مٹا دیا جائے۔ اگرچہ اس ظلم کی پردہ کشائی کروں تو معلوم نہیں ہے کہ کیا کچھ رسوائی ہو؟ لیکن چونکہ اس مجمع سے مالی فائدہ ہوا ہے اسلئے میں چاہتا ہوں کہ انکی مالی کارگزاری دکھاؤں۔ ان لوگوں نے سلطان کو مال پر حرص بنا رکھا ہے اور مجھ کو خود غرض کہتے ہیں گو میری نصیحت اسوقت نہ سنی جائے مگر کھانکھار و فریب اسوقت کھل جائیگا کہ جب میں موجود نہ ہو گا۔ اور جب میری خبر خواہی گا اندازہ ہو سکیگا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گا کہ اس گروہ کے دریافتِ حال سے میں غافل نہیں رہا ہوں اور اکثر اوقات اس گروہ کے حالات عرض کرتا رہا ہوں۔ اور کبھی کوئی واقعہ چھپایا نہیں گیا ہے؟ البتہ جب میں نے دیکھا کہ میری عرض داشت قبول نہیں ہوتی ہے تب میں بھی چپ ہو رہا لیکن ہم انسان

سمجھ کر اس کتاب (میر الملوک) میں ایک عنوان قائم کرتا ہوں جسکے ملاحظہ سے معلوم ہو جائیگا کہ باطنیہ کون تھے انکا مذہب کیا تھا اور پہلے پہل وہ کہاں ظاہر ہوئے؟ انھوں نے کئی مرتبہ سر اٹھایا ہے مگر ہمیشہ خداوند عالم نے انکی سرکوبی کر دی ہے اور یہ تذکرہ میرے بعد یادگار رہیگا۔ باطنیہ فرقہ کا ملک شام، یمن، اندلس میں ظہور ہوا ہے اور انھوں نے بڑی خونریزی کی ہے۔ لیکن یہ پوری تاریخ میں بیان نہ کرونگا۔ شائقین تاریخ کی طرف رجوع کریں خصوصاً تاریخ صفہان و حمین پوری تفصیل موجود ہے اور جتنے واقعات ملک عجم میں ہوئے ہیں وہ بھی ایک فی صدی بیان کرونگا جس سے جناب عالی کو آزاد تہذیب و تمدن کی تاریخ معلوم ہو جائیگی۔

مزدک کے تاریخی حالات۔ دنیا میں سب سے پہلے جسے مذہب مصلحہ کی بنیاد ڈالی وہ شریہن عجم کا باشندہ "مزدک" تھا اور جسکو لوگ "موبد موبدان" کہتے تھے چنانچہ ملک قبادین فیروز دہر نو شیروان عادل کے زمانہ میں مزدک نے گہرون کے مذہب کو بر باد کر کے ایک جدید مذہب کی سطح خواجہ نظام الملک نے جبکہ مزدک کے حالات لکھے ہیں اس پر کسب قدر حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہے لہذا چند تاریخوں سے مختصر طور پر یہ ذیل لکھا جاتا ہے۔

ایران میں کچھ بعد دیگرے جو مدعیان نبوت یا نبیان مذہب پیدا ہوئے ہیں ان میں مزدک بن ناماران سب سے اخیر شخص ہے۔ مورخوں کو انکی جلساسازی اور مکاری تسلیم ہے تاہم طبقہ حکامین شمار کیا جاتا ہے۔ نیشاپور کا باشندہ تھا لیکن تکمیل علوم کے بعد مدائن میں چلا آیا تھا اور عند قبادین اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔ اُسے اپنے تابعین اور مریدوں کی ہدایت کے واسطے ایک دستور العمل بنایا تھا جسکا نام "وینساو" تھا اور سہل فارسی میں اسکا ترجمہ آئین شکیب ایک مرید نے کیا تھا۔

مزدک کا اصل مذہب رٹیکل اور شلیٹ کے قریب قریب تھا۔ کیونکہ یورپ کے یہ خوفناک فرقے بھی ہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر آدمی دوسرے آدمی کے مال اور ناموس پر کیساں اختیار رکھتا ہے اور اسی بنا پر مزدک کے مذہب میں ذرا کچھ گناہ نہ تھا۔ باقی آئندہ

بنیاد ڈالنی چاہی۔ اور اس تحریک کا باعث یہ تھا کہ مزدک کو علم نجوم میں کمال اور سیاروں کی
چال سے اس نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ اس عہد میں ایک شخص ایسا پیدا ہونے والا ہے جس کا مذہب

بقیہ صفحہ ۹۷ عقائد مزدک کا قول ہے کہ جہان کے دو صانع ہیں ایک خیر کا فاعل ہے اور وہ نور محض ہے جس کا نام
یزدان ہے۔ یہ سلاطین کی طرح کرسی پر بیٹھتا ہے۔ دوسرا شر کا فاعل ہے اور وہ ظلمت ہے۔ جسکو اہرمن کہتے ہیں۔
چنانچہ یزدان اور اہرمن ہر وجود کی علت ہیں۔ نور کے تمام افعال اختیاری اور ظلمت کے اتفاقی ہیں۔ یزدان نے
عقول نفوس آسمان کو اکب، ہشت عناصر، معاون اشجار میوہ دار حیوانات اور انسان کو پیدا کیا ہے۔

آگ کا جلا، پانی کا کشتی کو ڈبو دینا، جاندار کو لوؤں کی لپٹ سے جھکڑ خاک سیاہ ہو جانا اور ہر قسم کی جسمانی
تکلیف دینا غرضکہ اہرمن کی کر تو اسی قسم کی ہیں۔ اور عالم عنصری کی حکومت اُس کے ہاتھ میں ہے۔ اہرمن کی
تمام مخلوقات فانی ہے۔ اور یزدان حیات جاودانی بخشتا ہے۔ عبادت کا سزاوار صرف یزدان پاک ہے۔

مسئلہ قیامت میں مزدک کا قول ہے کہ جب ظلمت سے نور کے اجزاء علیحدہ ہو جائیں گے اور پُرانی ترکیب بدل
جائے گی اسوقت قیامت آجائیگی۔

اس عالم میں (عالم فردین) یزدان کی چار قوانین ہیں۔ اول بزرگشا (قوت قیصر) دوم یاد دہ (قوت حافظہ) سوم دان
(قوت فہم) چارم سورا دہمت و سرور اور ان قوانین کا عملہ راند چار شخصوں کی ذات سے ہوتا ہے اور وہ ہیں
(۱) موبد موبدان (۲) ہیرہ ہیربدان (۳) سپہبدان (۴) رامشکران۔ پھر ان چار طبقہ اعلیٰ کے حکماء رکن اور
رکن جو عزت و مرتبہ میں اسے کتر ہیں یعنی سالار پیشکار۔ بانو۔ دبیران۔ کاروان۔ دستور۔ کو دک۔ پھر یہ سب
ناظم ملکہ بارہ روجون پر حکومت کرتے ہیں۔

خواندہ۔ و ہندہ۔ ستائندہ۔ برکدہ۔ خواہندہ۔ دہندہ۔ پرندہ۔ کشندہ۔ زندہ۔ آئندہ۔ شوئندہ۔ یا ہندہ۔
جب کسی انسان میں تین تین قوانین مجموعی طور پر جمع ہو جائیں تو عالم سفلی میں اُس کا نام پرو دگار اور رب ہر
اور وہ تمام مکالیف سے چھوٹ جاتا ہے مگر اکمال کا یہ وہ درجہ ہے کہ جس مرتبہ پر پہنچ کر اس ذات کو دینی و دنیوی
گاؤں۔ رب النوع وغیرہ سمجھنے لگتے ہیں (ہندوستان اور یونان بھی اسی قسم کے خیالات سے مالا مال ہے)
جدال و قتال سے نوزیرا را در اہرمن خوش ہوتا ہے اور تمام مفاسد کی بنیاد زن اور زہر ہے (باقی آئندہ)

آتش پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں اور بت پرستوں کے مذہب کو باطل کر دیا اور اپنے منجرات اور طاقت سے مذہب کی اشاعت کر دیا اور اسکا مذہب قیامت تک باقی رہیگا۔ اسلئے مزدک کی تمنا تھی کہ وہ ہونے والا شخص میں خود ہی کیوں نہ بجاؤں؛ لہذا اسے غور کرنا شروع کیا کہ کیوں کر لوگوں کو مذہب کی دعوت کروں اور ایک جدید مذہب ایجاد کروں۔ آخر کار اسے دیکھا تو بادشاہ کی مجلس میں اپنے تئیں معزز و محترم پایا اور یوں بھی سب اسکو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ پیغمبری کے دعوے سے پہلے از قبیل معاملات کسی نے اسکی کوئی تقریر نہیں سنی تھی۔ اسلئے اسنے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ ایک مخفی جگہ سے سڑک لگائیں۔ چنانچہ انھوں نے آہستہ آہستہ اس کام کو ختم کر دیا اور ٹھیک آتشکدے کے نیچے پہنچ کر اس میں ایک باریک سوراخ کر دیا جسکے بعد مزدک نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ میں اسلئے مبعوث ہوا ہوں کہ زردشت کے

بقیہ صفحہ ۹) اسلئے ذریٰ رضامندی کے واسطے عورتوں کو آزاد و طلق کر دینا چاہیے۔ اور ج طرح آگ پانی خوراک وغیرہ میں نام آدمی شریک، اپنی ہی طرح مال میں بھی سب کا حصہ برابر ہونا چاہیے۔ مزدک نے گوشت خوری کو حرام کر دیا تھا۔ قباؤ کی وجہ سے اشاعت مذہب میں بڑی ترقی ہو گئی تھی۔ اور قبائل عرب میں حناص کوششیں اسکی اشاعت کے واسطے کی گئی تھیں۔ چنانچہ حیرہ کا نامور سردار منذر بن سالم التھامع اپنی حکومت سے اسلئے معزول کر دیا گیا تھا کہ اسنے مزدک کا مذہب قبول نہیں کیا تھا۔ مگر نو شیردان نے بزرجمبر اور مشاہیر و بدون کی ریلے سے مزدک کا قطعی اتصال کر دیا۔ ایک لاکھ مزدکی صرف ایک دن میں قتل ہوئے۔ اور سرداران و حاکم کے مابین ہزاروں کو پھانسی دی گئی۔ اور کامل تسلط کے بعد عورتیں اصلی شوہر و نکو واپس ہوئیں اور اسی طرح مال و اسباب بھی واپس ہوا۔ از ناخ التواریخ۔ جلد دوم صفحہ ۳۴۴-۳۵۱۔ و فرنگ انجمن آراء ناصری۔ مل و نخل شہرستانی صفحہ ۱۱۹۔ جزا اول مطبوعہ بیروت ۱۳۱۳ھ و دبستان مذاہب صفحہ ۲۷۷ مطبوعہ کلکتہ مل و نخل مطبوعہ مصر صفحہ ۹۷ حاشیہ الفصل

مذہب کی تجدید کروں۔ کیونکہ لوگوں نے استا اور زند کے معنی بھلا دیے ہیں اور یزدان کے حکام کی ٹھیک تعمیل مطابق ہدایت زردشت کے نہیں کرتے ہیں۔

۱۔ زردشت منوچہر بن ایرج بن فریدون کی نسل سے ہے اور فردوسی کی روایت کے موجب زرتشت پیشین دہا آباد تک اسکے نسب کا سلسلہ چلتا ہے۔ زرتشت ازرتشت، زرتشت کے نام سے بھی مشہور ہے۔ لیکن اصلی نام "سپستان" ہے۔ زردشت کا باپ پورشسپ بن میتیرسپ آذر بلجام کا باشندہ تھا۔ اور اسکی ان عاتمان فریدون سے تھی جسکا نام "دند" یا "دند دیہ" تھا۔ اور فرہنگ میں زردشت کے معنی حبیل تین آفریدہ اول، نفس کل، نفس ناطقہ عقل اول، فلک عطار، نور مجر، عقل تعالٰی رب النوع، راست گو، نور یزدان، و نام حضرت ابراہیم، دشو، سمیاری، پیغمبر مزدگوی، اور اہل عجم اپنے عقیدے کے مطابق اسکو اپنا پیغمبر کہتے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور حکیم تھا۔ اسپر جو کتاب بخیال اسکے آسمان سے اتری تھی اسکا نام آوشتا تھا۔ یہ کتاب قدیم پہلوی میں تھی زردشت نے خود اسکا ترجمہ کیا اور اسکا نام پاژند رکھا اور دوسری کتاب کا نام زند زندہ تھا اسکے دو حصے ہیں جو احکام مطابق کتاب آباد کے ہیں اسکا نام نیزد ہے اور جو اسکے مخالف ہے اسکا نام کیزد ہے۔ اور انہی کتابوں کو وہ اپنے پیغمبر کے اظہار میں پیش کرتا تھا پھر موبدوں نے پاژند کی شرح لکھی جسکا نام پاروہ تھا۔ اور ایک دوسرے موبد نے جسکا نام آذر پردہ تھا زردہ تھا زردہ پاروہ سے احکام انتخاب کر کے ایک کتاب تلمیذ صلیب تیار کی اور اسکا نام "دند ز" رکھا جیسا کہ کسی کا قول ہے۔

زرتشت بگرچہ دین پرور ہے کہ در شہر عیش رہے از صد درہست

مجموعی اس تمام سلسلہ کو آسانی اور وحی اتنی خیال کرتے تھے۔ یہ شرح الشرح تو سکندرس کے ہاتھوں برباد ہو گئی لیکن آوشتا اور زند اور پاژند کا سلسلہ جا بجا رہ گیا۔ اور وہی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اوستا میں کل ۲۱ سورتیں تھیں اور ہر سورت تقریباً چار چار سو صفحوں پر لکھی جاتی تھی۔ ان سورتوں میں سے ایک سورت کا نام جمہر شرت تھا۔ جمہر دنیا کے آغاز اور انجام کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ایک سورت کا نام ماو وخت تھا۔ جمہر نصال اور پند تھے۔ چنانچہ مولف مسعودی نے تصریح کی ہے کہ چوتھی صدی کے آغاز تک یہ کامل نسخہ موجود تھا۔ اور سیستان میں ایک شخص کو یہ کتاب تمام وکمال حفظ یاد تھی۔ اوستا کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا اور چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس عربی ترجمے کے حوالے ہوتے تھے۔ (باقی آئندہ)

اور اسکی مثال یہ ہے کہ جب بعض افراد بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام (جو تورات مقدس کے مطابق تھے) کے خلاف تعمیل کرنے لگے تب خدا نے انپر دوسرا پیغمبر بھیجا۔ کہ وہ تورات مقدس کے احکام کی تجدید کرے اور مخلوق کو سیدھے راستے پر لے آئے۔ چنانچہ جب یہ صد قبا کے کافون تک پہنچی تب اسے دربارین بزرگان قوم اور مقتدایان مذہب کو جمع کیا۔ اور سب کے سامنے مزدک سے اس طرح گفتگو شروع کی۔

قبا۔ کیا تو پیغمبری کا مدعی ہے؟ مزدک ان اور میں اسیلے بھیجا گیا ہوں کہ زردشت کے مذہب میں جو آمیزش ہو گئی ہے اسکو صاف کر کے اصلی حالت پر لے آؤں۔ اور زند و اوستا کی صحیح تفسیر کروں۔ کیونکہ آج جن معانی پر عمل درآمد ہے یہ تو بالکل غلط ہیں۔

قبا۔ کوئی معجزہ بھی رکھتے ہو؟ مزدک "میرا معجزہ یہ ہے کہ آگ جسکا تم سجدہ کرتے ہو وہ مجھے باتین کرتی ہے۔ اگر میں خدا سے عرض کروں تو وہ آگ کو حکم دیگا کہ میری پیغمبری کی گواہی دے اور

(بقیہ صفحہ ۹۹) گشتا پ کے چوتھے سن جلوس (مہلتھ برس قبل ولادت مسیح) میں زردشت حاضر دربار ہوا اور متعدد تمناات اور اظہار معجزات کے بعد گشتا پ ایمان لایا تھا۔ اور گورنمنٹ ایران کی مدد سے اشاعت مذہب میں ترقی ہوئی۔ علیٰ ہذا القیاس اسفندیار دیر گشتا پ کے عہد میں بھی زردشت کا عروج ہوا اور اطراف سلطنت میں آتشکدے بنائے گئے۔ چنانچہ آذربائیجان، بلخ، ارض ارمن، بعض ممالک یورپ، ہندوستان، روم، عرب، چین میں آتشکدے تیار ہو گئے۔ صرف زابلستان اور سیستان کا حصہ چھوٹ گیا تھا۔ کیونکہ رسم پہلوان عقائد زردشتیہ کا سخت مخالفت تھا۔ چنانچہ اسفندیار اور رستم کی باہمی عداوت اور جنگ وجہ دلایہ بھی ایک سبب ہے۔ ستر برس کی عمر میں ہنگامہ راجا سب میں "تور برا تور" ایک تورانی پہلوان کے نیزہ سے زخمی ہو کر فوت ہوا۔ انتخاب ازوبستان مذہب صفحہ ۱۰۲-۱۲۲ مطبوعہ مملکتہ مل و عمل شہرستانی صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ مصر حاشیہ انفصل (صفحہ ۷۷) سفر نامہ ایران میرزا فرست شیرازی صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۳ رنج گنج دانش تحقیق بلخ صفحہ ۱۳۲- رسائل شبلی نعمانی صفحہ ۲۲۴

یہ شہادت علی رؤس الاشہاد ہوگی۔ مزدک کا یہ دعویٰ سُکر قیاد نے موبدون سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں تم کیا کہتے ہو؟ موبدون نے کہا کہ ”سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مزدک ہمارے ہی دین اور کتاب کی دعوت کرتا ہے اور زردشت کا مخالف نہیں ہے۔ البتہ زندا اور اُستا کی تفسیر میں گفتگو ہے کیونکہ اکثر آیتوں کی مثیل طرح سے تفسیر ہو سکتی ہے اور مفسر کو تاویل کرنیکا اختیار ہے۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ مزدک کسی آیت کی تفسیر و لکش پیرایہ سے کرے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ وہ ہمارے بموجب کو گویا کر سکتا ہے جو انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ موبدون کی تقریر سُکر قیاد نے مزدک سے کہا کہ ”اگر یہ سچ ہے تو میں خود تیری پیغمبری کی گواہی دوں گا۔“ مزدک نے کہا کہ ”اگر شاہنشاہ پورا وعدہ کرے اور کسی دن آتشکدے پر مع اعیان دولت اور موبدون کے قدم رنجہ فرمائے تو میری دعا سے خدے غر و جل آگ کو گویا کر دیگا۔ اور اگر شاہنشاہ کو منظور ہو تو یہ آج ہی بلکہ اسی وقت ہو سکتا ہے۔“ لیکن قیاد نے کہا کہ ہم سب کل آتشکدے پر جمع ہونگے۔ دوسرے دن مزدک نے اپنے تعلیم یافتہ مرید کو مُرننگ کے راستے سے آتشکدے کے نیچے بھیج دیا۔ اور اُسکو سمجھا دیا کہ جب میں بلند آواز سے یزدان کو پکاروں تب تو روزن کے نیچے سے جواب دینا کہ ”اے یزدان پرستو! مزدک کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ تمہارے حق میں سعادت دارین یہی ہے۔“ چنانچہ دوسرے دن شاہنشاہ قباد اکابرین مذہب اور مغزین کے ہمراہ آتشکدے پر گیا اور مزدک کو بھی بلا بھیجا وہ حاضر ہوا اور آتشکدے کے دروازے پر کھڑے ہو کر اُسے اونچی آواز سے یزدان کو پکارا اور زردشت کی تعریف کر کے خاموش ہو رہا۔ چنانچہ آتشکدے سے وہی ندا آئی (جسکو میں ازل و ابان کرچکا ہوں جسکو سب نے اپنے کانون سے سنا اور حیرت زدہ رہ گئے۔ اور قیاد نے ارادہ کر لیا کہ

مزدک کا پیرو ہو جائے۔ غرضکہ تشکک سے لوٹ کر قباد نے مزدک کو طلب کیا اور پھر آہستہ آہستہ اسکا
 درجہ بڑھایا۔ اور آخر کو مذہب مزدکیہ میں داخل ہو گیا۔ اور مزدک کے واسطے ایک طلا کا رکرسی
 بنوائی گئی جب دربار عام ہوتا تو تخت پر وہ مصع کرسی بچھائی جاتی اور اسپر مزدک جلوہ فرما ہوتا
 اس موقع پر مزدک قباد سے بلندی پر بیٹھتا تھا۔ اب کچھ دلی ارادت سے اور کتنے ہی شاہنشاہ
 عجم کی خاطر سے مذہب مزدکیہ میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ اور شہر و دیہات کی خلقت اس سلطنت
 میں آکر علانیہ یا خفیہ طور سے دائرہ مزدکیہ میں شامل ہوتی جاتی تھی۔ مگر فوجی سپاہی کم متوجہ ہوتے
 تھے۔ اور سلطنت کے دباؤ کی وجہ سے کچھ کم بھی نہیں سکتے تھے۔ اور موبدون کا گروہ بھی اب تک
 الگ تھا اور اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ دیکھیے زندہ داستان سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اور چونکہ خود بادشاہ
 نے مذہب مزدکیہ اختیار کر لیا تھا۔ اس وجہ سے جوق جوق لوگ اس مذہب کو قبول کر کے ایک دوسرے
 کے ال و دولت پر قابض ہوتے جاتے تھے۔ مزدک کا قول تھا کہ "دولت میں سب کا حصہ ہے"
 اور ویل اس بات پر یہ تھی کہ سب اس کے بندے ہیں۔ اور ایک ہی آدم کی اولاد ہیں، پھر وہ
 کیوں محتاج رہیں؟ سب کو چاہیے کہ مل جل کر صرف کریں تاکہ کوئی محتاج نہ ہو۔ اور سب کی حالت
 یکساں رہے۔ جب قباد نے تقسیم دولت کے مسئلہ کو تسلیم کر لیا اور اس کے عملدرآمد پر رضامند
 ہو گیا۔ تب مزدک نے اعلان کیا کہ عورتوں کو بھی سکے رائج سمجھو اور باہمی ملاقاتوں سے میل جول
 پیدا کرو تاکہ لذت شہوانی اور خواہشات دنیاوی سے محروم نہ رہو۔ اور باپ مراد سب کیساں
 کھلا رہے۔ غرضکہ صرف زن اور زر کی اباحت سے مذہب مزدکیہ میں اکثر لوگ داخل ہوتے
 جاتے تھے خصوصاً عوام الناس۔

جب نوشیروان نے یہ رنگ دیکھا تو موبدون کو پیغام دیا کہ تم لوگ اس قدر خاموش کیوں ہو گئے ہو اور کیوں ایسا عجز اختیار کر لیا ہے۔ مزدک کے معاملات میں نہ تو تم کچھ گفتگو کرتے ہو اور نہ میرے باپ کو نصیحت کرتے ہو کہ وہ کن حالوں میں گرفتار ہو رہا ہے؟ اور تم خود بھی اس مکار اور جعل ساز کے پھندے میں پھنسے ہو۔ یہ بگ بپاک لوگوں کا مال تلف کیے ڈالتا ہے اور عورتوں کی غفلت کا پردہ اٹھا دیا ہے آخر کچھ بولو کہ مزدک کے یہ دعوے کس بنیاد پر ہیں۔ اور اگر ایک عرصے تک تم ایسے چپ سادھے بیٹھے رہے تو یاد رکھو کہ مال و دولت کے ساتھ تمھاری عورتیں بھی تشریف لیجا ئیگی۔ اور ہمارے خاندان سے سلطنت رخصت ہوگی۔ لہذا تم سب شاہنشاہ کی حضور میں جاؤ اور واقعات دکھلا کر نصیحت کرو اور مزدک سے مناظرہ کر دیکھو کہ وہ کیا دلائل پیش کرتا ہے اور ملک کے نامور لوگوں سے یہ کہلا بھیجا کہ میرا باپ سودائی ہو گیا ہے اور اس کی عقل جاتی رہی ہے وہ اپنے بچے کو بھی نہیں جانتا ہے لہذا آپ اسکا علاج کیجیے تاکہ وہ مزدک کے کئے سننے پر عمل نہ کرے۔ اور آپ بھی اسکی باتوں پر فریفتہ نہ جائیں کیونکہ وہ سچائی پر نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حق کے مقابل میں باطل کو بقا نہیں ہے۔ اور اگر آج غفلت ہوئی تو کل کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

نوشیروان کا پیام سنکر بزرگان قوم خوف زدہ ہو گئے اور جو لوگ جدید مذہب اختیار کرنے والے تھے وہ رک گئے۔ کتاؤ دیکھیں مزدک کہاں تک عروج پا تا ہے اور نوشیروان کے اقوال کس بنیاد پر ہیں (اسوقت نوشیروان کی عمر ۱۸ برس کی تھی) اور قباوسہ بالاتفاق کہا کہ مزدک کی باتیں تو بھوکو نہایت ہی بُری معلوم ہوتی ہیں کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے۔ زمانہ سلف سے آج تک نہ تو بے کسی تاریخ میں پڑھا ہے اور نہ کسی پیغمبر سے (جو ملک شام میں مبعوث ہوئے ہیں) سنا ہے۔ اس کے جواب میں

قباد نے کہا کہ اچھا مزدک سے تم خود پوچھ دیکھو وہ کیا کہتا ہے؟ چنانچہ مزدک طلب ہوا اور اس سے سوال کیا گیا کہ اپنے قول و فعل پر جو دلائل رکھتے ہو بیان کرو۔ مزدک نے کہا کہ ”وہ دردمست ہے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اور یہی زندہ داستانیں لکھا ہے لیکن ان آیتوں کے معنی سے لوگ واقف نہیں ہیں اگر میری بات پر اعتبار نہیں ہے تو آگ سے تصدیق کر لو۔ چنانچہ آتشکدے پر پھر جمع ہوا اور آواز اٹائی کہ حق یہی ہے جو مزدک کہتا ہے نہ یہ کہ جو تم کہتے ہو۔“ غرض کہ اس مرتبہ بھی وہ بدشرمندہ ہو کر لوٹ آئے اور دوسرے دن نوشیروان سے حال بیان کیا۔ نوشیروان نے کہا ”مزدک کا دعویٰ ہے کہ اس کا مذہب تمام اصول میں زردشت کے مذہب کے مطابق ہے البتہ صرف انھیں دوسلوں میں رزن ہے“ ایک عرصہ کے بعد قباد اور مزدک میں پھر گفتگو شروع ہوئی جسکی ابتدا یوں ہوئی کہ مزدک کی زبان سے نکلا کہ اس مذہب میں بطیب خاطر لوگ داخل ہوتے جاتے ہیں۔ اور اگر کہیں شاہزادہ نوشیروان بھی شامل ہو جائے تو پھر کیا کہنا تھا۔ یہ سن کر قباد نے پوچھا کہ کیا نوشیروان اس مذہب میں نہیں ہے؟ مزدک نے کہا کہ نہیں۔ چنانچہ نوشیروان فوراً طلب ہوا اور باب بیون میں اس طرح پر گفتگو شروع ہوئی۔

قباد۔ اے جان پر کیا تو مزدک کا پیرو نہیں؟ نوشیروان۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نہیں ہوں۔

قباد۔ آخر اسکا باعث؟ نوشیروان۔ مزدک ساری خدائی کا جھوٹا اور مکار شخص ہے۔

قباد۔ جو شخص آگ کو گویا کرتا ہے وہ مکار کیونکر ہو سکتا ہے؟ نوشیروان۔ اصل میں خاک، باد، آب، آتش، چار عنصر ہیں جو شخص آگ کو گویا کر سکتا ہے اسکو حکم دیجیے کہ وہ یقینہ غناصر کو بھی گویا کر دے۔ اگر ایسا ہوا تو میں اسکا دل و جان سے مقلد ہو جاؤں گا۔

قباد۔ مزدک کا ہر قول زندہ داستان کے مطابق ہے۔ نوشیروان۔ کیا یہ مزدک کا قول نہیں ہے

کہ لوگوں کی عورتیں اور دولت سب پر مباح ہیں۔ عہدِ زردشت سے آج تک کسی مفسر نے یہ تفسیر نہیں کی ہے۔ مذہب کو حصولِ ذرا اور زن کے لیے ایک آلہ بنایا ہے اور جبکہ یہ دونوں چیزیں مباح کر دی گئیں تو پھر انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا باقی رہا؟ اور یہ چلن بھی چوایوں کا ہے کہ وہ خود دلوں میں... میں کیساں ہیں۔ اور کوئی سمجھدار آدمی اس طرح کی زندگی کو پسند نہیں کرتا ہے۔ قبا و خیران باتوں کو جانے دو کسی بیٹے کو اپنے باپ کے خلاف نہونا چاہیے؟ نو شیروان یہ چلن میں نے آپ ہی سے سیکھا ہے میری طبیعت ہرگز ایسی نہ تھی۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ آپ اپنے باپ کے خلاف ہوئے تو میں نے بھی آپ کی مخالفت کی۔ اب میں مجبور ہوں۔“

جب یہ سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا تو مزدک اور قبا و خیران سے کہا کہ ”تو کوئی ایسی دلیل پیش کرو جس سے مذہبِ مزدکیہ کا پورا رد ہو جائے یا کسی ایسے شخص کو لاؤ جسکی حجتِ مزدک سے زیادہ پر زور ہو۔ ورنہ ایسی سزا دوں گا جس سے دوسروں کو عبرت ہوگی“ چنانچہ تمام حجت کے لیے نو شیروان نے چالیس دن کی مہلت مانگی اور وہ درخواست منظور ہو گئی۔ جب مجمعِ منتشر ہو گیا اور نو شیروان قبا و خیران سے رخصت ہو کر واپس آیا تو اُس نے شہر کوئل کے ٹوہڑے کی خدمت میں ایک قاصد روانہ کیا اور خط میں لکھا کہ ”جب قبا و خیران سے آپ تشریف لائیں۔ کیونکہ مجھ سے اور والدِ ماجد سے اور مزدک سے اس قسم کا جھگڑا درپیش ہے“ چنانچہ انقضا سے میعاد پر قبا و خیران نے دربار کیا اور مزدک کو

سے گولہ صخرہ صوبہ فارس کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ انجمن آراءِ ناصری۔

سے موبد پیشوئے دینِ یزدان پرستان، اس لفظ کے معنی حکیم اور داناکے ہیں اصل میں یہ لفظ مغویہ تھا۔ یعنی مخون کا سردار اور سالار مخفف ہو کر موبد ہوا۔ عربی میں اس کا ترجمہ ”اعلم العلماء“ ہے۔ انجمن آراءِ ناصری و گنجِ دانش۔“

درباری کرسی پر جو ایک تخت پر بھی ہوئی تھی، بیٹھنے کا حکم دیا۔ نوشیروان بھی بلایا گیا۔ اور مزدک کے حکم سے قباہ نے پوچھا کیا جواب ہے؟ نوشیروان نے کہا کہ اسی تدبیر میں ہون میں نے قبائلیں لے لیں کہ وقت ہو چکا اور مزدک نے حکم دیدیا کہ نوشیروان کو گرفتار کر کے قتل کر دو۔ چنانچہ لوگ نوشیروان نے لپٹ لگے اور قباہ و زاموش ہو رہا۔ نوشیروان نے قباہ سے جھلا کر کہا کہ میرے قتل میں آخر اس قدر جلدی کیوں کی جاتی ہے جبکہ ایفا سے وعدہ کی مدت بھی پوری نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ چالیس دن ابھی نہیں گزرے۔ اگر آج کا دن بھی پورا ہو جائے تب البتہ آپ کو اختیار ہے۔ اس پر سرداران فوج اور موبدوں نے بھی غل جھایا کہ ان ان نوشیروان سے کتنا ہی چنانچہ قباہ کے حکم سے آج نوشیروان مزدک کے چنگل سے چھوٹ گیا۔ جو وقت نوشیروان مکان پر پہنچا ہے۔ اسی وقت شہر کو کل کامو بیڑی آپہنچا اور آواز اٹھائی کہ موبد فارسی آگیا جو خادم سے یہ خوشخبری سن کر نوشیروان اب ہر گل آیا۔ اور جوش مسرت سے موبد کے لپٹ گیا۔ اور کہا کہ ”آپ بھیجیں گویا میں نے آج ہی جنم لیا ہے پھر صبح کا واقعہ بیان کیا۔ موبد نے کہا آپ اطمینان رکھیں سچ دہی ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں اور مزدک خطا پر ہے۔ میں آپ کی طرف سے ہر طرح کی جواب دہی کروں گا اور قباہ کو عقائد مزدکیہ سے منحرف کر دوں گا لیکن قبل اسکے کہ مزدک کو میرا نام معلوم ہو میں یا شاہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ نوشیروان نے کہا کہ یہ مہولی بات ہے۔ اور مجلس میں حاضر ہو کر نوشیروان سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ اور حضور میں پہنچ کر بعد دعا و ثنا کے عرض کیا کہ جس موبد کو میں نے فارس سے مزدک کے مقابلہ کے لیے طلب کیا تھا وہ آگیا ہے لیکن پہلے وہ شاہنشاہ سے ملنا چاہتا ہے تاکہ غلیہ میں شاہنشاہ میں لکھا ہو کہ اس موبد کا نام ”تھرا“ تھا اور نوشیروان نے مباحثہ کے واسطے پانچ مہینہ کی ملت لی تھی۔

اسکی تقریر سنی جائے۔ چنانچہ قباد نے حاضری کی اجازت دیدی اور شب کے وقت نوشیروان موبد کو لیکر حاضر ہوا موبد نے بعد معمولی مرح و ثنا کی قباد کے روبرو اس طرح پر تقریر شروع کی کہ مفرزک مخالفہ میں پڑا ہوا ہے وہ اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے میں تو اسکو خوب جانتا ہوں اور اسکی عقل و دانش سے بھی واقف ہوں۔ ان وہ کسی قدر نجوم جانتا ہے مگر اس معاملہ میں جو حکم اسنے لگا ہے وہ غلط ہے البتہ وہ زمانہ قریب آگیا ہے کہ ایک شخص غلام ہوگا اور پیغمبری کا دعویٰ کرے گا۔ اور وہ ایک معجز کتاب بھی پیش کرے گا۔ اور طرح طرح کے معجزے بھی دکھلائے گا۔ مانتا ہے کہ آسمان پر دو مکڑے کر دیگا اور تمام دنیا کو پچھے مذہب کی دعوت کرے گا۔ اور اسکا مذہب پاکیزہ ہوگا۔ آتش پرستی وغیرہ کو مٹا دیگا۔ دوزخ سے ڈرائے گا اور جنت کا امیدوار بنائے گا۔ اسکی شریعت مال و حرم کی محافظ ہوگی۔ وہ بندگان خدا کو شیطان سے بچائے گا۔ اسکی فرشتوں سے دوستی ہوگی۔ وہ آتشکد و نیکد و ن کو ویران کر دیگا۔ اسکا مذہب ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔ اور قیامت تک باقی رہے گا۔ زمین و آسمان اسکی دعوت کی تصدیق کریں گے۔ مفرزک کو اب یہ دھن سوار ہوئی ہے کہ وہ آنے والا پیغمبر بن خود بن جائوں۔ مگر یہ نہیں جانتا ہے کہ وہ عجم کی خاک سے پیدا ہوگا۔ اور مفرزک عجمی الاصل ہے۔ اور وہ پیغمبر آتش پرستی سے منع کرے گا اور زردشت کا منکر ہوگا۔ مگر مفرزک زردشت کا پیرو ہے اور آتش پرستی کو جائز رکھتا ہے۔ وہ پیغمبر کبھی یہ اجازت نہ دیگا کہ لوگ پرانی عورتیں تکیں یا ناحق کسی کا مال چھین لیں۔ وہ چوری کی حالت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیگا۔ حالانکہ مذہب مزدکیہ میں زن اور زرب پر مباح کر دیے گئے ہیں۔ اس پیغمبر پر آسمان سے وحی نازل ہوگی۔ اور مفرزک کا یہ حال ہے کہ وہ آگ سے اپنی تصدیق کرتا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام اس موبد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی نسبت جسقدر پیشین گوئیوں کی ہیں (باقی آئندہ)

مذہب مزدکیہ ایک بے بنیاد چیز ہے۔ اور کل شاہنشاہ خود ملاحظہ کر گیا کہ میں اسکو کیسا رسوا کرتا ہوں
مزدک چاہتا ہے کہ سلطنت آپ کے خاندان سے دوسرے خاندان میں چلی جائے اور شاہی تخت
کو خود اگلے تلکے کرے۔ اور آپ کو ایک معمولی شخص کے برابر کر دے اور خود بادشاہ بن جائے۔“

چنانچہ قباد کو موبد کی تقریر پسند آئی دوسرے دن دربار منعقد ہوا۔ مزدک کرسی زرنگار پر بیٹھا
اور نو شیروان تخت کے سامنے کھڑا ہوا۔ سرداران قوم اور علمائے ملت بھی موجود تھے۔ اس وقت
فارس کے موبد نے مزدک سے پوچھا کہ ”ابتداء کلام کی میری جانب سے ہوگی یا تمھاری؟“ مزدک نے
کہا نہیں! ابتداء آپ کی جانب سے ہونی چاہیے میں تو جواب دینے والا ہوں۔ یہ سنکر موبد نے کہا
کہ آپ میری جگہ کھڑے ہوں اور میں آپ کی جگہ بیٹھوں۔“ یہ سنکر مزدک شرمندہ ہوا اور یہ لکھر چپ
ہو رہا کہ میں شاہی حکم سے اس جگہ بیٹھا ہوں آپ سوال کریں میں جواب دوں گا۔ چنانچہ فریقین
میں اس طرح پر گفتگو شروع ہوئی۔

موبد نے آپ نے اپنی دولت کو سب پر مباح کر دیا ہے اور اس دنیا میں جو لوگ سرے پہلے آشکے بنے
بناتے ہیں یا خیرات کرتے ہیں کیا یہ عالم آخرت کے واسطے نہیں رستے ہیں؟ مزدک ان میرا
تو ایسا ہی خیال ہے۔

موبد جب دولت مشترک ٹھہری تو خیرات کا ثواب کسکو ہو گا مزدک نے کوئی جواب نہیں دیا۔

بقیہ صفحہ ۱۰۹ گویا یہ وہ اقوال ہیں جو اس وقت کے کاہنوں اور مجنون میں مشہور ہو چکے تھے۔ اور عجم کی قدیم تاریخ
سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں تمام فارس و راطرات عرب اور اسکے متصلہ ممالک میں ایک عام پچھنی ہو رہی تھی
اور زوال سلطنت فارس اور عربوں کی فتوحات پر تمام بخوی متفق تھے حمزہ صفہانی نے تاریخ ملوک الارض میں
اسکی کیفیت تصریح کی ہے دیکھو باب دہم فصل چہارم صفحہ ۳۴ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۶۵ھ

موبد یہ بادشاہ جو اس وقت تخت پر بیٹھا ہوا ہے حقیقت میں بادشاہ ہے اور شاہ فیروز کا بیٹا ہے اور سلطنت وراثت میں پائی ہے اور یہی حال فیروز کا بھی تھا۔ اب اگر بادشاہ بیگم سے دشمن مرد..... کرین اور فرزند پیدا ہو تو وہ کس کا بھیا جائیگا اور جب بادشاہ کی نسل منقطع ہو جائیگی تو پھر کوئی اولاد بھی نہ ہوگی بڑائی چھوٹائی (متری کتری) کا حقیقت میں دولت مند سی اور مغلسی سے متاثر ہوا کرتا ہے۔ جب کوئی محتاج ہوگا تو اس کو ضرورتاً مالدار کی خدمت اور مزدوری کرا پڑیگی۔ اور جب مال مباح ہو جائیگا تو پھر یہ رشتہ دنیا میں باقی نہ رہیگا اب آپ کا یہ ارادہ ہے کہ شاہنشاہ عجم کے خاندان کی سلطنت کا استیصال کر دیا جائے (مزدک نے کوئی جواب نہیں دیا)

قباء و مزدک سے مخاطب ہو کر موبد کے ہر سوال کا جواب دینا چاہیے مزدک اس کا جواب یہی ہے کہ آپ موبد کے قتل کا حکم صادر فرمائیں۔

قباء و بغیر حجت کسی کی گردن نہیں کاٹنا چاہیے مزدک۔ اچھا میں بطور خود کوئی حکم دینا نہیں چاہتا ہوں آگ سے پوچھتا ہوں۔ اس تقریر سے سب لوگ خوش ہوئے کیونکہ آج نو شیروان کی جان بچ گئی اور مزدک قباء سے رنجیدہ ہو گیا۔ کیونکہ اس کے حکم سے قباء نے موبد کو قتل نہیں کرایا۔ اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیا کہ آج تو جان بچاؤ میرے قبضے میں بکثرت لوگ ہیں کوئی ایسی تدبیر کرتا ہوں کہ جس سے قباء کا خاتمہ ہی ہو جائیگا۔ اور نو شیروان وغیرہ کو اس پر آمادہ کیا کہ کل آتشکدے پر جمع ہو۔ چنانچہ سب کا اس پر اتفاق ہو گیا اور دربار پر خاست ہوا۔

جب رات ہو گئی تو مزدک نے اپنے راہبوں کو بلایا اور انعام دیکر آئندہ سپہ سالاری کا امیدوار کیا اور ان کو قسم دی کہ خبردار کسی سے یہ حال نہ کہنا۔ اور دو تلواریں ان کے سپرد کیں اور کہا کہ مجب

آتشکد سے پر قباد مع موبدا و سرداران فوج کے پہنچ جائے اور آگ قباد کے قتل کا حکم اُسوقت
 تم دونوں فوراً تلواریں کھینچ کر قباد کا خاتمہ کرو نیا کیونکہ کوئی شخص تلواریں لیکر نہ جائیگا۔ دونوں نے
 اقرار کیا اور رخصت ہو گئے۔ دوسرے دن آتشکد سے پر جمع ہوا۔ اُسوقت موبدا فارسی نے نوشیروان کی
 کہا کہ ”اپنے ملازمین میں سے خاص دس آدمیوں کو حکم دو کہ وہ اپنے لباس میں تلواریں چھپا کر چلیں۔“
 اور مزدک کا قاعدہ تھا کہ جب وہ آتشکد سے پر جاتا تھا تو اول اپنے غلاموں کو وہ الفاظ سکھا دیتا تھا جو کہلانا
 مقصود ہوتا تھا۔ چنانچہ آج بھی ایسا ہی انتظام کر کے روانہ ہوا تھا۔ جب آتشکد سے پر پہنچ گئے تو مزدک نے
 موبد سے کہا کہ دل آپ آگ سے بائیں کیجیے۔ موبد نے کچھ پوچھا مگر جواب نہ ملا تب مزدک نے کہا کہ اے
 آگ میری سچائی پر گواہی دے اور ہم میں جھگڑا درپیش ہے اسکا فیصلہ کر۔ چنانچہ آتشکد سے آواز آئی
 کہ محمد بن کل سے ضعف پیدا ہو گیا ہے اول مجھ کو قباد کا دل دگر کھلاؤ تب میں فیصلہ کر سکتی ہوں اور مزدک
 تمھارا رہنما ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس دنیا میں تمھارے لیے راحت جاودانی کا سامان کرے۔“
 یہ سنکر مزدک نے کہا کہ آگ کو قوت دینا چاہیے اور دو آدمی فوراً تلواریں تول کر قباد پر ٹوٹ پڑے۔
 اُسوقت موبد نے نوشیروان سے کہا کہ اپنے باپ کی خبر لے۔ چنانچہ نوشیروان کے دس آدمی تلواریں
 سونت کر اُنکے مقابل پر کھڑے ہو گئے اور قباد کو بچا لیا۔ لیکن مزدک یہی بکے گیا کہ آگ یزدان کے حکم
 سے گویا ہے اُسوقت آتشکد سے پردہ گروہ ہو گئے تھے بعض چاہتے تھے کہ قباد کو زندہ یا مردہ
 آگ میں جھونک دیں اور بعض کہتے تھے کہ نہیں ابھی تال کرنا چاہیے۔ غرض کہ شام کو سب لوٹ آئے
 قباد نے کہا کہ شاید مجھے کوئی گناہ ہو گیا ہے جسکے سبب سے آگ مجھے ایندھن بنانا چاہتی ہے یہی
 صورت میں جل جانا عذاب آخرت سے بدرجہا بہتر ہے۔

اس واقعہ کے بعد دوسری مرتبہ موبد نے قباد سے پھر تخلیہ کی ملاقات کی اور بادشاہ ہون اور موبد کی
 تذکرہ کیا اور کئے حالات سے یہ ثابت کیا کہ مزدک پیغمبر نہیں ہے بلکہ سلاطین کا دشمن ہے جسکی دلیل
 یہ ہے کہ قول اُسے نوشیروان پر حملہ کیا جب کامیاب نہ ہوا تو آپ کے خون کا پیا سا ہوا گرین نے
 پہلے سے اسکا بند و بست نہ کر لیا ہوا تو آج آپ اے گئے ہوتے کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سچ مچ آگ
 سے آواز آتی ہے۔ مین ایک تدبیر سے اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا ہوں اور یہ یاد رکھنے دیتا ہوں
 کہ آگ کسی سے بائیں نہیں کرتی ہے اور آخر کار موبد نے قباد کو باور کرایا جس سے وہ اپنے افعال
 پر شرمندہ ہوا۔ موبد نے قباد سے یہ بھی کہا کہ آپ نوشیروان کو نادان بچہ سمجھیں۔ وہ ساری دنیا پر
 حکومت کر سکتا ہے۔ آپ کو اسکی رے سے انحراف نہ کرنا چاہیے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ خاندان
 ساسان میں سلطنت باقی رہے تو مزدک کی باتوں پر دل نہ لگانا چاہیے اور نوشیروان سے کہا کہ کسی
 تدبیر سے مزدک کے خد متگا روکنا چاہیے اور اسکو لالچ دیکر آگ کا حال پوچھنا چاہیے تاکہ آپ کے
 باپ کے دل سے سارے شبہ مٹ جائیں چنانچہ نوشیروان کو ایک شخص مل گیا جس نے مزدک کے
 خد متگا سے دوستی پیدا کر کے اسکو نوشیروان تک پہنچا دیا۔ نوشیروان نے خلوت میں بلا کر کمیز اور
 دینار اس کے سامنے رکھ دیے اور کہا کہ آج سے تو میرا دوست اور بھائی ہے مجھے جہاں تک ہو سکیگا
 تیرے حق میں بھلائی کروں گا۔ اسوقت مین ایک بات پوچھتا ہوں۔ اگر سچ کہہ دیا تو یہ انعام تمہارا
 اور مین تمکو اپنا مصاحب بنا لوں گا اور اگر جھوٹ کہا تو یاد رکھو کہ سرنوگا خد متگا روٹ گیا اور کہا اگر مین
 سچ بیان کروں تو کیا آپ وعدہ پورا کر سینگے؟ نوشیروان نے کہا کہ ہاں پورا کر دے گا تب نوشیروان نے
 کہا کہ اچھا بتاؤ یہ کیا حیلہ ہے کہ مزدک سے آگ بائیں کرتی ہے خد متگا نے راز کے پوشیدہ رکھنے کا

اقرار لے لیا اور کہا کہ تشکدے کے قریب ایک قطعہ ارضی ہے جسکے چاروں طرف بلند دیوار
 لکھی ہے اور ایک چھوٹا سا سورج تشکدے کی جانب کر لیا ہے۔ جب مزدک و ان کیسیکھو بھجوا
 تو وہ الفاظ سکھا دیتا ہے اور وہ شخص سورج پر منہ رکھ کر باتیں کرتا ہے سننے والے جانتے ہیں کہ
 آگ باتیں کرتی ہے یہ منکر نو شیروان خوش ہو گیا اور اسکو واقعہ سچا معلوم ہوا ہزار وینار کا صلہ
 خدمتگار کو دیا۔ اور رات کے وقت قباد کے روبرو سارا حال کھلا دیا۔ قباد کو مزدک کی مکاری
 اور اس دیر پر سخت تعجب ہوا اور اسکے دل سے سارے شکوک مٹ گئے۔ اور موبد کی بہت
 تعریف کی۔ موبد نے کہا کہ میں نے اول ہی عرض کیا تھا کہ مزدک بڑا مکار ہے۔ قباد نے کہا کلاب
 جھکوا اسی مکاری معلوم ہو گئی ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ وہ کیونکر قتل کیا جاسکتا ہے موبد نے عرض کیا کہ
 ایک بار آپ پھر دربار منعقد فرمائیں اور میں مزدک سے مناظرہ کروں میں جان بوجھ کر مار جاؤنگا
 اور اپنی عاجزی کا اقرار کرونگا اور فارس کو لوٹ جاؤنگا اسکے بعد جو کارروائی مناسب حال ہوگی وہ
 نو شیروان انجام دیگا۔ اور یہ ہمیشہ کے واسطے فنا ہو جائیگا اور اس طریق عمل سے مزدک کو یہ معلوم
 ہو سکیگا کہ بادشاہ پشیمان ہے۔ چنانچہ قباد نے چند روز کے بعد دربار کیا اور تمام موبدوں کو ایک
 فریق قرار دیا۔ مزدک اپنی جگہ پر بیٹھا اور موبدوں نے تقریر شروع کی پہلے موبد فارسی کی زبان سے
 حکما کہ آگ کا باتیں کرنا سب سے زیادہ تعجب انگیز ہے مزدک نے کہا خدا کی قدرت سے یہ بعید نہیں
 کیا تھے نہیں دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک کلمی کے ٹکرے کو اڑا دیا تھا۔ اور ایک
 پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری کر دیے تھے۔ اور پھر خدا سے دعا مانگی تھی کہ اے میرے پروردگار
 فرعون کو مع اسکی فوج کے ڈبو دے اور خدا نے ڈبو دیا۔ اسی طرح زمین بھی حضرت موسیٰ کے تابع فرمان

تھی چنانچہ حضرت موسیٰ نے جب زمین کو حکم دیا کہ تارون کو نکل جائے اسی وقت نکل گیا۔
 اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردون کو زندہ کرتے تھے یہی چیز بن ہین کہ جو انسان کی قدرت سے
 باہر ہیں لیکن خدا اُن پر قادر ہے اور اسی خدا نے مجکو بھیجا ہے اور آگ پر مجکو حکمران بنایا ہے میں جو کتابوں
 وہی آگ کی زبان سے نکلتا ہے اسلئے میرا کنا انور نہ قبر خدا تیرا نازل ہوگا اور تجھ کو مٹا کر رہیگا۔
 مزدک کی تقریر سنکر موبد اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ جس شخص پر خدا اور آگ کی جانب سے الہام ہوتا ہوا اور
 آگ اُسکے تابع ہو میں اُسکے مقابلہ میں جواب دینے سے عاجز ہوں۔ اور آئندہ مجھے اسی جسامت کی
 میں رخصت ہوتا ہوں اب تم جاؤ اور تھارا کام یہ کہ موبد نوشیروانی فارس کو چلا گیا اور دربار برسات
 ہوا۔ مزدک خوش ہو کر اٹھا اور ایک ہفتہ کے واسطے آتشکدے میں مقفل ہوا۔ جب رات ہو گئی تو قبائے
 نوشیروان کو بلا کر کہا کہ موبد نے مجھے تھارے سپرد کر دیا ہے اور اس مذہب کے مٹانے کے واسطے تم
 کافی ہواب جو تیرا پیرو ہو وہ بناؤ۔ نوشیروان نے کہا اگوشا ہنشاہ یہ کام میرے سپرد کر دے اور اسکا
 تذکرہ کسی سے نہ کرے تو نہایت سلیقہ سے میں اُسکو روک دینگا اور پھر ساری دنیا میں مزدک اور مزدکیوں کا
 کہیں پتہ نہ لگیگا۔ قبائے نے اقرار کیا تب نوشیروان نے کہا کہ سوید کے چلے جانے سے صحابہ مزدک
 بہت خوش اور مطمئن نظر آتے ہیں۔ اب میں انکی فکر کرونگا۔ اور مزدک کا قتل کرنا تو آسان ہے۔
 لیکن اسکی جماعت بڑی ہے۔ اگر میں مزدک کو قتل کروں تو اُسکے حواری دنیا میں پھیل کر اشاعت
 مذہب کریں گے اور کسی مستحکم جگہ پر قابض ہو کر خاندان شامی اور سلطنت کے مقابلہ کو اٹھیں گے،
 لہذا ایسی تدبیر کرنا چاہیے کہ سب ایک ہی وقت میں قتل کر دیے جائیں اور ایک متنفس بھی نہ
 نہ رہ سکے۔ سو قریباً دس پوچھا کہ پھر اسکی کیا تدبیر سوچی ہے؟ نوشیروان نے کہا کہ جب مزدک آتشکدے

اٹھکر حاضر ہو تو اُسکا اعزاز بمقابلہ سابق بڑھادیا جائے اور خلوت میں کہا جائے کہ جسدن سے موافد سی نے شکست کھائی ہے۔ اُس دن سے نوشیروان ڈھیلا پڑ گیا ہے اور اُسکا ارادہ ہے کہ آپ سے رجوع کرے اور اب وہ اپنی گفتگو سے پشیمان ہے۔ جب ایک ہفتہ گزر گیا تو مزدک حاضر ہوا۔ قباد نے بڑی خاطر سے بٹھایا۔ اور نوشیروان کا ذکر کیا۔ مزدک نے کہا کہ اکثر لوگ نوشیروان کے اشاروں پر چلتے ہیں اگر وہ ہمارے مذہب میں داخل ہو جائے تو ساری دنیا اس مذہب کو قبول کرے۔ اور میں آتش کو شفیق کرتا ہوں یزدان نوشیروان کو مذہب مزدکیہ سے مشرف کرے۔ قباد نے کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا کیونکہ نوشیروان دلیعہ سلطنت ہے۔ رعایا اور لشکر میں وہ ہر دل عزیز ہے۔ جب وہ اس مذہب میں داخل ہو جائیگا تو پھر کسیکو عذر نہیں ہو سکتا۔ اور قباد نے یہ بھی کہا کہ میں آپ کے واسطے ایک فیج الشان سنگی منارہ بناتا ہوں اور اُسکے بالائی حصہ پر ایک طلا کا محل تیار کروں گا جو آفتاب سے زیادہ چمکدار ہو اور ٹھیک ایسا ہی ہوگا جیسا کہ گشتاسپ نے زردشت کے واسطے بنایا تھا۔

مزدک نے کہا آپ نوشیروان کو نصیحت کریں اور میں دعا کرتا ہوں امید ذاتی ہے کہ یزدان مستجاب کیے گا جب رات ہوئی تو قباد نے دن کی گفتگو نوشیروان سے دہرائی۔ وہ سکر بہت ہنسنا۔ اور قباد سے کہا کہ جب ہفتہ گزر جائے تو مزدک کو بلا کر یہ بات کہنا چاہیے کہ نوشیروان کل رات کو ایک خواب دیکھ کر ڈر گیا ہے اور صبح کو میرے پاس آیا تھا۔ اُس نے مجھے کہا "میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا چھپر اُتش بزرگ حملہ آور ہے اور میں پناہ ڈھونڈ رہا ہوں اتنے میں ایک مرد صلح میرے پاس آیا میں نے اُس سے پوچھا کہ مقدس آگ مجھے کیا چاہتی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ آگ تجھے رسیلے عضبناک ہے کہ تو نے اُسکو بٹھلایا ہے میں نے کہا کہ تلو کو کیونکر معلوم ہوا۔ اُس نے کہا کہ فرشتوں کو ساری خبریں رہتی ہیں۔

اب آتشکدہ میں جا کر قدرے مشک، عود اور عنبر لگایا جائے اور مسلسل تین دن انہی پر جا کھانے اسکے بعد میں جاگ اٹھا۔

قباد سے یہ خواب سن کر مزدک بہت خوش ہوا۔ جب اس تذکرہ کو بھی ایک ہفتہ گزر گیا تو نوشیروان نے قباد سے کہا کہ آپ مزدک سے کہیے کہ نوشیروان کتنا تھا۔ کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ سچا مذہب ہے اور مزدک یزدان کا فرستادہ ہے۔ لیکن چونکہ مخالفین کی تعداد زبردست ہے۔ اس لیے دوتاہون کہ کہیں خرمج کر کے سلطنت نہ چھین لیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر صحیح تعداد صحاب مزدک کی معلوم ہو جاتی اور یہ بھی کہ وہ کون لوگ ہیں؟ اگر مزدکیہ جماعت زبردست ہو تو میں بھی آئین شامل ہو جاؤنگا ورنہ اس وقت تک صبر کرونگا کہ یہ جماعت طاقتور ہو جائے۔ اور بشرط ضرورت اسلحہ وغیرہ بھی دوں گا اسکے بعد پوری قوت اور تلوار کے زور سے مذہب کا اعلان کرونگا۔ اگر مزدک جواب دے کہ ہمارا بڑا گروہ ہو تو اس سے اہم وار پوری فہرست طلب کی جائے تاکہ میں سب سے واقف ہو جاؤں۔

چنانچہ مزدک نے ایسا ہی کیا اور قباد کے روبرو بارہ ہزار آدمی کی فہرست پیش کی جس میں رعایا اور فوجی سپاہی شامل تھے۔ فہرست دیکھ کر قباد نے کہا کہ میں آج رات کو نوشیروان کو بلا کر فہرست دکھا دوں گا۔ اور نوشیروان کے ایمان لانے کی یہ علامت ہوگی کہ میرے حکم سے شہنائی اور نقائے اس زور سے بجائے جائیں گے کہ جسکی آواز آپ کے گھر تک پہنچے گی۔ جب مزدک لوٹ گیا اور رات ہوئی تو قباد نے نوشیروان کو بلایا۔ اور فہرست دکھلائی اور جو علامت قرار پائی تھی اسکا بھی ذکر کروا۔ تب نوشیروان نے کہا کہ بہت مناسب ہے آپ نفتارخانہ میں حکم بھیج دیں۔ اور جب کل مزدک حاضر ہو تو کہہ دیجیے گا کہ نوشیروان ایمان لے آیا ہے۔ اور اسکا سبب یہ ہے کہ جماعت کی تعداد بارہ ہزار تک

پوچھ گئی ہے۔ اگر پانچراہ ہوتی تو البتہ کافی تعداد نہ تھی اب اگر ساری دنیا دشمن ہو جائے تو خوف نہیں ہے۔
 کیونکہ ہم سب قبا و مزدک نوشیروان متفق ہیں۔ جب ایک گھڑی رات گزری اسوقت مزدک نے
 شنائی اور نقاروں کی آواز سنی۔ اور نوشیروان کے ایمان لانے سے خوش ہوا دوسرے دن جب
 مزدک حاضر ہوا تو قبا و مزدک نوشیروان کے تعلیم کردہ الفاظ مزدک سے کہے اور پھر خلوت میں ملا کر
 نوشیروان سے زرو جو اہر کی نذر دلوائی۔ اور بہت کچھ بطریق تصدیق چچا دیکھا۔ اور اب تک چچا ہوجا تھا
 اسکی نوشیروان نے خود معافی چاہی۔ اور اسی جلسے میں ہر قسم کے مشورے ہونے لگے آخر الامر نوشیروان
 نے قبا و مزدک کو آپشنشاہشاہین مزدک خدا کا پیغمبر ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ مذہبی سپہ سالاری
 بکھودی جائے پھر دیکھیے کس قدر مذہبی ترقی ہوتی ہے۔ قبا و مزدک کہنا کہ نکلو اختیار ہے۔ پھر نوشیروان نے
 کہا کہ جن شہروں اور قصبات میں ہمارے ہم مذہب ہیں انکے پاس مزدک کی جانب سے پیام بھیجا جا
 کہ آج کی تاریخ سے میں مینے کے اندر فلان ہفتہ کے فلان دن سب ہمارے ہمن ہوں میں انکو
 ہر قسم کے ساز و سامان اور اسلحہ سے مرتب کروں گا۔ جسکی کسیکو مطلق خبر نہو گی۔ پھر اسی دن سب کی دعوت
 کی جائے اور بعد فراغ طعام دوسرے مکان میں مجلس شراب منقہ کی جائے ہر شخص سات پیالے
 پیے۔ پھر خلعت پہنکر اسلحہ زیب تن کریں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلیں۔ اور علانیہ اشاعت مذہب
 کریں جو ہمارا مذہب قبول کرے اسکو ان دیگے اور جو انکار کرے اسکو قتل کر دیں گے اس راسے کو
 قبا و مزدک نے قبول کیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

مزدک نے سب جبکہ خطوط جاری کر دیے اور آگاہ کرویا کہ فلان روز حاضر خدمت ہوں سب کو خلعت
 گھوڑے اسلحہ دیے جائیں گے۔ اور یہی وقت کامیابی کا ہے کیونکہ بادشاہ ہمارا قافلہ سالار ہے۔

چنانچہ وعدے کے دن بارہ ہزار مزدکی حاضر ہوئے اور بادشاہ کے ہمان ہوئے جبکہ سامنے ایسے
 پرتکلف خوان رکھے گئے کہ کبھی کسی نے نہ دیکھے تھے قبا و تخت پر جلوہ فرما ہوا اور مزدک اپنی کرسی پر
 بیٹھا۔ اور نوشیروان بھی بڑے بکا باندھ کر بحیثیت میزبان کھڑا ہوا۔ اور اس میزبانی سے مزدک بہت خوش ہوا
 نوشیروان ہر ایک کو دسترخوان پر بٹھاتا جاتا تھا جب سب کھانے سے فارغ ہوئے تو دوسرے مکان
 میں اُٹھ گئے۔ وہاں شراب کی مجلس آراستہ تھی۔ قبا و تخت پر اور مزدک کرسی پر جلوہ فرما تھا۔ نوشیروان نے
 سب مہمانوں کو قرینے سے بٹھایا تھا غنیوں کی سُری آوازوں سے مجلس گونج رہی تھی اور شراب کا
 دور چل رہا تھا۔ جب چند دور ہو چکے تو فراش اور غلام حاضر ہوئے اور دوسو مہمانوں کو دیا اور
 قصب کے تھان بطور خلعت کے تقسیم ہوئے۔ یہ لوگ تھوڑی دیر تک دربار میں استادہ رہے تب
 نوشیروان نے کہا کہ خلعت دوسرے مکان میں تقسیم کیے جائیں کیونکہ یہاں بڑا مجمع ہے وہاں ہر فرد
 بیشیش آدمی داخل ہوں اور خلعت پن پنکرو وین سے رخصت ہوتے جائیں اس طریقے سے
 سب پن لینگے۔ پھر بادشاہ اور مزدک یہ دلفریب منظر ملاحظہ کریں۔ اسکے بعد صلاح خانہ کا دروازہ
 کھول دیا جائے اور سب اہلہ سے بجائے جائیں۔ اور اس کارروائی سے پہلے نوشیروان نے
 تین سو دیہاتی مزدور بلا کر جمع کر رکھے تھے۔ اور انکو حکم دیا گیا تھا کہ دن رات میں یہ مزدور بکثرت گرٹھے
 تیار کریں جو گہرائی میں ایک گز سے دو گز تک ہوں اور کل مٹی بھی وہیں جمع رہے۔ اور دربانوں کو
 یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ جب گرٹھے تیار ہو جائیں تو سب مزدور روک لیے جائیں کوئی جانے نہ پائے
 اور رات کو خفیہ طور سے چار سو آدمی اہلہ سے بجا کر میدان اور مکان میں چھپا دیے گئے تھے۔
 اور انکو یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب یہ بیشیش بیشیش آدمی مجلس سے روانہ کیے جائیں تو تم انکو دوسرے

میدان میں لجاؤ اور ہر ایک کو برہنہ کر کے اسکا سران گڑھوں میں اس طرح دبا دو کہ وہ ناف تک زمین کے اندر ہوں اور دونوں پانوں باہر نکلے رہیں۔ چنانچہ خلعت پہنکر لوگ اس مکان آتے جاتے تھے اور مطابق ہدایت کے ایک ایک غول مع اُنکے آراستہ گھوڑوں کے دوسرے مکان میں روانہ کر دیا جاتا تھا۔ اور میدان میں پہنچکر وہ سرنگوں گڑھوں میں دبا دیے جاتے تھے یہاں تک کہ تمام مزدکی اسی طریقہ سے ہلاک کر دیے گئے۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر نوشیروان قباد کے رو برو حاضر ہوا اور مزدک سے کہا تمام ہمان خلعت سے آراستہ ہو کر میدان میں جمع ہوں۔ اب آپ اٹھیں اور ملاحظہ فرمائیں یہ منظر بھی ایسا ہے کج تک کسی نے نہ دیکھا ہو گا۔ چنانچہ قباد اور مزدک ایک ہی ساتھ اُٹھے اور محل کے اندر سے ہوتے ہوئے میدان میں پہنچے۔ یہاں یہ تماشادیکھا کہ کل جماعت ”سرنگوں پاؤں ہو اسے“ نوشیروان نے مزدک سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس فرج کا تو سپہ سالار ہو اُنکے خلعت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتے؟ کجخت تو اس لیے آیا تھا کہ ہمارے مال اور دولت اور عزت کو برباد کر کے سلطنت پہ بھی ہاتھ صاف کرے۔ لے ہوشیار ہو اب میں تجھے بھی خلعت پہنا تا ہوں چنانچہ میدان کے ایک کنوین میں جو خاص مزدک کے لیے تیار ہوا تھا نوشیروان کے حکم سے مزدک کو گرا دیا اور اسکو مٹی سے پاٹ دیا۔ اسوقت نوشیروان نے کہا کہ لے مزدک! اب تو اپنے پیروں کو اچھی طرح دیکھ۔ اور باپ سے کہا کہ آپ نے عامل اور فرزانہ لوگوں کی رلے ملاحظہ فرمائی۔ اب صحت یہ ہے کہ آپ چند روز خانہ نشین ہوں تاکہ رعایا اور فوج کو آرام کا موقع ملے اور یہ جو کچھ ہوا آپ کی کمزوری رلے کی وجہ سے ہوا اس کے بعد میدان کی دیواریں توڑ دی گئیں اور دروازہ کھول دیا گیا۔ شہر دیہات اور فوج کے آدمی آتے تھے۔ اور یہ تماشادیکھ کر چلے جاتے تھے۔ جب کل انتظام ہو چکے تو نوشیروان نے قباد کو قید کر دیا

اور شاہی استحقاق سے خود تخت نشین ہو گیا۔ یہ واقعہ نوشیروان کا اس قابل ہے کہ اہل خرد اسکو پڑھیں اور عبرت پذیر ہوں۔

خواجہ نظام الملک کے عام اخلاق و عادات

خواجہ نظام الملک کی نسبت تذکرہ نویسوں اور مورخوں کی متفقہ رائے یہ ہے کہ آل بلوچ کے عہد حکومت میں کوئی وزیر سیاست دانانی، رائے تدبیر، عدل و انصاف، بے تعصبی، فیاضی، شجاعت میں اُس سے بڑھ کر نہیں ہوا، اور انکا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے جسکی تصدیق خواجہ کے حالات سے ہوتی ہے۔

بادشاہ ہون اور وزیر ہون کی سوانح عمری لکھنے والے اکثر شعراے دربار ہوتے ہیں مگر اپنے مدوح کی شکل و شمائل اور اوضاع و عادات کی جو تصویر کھینچتے ہیں عیب پہناتے کہ محض حسن کے دو بالا کرنے کے لیے تنبیہ میں بعض رنگ زیادہ شوخ اور گہرے لگا دیتے ہیں۔ اور جب کوئی مورخ تنقید کے موقلم سے مصنوعی رنگ کو ہٹا کرتا ہے، اسوقت مدوح کی اصلی صورت پہچانی جاتی ہے۔ مگر خواجہ نظام الملک کے مصویر یا تو کوئی صوفی ہیں جو اپنے زمانے کے جلیہ قبلی ہیں۔ یا کوئی امام وقت ہیں، جنکے نام سے عظمت و جلال نمایاں ہے۔ اسلیے سلسلہ روایت میں صرف راوی کا نام نفس واقعہ کی صحت اور خواجہ کی قدر و منزلت کے لیے کافی ہے۔

خواجہ نظام الملک کی سوانح میں مستند مورخوں نے جسقدر لکھا ہے اسکی صحت میں تو کسیکو

شک نہیں ہو سکتا ہے مگر جو روایتیں امام احرارین جیسے مقدس عالم کی زبانی ہوں وہ بھی نہایت متم بالشان ہیں۔

ابن سبکی نے طبقات میں امام احرارین کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جس میں امام صاحب نے خواجہ کو سید اور بی، مولیدین، ملاذالام، مستخدم السیف و القلم کے خطاب سے یاد کیا ہے اور اُسکے پر فرکار ناموں کو بالاجمال بتایا ہے۔ اور خواجہ کے استقامت فی المذہب، عدل، انصاف اور جو دو احسان وغیرہ کی بڑی تعریف کی ہے۔

خطبہ کے خاتمہ پر ابن سبکی نے اپنی یہ رائے لکھی ہے کہ ”یہ خطبہ ایک بڑے نامور امام کا ہے اور گو مبالغہ سے خالی نہیں ہے مگر اس امر کی پوری شہادت ہے کہ امام احرارین کے نزدیک نظام الملک کا کیا پایہ تھا؟ اور قوم میں امام صاحب کا یہ درجہ ہے کہ متقدمین اور متاخرین انکے کلام کو بطور سند کے پیش کرتے ہیں اور انہی کی ذات سے شریعت الہی کے اصول و فروع کی شاعت ہوئی ہے۔“

علامہ موصوف نے امام احرارین کے خطبہ پر جو رائے دی ہے وہ مورخانہ حیثیت سے ہے، کیونکہ مورخ کا اصلی فرض یہی ہے کہ جو واقعہ لکھا جائے اُس میں رنگ آمیزی کو دخل نہ ہو اور تاریخانہ صلیت اپنی اصلی صورت پر ہر جگہ قائم رہے۔ چنانچہ اس اصول سے امام احرارین کے بعض فقرے مبالغہ آمیز ہیں، مگر بقول ابن سبکی اس سے انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ جس کا ملاح امام احرارین ہو وہ مدوح کس شان کا ہوگا؟

لے چونکہ اس خطبہ کے حوالے سے متفرق مقامات پر حالات لکھے گئے ہیں اسوجہ پر خطبہ نقل نہیں کیا گیا ہے شائقین مہل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

امام احرارین اور ابن سکی دونوں اسلام کے آفتاب و اہتاب ہیں۔ اور دونوں کا تقدس اور تقویٰ مذہبی حیثیت سے ضرب المثل ہے۔ اُنکے اقوال پر محکمۂ چینی کزاہا را کام نہیں ہے لیکن اس روایت سے ہم کو صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ خواجہ کی سوانح عمری کا انداز نہایت مستند اور معتبر ہے اور اُسکے واقعات زندگی کے راوی علاوہ شعرا اور عام واقعہ نگاروں کے امام احرارین جیسے عالی رتبہ بزرگ بھی ہیں۔

خواجہ نظام الملک چونکہ ایک متقی اور پارسا شخص تھا لہذا ہم اول وہ حالات لکھتے ہیں جس کا تعلق مقتدیانِ ملت اور بزرگانِ طریقت سے ہے۔

خواجہ نظام الملک کی صوفیانہ مجلس

خواجہ نظام الملک کو صوفیائے کرام سے خاص عقیدت اور ارادت تھی اور اُسکی مجلس ہمیشہ صوفیوں سے بھری رہتی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے اس جذبِ محبت کی ابتدائی تاریخ یوں لکھی ہے کہ ”میں ایک دن کسی امیر کی خدمت میں مصروف تھا کہ میرے پاس ایک صوفی تشریف لائے اور بزرگانہ شفقت سے فرمایا کہ ”خواجہ ایسے لوگوں کی خدمت کیا کرو جسے تم کو نفع پہونچے اور اُس شخص کی خاطر تواضع کا کیا نتیجہ ہے جو کل کتوں کا نگار ہو جائیگا“ میں اس رمز کو نہ سمجھا۔ لیکن دوسرے دن اُس امیر نے صبح سے رات تک خوب ہی شراب پی اور نشہ میں چور ہو کر تنہا محل سے باہر نکل آیا۔ پاسبانی کی غرض سے جو خوشخوار کتے پہلے ہوئے تھے انھوں نے اپنے متوالے آقا کو نہ پہچانا اور باہر کا آدمی سمجھ کر خوب جھنجھوڑا اور ننگار کی طرح ہٹکا بوٹی کر ڈالا۔ جب میں نے یہ واقعہ سنا تو کشفِ کرامت کے

کرتے معلوم ہوے اور اسی دن سے میں اربابِ باطن کا ایک عقیدہ مستلزم رکھتا رہا گیا۔

حقیقت میں خدا شناسی تصفیہ قلب اور تربیت روحانی کے واسطے صوفیائے کرام کی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن فی زمانہ صوفی کے کھرے کھوٹے کی شناخت جو اس بات کے پرکھنے سے بھی زیادہ دشوار ہے کیونکہ صوفیوں کے بجائے صوفی ناماگر وہ خشرات الارض کی طرح بڑھتا جاتا ہے۔ اور درویشی کو یاروں نے معاش کا ایک آلہ بنالیا ہے اس لیے طالبانِ طریقت کو سوچ سمجھ کر اس حلقہ میں قدم رکھنا چاہیے۔ **وَلِلّٰهِ دَرَمَنْ قَال**

ہوں یا نہوں پیرا بل عرفان و یقین پر ڈر ہے کہ طالبِ ہنوا دان کہیں

گا ہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی اور ایک کی بھی نیچے دلے کو نہیں

خواجہ نظام الملک جس زمانہ میں تھا وہ آج کل کے مقابلہ میں ست جگہ کا درجہ رکھتا تھا کیونکہ صوفیوں کے قلب جیسے انوارِ تجلیات سے الامال تھے ویسے ہی ان کے دماغ حکمت و فلسفہ اور علوم دینیہ کے انکشافات سے منور تھے۔ خواجہ نظام الملک کو جن ناموں صوفیوں نے عقیدت تھی وہ رکنِ شریعت اور مرکزِ طریقت تھے۔ جب وہ مصلیٰ پر بیٹھتے تو ہاتھ میں تسبیح ہوتی خانقاہ و مدرسہ میں جاتے تو قرآن و حدیث کا درس دیتے جب ممبر پر جلوہ فرماتے تو عبادات اور معاملات پر تقریر کرتے۔ بادشاہوں اور وزیروں سے بھی ملتے تھے۔ اور ان کو ایسی نصیحتیں کرتے تھے جو حکمرانی کے مفید ہوں اور انہیں جو عیوب دیکھتے تھے وہ بر ملا کہہ دیتے تھے۔ اور یہ اس وقت کے علما اور مشائخ کا خاصہ تھا۔

۱۔ ابن خلدون صفحہ ۱۳۳۔ ذکر نظام الملک۔

چھان مین ہم جا کے تلواروں کی کھاتے تھے حق غالب آتا تھا نہ ہمیر خوف سلطان و وزیر
ابن خلکان مین تحریر ہے کہ امام احرار مین اور ابوالقاسم قشیر ہی جب خواجہ کے دربار مین حاضر
لاتے تو وہ انکی تعظیم مین کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھتا تھا اور اپنی مسند پر بٹھاتا تھا۔
نامہ دانشوران ناصر مین لکھا ہے کہ شیخ ابواسحق فیروز آبادی کا اعزاز ان دونوں بزرگوں سے
بڑھ کر تھا۔ بہر حال جن مشائخ کی خواجہ کی نظر مین یہ عزت و عظمت تھی اب ہم اُنکے مختصر
حالات زندگی لکھتے ہیں۔ اور اگرچہ کسی مستقل سوانح عمری مین ضمنی تذکرون کا مفصل لکھنا
خلاف قاعدہ ہے مگر یہ حالات ایسے بزرگوں کے مین جنکی سوانح عمریاں مذہبیا اور اخلاقا
ہماری حیات پر مفید اثر ڈال سکتی ہیں اسلئے امید ہے کہ ناظرین کے لیے یہ چند اوراق
باعث طال نہ ہوں گے۔

شیخ ابواسحق - فیروز آبادی

ابراہیم نام، ابواسحق کنیت، اور جمال الدین لقب تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ ابراہیم بن علی
ابن یوسف شیرازی۔ اور نامہ دانشوران کی روایت کے مطابق سلسلہ نسب لانا محمد لدین
ابن یعقوب فیروز آبادی مصنف قاموس پرستنی ہوتا ہے۔ تاریخ مین شیخ ابواسحق شیرازی
کے نام سے آپ کی شہرت ہے۔ اور ہم تعظیماً آپ کو صرف شیخ کے خطاب سے یاد کریں گے۔
صوبہ فارس کے شہر مین فیروز آباد کو اپنے جن نامور بیٹوں پر قیامت تک فخر رہیگا
سلسلہ نامہ دانشوران ناصر مین جلد اول حالات ابواسحق علیہ گوریا پور یا فیروز آباد ایک ہی قدیم شہر کے نام مین جس کو
زانہ نے زصفہ ہستی سے مشابہت یا بہتہ قدیم شہر کے حدود سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر اب فیروز آباد ایک تھیں ہے
قدیم فارسی نام گور یعنی قبر ہے جو بی تاریخ اور جغرافیہ مین جو کے نام سے مشہور ہے صاحب محلہ لاطلاع نے (باقی)

منجملہ ان کے ایک شیخ بھی مین ۹۳ء (۹۶-۹۵ء) علی اختلاف الروایات مین شیخ کی ولادت ہوئی اور بچپن کا ابتدائی زمانہ اسی شہر مین گزرا۔ ۹۳ء سے ۹۵ء تک شیخ کی تعلیم و تربیت اور ابتدائی زندگی کا کچھ حال نہیں کھلتا ہے کہ کیونکر گزری؟ لیکن ۹۵ء مین فیروز آباد سے رخصت ہو کر دارالعلوم شیراز کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ شیخ کا پہلا سفر تھا اور محض حصول علم کے لیے تھا۔

فارس مین شیراز ہمیشہ علی مرکز رہا ہے۔ اور یہ تو وہ زمانہ تھا کہ جب شیراز کی ہر ہر گلی مین

بقیہ صفحہ ۱۲۳) جو رکھا ہے اپنی کام کا نیشا پور مین ایک محلہ بھی ہے جو رکھا پہلا بانی گشتا سپ کیا تی ہے، لیکن سکتہ و غلظت ہندوستان سے واپس جاتے ہوئے عجیب حکمت سے اس شہر کو پانی مین ڈبو کر بحیرہ بنا دیا تھا۔ لیکن آردشیر ساسانی نے کمال فن انجینیئری سے پانی کو خشک کر کے قدیم نمونہ پر پھر شہر آباد کیا۔ یہ شہر قدرتی پہاڑوں کے مابین دائرہ کی شکل مین آباد تھا۔ فیروز شاہ (نوشیروان کا دادا) نے اپنی حمد سلطنت مین قدیم آبادی پر بہت کچھ اضافہ کیا اور بجائے گور کے فیروز آباد نام رکھا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ عضد الدولہ دہلی تغلق کی غرض سے یہاں جایا کرتا تھا اور جب بادشاہ بیان ہوا تو لوگ کہا کرتے تھے کہ ”ملک گور رفتہ“ چنانچہ عضد الدولہ نے اس بد فاقی سے بچنے کے لیے اسکا نام فیروز آباد رکھا۔ وسط شہر مین ایک پہاڑ کا درمیانی حصہ پہوار کر کے آردشیر نے اسپر اوآن بنایا تھا چنانچہ اُسکے کھنڈرات اور مینارہ، حوض، قلعہ آتشکدہ، عظم اور خندق کے عجیب و غریب آثار آج تک باقی ہیں اور جو رکھا گلاب ضرب المثل ہے۔ جسکے حوالے عربی اشعار مین کتے مین عبدالصبا بن عامر نے ۹۵۸ھ مین دہم خلافت سوم، چند سال کے غزوات کے بعد جو رکھ کو فتح کیا تھا فارس کے نقشہ مین شیراز سے جانب مشرق ۳۵ میل کے فاصلہ پر یہ شہر درج ہے۔ آثار قدیمہ کے نقشبات و تصاویر اور تفصیلی حالات کے لیے کتب ذیل دیکھو: سفر نامہ ایران میرزا فرحت شیرازی صفحہ ۱۱۱، گنج دآتش صفحہ ۳۷۳، فتح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر ۳۹۰، مرآة البلدان، ناصری حالات فارس دائرۃ المعارف جلد ۶ حالات جو رکھ نقشہ ایران مرتبہ مسٹر جان کری ۱۹۲۷ء

۱۰ شیراز صوبہ فارس کا صدر مقام ہے۔ اور شمال ان ایران کی طرف سے شیراز مین گورزر ہا کرتے ہیں۔

علم کی نہرین جاری تھیں یعنی مختلف مدارس اور خانقاہوں میں فخر و زکاہ علماء دروس دیتے تھے۔ اور غالباً یہی مقناطیسی قوت شیخ کو شیراز میں کھینچ لائی تھی۔ چنانچہ ایک مستعد

بقیہ صفحہ ۱۲۴) نقشہ میں ۵۲ درجہ ۴۰ دقیقہ طول بلد اور ۲۹ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض بلد پر واقع ہے قدیم زمانہ کی عظمت و جلال کی تاریخ لکھنا فضول ہے صرف سعدی اور حافظ کا نام شیراز کے زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ یہ شہر بارہ دروازوں پر تقسیم تھا اب صرف پچہ باقی ہیں۔ اور شہر نیلہ کی دیوار کا محیط ۲۰۰۰ اگر اور عرض ۸ گز تھا۔ شیراز میں تیسویں صدی شہر شیراز کا بانی ہے یہ شہر چند بار تباہ و برباد ہوا لیکن سب سے اخیر مرتبہ خلیفہ عبدالملک اموی کے عہد حکومت میں آباد ہوا۔ اور آج تک قائم ہے۔ نہرین بافراط ہیں۔ جنکا پانی ذائقہ میں سبیل اور تسنیم سے نکل کھاتا ہے۔ چنانچہ نہر رکن آباد زنگی آباد نہر سعدی مشہور ہیں اور رکن آباد کی تو تقریباً ہی نہیں ہو سکتی سے حافظ فرماتے ہیں۔

بدہ سانی نے باقی کہ درجست نخواست یافت
کتا رآب رکن آباد گلشتی مصلے را
پانی میں جو تھپہ قدرتی صفتیں ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ شیراز کی ہوا معتدل ہے۔ قافانی نے کیا خوب لکھا ہے

بزیہ بقعہ گردون بروئے رقعہ خاک	ندیدہ دیدہ بینا چنانچہ خجستہ دیار
نسیم اوہمہ دلکش تراز نسیم بہشت	ہوئے اوہمہ خرم تراز ہوئے بہار
زالاہ ہر دمین اوست کو ہی از یاقوت	زالاہ ہر چمن اوست کا نے از زنگار
زبسکہ دفرمہ سار خیمہ نزار ہامون	زبسکہ قہقہہ کبک آید از کسار

شیراز میں آج بھی ہر علم و فن کے اہل کمال موجود ہیں چنانچہ قافانی کا قول ہے

منجانش بیرنج ز تیج و اصطرلاب	دار تقاع تعاونم و اختران ہشیار
ندیدہ نبض حکیمانہ اش از کمال قوت	خبر دہند ز رنج نہان ہر بہار
زحج مرثیہ خوانان اوگدا ز وسنگ	چو چشم عاشق بیدل دُوری دلدار
ہزار محفل و در ہر یک ہزار ادیب	ہزار مدرس و در ہر یک ہزار سفار

محلات دارالعلوم، مساجد، مزارات، دارالشفاء، قہوہ خانجات، بازار و مقامات، کاروانسرا، باغات، سکاری مکانات، قدیم قبرستان، حمامات، کثرت موجود ہیں جن میں سے ہر نہر کی تفصیل کے واسطے ایک دفتر چاہیے۔ ناظرین میرزا فرصت شیرازی کا سفرنامہ ملاحظہ فرمائیں جو اس زمانہ میں سب سے اخیر سفرنامہ ہے۔

طالب علم کی حیثیت سے شیخ بنے بھی تمام شیراز کا چکر لگایا اور تمام علمائے شیراز کی بہت کی اور انکی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔

شیخ کے اساتذہ شیراز میں ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بیضاوی، ابو احمد عبد الوہاب بن راین نہایت نامور علما ہیں۔ اور جب ایک عرصہ کے بعد فقہ، اصول فقہ اور استخراج مسائل میں کافی مہارت ہو گئی تو شیراز کو تیر باد لکھ بصرے کا رخ کیا۔ یہاں علامہ ابن جوزی کی درس گاہ سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن چونکہ تحقیقات علمی سے طبیعت ہنوز مستغنی نہ ہوئی تھی اور آتش علم سینہ میں مشتعل تھی اسلئے چند روز کے بعد بصرے کو الوداع لکھ کر دار السلام بغداد کو روانہ ہوئے اور شوال ۵۱۳ھ میں داخل بغداد ہو گئے۔

اس وقت قادر باللہ عباسی تخت سلطنت پر حکمران تھا اور آل بویہ کے امرا کا زور تھا۔ آل عباس کی سلطنت کمزور ہو گئی تھی لیکن بغداد کی علمی شہرت میں کوئی زوال نہیں آیا تھا اور اس وقت تک دنیا سے اسلام میں علم و فن کا مرکز مانا جاتا تھا۔

بغداد میں دار الخلافہ ہونے کے لحاظ سے سیکڑوں باب علم کھلے ہوئے تھے مگر سب سے رفیع الشان، قاضی ابو طیب طبری کی محفل درس تھی اور اسی باکمال کی شاگردی پر شیخ کی تعلیم کا خاتمہ ہو گیا۔ اور قاضی صاحب کے فیض تعلیم سے شیخ ابو اسحق بحر العلوم بنگیے اور زمانے نے انکو علمائے شافعیہ کا ایک اعلیٰ رکن تسلیم کیا۔ فقہ اور اصول فقہ میں مجتہدانہ حیثیت سے وہ امام بنے گئے بصحت روایت میں محدثین اپنا پیشوا جانتے ہیں جماعت متکلمین، انکی وقت نظر اور بلند خیالی کے قائل ہے علمائے اصول انکی تصنیفات سے

فائدہ اٹھانے میں۔ استنباط احکام اور استخراج مسائل میں فقہاء انکے ہر قول کو آیت حدیث سمجھتے ہیں۔ اور سب سے بڑھکر یہ ہے کہ صوفی اپنا شیخ جانتے ہیں۔ بہر حال شیخ بلحاظ صفات ظاہری اور باطنی قابلِ فخر و عزت ہیں۔

خواجہ نظام الملک کی طبیعت میں سوز و گداز اور خدا کا خوف بہت تھا۔ اور آخرت کا کھٹکا اُسکو دنیا سے زیادہ رہا کرتا تھا۔ اسلئے خواجہ نے ارادہ کیا کہ ایک محضر تیار کروں جسپر تمام رعایا اور اہل علم کے دستخط ہوں اور اگر وہ تصدیق کر دیں کہ میں نے کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی ہے تو قیامت کے دن یہ محضر میرے حق میں رہائی کا پروانہ ہوگا۔ چنانچہ اس خیال کے مطابق اُس نے دستخط ہونا شروع کیے۔ لوگوں نے بڑے بڑے الفاظ میں خواجہ کی تعریف لکھی۔ لیکن جب وہ محضر شیخ ابواسحق کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے مختصر جملہ لکھا ”خَيْرُ الظَّالِمَةِ حَسَنٌ“ یعنی اور سب ظالموں میں حسن (خواجہ نظام الملک کا نام حسن تھا) اچھا ہے۔ جب خواجہ نے یہ فقرہ دیکھا تو اُسکو نہایت رقت ہوئی اور کہنے لگا کہ ابواسحق سے زیادہ کسی عالم نے سچ نہیں لکھا ہے۔

روایت ہے کہ خواجہ کے انتقال پر کسی نے اُسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ پروردگار عالم نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا تو اُس نے جواب دیا کہ خدا نے مجھے ابواسحق کی سچی تحریر کے صلے میں بخش دیا۔

بہر حال خواجہ کی بخشش کا سبب اُسکے اعمالِ حسنہ ہوں یا شیخ کی تحریر ہیں اس سے

سے روشنی الصفا صفحہ ۷۱۔ حالات نظام الملک۔ ابن خلکان حالات ابواسحق۔

کوئی بحث نہیں ہے مگر اس واقعہ سے شیخ ابواسحق کی راستی و دیانت کا حال کھلتا ہے اور ابن خلکان کے اس مقولہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ "وَكَانَ فِي عَايَاؤِهِ مِنَ التَّوْبَةِ وَ التَّكْدُّ فِي الدِّينِ"۔

شیخ کے مزاج میں انصاف پسندی از حد تھی چنانچہ مشہور ہے کہ ایک بار لوگوں نے ہفتا پیش کیا معلوم نہیں اسوقت آپ کس خیال میں تھے کچھ کا کچھ لکھ گئے۔ امام ابو نصر بن صباغ نے جو ان کے مہصر تھے اس فتوے کو دیکھ کر صاحب اتفتا سے کہا کہ "یہ غلط ہے ابواسحق کے پاس نظر ثانی کے واسطے بجاؤ" چنانچہ آپ نے دیکھا تو حقیقت میں غلطی تھی اپنے قلم سے فتویٰ صحیح کیا اور اس پر اس قدر عبارت اور لکھ دی "أَكْتُبُ مَا قَالَ الشَّيْخُ بْنُ صَبَّاحٍ وَأَبُو اسْحَقٍ غَطِي" یعنی ابن صباغ کی تحریر صحیح ہے اور ابواسحق غلطی پر ہے۔

یہ واقعہ زمانہ حال کے علماء کے واسطے ہدایت ہے کیونکہ اکثر مدعیان علم کا یہ حال ہے کہ ایک جھوٹ کے بیج ثابت کرنے کے لیے انکو تو جھوٹ بولنا گوارا ہو گا مگر خطا کا اقرار شاید ہی زبان یا قلم سے ہو سکے!!

شیخ ابواسحق نہایت روشن خیال اور مدبر طلبا میں سے تھے چنانچہ ۴۶۶ھ میں خلیفہ قائل بامر اللہ کے انتقال پر مقتدی بامر اللہ کا انتخاب محض آپ کی رے سے ہوا تھا اور اس انتخاب سے ملک کا ایک بڑا فتنہ دب گیا۔ اور اس سے مہتمم بالشان شیخ کی وہ سفارت ہے جو خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے ملکشاه سلجوقی کے دربار میں بھیجی تھی۔ جب یہ سفارت نیشاپور پہنچی تو امام الحرمین

اور تمام اہل نیشاپور نے استقبال کیا اور ملکشاہ نے خاص دربار منعقد کر کے شیخ کو بلایا اور خلیفہ مقتدری کی طرف سے جو شرائط شیخ نے پیش کیں وہ سب ملک شاہ نے بلا تردد تسلیم کر لیں۔ خواجہ نظام الملک نے ملکشاہ سے بھی زیادہ شیخ کی تعظیم و تکریم کی۔ کیونکہ وہ اول سے شیخ کا معتقد تھا اور اہم معاملات میں اکثر شیخ سے مشورہ کیا کرتا تھا۔

اسمین کو فی شک نہیں ہے کہ ملا کی قوت سلطنت کی طاقت سے بڑھ کر ہے۔ بشرطیکہ علما میں روشن خیالی آزادی اور صلح کل ہونے کا مادہ ہو۔ مگر علما نے اپنے ہاتھ سے اپنی قوت کو کھو دیا ہے اور انھوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کام صرف فتویٰ دینا ہے اور کچھ نہیں۔ برخلاف اسکے اس عہد کے علما میں یہ تمام صفتیں موجود تھیں۔ وہ ضرورت کے وقت سلطنت کے اہم خدمات کو نہایت قابلیت سے انجام دیتے تھے جسکے مصداق خود شیخ کے حالات ہیں۔ شیخ ابوالفتح نے چند تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ چنانچہ سب سے مفید اور بیش قیمت کتاب تنبیہ فی فروع الشافعیہ ہے، یہ کتاب علم فقہ میں ہے اور اس قدر جامع ہے کہ مصنف کا یہ فخر یہ دعویٰ تھا کہ میں ہر مسئلہ کا جواب کتاب تنبیہ سے دے سکتا ہوں۔ دوسری کتاب فقہ میں المصائب فی المذہب ہے، یہ تیسری کتاب اصول فقہ میں ”لمع“ ہے۔

ملا وہ اسکے کتاب ”النکت (خلافت میں) تبصرہ (اصول فقہ میں) المعوضہ“ التلخیص (جدل میں) طبقات الفقہاء تاریخ میں مشہور کتابیں ہیں۔

۲۱ جمادی الاول ۷۶۶ھ میں چار شنبہ کی رات کو ابوالمظفر بن رئیس الرؤسا کے مکان پر

لے آداب وزارت میں خواجہ نظام الملک اور شیخ کی ایک تقریر درج ہے۔

۱۔ تصنیفات کے مفصل حالات کے لیے دیکھو کشف الظنون جلد ۱ و ۲۔

شیخ ابو محمد کی ذات سے جاری رہا۔ ^{۱۰۴۴ھ} ۱۰۴۴ھ میں انتقال فرمایا۔ تصنیفات میں تفسیر کبیرہ تصدیر
تذکرہ مختصر مختصر کتاب الفرق و الجمع وغیرہ یادگار ہیں۔

امام احرر میں بمقام جوین محرم کی اٹھارہویں تاریخ ^{۱۰۴۸ھ} ۱۰۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بہت دینی
کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔

انکے انتقال پر مدرسہ ہدیہ بن داخل ہو گئے یہ وہ نامور مدرسہ ہے جو تمام اسلامی دنیا میں
سب سے پہلے اعلیٰ تعلیم کے واسطے بمقام نیشاپور کھولا گیا۔ اندون ابوالقاسم اسکافی اس
مدرسہ کے مدرس عظم تھے۔ بیان امام صاحب نے علم اصول میں کمال حاصل کیا۔ اسکے بعد
بغداد گئے اور وہاں کے مشاہیر علمائے مستفید ہوئے۔ جب تحصیل علم سے فراغ ہو گیا تو
نیشاپور چلے آئے اور علمی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ لیکن ایک خاص واقعہ نے امام صاحب
کو نیشاپور چھوڑنے پر مجبور کیا اور آپ حجاز کو چلے گئے۔ چنانچہ چار سال تک مکہ معظمہ میں قیام
فرمایا اور جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں حلقہ درس قائم کیا۔ اور جب قدر فوقے
آنے لگے تھے انکے جواب بھی تحریر فرماتے تھے۔

ان مقدس مقامات میں امام صاحب کی بڑی عزت ہوئی اور امام احررین کا قیمتی خطاب
انہی گہروں کا عطیہ ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے جو واقعات ^{۵۳۵ھ} ۵۳۵ھ کہ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے عمیل الملک کنہری
کو قتل کر دیا۔ خواجہ نظام الدین کو زبردستی غلام کر دیا تھا۔ اور چونکہ خواجہ خود صاحب فضل و
کمال تھا۔ اسوجہ سے انکی علمی قدروائی اور عدل و انصاف کی شہرت اطراف عالم میں بہت

جلد پھیل گئی۔ اور عید الملک کی تحریک سے مساجد میں امام ابو الحسن اشعری پر خطبہ میں جو لعنت پڑھی جاتی تھی وہ بند کرادی گئی تھی چنانچہ خواجہ کی یہ بے تعصبی امام صاحب کو بہت پسند آئی اور مکہ منظمہ سے پھر نیشاپور واپس آئے۔ یہاں خواجہ نظام الملک نے امام الحرمین کا وہ اعزاز کیا جو انکی شان کے لائق تھا اور محض انکی خاطر سے نیشاپور میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا جو نظامیہ نیشاپور کے نام سے مشہور ہے (نظامیہ کے تفصیلی حالات اپنے موقع پر تحریر ہیں) چنانچہ امام الحرمین اس مدرسہ کے مدرس اعظم مقرر کیے گئے۔ اور شہرت عام کی وجہ سے حلقہ درس میں اکثر ائمہ علم و فن جمع ہوا کرتے تھے کیونکہ امام الحرمین کی تقریر بڑی دلکش ہوا کرتی تھی اور روانی کا یہ عالم تھا کہ گھنٹوں کی تقریر میں بھی مسئلہ زیر بحث میں بے ربطی نمودنے پاتی تھی۔ بلکہ دل سے آخر تک سلسلہ کلام کیساں رہتا تھا۔

وعظ کے واسطے صرف جمعہ کا دن تھا۔ اور یہ مجلس بھی نہایت پر لطف ہوتی تھی۔ غرض کہ کامل تین برس تک امام الحرمین نے علم و مذہب کی خوب خدمت کی۔ اسکے علاوہ سرکاری حیثیت سے تمام مذہبی صیغوں کے افسر تھے۔ وعظ امامت خطابت اور اوقات کے شرعی احکام آپ کے حکم اور دفتر سے جاری ہوتے تھے۔ اور مفتی عدالت کی حیثیت سے ملکشاہ کی نظر میں بڑی عزت تھی جسکے ثبوت میں صرف ایک واقعہ لکھنا کافی ہے۔

علامہ جلال الدین محقق دہلوی اپنی کتاب اخلاق جلالی میں لکھتے ہیں کہ ”ایک دفعہ سلطان ملکشاہ سلجوقی کے حکم کے مقابلہ میں امام الحرمین نے منادی کرادی کہ ”سلطان کا حکم غلط ہے اور وہ حکم دینے کا منصب نہیں رکھتا ہے“ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان المبارک کی

آئینہ یونان کے سبب سے سلطان نے اپنا ملک دورہ ملتوی کر دیا اور اس سلطنت
 پیشاپوش قیام فرمایا اور شام کے وقت مع ارکان دولت کے چاند دیکھنے میں مصروف ہوا
 اگرچہ آسمان پر چاروں طرف سے انگلیاں اٹھیں مگر ہلال عید نے مشتاقان عید کو اپنا چہرہ
 نہیں دکھایا مگر جن مصاحبوں کو آئینہ کی عید کی خوشی تھی انھوں نے بغیر کیل شرائط مذہب
 سلطان سے کہدیا کہ حضور چاند بھل آیا ہے اور سلطان کو رویت ہلال کا یقین دلا کر تمام شہر
 میں ڈھنڈھو راپٹو دیا کہ کل عید ہے جب امام الحرمین کے کانون تک یہ صد اپہونچی تو
 انھوں نے دوسری منادی کا بیان الفاظ حکم دیا ابوالمعالی کہتا ہے کہ کل تک ماہ رمضان
 جو میرے فتوے پر عمل کرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ وہ کل بھی روزہ رکھے قبل از وقت
 عید کی خوشی منانے والوں نے جب مفتی شریع کی منادی سنی تو سلطان کی خدمت میں
 حاضر ہوئے اور برسر عنوان سے منادی کے الفاظ کا اعادہ کیا اور سلطان کو سمجھایا کہ
 ابوالمعالی کے خیالات سلطنت کی طرف سے اچھے نہیں ہیں اور عوام ان کے متقید ہیں اگر
 بندگان عالی کے حکم کے مطابق کل عید ہوئی تو بڑی توہین اور ذلت ہوگی ملک شاہ کو
 امام الحرمین کا اعلان ناگوار تو ضرور ہوا مگر چونکہ مزاج کاتیک اور مذہب کا پکا تھا اور
 علمائے ملت کی عظمت اس کے دل میں بہت کچھ تھی اس لیے چند ارکان دولت کو حکم دیا کہ
 ”امام صاحب کو اذہب اور تعظیم کے ساتھ اپنے ہمراہ لاؤ“ مفسد بیان بھی باز نہ آئے اور عرض
 کیا کہ ”جس شخص نے حکم شاہی کی عزت نہیں کی وہ واجب الاحترام نہیں ہے“ اس پر
 سلطان نے فرمایا کہ ”جب تک امام صاحب سے دو بد و گفتگو نہو ایسے رفیع القدر کی

بے حرمتی نہیں ہو سکتی ہے۔

القصد درباری امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پادشاہ کا پیام سنایا، امام صاحب اُس وقت جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے اور در دولت پر حاضر ہوئے جب صاحب نے دیکھا کہ امام صاحب درباری لباس میں نہیں ہیں تو اُس نے اطلاع کی کہ پہلی عدول حکمی کے قطع نظر دوسری گستاخی امام صاحب نے یہ کی ہے کہ بارگاہِ سلطانی کا ادب بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ اور معمولی لباس پہن کر تشریف لائے ہیں، اس فقرے نے ملک شاہ کو اگرچہ گرا دیا تھا مگر پھر بھی امیر صاحب کی توسط سے دریافت کیا کہ جب امام صاحب کو معلوم ہے کہ دربار کا ایک خاص لباس مقرر ہے تو پھر اس ہدایت کدائی سے آپ کیون تشریف لائے ہیں؟ امام صاحب نے اونچی آواز سے کہا کہ سلطان کو مجھے گفتگو کرنا چاہیے کیونکہ میری تقریر دوسرے شخص سے ادنیٰ نہیں ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سلطان نے اپنے سامنے بلایا اور امام صاحب نے سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ ”اے سلطان! میں اُس وقت جس لباس میں ہوں اسی سے نماز پڑھتا ہوں اور وہ شرعاً جائز ہوتی ہے۔ پس جبکہ خدا کے سامنے میں اُطرح جاتا ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت ہے۔ البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہیں ہے۔ اور میں نے چاہا تھا کہ لباس تبدیل کروں پھر خیال ہوا کہ میں ایسا نہ کہ ذرا دیر کی غفلت میں فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں لکھ لیں اور بادشاہ اسلام کے حکم کی مخالفت ہو۔ لہذا میں جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح سے چلا آیا۔“

سلطان نے فرمایا کہ جب بادشاہ اسلام کی اطاعت آپ کے نزدیک اس قدر واجب ہے،

تو پھر بادشاہ کے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنی ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ”جو امور فرمانِ سلطانی پر موقوف ہیں اسکی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتوے سے متعلق ہے وہ بادشاہ کو مجھ سے پوچھنا چاہیے کیونکہ حکمِ شریعت علما کا فتویٰ حکمِ شاہی کے برابر روزہ رکھنا، عید کرنا، یہ امور فتوے پر موقوف ہیں بادشاہ وقت کو اسے کوئی تعلق نہیں ہے۔“ جب ملک شاہ نے امام صاحب کی تقریر سنی۔ تو اسکا غصہ جاتا رہا اور بہت خوش ہوا اور اعزاز سے رخصت کیا اور اعلان کر دیا کہ ”میرا حکم درحقیقت غلط تھا اور امام احرارین کا حکم صحیح ہے۔“ ملک شاہ کی انصاف پسندی اور امام احرارین کی آزادی ہمارے زمانہ کے علما اور مسلمان حکمرانوں کے واسطے ایک قیمتی نصیحت ہے۔ امام احرارین بڑے پایے کے مصنف تھے۔ اور مختلف علم و فن میں انکی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

نہایت الطلب، ثانی، برہان، تلخیص التقریب، ارشاد و عقیدۃ النظامیہ، مدارک العقول، غیاث الامم، منیث الخلق، غنیۃ المشرعین وغیرہ۔

ان تصنیفات کے علاوہ علوم الصوفیہ میں خاص ملکہ تھا۔ اور جب کبھی تصوف پر وعظ فرماتے تھے تو مجلس کو لٹا دیتے تھے یہ سب ہمیشہ میں ربیع الآخر کی پچیسویں تاریخ چار شنبہ کی رات کو بعد نماز عشاء امام احرارین نے انتقال فرمایا۔ بیماری کی حالت میں لوگ قریہ باستان میں اٹھا لے گئے کیونکہ نواح نیشاپور میں اس جگہ کی آب و ہوا ضرب المثل ہے۔ مگر انتقال کے بعد رات کے وقت جنازہ نیشاپور آیا۔ اور اپنے گھر میں دفن کیے گئے پھر چند سال کے بعد مقبرہ حسین بن نعلش منتقل کر دی گئی اور اپنے والد کے پہلو میں ہمیشہ کے واسطے آرام فرمایا۔

امام صاحب کے حلقہ درس میں چار سوطبیا تعلیم پاتے تھے۔ ان میں سے تین سب سے ممتاز تھے۔
 شیخ ہراسی، احمد بن محمد خوانی اور امام غزالی مگر آخر میں امام غزالی خود امام احرار میں سے بڑھ گئے۔
 جسکی تصدیق امام غزالی کے حالات سے ہوتی ہے۔

امام احرار میں کی وفات کے بعد نیشاپور کے تمام بازار بند ہو گئے اور جامع مسجد کا ممبر توڑ دیا گیا
 اور تمام شاگردوں نے دوات اور قلم توڑ ڈالے اور ایک سال تک ماتم میں مصروف رہے
 شعرانے متعدد مرتبہ لکھے ہیں۔

خواجہ علاء الدین عطا ملک جوینی مصنف تاریخ جہانگشا اور خواجہ شمس الدین محمد وزیر ابا قاضی
 امام احرار میں سے پوتے ہیں۔

۱۳ امام ابو القاسم قشیری

تیسرے رکن اس مجلس کے امام ابو القاسم ہیں۔ پورا نسب نامہ آپ کا یہ ہے۔

ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک بن طلحہ بن محمد قشیری۔ امام ابو القاسم نقباء
 شافعیہ کے مشہور رکن ہیں۔ اور طبقہ صوفیہ میں لحاظ عظمت و شان امام وقت سمجھے جاتے ہیں
 خواجہ نظام الملک کو بھی امام صاحب سے حیثیت ایک عالم باعمل اور عارف کامل خاص
 عقیدت تھی اور امام صاحب بھی خواجہ کی مجلس میں کبھی کبھی تشریف لے جاتے تھے اور
 اپنے مفید خیالات اور وعظ و نصیحت سے خواجہ کو فائدہ پہونچاتے تھے۔

ابن خلکان کی روایت ہے کہ امام صاحب فقہ حدیث تفسیر اصول ادب شعر اور کتابت
 میں علامہ روزگار تھے۔ اور تصوف میں خاص پایہ تھا چنانچہ امام صاحب نے شریعت

طریقست کو ملا کر ظاہر و باطن کا رشتہ ثابت کرو یا تھا اور اس اجتہاد سے امام صاحب کی بڑی شہرت ہو گئی تھی۔

امام صاحب عربی اہل تھے۔ اور قشیر بن کعب آپ کے جدِ اعلیٰ تھے اور اسی نسب سے آپ قشیری مشہور ہیں۔ عرب سے نکل کر آپ کے بزرگ اہل کوفہ کے کسی گائون میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ مگر امام صاحب نے نیشاپور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور عربی کی تمام منزلیں نیشاپور میں طے کیں۔

باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ اسوجہ سے ابتدائی تعلیم و ترتیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جوان ہو کر طالب علمی شروع کی اور آخر کو کامیاب ہوئے اور مقتداے ملک و ملت قرار پائے۔ اور سب سے پہلے نظرِ تعلیم آپ ابو بکر محمد طوسی کے حلقہ درس میں شریک ہوئے اور فقہ سے ابتدائی جب اسمین فراغ حاصل ہو گیا تو اسٹاذ ابو بکر بن فورک کی خدمت میں حاضر ہوئے

۱۔ اسٹوا نیشاپور کے ایک مشہور و معروف پرگنہ کا نام ہے جس میں ۹۳ گاؤں تھے اور اسکا مشہور قصبہ ”خوتان“ ہے امام قشیری اسی پرگنہ کے کسی موضع میں رہتے تھے مراد الاطلاع صفحہ ۳۰۔

۲۔ ابو بکر محمد بن حسین بن فورک صفحہ ۱۱ مشہور متکلم ہیں لیکن اصولِ ادب انہیں بھی جانتا تھے۔ واعظ بھی اول درجہ کے تھے ابتدائیں ایک عرصہ تک عراق میں قیام کیا پھر رے سے نیشاپور تشریف لائے بیان کے علم و دست گوگوں نے خاص آپ کے لیے ایک مدرسہ بنایا اور آپ اسمین درس دیتے رہے بہت اصول فقہ اور معانی القرآن کے متعلق ایک سو کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مناظر ہیں خاص کمال تھے۔ متکلم میں نہر دیا گیا اور یہی باعث موت ہوا۔ حیرہ میں دفن ہوئے نیشاپور کے ایک حلقہ کا نام حیرہ ہے ابن فورک بھی خواجہ کے درباریوں میں تھے اور کتاب ”النظامی فی اصول الدین“ خواجہ نظام الملک کے واسطے تصنیف کی تھی۔ ابن خلکان صفحہ ۴۸۲۔

آثار الادب صفحہ ۳۷ جلد اول مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ھ

اور علم الاصول میں کمال حاصل کیا۔ اسکے بعد ابو اسحق اسفرائینی کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور ایک مدت تک تکمیل علوم و فنون میں مصروف رہے اور آخر میں اسی درس گاہ سے فہرغ حاصل کیا۔ اور تفسیر میں کتاب التیسر لکھی۔ عبد الکریم قشیری بلحاظ فضل و کمال چونکہ نابامور علما کے درجہ پر پہنچ گئے تھے اسلئے شیخ ابو علی دقاق نے جو واقف اسرار شریعت اور رہنمائے طریقت تھے اپنی بیٹی کا عقد امام صاحب سے کر دیا۔ تھوڑے زمانہ کے بعد جب شیخ کا انتقال ہو گیا تو امام صاحب نے مجاہدہ اور تجرید کا سسلک اختیار کر لیا اور ہمہ تن تصوف پر تنجک پڑے۔ اور اسی زمانہ میں رجال طریقت کے حالات میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام ”رسالہ“ ہے۔ پھر حج کو تشریف لے گئے۔

امام ابو محمد بخاری اور ابو بکر احمد بن حنبل جیسے فخر روزگار علما کے علاوہ ایک جماعت ہمراہ تھی۔ اس سفر میں فرض حج کے علاوہ بغداد اور حجاز میں متعدد شیوخ سے حدیث کی سنت کی اور اخیر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ مگر وعظ و تذکیر کا سلسلہ جاری رہا۔

ابو الحسن علی الباقری نے اپنی کتاب دمیۃ المقصا میں امام صاحب کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور وعظ کے پرانے جلسہ پر نہایت مختصر مگر فصیح و بلیغ رائے لکھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں

سلہ ابو اسحق اسفرائینی حالات نظامیہ نیشاپور میں آپ کا تذکرہ تحریر ہے سلہ ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن علی بن عبد بن موسیٰ بیہقی: امور حفظ حدیث میں سے ہیں۔ جامع علوم و فنون تھے۔ مگر حدیث میں خاص شہرت ہوئی کیونکہ عراق، حجاز، خراسان کا سفر کر کے ان مقامات کے شیوخ سے حدیث حاصل کی تھی۔ امام الحرمین، احمد کے فضل و کمال کی شہادت دیتے ہیں سنن کبیر، سنن صغیر، دلائل النبوة، سنن والا، انما راعی، الا بیان، مناقب، لکھا، وغیرہ تصنیفات میں مشہور ہیں سنن ۳۵۰ میں ولادت ہوئی اور سنن ۳۵۰ میں بمقام نیشاپور انتقال ہوا۔ (باقی آئندہ)

”لوقم الصغر بصوت تحدین لذلک اب ولوربط ابلیس فی مجلسہ للتاب“ یعنی اگر امام قشیری کی ڈرانے والی آواز پتھر سے ٹکرا جائے تو وہ گھل کر رہ جائے اور اگر ابلیس آنکلی مجلس میں شریک ہو تو وہ اپنی شیطانیت سے توبہ کرے۔“

امام قشیری اصول میں اشعر یہ اور فروع میں ثنائیہ تھے۔ شعر و سخن سے بھی ذوق تھا۔ شہسواری اور استعمال الحہ میں امام قشیری قابل تعریف مہارت رکھتے تھے۔ ۴۶۵ھ میں ربیع الآخر کی سولہ تاریخ سپنہر کے دن قبل طلوع آفتاب یہ فضل و کمال کا سورج غروب ہو گیا۔ ربیع الاول ۴۷۵ھ میں ولادت ہوئی تھی۔ نیشاپور میں شیخ ابو علی دقاق کے پہلو میں یہ نامور خواب استراحت میں ہے۔

امام صاحب نے اپنے انتقال پر بڑا کنبہ چھوڑا۔ لیکن آپ کی اولاد میں جو سب سے نامور ہوا وہ انکا بیٹا ابو نصر عبدالرحیم تھا۔ مورخین نے شیخ ابو نصر قشیری کے بھی حالات لکھے ہیں اور علوم حال قال اور مجالس تحذیر و تذکیر میں انکے والد کا ہمیلہ بتایا ہے۔

(۴) ابو علی فارمدی

چوتھے رکن اس مجلس کے صوفی ابو علی فارمدی ہیں۔ پورا نام یہ ہے فضل بن محمد بن علی

بقیہ صفحہ ۱۳۸ بہت کم دفن کیے گئے۔ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۰۔ ۳۵ ابوالحسن علی بن حسن بن علی بن ابوالطیب الباخری۔ نہایت نامور ادیب اور فصیح و بلیغ شاعر ہوا ہے۔ ابتدائے طفولت میں سلجوقی کا کاتب تھا۔ پھر لازمت چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گیا۔ عربی فارسی کا دیوان موجود ہے۔ ۴۸۶ھ میں شہید ہوا۔ ملک شاہ سلجوقی کی بیعت میں یہ رباعی مشہور ہے۔

خاقان طم و کوس ملک شاہ کشد	فقور بساط شاہ براہ کشد
چہال سراپردہ خرگاہ کشد	قیصر بستور گاہ درگاہ کشد

المشہور شیخ ابوعلی فارمدی شیخ ابوعلی طبقہ تصوف میں شیخ ایشیوخ کا درجہ رکھتے ہیں علوم ظاہری میں امام ابوالقاسم قشیری کے شاگرد تھے۔ اور ابوالقاسم علی بن عبداللہ کرمانی سے بیعت تھی۔ شیخ ابوعلی نے جو کچھ پایا وہ اسی قطب زمانہ کی فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔ اور شیخ کی فضیلت میں شاید اس قدر لکھنا کافی ہو گا کہ جب امام غزالی علیہ الرحمہ کو علوم معرفت کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے ابوعلی کو اپنا شیخ بنایا اور مرید ہوئے جو لوگ امام صاحب کے فضل کمال سے واقف ہیں وہ اس انتخاب سے ابوعلی فارمدی کا درجہ قیاس کر سکتے ہیں۔

کامل ابن اثیر کی روایت ہے کہ شیخ ابوعلی جب خواجہ نظام الملک کے دربار میں تشریف لاتے تھے تو خواجہ اپنی جگہ سے اٹھ کر شیخ کا استقبال کرتا پھر اپنی مسند پر بٹھا کر خود الگ ہو جاتا اور شیخ کے سامنے بیٹھ کر ادب سے گفتگو کرتا تھا چنانچہ خواجہ کے اس ادب کو دیکھ کر کسی نے پوچھا کہ آپ دیگر صوفیوں کی ایسی عزت و تعظیم کیوں نہیں کرتے ہیں؟ کہا کہ اور حضرات جب مجھے ملنے آتے ہیں تو وہ میری تعریف کرتے ہیں۔ کہ آپ ایسے ہیں۔ اور ایسے ہیں بلکہ ان صفات سے یاد کرتے ہیں کہ جو مجھ میں نہیں ہیں۔ اور ایسی محسراتی سے ظاہر ہے کہ نفس مغرور ہو جاتا ہے برخلاف اسکے شیخ ابوعلی مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرتے ہیں اور میں انکی ہدایت سے مستفید ہوتا ہوں۔

حقیقت میں ایک عارف کامل اور گوشہ نشین زاہد اگر کسی بادشاہ یا امیر کبیر سے ملے تو اسکی ملاقات کا منشا بجز ہدایت اور ہند نصیحت کے اور کچھ نہونا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کے خود غرض بندوں میں یہ جسارت نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے رفیع الشان لوگوں کو نصیحت کریں۔ اور مقدس لوگوں کی ہدایت کا جیسا اثر ہوتا ہے وہ تاریخ سے ظاہر ہے۔ مگر ہمارے زمانے کے

صوفیہ کا ایسی صحبتوں میں بھی وہی حال ہے جسکی خواجہ نظام الملک نے شکایت کی ہے۔
 نصیحت پذیری | خواجہ نظام الملک چونکہ ان بزرگوں سے بے تکلف ملا کرتا تھا لہذا یہ حضرات بھی
 جو عیب خواجہ میں دیکھتے تھے وہ اُسکے منہ پر صاف کہہ دیا کرتے تھے اور خواجہ اُس سے متنبہ
 ہو جاتا تھا۔ چنانچہ انہی واقعات کے ذیل میں روضۃ الصفا میں ایک طوفانی روایت ہے
 جسکا خلاصہ یہ ہے کہ۔

۱۰۶۶ھ بمجمعی میں سلطان ملک شاہ جب اول مرتبہ بغداد گیا ہے تو خواجہ بھی ہمراہ تھا چنانچہ
 مقدس مقامات کے زوار اور دیگر ارباب حاجت نے جب خواجہ کو گھیر لیا تو اُس نے بھی کسی سائل
 کو اپنی فیاضی سے محروم نہ رکھا لیکن واپسی پر جب فرد حساب ملاحظہ کی تو وضع ہو کہ بے عطیت
 دو لاکھ روپے (۲۰ ہزار دینار) صرف ہو گئے ہیں۔ اسلئے خواجہ نے حکم دیا کہ فی الحال وظائف
 ملتوی کیے جائیں۔ اور کوئی سائل میرے پاس نہ آئے۔

چنانچہ شیخ ابوسعید اعظمی کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ خواجہ سے لے اور اپنی کتاب موسومہ
 ”نصیحتہ النظامیہ“ کے ایک باب پڑھنے کی اجازت چاہی اور خواجہ کی اجازت پر شیخ نے پڑھنا
 شروع کیا۔ جسکے بعض فقرات کا ترجمہ یہ ہے۔ حاجتمند اگر کسی امیر کے پاس جائے اور وہ اسکی
 خواہش نہ پوری کرے تو اُسپر کوئی عذاب نہیں ہو سکتا ہے لیکن وہ شخص جسکو باری تعالیٰ نے
 اپنے بندوں اور وسیع دنیا پر حکمران فرمایا ہے۔ اگر وہ حوادث کا انداد اور مساکین کی
 امداد نہ کرے یا وقت کا استعمال ٹھیک طور پر نہ کرے (کیونکہ یہ شخص حقیقت میں مزدور ہے۔

لہذا روضۃ الصفا صفحہ ۶۷-۱۶۹۔ حالات نظام ملکہ پوچھی دی الجہ ۶۹-۷۰ میں ملک شاہ داخل بغداد ہوا تھا تاریخ
 آل سلجوقی مطبوعہ مصر صفحہ ۷۳۔

جسے اپنے قیمتی وقت کو بیچ ڈالا ہے اور اسکی اجرت چاہتا ہے تو وہ نہ تو اہل و عیال میں نہ دلی سے بیٹھ سکتا ہے نہ مطالعہ کا لطف اٹھا سکتا ہے نہ اعتکاف و تلاوت کر سکتا ہے۔ اسکے یہ اعمال و اعمال نوافل سے مشابہ ہیں اور بندگان خدا کی غفاری کرنا واجب ہے اور اجمال اسپر ہے کہ اولے واجب کے لیے نفل کو ترک کر دینا چاہیے۔ خواجہ اگرچہ وزیر ہے مگر حقیقت میں وہ ایک امیر ہے جسکو ملک شاہ نے اپنے نیابت کے لیے ایک خاص اجرت پر لے لیا ہے تاکہ دنیا میں شہرون اور رعایا کا انتظام اور آخرت میں سلطان کی جانب سے جواب دہی کرے۔ کیونکہ قیامت کے دن ملک شاہ کو خدا کے سامنے کھڑا ہونا پڑیگا اور سوال کیا جائیگا کہ ”ملک شاہ! میں نے تجھکو ایک عظیم الشان سلطنت کی حکمرانی بخشی تھی اور اپنے بندوں کی مہمات کو ترسے سپرد کر دیا تھا۔ تو نے اُنکے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟“

ملک شاہ جواباً عرض کرے گا۔ خداوند تو ظالم الغیوب ہے۔ میں نے تیرے بندوں کا انتظام ایک فرزانہ و عاقل اور مدبر وزیر کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ عدل و انصاف کرے میں نے اسکے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قلم دے دیا تھا۔ تاکہ وہ قلم سے حکم لکھے اور تلوار سے ظلمون اور ظالمون کو سزا دے۔ اب اسکو جنھو میں پیش کرتا ہوں ہر قسم کی جواب دہی کا یہ ذمہ دار ہے۔ آئے فخر اسلام اغور فرما کہ اسوقت سب سے اچھا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ”یا تو آپ کہیں گے کہ ”جب انتظام سلطنت میرے سپرد ہوا تو میں نے مکان کا دروازہ کھول دیا اور حاجب و دربان کو اٹھا دیا۔ جو مجھے طالب ہوئے میں نے اُسے احسان و سلوک کیا۔“ یا آپ یوں عرض کریں گے کہ ”میں نے دروازے پر حاجب و دربان مقرر کیے اور انکو ہدایت تھی کہ مجھ تک

کوئی آنے نہ پائے، قاصد اور سفراء واپس کر دیے جائیں اور امیدواروں کو حجاب دیدیا جائے۔
 نوشیروان مذہبِ آتش پرست تھا لیکن فریادیوں کے لیے اسکا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا
 دروازہ پر پاسبان نہ تھا۔ چنانچہ سفیر روم نے ایک بار عرض کیا کہ ”جہان پناہ نے تو دشمنوں پر
 بھی راستہ کھول دیا ہے اور اپنے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں رکھا ہے“ نوشیروان نے کہا کہ
 صرف ”عدل میرے لیے حصار ہے“

خواجہ! یہ تو ایک آتش پرست بادشاہ کا حال تھا۔ تجھے خدا نے خلعتِ اسلام سے فرین کیا ہے۔
 اس لیے تمام حکام سے بڑھ کر تجکو عادل ہونا چاہیے، اور اُس دن کو یاد کرو جس دن پروردگار عالم
 اپنے بندوں کو اعمال کا صلہ دیگا۔ لوگ آفتابِ محشر کی حرارت سے عرق عرق ہو گئے اور
 خواجہ اپنی نصف شعاری کے طفیل سایہ میں کھڑا ہو گا۔ بلند مٹی اور نفس کی پاکیزگی بدلی
 کے مشابہ ہے مگر یہ زمین کی بدلی ہے۔ جب کہ آسمان کے بادل ساری دنیا میں میٹر برساتے
 ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ زمین کے بادل بارش میں کالی کوہن؟ اور مروت کے مذہب میں
 بھی یہ کب جائز ہو سکتا ہے؟ کہ حق سبحانہ تعالیٰ ایک صاحبِ تدبیر و زیرِ کور و س زمین کی
 حکومت عطا کرے اور وہ دارِ اسلام بغداد کو اپنی فیاضی سے محروم رکھے اور یہ مسلم ہے
 کہ انسان اس دارِ فانی میں ہمیشہ نہیں رہیگا لہذا بہتر ہے کہ اس چند روزہ زندگی کو غنیمت
 جانے اور حیاتِ ابدی کے حصول میں کوشش کرے۔ میں نے اس وقت جو کچھ نصیحتیں
 کہاتے یہ گویا ایک امانت تھی جو میں نے ادا کر دی ہے اب اس پر عمل کرنا آپ کا کام ہے۔

جب خواجہ نظام الملک شیخ ابوسعید کی تقریر سن چکا تو بہت خوش ہوا اور بطریقِ نذرانہ یکہزار

دنیارمیش کیے لیکن شیخ نے! یہ مکرواپس کروئے کہ میں باغ و ارضی کا مالک ہوں مجھے اسکی حاجت نہیں ہے۔ البتہ آپ کی نیک نامی اور قیام دولت مطلوب ہے۔“

اسکے بعد خواجہ نے اپنا پہلا حکم نسخ کر دیا۔ اور ابوسعہ کی نصیحت کے مطابق عمل کیا۔^۱ کمال اثر وغیرہ میں اس قسم کے واقعات اور بھی تحریر ہیں جسکو ہم نے نظر انداز کر دیا ہے۔

علم و نحو | امیر ابو نصر بن ابیولاکا بیان ہے کہ میں ایک دن نظام الملک کی مجلس میں حاضر تھا۔ اور امام احمد بن محمد بھی تشریف رکھتے تھے کہ ایک حاجتمند آیا اور اسنے اپنی عرضی نظام الملک کی جانب پھینکی جسکے ٹکرانے سے بھری ہوئی دوات مسند پر پٹ گئی اور عرضی سیاہی میں ڈوب گئی۔ خواجہ نے ہاتھ بڑھا کر عرضی کو پڑھا اور فرمایا کہ ”یہ شخص عمامہ اور لباس چاہتا ہے“ لیکن سائل کی اس حرکت پر تو چہرہ پر شکن آئی اور نہ کسی قسم کی ناراضی کا اظہار کیا مجھے خواجہ کے اس حکم پر بہت تعجب ہوا اور میں نے اس واقعہ کا استاد الدار سے تذکرہ کیا تو اسنے کہا کہ میں آپ کو اس سے بھی عجیب تر واقعہ سنا ہوں اور وہ یہ ہے۔

۲۔ میری نگرانی میں چالیس فراش ہیں (ہر وقت کے واسطے جدا گانہ فرش مقرر تھے) کل شب کو یکایک آندھی آئی اور خواجہ کی بستر پر گرد کی چادرین چھ گئیں۔ فراشوں کو آواز دی ”مگر صلیٰ برخواست“ تب تو دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہو گئی۔ اور میں نے دلنے دل میں کہا کہ ہم سب عذاب کے مستحق ہیں اور جو عذاب ہم پر نازل ہو وہ کم ہے۔ کیونکہ کوئی ایک بھی نہیں ہے جو بستر کو جھاڑ کر بچھائے اور اس خیال سے میرا غصہ بہت بڑھ گیا۔

۱۔ کمال اثر صفحہ ۳۷۷ جلد ۱۰ واقعات ۳۷۷ طبعات لکبری ابن سکی حالات نظام الملک۔

جب خواجہ نے میرا بڑا ناسنا تو فرمایا کہ ”وہ کسی کام سے باہر چلے گئے ہونگے اور بھلا ایسا کون انسان ہے؟ جسکو ذاتی کام نہوں اور یہی اسباب میں جنسے اولے فرائض میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ اور فرائض بھی تو آخر ہمارے جیسے انسان میں۔ جیسے ہم دکھ پاتے ہیں ویسے ہی وہ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں جن چیزوں کی ہمیں حاجت ہے اُنکے وہ بھی آرزو مند ہیں۔ ان یہ ضرور ہے کہ خدا نے ہر کوئی اپنے فضیلت بخشی ہے اسلیے خدا کی نعمتوں کا یہ شکریہ نہیں ہے کہ ہم انکو ایسی خفیف باتوں پر نرا دین۔“

۳۔ ابن ہبار یہ خواجہ نظام الملک کا وظیفہ خوار اور دربار کا مشہور شاعر تھا ایک مرتبہ تاج الملک ابوالنعمان بن دارست نے جو خواجہ کا مشہور دشمن تھا۔ ابن ہبار سے کہا کہ اگر تم خواجہ کی بھولکھو تو میں تمکو مال کر دوں۔ ابن ہبار یہ جو جو گوئی میں ضرب لٹل تھا اُسے کہا کہ میں ہجو تو آج لکھ دوں، مگر میرا دل مجھکو ملامت کرتا ہے۔ کیونکہ میں اپنے گھر کی جس چیز کو دیکھتا ہوں وہ خواجہ کی عطیہ نظر آتی ہے پھر ایسے محسن کی بھولکھو تو قلم سے مچلے گی۔ مگر خانہ طبع سیاہ باؤ آخر دبی زبان سے چند اشعار لکھے جسکا اخیر شعر یہ ہے۔

فالدھر کالد و لابل لہ سید و راکب البقر

آخر زبانوں پر گھومتے پھرتے یہ اشعار خواجہ کے بھی کان تک پہنچے۔ خواجہ نے سنا تو بھڑکے اور کچھ نہ کہا کہ ابن ہبار نے اس مشہور قتل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ”اٹھل طوس بقرا“ اور یہ میرے طوسی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ خواجہ نے ابن ہبار سے نہ تو کوئی جواب

۴۔ ویسا یہ کتابا لصاحب والباغ مصنفہ سید شریف نظام الدین ہباری صفحہ ۷۸ مطبوعہ بیروت ۱۳۸۵ء طبع الملک تقصیل حالات حصہ دوم میں لکھے گئے ہیں۔ ۵۔ ہندوستان میں بھی بہت سے لاشعات و قصبات ایسے ہیں جہاں کے باشندے ہوتو فی میں ضرب لٹل بن اسطرح فارس میں باشندگان طوس کو لوگ احمق سمجھتے ہیں اور اپنی زبان میں انکو ”گاؤطوسی“ کہتے ہیں چنانچہ خواجہ کے تو سن اسیری جیتی کہا کرتے تھے اور اسکی ابن ہبار نے نظم دیا چو اور یہ ظاہر ہے کہ دولاہ کو صرف بیل ہی نہیں سمجھا

طلب کیا نہ اسکو بُرا بھلا کہا۔ بلکہ انعام اور صلیٰ میں بہ نسبت سابق کے اضافہ کر دیا۔ سچ ہے
 دین سگ بلقہ دوختہ یہ خواجہ نظام الملک کے مکارم اخلاق اور وسعتِ حلم کا یہ
 ایک مختصر خاکہ ہے جس سے اسلامی اخلاق اور مذہبی تعلیم کی خوبیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مذہبی زندگی

مذہب دنیا کا کوئی فرد بشر ایسا نہیں ہے جو مذہب نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ مذہب انسان کی
 فطرت میں داخل ہے۔ اور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس شخص میں مذہبی روح نہ ہو وہ انسان
 نہیں ہے۔ توحید، نبوت، عبادت، معاذ جزا و سزا اور تمام اخلاقی امور کی تعلیم تکمیلِ صفت
 مذہب ہی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جو ازلی اور ابدی ہے اور کوئی قوت ایسی نہیں ہے جو اسکو دنیا
 سے معدوم کر دے۔ ہاں یہ ممکن ہے اور ہزاروں مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ مذہب کی سرسبز اور پھلی
 پھولی شاخیں کاٹ ڈالی گئی ہیں۔ مگر آج تک یہ کسی نے نہ دیکھا ہو گا کہ مذہب کا ہتھیصال
 ہو گیا ہو۔ البتہ عقل کی مجبوری اور ذریعہ ایمان کی کمی سے مثل دیگر قوتوں کے اس میں بھی ضعف
 آجاتا ہے۔ مگر پوری طور پر صفحہ دل سے وہ کبھی نہیں مٹتا ہے اور نہ انسان اسکو مٹا سکتا ہے۔
 دنیا کی ہر قوم ہر نسل اور ہر طبقہ کسی نہ کسی مذہب کا پابند ہے۔ مگر ان میں ایسے لوگوں کی تعداد
 ہمیشہ محدود ہو کر رہتی ہے جسکا ہر قول اور ہر فعل مذہب کے مطابق ہو۔ اور مذہب ہی اسکا
 اوڑھنا بچھونا ہو۔ لیکن پھر بھی علی طور پر جہتِ قدر مذہب کی پابندی ہے وہ غریب میں ہے اور

اگرچہ اس عنصر کی بہت کمی ہے اور امر کے مقابلے میں بادشاہوں اور وزیروں میں تو مذہب بڑے نام ہوتا ہے لیکن افراد مذکورہ بالا میں سے اگر کوئی اس کلیہ سے مستثنی ہو تو اس کی زندگی کا یہ واقعہ نہایت مہتمم بالشان ہے۔

مذہب اسلام میں مذہبی زندگی کے یہ معنی ہیں کہ اس کے عقائد، عبادات اور اخلاق کا ہر جزو قانون مذہب کے مطابق ہو۔ اور اس کا کوئی فعل مذہبی معیار سے باہر نہ ہو چنانچہ خواجہ نظام الملک بھی قرون اولیٰ کے ان خوش قسمت مسلمان وزامین سے ایک ہی شخص ہے جس کی زندگی کو ہم مذہبی زندگی کہہ سکتے ہیں۔

مذہب | نظام الملک شافعی تھا۔ اور سخت متعصب اگرچہ اس تعصب سے وہ بغض و عداوت اور نفرت مراد نہیں ہے، جو دوسرے مذہب والے کے ساتھ برتی جائے (نعوذ باللہ) بلکہ شدت فی المذہب مقصود ہے۔

ذکر و عبادت | ذکر و عبادت کے لحاظ سے خواجہ نظام الملک کو زاہد کہنا چاہیے اور وہ نہایت متراض تھا۔ نماز بیچگانہ ہمیشہ جماعت سے پڑھتا تھا اور یہ اس کی عادت تھی کہ ہمیشہ با وضو رہتا تھا اور ہر وضو کے بعد نماز نفل ادا کرتا تھا۔ قرآن مجید کی تلاوت کبھی ناغہ نہوتی تھی۔ اور یہ بھی التزام تھا کہ تلاوت کے وقت کبھی تکیہ لگا کر نہیں بیٹھا۔ کیونکہ ایسی نشست کو قرآن مجید کے عظمت و شان کے خلاف جانتا تھا۔ اور کلام مجید کو سفا و حشر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ جس وقت کان میں اذان کی آواز آتی تھی، دنیا کے تمام کاروبار چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔

سلہ طبقات الکبریٰ ترجمہ نظام الملک۔

اور اذان کا جواب دیتا تھا جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے اور اگر کبھی اذان میں دیر ہو جاتی اور نماز کا وقت آجاتا تو فوراً موذن کو حکم دیتا تھا اور حفاظ و قات میں اس قدر توجہ صرف انہی لوگوں کو ہوتی ہے جسکو نماز سے خاص دل چسپی ہو۔ ہر دو شنبہ اور پچھنہ کو روزہ رکھتا تھا۔

اور ایک موقع پر خواجہ نے شرعی قسم کھا کر بیان کیا ہے کہ سنے تمام عمر میں انکیر تیرہ بھی انکا از تکاب نہیں کیا۔ حج زیارات خواجہ نظام الملک کو حج بیت اللہ کی بہت آرزو تھی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ زیارت خانہ کعبہ سے تمام عمر محروم رہا۔ الپ ارسلان کے دور حکومت میں تو خواجہ کو ایک دن کی بھی صلت نہ تھی کہ وہ گھر سے باہر قدم نکالتا۔ البتہ ملک شاہ کے زمانے میں خواجہ کو کافی موقع اس فرض کے ادا کرنے کا تھا۔ چنانچہ پہلے کہ میں بمقام بغداد ملک شاہ نے خواجہ کو روانگی مکہ معظمہ کی اجازت بھی دیدی تھی اور سفر کی غرض سے خیمے ڈیرے بھی دریائے دجلہ کے کنارے لگا دیے گئے تھے۔ مگر پھر نہیں معلوم کہ کن اسباب سے روانگی قافلہ کی ملتوی رہی۔ تاریخی واقعہ تو صرف اس قدر ہے۔ مگر قبول شخصے بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کے لئے

روضۃ الصفا اور طبقات الکبریٰ میں عبداللہ ساوجی سے یہ روایت ہے کہ ”جس زمانہ میں خواجہ ہازم حج تھا انہی ایام میں ایک پیر مرد نے جسکی پیشانی سے نور چمک رہا تھا، ایک بند خط خواجہ کے پاس بھیجا۔ اور عبداللہ سے کہا کہ یہ خاص امانت ہے اسکو بھر خواجہ کے اور کوئی نہ پڑھے۔ چنانچہ وہ خط خواجہ کی حضور میں پیش کر دیا گیا۔ جب خواجہ خط کو پڑھ چکا تو شدت سے رویا۔ چنانچہ عبداللہ کا بیان ہے کہ مجھے بڑی نامت ہوئی اور میں نے

اپنے دل میں کہا کہ ”اگر میں جانتا کہ اس خط کا یہ اثر ہوگا تو میں ہرگز پیش نہ کرتا“ چنانچہ خواجہ نے وہ خط پڑھ کر مجھے واپس کر دیا اور کہا کہ ”جو شخص لایا ہے اسکو واپس کر دو“ میں نے خیمے کے دروازے پر دکھا تو وہ شخص مجھ کو نہ لاتب میں نے خط لا کر خواجہ کے سامنے رکھ دیا اور خواجہ نے خط کو میرے سامنے ڈال دیا۔ میں نے اسکو پڑھا تو اسکا یہ مضمون تھا کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور حضور نے فرمایا ہے کہ حسن سے جا کر گنو تھیں کہ جانے کی ضرورت نہیں ہے، تمہارا راج یہی ہے کہ اس ترک (ملک شاہ) کی خدمت کیے جاؤ۔ اور میری اس کے لوگوں کی حاجتیں پوری کیا کرو۔ چنانچہ خواجہ نے روانگی مکہ معظمہ کی ملتوی کر دی“ خواجہ نظام الملک حج سے تو محروم رہا۔ مگر بغداد میں جس قدر بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کے مزار میں اُن سب کی زیارت کی اور اسی سال مہینہ ذی الحجہ میں موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھا۔ ملک شاہ بھی خواجہ کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ اس قصیدہ پر ابن زکریا نے واسطی نے بطور تمینیت کے ایک قصیدہ لکھا۔

احجاج کی تجنیز تکفین | فقیہ ابوالقاسم دہرا در خواجہ کی روایت ہے کہ ”میں مکہ معظمہ میں موجود تھا۔ اور عرفات جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اطلاع ہوئی کہ ایک خراسانی کا کسی زاویہ میں انتقال

سلاخ کا لایا۔ میں اس قصیدہ کے حسب ذیل تین شعر تحریر ہیں۔

سزات المشاہدہ و در مشہودۃ	ادضت مضاجع من بہامد فون
فکانک الفیت استہل بتر بھا	وکانھا باک سروضۃ و معین
فازت قد احاک بالثواب النحمت	ولک الالہ علی النجاج ضمین

کابل اثیر صفحہ ۵۳ جلد ۱۰۔

سلاخ ہر سہ واقعات طبقات الکبریٰ سے منقول ہیں۔

ہو گیا ہے اور اسکی نفش پھول گئی ہے۔ چنانچہ اسکی تجسیم و کفین کی غرض سے میں نے عرفات کا جانا ملتوی کر دیا۔ جب میرا ارادہ اُس امیر کو معلوم ہوا جو خواجہ کی طرف سے، حجاج کی خبر گیری پر مقرر تھا تو اُس نے کہا کہ آپ جاؤ مین تمام قافلہ روانہ ہو چکا ہے۔ خراسانی کے جنادہ کا مین نظام کرونگا۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک کی طرف سے پچاس ہزار گر کر پڑا میرے پاس درج ہے جو صرف کفین موتے کے واسطے ہے۔

۲۔ حجاز کا راستہ | زائدہ سابق مین جو حبیبیتین حاجیوں کو پیش آتی تھیں آج اُنکا عشرتیر بھی نہیں ہے۔ اور سب سے زیادہ تکلیف راستے کی بڑائی کی وجہ سے ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے اپنے عہد وزارت مین مکہ معظمہ کے راستوں کو خوب صاف کیا۔ اور جو دشواریاں تھیں اُنکو دور کر دیا۔ اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی آبادی مین خاص کو شمش کی اور حاجیوں کی راحت رسانی کے واسطے متعدد دساں کیے۔

۳۔ بے تعصبی | ابونصر محمد بن منصور بن محمد ملقب بہ عبد الملک کنذری وزیر طغرل بیگ سلجوقی نے اپنے عہد وزارت مین سلطان کی منظوری سے یہ حکم جاری کیا تھا کہ ”خطبہ مین روئے نصیب لغت کی جائے۔ اور جب تمام ملک مین اسکا عملد رآمد ہو گیا تو اشاعرہ کی نسبت بھی یہی حکم

سلطانیہ فرقہ امام اشعری سے منسوب ہے۔ چنانچہ امام ابو الحسن علی بن اہل ہے۔ امام صاحب مسئلہ مین بمقام نصیر پرا ہوئے اور مسئلہ مین بمقام بعداؤف پائی۔ اشعرک مین کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ اور آپ ابو موسیٰ اشعری کے اولاد مین ہیں جو مشہور صحابی تھے۔ امام ابو الحسن نے ابتدا مین عبد الوہاب جبائی سے تعلیم پائی تھی۔ اوچالہ مین برس تک مقرب رہے اور امام مین گئے۔ پھر نکاح کیا۔ خواب مین ہدایت ہوئی جسکی بنا پر جامع البصرہ مین جا کر اعلان کر دیا کہ مین نے مقبرہ کے عقائد سے توبہ کی۔ اور مقبرہ اجمیہ خواجہ اور تمام اہل بدعت کے (ماتنی آئندہ)

صادر ہوا۔ چنانچہ عبدالملک کے زمانہ میں دونوں فرقوں کے اماموں پر لعنت کی بارش ہوتی رہی۔ افسوس !!

عمید الملک کی اس متعصبانہ کارروائی سے ملک کے نامور ائمہ امام الحرمین اور ابوالقاسم قمیہ وغیرہ اراض ہو کر مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے یا کسی اور طرف چلے گئے۔ لیکن طفول بیگ کے انتقال پر حبيب الہیہ سلطان تخت نشین ہوا اور خواجہ نظام الملک مستقل وزیر تو خواجہ نے سب سے پہلے یہ فرمان جاری کیا کہ ”اشاعرہ اور وائض پر جو عن کیجاتی ہے وہ بند کی جائے“ جب یہ خبر اطراف عالم میں شائع ہو گئی تو تمام علما اپنے وطن میں واپس آئے اور خواجہ نے اٹکا دیا یہاں خیر مقدم کیا جسکے وہ مستحق تھے۔

شوقِ عبادت [خواجہ نظام الملک کا قول ہے کہ ”ایک وقت میں میری یہ تمنا تھی کہ کاش میں ایک گاؤں کا زمیندار ہوتا اور اُس میں ایک مسجد ہوتی جس میں بیٹھ کر پڑوسی کیا کرتا۔ پھر یہ خواہش ہوئی کہ نہیں! میرے لیے تو مسجد کا ایک گوشہ اور چند بسوے زمین کافی ہے“ اور اب تو

بقیہ صفحہ ۵۰ رد میں نہایت کثرت سے کتاب میں لکھیں۔ شافعیہ میں امام صاحب کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور ہزاروں علماء انکے شاگرد ہوئے جن میں سے ابوسل معلوکی، ابوبکر قفال، ابوزید مروزی، زاہر بن احمد۔ حافظ ابوبکر جانی، شیخ ابو محمد طبری، ابو عبد اللہ طائی، ابوالحسن باہلی، بندار بن حسن صوفی، نہایت نامور ہیں۔ لیکن شاگردی کے دوسرے دور میں ابوبکر باقلانی، ابوالسحاق اسفرائینی، ابوبکر بن فورک۔ اور امام الحرمین وغیرہ اپنے اساتذہ سے بھی بڑھ گئے۔ بلکہ امام الحرمین کی توجہ اور اقتدار سے امام شافعی کی تصنیفات تمام دنیا میں پھیل گئیں۔ اور انکا مرتبہ علم کلام تمام دنیا کا علم بن گیا ہے۔“
تفصیل کے لیے دیکھو علم الکلام شمس العلماء تہذیبی نعمانی۔ الملل والنحل۔ طبقات الکبریٰ۔ کامل انیس صفحہ ۷۲۔ جلد ۱۰
لے کامل اثر۔

صرف یہی آرزو ہے کہ تمام دین میں کھانے کو ایک روٹی مل جائے اور مسجد کا ایک زاویہ ہو۔
جس میں بیٹھا ہوا اللہ اللہ کیا کروں“

یہ خیال خواجہ کی مذہبی زندگی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور مصنف آثار الود را کے اس قول کا مویہ ہے
کہ ”خواجہ نظام الملک باوجود دولت و عظمت بسیار و اشتغال بے شمار و اہلنا بر حال ضغفای
رعیت و بیچارگان ہر ولایت رسیدے۔ و باز ہاد و مشا لبح و علما صحبت داشتے۔ و اوقات
و ساعات را مستغرق طاعات و عبادت گردانیدے“

عام حالات

ترجمہ | فقیہ ابوالقاسم (برادر خواجہ) کا بیان ہے کہ ”میں ایک لے ات خواجہ کا مہمان تھا،
جب کھانے کے لیے دسترخوان بچھا یا گیا تو خواجہ نے بجائے بھی شرکت کی عزت بخشی نشست
اس طرح پر تھی کہ خواجہ کے ایک طرف میں تھا اور دوسری طرف عمید خلیفہ۔ اور عمید کے پہلو
میں ایک مسکین فقیر جس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ چنانچہ فقیر نے جب بائیں ہاتھ سے کھانا شروع
کیا تو عمید کو اس کا یہ طرز ناپسند ہوا جب خواجہ نے عمید کی تیوریوں پر بل دیکھا تو عمید سے کہا کہ
آپ دوسری طرف پھر جائیں اور فقیر سے کہا کہ یہ تو بڑے آدمی ہیں اتم میری طرف
چلے آؤ اور پھر اپنے ساتھ کھانا کھلایا“

کائن بن اثیر کی روایت ہے کہ خواجہ کے دسترخوان پر ہمیشہ مساکین و فقر اکھاٹا کھاتے
تھے اور خواجہ کے قریب بیٹھا کرتے تھے۔

رقت طبع ابو الخیر ولف بن عبد اللہ بن محمد البنان بغدادی (بروایت امام عبد الرحیم بن شافعی قزوینی) بیان کرتے ہیں کہ ”خواجہ نظام الملک بیمار پڑا ہوا تھا کہ ابو علی القزستانی خواجہ کی عیادت کے واسطے تشریف لے گئے اور انھوں نے یہ اشعار پڑھے۔

اِذَا مَرَضْنَا نَوْنِيَا كُلَّ صَاحِبَةٍ	جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو نیک کاموں کی نیت کر دیا کرتے ہیں
فَاِنْ شَفَيْنَا فَهِيَ الْزَيْغُ وَالزُّكُلُ	گزشتہ دست ہونے پر ان ارادوں میں تغیر ہو جاتی ہے
نَجْعَلُ الْاَلَاكَةَ اِذَا تَخَفْنَا وَكُنْطُكُ	حالت میں ہم خود سے امید رکھتے ہیں اور حالت امن میں اسکو
اِذَا اٰمَنَّا فَمَا يَدْرُوْا كَوْنَنَا عَمَلُ	ماریش کرتے ہیں پس اٹھایہ کہ ہمارے اہل پاک صاف نہیں ہیں

یہ اشعار شکر خواجہ کو رقت طاری ہوئی اور کہا کہ ”جیسا آپ فرماتے ہیں یہ بالکل سچ ہے۔“
 نیک مزاجی | خواجہ کے دروازے پر بھی معمولاً حاجب و دربان مقرر تھے مگر انکو یہ ہدایت تھی کہ کسی وقت کوئی آنے والا نہ روکا جائے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ”خواجہ دسترخوان پر تھا لاکھ عورت (ہاتھ میں پیالہ لیے ہوئے) آئی دربان نے اسکو ٹوٹا دیا۔ جب خواجہ نے چشم خود اسکا واپس جاتے ہوئے دیکھا تو دربان پر بہت خفا ہوا اور کہا کہ ”تم صرف اسلئے لو کہ وہ دروازے سے کوئی مسکین و محتاج خالی ہاتھ نہ جائے۔ البتہ صاحبان جاہ و چشم محض اپنی ذرا راحت کے لیے لو کہ رکھا کرتے ہیں۔“

نیاضی | خواجہ نظام الملک کی عادت تھی کہ جب وہ گھر سے باہر نکلتا تھا تو روپوں کی تھیلیا غلاموں کے ساتھ ہوتی تھیں اور راستہ میں جس محتاج پر نظر پڑتی تھی اسکو انعام دیا جاتا۔

۱۵۴ یہ ہر سہ واقعات طبقات الکبریٰ سے منقول ہیں۔ ۱۵۵ آثار الازرا سیف الدین۔

چنانچہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ خواجہ کی سواری کسی سبزی فروش کی دکان کی طرف سے نکلی وہ تھک چکا ہوا اور عرض کیا کہ محتاج ہوں موجودہ معاش کی آمدنی اہل و عیال کے لیے کافی نہیں ہے۔ خواجہ نے غلام کی طرف اشارہ کیا اُس نے ایک تھیلی دیدی سبزی فروش نے دعا دی۔ اور دکان سے اُٹھ کر دوسرے راستہ پر جا بیٹھا اور دامن سے پاؤں چھپا کر مفلوج بن گیا۔ اور خواجہ سے ظاہر کیا کہ پانچ ہون لڑکے بچے بہت ہیں روٹیوں سے محتاج ہو رہا ہوں خواجہ نے غلام کو اشارہ کیا اُس نے پھر ایک تھیلی دیدی چنانچہ سبزی فروش زر نقد لیکر یہاں سے بھی اُٹھا اور آگے بڑھ کر نئے روپ سے خواجہ کو سلام کر کے کہنے لگا کہ مجھ پر دنیا تنگ ہو رہی ہے چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کا بار سر پر ہے۔ خواجہ نے غلام سے اشارہ کیا۔ اس کے بعد آواز بد کر چو تھی مرتبہ خواجہ کے سامنے آیا اور بیان کیا کہ میں اسپیشالٹ کا باشندہ ہوں اور غازی ہوں۔ فسوس ہے کہ میری فوج نے شکست کھائی اور ہزار خرابی زندہ بچ کر یہاں تک آیا ہوں۔ آخر تب بھی خواجہ نے انعام کا حکم دیا گریہ لکڑ کر ”لے لوڑھے سبزی فروش“ مفلوج لڑکیوں و لڑکے از می اسپیشالی اپنا انعام لے اور رخصت کر دیا۔

یہ سلطان الپ ارسلان کے زمانہ میں وزارت سے قبل خواجہ نظام الملک کی یاست، کتابت اور ریاست کا دفتر انشا میں سکھ بیٹھ گیا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں سلطان کو غر کا اتفاق ہوا۔ لیکن وزیر السلطنت عمید الملک کندری علالت کے باعث سلطان کے راہ نہیں جاسکتا تھا اور سفر میں کم از کم ایک کاتب کا ہمراہ جانا ضرور تھا۔ چنانچہ منتظم

۵ اسپیشال (دہلی) بلا داورا، النہر کا مشہور شہر ہے۔

دقتر نے خواجہ حسن کو انتخاب کیا اور سلطان نے بھی اس انتخاب کو منظور فرمایا۔ چونکہ اس وقت خواجہ کی معمولی حالت تھی، اسوجہ سے سامان سفر کے لیے مترود ہوا۔ اور اداسے نماز اور عرض نیاز کے لیے داخل مسجد ہوا کہ اتنے میں ایک اندھا بھی آیا اور پکارا کہ کوئی ہے؟ خواجہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اندھے نے لاٹھی کے سہارے سے مسجد کا ایک ایک گوشہ ٹولا۔ اطمینان ہو گیا کہ کوئی نہیں ہے تب جا کر مسجد کا دروازہ بند کیا۔ اور محراب کے سامنے کا فرش ہٹا کر زمین کھودی، اور ایک آنچورے سے روپے نکالے، اور تھوڑی دیر تک ان روپوں سے اپنا دل خوش کرتا رہا۔ پھر روپوں کو آنچورے میں بھر کر اسی جگہ دفن کر دیا اور چلا گیا۔ چنانچہ خواجہ نے کمال مسرت و اطمینان قرض حسنہ کے طور پر اس روپیہ کو لے لیا اور سامان سفر درست کر کے سلطان کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔ چنانچہ عہد وزارت میں ایک دن خواجہ کی سواری شاہانہ جاہ و جلال سے جا رہی تھی کہ راستے میں وہ اندھا نظر آیا۔ خواجہ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ وہ مکان پر حاضر کیا جائے، چنانچہ جب وہ پیش ہوا تو خواجہ نے اسکی بڑی خاطر کی، اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد پوچھا کہ ”جو روپیہ تم نے محراب مسجد میں دفن کیا تھا وہ نکلو یا نہیں؟“ روپوں کا ذکر سن کر اندھا اچھل پڑا، اور خواجہ کا دامن پکڑ کے کہنے لگا کہ ”اے صاحب امین نے اپنا لکھو یا ہوا روپیہ آج پالیا؟“ خواجہ نے کہا کہ کیونکر؟ اندھے نے کہا کہ ”جس دن سے میرا روپیہ گیا ہے، میں نے اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا ہے، خواجہ یہ سن کر ہنس پڑا اور جس قدر روپیہ لیا تھا اسکا دو چندان دے کو دلا دیا۔ اور پرگنہ مردین ایک گاؤں اسکی اولاد کے نام مہربہ کر دیا اور غریب اندھا تمام عمر کے لیے الامال ہو گیا۔ اس حکایت کو روضۃ الصفا وغیرہ نے بھی لکھا ہے

اور خواجہ کے آئندہ اقبال اور علامات سعادت کے واقعات میں شمار کیا گئے۔

۳ | نظام الملک کا دستور تھا کہ جب اسکی حضور میں کوئی ہدیہ پیش ہوتا تو وہ حاضرین مجلس کو تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ باغبان نے تین لوکیان ڈالی میں پیش کیں خواجہ نے ایک ہزار درہم انعام دیکر اسکو تو رخصت کر دیا اور تقسیم کی غرض سے ہر لوکی کے متعدد ڈکڑے کراڈاے۔ لیکن پھر تقسیم نہ کیا۔ ایک مصاحب نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ ”یہ شیریں نہ تھیں۔ اور کڑوی شکر قابل ہدیہ نہیں اور انعام اسوجہ سے دیا گیا کہ غریب مالی محروم نہ رہے۔“

خواجہ نظام الملک بالطبع فیاض تھا۔ مگر اسکی فیاضی اعتدال کے ساتھ تھی۔ علما، مشائخ، حکماء، شعراء، اطباء، مصاحبین اور خدام کو عیدین اور نوروز وغیرہ کے موقع پر انعام دیا کرتا تھا۔ مگر یہ انعامات ہر اکہ کے ہم پلہ نہ تھے کہ ایک دن میں پورے صوبہ کا خراج ایک اعلیٰ رتبہ والا یا کسی شاعر کو دیدیا جائے۔ خواجہ کے انعام اور صلہ کی تعداد ہمیشہ ایک محدود مقدار میں ہوتی تھی اور اگر زمانہ حال کے اصول کے مطابق دیکھا جائے تو بقول ایک طریف کے کہہ سکتے ہیں کہ خواجہ نظام الملک بھی انجمن ”اصلاح تمدن“ کا ایک رکن تھا جبکہ ہر کام افراط و تفریط سے پاک تھا اور ایسے ہی نمونے زمانے حال کے مسلمانوں کے لیے باعث شیر و برکت ہو سکتے ہیں۔

صبر و شکر | ایک شخص راوی ہے کہ ”میں خواجہ نظام الملک کی مجلس میں موجود تھا یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خواجہ نظام الملک کی وزارت عروج پر بھی اور ملک شاہ خواجہ کے اشارہ پر چلتا تھا کہ عراق عجم سے ایک نامہ آیا جسکا بیضمون تھا کہ ”ایک پہاڑی چراگاہ میں پانچ سو عربی گھوڑے

چر رہے تھے کہ آگاہ ایک جھنڈ پڑھکا پہاڑ کی چوٹی سے اور اسی پر بندے نسر اور عقاب کے برابر
 تھے جنکے پروں کی ہیبتناک آواز سے گھوڑے بھڑک کر بے اختیار بھاگے۔ اور ایک درے
 میں جا کرے۔ اس بلند مقام سے ایک بڑی ندی نکل کر شیب میں گرتی تھی۔ چنانچہ بہت سے
 گھوڑے اس پانی میں گر کر غرق ہو گئے۔ اور جو باقی رہے ان میں سے اکثر کے اعضا ٹوٹ
 گئے۔ خواجہ یہ خبر پڑ پھر چپ ہو رہا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد بہت رویا حاضر بن مجلس نے
 تسکین و تسلی کی باتیں شروع کیں۔ خواجہ نے فرمایا کہ ”میرا گریہ و زاری کرنا اس نقصان کی
 وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ شوق اور شکر یہ کار و نامہ ہے کیونکہ اس واقعہ سے جھکوا بدائی زمانہ کا
 ایک واقعہ یاد آگیا۔ اور وہ یہ ہے کہ میں غریبین سے خراسان جا رہا تھا، اور میرے پاس
 صرف تین دینار تھے چنانچہ چار دینار اور قرض لیکر میں نے ایک گھوڑا خریدا کیا، مگر وہ بُہن
 مر گیا اور میں سخت پریشان ہوا۔ اور آج خدا کے فضل سے پانسو گھوڑوں کے تلف ہونے پر
 بھی میرے دل و دولت میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔ چنانچہ مجھے وہ وقت یاد آگیا کیونکہ خدا نے
 مجھے درجہ ادنیٰ سے کیسے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا ہے۔ اور اس غوثی میں میرے آنسو ٹپک آئے۔“

خیرات | خواجہ نظام الملک کا دستور تھا کہ ”ہر روز صبح کے وقت ایک سو دینار (پانسو روپیہ)
 مساکین و فقرا کو تقسیم کیا کرتا تھا۔ اور اس صدقہ کو ان عطیات سے کوئی تعلق نہ تھا جس کا
 سلسلہ صبح سے شام تک بحیثیت ایک وزیر کے جاری رہتا تھا۔

عفو جہانم | خواجہ نظام الملک نہایت متواضع اور حلیم تھا۔ چنانچہ خواجہ کے ذاتی ملازم اکثر
 لے گنج دانش صفحہ ۲۵۱۔ وروضۃ الصفا حالات خواجہ۔ ۵۵ طبقات الکبریٰ۔

قصور کیا کرتے تھے، مگر وہ اپنی نیک مزاجی اور خوش اخلاقی سے معاف کر دیتا تھا اور اس صفت میں وہ امامون الرشید عباسی کا ہم خیال تھا۔ کیونکہ امامون الرشید کا قول ہے کہ نیک مزاجی بڑی بڑی آفت ہے کہ لوگوں کو غلامِ شریار اور بد خو ہو جاتے ہیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ انکی نیک خو کرنے کے لیے میں بد مزاج ہوں۔

خواجہ کا پیر تا وہ عام تھا اور لوگوں کی خطائیں معاف کرنے سے اسکو سرت ہوتی تھی چنانچہ علامہ ابن اثیر خبری خواجہ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ کَانَ عَلِمًا دِينًا جَوَادًا كَا حِلَّةً كَا كَثِيرًا الصَّغْمَ عَنِ الْمَذْنِبِينَ۔

یا وجہ قدرت انتقام کے خواجہ اپنے دشمنوں کے بھی قصور معاف کر دیا کرتا تھا۔ اور یہ وہ وصف ہے جو اپنے موصوف کو دنیا میں ہر دل عزیز بنا دیتا ہے اور خدا بھی خوش ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ روایت مشہور ہے کہ ۵

موسےؑ نے یہ کی عرض کہ اے بار خدا مقبول تر کون ہے بندوں میں سوا ارشاد ہوا۔ بستہ ہمارا وہ ہے جو بے سکے اور نہ لے بہی کا بد لا

حسن بن صبر نے خواجہ کے ساتھ مناقشہ کارروایاں کیں اسکا اندہ اویون ہو سکتا تھا کہ وہ قتل کروا جاتا مگر نہیں خواجہ نے ملک شاہ سے سفارش کر کے اسکی جان بچالی اور دار السلطنت سے باہر چلے جانے کا حکم دیا اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اپنے قاتل کا بھی خون معاف کر دیا۔ البتہ اگر خواجہ کے دامن پر عید الملک گندری کے خون کا دھبہ نہ ہوتا۔ تو انصاف یہ ہے کہ اس صفت میں وہ تمام وزرا سے ممتاز ہوتا۔ تاہم ایک خاص واقعہ سے اسکی

سیکڑوں نیکیاں برابر دینیں ہو سکتی ہیں۔

خاموشی خداوند عالم نے حیوان پر انسان کو جن اسباب سے فضیلت بخشی ہے۔ منجملہ اسکے ایک سبب نطق (گویائی) بھی ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ انسان اور حیوان میں یہی حد فاصل ہے۔ مگر انسان جب طرح سے خدا کی اور نعمتوں کا قدر شناس نہیں ہے، اسی حیثیت سے اس نعمت کو بھی برباد کرتا رہتا ہے۔

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں میں خاموشی کی صفت کمتر ہوتی ہے۔ اور فضول گفتگو میں زیادہ وقت ضائع کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ مدبر ہیں اور حکیمانہ دماغ رکھتے ہیں خاموشی کا وصف ضرور ہوتا ہے۔ تاریخ کامل میں خواجہ کو طویل القامت کے خطاب سے یاد کیا ہے یعنی وہ اکثر خاموش رہتا تھا۔ بات نہایت کم کرتا تھا۔ اور غیر ضروری باتوں میں کبھی مداخلت نہ کرتا تھا۔

حکمت علی (د) الپ ارسلان کے انتقال پر جب ملک شاہ تخت نشین ہوا، تو سب سے پہلے اُسکو اپنے عزیزوں سے خانہ جنگی کرنا پڑی۔ چنانچہ شہنشاہ کا واقعہ ہے کہ ملک شاہ کا چچا قادر بیگ تاج و تخت کا دعویدار ہو کر کرمان سے رے کی طرف بڑھا۔ جب ملک شاہ کو اس فوجی نقل و حرکت کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مدافعت کے لیے تیار ہو کر نکلا۔ خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ رکاب تھا۔ چنانچہ شعبان کے مہینے میں بمقام ہمدان دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اور تین رات دن کی لڑائی کے بعد قادر و گرفتار ہو گیا۔ جب فوجی سردار مبارکباد کے لیے

سلطہ کامل اخیر حالات خواجہ۔ داتا گیلانی۔ الپ ارسلان کو یوسف خوارزمی نے ساتویں بیچ الاول
شہ ۶۶۵ کو قتل کیا تھا جو مطابق ہے ۱۰۷۱ ستمبر ۱۰۷۱ء کے دیکھو کتاب التوفیقات الامامیہ صفحہ ۱۰۷۱
محمد مختار پاشا ہائی کمانڈر صفحہ ۲۳۳۔

حاضر ہوئے تو انھوں نے خود اور نیز سپاہیوں کی طرف سے خواجہ کو یہ پیام دیا کہ اس فوج کے صلے میں بقدر مراتب انعام دیا جائے۔ اور اگر سلطان نے اس درخواست کو قبول نہ فرمایا تو بلحاظ اس عام ہمدردی کے جو فوج کو قاور کے ساتھ ہے کچھ عجب نہیں ہے کہ تاج شاہی قاور کے سر پر ہوا اور حیرت بھی اسی کے تخت پر سایہ افکن ہو۔ خواجہ نے ارکانِ فوج کا یہ پیام نہایت تحمل سے سنا مگر انھیں مطمئن کر دیا کہ میں آج ہی بارگاہِ سلطانی میں عرض کروں گا۔ اور شب کو سلطان سے مشورہ کر کے قاور کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ علی الصبح جب فوجی سردار سلطان کا جواب سننے کو حاضر ہوئے تو خواجہ نے کہا کہ قاور وہی گئے رات کو زہر کھا کر خودکشی کر لی ہے اور سلطان اپنے عم کرم کے ماتم میں مصروف ہے۔ یہ موقع عرض حال کا نہیں ہے۔ چنانچہ سب سردار چپ چاپ رخصت ہو گئے۔ اور ایک عظیم الشان خطبہ پڑھ دیا گیا۔

(۲۱) قاضی ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جب قاور و ملک شاہ کے سامنے آیا تو اس نے جرمِ بغاوت سے معافی چاہی مگر ملک شاہ نے کوئی عذر نہ سنا۔ تب قاور نے صفائی میں ایک خریطہ پیش کیا۔ جو ارکانِ سلطنت کے خطوط سے بھرا ہوا تھا۔ اور ہر خط میں قاور نے یہ استدعا کی گئی تھی کہ وہ ملک شاہ پر فوج کشی کرے۔ اس طوار کو دیکھ کر سلطان نے خواجہ کو طلب کیا اور خریطہ دیکر حکم دیا کہ ”ایک ایک خط پڑھ کر سناؤ“ خواجہ نے سلطان کے ہاتھ سے خریطہ لے لیا۔ اور خیمے کے اندر جو اچھٹی دھک رہی تھی وہ تمام خطوط آئین ڈال دیے۔ جو

آپ واحد میں جکڑ کر رکھ ہو گئے۔ اس عجیب و غریب کارروائی سے امرائے دربار کو تسکین ہو گئی۔ کیونکہ انہیں وہ اکثر امواجو دستے جنہوں نے قاور سے خط و کتابت کی تھی۔ اگر یہ خطوط پڑھے جاتے جو اشتعال طبع کی حالت میں معلوم نہیں کہ طرفین سے کیا کارروائی ہوتی اور اسکا اثر سلطنت پر نہایت خراب پڑتا مگر خواجہ کی اس عاقلانہ کارروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام ارکان سلطنت نے کامل وفاداری کا اظہار کیا اور دلی جوش سے سلطنت کی خدمت کی تاکہ بلگامی کا دھبہ باقی نہ رہے۔

مؤرخ مذکور لکھتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعات خواجہ نظام الملک کے ہیں۔ اور صرف یہی ایک کارروائی ایسی دوراندیشی پر مبنی تھی جسکی وجہ سے ملک شاہ کی سلطنت کو استقلال اور استحکام ہو گیا۔ اور آئندہ اسقدر فتوحات ہوئیں کہ تاریخ اسلام میں خلفائے متقدمین کے بعد کوئی سلطنت اس وسعت کو نہیں پہنچی۔

خواجہ کے اخلاق و عادات کے متعلق جسقدر لکھنا چاہیے تھا اسکا دسواں حصہ بھی نہیں لکھا گیا ہے۔ جبکہ باعث یہ ہے کہ اس عنوان پر مورخین نے بہت کم لکھا ہے۔ جسقدر واقعات موجود تاریخوں میں ملے وہ ہننے لکھ دیے ہیں۔ لیکن اگر کوئی مبصر خواجہ کی تصنیفات اور خطوط کو پڑھے جو اس نے اپنے بیٹوں کو لکھے ہیں تو اس کے طرز معاشرت اور اصول زندگی سے واقف ہو کر مفید نتائج اخذ کر سکتا ہے۔

۱۔ ابن خلکان صفحہ ۱۲۳ جلد ۲۔ ۲۔ خواجہ نظام الملک کے تصنیف کے پورے خلاصے دیکھو

حصہ میں موجود ہیں۔ اور خطوط ناظرین پڑھ چکے ہیں

خواجہ نظام الملک کی خانگی زندگی

شادی | خواجہ نظام الملک کی پہلی شادی کس خاندان میں ہوئی اسکی صحیح تاریخ بتانا مشکل ہے لیکن کامل اثیر کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ جب خواجہ نظام الملک ابوعلی احمد بن شاذان والی بلخ کے دربار سے بھاگ کر سلطان جعفر بیگ داؤد پیلوئی کے دربار میں بمقام مرو پہونچا ہے۔ اسوقت خواجہ کے دولہے کے عین الدار (مؤید الملک ابو بکر عبید اللہ) اور مظفر (مظفر الملک ابو الفتح مظفر) موجود تھے۔ اور یہ دونوں لڑکے غالباً خواجہ کی پہلی بی بی سے ہونگے۔ اگرچہ خواجہ کی شادی کے تفصیلی حالات ہم کو کین نہیں ملے۔ مگر واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شادی وطن میں ہوئی ہوگی۔ جبکہ خواجہ امام موفق کی درس گاہ سے واپس آیا ہے۔ یا یہ وہ زمانہ ہوگا جب کہ وارا العلوم بخارا سے خواجہ ما وارا النہر کے سفر کو روانہ ہوا ہے لیکن دوسرا عقد خواجہ کا ۵۳۵ھ میں ملکہ گرجیہ سے ہوا جسکی تفصیل یہ کہ سنہ مذکور میں جب سلطان الپ ارسلان سلجوقی عیسائیوں سے جہادی لڑایاں لڑتا ہوا اٹحاز میں پہونچا تو وہاں کے حکمران بقراط بن کیورکی نے جو عیسائی تھا صلح کا پیام دیا اور اپنی بیٹی کا عقد سلطان سے کر دیا۔ اسکے معاوضہ میں سلطان نے بقراط کو امان دی۔ اور جو تحائف اُس نے پیش کیے وہ منظور کیے گئے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد سلطان نے اس ۵۳۷ھ صفحہ ۷ جلد ۱ کا لائبریری صوبہ ازمن میں شہر فلپس کے قریب ایک تنگ پٹاری کے اہلین یہ تاجیہ واقع تھا اور جسکے راستے پھیرا سے تھے۔ ان دنوں یہ عیسائیوں کا ایک محفوظ مقام تھا اب اس نام کا کوئی مقام نہیں ہے اور یہ علاقہ گورنمنٹ روس کے قبضے میں ہے۔ مراصد الاطلاع ازہتہ القلوب۔

ہیکم کو طلاق دیدیا اور اپنی خوشی سے خواجہ نظام الملک کے ساتھ عقد کر دیا۔ چنانچہ ملکہ گرجیہ سے خواجہ کے کئی بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے ایک خواجہ احمد رضا، الملک ابو نصر احمد بھی ہے۔ اسکے علاوہ خواجہ نظام الملک کے اور کسی عقد کا حال معلوم نہیں ہوا۔ اور نہ اسکی تفصیل معلوم ہے کہ کون لڑکا یا لڑکی کس ہیکم کے بطن سے ہے۔

خواجہ نظام الملک کی اولاد

یہ مسلم ہے کہ دنیا کی کوئی خوشی اور نعمت سلطنت اور وزارت کے برابر نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی کسے بڑھکر یا ہم تہہ اگر کوئی مسرت اور دولت ہو سکتی ہے تو وہ صرف اولاد ہے ؟ جس گھر میں دو چار بچے ہوں وہ ان کی چیل پیل اور رونق پھولوں کے تختے سے کم نہیں ہوتی ہے۔ اور جس گھر میں یہ نہوں اُس گھر کو قبر کننا زیادہ مناسب ہے۔

تینے اکثر شاہوں اور وزرا وغیرہ کے حالات میں پڑھا ہوگا کہ اولاد کی تنہا میں اُنھوں نے کیا کیا مصیبتیں اُٹھائی ہیں منزلوں پیدل چلکر درگاہوں پر چادرین پڑھائی ہیں، روزے رکھے ہیں اور منتیں مانی ہیں اور اس خاک چھاننے پر بھی نخل آرزو بار آور نہیں ہوا ہے۔ لیکن خواجہ نظام الملک کو اس حصے میں بھی ہم خوش نصیب پاتے ہیں۔

خواجہ نظام الملک بیٹوں کی طرف سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہم طالع تھا۔ خواجہ کا باپ علی، دولت بلوچیہ میں صاحب الخراج کے عہدے سے آگے نہیں بڑھا اور وہ بھی چند سال۔ لیکن خواجہ اس درجہ پر پہنچا کہ اسکی ناموری نے علی کے نام کو بھی چمکا کر تاریخ میں داخل کر دیا۔

لیکن باپ کے مقابلہ میں خود ایسا خوش نصیب ہوا کہ اسکے متعدد بیٹے اور پوتے شاہانِ سلجوقہ اور خلفائے عباسیہ کے وزیر ہوئے اور خاندان میں بانٹے برس تک وزارت کا سلسلہ قائم رہا۔ حقیقت میں نظام الملک نہایت خوش قسمت باپ تھا جو خود جوہر کمالات سے آراستہ تھا اور بیٹوں کی شہرت نے اُسکے نام کو اور بھی دنیا میں روشن کر دیا تھا۔

جسقدر تاریخین (اسوقت تک) ہماری نظر سے گزری ہیں اُن میں خواجہ کے دس بیٹوں کے نام ملتے ہیں حالانکہ صحیح روایتوں کے مطابق خواجہ کے بارہ بیٹے تھے چنانچہ اخیر زمانہ میں حرکان خاتون (ملک شاہ کی بیگم) نے جب ملک شاہ کو خواجہ کی طرف سے امور سلطنت میں بدظن کیا ہے تو بمغفلہ ہم شکایت یہ بھی تھی کہ ”نظام الملک کے بارہ بیٹے ائمہ اشاعرہ کی طرح تمام سلطنت پر حکمران ہیں“

اُن وزیر زادوں کے حالات بہت کم تاریخوں میں تحریر ہیں لیکن پھر بھی جسقدر روایات و حالات ملتے ہیں انکو ہم تفصیل سے تاریخ آل سلجوق میں اُن بادشاہوں کے تحت میں لکھ دیا ہے جنکے عہد میں وہ درجہ وزارت یا امارت پر متنازع تھے۔ لیکن اس جگہ پسبیل تذکرہ صرف انکے ناموں کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ فخر الملک ابو الفتح مظفر۔ ۲۔ جمال الملک ابو منصور۔

۳۔ ضیاء الملک ابو نصر احمد۔ (یا) سعد الملک قوم الدین ابو نصر احمد

قوم الدین نظام الملک صدر الاسلام۔ ۴۔ مویذ الملک ظہیر الدولہ ابو بکر عبید اللہ

۵۔ اتھار الزماں بھی خواجہ کے بارہ بیٹے لکھے ہیں خواجہ کے دو بیٹوں کا نام ابو جود تلاش کے اسوقت تک نہیں معلوم ہوا

۵۔ شمس الملک عثمان۔ ۶۔ عماد الملک ابوالقاسم۔

۷۔ عز الملک ابو عبد اللہ حسین۔ ۸۔ عبد الرحیم۔

۹۔ ابوالبرکات عماد الدین۔ ۱۰۔ علی۔ ۱۱۔ صفیہ۔

آلِ اولاد سے محبت | خواجہ کے خانگی زندگی کے عام حالات کسی مورخ نے نہیں لکھے ہیں۔

لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو اپنی اولاد سے از حد محبت تھی لیکن کاروبارِ سلطنت کی وجہ سے خواجہ کے بیٹے اکثر دور دراز ممالک میں رہا کرتے تھے اور وہ انکے فراق میں بیقرار ہو جایا کرتا تھا۔ اور جب یہ لڑکے سامنے آتے تو بعض اوقات سینے سے لگا کر رونا اور اسکو اپنی قید کی زندگی (تعلقات و زارت) پر افسوس ہوتا تھا۔

خواجہ نظام الملک کی وزارت کا خاتمہ۔

ملک شاہ سے مخالفت اور قتل کے مفصل حالات

خواجہ نظام الملک کے قتل کا واقعہ بھی تاریخ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ خواجہ کا قاتل فرقہ باطنیہ کا ایک فدائی تھا۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ فدائی نے

۱۔ خواجہ کی بیٹیاں بھی لگی تھیں۔ مگر جو صفیہ کے اور کوئی نام نہیں ملا صفیہ خاتون کی مسلمین میں مقام بلند و عیدالدولہ بنو مسلم ابن غزالہ دولہ بن جبر سے شادی ہوئی اور شاہ حسین اسی جگہ انتقال ہوا۔ عیدالدولہ خلیفہ مقتدی کا وزیر تھا۔ ہوتو قتل ہوئے پر خواجہ کی سفارش پر جبر دوبارہ مقرر ہوا تو ابن جبر نے عیدالدولہ کی حیران یہ شعر لکھا۔

لولا صفیہ ہما مستور ہذا ثانیۃ فاشکر حضرت مولانا وزیرہ

خواجہ کے پوتے کا حال بھی اپنے واقعہ تاریخ آلِ ملوک میں تحریر ہے۔ لغز صفیہ ۵۴۸ مطبوعہ حضرت تاریخ آلِ ملوک صفحہ ۱۰۱۔

۲۔ حسن بن صالح کے حالات میں لفظ باطنیہ اور فدائی کی تشریح کی گئی ہے (دیکھو دوسرا حصہ)۔

کسکے حکم سے خواجہ پر حملہ کیا تھا۔ مورخین میں ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ”خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا“ دوسرا اسکا قائل ہے کہ ”تاج الملک ابوالغلام کی سازش کا یہ نتیجہ ہے“ تیسرا راوی ہے کہ ”حسن بن صباح کے اشارے سے خواجہ کا کام تمام ہوا لیکن تا وقتیکہ مفصل طور پر اسباب مخالفت معلوم نہوں کسی فریق کی نسبت کوئی صحیح رے قائم نہیں ہو سکتی ہے۔ لہذا اول اُن اسباب کو ہم مستقنہ تاریخوں سے نقل کرتے ہیں۔ جس سے امر متنازعہ کے فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

اصول عامہ (۱)۔ سب سے پہلے بطور اصول موضوعہ مان لینا چاہیے کہ جب بادشاہ کسی امیر یا وزیر السلطنت سے ناراض ہوتا ہے تو اسکا ہر فعل گناہ اور ہر کام معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ابتداءً جزئی جزئی واقعات سے شتمعال پڑھتا ہے۔ اور اخیر میں جب وزارت سلطنت پر پورا قبضہ کر لیتی ہے اور بادشاہ برلے نام رہ جاتا ہے تو اسوقت بادشاہ کی طرف سے جو کارروائی وزیر کے خلاف عمل میں آتی ہے وہ عام نظروں میں ظالمانہ بھی جاتی ہے مگر حقیقت میں بقائے سلطنت اور دوام حکومت کے لیے اسکا ہونا ضروریات سے ہے۔ اور یہ وہ مستحکم قانون ہے کہ چونہ صرف سلطنت میں بلکہ دنی سے ادنیٰ حاکم اور محکوم میں بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہیگا۔ جسکے نظائر ہر قوم اور ہر ملک کی تاریخ میں موجود ہیں۔ اور خواجہ نظام الملک کے قتل کا واقعہ بھی انھی نظائر کا ایک جز ہے۔

۲۔ طبقات الکبریٰ کی روایت ہے کہ سب سے پہلے ۶۴۳ھ میں ملک شاہ نے کی پہلی شکایت
۳۔ طبقات الکبریٰ حالات خواجہ نظام الملک کا اُلّٰیہ صفحہ ۴۴۔ جلد ۱۰ تاریخ آل سلجوق حماد الدین اصفہانی حالات خواجہ، و آئندہ اور ذاسیاف الدین سے یہ واقعہ کھل گیا ہے۔

خواجہ نظام الملک کی شکایت ہوئی جسکی تفصیل یہ ہے کہ سلطان کا ندیم خاص اور رازدار اور تمام امرا سے زیادہ مقرب خواجہ نظام الملک کا داماد سید الرؤسا ابوالحسن محمد تھا چنانچہ ابوالحسن نے سلطان سے یہ شکایت کی کہ ”خواجہ نے تمام سلطنت پر قبضہ کر لیا ہے اور امصار و دیار کو ویران کر کے اپنا گھرال و دولت سے بھر لیا ہے۔ اگر سلطان خواجہ کو میرے حوالہ کر دے تو اس معاوضہ میں دس لاکھ دینار (ایک دینار پانچ روپیہ کا ہوتا ہے) داخل خزانہ کروں“

ملک شاہ نے تو اس شکایت اور درخواست پر کوئی توجہ نہیں کی۔ لیکن جب خواجہ کو اپنے سعادتمند داماد کی مخبری کی اطلاع ہوئی تو اسنے سب سے پہلے اپنے ترکی غلاموں کو جمع کیا، جو تعداد میں کئی ہزار تھے۔ پھر انکو اصطبل خاص سے گھوڑے دیکر آلات حرب سے مسلح کیا۔ اور جب یہ ترکی رسالہ تیار ہو گیا۔ تو خواجہ نے ملک شاہ کی دعوت کی اور رخصت کے وقت نفیس اور بیش قیمت ہدیہ پیش کیے اور سب سے اخیر میں غلاموں کا معاینہ کرایا۔ اور ملک شاہ کو مخاطب کر کے کہا کہ ”اے سلطان! میں نے آپ کی اور نیز آپ کے بزرگوں کی خدمت کی ہے۔ میرے حقوق آپ پر بہت کچھ ہیں۔ آپ سے کہا گیا ہے کہ میں نے آپ کی دولت سے اپنا خزانہ بھر لیا ہے یہ مجھے تسلیم ہے اور بالکل سچ ہے۔ لیکن اس دولت سے میں نے یہ فوج تیار کی ہے علاوہ برین صدقات خیرات اور اوقات میں بھی ایک کثیر رقم خرچ ہوتی ہے اور ان تمام مصارف کا منشا صرف آپ کی شہرت اور ناموری ہے۔ اور آخرت میں اسکا ثواب بھی آپ ہی کو ملیگا۔ اسوقت میری تمام دولت

اور جاگیر آپ کے سامنے ہے۔ اور میں صدق دل سے کہتا ہوں کہ

سپر دم ہو یا نہ ہو خیش را تو دانی حساب کم و بیش را

پھر عارض کو حکم دیا کہ ”ان غلاموں کا نام فہرست سلطانی میں درج کرو“ اور اپنی نسبت کہا کہ ”مجھے اوڑھنے کو ایک گدڑی اور پڑ رہنے کو ایک گوشہ کافی ہے“

جب خواجہ نے یہ تقریر کی تو ملک شاہ کا دل صاف ہو گیا۔ لیکن ابوالحسن کی نسبت حکم دیا کہ کسی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائی پھیری جائے اور قلعہ ساوہ میں قید رہے۔

جب ابوالحسن کے والد کمال الملک بن ابورضا کو اس حکم کی اطلاع ہوئی تو اُس نے خواجہ معانی مانگی۔ اور تین لاکھ دینار بطور جہانہ داخل خزانہ شاہی کر کے امن کا طالب ہوا۔

مگر خواجہ نے ابوالحسن کا قصور معاف نہیں کیا۔ بلکہ کمال الملک کو بھی دیوان الانشا والطرغ کی خدمت سے موقوف کر دیا۔ اور اس عہدے پر اپنے بیٹے مویہ الملک کو مقرر کیا

گویہ سچ ہے کہ ابوالحسن کی فنکایت پر ملک شاہ نے خواجہ نظام الملک سے بظاہر مخالفت نہیں کی لیکن حقیقت میں اُس کے آئینہ دل پر بدگمانی کا ایک ہلکا سا غبار ضرور چھا گیا تھا۔

۳۔ تاریخ نگارستان میں لکھا ہے کہ ”جب مویہ الملک کو دیوان الانشا کی خدمت سپرد ہوئی۔ تو اول اُس نے اپنے نائب ابوالخٹار زوزنی (لقب بہ ادیب) کو موقوف کر کے

استاد اسماعیل اصفہانی کو مقرر کیا۔

سلف دیوان الانشا، وطرغ ایک بڑے دفتر کا نام ہے جو وزیر کے تحت ہوتا تھا۔ جسکی تفصیل حصہ دوم میں تحریر ہے۔
سلف ابوالحسن حسین بن علی بن محمد بن عبدالصمد الملک مویہ الدین طغرائی اصفہانی، اپنے زمانہ کا نہایت نامور ادیب اور شاعر ہے۔ ابن خلکان نے قصیدہ لامیہ لعل نقل کیا ہے۔ جس سے طغرائی کے (باقی آئندہ)

ادیب نے بہت کوشش کی کہ مویہ الملک خسانہ ہو، اور وہ پھر اپنی جگہ پر مقرر ہو جائے، مگر مویہ الملک نے کوئی سماعت نہیں کی تب مجبور ہو کر ادیب، ملک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سلام کر کے موب کھڑا ہو گیا سلطان نے ادیب کو پریشان حال دیکھ کر فرمایا کہ کچھ کہنا چاہتے ہو تو عرض کرو؟ چنانچہ ادیب نے تمام واقعات سلطان کے گوش گزار کیے۔ چونکہ ادیب دفتر انشا کا قدیم اہل کار تھا۔ اور سلطان اُسکے فضل و کمال سے خود بھی واقف تھا۔ لہذا سلطان نے قاضی مظفریہ فوج کا قاضی تھا جسکو زمانہ حال کی مصلحت کے مطابق مجسٹریٹ چھاونی کہنا چاہیے کو بلا کر حکم دیا کہ ”تم اسی وقت مویہ الملک کے پاس جاؤ اور بادولت کی جانب سے کہو کہ ”خدا کے فضل سے سلطنت بہت وسیع ہے۔ اور دیوان الانشا میں ادیب ایسے متعدد و شخاص کو جگہ مل سکتی ہے۔ یہ سلطنت کا قدیم کھوار ہے۔ اسکو کسی خدمت پر مقرر کر دو“ چنانچہ قاضی مظفر ادیب کو مویہ الملک کے پاس لے گئے اور سلطان کا حکم سنایا۔ جسکے جواب میں مویہ الملک نے کہا کہ ”خداوند عالم دماک شاہ کا ارشاد میں بسر و چشم منظور کرتا مگر میں نے قسم کھائی ہے کہ ابوالختار کو کوئی خدمت نہ دوں گا“ اب اگر اسکے خلاف کروں تو میری قسم ٹوٹ جائیگی“ مویہ الملک کا جواب سن کر قاضی مظفر حیرت زدہ رہ گیا۔ اور مویہ الملک سے نصیحت کیا کہ ”آپ کا یہ جواب سلطان سے عرض کرنے کے لیے لائق نہیں ہے اور اسکے نتائج نہایت خراب ہوں گے“ مگر مویہ الملک نے کچھ پروا نہ کی۔ تب مجبور ہو کر قاضی مظفر نے مویہ الملک کا جواب سلطان سے عرض کر دیا۔ قاضی صاحب کا قول ہے کہ ”مویہ الملک سے بقیہ صفحہ ۱۶۸) زور قلم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نظام الملک کی طرح میں بھی تھکا لکھے ہیں۔ اخیر عمر میں مسودین محمد بلوچی کا وزیر ہو گیا تھا۔ صفحہ ۱۶۸ میں قتل ہوا ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۵۹۔

ایسا خلافت امید جواب شکر سلطان کارنگ نخصہ سے تنغیر ہو گیا اور اسی حالت میں ہ فرمایا کہ امویہ ابوالختار کو جگہ دینے سے قسم کھائی ہے۔ مگر میں نے قسم نہیں کھائی ہے۔ پھر تنغاج حاجب کو بلا کر حکم دیا کہ نابہ دولت نے ابوالختار کو موید کی جگہ پر دیوان الافشا کا افسر مقرر کیا۔ خلعت پہنا کر اسی وقت دارالانشائین لے جاؤ اور خلعت کے ساتھ کمال الملک کا خطاب بھی مرحمت فرمایا۔

موید الملک نے ملک شاہ جیسے عظیم نشان خود مختار بادشاہ کو جو گستاخانہ جواب دیا اس کی معمولی سزا تو قتل تھی۔ مگر یہ نظام الملک کی وزارت کا اقتدار تھا کہ ملک شاہ نے موید الملک کو صرت معزول کر دیا۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ خواجہ کے ماتحت علمین ملک شاہ نے دست اندازی کی تھی۔

۴۔ اخیر زمانے میں ملک شاہ کو "ترکان خاتون" نے بظن کر دیا تھا۔ اور کوئی من نرکان خاتون کی خفیہ کارروائیاں ایسا نہوتا تھا جو خواجہ اور اس کی اولاد کی برائیاں ملک شاہ سے نہ کی جاتی ہوں۔ اور اس کا یہ سبب تھا کہ خاتون اپنے بیٹے محمود کو ولیعہد سلطنت کرنا چاہتی تھی۔ مگر بغیر اعانت خواجہ یہ امر محال تھا۔ اور خواجہ نے خاتون سے صاف کہہ دیا۔ "اکہ" ولیعہدی شاہزادہ بر کیا ر ق کا حق ہے۔ کیونکہ

سلطہ ترکان خاتون جو حرم بزرگ اور خاتون جلالیہ کے نام سے مشہور ہے۔ عمادالدولہ طغاج خان ابوالغفر ابراہیم ابن نصر الملک کی بیٹی تھی۔ یہ خاندان نسل افراسیاب سے ہے۔ جو سمرقند اور فرغانہ میں حکمران تھا۔ سلسلہ ہجری میں ملک شاہ نے ترکان خاتون سے عقد کیا تھا۔ ترکان خاتون دنیاؤ ان ممتاز عورتوں میں سے تھیں کہ جو عقل و فراست میں ضرب المثل تھیں۔ معاملات ملی میں اس کی چالیں نہایت زبردست پڑتی تھیں۔ اور ملک شاہ اس کی کسی بات کو نہ نہ کرتا تھا۔ ملی مشورہ میں بھی شریک رہتی تھی۔ خلفائے ابتدا سے ملک شاہ نے جو رشتہ داری پیدا کی یہ بھی ترکان کی ایک حکمت علی تھی۔ رمضان ۷۷۷ھ میں بمقام صہبانی انتقال کیا انتہا۔ از دالہ المنثور فی طبقات بات اخذ ور۔ صفحہ ۱۰۶۔ ملک شاہ کے انتقال پر پچاس بیٹے بر کیا ر ق، محمد، سبخت اور محمود موجود تھے۔ بر کیا ر ق ۷۷۷ھ میں بادشاہ محمود ۷۷۷ھ میں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ بر کیا ر ق سب سے بڑا اور محمود سب سے چھوٹا۔ لیکن دباقی آیت نہ ظہر

برکیارق میں علاوہ اولاد اکبر ہونے کے عقل و دانش کی علامتیں اور بھانڈاری کے آثار موجود ہیں۔ اور اُسکی والدہ بربیدہ یا قوتی بن داؤد کی بیٹی ہے (ملک شاہ کے چچا کی بیٹی تھی) اور سلجوقیہ ہونے کی وجہ سے ہر طرح اسی کا حق ہے۔ اسکے مقابلہ میں محمود کو اہل توحہ نہیں ہے اور اسوا اسکے وہ بالکل بچہ ہے۔ میں کسی طرح ملک شاہ سے محمود کی ولیمہ دہی کی سفارش نہیں کر سکتا ہوں، چنانچہ خاتون خواجہ کے اس جواب سے سخت ناراض تھی۔ اور ہر وقت خواجہ کی فکر میں رہا کرتی تھی۔ مگر جب اُسکو برائی کا کوئی پہلو نہیں ملا تب سلطان سے کہا کہ ”نظام الملک نے اپنے بارہ بیٹوں کو ائمہ اثنا عشر کی طرح تمام ملک پر حکمران کر دیا ہے اور وہی تمام سلطنت کے مالک ہیں“

آخر کو یہی فقرہ کار گر ہو گیا۔ اور خواجہ کے زوال و زارت کا یہی سبب ہوا جسکی تصدیق خواجہ کی

(بقیہ صفحہ ۱۷۰) ترکان خاتون کے زور سے ملک شاہ محمود کے حق میں وصیت کر گیا تھا چنانچہ ۵۸۷ھ میں جب ملک شاہ کا انتقال ہو گیا تو برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کی دیکھو کہ اسوقت ترکان خاتون مع محمود کے یہاں مقیم تھی، لیکن خاتون نے ڈر کر سلطنت کو تقسیم کر دیا یعنی اصفہان مع متعلقات محمود کے قبضہ میں رہے اور باقی سلطنت پر برکیارق حکومت کرے مگر برکیارق کی قسمت سے محمود کا انتقال ہو گیا (اسوقت محمود کی عمر سات برس کی تھی) اور برکیارق کل سلطنت کا مالک قرار پایا یہ واقعہ ۵۸۷ھ کا ہے چار برس کے بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے سرکشی کی اور عراق پر قبضہ کر لیا لیکن مسلسل خانہ جنگیوں کے بعد سلطنت میں دو نون بھائیوں نے صلح کے ذریعے سے پھر سلطنت کو تقسیم کیا۔ چنانچہ شام عراق، موصل، آذربایجان، ارمنیہ کا ملک محمد کے حصے میں آیا۔ اور بقیہ ملک پر برکیارق کی حکومت رہی۔ ربیع الآخر ۵۹۱ھ میں بمقام بروجہ برکیارق کا انتقال ہو گیا اور سلطان محمد بلا شرکت غیرے حکمرانی کرنے لگا، اور اسی کی اولاد میں آخر تک حکومت رہی ملک شاہ کا سب سے بڑا لڑکا احمد تھا اور یہی ولیمہ دہی تھا مگر ۵۹۸ھ میں گیارہ برس کا ہو کر فوت ہو گیا تب برکیارق کا بیٹا محمد ہوا تھا۔ ملک شاہ کے انتقال پر جو بھائیوں میں خانہ جنگی ہوئی ہے اکی تفصیل دینے سے تاریخ آں بلوق میں لکھی ہے وہاں ہی آئیڈ

حسب ذیل تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ مہدی سنت کہ حرم بزرگ (ترکان خاتون) را از سن طلال واقع ست (بواسطہ آنکہ میخواست تا پادشاہ ولایت عہد خود بفرزند او محمود بد) و خاطر می آرد! مخوف و ہر چند بر اطراف و جوانب میگرد و میخواست تا مفسدہ بمن اسناد کند کہ موجب تغیر فرج سلطان باشند از جمیع بد سگلمان من و مخالفان من ہننطاق میکنند بیچ طریق میسر نمیشود و بیچ نمیتواند گفت الا آنکہ خواجہ مملکت را بر فرزند ان خود قسمت نموده اگر چہ کسی دیگر مطلع نیست ولیکن ہمین امر معلوم است کہ این سخن در باطن سلطان تا شیر کڑوہ - انشاء اللہ تعالیٰ محمود و العاقبتہ باشد و بخیر بگذرد

مخافت کا جو پہلو ترکان خاتون نے تلاش کیا تھا وہ بہت زبردست تھا اور نظام الملک کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ صرف یہی ایک سبب اس کے زوال حکومت کا باعث ہوگا۔ جسکے انجام بخیر ہونے کی اس نے خدا سے دعا مانگی تھی۔

تاج الملک کی سازش | ۵۔ تاج الملک ابوالغنائم المرزبان بن خسرو فیروز قہر کا باشندہ تھا۔ اور اس کے بزرگ سلاطین فارس کے دربار میں وزارت پر ممتاز تھے۔ چنانچہ اسی خاندانی وجاہت اور شرافت کی وجہ سے امرے سلجوقیہ مرزبان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ابتر مرزبان سرہنگ سا نگین (دولت سلجوقیہ کا ایک امیر الامرا) کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ مگر امیر مذکور نے اس کو ایک جوہر قابل سمجھ کر ملک شاہ کی حضور میں پیش کیا۔ اور یہ سفارش کی کہ مرزبان دربار سلطانی کے لائق اور ہر طرح سے قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ سلطان نے مرزبان کو ناظر

بقیہ صفحہ ۱۷۱ | انتخاب از بدۃ النصرہ و کامل الخیر۔ در وصف الصفات حالات نظام الملک۔

۱۔ کتاب الوصایا خواجہ نظام الملک۔

حرم سرا اور منتظم خزانہ مقرر کر دیا۔ اسکے سوا کچھ حصہ ملک اور فوج کی نگرانی بھی سپرد کی گئی۔ اور سب سے بڑھ کر جو اعزاز کا ذریعہ ہوا وہ ترکان خاتون کی نیابت (پرائیوٹ سکرٹری) تھی اور انہی خدمات کے صلہ میں تاج الملک کا خطاب بھی مرحمت ہوا تھا۔ اور چونکہ انتظامی قابلیت کے ساتھ فصاحت و بلاغت کا بھی جوہر رکھتا تھا اس لیے اخیر زمانہ میں ملک شاہ نے دیوان الانشا و الطغرا کا فسر بھی مقرر کر دیا تھا اور خاتون کی حمایت کے بل پر وزارت عظمیٰ کا بھی اسیدوار تھا۔ اور چونکہ دیوان الانشا کی فسر کی وجہ سے سلطنت اور وزارت کے اہم معاملات سے قوت ہو گیا تھا۔ اس لیے تاج الملک خواجہ کے اسباب انقلاب وزارت پر غور کیا کرتا تھا۔ اور جب کوئی مفید مطلب پہنچتا تو ترکان خاتون سے کہہ دیتا تھا۔ اور خاتون موقع محل سے واقعات پر بلع کر کے سلطان کی حضور میں پیش کر دیا کرتی تھی۔ چنانچہ محل کے اندر تو یوں کارروائی ہوتی تھی۔ اور باہر کا یہ حال تھا کہ تاج الملک نے خواجہ نظام الملک کے ماتحت علمہ میں سے مجدد الملک مستوفی اور سدید الملک عارض وغیرہ کو اپنے گرد و میں شامل کر لیا تھا۔ اور اب متفقہ مشورے سے نظام الملک کی وزارت کا نظم نہ کیا جاتا تھا مگر وجود ان کو ششونکے خود ملک شاہ اور تاج الملک کی طاقت سے یہ باہر تھا کہ فوراً نظام الملک کو معزول کر دیں۔ کیونکہ خواجہ سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک تھا اور تمام مملکت پر اس کا سکہ مٹھا ہوا تھا مگر بان ! ان کارروائیوں سے یہ ضرور ہوا کہ آہستہ آہستہ سلطان کا مزاج بگڑتا گیا۔ مگر خواجہ نظام الملک کو عقل و فراست اور ذہنی تحقیقات سے جہاں تک تاج الملک کے جوڑ توڑ معلوم ہو جاتے تھے۔ وہ اپنی حکمت عملیوں سے انکو دفع کر دیتا تھا۔ مگر جو کارروائیاں درپردہ ہوتی تھیں ان کا خواجہ کو

پتہ بھی نہ لگتا تھا جب تاج الملک کا کوئی عمل کارگر نہوا تو اس نے حسن بن صبیح سے سازش کی جس کا خاتمہ خواجہ کے قتل پر ہوا۔ (تفصیل آئندہ باب میں ہے)

۴۔ خواجہ نظام الملک چونکہ ایک مذہبی شخص تھا لہذا اس کی نظر میں خلفائے عباسیہ کی حمایت

کی بڑی عظمت تھی۔ گواس عہد میں دنیاوی جاہ و جلال اور حکومت کے لحاظ سے خلفاء کا درجہ اکبر ثانی اور بہار شاہ (شالمان دہلی) سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ مگر مذہبی حیثیت سے اس ضعیف اور ناتوان خلیفہ کے سامنے بڑے بڑے مغرور اور متکبر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اور آستانہ بوسی کو اپنا فخر اور مصافحہ کی عزت کو سعادت غظلی سمجھتے تھے۔ چنانچہ خلفاء بھی خواجہ کے فضل و کمال اور اقتدار و وزارت کی وجہ سے اس کی غایت درجہ عزت کرتے تھے۔ چنانچہ رمضان ۱۱۰۳ھ میں دوسری مرتبہ جب خواجہ نظام الملک ملک شاہ کے ہمراہ بغداد گیا ہے تو خلیفہ مقتدی بامر اللہ خواجہ کو تخت خلافت کے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ "اے حسن! تجھے خدا بہت خوش ہو گا کیونکہ امیر المومنین تجھے رضامند ہے" خواجہ نے یہ مژدہ سن کر عرض کیا کہ "خداوند تعالیٰ امیر المومنین کی دعا کو مستجاب فرمائے"

جب ملک شاہ کو اس قرب و ختم خاص کی اطلاع ہوئی تو اس کو بہت ناگوار ہوا کیونکہ ملک شاہ مقتدی کو معزول کرنا چاہتا تھا اور اس فکر میں چند سال سے تھا۔ مگر خواجہ ملک شاہ کو ہمیشہ اس کا روائی سے روک دیا کرتا تھا۔ اور اگر خلیفہ سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو درپردہ اس کو ہوشیار کروا کرتا تھا۔ اور ایسے مشورے دیتا تھا جس سے سلطان رضامند ہو جائے۔ چنانچہ ۱۱۰۶ھ میں جب ملک شاہ مقتدی سے ناراض ہوا تو خواجہ نے سلطان کی

بیٹی کا خلیفہ سے عقد کر دیا جسکی وجہ سے بہت سی پیچیدگیاں رفیع ہو گئیں۔ غرض کہ خواجہ کس قسم کی کاروائیاں کر کے ملک شاہ کا عقد دھیکار دیا کرتا تھا۔ اور یہ تمام حکمت عملیاں محض

سلطنت ترکان خاتون اور خواجہ نظام الملک کے مشورے اور دباؤ سے ملک شاہ نے اپنی بیٹی کا عقد خلیفہ مقتدری بامر اللہ سے کیا تھا۔ چنانچہ تاریخ آل سلجوق اور کمال اثیر وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب ملک شاہ بغداد جاتا تھا تو سیکتا جم بھی ساتھ جایا کرتی تھیں اور ترکان خاتون کے ہمراہ شہزادی بھی ہوتی تھی۔ اور اسکے حسن و جمال کی کیفیت سے بھی خلیفہ آگاہ تھا اور جب ضرورت لگی بھی اسکی تفتی ہوئی کہ ملک شاہ سے شادی کا پیام دیا جائے تو خلیفہ نے شوال ۷۸۸ھ میں اپنے نامور وزیر ابو نصر فخر الدین محمد بن حمیر کو اصفہان روانہ کیا چنانچہ ملک شاہ سے خلیفہ کا پیام کہا۔ سلطان نے فرمایا کہ اس معاملہ میں ترکان خاتون مختار ہیں اور ابھی کو "خاتون" کے عقد کا اختیار ہے۔ آپ یہ پیام بیگم سے کہیں۔ چنانچہ ابو نصر خواجہ نظام الملک کے ہمراہ لیکر "خاتون" بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسے دلی کا اظہار کیا۔ خاتون نے فرمایا کہ شاہان غزنین اور اورائے ہند نے بھی اپنے شاہزادوں کی شادی کا پیام دیا ہے۔ اور چار لاکھ دینار نقد ہمدان کا چاہتے ہیں۔ اگر یہ شرط منظور ہو تو مقتدری بامر اللہ کو میں سب سے بہتر سمجھتی ہوں۔ لیکن جب ارسلان خاتون (درویشہ القائلہ بامر اللہ و خیر بیگم داؤد سلجوقی) کو اطلاع ہوئی تو اس نے ترکان خاتون کو سمجھا یا بغیر کسی شرط کے یہ شادی کر دی جائے۔ یہ رشتہ آل سلجوق کے حق میں فخر و مسابحات کا باعث ہوگا۔ چنانچہ بعد از مشورہ طے پایا کہ چاس لاکھ دینار منہجیل پر عقد کر دیا جائے اور یہ بھی شرط ہے کہ خلیفہ کسی دوسری منکوحہ یا کنیز سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ چنانچہ یہ تمام شرطیں طے کر کے صفر ۷۸۸ھ میں فخر الدین بغداد واپس گیا اور مقتدری نے تمام شرائط کو منظور کر لیا۔ اور عقد ہو گیا۔ لیکن ملک شاہ نے اپنی بیٹی کو صرف ستمہہ میں شادی نہ جلوس کے ساتھ بغداد روانہ کیا۔ جسکی تفصیل یہ ہے کہ ایک سو تیس اونٹوں پر چٹکی چھو لیں ویسا ہے رومی کی تھیں اسباب طلاق و نفقہ تھا۔ اور چوبیس ہزار چوبیس سو تیس روپے کی گھنٹیاں لٹکتی تھیں (میش قیمت اور نفیس اسباب تھا۔ اور بچہ چوبیس ہزار چوبیس سو تیس روپے کی قیمتی جواہرات اور زیورات سے بھرے ہوئے تھے۔ اور اس قطار کے آگے تین سو تیس سواری تھے جو شالیتہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور جبکہ نین متعین تھے اور تین عاری تھیں جو لاگت اور صنعت کے لحاظ سے لاجواب تھیں۔ اور اس جلوس کے پیچھے دو لکھ کاغذ تھا۔ اور اس کے بعد خاتون بغداد اور ترکان خاتون کے صفہ تھے۔ ان کے علاوہ تین سو کنیزوں کے ڈولے تھے (باقی صفحہ آئندہ

اسلامی بہار دی کی وجہ سے تھیں۔ ورنہ حقیقت میں خواجہ کی شانِ شوکتِ خلیفہ سے بچھا ہوا تھا کہ
 حسن بن صلیح کا دربار | حسن بن صباح اور خواجہ نظام الملک میں جن اسباب سے عداوت
 اور کشادگی کی سفارت

بقیہ صفحہ ۱۷۵ اور خواجہ سراؤن کی تملادینے شمار تھی۔ اور اس قافلہ کے نگران وزیر سرحد الدولہ گوہر آئین اور امیر مستق
 اور خواجہ نظام الملک تھے۔ اور رعایاے سلطانی دولہن کے محض پروینار وغیرہ شمار کرتی جاتی تھی غرض کہ بڑی
 شان و شوکت سے یہ جلوس بغداد پہنچا۔ خلیفہ کی طرف سے استقبال کے لیے وزیر ابو شجاع اور دیگر خواص
 روانہ ہوئے۔ جبکہ جلوس میں تین نو شوخ دار سوار تھے۔ اور حرمِ خلافت کی کوئی دکان ایسی نہ تھی کہ جیسے ہر ایک
 شے نہ جلتی ہوں (بغداد میں ہزاروں جشن ہوئے ہوئے تھے۔ اور ہزاروں مرتبہ روشنی بھی ہوئی ہوگی مگر خلافت کے
 اخیر دور میں جب کہ دولت عباسیہ کا چراغ خود بھلا رہا تھا یہ روشنی بھی "ولقد ذینا السماع الدنیا بصباح
 کی مصداق تھی) وزیر ابو شجاع کے ہمراہ خلیفہ کا خاص خادم طغر بھی تھا جسکی سپردگی میں وہ بے نظیر تحفہ تھا جو دولہن کیلئے
 بھیجا گیا تھا چہرہ زکشا اور طلا کا پردے پڑے تھے۔ اور اس قدر جواہرات تھے ہوئے تھے کہ نظیر خیرہ ہوتی تھی۔ جب
 ترکان خاتون کی سواری قریب آئی تو ابو شجاع آداب بجالایا اور عرض کیا کہ سیدنا و مولانا امیر المؤمنین نے پیام دیا
 ان الله يامدكم كلن قودوا الامانات الى اهلها، چنانچہ ترکان خاتون نے مطلب سمجھ لیا اور جلو سے
 مجلس کی طرف روانہ ہوا۔ اور امر لے بغداد اور ارکانِ سلطنت کی بیگمات نے ترکان خاتون کا استقبال کیا
 اور معزز مہمان بیبیوں کو سوار یوں سے اتارا۔ اور جب سوار یاں اتر چکیں تو اخیر میں دوسن کی باری آئی
 جسکے محض کے گرد و پیش دوسو قلمائینان (ترکی عورتوں کا مسلح گروہ) تھیں۔ چنانچہ تمام بیگمات نے خاتون کو
 کو تحفے سے اتارا اور مسند پر جایا بیٹھایا۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ مقتدی بامراسہ کے حضور میں ارکانِ سلطنت
 (ملکی و فوجی) پیش ہوئے اور سب خلعت سے سرفراز ہوئے۔ اسی طرح ترکان خاتون اور ان تمام خواتین کو جو
 بیگم کے ہمراہ آئی تھیں خلعت دیے گئے اور ہنسی خوشی سے یہ تقریب ختم ہو گئی۔ سامانِ دعوت میں کس قدر
 جس خرم و ہوا ہوئی اسکی تفصیل مورخین نے نہیں لکھی ہے البتہ صرف شکر کی نسبت لکھا ہے کہ چالیس ہزار
 من صرف ہوئی تھی یہ خلیفہ کی اس بی بی سے جو بیٹا ہوا اسکا نام ابو الفضل جعفر تھا اور اسکی ولیمہ عدی
 پر ملک شاہ اور خلیفہ میں مخالفت ہوئی

انتخاب از کامل اثیر صفحہ ۵۵ جلد ۱ دار المنثور۔ و بھارستان وغیرہ۔

پیدا ہوئی تھی وہ اپنے موقع پر تفصیل سے تحریر میں۔ لیکن خواجہ کے قتل کی علت غائی یہ ہے کہ جب فرقہ اسماعیلیہ کا زور ہوا اور حسن بن صباح نے قلعہ الموت پر قبضہ کر کے اطراف کے شہروں میں اپنا اقتدار قائم کر لیا اور حسن کے مریدوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھنے لگی۔ تب ملک شاہ اور نظام الملک کو اس طرف خاص توجہ ہوئی۔ لیکن چونکہ سلطان الپ ارسلان کے عہد میں اس خوفناک فرقہ کا کوئی انسداد نہیں کیا گیا تھا۔ اسوجہ سے حسن بن صباح کا استیصال اب مشکل نظر آتا تھا۔ لہذا نظام الملک نے حکمت عملی سے کام لے کر لٹا چاہا۔ اور اسکی یہ تدبیر کی کہ پہلے عہد میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت حسن بن صباح کے پاس روانہ کی۔ جسکا یہ منشا تھا کہ سلطان کے شاہانہ جاہ و جلال سے حسن کو ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کیا جائے اور فوج کشی کی ضرورت نہ واقع ہو۔ چنانچہ سفیر نے الموت پہنچ کر حق سفارت ادا کیا۔ مگر حسن پر سفیر کی تقریر کا اثر بھی نہ ہوا، اطاعت کا اقرار کرنا تو امر محال تھا۔ نہ صحت کے وقت سفیر کو مخاطب کر کے حسن نے کہا کہ ”آپ ملک شاہ سے کہہ دیں کہ ہکو نہ ستائے۔ ورنہ مجھ کو کر مقابلہ کرنا پڑیگا۔ مگر یہ معلوم رہے کہ ملک شاہ کی فوج ہمارے مقابلہ کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے لشکر کا

سلہ اس قلعہ کی مختصر تاریخ حسن بن صباح کے حالات میں تحریر ہے۔ سلہ تاریخ آل بلوق (واقعات ظہور اسماعیلیہ) صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے کہ سلاطین دیلم اور ان کے قبل جو حکمران تھے۔ انکا یہ دستور تھا کہ وہ تمام ملک میں خبر رسانی کے واسطے جاسوس مقرر کرتے تھے۔ اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جسکے صحیح واقعات سلطان تک نہ پہنچتے ہوں۔ مگر الپ ارسلان نے اپنے عہد میں یہ حکم توڑ دیا تھا جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ آہستہ آہستہ فرقہ باطنیہ ترقی کر گیا اور سلطنت کو انکی سازشوں اور خفیہ کارروائیوں کی اسوقت خبر ہوئی جب حسن نے قزوین اور رودبار وغیرہ کے قلعوں پر پورا قبضہ کر لیا۔

ہر سپاہی (مرید) جان بازی میں فرو ہے۔ اُسکے نزدیک اپنی جان دنیا اور دوسرے کی جان لینا
دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔“

حسن بن صباح نے اپنے مریدوں کی جو تعریف کی تھی گو وہ بالکل سچ تھی۔ مگر فریقِ مخالفت
اسکو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا حسن نے بطور عملی ثبوت کے ایک مرید کو حکم دیا کہ ”منہجر
مار کر مر جاؤ“ دوسرے سے کہا کہ ”الموت کی چوٹی سے اپنے تئیں گرا دو“ تیسرے سے فرمایا
کہ ”پانی میں ڈوب مرو“ چنانچہ ایک ہی وقت میں (حکم کے مطابق) تینوں مرید اپنے
شیخ پر قربان ہو گئے۔“

جب سفیر یہ تماشا دیکھ چکا تو حسن بن صباح نے سوال کیا کہ ”ملک شاہ کی تمام فوج میں
ایک سپاہی بھی ایسا ہے جو میرے مرید کی طرح جانناڑ ہو؟ اور اسی امین میں کسی شرعی حکم کی
خلاف ورزی میں حسن کے سامنے اُسکے دو بیٹے پیش ہوئے۔ چنانچہ حسن نے ان کو درے
لگائے جائیگا حکم دیا اور وہ دونوں اسی صدمہ سے سفیر کے سامنے ٹرپ ٹرپ کر مر گئے۔“

جب سفیر نے واپس آکر یہ چشم دید واقعات ملک شاہ اور خواجہ سے بیان کیے تو دوہریں
کے واسطے فوج کی روانگی ملتوی کر دی گئی۔ لیکن اقتضائے میعاد پر پہنچے میں جب پاوشاہی
فوج کی نقل و حرکت کی حسن کو اطلاع ہوئی تو جنگ کے فیصلے سے پہلے اُسے نظام الملک
کی حیات کا فیصلہ کر دیا یعنی ایک فدائی نے حسن کے حکم سے خواجہ کو خنجر سے شہید کر ڈالا۔
یہ نہایت صحیح قول ہے کہ ”جب انسان کا اقبال یا دور ہوتا ہے تو اسکی ہر خواہش

نظام الملک
کی محنتوں

عقل کی تحت رہتی ہے۔ اور جب دوبار کا زمانہ آتا ہے تو عقل خواہشات کی تاج ہو جاتی
چنانچہ نظام الملک بھی اسی کا مصداق ہے، کیونکہ مویہ الملک کی معزولی خواجہ کی ہدایت
کے لیے کافی تھی۔ مگر خواجہ نے ملک شاہ کی رضا مندی کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ اور سلطنت
کے بڑے بڑے عہدوں پر اپنے بیٹوں پوتوں اور غلاموں کو بدستور سابق مقرر کرتا رہا چنانچہ
۵۵۰ھ تک مین خواجہ نے اپنے پوتے عثمان بن جمال الملک کو مرو کا والی مقرر کیا۔ اور عثمان نے
مرو پہنچ کر وہاں کے شیعہ سے احمقانہ چھیڑ چھاڑ شروع کی یہ شیعہ جس کا نام قودن تھا ملک شاہ کا
خاص غلام تھا چنانچہ عثمان نے شیعہ کو جب زیادہ ستایا تو اس نے سلطان کی خدمت میں
ایک شکایت آمیز درخواست بھیجی۔ چونکہ ملک شاہ کو مویہ الملک کے واقعہ سے خواجہ کے
عزیزوں کے خیالات کا اندازہ ہو گیا تھا اس لیے براہ راست عثمان سے دریافت نہیں کیا
بلکہ امرے دربار میں سے تابع الدولہ مجد الملک تاج الملک اور امیر بلخ کو اپنے سامنے
طلب کیا اور فرمایا کہ ”مابد ولت کی جانب سے نظام الملک سے کو کتاپ نے تمام ملک
قبضہ رکھا ہے، اور سلطنت کے ہر صوبہ پر اپنے بیٹوں دامادوں اور غلاموں کو حکمران بنا دیا ہے
تو گویا آپ میرے سلطنت کے شریک ہیں؟ اگر یہ سچ ہے تو ویسا انتظام کروں۔ اور اگر
آپ وزیر السلطنت ہیں تو نیابت کے درجہ پر نظر رکھنا چاہیے۔ لیکن موجودہ حالت اسکے
برعکس ہے کیونکہ مین دیکھتا ہوں کہ آپ کی اولاد تمام سلطنت پر حکومت کر رہی ہے۔ اور
یہ لوگ ہمارے خاص آدمیوں کے اعزاز کا بھی کچھ لحاظ نہیں کرتے ہیں۔ بہر حال آئندہ مگر
سلہ کامل اثیر و طبقات الکبریٰ۔

آپ نے اسکا مناسب انتظام نہ کیا تو میں حکم دوں گا کہ سر سے دستارِ تاج و وزارت، اور سلطنت سے دوات (قلندران وزارت) ہٹا لی جائے۔

جب خواجہ نے ملک شاہ کا پیام سنا تو امر اسے مخاطب ہو کر کہا کہ ”آپ سلطانؑ کے مہدین کہ یہ بات آپ کو آج معلوم ہوئی ہے کہ میں ملک و دولت میں برابر کا حصہ دار ہوں۔ بلکہ واقعہ نفس الامری یہ ہے کہ دولت بطورِ قیام محض میری تدابیر سے ہے۔ کیا سلطان کو وہ وقت یاد نہیں ہے؟ جب الپ ارسلان کو شہادت نصیب ہوئی تھی۔ اور چاروں طرف سے سلطنت پر دعویٰ داروں نے خروج کیا تھا، خواجہ نے نام بنام عزیز اور اغیار کا ذکر کیا، اس وقت سلطان نے میرے دامن میں پناہ لی تھی۔ اور میں نے فوجوں کو جمع کر کے کس طرح دشمنوں کو ہال کر دیا تھا۔ اور کیونکر جیون عبور کر کے ملکوں کو فتح کیا تھا؟ جب سب مشکلیں حل ہو گئیں اور بلا شرکتِ غیر میری سلطنت پر قبضہ ہو گیا اور فتوحات ملک شاہی کے دنیا میں سکے بیٹھ گئے۔ تو اب میں گنہگار قرار پایا۔ اور میرے خلاف جھگڑائیں ہوتی ہیں وہ بھی سنی جاتی ہیں لیکن یہ ضرور عرض کروں گا کہ اگر سلطان کو موجودہ انتظام میں کوئی تبدیلی کرنا منظور ہے، تو سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ کیونکہ کارکنانِ قضا و قدر نے میری

سلطہ عاد الدین اصفہانی نے چند نظروں میں خواجہ کا جواب لکھا ہے جو بطحا مختصراً یاد رکھنے کے لائق ہے
 تھو لواللسطان کانک الیوم عرفت الی فی الملک مسامحاً، و فی الد ولتہ مقاسمک، و
 آن دواتی مقترنة بتلاحک فمتی رفعتھا رضع ومتی سلبتھا سلب، اسی قسم کے اور واقعات
 ”مار یخن میں تحریر ہیں لیکن ہمتِ روضۃ الصفا، کامل طبقات، آثار النور۔ انکارستان سے
 خواجہ کا پورا جواب مرتب کر کے لکھا ہے۔“

دوات اور سلطان کے تاج کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ اگر میرے سامنے سے دوات اٹھائی جائیگی تو یاد رہے کہ سلطان کے بھی سر سے تاج اٹھ جائیگا۔

روحۃ الصفا کی روایت ہے کہ جب خواجہ نظام الملک کا غصہ دھیم ہوا تو اسکو اپنی تقریر کا افسوس ہوا۔ اور امراسے کہا کہ حالتِ خطر ارمین خدا جانے میں کیا کچھ کہ گیا ہوں آپ جو مناسب سمجھیں وہ سلطان سے عرض کر دیں۔

چنانچہ ان امیرون میں باہمی مشورہ سے طے پایا کہ کل صبح کو دربار میں سلطان سے عرض کیا جائیگا کہ ”خواجہ کتا ہے۔ میں شہر یار عالم کا ایک اونی فراتر دار ہوں اور میرے سب بیٹے سلطان کے غلام ہیں۔ سلطان کا حکم ہمارے جان و مال پر نافذ ہے۔ فرمانِ عالی سے کبھی تجا ورنہ کیا جائیگا۔ اور میں عثمان کو ایسی سزا دوں گا۔ جو دوسروں کے لیے باعثِ عبرت ہوگی۔“ مگر افسوس ہے کہ اس گروہ میں سے تاج الملک نے اول تمام حالات کے خاتون سے بیان کیے۔ اور خاتون نے خدا جانے کن شرر بارالفاظ میں سلطان کو سمجھایا۔ اسکے علاوہ امیر پیر نے بھی شب کو خود ملک شاہ سے خواجہ کی اس تقریر کا اعادہ کیا۔ چنانچہ خواجہ کے جواب سے ملک شاہ غضبناک ہو گیا اور اُسے وزارت کے تبدیل کرنیکا فیصلہ کر لیا۔

کمال اثیر کی روایت ہے کہ جب سلطان کے حضور میں امراسے خواجہ کا جواب بیان کیا تو سلطان نے فرمایا کہ آپ لوگ خواجہ کی خاطر سے اصل واقعہ کو چھپاتے ہیں۔ نظام الملک کا یہ جواب نہیں ہے بلکہ اُس نے تو کچھ اور ہی کہا ہے۔ ”چنانچہ پتہ کی بات سُکر سب خاموش ہو گئے اور ملک شاہ نے خواجہ کو وزارت سے معزول کر دیا۔“

۹۔ تاج الملک
کی وزارت

خواجہ نظام الملک کی معزولی کے بعد سلطان ملک شاہ نے تاج الملک کو
ترکان خاتون کی سفارش پر وزیر مقرر کیا۔ اور خواجہ کے ماتحت عملہ کو بھی موقوف کر کے جدید
انتظام کر دیا۔ مثلاً بجائے شرف الملک مستوفی کے ابو الفضل مجد الملک قبی کو۔ اور بجائے
کمال الدولہ عارض کے سید الدولہ ابو المعالی کو مقرر کیا۔ اور اسی قسم کی اور بھی تبدیلیاں
کیں۔ جسکو عام طور سے ملک نے ناپسند کیا اور خود ملک کو بھی یہ نظم و نسق مبارک نہ ہوا۔
شعرا و باری نے انہیں سے بعض کی، جو بھی لکھڑالی۔ چنانچہ کمال الدین ابو طاہر خاتونی،
مجد الملک کے حق میں کہتا ہے۔

می تبارد پہ نخل مجد الملک چون بکا ورتش گرسنه قمری
گرہمہ قیان، چنین باشند تم رفیقا! و برہمہ قم۔ ری
اور ابو المعالی نحاس نے بھی اس جدید نظام پر نکتہ چینی کی ہے۔ چنانچہ اسکا قول ہے۔
ز بو طعلی بدو از بو رضا و از بو سعد شہاکہ شیر بہ پیش تو پہمچو میش آمد
درین زمانہ زہر چہ آمدی بخد مت تو مبشر ظفر و فتح نامہ پیش آمد
ز بو القناعم و بو الفضل ابو المعالی باد زمین ملکیت را بنات نیش آمد

۱۔ تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۹۰ ۲۔ مجمع الفصحا صفحہ ۳۷۳ ایک قسم کا غلہ جسکو ہندی میں چنہ یا باجرہ
کہتے ہیں۔ ۳۔ اب اسلان کے دربار کا مشہور فاضل اور شاعر ہے۔ نہایت دولت مند تھا۔
اور ملک شاہ نے عارض کے عہد سے پرستار کر دیا تھا۔ امیر مغری سے اکثر مقابلہ رہتا تھا۔
۴۔ شہر میں فوت ہوا۔ مجمع الفصحا صفحہ ۷۸۔
۵۔ آثار الاولوزر اسخلفہ قلمی۔ ان اشعار کا ترجمہ عماد الدین اصفہانی نے اپنی تاریخ
آل سلجوق میں بھی لکھا ہے۔

گرا ز نظام و کمال و شرف تو سیر شدی ز تلخ و مجد و سدیدت نگر چہ پیش آمد
 تاج الملک کا تقریر چونکہ ترکان خاقان کی سفارش سے ہوا تھا اسوجہ سے ملک شاہ نے
 اپنی چند روزہ زندگی میں وزیر سے خوشنودی فرج کا اظہار کیا اور بغداد پہنچ کر
 خلعت وزارت مرحمت فرمایا۔

۱۰۔ قول فیصل | اسباب مندرجہ بالا سے ثابت ہے کہ ملک شاہ خواجہ سے ناراض تھا اور
 چند سال تک دونوں میں کشیدگی رہی۔ جسکا اخیر نتیجہ یہ ہوا کہ خواجہ منصب وزارت سے
 معزول کر دیا گیا۔ اور صرف معزولی سے ملک شاہ کا مطلب پورا ہو گیا۔ لیکن معزولی
 کے بعد یہ کہنا کہ خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مستند ہونچکا
 یہ فیصلہ ہے کہ ملک شاہ کا دامن انصاف نظام الملک کے خون کے دھبہ سے پاک
 جسکی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ملک شاہ نہایت عادل اور حق شناس بادشاہ تھا
 اور خواجہ کو ہمیشہ (باپ) کہہ کے خطاب کیا کرتا تھا۔ لہذا ایسے شریف اور کریم النفس پر
 بدگمانی بھی نہ کرنا چاہیے۔ علاوہ برین تمام مورخوں کو تسلیم ہے کہ خواجہ کا قاتل ایک
 فدائی تھا۔ اور اُس نے حسن بن صباح کے حکم سے خواجہ کو شہید کیا تھا۔ لہذا اصلی قاتل
 حسن بن صباح ہے۔ اور چونکہ تلخ الملک بھی حسن کا مشیر اور مددگار تھا لہذا قاتل
 تعزیرات کے مطابق اعانت کے جرم سے وہ بھی بری نہیں ہو سکتا ہے اور قیامت
 کے دن احکم الحاکمین کی عدالت میں ان لمومن کو جواب دہی کرنا پڑگی اور یہ اپنے
 سہ کا مل اثیر و تعارت ۸۵ء - ۸۶ء آثار الو زراعت خطی۔

کرتوتون کی سزا پائینگے۔ کیونکہ جھوٹی شہادت اور وکیلوں کی منطق بیان کچھ کام نہ دیگی۔ بلکہ

جو چپ ریگی زبان خنجر لبو پکاریگا آستین کا

خواجہ نظام الملک کا قتل مع دیگر واقعات

جس طرح خدا کو (حالانکہ وہ ذات بے نیاز ہے) اپنی خدائی میں کسی دوسرے کی شرکت گوارا نہیں ہے۔ اسی طرح دنیا کی بادشاہت میں بھی کوئی حکمران یہ نہیں چاہتا ہے کہ کوئی میرا سیم و شریک ہو۔ اور محض اسی خیال سے ملک شاہ نے نظام الملک کو معزول کر دیا تھا۔ مگر اُسکے ظاہری اعزاز اور خاطر داری میں کوئی کمی نہیں کی گئی تھی۔ چنانچہ ۱۰۹۲ھ میں ملکی ضرورت سے مجبور ہو کر جب ملک شاہ نے صفہاں سے بغداد کا سفر کیا تو خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ تھا۔ ماہ صیام کی وجہ سے یہ موقع سفر کا نہ تھا۔ مگر جب نصف مسافت طے ہو گئی تو چند روز کے لئے ملک شاہ نے ہناؤ ندین قیام کیا۔ اور خیام شاہی کے اطراف وجوانب میں اراکین سلطنت اپنی اپنی بارگاہوں میں ٹھہرے۔ اور خواجہ نظام الملک کے ڈیرے موضع سخنة میں نصب کیئے گئے۔

۱۰۹۲ھ خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے اپنے بیٹے مستظہر باللہ کو ولیمہ کر کے ملک شاہ کے واسے ابو الفضل جعفر کو محروم کر دیا تھا۔ (جعفر کی والدہ باہ و بقعدہ ۱۰۸۸ھ بمقام اصفہان فوت ہو چکی تھی) اسلئے ملک شاہ نے قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مقتدی کو معزول کر کے دمشق یا بصرہ بھیجے گا۔ اور سخت خلافیت اپنے واسے کو دیگا۔ چنانچہ ملک شاہ نے مقتدی کو یہ پیام بہت سختی سے بھیجا تھا۔ اور خلیفہ نے مثل دن کی مہملت مانگی تھی۔ مگر اتفاق سے انھیں ایام میں خود ملک شاہ فوت ہو گیا۔ اور بغداد کی حکومت بدستور آل عباس کے قبضہ میں رہی۔ اس واقعہ کو بعض مورخوں نے مقتدی کی کرامات میں شمار کیا ہے۔

۱۰۹۲ھ روزمرہ کے کوچ و مقام سے پریشان ہو کر آرام کی غرض سے ملک شاہ ہناؤ ندین ٹھہرا تھا۔ اور سیر و شکار کے لیے بھی کچھ ہستانی سلسلہ نہایت موزوں تھا۔

طبقات الکبریٰ کی روایت ہے کہ نچیشنبہ کا دن اور رمضان المبارک کی دسویں (مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۲ء) تاریخ تھی کہ خواجہ نے روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز پڑھی۔ اور بعد نماز حسب معمول فقہاء اور علماء سے باتیں کرتا رہا۔ اتنا کلام میں نہاوند کا تذکرہ شروع ہوا تو خواجہ نے فرمایا کہ یہ مقام امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا۔ پھر ان صحابہ کے حالات بیان کیے۔ جو معرکہ نہاوند میں شہید ہوئے تھے۔“

اس جلسہ کے بعد خواجہ نے تراویح پڑھی۔ اور بعد فراغ ایک محفہ (ہوادار) پر سوار ہو کر درمہرا کو روانہ ہوا۔ جب قیام گاہ پر پہونچا تو فرمایا کہ ”یہی وہ مقام ہے کہ جہاں ایک کثیر جماعت مسلمانوں کی شہید ہوئی تھی فطویٰ لمن کان مہمور وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو ان سے جا ملین۔“

غرض کہ خواجہ اپنے خیال میں محو تھا، سواری جاری تھی، کہ ایک نوجوان دہلی کا باشندہ (حبیبک) لباس صوفیانہ تھا، محفہ کی طرف بڑھا۔ اور مستغیث کی حیثیت سے اپنی عرضی بھینکی۔ جب خواجہ عرضی کی جانب متوجہ ہوا۔ تب موقع پا کر دہلی نے خواجہ کے قلب میں چھری بھونک دی چونکہ وار بھر پور تھا لہذا تھوڑی دیر میں خواجہ کا کام تمام ہو گیا۔

حملہ کے ہوتے ہی تمام لشکر میں کھرام مچ گیا۔ اور جب یہ غلغلہ ملک شاہ تک پہونچا، تو وہ بھی غمزدہ اور روتا ہوا آیا، اور خواجہ کے سرھانے آن کر بیٹھ گیا۔“

سہ نہاوند پہلے میں فتح ہوا تھا۔ اور اس فتح سے پورے عراق عجم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا چنانچہ تاریخ میں اس فتح کا نام ”فتح الفتوح“ ہے۔ اس فوج کے سردار حضرت حذیفہ بن الیمان تھے۔ اور تقریباً تین ہزار عجمی مارے گئے تھے۔ فوج البلدان بلاذری فتح نہاوند۔

بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ اسوقت تک خواجہ کے ہوش و حواس درست تھے لہذا ملک شاہ کو مخاطب کر کے اپنی موت کا واقعہ ایک برجستہ قطعہ میں عرض کیا اور جب اس مصرع پر پہنچا کہ لے لے

بگذر شتم این خدمت ویرینہ بفرزند

تو خواجہ کی زبان بند ہو گئی اور دم کل گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

خواجہ کا قاتل خواجہ کے قاتل کا نام ابوطاہر حارث (ایوانی) تھا۔ چنانچہ حملہ کے بعد وہ ایک خیمہ کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ جسکو خواجہ کے غلاموں نے گرفتار کر کے رہا جو دمانعت خواجہ قتل کر ڈالا۔ نظام الملک کے قتل میں چونکہ غیر معمولی کامیابی حسن بن صبلح کو ہوئی تھی۔ لہذا اسنے دشمنوں پر فتح و نصرت کے لئے، یہی طریقہ پسند کیا کہ جو اسکے کاموں میں فراحت کرے وہ اسی طرح خاموشی سے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ حسن اور اسکے جانشینوں نے اپنے عہد حکومت میں کتنے ہی بادشاہ و وزیر، امیر اور نامور علماء و فقہاء قتل کر اے۔ چنانچہ علمائے تاریخ کا یہ فتویٰ ہے کہ باطنیکہ سب سے

۱۔ پورا قطعہ خواجہ کی شاعری کے تذکرہ میں صفحہ ۶۷ (حصہ اول) میں درج ہے ناظرین اس موقع پر وہ قطعہ طبع میں جو بوقت میں یہ مضمون لکھ رہا تھا حسن اتفاق سے اسوقت ”بیاض صائب“ کا ایک قلمی اور نابالغ نسخہ ملا جس میں صائب نے خواجہ نظام الملک کے حسب ذیل اشعار انتخاب کئے تھے۔ لہذا نقل کرتا ہوں۔ مذکورہ بالا رباعی اور قطعہ پر یہ اضافہ بہت ضمیمہ ہے۔ (دیکھو صفحہ ۶۷، حصہ اول)۔

تا از شب من سپیدہ دم، برزد، دم	معشوقہ ز شب کشید بر روز۔ رسم
شد آمدن نگار من اکنون کم	زیرا کہ شب و روز نیا پسند ہم
چنبر زلفی کہ ماہ در چنبر اوست	فرماندہ روزگار فرمان براوست
ترسم کہ بستان گاہ بریزد۔ غم	کاین شوخ دلم بخون من یا در اوست

۲۔ طبقات الکبریٰ و گنج دانش حالات نظام الملک۔ ذخائرستان صفحہ ۱۷۰۔

ایک روایت یہ ہے کہ حسن بن صبلح نے فوج کشی کی خبر سنا کر سفارت روانہ کی تھی۔ (دیکھو صفحہ ۱۸۰)

پہلا شکار خواجہ نظام الملک تھا۔ اور خواجہ کے قتل کے بعد ان چھری بند قدامیوں میں سنت قرار پانے لگی اسی آلہ سے بیگانہ مسلمان شہید کئے جائیں۔

خواجہ کا دفن | انتقال کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو سکے خواجہ کی نعش اصفہان روانہ کر کے گیا رھوین

رمضان المبارک کو ملک شاہ بغداد چلا گیا۔ مگر کسی تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ ہناؤند سے اصفہان، خواجہ کی نعش کے دن میں پہونچی اور کس دن دفن ہوئی؟ لیکن ایران کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مقامات مذکور کا درمیانی فاصلہ دو سو پینتیس میل ہے اور عہد قدیم میں اصفہان سے بغداد کو جاتے ہوئے جس قدر رزٹرلین پڑتی تھیں انکی معمولی مسافت بارہ میل سے سو میل تک تھی۔ چنانچہ اوسط رفتار اگر سو میل قرار دی جائے تو اس حساب سے پندرھویں دن خواجہ کی نعش اصفہان پہونچی ہوگی۔ اور اگر دو منز لہ کوچ کیا ہوگا تو آٹھویں دن تجنیز و تکفین کی نوبت آئی ہوگی۔ بہر حال اصفہانیوں نے بڑی دھوم سے خواجہ کا جنازہ اٹھایا۔ اور محلہ کران ریہ محلہ نہر کے کنارہ آباد تھا کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ چنانچہ زمانہ دراز تک یہ مقام ”ترب نظام“ کے نام سے مشہور رہا۔

(نوٹ۔ متعلقہ صفحہ ۱۸۶) اور اسی سفر نے خواجہ کو قتل کیا۔

۳۵ طبقات الکبریٰ۔

۱۷ ایران کا جو نقشہ مسطر جان کرے اسے معلوم ہوتا ہے۔ اس میں انگریزی اور ایرانی حساب سے شہر و دیہات کی مسافت لکھی ہے۔ چنانچہ انگریزی پیمانہ سے ۲۱۰ میل اور ایرانی پیمانہ سے ۱۱۵۰ کا فاصلہ ہناؤند سے اصفہان تک ہے۔ لیکن ہم نے سٹیژن ٹالس کے مطابق جزائرہ حال کا سب سے پچھلا اور مکمل ٹالس ہے یہ تعداد درج کی ہے۔

۳۶ نزہت القلوب محمد المہدین ان منزلوں کی صراحت ہے۔

۳۷ گنج دانش صفحہ ۳۵۰۔

رسم تعزیت جب خواجہ کے انتقال کی خبر دار اسلام آباد میں پہنچی تو خلیفہ مقتدی بامر لہ کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور خلیفہ کے حکم سے وزیر عہد الدولہ بن جہیر تعزیت کے واسطے بیٹھا چنانچہ ارکان سلطنت اور علما، اور بغداد کے ہر طبقہ کے مشاہیر عہد الدولہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواجہ کی تعزیت کرتے تھے خواجہ کی عمر تاریخ انتقال تک خواجہ نظام الملک، عمر کی ستر ستر لیں طے کر چکا تھا کیونکہ خواجہ کی ولادت ۱۰۶۱ھ میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے جن تذکروں میں خواجہ کی عمر کم یا زیادہ لکھی ہے وہ غلط ہے۔ اور خواجہ کے قطعہ میں جو نو دوشش لکھا ہے۔ یہ بھی کتابت کی غلطی ہے۔

ایام وزارت خواجہ نظام الملک، سولہویں ذی الحجہ ۱۰۵۶ھ کو سلطان الپ ارسلان کے حکم سے وزیر مقرر ہوا تھا۔ اور شعبان ۱۰۵۸ھ کی کسی تاریخ میں سلطان ملک شاہ کے حکم سے معزول ہوا۔ اس حساب سے خواجہ نے تقریباً ۲۰ برس، مہینے وزارت کی۔ اور یہ وہ قیمتی ایام ہیں کہ جسکی نظیر تاریخوں میں بہت کم ملتی ہے۔

خواجہ نظام الملک کی نگارستان کا مصنف (جوامع النواہر) لکھتا ہے کہ خواجہ نظام الملک کے موت کی پیشین گوئی مذہبوں میں ایک منجم بھی تھا۔ جو وطن کی نسبت سے ”موصلی“ مشہور تھا۔

چنانچہ سفر و حضر میں موصلی خواجہ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اور خواجہ بھی اسکی بڑی خاطر کرتا تھا۔ لیکن ضعف پیری سے موصلی کا کوب اقبال جب سرحد احراق میں پہنچ گیا۔ تو خواجہ نے نیشاپور میں اسکی جاگیر مقرر کر دی۔

خواجہ نظام الملک مذہبی شخص تھا، اور اسکا عقیدہ تھا کہ کل من علیہا فان یعنی مجسمہ تالیف

مذہب الجلال کے اکابر مگر مقتضائے فطرت انسانی خواجہ نے چلتے وقت موصلی سے پوچھا کہ دوتنے کبھی میرا زائچہ کیا ہے، اور یہ بھی دیکھا ہے کہ اس دارِ اعلیٰ سے میرا کوچ کب ہوگا؟ " موصلی نے کہا ہاں! میرے انتقال کے چھ مہینے بعد آپ بھی دنیا سے رخصت ہونگے اور وہ وقت آجائے گا کہ۔

گرد و بروی صفحہ خاک، استخوان دست
از ہر حرف تجر بہ دیگران مسلم

الغرض موصلی خواجہ سے رخصت ہو کر نیشاپور چلا گیا اور صبتک زندہ رہا خواجہ کا وظیفہ خوار رہا۔ مگر خواجہ کی یہ حالت تھی کہ نیشاپور کے آنے والوں سے موصلی کی سلامتی دریافت کیا کرتا تھا۔ آخر چند سال کے بعد فتنہ میں کسی نے اطلاع دی کہ ربیع الاول کی پندرہویں تاریخ کو غریب موصلی مر گیا۔

خواجہ نظام الملک کو موصلی کے انتقال سے اپنی موت کا بھی زمانہ یاد آگیا۔ اور اسی وقت سے سفر آخرت کی تیاریاں شروع کر دیں چنانچہ کتاب الوصایا میں لکھا ہے کہ ﷺ کے اخیرین خواجہ نظام الملک بہت بیمار ہو گیا تھا۔ اور جب اسکو صحت ہو گئی تو ایک دن اپنے "صرف خاص" کے منظم سے دریافت کیا کہ ہماری سرکار سے جن لوگوں کی سالانہ تحویلات

۱۔ وصایا خواجہ نظام الملک۔

۲۔ تاریخ کامل اخیرین لکھا ہے کہ خواجہ بھقام بغداد بجا رہا تھا۔ اور زمانہ علالت میں بڑے مدتے دیے گئے تھے۔ اور فقرا و مساکین اسقدر جمع ہوئے تھے کہ جبکا شمار نہیں ہو سکتا تھا۔ غسلِ صحت پر خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے خواجہ کو خلعتِ حرمت فرمایا تھا۔

اور وظیفہ مقرّر میں اُنکو اس سال پہنچے ہیں یا نہیں، چنانچہ تحقیقات سے دریافت ہوا کہ سیکو کچھ نہیں دیا گیا ہے۔ تب خواجہ کو شیخ مہمنہ کا بھی قول یاد آیا۔ اور سمجھ لیا کہ اب خصوصیت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ جو ضروری انتظام کرنا تھے وہ خواجہ نے کر دیے اور خواجہ فخر الملک کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ اور ٹھیک چھ مہینے کے بعد خواجہ کا انتقال ہو گیا۔ جیسا کہ مولانا جامی نے تحریر فرمایا ہے۔

لے دیکھو صفحہ ۴۸ کتاب ہذا۔

لے مولانا جامی نے خواجہ نظام الملک اور مخبر موصلی کے واقعہ کو سلسلہ الذہب میں اس طرح بنظم کیا ہے کہ۔

بود در دولت نظام الملک	آن فلک بحر فضل اور اُفلک
موصلی نسبت بہ نیشاپور	بہ نجوم و اصول آن مشہور
پشت او چون کمان قبضہ شیب	متصل در کمانش، سہم القیب
ہر چہ از آسمان خبر دادی	تیر شکش خط نیفا دے
بود در شہر حرم خواجہ	در سفر بلا نرم خواجہ
ضعف پیری بر و چو زور آورد	روے در عالم سرور آورد
خواست روزی ز خواجہ اذن نداد	از نیشاپور، روے در بغداد
خواجہ وقت وداع با او گفت	کاسے دلت گنج راز ہای ہفت
گفت چون من روم پس از شہ شہ	صدق پر گھر شکستن من
دست ادا کار و بار بستہ شود	رخت بندی ازین نشین گاہ
خواجہ این راز را نگہ میداشت	صدق پر گھر شکستہ شود
از نیشاپور ہر گرا دیدے	چشم بر و احوال رہ۔ میداشت
ہر کہ از حقیقت خبر گفتے	خبر موصلی بہر سیدے
موصلی را بنامہ کردے باد	ہجو گل از نشاط نشکفتے
	خاطرش را از تحفہ کردے شاد

خواجہ نظام الملک کی وفات پر شعرا کے مرثیے

خواجہ نظام الملک کے قتل کے پینتیس دن بعد شب جمعہ پندرہویں شوال کو مطابق ۱۸- نومبر ۱۲۷۵ھ و ۱۹۲۷ھ بمقام بغداد سلطان ملک شاہ نے بھی بعارضہ جمعی محرقہ (تپ شدید) انتقال فرمایا۔ اور خواجہ کا یہ قول صادق آیا کہ ”جب میرے سامنے سے دو ات اٹھائی جائیگی تو ملک شاہ کے بھی سر سے تاج اُٹھ جائے گا۔“ چنانچہ امیر معری نے اسی مضمون کو ایک رباعی میں اس طرح پر ادا کیا ہے۔

بقیہ اشعار متعلق نوٹ صفحہ ۱۹۰۔

زین حکایت گذشت سالے چند	بود خواجہ بحال خود حسد سہند
ناگمان قاصدے رسید از راہ	از نشا پور داہل ان تا گاہ
خواجہ احوال موصلی پر رسید	گفت مسکین بخواجه جان بخشید
زان خبر وقت خواجہ در ہم شد	دل شادش نشانہ غم شد
سچلے خواست از ستم زدگان	شادمان ساخت جان غمزدگان
دقہما کرد و وقف نامہ نوشت	تخم چند ہی ہزار نیکی کشت
کرد ادا آنقدر کہ و کش بود	وام داران شدند از ان خوشنود
بوصایا زبان درازی کرد	بس کسان را کہ کار سازی کرد
شست از کار و بار دنیا دست	دیدہ بر راہ انتظار نشست
تا بہ تیغ جماعتے بمیا ک	لوح جان شان ز حرف ایمان پاک

کرد و جا و حلیہ شہداء

رُوحُ اللہِ مُرُوحًا اَبَدًا

سلسلۃ الذہب دفتر سوم صفحہ ۴۶۱۔ لہ تذکرہ دولت شاہ سمرقندی۔

نہ شناخت ملک سعادت اختر خویش
در منقبت وزیر خدمت گرو خویش
بگماشت بلائے تاج بر لشکر خویش
تا در سرتاج کرد، آخر سر خویش
ملک شاہ اور نظام الملک کی وفات پر شعراء عجم اور عرب نے بکثرت مرثیے لکھے ہیں
لیکن بہ نظر طوالت ہم صرف ملک الشعراء امیر معری اور حکیم انوری اور شبل الدولہ
مقاتل بن عطیہ کے مختصر مرثیوں پر اس واقعہ کو ختم کرتے ہیں۔ اور خواجہ سے نصرت
ہوتے ہیں۔

مرثیہ امیر معری

شغل دولت بخیر شد کا رملت باخطر
تا تہی شد دولت و ملت ز شاہ وادگر
مردمان گفتند شوریدہ است شوال العجب
بود ازین معنی اول معنی شناسان را خبر
در یکی نہ شد بفر دوس برین دستور پیر
شاہ برنا از پس اورفت در ماہ و گر
کرد یاری قہرزدان، عجز سلطان آشکار
قہرزدانی ببین و عجز سلطان نگر
خسرو اگرستی ازستی بہ ہشیاری گرے
در نجواب خوش دری از خواب خوش بیدار
تا بہ بینی باغ ملت راشدہ بیرنگ دلے
تا بہ بینی شلخ و دولت راشدہ بے برگ و بر
برزین چون حکمران گشتی، گرفتگی، کاستی،
بر فلک چون بدر گردو، کاستین گیر و فتر
رفتگی و گدازشتی درویدہ من اشک خویش
تا چو خانم مدح تو بر من ہی بار و درد
خاطر م نظم فتوح را گھر در رشتہ کرد
رشتہا بگست دار چشم برون آمد گھر

لے تذکرہ مجمع الفصحاء

امیر معری کا یہ مرثیہ اگرچہ مختصر ہے۔ مگر چونکہ غم زدہ دل سے نکلا ہے لہذا درد انگیز اور حسرت خیز ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ایک ہی کئی مین شاعر نے دونوں کا ماقم کیا ہے۔

حکیم انوری نے بجائے مرثیے کے ایک رباعی لکھی ہے۔ مگر وہ بھی سوز و گداز سے خالی نہیں ہے۔

حکیم انوری

ان جان جهان ز جور اخلاک برفت بنیاد نظام ملک در خاک برفت
ان زہر زمانہ را چو تریاک برفت اور فت وسعادت از جهان پاک برفت

شبل الدولہ

(۱)

کان الوزير نظام الملک لولوة ینیمہ صاغھا الرحمن من شرف
عزت فلم تعرف الا یام قنیمتہا فردھا غیرۃ منہ الی لصدف

۱۔ جامع التواریخ صفحہ ۳۸۵ فصل ۱۰ مہجوعہ کلکتہ۔ ۲۔ المستطرف فی کل فن مستطرف سمو ۲۸۲۔ جلد ۲
مضمون کے لحاظ سے یہ اشعار بھی لاجواب ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ خواجہ نظام الملک حقیقت میں
ایک دُر کی مانند تھا۔ ارباب زمانہ اس کی قیمت کا جب صحیح اندازہ نہ کر سکے تو ازراہ غیرت یہ انمول موتی پھر
صدقت کو واپس کر دیا گیا۔

(۲)

وقبرت وجهك وانصرفت مودعا	باہی و احمی و جھک المقبور
واری دیارک بعد و جھک قعر	والقبر منک مشید معسور
فالناس کلهم لفقدك ، واحد	فی کل بیت سرتہ و نرفیر
عجبالاربع اذ لوع فی خمسة	فی جو فہا جبل اشمر کبیر

سہ شاعر خواجہ نظام الملک کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میرے مان باپ۔ تجھ پر قربان ہوں۔ میں تجھ کو دفن کر کے
گورستان سے واپس آگیا ہوں۔ مگر حال یہ ہے کہ تیرے بغیر ساری بستی دیران پڑی ہوئی ہے۔ البتہ قبر تجھے
آباد ہے۔ تیرے انتقال سے ہم سب اکیلے رہ گئے ہیں۔ اور ہر گھر سے گریہ و زاری کی آواز آرہی ہے۔
اور سب سے عجیب بات جو میں دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ قبر جیسے تنگ مکان میں ایک مقفع اور طولانی پہاڑ کی طرح
سمان گیا ہے۔

ہیلا حصہ ختم ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا حصہ

تمہید

تبارک اللہ! ازاں بادشہ کہ دیکش
زباں ادا نتواند حساب شکرش را
وزیر عقل تصرف نہ کردہ بی تقصیر
وگر بہر نفسہ صد سخن گفت تقریر

خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کا پہلا حصہ ختم ہو چکا۔ یہ حصہ جن معتد اور مستند تاریخوں
ماخوذ ہے۔ اسکا صحیح اندازہ حوالہ جات مندرجہ حاشیہ سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خواجہ کی
زندگی کا ہر واقعہ خواہ وہ محل ہو مفصل، انہی تاریخوں کا ایک جامع انتخاب ہے۔ تاہم اس
حصہ میں جن واقعات کی تفصیل ہے وہ عنوان یہ ہیں۔

خواجہ کا خاندان اور وطن۔ عہد طفولیت اور عام ابتدائی حالات۔ تعلیم و تربیت۔ شیوخ
و اساتذہ، طالب علمانہ سفر۔ ذاتی فضل و کمال۔ اخلاق و عادات، خانگی زندگی۔ واقعہ
قتل کی مفصل تاریخ۔

عنوان مذکورہ بالا میں سے، ہر ایک کے تحت میں جو واقعات تحریر ہیں وہ بھی صفحات

تاریخ میں زریں یادگار کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن ان اوراق کو اگر کوئی نکتہ سنج مولفہ تفتیک کی عینک لگا کر دیکھے تو کہہ سکتا ہے کہ ”یہ تو نظام الملک کے عہد وزارت کی ایک رسمی تصویر ہے۔“

لہذا ہمارا فرض ہے کہ ناظرین کو خواجہ کا ایسا موقع دکھائیں جس میں اس مقصد کی صورت کا ایک ایک خال و خط نمایاں ہو اور اصلی تصویر کا جلوہ آنکھوں میں پھر جائے۔

وزیر اسلام کی فہرت (طبقہ سلاطین عجم) میں خواجہ نظام الملک کا نام واضح قانون سلطنت کے لحاظ سے سرے پر ہے اور اس حیثیت سے کہ جس درجہ کا وہ قانون دان ہے، دیا ہے، مذکور علم بھی ہے۔ اپنے طبقہ میں صد نشینی کا امتیاز رکھتا ہے

خواجہ نظام الملک نے جس طرح دنیا میں اپنی قلمی فتوحات کی ایک زندہ اور محسوس

یادگار چھوڑی ہے۔ اسی طرح میدان کارزار میں بھی اُس کی تلوار کے جوہر نمایاں ہوئے

ہیں۔ اور مستوحہ مقامات پر نظام الملکی پھر یہ آج تک ڈرا ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے السیف والعلم تو آمان کی ضرب بٹل کو حیاتِ جاوید بخشی ہے۔

ان خوبیوں کے علاوہ علوم و فنون کی اشاعت میں جس فیاضی دریا دلی اور

بلند ہمتی سے خواجہ نظام الملک نے کام لیا ہے وہ بھی اہم خاص حصہ ہے۔ بلکہ بعض امور

(صیغہ تعلیمات) میں تو اولیت کا تاج اس کے سر پر ہے۔

اسی طرح نظارتِ نافعہ (صیغہ پبلک ورکس) میں بھی خواجہ نے کارہائے نمایاں کئے

ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اُس کی بنائی ہوئی شاندار اور سرسبز عمارتوں میں سے آج

کسی ایک ر بھی عکسی تصویر ہم پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ بہتہ عواقب و غیرہ کا ویرانہ اپنے دامن میں ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کو امانت کی طرح اسوقت تک چھپاے ہوئے ہو۔ اور ارباب بصیرت کے کانوں میں ان کھنڈرات سے یہ صدا آتی ہو۔

کہاں ہیں ؟ وہ اہرام مصری کے بانی	کہاں ہیں ؟ وہ گردان زابلستانی
گئے پیشہ راوی کہ ہر اوکریانی	مٹا کر رہی سب کو دنیا سے فانی

لگا لگائیں کھوج کھدائیوں کا
بتا دشاں کوئی ساسانیوں کا

علیٰ ہذا القیاس خواجہ نظام الملک کے اور بھی کارنامے ہیں، جو اس حصہ میں دکھائے جائیں گے۔
حصہ اول میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ خواجہ کی وزارت سولہویں ذی الحجہ ۸۵۳ھ سے شروع ہوئی اور بارہویں رمضان ۸۵۴ھ کو ختم ہو گئی۔ اس حساب سے ایام وزارت کے تخمیناً اُنٹیس سال ہوتے ہیں۔ وقائع نگار کی حیثیت سے فرض ہے کہ کم و بیش ہر سال کے واقعات پر تبصرہ لکھا جائے لیکن بترتیب سنین واقعات لکھنے میں بہت سے مشکلات کا سامنا تھا۔ لہذا قدیم مورخوں کی تقلید چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر مہتمم ہاشمی واقعہ ایک خاص عنوان سے لکھا گیا ہو۔ عام اس سے کہ اسکا تعلق عہد الپارسلان سے ہو یا ملک شاہ سے ؟

۱۲۔ ذی الحجہ ۸۵۳ھ لغایت ۴۔ ربیع الاول ۸۵۴ھ عہد الپارسلان۔ ۱۔ اور ۲۔ ربیع الاول ۸۵۴ھ لغایت ۱۲۔ رمضان ۸۵۴ھ عہد ملک شاہ ہیں خواجہ وزیر رہا۔ اس حساب سے مجموعی تعداد ایام وزارت کی اٹھائیس برس۔ سات سینے اور پچیس دن ہوتے ہیں۔

مورخین کے نزدیک خواجہ نظام الملک سے جو سب سے بڑی خدمت دولت سلجوقیہ کی ہوئی ہو۔ وہ قوانین ملکی کا وضع کرنا ہی جس کی نسبت ملک شاہ کا یہ فخریہ دعویٰ تھا کہ آئندہ یہی میرا دستور العمل ہوگا۔

اتحاط تقسیم خدمات ملکی اگرچہ یہ قانون خواجہ کی سب سے اخیر کارگزاری ہی مگر چونکہ امور وزارت میں یہ کام سب سے زیادہ قابل قدر اور لائق تحسین ہی لہذا سب سے پہلے قانون سلطنت پیش کیا جاتا ہے۔

اس عہد میں لغو اسان نے فضائل و کمالات اور تمدن و معاشرت میں چونکہ غیر متناہی ترقی ملک ترقی کر لی ہے۔ لہذا اسی پیمانے پر قانون سلطنت بھی وضع کیا گیا ہو۔ اور علوم و فنون کی فہرست میں قانون بھی مستقل علم کی حیثیت سے داخل ہے۔ چنانچہ عہد قدیم سے اب تک آہستہ آہستہ مدبران مشرق و مغرب نے قوانین پر جہد و اضافہ کیا ہے۔ اس کی تشریح جب ہی ہو سکتی ہے کہ قانون کی تاریخ لکھی جائے۔ لیکن ذرمرہ کا مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہے کہ سلطنت کا کوئی صیغہ ایسا نہیں ہے۔ جو قانون کی حکومت سے آزاد ہو۔ چنانچہ یہی ترقی کے دور میں تعلیم یافتہ گروہ کی نظروں میں خواجہ نظام الملک کے قانون سلطنت کی کیا عظمت ہوگی۔ مگر نہیں! بڑھتے وقت انکو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ یہ تحریر آج سے آٹھ سو چالیس برس قبل کی ہے۔ اور حکومت اسلام کا زمانہ ہو۔ مذہب کا عمل دخل ہی طرز زندگی

خواجہ نظام الملک سے پہلے ہی میں یہ قانون مرتب کر کے ملک شاہ کے حضور میں پیش کیا تھا جہاں نام میر الملوک (سیاست نامہ) تھا۔ اس وقت ہندوستان میں سلطان سعود ثانی بن ابراہیم بن سعود بن محمود غزنوی کی حکومت تھی اور انگلستان میں لیم ٹانی ملقب برٹش حکومت کر رہا تھا۔ تاریخی حیثیت سے ناظرین اب خود مقابلہ کریں۔

بالکل سادہ ہے۔ اور شریعت کے مطابق ہر مقدمہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ باوجود اسکے یہ قوانین زمانہ موجودہ کے اصول حکمرانی سے کس درجہ مطابق ہیں۔ اگر جزئیات سے قطع نظر کچھ بڑے نوکلیات میں برائے نام اختلاف رہتا ہے اور بالآخر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زمانہ حال کا قانون اور ضابطہ سلاطین سابق کے قوانین کا خوشہ چین ہے۔ اور یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جسکے لیے کسی مثال کی ضرورت نہیں ہے۔

اب ناظرین بنظر غور و تعمق خواجہ نظام الملک کے قانون سلطنت کو ملاحظہ فرمائیں خاتمہ یہ ہم بھی ایک مختصر تبصرہ (ریویو) لکھینگے۔ دَمَا تَوْفِيقِي لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُوَ نِعَمُ الْمَوْلَى لَوْ نِعَمُ النَّصِيرِ

خواجہ نظام الملک کا قانون سلطنت

بادشاہ اور رعایا کے فرائض

۱ (عادت الہیوں ہی جاری ہے) کہ وہ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے ایک شخص کو انتخاب کر لیتا ہے، پھر شاہانہ فنون سے آراستہ کر کے اپنی مخلوقات کا انتظام اسکے سپرد کر دیتا ہے، جس سے فتنہ و فساد کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور بادشاہ کی ہیبت و حمت کا سب کے دلوں میں سکھ بٹھا دیتا ہے۔ تاکہ اسکے عہد دولت میں خدا کی مخلوق چین سے زندگی بسر کرے، اور بے کھٹکے ہو کر بادشاہ کے دوام سلطنت کی دعا مانگتی رہے۔

۲ جب لوگ شریعت کی پابندی چھوڑ کر دین و مذہب کا خاکہ اڑانے لگتے ہیں اور خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ہیں اس وقت وہ انکے اعمال کی سزا دینا چاہتا ہے۔ اور بجا عادل اور مہربان بادشاہ کے ظالم حکمران مسلط کرتا ہے۔ اس دوران انقلاب میں خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں، اور گناہگار اپنی کرتوتوں کی سزا پاتے ہیں۔ اس کی مثال عبینہ ایسی ہے کہ

۱۱ سیاست نامہ، فصل اول، صفحہ ۶۷۔ مطبوعہ پیرس دار السلطنت فرانسیسی، مرقبہ پروفیسر فرید در رسالہ شریعت پیرس۔

جب کسی نیتاں میں آگ لگتی ہو تو اول وہ خشک چیزوں کو جلاتی ہو پھر ہمسائیگی کے طفیل میں تر و تازہ چیزیں بھی جل کر راکھ ہو جاتی ہیں۔“

۳ جب خدا اپنی مہربانی سے کسی کو صاحبِ تاج و تخت کرتا ہو تو اُسکے اقبال کے انداز پر علم و عقل بھی مرحمت فرماتا ہو۔ اور صرف یہی دو چیزیں ہیں کہ جسے رعایا پر (بلحاظ کمی و بیشی) مراتب حکومت کی جاتی ہو۔

۴ بادشاہ کا فرض ہو کہ وہ اپنی رعایا کو جانے پہچانے اور اُس کی قدر و ترس کے مطابق درجہ و منصب عطا کر کے دین و دنیا کے کاموں میں اُنہر بھروسہ کرے۔

۵ جبے عایا بادشاہ وقت کی اطاعت اور اپنے فرائض پورے طور سے ادا کرتی ہو تو خدا کی طرف سے بھی اُسکو امن و چین کی زندگی ملتی ہو۔ ایسے عہد سعادت میں اگر قائم مقامانِ سلطنت سے ناشائستہ افعال سرزد ہوں، یا وہ ملک پر دست درازگی میں تو پہلے اُنکو تادیب و نصیحت سے سمجھانا چاہیے۔ اگر وہ غفلت کی فینڈ سے جاگ اُٹھیں تو اپنے عہدوں پر قائم رکھے جائیں اور اگر اگلے رنگ میں ڈوبے رہیں تو بلاتامل وہ شخص مقرر کر دیا جائے جو اُس خدمت کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۶ رعایا میں جو لوگ حقوقِ نعمت کو نہ پہچانیں، اور پُر امن زمانہ کی قدر نہ کریں، بلکہ برہنستی سے سرکشی پر آمادہ ہوں تو اُنکو سزا دی جائے لیکن سزا کا پایہ جرم کے مطابق ہو۔

۷ جن بادشاہوں نے نہریں جاری کیں، تالاب کھدوائے، دریاؤں پر پل باندھے شہر، گاؤں، پُروے آباد کیے، نئے قلعے بنائے یا عام رستوں پر مسافر خانے جاری کیے۔

ان کا نام ہمیشہ زندہ رہیگا اور وہ آخرت میں بھی ان نیکیوں کا صلہ پائینگے۔

(۲) بادشاہ کا برتاو رعایا اور ہر کام کا باقاعدہ انجام دینا

آسمان ہمیشہ نئے رنگ لایا کرتا ہے اور سلطنت کو ایک خاندان سے دوسرے میں منتقل کر دیتا ہے۔ اس دوران انقلاب میں شریف پامال اور مفند طاقتور ہو جاتے ہیں۔ اور جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ امارت کا درجہ برے نام رہ جاتا ہے، کیونکہ ہر فرد مایہ چاہتا ہے کہ میں بادشاہ اور وزیر کا لقب اختیار کر لوں۔ اور اس کا کچھ خیال نہیں ہوتا ہے کہ ہم اس کے مستحق بھی ہیں یا نہیں۔ جب ایسا ہنگام ہوتا ہے تو سلطنت اور شریعت میں ضعف آ جاتا ہے اور تہ توں نظام سلطنت درہم برہم رہتا ہے لیکن پھر خدا کی مہربانی سے وہ ناگوار زمانہ گزر جاتا ہے۔ اور کوئی عاقل و عادل بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے اور وہ اپنی عقل سے ہر چیز میں تیسیر کرتا ہے۔

ہمیشہ وہی بادشاہ کامیاب ہوے ہیں جنہوں نے حکمرانی میں اصول سلطنت اور قوانین مملکت کو مات سے نہیں چھوڑا ہے۔ دشمنوں کو مغرور کرنا سلطنت کے جمع و خسیج کو، یکدہنا اور بدعت کا دور کرنا بادشاہ کا کام ہے۔ بادشاہوں کو اس پر بھی ہمیشہ توجہ رہی ہے کہ قدیم خاندان اور شاہی جلسوں، امیرانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کریں اور جب تک وہ زندہ رہیں ان کے وظائف بندہ نوں مستحق کچھ بیت المال سے ان کا حصہ برابر پہنچا رہے۔ اگر یہ لوگ دعا سے خیر نہ یاد کریں۔

صفحہ ۱۲۰ - ۱۲۱ - بیت المال (پبلک ٹریشی) خزانہ کا نام ہے یہ صیغہ بھی فاروق اعظم کی ذات سے جوڑا گیا۔ اس خزانہ میں وہ رقوم تادہ شہاد داخل ہوتی تھیں جنکے مسلمان مستحق ہوں اور اس کا کوئی خاص مالک متعین نہ ہو۔ اسی طرح اس خزانے سے خیر بھی ہوتا تھا جو مسلمانوں کی ضروریات سے متعلق ہو۔

مثال چند لوگوں نے جو مغر خاندان سے تھے ہرون الرشید کو یہ درخواست دی کہ ہم آپ کی رعایا میں ہم میں سے بعض عالم اور حافظ ہیں اور بعض وہ ہیں جنکے بزرگوں کا اس سلطنت پر حق ہو اور ہمارا حصہ بیت المال میں بہت کچھ ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ کی ذاتی خواہشوں میں سارا خزانہ لٹ رہا ہے، اور ہم لوگ روٹیوں سے محتاج ہو رہے ہیں۔ اگر بیت المال سے ہمارا حصہ

صلیہ خلیفہ ہندی کا چھوٹا بیٹا تھا۔ پورا نام الرشید ہرون ابو جعفر ای۔ انفری ایچ پی ایچ میں مقام سے پیدا ہوا۔ سکی مال کا نام شیراز تھا۔ ابو جعفر منصور (دادا) اور ہندی نے اپنے خوش نصیب بیٹے کی تعلیم و تربیت میں خاص انتظام کیا تھا چنانچہ کوئی فن ایسا نہ تھا کہ جس میں ہرون الرشید کو مجتہد نہ کمال حاصل ہو۔ ۲۶ برس کی عمر میں مقام عیسٰی آباد اپنے بڑے بھائی خلیفہ ہادی کے انتقال کے بعد شنبہ کی رات سطویں تاریخ ربیع الاول ۳۱۴ھ میں بڑے شان و شکوہ سے تخت نشین ہوئے اس عہد میں سلطنت عباسیہ کمال عروج پر تھی۔ رقبہ حکومت کی حد ہندوستان و ترانہ اسے بحرا و قیانا تک تھی۔ اور سولے اسپین کے کل اسلامی دنیا بے فرمان تھی یورپ چپتر ذکر آتا تھا وہ صرف دم و دیوان کا ملک تھا اور ہرون الرشید کے باجگزار تھے۔ سالانہ خراج (آسان بندوبست کے مطابق) جھک کے حساب سے کہیں کروڑ پچاس لاکھ روپیہ تھا۔ فوج کی تعداد قریب دو لاکھ سواریاں تھیں۔ اوقات ضرورت کے دوسری قسم کی فوج متوطہ (والذی ابھی تھی۔ ملکی فوجات سے زیادہ) میں بھی فوجات ہوئیں۔ اس زمانہ پر سلمان جعفر فرخ کریں کہ کم ہی امام مالک امام موسیٰ کاظم، قاضی ابو یوسف، امام محمد، عبداللہ بن مبارک، عباس بن یحییٰ شاعر، فضیل بن عیاض، ابن سنان، سبویہ کانی، یونس بن عیوب، خوی جیسے فرزداد گامشاہیں تھیں تھے اس ساری خلیفہ میں حقیقت وہ تمام خصلتیں جمع تھیں جو ایک پُر باز اور دیندار مسلمان بادشاہ میں ہونا چاہئیں۔ جان خطا کو قتل کر کے جیسا کہ ہرون الرشید کو میر ہوئے وہ دوسرے خلیفہ کو نہیں ملے کیونکہ وزارت میں ہرگز عہد نصیب نہ ہوا امام ابو یوسف شاعروں میں دن بن ابی حفصہ مذہبوں میں عباس بن علی حاجیوں میں فضیل بن ربیع مغنیوں میں براہیم الموصلی، اسکے عہد کا سب سے اہم تاریخی واقعہ خاندان براہم (بچی) فضل جعفر بنی دینار سلطنت کی بنیاد پر تفصیل کے لیے دیکھو ہماری کتاب البراہم مطبوعہ ۱۸۹۷ء نامی پریس کوئٹہ میں تیس برس دو مہینے اٹھا دینا حکمرانی کر کے ۴۶ برس مہینے کی عمر میں ہادی لاخری ۳۱۹ھ میں مقام طوس انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا۔ باوجود فیضی کے انتقال کی وقت خزانہ عاموں میں اٹھا دیا اور نفع دینے چھوڑا۔ کل سوانح عمری کے لیے ناظرین کو ہماری کتاب رشید عظمیٰ کا مقرر رہنا چاہئے جسکی اشاعت کا انشاء اللہ تعالیٰ جلد انتظام کیا جائیگا۔ اور ہمیں ہرون الرشید و مامون الرشید کی صحیح متعہ ہو گئے جو خوش قسمتی سے مل گئے ہیں

نہ لایا جائیگا تو ہم خدا سے فریاد کریں گے۔ کہ وہ ایسا خلیفہ مقرر کرے جو مسلمانوں پر مہربان ہو۔
یہ درخواست پڑ کر خلیفہ بہت ہی متاثر ہوا۔ جب مجلس میں پہنچا تو زبیدہ خاتون نے افسردہ خاطر ڈھکے
پر چھا کہ خیر تو ہے؟ خلیفہ نے واقعہ بیان کیا تو خاتون نے کہا کہ ”امیر المؤمنین کو اس مسئلہ میں وہی
کرنا چاہیے جو اگلے خلفائے کیا ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ بیت المال مسلمانوں کی
ملکیت ہے۔ اور آپ اس میں سے بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں ان کی شکایت حق بجانب ہے۔“
اتفاقاً دونوں نے یہ خواب دیکھا کہ وہ میدان قیامت میں کھڑے ہیں۔ اور ہر ایک شخص حساب کے
بعد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر) داخل بہشت ہو رہا ہے لیکن ہماری نسبت رسول اللہ
صلعم نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ پیش نہ کیے جائیں۔ کیونکہ انکے سبب سے مجھے خدا کے حضور میں
شرمندہ ہونا پڑیگا۔ اور میں انکی شفاعت نہ کروں گا۔ کیونکہ انھوں نے مسلمانوں کے مال کو اپنا
سمجھ رکھا ہے اور مستحقین کو محروم کر دیا۔“ چنانچہ یہ ہولناک خواب دیکھ کر دونوں جاگ اٹھے اور خدا کا
شکر کیا۔ اور دوسرے دن بیت المال سے مستحقین کو ہزار ہا درہم و دنیا تقسیم کیے۔ اور زبیدہ نے

لے امۃ العزیز لقب بزبیدہ (بنت جعفر بن منصور عباسی) لہرون الرشید کی سب سے ممتاز اور پیاری بی بی
کا نام ہے۔ اس خلیفہ کے چھ نکاح ہوئے تھے، مگر شرافت نسب اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے کوئی بیگم زبیدہ کے
ہم پلہ نہ تھی۔ کیونکہ زبیدہ کا چچا ہمدی خلیفہ تھا، باپ کو اگرچہ خلافت میسر نہیں ہوئی مگر ابن خلیفہ ہونے سے
اسکو انکار ہو سکتا ہے۔ جسکے ساتھ عقد ہوا وہ خلفا عباسیہ میں واسطۂ اختلاف کے لقب سے ممتاز ہے۔ اور خود اسکا
نحت جگر امین الرشید بھی خلیفہ بنوا۔ شمس العلما زبیدی نے امی الامون میں تحریر فرماتے ہیں کہ زبیدہ خاتون
کی ایجاد پسند طبیعت نے زیب و زینت کے متن پر بہت سے حاشیے اضافہ کیے جو نہایت ذوق و مسرت سے
قبول کیے گئے اور تمام امراء و عائد میں رواج پائے گئے۔ عنبر کی شمعیں اور جواہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجادات
سے ہیں۔ چاندی، آبتوس، صندل کے پتے، اول اسی نے طیار کر لے اور انکو دیا و سمورا اور مختلف رنگ کے

اپنے ذاتی مال سے ہزار ہا دینار صدقہ کیے۔ اور کوفہ اور مکہ معظمہ کے راستہ میں پختہ چاہات اور
سرحدوں پر مستحکم قلعے بنائے اور مذہبی لڑائیوں کے لئے اسلحہ اور گھوڑے خرید کیے اور ان مصارف
کے واسطے جاگیریں وقف کر دیں۔ اور پھر بھی جو روپیہ بچ رہا اُس سے کاشغری شہر پر
شہر بخشاں و تبریز آباد کیا۔ علاوہ اسکے خوارزم، اور اسکندریہ کی حدوں میں مستحکم قلعے اور جا بجا
مسافر خانے بنائے۔ اور ایک کثیر رقم مجاوران مدینہ منورہ اور بیت المقدس پر تقسیم کی گئی۔
شاہان بیدار کی یہ حالت ہی ہو کہ دیرینہ سال اور فوجی تجربہ کاروں کی عزت کیا کرتے تھے۔
اور ہر ایک کا درجہ و مرتبہ خاص تھا، اور جب کوئی ہم پیش آتی تو انھیں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔
لڑائی کے موقع پر ہمیشہ وہی لوگ بھیجتے جو آزمودہ کار ہوتے تھے لیکن اسپر بھی یہ خاص احتیاط
کیجاتی تھی کہ ایک دیرینہ سال ضرور ہمارا کر دیا جاتا تھا جو ہر موقع پر لغزشوں سے بچاتا رہتا تھا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰۳ سے آراستہ کیا۔ کپڑوں کی ساخت میں یہ ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے ہتھال کے لیے ایک ایک تان
پچاس ہزار اشرفی کی قیمت کا حیار ہوا "عیش طرب کا تو یہ رنگ تھا جو تم پر چلے ہو۔ اب مذہبی رنگ میں زبیدہ کو دیکھو تو
وہ اپنے زمانہ کی رابعہ بصری معلوم ہوگی۔ کیونکہ اسکے محل میں ایک سو کینزین حافظ قرآن تھیں جن میں سے ہر ایک کو نصف
۱۰۰۰ پائے سنا پڑتے تھے۔ ملاوت قرآن کے وقت قصر زبیدہ میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا شہد کی لکھیاں گن گنا رہی ہیں
(وكان يسمع في قصرها كدوى الخمل من فراءة القرآن) ابن جوزی کی روایت ہے کہ شہزادہ بن پانی کا
کال رہتا تھا اور حج کے زمانہ میں ایک شک پانچ روپیے میں آتی تھی لیکن زبیدہ نے اسے پہلے ۸۵ لاکھ۔ ویر صرف
کر کے ۲۰۰۰ میل کے فاصلے سے ارض حجاز میں ایک نہر جاری کی جسکے فیض سے ہر گھر میں شیشے بنے لگے۔ اس نہر کا نام
عين المشاس تھا (اب نہر زبیدہ کے نام شہر بجا اور بجلی مرست کے لیے اسامی چند ہو رہا ہے) زبیدہ کی شہزادی
میں شادی ہوئی تھی۔ ۲۸ برس تک بلند قبیل شوہر کا ساتھ رہا (۱۰۰۰) میں بیوہ ہوئی۔ اور بمقام بغداد و بردوشانہ
بہ جادی الادبی (۱۰۱۵) میں انتقال کیا۔ انتخاب ذکر بالدر المنثور فی طبقات ربات الخدو مصنفہ سیدہ
زینب مصری و شریفی شرح مقامات حریری۔ ابن خلکان صفحہ ۱۸۹۔ جلد اول۔

(۳) بادشاہوں کو خدا کی نعمت کا قدر شناس ہونا چاہیئے

بادشاہوں کو خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہیئے۔ مگر یہ رضامندی جب ہی ہو سکتی ہے کہ بندگان خدا پر عدل و احسان کیا جائے۔ عدل کا مرقہ بادشاہ کو یہ ملتا ہے کہ رعایا ٹھنڈے دل سے دُشمن مانگتی ہے، جس سے سلطنت مستحکم اور ملک میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور دین و دنیا کی نیکیاں حاصل ہوتی ہیں اور آخرت کا حساب ہلکا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور قول ہے کہ الملائکۃ یبقی مع الکفر ولا یبقی مع الظلم یعنی سلطنت کفر سے تو باقی رہ جاتی ہے مگر ظلم و ستم سے نہیں رہتی۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے انتقال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ مجھے دادا ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کرنا۔ چنانچہ جب تابوتِ خطیرہ ابراہیمی کے قریب پہنچا۔ اس وقت حکم الہی نازل ہوا کہ ”یجک یوسف کے واسطے نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے سلطنت کی ہے۔ جس کی جوابدہی ہنوز باقی ہے“ مقام غور ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ حال ہو تو پھر ما و شما کس گنتی میں آیا (۲) احادیث سے ثابت ہے کہ جو صاحبِ تاج و تخت ہیں یا کسی قسم کی حکومت رکھتے ہیں (مثلاً بزرگ خاندان جنگو اپنے گھر پر حکومت حاصل ہے) اُنے قیامت کے دن سب سے پہلے ہی پرسش ہوگی

لے فضل و مصلحت دو سیات نامہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر عدل کی تاکید ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَإِذَا حُكِمْتُمْ بِالْقُلُوبِ أَنْ تَتَوَلَّوْا بِالْعَدْلِ رَاوِیْہُ لَہُ تَفْصِیلُ کر کے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو) دوسرا حکم یہ ہے: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ۔ اور ارشاد نبوی ہے: یَرْحَمُ رَأْعَ وَكَلَّمَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ قَدْ لُئِیَ سَاعَةٌ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَبْعِينَ سَنَةً یعنی ہر شخص کے لیے اور قیامت کے دن اُنکو اپنی رعیت کی جوابدہی کرنا پڑیگی۔ اور ایک ساعت کا انصاف شر بہشت کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ عبادت کا نتیجہ عاید کی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ اور عدل کا فائدہ تمام مخلوق کو پہنچتا ہے۔ اور حکما کے نزدیک بھی عادل ہونا انسان کی سب سے بڑی صفت ہے۔“

حق کی چودا ہے کو اپنی بکریوں کے یوڑ کی جوابدہی کرنا پڑیگی۔

اے میرے شہنشاہ (خطاب زماک شاہ) خوب سمجھ لیجئے کہ قیامت کے دن تمام حکمرانوں سے انکی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ اور یہ عذر کسی کا نہ سنا جائیگا کہ یہ کام فلاں شخص کے سپرد تھا۔ پس جبکہ یہ حال ہو تو بادشاہ کو اپنی ذمہ داریوں اور حقوق رعایا سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔“

(۴) عدل و انصاف

کم سے کم یہ تو ضرور ہو کہ ہفتہ میں دو دن تصفیہ و مقدمات کے لئے بادشاہ خود اجلاس کرے اور رعایا کی شکایتوں کو بلا واسطہ سن کر ہر معاملہ میں حکم صادر کرے اور جب یہ خبر ملک میں پھیل جائیگی کہ بادشاہ عدالت میں بیٹھ کر ہفتہ میں دو دن مظلوم اور فریادیوں کو اپنے سامنے بلا کر ان کے حالات سناتا ہو، تو ظالموں کو خود ہی خوف اور سزا کا کھٹکا ہوگا۔ اور ستم آزاری گھٹ جائیگی۔ چنانچہ میں نے کتب قدیمہ میں پڑھا ہے۔

(۱) کہ قدیم شاہان عجم کا دستور تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کے کسی اونچے ٹکڑے پر کھڑے ہوتے تھے، تاکہ تمام داد خواہوں کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر ان کی داد دے سکیں۔ اور یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا تھا کہ بادشاہ قلعوں میں رہتے ہیں اور وہاں تک پہنچنے میں کتنے ہی حجاب کے پردے طے کرنے پڑتے ہیں، اور حاجت و رہبان بھی مظلوم کو بادشاہ تک نہیں پہنچنے دیتے ہیں۔

(۲) ایک بادشاہ کچھ اونچا سناتا تھا۔ اُسے خیال کیا کہ مہرجم فریادیوں کی شکایتیں صحیحہ طور پر

مجھے نہیں بیان کرتے ہیں، ایسے میرا حکم بھی ٹھیک نہ ہوتا ہوگا۔ چنانچہ اُس نے عام حکم جاری کر دیا کہ ستم رسیدوں کے سوا کوئی سرخ لباس نہ پہنے۔ تاکہ مجھے شناخت کرنے میں دقت نہ ہو۔“ یہ بادشاہ ہاتھی پر سوار ہو کر جنگل میں کھڑا ہوجاتا تھا۔ اور جن لوگوں کو سرخ کپڑے پہنے دیکھتا۔ اُن سب کو پہلے ایک جگہ جمع کرتا، پھر تخلیہ میں ایک ایک کا حال پوچھتا اور وہ چلا چلا کر اپنا حال کہتی تھے۔ اور ہمارا مدعا نہیں دیتے ہوئے واپس جاتے تھے۔

شاہان سامانیہ میں اسماعیل بن احمد ملقب بہ امیر عادل بڑا منصف، نیک سیرت، پاک مذہب اور غیب نواز بادشاہ گزرا، جس کے واقعات زندگی مشہور ہیں۔

اس امیر کا دار السلطنت بخارا تھا اور خراسان، عراق اور دارالہند اس کے بزرگوں کے علاقے تھے۔ چنانچہ سیستان بے یعقوب بن لیث سے خراج لیا۔ اور تمام سیستان پر قبضہ کر لیا۔ چوہ داعیان مذہب اسماعیلیہ کا یعقوب پر جادو چلا دیا تھا۔ لہذا خلفاء بغداد سے اُس کو بدعتاً دی پیدا ہوئی۔ اور دار الخلافہ پر حملہ کر کے حضرت عباسؑ کے خاندان کو مٹانا چاہا۔ جب یعقوب کے

سلطہ اسماعیل بن احمد ملقب بہ امیر عادل، آل سامان میں پہلا بادشاہ ہوا۔ اس کا سلسلہ نسب بہرام چوہیں پرتم ہوتا ہے۔ آٹھ برس دو مہینے حکومت کر کے ۳۹۹ھ میں فوت ہوا۔ اس بادشاہ کا حافل، عادل، عظیم ہونا مشہور ہے اور اس کی سوانح عمری نہایت دلچسپ ہے۔ ازنگارستان و تاریخ الدول سید احمد خان۔ ۳۹۹ھ یعقوب، شاہ صفاریہ میں صرف تین حکمران ہوئے ہیں اول لیث دوم یعقوب تیسرا عمرو۔ خراسان، سیستان، ماہران، فارس، غوزستان، کرمان میں ان کی حکومت تھی ۳۹۹ھ لغایت ۳۹۹ھ حکومت رہی۔ یعقوب بن لیث ابتدا میں محنت مزدوری کیا کرتا تھا گزاسی بہادری سے پھر لیثوں کا سردار بن گیا۔ اور جب فوجی قوت اعلیٰ درجے کی ہو گئی تو محمد بن طاهر گورنر خراسان پر فوج کشی کر دی۔ اور اس کو ۳۹۹ھ میں شکست دیکر قید کر لیا اور خود حاکم بن گیا۔ خلیفہ مستعین باللہ کو یہ امر نہایت ناگوار معلوم ہوا۔ لہذا ایک لڑائی کے بعد مجبوراً صلح پر آمادہ ہوا۔ بقیہ حالات اس واقعہ میں تحریر ہیں۔ یعقوب نہایت بہادرمستقل، مزاج سمجھ، تھا ۳۹۹ھ فوت ہوا۔

ارادے سے خلیفہ کو خبر ہوئی تو اُس نے سفارت روانہ کی اور پیام بھیجا۔ کہ تمکو بغداد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ کوہستان، عراق اور خراسان پر قبضہ نہ کرو۔ اور اسکا انتظام کرتے رہو۔ تاکہ دل میں دوسرے خیالات ہی نہ پیدا ہوں۔“ لیکن یعقوب نے کہلا بھیجا کہ ”میری تو یہ آرزو ہے کہ حاضر دربار ہو کر شہرِ اطاعت بجالاؤں۔ اور تجدیدِ سعیت کروں۔ اور جب تک یہ تمنا پوری نہ ہوگی واپس نہ ہونگا۔“ چنانچہ بارگاہِ خلافت سے بار بار قاصد روانہ ہوئے مگر ہر بار ایک ہی جواب لائے۔ اور آخر الامر یعقوب نے بغداد کی طرف کوچ کر دیا۔ سہل اطلاع سے خلیفہ کو بدگمانی ہوئی اور ارکانِ دولت کو جمع کر کے کہا کہ ”مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب باغی ہو گیا ہے۔ اور نیتِ مجرمانہ سے ادھر آ رہا ہے۔ کیونکہ مینے حاضری کی اجازت نہیں دی ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ لوٹ جاؤ مگر وہ نہیں پلٹتا ہے۔ بہر حال بدقتی معلوم ہوتی ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ مذہبِ باطلینہ میں داخل ہو گیا ہے لیکن جب تک وہ بغداد میں پہنچ نہ جائیگا اسکا اظہار نہ کریگا اس لیے اب جھکو ہوشیار ہونا چاہیے اور تمہارے نزدیک جو تدابیر مناسب ہوں بیان کرو۔“ چنانچہ بالافتح طے پایا کہ خلیفہ کو شہرِ چھوڑ کر جنگل میں ڈیرے ڈالنا چاہیئے۔ اور اعیانِ دولت بھی ہمراہ ہوں۔ یعقوب خلیفہ کو آبادی سے باہر اپنی توفج کو دیکھ کر لڑائی قیاس کریگا اور اسوقت اُس کی سرکشی کا حال معلوم ہو جائیگا۔ لیکن دوطرفہ فوج میں لوگوں کی آمد و رفت جاری ہے تاکہ حالات معلوم ہوتے رہیں۔ اگر یعقوب بغاوت پر آمادہ ہوگا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام عراق اور خراسان کے سردار اُس کی طرف ہو جائیں اور جنگ کی اجازت دیں اور اگر لڑائی نہ لڑے تو کسی نہ کسی تدبیر سے ہم یعقوب کی فوجوں کو واپس کر دیں گے۔ اور اگر شکست پائی تو بھی ہم قیدیوں کی طرح زنداں میں رہیں گے

بلکہ زندہ و سلامت کسی نہ کسی طرف چلے جائینگے! چنانچہ امیر المومنین کو یہ تبریر پسند آئی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ اس نامور خلیفہ کا نام ^{۱۱}معتد علی اللہ احمد تھا۔ چنانچہ یعقوب کی فوجیں خلیفہ کی برابر خنجرین ہوئیں اور منزل پر پہنچ کر امیر نے خلیفہ سے کہلا بھیجا کہ آپ بغداد کو خالی کر دیں اور جہاں جی چاہے تشریف لیجائیں۔ چنانچہ خلیفہ نے دو ہفتے کی مہلت مانگی اور وہ نا منظور ہوئی۔ ادھر خلیفہ نے رات کو امیر کے افسران فوج سے کہلا بھیجا کہ ”یعقوب باغی ہو کر ملاحدہ سے مل گیا ہے اور اسکے آنے کا نشانہ یہ ہے کہ ہمارے خاندان کو مٹا کر دشمنوں کو ہمارا جانشین کرے۔ اب بتاؤ کہ تم بھی یعقوب کے بھیلان میں یا نہیں“ چنانچہ ایک گروہ نے کہا کہ ہم تو امیر کے نک خوار اور حکم کے تابع ہیں، مگر فوج کے بڑے حصہ نے کہہ دیا کہ ”ہم کو ان واقعات کی کچھ خبر نہیں ہے۔ اور جہاں تک ہم کو علم ہے امیر ہرگز امیر المومنین کا مخفی لفظ نہیں ہے۔ اور اگر مخفی لفظ کا اعلان ہوا تو ہم ہرگز اجازت نہ دینگے۔ رزم اور ہزم دونوں میں ہم خلیفہ کے ساتھ ہیں“

۱۱۔ المعتد علی اللہ ابو العباس (ابو جعفر احمد) ابن متوکل۔ تاجداران بغداد میں تیر ہواں خلیفہ ہے۔ مُتَدی باللہ کے قتل ہونے پر جو حق کے قید خانہ سے نکال کر اگلے دربار سے بلا ۲۵۲ھ میں تخت نشین کیا۔ اسکا بھائی موفق نے نہایت قابل اور نیک شخص تھا۔ کل کار و بار سلطنت کو وہی انجام دیتا تھا اور خود عیش عشرت میں پڑا رہتا تھا۔ موسیقی اور شاعری سے بہت شوق تھا۔ کاتب اسکے اشعار سونے کے پانی سے لکھا کرتے تھے۔ اور ۲۵۲ھ ہجری میں یعقوب صفار اور احمد بن طولون (حاکم مصر) نے بغاوت کی بلکہ احمد سے یہاں تک بگاڑ ہوا کہ مصر میں معتد پر اور بغداد میں احمد بن طولون پر سربمبعوث کیجا جاتی تھی۔ اسکے عہد میں حسب بڑا واقعہ یہود خارجی کا خروج ہے۔ جسے لاکھوں مسلمان اور سادات کو قتل کر دیا صرف بصرہ میں تین لاکھ آدمی ایک دن میں قتل ہوئے۔ علوی عورتیں اور وہیہ تین روپیہ تک اسکے لشکر میں نیلام ہو کر تکی تھیں۔ لیکن موفق نے بڑی بہادری سے یہود کا مقابلہ کیا اور آخر کو اسکا سر کاٹ کر بغداد میں لایا۔ تاہم بغداد میں شیل عید کے یہ خوشی کا دن تھا۔ معتد کے اخیر در حکومت میں مقام کو وہ قرامطہ کا زور ہوا۔ ابو جعفر محمد المعتد ابو مشر بن علی بن جونی ہی، دربار سے تعلق تھا۔ ۲۵۲ھ میں المعتد نے انتقال کیا۔ اسی طرح ۱۱۶ھ مطابق مصر و مختصر الدول ابن

یہ قول اُمراءِ خراسان کا تھا۔ خلیفہ کو جب سردارانِ فوج کی ہمدردی کا علم ہوا تو مطمئن ہو گیا۔ اور دوسرے دن دلیلاً نے امیر یعقوب کو پیغام بھیجا کہ تمہاری طرف سے ناسپاسی اور کفرانِ نعمت کا اعلان ہو چکا ہے۔ اب صرف تلوارِ جدِ فاضل ہے۔ اور مجھے ستمنا اس کا خوف نہیں ہے کہ تمہاری فوج کثیر اور میری قلیل ہے۔ اس کے بعد فوج کو طیاری کا حکم دیا۔ اور لڑائی کا تقارہ بجا دیا گیا۔ جنگل میں فوجیں صف آرا ہو گئیں۔ امیر بہ طیاریاں دیکھ کر بول اٹھا کہ بس اب میں کامیاب ہو گیا۔ اور اپنی فوجوں کو بھی صف بندی کا حکم دیدیا۔ لڑائی کے موقع پر خلیفہ فوج کے وسط میں تھا۔ چنانچہ عین وقت پر خلیفہ نے ایک نقیب کو حکم دیا کہ ”وہ دونوں فوجوں کے مابین اونچی آواز سے لٹکار کر کہے۔ کہ ”لے گروہ سلام! واقف ہو جاؤ کہ یعقوب باغی ہو گیا ہے، اور اس کی فوج کشی کا یہ مطلب ہے کہ حضرت عباس کے خاندان کا استیصال کر دے۔ اور کسی کو مہدی سے لاکر شہین کرے اور بجائے سنت کے بدعت پھیلائے۔ جو شخص خلیفہ رسول کی اطاعت نہ کرے گا وہ خدا کا نافرمان بندہ ہوگا۔ اور دائرہ اسلام سے بھجائیگا۔ اور یہی حکم خدا کا ہے کہ ”أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَطِيعُوا أَوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ اب وہ کون شخص ہے جو بہشت چھوڑ کر دوزخ میں جانا چاہتا ہے۔ اور حق کی مدد کرو اور باطل کو چھوڑو۔“

جب امیر کی فوج نے یہ کڑا کاسنا تو اُمراءِ خراسان اُدھر سے اُدھر آگئے۔ اور سب نے بالاتفاق کہا کہ ”ہم کو یقین تھا کہ امیر بنظرِ اطاعت حسبِ حکمِ عالی حاضر ہوا ہے۔ اب چونکہ وہ باغی ہو گیا ہے لہذا

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (بربر) کا شہر شہری قیوان سے جانب جنوب و مدجل کے فاصلہ پر ہے۔ ایک ماہر ازبک خلیفہ فاطمہ کا دارِ سلطنت ہے لیکن ۱۱۳۵ھ میں بوزغ طلعہ کی کڑوریوں سے عیسائیوں نے چھین لیا۔ نقشہ میں ۱۱۳۵ھ میں خلیفہ اور ۱۱۳۵ھ میں واقع ہے۔ ازہر اصدالاطلاع وجام جم

جب تک دم نہیں دم ہی ہم آپ کے ساتھ ہیں اور رٹنے مرنے پر تیار ہیں۔ اس اعانت سے خلیفہ کو بڑی قوت پہنچ گئی اور پہلے ہی حملہ میں مسیح یعقوب شکست کھا کر خوزستان کو چلا گیا۔ خلیفہ کی فوج نے کل خزانہ امیر کا لوٹ لیا۔ اور مال غنیمت سے فوج مالا مال ہو گئی۔ لیکن مسیح نے خوزستان پہنچ کر ہر طرف آدمی دوڑا کر فوجوں کو جمع کیا۔ اور عراق اور خراسان کے خزانے سے درہم و دینار منگائے۔ خلیفہ نے ان طیاروں کا حال سن کر ایک قاصد مع نامہ کے روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم سید بے سادے آدمی ہو۔ مگر مخالفوں کے بہانے سے مغرور ہو گئے تھے اور انجام کار پر کچھ نظر نہ تھی۔ آخر دیکھ لیا کہ خذلنے کیا کر دکھایا۔ خود تیری فوج سے تلو شکت لاد دی۔ خیر میں اس کو ایک سہو سمجھتا ہوں۔ اور یقین کرتا ہوں کہ اب تم بیدار ہو گئے ہو گے۔ اور اپنے کیے پر پشیمان ہو گے۔ عراق اور خراسان کی امارت کے لیے تم سے شائستہ ترکوئی دوسرا نہیں ہو اور میرے نزدیک تمہارے حقوق نعمت بھی بہت زیادہ ہیں لہذا میں اعلیٰ خدمات کے معاوضے میں پہلی خطا کو معاف کرتا ہوں اور جو کچھ ہوا اس کو سمجھتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ اب اس قصے کو بھول جاؤ۔ اب فرمان عالی یہ ہے کہ بہت جلد عراق و خراسان میں پہنچ کر ملکی انتظام میں مصروف ہو۔ اس فرمان کے مطالعہ سے بھی امیر کا دل کچھ نرم ہوا اور نہ اپنے فعل پر پشیمان ہوا۔ اور حکم دیا کہ ”امیک خوان (چوبی کشتی) میں کچھ ساگ پات اور کچھ مچھلیاں، اور چند گریں پیاز کی رکھ کر لاویں۔“ جب یہ خوان سامنے آگیا تب حکم دیا

۱۵ جو سب خواجہ نے اس فتح کا لکھا ہے اگرچہ وہ بھی سچ ہو گا مگر خلیفہ معتمد کے سپہ سالار اور بھائی موافق کی بہادری و حکمت عملی کو بھی اس میں بڑا دخل ہے۔“

کہ خلیفہ کے قاصد کھلاؤ اور قاصد سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”تم رخصت ہو اور میری جانب سے خلیفہ کے حضور میں عرض کرو کہ میں ذات کا کسیر ہوں اور اپنے موروثی کام سے واقف ہوں میری غذا جو کی روٹی، مچھلی، ساگ، اور پیاز ہی سلطنت، خزانہ، اور فوج و چشم میری عیاری اور بہادری کا نتیجہ ہے۔ اسکو نہ تو میں میراث میں پایا ہے اور نہ آپ کا عطیہ ہے۔ میں اسوقت تک پخلا نہیں بیٹھ سکتا ہوں جب تک ہر مبارک ہمدیہ میں نہ بھیجوں اور خاندان کو تباہ نہ کر ڈالوں۔ یا تو میں اپنا قول پورا کرونگا یا پھر وہی جو کی روٹی اور ساگ پر گزارا رہی۔ میں نے خزانہ کا مونہ کھول دیا ہے اور فوج کو بلایا ہے۔ اور قاصد کے قدموں کے نشان پر میں بھی آ رہا ہوں“ یہ لکھ کر قاصد کو رخصت کیا اس کے بعد بھی اگرچہ خلیفہ نے نامہ و پیام اور خلعت سے کام نہ لیا تھا۔ مگر امیر اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔ اسوقت اگرچہ وہ عارضہ قولنج میں مبتلا تھا۔ اور درمیں تڑپ رہا تھا مگر پھر بھی فتح بغداد سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ اپنے بھائی عمرو بن لیث کو ولیدہ کر کے خزانے کی یاد دہشتیں پھر کر دیں اور مر گیا۔“

اس نئے امیر نے بغداد کا خیال نہیں کیا اور کوہستان میں چلا گیا اور کچھ عرصہ تک وہاں ٹھہر کر خراسان کو روانہ ہوا۔ عمرو بن لیث نہایت زندہ دل، فیاض، ہوشیار اور صاحب اثر تھا۔ اور اس کی مروت اور ہمت کا یہ حال تھا کہ باور چنائے کا اسباب چار سو اونٹوں پر چلتا تھا۔ بانی سامان کا اسی سے اندازہ کر لو۔ لیکن خلیفہ کو عمرو بن لیث کی طرف سے بھی لی ہر تھا

۱۵۔ امیر یعقوب کی موت اور عمرو بن لیث کی تخت نشینی کی ایک ہی تاریخ ہے یعنی ۲۸۹ھ۔ یہ امیر تمیل بن احرسان کی قید میں بمقام بغداد ۲۸۹ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ اس کے انتقال کے بعد خاندان سامان کو بہت عروج ہوا۔ (ازدول سید احمد حلالان حالات بنی صفار۔)

کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی اپنے بھائی کا چلن اختیار کرے اور پھر وہی دن دیکھنا پڑیں اس لیے خلیفہ ہمیشہ اسماعیل بن احمد سامانی کو اُبھار کر تا تھا اور اس قسم کے پیام بھیجا کرتا تھا کہ عمرو بن لیث چرمسہ کر کے اُسکا ملک چھین لو اور خراسان و عراق کی امارت کے واسطے تم زیادہ موزوں ہو، کیونکہ یہ ملک تمہارے اجداد کا ہی۔ اور اُنکا قبضہ غاصبانہ ہی۔ اول تو تم حقدار ہو، دوسرے نیک صفات تیسرے یہ کہ میں عاگوں۔ اسلئے کوئی شبہ نہیں ہے کہ خدا تمکو عمرو بن لیث پرستخ دیگا۔ یہ خیال اُٹھو کہ میری فوج قلیل ہو خدا فرماتا ہے کُمْ مِنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ عَلِمْتُ فِتْنَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّادِقِينَ اسیر اسماعیل خلیفہ کی باتوں میں آگیا۔ اور فوج جمع کر کے حیون سے اُتر اور اپنے چابک کی نوک سے جب فوج کا جائزہ لیا تو کل دو ہزار سوار تھے۔ اور فوج کی حالت یہ تھی کہ فی دوسوار ایک کے پاس سپر تھی۔ اور سپر میں سے ایک کے پاس آہنی جال۔ اور چپاں میں سے ایک کے پاس نیزہ تھا (اور رکاب میں کشر لکڑی کی تھیں) غرض کہ اس حال سے یہ فوج نہر آموئے اُتر کر مرو پہنچی۔ جب عبد بن لیث کو نیشاپور میں اطلاع ہوئی کہ اسیر اسماعیل حیون اُتر کر مرو پہنچ گیا ہے۔ اور وہاں کا شعبانہ غیر مقابلہ بھاگ گیا ہے اور فوجیں دار السلطنت کی طرف آرہی ہیں۔ اُسوقت عمرو مہنسا اور شہر ہزار سوار کا جائزہ لیا۔ (جو آہنی لباس میں ڈوبے ہوئے تھے) غرض کہ یہ فوج بلخ کو روانہ ہوئی اور مقابل میں پہنچ کر لڑائی شروع ہو گئی، لیکن تصاف سے عمرو بن لیث کو بلخ کے دروازے پر ٹکٹ ہو گئی

۱۔ یہ لڑائی ربیع الآخر ۲۳۲ھ میں ہوئی تھی بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اسماعیل کی فوج بارہ ہزار اور عمرو کی فوج آہنی ہزار تھی۔ ۲۔ پندرہویں ربیع الآخر ۲۳۲ھ بروز منگل عمرو بن لیث کو شکست ہوئی۔ اور شکست کا سبب یہ ہوا کہ جنگی باجوں کی آواز سے عمرو کا گھوڑا بڑا گیا تھا اور بال اُسکے ہات سے چھوٹ گئی تھی عمرو نے بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اور گھوڑا ہنسٹوں میں پھنس گیا۔ اور وہاں گرفتار ہو گیا۔ اور یہی عظیم الشان جنگ کا چہند

اور طبع یہ ہی کہ تمام فوج میں سے نہ کوئی زخمی ہوا اور نہ کوئی مقید، مگر صرف عمرو بن لیث قید ہو گیا اور جب اسمعیل کے سامنے گرفتار ہو کر آیا۔ تو حکم ہوا کہ ”چلتے والوں (یوزبانان) کے سپرد کر دو۔“

اسی جنگ کا یہ واقعہ ہوا اور عجائباتِ عالم میں سے ہی کہ دو پہر کے وقت عمرو بن لیث کا ایک فراش لشکر میں گھوم رہا تھا کہ اُس کی نظر عمرو پر پڑ گئی (جو ایک خیمہ میں قید تھا) فراش اپنے مہر کی یہ حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور باپس جا کر عرض کیا کہ ”آج کی رات آپ میرے مہماں ہوں گے“

میں بالکل تنہا ہوں۔“ امیر نے فراش سے کہا کہ ”جب تک زندگی ہی بغیر کھانے کے گزرنہیں ہے۔ لہذا کھانا طیار کر لے کر پانچ فراش ایک سیر گوشت لایا۔ اور دو تین ڈیسے مٹی کے جمع کر کے چولھا بنایا اور کڈے سلکا دیئے، اور کسی سپاہی سے دیگی مانگ کر گوشت کے پائے بھوننا چاہے اور خشک ٹکڑوں کو دیگی میں رکھ کر نمک کی فکر میں چلا گیا۔ دن ڈھل رہا تھا کہ ایک کُٹا آیا اور دیگی سے ایک ہڈی نکالی۔ جب مونہہ جلنے لگا تو ہڈی چھوڑ کر بھاگنا چاہا مگر دیگی کا حلقہ گردن میں لگیا اور وہ بہت جلد ہو کر بھاگا۔ عمرو نے یہ حال دیکھ کر اپنے نگہبانوں سے کہا کہ ”مجھے دیکھو اور عبرت پذیر ہو“

میں وہ ہوں کہ جسکے باور چرخانہ کا اسباب آج صبح چار سواؤنٹوں نے اٹھایا تھا (اور پھر بھی خوان کو کمی اونٹوں کی شکایت تھی) اور آج رات کو یہ عالم ہے کہ تمام باور چرخانہ ایک کتے کی گردن پر ہے۔

پھر کہا کہ ”اَصْحَبْتُ اَمِيْرًا وَاَمْسَيْتُ اَسِيْرًا“ میں صبح کو امیر تھا اور شام کو اسیر ہوں۔“

عالم گرفتاری میں عمرو بن لیث نے اپنے خزانے کی فہرستیں ایک معتمد کے ذریعے سے امیر اسمعیل

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۴ منٹوں میں دارا نیا را ہو گیا۔ اس واقعہ پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔
بہید و دم و زید چون تو بہ یک چشم زخم
شکر چوں کہہ را کن بخدا کلم شکست

تاریخ نگارستان صفحہ ۱۱۰۔

کے پاس بھیجیں، مگر امیر نے یہ ٹھکرا دیا کہ ”یہ درہم و دینار وہ ہیں جو بوڑھی عورتوں کی سوت کی کٹائی اور مسافروں، یتیموں، ضعیفوں، بکے مال سے ظالمانہ طریقہ سے جمع کیے گئے ہیں۔ اور جس کی جوابدہی خدا کے سامنے خود تجھ کو کرنا پڑے گی، وہ تو میری گردن پر ڈالنا چاہتا ہے، قیامت کے دن جب عویدار کھڑے ہوں گے کہ ہمارا مال واپس کرو جو ناحق لیا گیا ہے۔ اس وقت تم کھد گے کہ میں نے اسماعیل کے سپرد کر دیا ہے اس سے مانگو میں اُنکے جواب اور خداوند عزوجل کے عتاب کی طاقت نہیں رکھتا ہوں۔“ چنانچہ محض دیانت اور خوفِ خدا سے یہ خزانہ اسماعیل نے قبول نہیں کیا اور یہ ساری احتیاط محض اس لیے تھی کہ قیامت کے مواخذے سے بچیں۔

دہ، عمال و وزراء اور غلاموں کی نگرانی

بادشاہ کا یہ بھی فرض ہے کہ وقت تقریر عمال کو نصیحت کرے کہ وہ رعایا سے اچھا برتاؤ کریں۔ اور صرف جائز رقم زمی اور رعایت سے آمدنی کے وقت وصول کریں کیونکہ قبل از وجوب مطالبہ وصول کرنے میں عایا کو سخت تکلیف پہنچتی ہے اور لوگ ضرورتاً اپنا مال وہ سبب دے دو آئے کو بیچتے پھرتے ہیں اور آخر کو تباہ و خانہ برباد ہو جاتے ہیں جب عایا میں سے کوئی شخص بل، بیل، اوٹ، تخم، زری کے قابل نہ ہے۔ اور بالکل محتاج ہو جائے اس وقت تعاوی سے مدد کی جائے۔ اور سرکار کی جانب سے وہ بالکل سبکبار کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے گھر میں آرام سے رہے اور پریشانی صورت نہ دیکھے۔“

مثال کے طور پر ہیں چند واقعات بیان کر دینگا۔

(۱) قبائل ملک کے عہد حکومت میں سات برس تک قحط رہا۔ اور آسمان سے برکتوں کا نازل ہونا بند ہو گیا۔ اسوقت بادشاہ نے عاہلوں کو حکم دیا کہ ”غلہ کے ذخیرے بیچ ڈالے جائیں اور محتاجوں کے واسطے بیت المال کھول دیا جائے۔“ چنانچہ تمام سلطنت میں ایک شخص بھی دن قحط میں بھوک کی شدت سے فوت نہیں ہوا۔ اور یہ نتیجہ صرف بادشاہ کی نگرانی کا تھا کہ اُسے عمال کی پوسے طور پر دیکھ بھال کی تھی۔

(۲) عمال کی نگرانی ہمیشہ کی جائے اگر وہ اس طرح پر رہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے تو خیر و شر وہ برطرف کر دیے جائیں۔ اور اگر محصل ملکی رعایا سے زیادہ وصول کریں تو واپس لیکر ان کو ویدیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور وہ دراز دستی چھوڑ دیں۔

(۳) وزراء کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے فرائض ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں یا نہیں کیونکہ سلطنت اور حکومت کا نظام صیغہ وزارت سے وابستہ ہے۔

سلطنت قبلا جب کا لقب نیکو رکھتے تھے۔ ساسانیوں میں انیسواں بادشاہ ہے۔ اسکے عہد میں دزیر سوخرا (پدر بزرگ چہر) کا پورا عمل دخل تھا۔ جب وہ بہت عادی ہو گیا تو قبلا و سہ سالار شاپور کی مدد سے اسکو قتل کر دیا۔ حکومت کے دس برس بعد مزدک کا ظہور ہوا۔ اس بادشاہ کو عمارت سے خاص ذوق تھا۔ اسکے عہد میں چند شہر آباد کیے گئے جنکے نام یہ ہیں۔ شاہ جورہ۔ کارزون۔ حلوان۔ ارغان۔ شہر آباد۔ برقع۔ گنجہ۔ اور موصل کی تجدید کی۔ اور شہر اہل کو مستحکم کیا۔ طبرستان میں متعدد عمارتیں بنائیں۔ اناس۔ فی، سی، ایس، قیصر دوم سے متعدد لائیاں ہوئیں اور کامیاب ہا۔ اسکے آٹھ بیٹے تھے، نو شیرواں، فیروز، سم، زرداد، آردشیر، کاؤس، یزدگرد، وزیر، مگر سب نامور نو شیرواں ہوا۔ ۳۴ برس سلطنت کر کے فوت ہوا۔ انتخاب زماغخ التوایخ جلد دوم صفحہ ۳۲-۳۱۔ نامور شیرداں صفحہ ۱۳۰۔ تاریخ ملکہ صاحب عہد قبلا و۔“

(۴) جب وزیر نیک چلن اور مدبر ہوئے ہیں تب ہی ملک آباد اور فرح و رعایا شاد رہتی ہے۔ اور خود بادشاہ کو بھی اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ اور اگر وزیر ایسے نہ ہوئے تو نتیجہ برعکس نکلتا ہے۔ چنانچہ بہرام گور اور اسکے وزیر راست و سس کا واقعہ مشہور ہے۔

سلہ بہرام گور کے وزیر کا نام راست و سس تھا اور کل انتظام سلطنت اسکے سپرد تھا۔ اور اس قدر معتد علیہ تھا کہ بہرام گور کسی کی بات اسکے مقابل میں نہ سنتا تھا۔ اور خود درازت سپرد سرکار میں پڑا پھرتا تھا۔ بہرام گور کا ایک شخص اوجھیں برائے نام جشین تھا۔ جبکہ خلیفہ بہرام گور کہتے تھے چنانچہ راست و سس نے اس شخص سے کہا کہ چونکہ میرے مزاج میں عدل بہت ہی اسوجہ سے رعایا بے ادب ہو گئی ہے اور بادشاہ کو عیش و طرب کے دلچسپی ہے۔ ایسے جب تک کہ عایا کو قرار و تعوی سزا نہ دی جائیگی اسوقت تک بربادی کا احتمال ہے۔ لہذا جبکہ واسطے جو سزائیں تجویز کروں اسکا عملہ راند آپ کی طرف سے ہونا چاہیئے۔ اور میری سلسلے میں سزا کے دو اصول ہیں ایک یہ کہ بد اعمالوں کی تعداد گھٹا دی جائے۔ دوسرے یہ کہ نیک آدمیوں سے مال دولت چھین لیا جائے۔ چنانچہ جبکہ خلیفہ گرفتار کرتا تھا راست و سس اسکو رشوت لیکر چھوڑ دیتا تھا۔ غرض کہ تمام سلطنت میں کسی کے پاس گھوڑا، غلام، خوبصورت کینز، یا عمدہ جاگیر باقی نہیں رہی تھی جسپر وزیر نے بڑی رشوت قبضہ نہ کر لیا ہو۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا برباد ہو گئی اور ملک کے معزز و سربراہ درہ اشخاص جلا وطن ہو گئے اور غرضانہ شاہی خالی ہو گیا۔ چنانچہ ایک ماہ دراز اسی طرح پر گزر گیا۔ اور ایک غنیمت ملک پر چڑھ آیا۔ تب اس موقع پر بادشاہ نے چاہا کہ صلہ و انعام دیکر فرج کو دشمن کے مقابلہ پر روانہ کیا جائے۔ ایسے خزانہ کا جائزہ لیا تو وہاں پر بجائے فم کے صف تھا۔ امرا اور وسائے شہر کو دریافت کیا تو لوگوں نے کہا: ”دلت ہوئی کہ فلاں رئیس فلاں شہر کو چلا گیا ہے“ سبب پوچھا تو وزیر کے خوف سے سمجھوں نے کاؤں پر ہات دھر لیے۔ بہرام گور نے بہت غور کیا۔ لیکن جب کچھ بتا نہ چلا تب علی الصباح تنہا سحر کی طرف نکل گیا چونکہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا لہذا اکیس میل تک چلا گیا اور کچھ معلوم نہ ہوا کہیں کس جا رہا ہوں لیکن جب تمارت آفتاب سے پیاس کی شدت ہوئی اسوقت ہوش آیا اور پانی کے لیے جنگل میں چاروں طرف نظر دوڑائی تو در سے کچھ دیوان سا اٹھتا ہوا معلوم ہوا۔ ایسے آبادی کا یقین کر کے اوپر چل دیا۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ کبریاں مسودہ ہیں اور ایک اوٹی ٹھری ہوئی ہے اور سولی پر ایک کتا لٹک رہا ہے۔ اس منظر نے بہرام گور کو حیرانی میں ڈال دیا جبے اوٹی کے دروازے پر پہنچا تو ایک گڈرے سے اندر سے ٹھکرے سلام کیا۔ اور بہرام کو گھوڑے سے اتارا۔ اور حاضر سامنے رکھ دیا۔ اسے بالکل خبر نہ تھی کہ یہ ہمارا شنشاہ بہرام گور ہے۔ بہرام نے کہا: ”مے فیاض خانی فرما“

سکندر نے جو دارا پرستخ پانی اُسکا بڑا سبب یہ تھا کہ دارا کا وزیر سکندر سے ساز کر گیا تھا جب دارا مارا گیا تو نزع کے وقت کہا کہ ”غفلت امیر و خیانت زیر پا دشاہی بہرہ“

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۸۔ دعوت قبول کرنے سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس فتنے نے کیا کیا تھا جس کی یہ سزا دی گئی ہو؟ چرواہے نے کہا کہ ”یہ گنا میری ریوڑ کا چوکیدار تھا اور اسقدر دلیر تھا کہ اکیلا دس ہجیروں (گرگ) کا مقابلہ کرتا تھا اور ان کی یہ مجال نہ تھی کہ ریوڑ میں بھٹک سکیں۔ میں اکثر اسکے بھروسے پر دودن تک شہر میں رہا کرتا تھا۔ یہی اُنکو پھراتا تھا اور اپنی جگہ پر واپس لے آتا تھا۔ مدت تک اس کا یہی حال رہا۔ ایک دن مینے بکریوں کو شمار کیا تو کچھ کم معلوم ہوئیں یہاں تک کہ دن بدن تعداد گھٹتی گئی اور میں کسی طرح سے اس کی کاسبب دریافت نہ کر سکا اور بظاہر کوئی پتہ نہ لایا۔ اللہ ہی نہ تھا۔ جناب من! آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب عامل صدقات (کس کلکٹر یا تحصیلدار) محصل کے لیے آیا تو بقیہ بکریاں کس کے نذر ہو گئیں۔ اب میں عامل کی طرف سے رکھوالی کرتا ہوں۔

اب اسکا قصہ سنئے کہ اسکو ایک بھینڑی (دادہ گرگ) سے دلی لگاؤ ہو گیا تھا اور مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ اتفاق سے ایک دن میں لکڑیوں کی تلاش میں جنگل میں گیا تو ایک بلیڈ ٹیکر سے بکریوں کو دیکھا تو وہ چر رہی تھیں۔ مگر ایک دشمن جان اُن کی تنگ دو میں لگی ہوئی تھی۔ جب اسنے اُسے دیکھا تو دم ہلاتا ہوا چلا اور وہ بھی اپنے چکر سے رُک کر چُپ چاپ کھڑی ہو گئی، ایک جھاڑی کی اُڑ سے میں یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اب میں آپ سے کیا کہوں کہ اس بد چلن نے اُسکے ساتھ کیا کیا؟ اسکے بعد میں نے دیکھا کہ یہ کونے میں جا کر سو رہا۔ اور اُسنے ایک بکری کو چیر بھاڑ کر اپنا پیٹ بھرا۔ اور چلتی ہوئی۔ اور اس نکمچا ام نے ذرا بھی غرض نہ لی۔ جب مینے جان لیا کہ یہ ساری تباہی اسکی گراہی اور نکمچائی سے پیدا ہوئی ہے۔ تب مینے اسکو سوئی کی نذر کر دیا۔ اور اس کی خیانت کی یہی سزا تھی جو آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔“

بہرام گور کو اس واقعے نہایت تعجب ہوا۔ اور رستے میں اسی کو وقت سوچتا رہا۔ آخر اُسکے خیال میں آگیا کہ۔

”رغبت مثل ریوڑ کے ہو اور وزیر اُسکا چرواہا ہو“ اسوقت تمام ملک میں سخت پریشانی پھیلی ہوئی ہو جس سے پوچھتا ہوں کوئی صحیح حال نہیں بتاتا ہو۔ بلکہ سب چھپاتے ہیں۔

چنانچہ گھر پہنچ کر حاجی شریع کی تو جی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ ساری خرابیاں راست روش کی کجروی سے ہیں۔ اس نے رعایا سے ہراسنوک کیا ہو اور برعکس اپنے نام کے اسکا چلن ہو۔

بزرگوں نے پہنچ کہا ہی کہ کسی کے نام پر ذلیفہ ہونا چاہیے۔ ”مینے چونکہ وزیر کو صاحب اختیار کر دیا ہو اسلیے اُسکے

بادشاہ کو کسی وقت اپنی قائم مقاموں سے غافل نہ رہنا چاہیے اور ہمیشہ ایسے چال چلن کی ٹوہ میں رہا کرے۔ جب ان کی خیانت اور کج روشی ظاہر ہو جائے تو ان کی معزولی میں ذرا بھی توقف نہ کرے اور اس پر بھی کفایت نہ کیجائے بلکہ باندراہ جرم سزا دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۹۔ ڈسے کوئی سچی بات نہیں کہتا ہے۔ اب تدبیر یہ ہے کہ کل صبح کو جب وہ حاضر دربار ہو تو سب کے سامنے اُسکو ذلیل کروں۔ اور حکم دوں کہ فوراً پابزنجیر کر دیا جائے۔ اس کے بعد قیدیوں کو بلا کر ان کی کہانی سنوں اور عام منادی کر دوں کہ راست پوش وزارت سے معزول کیا گیا ہے اور پھر کبھی اپنے عہدے پر وہ بحال نہ کیا جائیگا۔ جو اس کے مظالم کا داد خواہ ہو وہ دعویٰ پیش کئے اور اٹھا رہے۔ اگر اسے حکومت انصاف سے کی ہوگی اور کسی سے مال ناجائز نہ لیا ہوگا اور لوگ اس کے مدح ہونگے تو حلفت وزارت سے سرفراز کرونگا ورنہ سزا دوں گا۔ چنانچہ دوسرے دن بہرام گورے دربار عام کیا۔ جب بہت روش حاضر ہوا تو بہرام نے اُسکو مخاطب کیے کہ کیا تم کیسا تہک رہے ہو جو تو نے میری سلطنت میں بچار کھا ہے۔ فوج کو مفلس اور رعایا کو پریشان کر دیا ہے۔ میں تم کو حکم دیتا تھا کہ سب کی تحویلیں اور وطنیے وقت معینہ پر نہیں اور ملک کی آبادی سے غفلت نہ کیجائے اور رعایا سے صرف جائز خراج لیا جائے اور غرنے میں بھی روپیہ و اخراج نہ دے۔ لیکن اب جو میں دیکھتا ہوں تو خزانہ خالی پڑا ہوا ہے۔ فوج تباہ حال ہوئی ہے اور رعایا اپنی طرف بھاگی پھرتی ہے اور تو سمجھتا ہے کہ میں شراب و شکر کے نشہ میں مست ہو رہا ہوں اور ملکی معاملات سے غافل ہوں۔ یہ کیسا راست پوش کو ذلت کے ساتھ دربار سے نکال دیا۔ اور پاؤں میں بھاری بیڑیاں لادی گئیں اور قید کر دیا گیا اور شاہی محل کے دروازے پر معزولی کا ڈھنڈورا باس الفاظ پڑا دیا گیا کہ بادشاہ نے راست پوش کو وزارت سے موقوف کر دیا ہے اور کبھی وہ اس خدمت پر مقرر نہ کیا جائیگا جس جس کو اس نے سنبھالا ہو وہ بے کھٹکے حاضر دربار ہو کر استغاثہ کریں۔ بادشاہ انصاف کے واسطے تیار ہے!

چنانچہ سب سے پہلے قیدیوں کی تحقیقات شروع ہوئی۔ انھوں نے اپنی اپنی داستان سنائی، جانچ کی گئی تو منجملہ سات سو قیدیوں کے تحقیقات ایسے تھے۔ جو خوبی مایہ و واقعی طرز تھے اور باقی سب بیگناہ تھے جنکو وزیر نے مال و زر کے لالچ سے قید کر رکھا تھا۔ اور ان کے باغ مکانات و جاگیر کو ضبط کر لیا تھا۔ ان میں بعض سات سات برس کے قیدی تھے۔ کچھ غیر ملک کے سوداگر تھے جو محض ہنس جرم پر گرفتار تھے کہ اپنے مال کی قیمت چاہتے تھے چونکہ منادی عام ہو گئی تھی اسلئے اطراف و جوانب سے بکثرت فریادی آئے۔ جب بہرام گور نے وزیر کے

جب کسی کو کوئی بڑی غصتی شہر دہو تو اس کے معاملات کی تفتیش کے لیے اپنا ایک خاص آدمی مقرر کر دیا جائے کہ وہ اس کے رنگ و ہنگ سے آگاہ کرتا رہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کو خبر نہ ہو کہ چھپا کر لگاں (خفیہ پولیس) مقرر ہے۔“

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۰ غلط دیکھے تو یہ تحقیقات کی غرض سے خانہ تلاشی کا حکم دیا چنانچہ کاغذات کے بستہ میں ایک خط اُس بادشاہ کا برآمد ہوا جو اس وقت حلاوت پر ہوا تھا۔ اور ایک تحریر تھیں راست ووش کی مٹی جکا میضمنون تھا کہ اس قدر آہستگی کیوں ہے عقلاً کا تو دل ہے کہ دولت کو غفلت اڑا لی جاتی ہے۔ میں فرمانبرداری کے اسد رچہ رہوں کہ چہرہ ہونا چاہیئے۔ افسران فوج کو مینے (اپنی سرکار سے) باغی اور حضور کا ہوا خواہ بنادیا ہے اور کل فوج کو مفلس کر دیا ہے۔ اور آپ کے واسطے خزانے برباد ہیں۔ تاج۔ ٹیکا۔ اور تخت ایسا گراں بہا تیار کر رکھا ہے کہ جس کی نظیر آج تک نہیں لکھی ہے۔ اس وقت میدان خالی ہے اور دشمن غافل جہاں تک جلد ممکن ہوئیئے۔ ایسا ہو کہ مرد و خواہیدہ پیدا ہو جائے۔“

جب بہرام نے بیخاطر ہوا تو معلوم ہوا کہ دشمن اسی کے بل پر آ رہا ہے اب اس کے کینہ پن میں کوئی شک نہیں ہے۔ چنانچہ حکم دیا کہ کل جاہل و منقولہ و غیر منقولہ ضبط کر لی جائے اور نیلام کر کے جو جکا مفتی ہو وہ اس کو دیدیا جائے۔ یہ سب ہو لیا تو راست ووش کو صبح اس کے تیس ہر دگاروں کے قصر شاہی کے سامنے سولی دیدی گئی۔ اور سات روز تک مینا دی ہوا کی کہ پسند اس شخص کی ہے جو بادشاہ وقت سے مخالفت اور اس کے دشمنوں سے موافقت کرے۔ صرف اس ایک سیاست سے کل ملک درست ہو گیا۔ اور دشمن سرحد سے پھر گیا۔ اور بہرام کو معذرت کیساتھ دوشا تحائف بھیجے اور چونکہ یہ اسے انتظام چرواہے کی کارروائی دیکھ کر کیے گئے تھے لہذا اس کے صلہ میں اس کو بہت تنخواہ بکریاں شاہی گائے سے دی گئیں اور محصول معاف کر دیا گیا۔ اور خلعت سے سزا ازا ہوا۔

چونکہ یہ واقعہ بہرام گور کا تھا۔ لہذا ناظرین کی دلچسپی کے لیے بہرام کے بھی مختصر تاریخی حالات لکھے جاتے ہیں۔

بہرام دوسرا سانیوں میں تیسروں کا تاجدار تھا۔ چونکہ اول درجہ کا ظالم تھا لہذا عربوں نے اس کو اشد بیعت کا خطاب دیا تھا۔ چونکہ ظالم کبھی بھوتنا پھلتا نہیں ہے اس کو سب سے اس کی بھی کوئی اولاد نہ رہتی تھی اور عموماً خورد سالی میں بچے نسل کلیوں کے مچھا کر رہ جاتے تھے جب مکا بیٹا بہرام چار برس کا ہو گیا تو بہت خوش ہوا اور دربار کے منجموں سے جگہ کا نام مردوش، اور ہوشیار تھا رانچہ بنوایا انھوں نے پیشین گوئی کی کہ یہ صاحب تاج و تخت ہوگا۔ مگر ان میں سے کوئی

جیکم اسطاطالین نے سکندر کو نصیحت کی تھی کہ جب تو اپنی سلطنت کے اہل قلم کو ناراض کر دے تو پھر ان کو کوئی خدمت نہ دینا کیونکہ یہ سب اس سلطنت سے دشمنوں کو آگاہ کر دینگے اور تیرے قتل کی فکر کرینگے۔ اور جب ذیل مجرم بغیر سزا کے نہ چھوڑے جائیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۔ اس میں عرب کی سرزمین میں یہ نہال بار آور ہوگا۔ چنانچہ ریزہ جو دے نعمان بن منذر بن عمرو بن عدی کو جو حیرہ کا فرمانروا اور سلطنت علم کا تخت تھا بلایا اور بہرام کو سپرد کر دیا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ اس بچہ کی پرورش ایسے مقام پر کی جائے جو آب و ہوا کی لطافت میں ضرب مثل ہو۔ اور اس کی سکونت کے واسطے ایسے دو محل بنوائے جائیں جس میں دیکھی کے پورے سامان ہوں۔ چنانچہ نعمان نے بغرض سکونت ایک محل بنوایا جس میں تین گنبد تھے اور اس مناسبت سے اسکا نام مٹہ (سدر معرب) رکھا اور دوسرا محل کھانا کھانے اور معمولی نشست و بیٹھنے کے لیے بنایا اور اسکا نام خوردن گاہ (خو رقی معرب) قرار پایا۔ ان محلوں کا معمار اور مہندس سنار رومی تھا۔ خوردن گاہ (خورنگاہ مخفف) میں حیرت انگیز صنعت یہ تھی کہ وہ طلوع آفتاب کے وقت سفید چاشت کے وقت سرخ، دوپہر کے وقت سبز، غروب آفتاب کے وقت زرد ہو جاتا تھا۔ اور رات کو مثل ماہتاب کے چمکتا تھا۔ نعمان نے سنار کو بہت بڑا صلہ دیا۔ چونکہ یہ نعمان کے اندازہ سے بہت زیادہ تھا لہذا اس نے کہا کہ میں ایسا مکان بھی بنا سکتا ہوں جو سورج بھی کی طرح آفتاب کے ساتھ چکر کھاتا ہے۔ نعمان نے اس خیال سے کہ اگر ایسا مکان تیار ہو گیا تو خورنگاہ کی حدیم المانی میں فرق آجائے گا لہذا اس نے سترہ دیر کی چھت سے سنار کو گرا دیا اور وہ مر گیا۔ عربی، فارسی، علم ادب میں سدید اور خورنق کے حوالے بکثرت آتے ہیں۔ مثلاً سلمان ساوجی کتا ہے خوبم ترا ز خورنقی خوشتر از سدید + و نگہ بریں سخن دود و ابو اؤ کوگا اسود بن یعفر سے ارض الخورنق وال سدید و باریق + والقصر ذی الشرفات من سندا و

غرض کہ تین محلوں کی اتالیقی میں بہرام نے دس برس کی عمر میں فارسی، عربی، ترکی میں کمال حاصل کیا اور شکار و شہسوری میں بھی جو عرب کا حصہ ہو خوب مہارت کی۔ اور نعمان نے اسکو ملک ایران کی تاریخ اور خاندانی حالات بھی واقف کر دیا تھا لیکن ریزہ جو دے کے مرنے پر ارکان دولت نے ایک دوسرے شاہزادے کو جگانام کہتے تھے اور جو خاندان آردشیر بابکان سے تھا تخت نشین کر دیا۔ لیکن بہرام نے ایک سخت امتحان کے بعد کسرے سے تخت چھین لیا۔ یہ بہرام شکار کا بڑا شائق تھا۔ اور گورخو کا خاص شکار کرتا تھا۔ اسوجسے بہرام گور شہو ہوا۔ قوت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار شہنشاہ نے گورخو شکار کیا۔ لیکن بہرام نے ایسا تیر مارا کہ جو دونوں کو نشانہ کرتا ہوا زمین میں پھوٹ پڑ گیا

(۱) جو سلطنت کا آرزو مند ہو۔ (۲) یا حرم میں بدیتی کرے۔ (۳) یا سرکاری راز فاش کرے
(۴) یا ظاہر میں بادشاہ کا دوست اور باطن میں دشمن ہو۔

اور خلاصہ یہ کہ یہی کہ جب بادشاہ بیدار ہوتا ہے تو سلطنت کا کوئی کام اُس سے پوشیدہ نہیں رہتا۔

(۶) مشاجراور کاشتکاروں کے تعلقات

دیہات کے ٹھیکہ داران کو چاہیے کہ وہ کاشتکاروں سے صرف اس قدر وصول کریں کہ جس قدر

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۲ تاریخ اور تذکروں میں اسکے فارسی و عربی اشعار تحریر ہیں۔ راست و دش اسکے دربار کا نام تھا۔ جو خاقان چین مسلمی ایڈی سے مل گیا تھا۔ لیکن بہرام نے ایک حکمت عملی سے خاقان کو گرفتار کر کے اپنے ہاتھ سے بمقام قتل کر دیا۔ خاقان نے ۲ لاکھ فوج سے براہ ترکستان، خراسان پر حملہ کیا تھا۔ لیکن بہرام نے بمقام کرمان جب خاقان پہنچا پانچ سو تیرہ سو سوار بھرا تھے۔ علاوہ فوج کے قارن، گستم، ہر قیز، ہر بریز، فراد، فیر، زہرام، خراسان، عجی، شہزادے۔ اور کام، فیروزان، داو بریز، عادلان، گیلان، زابلستان بھرا تھے۔ فوج کے بعد بہرام دار السلطنت کو واپس آیا۔ اور اس عظیم الشان فتح کی خوشی میں تمام مملکت کا سہ سالہ خراج معاف کر دیا۔ جسکی میزان ایک سو چالیس کروڑ دینار راز خلاص تھی۔ اور راست و دش کو موقوف کر کے ہر تریسوی کو وزیر کیا۔ انتخاب زمانہ خوارزمی تاریخ صفحہ ۲۸۰ جلد دوم نامہ خسروان صفحہ ۱۸۰۔ ملحق حالات بہرام۔ و سیر الملوک نظام الملک۔

۱۔ فصل پنجم صفحہ ۲۸۰۔ ۲۔ سیاست نامہ ۳۷۔ وصول لگژری کا یہ طریقہ کہ تمام دیہات ٹھیکہ پرے دیئے جائیں اور مستاجروں سے معاہدہ کیا جائے۔ زمانہ حال کے متعلق کے نزدیک غیر مستحسن ہے۔ اور ہندوستان کی جتنی مہیتوں میں فی زمانہ یہ طریقہ جاری ہو گا۔ جمع بندی کے مطابق پوری رقم بلکہ نصف رقم بھی سالانہ رباہیت کو وصول میں جوتی ہو البتہ ابھکاران و دفتر نشا اور وزیران (دھرم خان) اور تہشی ہوں، کے آہنی صندوق روپے اور اشرفیوں سے بھر جاتے ہیں کیونکہ نمایا لگژری کی مشینیں سونے اور رتہتی ہیں اور ناہشی طریقے وصول لگژری کے دکھائے جاتے ہیں لیکن ان میں تمام نمایا غیر ممکن الوصول قرار پاتا ہے۔ دیش دیش کر دیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں جہاں قانون وصول لگژری کا گورنمنٹ میں جاری ہو وہ اعلیٰ درجہ کا ہے۔ اور ریاستوں کے لیے قابل تقلید ہے البتہ جمع کا ہر تہ اور مہیا و بندوبست قابل تہم ہے۔

وصول کرنے کا حکم ہے۔ اور وہ بھی عمدہ طور پر جس میں اُن کا مال و سبب سلامت ہے۔ اور زن و فرزند امن سے رہیں اور اس سے زیادہ اُن پر کوئی حق نہیں ہے۔

جب کاشتکار عرض حال کے لیے دربار میں آنا چاہے تو اُن کو روکنا نہیں چاہیے۔ اور جو ٹھیکہ دار اسکے خلاف کرے اُسکا ٹھیکہ فسخ کر دیا جائے اور سزا دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور اُن کو جاننا چاہیے کہ رعیت اور ملک سب بادشاہ کا ہے۔ اور ٹھیکہ دار بھی کاشتکار کے لیے مثل دالیاں ملک کے ایک ٹخنہ پر جس طرح پرکہ خود بادشاہ یعنی دونوں رعایا کی راحت و آرام کے واسطے ہیں۔ جن بادشاہوں کی رعایا آرام سے رہتی ہیں ان کے واسطے آخرت کا عذاب نہیں ہے۔

مثال قبلاؤ ملک کے انتقال پر جب اُسکا بیٹا نوشیروان عادل تخت نشین ہوا، اُس وقت وہ اٹھارہ برس کا تھا اور سلطنت کا کُل کام کرتا تھا۔ انصاف گویا اُس کی گھٹی میں پڑا تھا۔ اور نیک و بد کو خوب سمجھتا تھا۔ اُس کا قول تھا کہ "میرا باپ ضعیف الرئے، سلیم دل، اور بھولا شخص ہے اُس نے ملک کو گماشتوں پر چھوڑ رکھا ہے۔ وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور خود مفت میں بدنام ہوتا ہے۔ اور مزدک کے طلسمات پر ذلیفہ ہو گیا ہے۔ عمال اور والی رجونا جائز وصول تحصیل سے ملک کو ویران اور رعایا کو فقیر کر رہے ہیں، جب دپے کی تھیدیاں سامنے بھر کر لاتے ہیں تو وہ اُس نے بخش ہوتا ہے کیونکہ زر پرست ہے اور اُس نے کبھی نہیں پوچھا کہ یہ شے جو حاصل میں ہوئی کہاں سے ہوئی؟ کیونکہ ملک کی آمدنی صرف عامل کی تنخواہ اور مصارف فوج وغیرہ کے واسطے کافی ہے اور بھر جو رقم کثیر لایا ہے تو آخر میراث پدر سے تولایا ہوگا؟ بہر حال یہ وہ رقمیں ہیں جو ناجائز طریق سے وصول کی گئی ہیں۔ لیکن کسی عامل سے نہیں کہا گیا کہ محاصل ملک صرف اس قدر ہے۔ جس میں

خینچ ہو اور یہ داخل خزانہ ہوا ہستی تاکہ دوسروں کو بھی خیال ہوتا۔

چنانچہ عہد نوشیروانی میں بھی تین چار سال تک ٹھیکہ داروں اور عاملوں کی طرف سے یہ اودھم مچا رہا تھا ایک دن دیار عام میں عامل کے رو برو نوشیرواں نے یہ تقریر کی۔

”اول میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے بادشاہ بنایا۔ اور پھر سلطنت بھی کیسی دی کہ موروثی! میرے چچا نے مجھ پر چڑھائی کی خدا نے مجھے کامیاب کیا۔ اور میں نے ہی بزور تلوار ملک فتح کیا۔ جب مجھے خدا نے بادشاہ بنایا۔ تو میں نے بھی ملک و حکومت میں حصہ لیا۔ اور سی سختی کو محروم نہیں رکھا۔ جو اہلکار میرے والد کے عہد سے حکومتوں پر مستانہیں میں نے انکو بحال خود پہنے دیا ہے۔ اور انکی جاگیر و اعزاز میں مطلق کمی نہیں کی گئی ہے۔ میں ہمیشہ تم سے ہی کہتا ہوں کہ علیا سے نیک سلوک کرو اور اُن سے ناجائز رقم مت وصول کرو۔ میں تمہاری عزت کی قدر کرتا ہوں۔ مگر تم خود اپنی عزت نہیں کرتے ہو۔ نہ کسی کی بات سننے ہو۔ نہ خدا سے ڈرتے ہو۔ نہ خلق خدا سے شرماتے ہو۔ لیکن میں خدا سے ڈرتا ہوں (کیونکہ وہ گناہوں کی سزا دیتا ہے) کہیں ایسا نہ کہ تمہارے ظلم اور شامت اعمال کا اثر میری سلطنت پر پڑے۔ خدا کی مہربانی سے کوئی دشمن سر پر نہیں ہے۔ اور چین کے ساتھ معاش حاصل ہے۔ اسلئے بہت ہی اچھا ہوتا کہ ہم اور تم خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے۔ کیونکہ ناشکری اور ظلم سے ملک کو زوال ہوتا ہے۔ اور نعمتیں بھی چھین لی جاتی ہیں۔ اسلئے بندگان خدا سے اچھا برتاؤ کرو۔ بزرگوں کی عزت کرو۔ کمزوروں کو نہ سناؤ اور نہ انہیں

سلخو خواہ نظام الملک نے بطور خلاصہ نوشیرواں کی تقریر لکھی ہے۔ تاریخوں میں نوشیرواں کا یہ پورا خطبہ موجود ہے۔ اور جبکہ ظلم سے ذوق ہر وہ اس حصہ کو شہنامہ فردوسی میں ملاحظہ فرمائیں۔

اپنا بوجھ ڈالو، لپچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھو۔ بدوں سے پرہیز کرو۔ میں خدا اور اُس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے بھی ان اصول کے خلاف عمل کیا تو پھر میں تعنت نکروں گا۔“

سب سے پہلے کہ ”ہم فرمانبردار ہیں حکم کی تعمیل کریں گے“ مگر چند روز کے بعد پھر سب اپنے اپنے ڈھنگ پر آگے اور ٹوٹ مار کرنے لگے۔ کیونکہ وہ نوشیرواں کو نادان بچہ سمجھتے تھے۔ ہر سرکش کا یہ خیال تھا کہ خود ہم نے نوشیرواں کو تخت پر بٹھایا ہی۔ جب چاہیں اُتار دیں۔

اسے چونکہ اس کتاب میں متعدد مقامات پر نوشیرواں کا ذکر آچکا ہے لہذا مزید تاریخی حالات ناظرین کی اطلاع کر لیے گئے جاتے ہیں۔“

قبائیس کو سلاطین کی اولاد میں سب سے روشن خیال صرف نوشیرواں تھا۔ اس کا لقب کسریٰ تھا۔ اور اسی وجہ سے تمام ساسانیوں کو اکاسرہ کہتے ہیں۔ قبائیس نے اپنی حیات میں ولیعہد کر دیا تھا۔ بادشاہ ہو کر نوشیرواں نے دارکن میں سکونت اختیار کی اور اوان کسریٰ تعمیر کرایا۔ جو عمارت العجم میں ایک تاریخی عمارت ہے۔ نوشیرواں کے تاج میں اس قدر جواہر نصب تھے کہ وہ کبھی سر نہیں رکھا گیا بلکہ وزن کی وجہ سے وہ تخت کے اوپر لٹکا دیا گیا تھا۔ چنانچہ جب نوشیرواں تخت پر بٹھتا تو تاج سر پرشل چتر کے قربان ہوتا تھا۔ نوشیرواں کا اُستاد تیشار ساسان تھا۔ جو اپنے زمانے میں ایک نامور حکیم کا درجہ رکھتا تھا۔ اس کے دربار میں وزرا، تین ہزار نو سو ساٹھ حکماء، علم اور دیگر باب کمال جمع ہوئے تھے اور سلطنت کے اہم معاملات انہیں کے مشورے سے طے ہوا کرتے تھے۔ خاص خاص ارکان سلطنت سب ذیل میں۔

وزیر اعظم	بہبود	نائب وزیر	بزرگ چہر
میرمنشی اعلیٰ	یزدگرد	موجودہ بدان	اردشیر
عاجب اعظم	دزدان	وزیر فرج	بابک
اخیر الاطباء	برزویہ	مصاحبین	مستعد تھے

گر سب سے نادر و نگار سب سے قیمتی تھا جو علم قیام (فرمایا لوجی) میں ضرب المثل تھا۔ تخت نشین کے بعد سب سے پہلے نوشیرواں نے صوبوں میں والی مقرر کیے چنانچہ سب سے بڑے سب ذیل پانچ صوبے تھے۔

نوشیرواں یہ واقعات خاموشی سے دیکھ رہا تھا اور صلح و اشتی کی حکمت عملی سے سلطنت کی نجات تھا۔ چنانچہ اسی طرح پانچ برس گزرنے لگے لیکن ایک ٹہیا کی فریاد پر جب لڑائی اور بائیکاٹ کی کیا گیا۔ اور اس کی ساری جادو ضبط کی گئی تب جملہ انتظام درست ہو گیا۔

ہر دوسرے تیسرے سال عمال اور ٹھیکہ دار بدل دینا چاہیے تاکہ ان کے قدم مضبوط نہ ہو جائیں اس انتظام سے ملک بھی آباد رہیگا اور دین و دنیا کی نیکنامی بھی حاصل ہوگی۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۶ (۱) خراسان - نیشاپور - ہرات - مرو - مرو رود - قاریاب - آذرباب - طالقان - پنج تاجار - باغچین - باورد - خرمستان - طوس - نسا - نرغس - جرجان - پوشخ - ابو جرجان - خرورد - زوزن - قان - اسفرائین - شہرستان - ہلازد - جرمقان - گرم - اسفزار -

(۲) آذربائیجان - طبرستان - تھے - قزوین - آذربایجان - قم - اصفہان - تہران - تہماوند - دینور - خلوان - ماسبدان - تہرجان - شہر زور - تہماغان -

(۳) فارس - اصفہر - شیراز - تہبندجان - جور - گارون - نسا - آذرباب - آرو شیرخوہ - سیاہور - ابوازی - بزو - جندے ساہور - تہریری - مناد - گستر - ایبج - رام ہرمز - عسکر کرم - ارجان - توس - آبرقوہ - قیرط آباد - سیلرف -

(۴) کرمان - بردسیر - جیرفت - میرجان - زرنہ - ہرموز -

(۵) عراق - ہیبت - حلب - قادسیہ - حیرہ - کوفہ - انبار - عکبر - سامہ - دسرن - رطہ - سامیرا - سامہ - سرین -

سامن - لاطے - سامرا - (مالند) - سرمن - راز - (محمود الاخر) - سامن - راز - بابل - نردان - جلولا - واسط - حلوان - بصو -

عبادان - بردان - مصرصر - بغداد - مدائن - یہ سلسلہ روم پر ختم ہوتا ہے چنانچہ عمال میں فارس کا عمل برابر - کرمان کا

آذربایجان - حیرہ کا منندمالہا نہایت مشہور معروف ہیں۔

نوشیرواں کو جس چیز نے نجات دلائی تھی وہ اسکا عدل و انصاف اور قانون سلطنت ہی اگر کوئی ان حالات کو

لکھنا چاہے تو اعلیٰ لیلہ کا دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ عدل کے متعلق مسلمانوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

یہ ارشاد کافی ہو کہ دلت فی زمین الملائک العادل۔ اور قانون سلطنت میں یہ کہ جزیہ اور زمین کی پالیسی

اور لوگان وغیرہ کے متعلق جو قواعد لےئے ہوئے تھے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے نامور مدبر اور فاتح عظیم نے

قاضی خطیب اور محتسب کے فرائض

قاضی بادشاہ کو چاہیے کہ تمام ملک کے ایک ایک قاضی (منصف و جج) سے واقفیت

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۷۔ مجتہد بابا نے تغیر قائم رکھے۔ بلکہ عراق کے بعض شہروں میں نوشیروانی اصول مانگداری کے مطابق آج تک عہدہ تادہ ہوتا ہے۔ علاوہ اسکے فوجی سپاہیوں اور عہدہ داروں کا رجسٹریسی عہد میں طیار ہوا ہوا اور پیادے کی تختہ مقرر کی گئی یعنی سوار کی جاگیر ہزار درہم اور پیادہ کی سو درہم۔ روم تیس لاکھ کی جمعیت سے حملہ آور ہوا اور قیصر عثمانی سلطان اس کو باجگزار بنالیا۔ ۶ کروڑ تیار نہر خالص اور ۱۰ کروڑ درہم خراج شہر اور علاوہ تحائف ۴۰ برس زندہ رہا ہر برس حکومت کی۔ اسکے اقوال حکمت بکثرت ہیں۔ ہم صرف ایک مقولہ لکھتے ہیں۔

سلطنت کا قیام فرج سے ہے اور فرج کا قزاق سے اخراج کا خراج سے۔ اور خراج کا عمارت (آبادی) سے اور عمارت کا عدل سے اور عدل صلح کا مال پر موقوف ہے۔ اور مال کی صلح و زرار کی استقامت پر منحصر ہے۔ اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ اپنے فرائض سے واقف ہو، نوشیروان سلطنت میں تخت نشین ہوا تھا۔ اور ۸۸ برس سلطنت کر کے ۷۷ برس کی عمر میں ششہ میں انتقال کر گیا، انتخاب زنا ساج التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۵ دکھائی نامہ متفرق مقامات کشف الطرہ صفحہ ۲۸۹-۲۹۰ مطبوعہ بغداد۔

۱۔ فصل ششم صفحہ ۲۸-۲۹۔ سیاست نامہ۔ اسلام نے امور مذہبی کے قیام اور سیاسی حیثیت سے جو عہدے قائم کیے ہیں۔ وہ قاضی خطیب اور محتسب معنی 'موذن' اور امام مسجد کا عہدہ ہے۔ خلفائے راشدین اور شاہان اسلام کے عہد میں ان عہدہ داروں کے انتخاب میں خاص توجہ کی جاتی تھی لیکن ہندوستان میں باستثنا بعض ریاستوں کے نہ اب یہ عہدے ہیں اور نہ ان پر کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ البتہ قاضی کی تعریف میں حکام مال و فوجداری اور دیوانی داخل ہیں کیونکہ انفصال مقدمات کا کام لینے بات میں ہو اور یہ گردہ رعایا کی جان و مال پر حکومت کرتا ہے۔ لہذا عہدہ قضا کے متعلق چند الفاظ لکھے جاتے ہیں جو تعلق ہر فیصلہ کنندہ سے ہے۔

بادشاہ کی طرف سے جو ترازو رعایا کے اعمال توہنے کے لیے ہے وہ قاضی کی ذات ہے اس لیے جس شخص کو یہ تخت سپرد کیا جائے اس میں کم از کم ان صفات کا ہونا لازمی ہے یعنی شفیق، پرہیزگار، صاحبِ قارار، مستبصر، ذکی، طبع سنجیدہ، مزاج، نیکہ، (قانون دان) اور اپنے عہدے کے فرائض سے پورے طور پر واقف ہو۔ ثبوت کے قبل فیصلہ

جامل کرے۔ اور ان میں سے جو عالم (قانون دان) اور متدین ہوں وہ مقرر کے جائیں۔ اور جو ایسے ہوں وہ برطرف کیے جائیں۔ ہر ایک کی تنخواہ بائدا زائدہ مصارف مقرر کی جائے تاکہ رشوت کی حث نہ ہو۔ یہ سب نازک اور مشکل خدمت ہے۔ کیونکہ یہ طبقہ رعایا کی جان و مال پر حکومت کرتا ہے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۸۔ سنہ میں جلدی نکرے اور ثبوت ختم ہونے پر فیصلہ لکھنے میں توقف بھی نہ کرے۔ رعایا کے لئے ہر قوم میں رسم و رواج سے واقف ہو۔ اور سب سے بڑھ کر جس کی احتیاط بمنزلہ فرض کے ہو وہ یہ ہو کہ بجز بادشاہ وقت کے کسی کا ہر یہ اور تحفہ قبول نہ کرے۔ خلفاء اور شاہان اسلام کو اس حصہ پر خاص توجہ تھی اور جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ کتب سیاست کے ذیل میں خاص اس عنوان پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ ”فصل المقال“ فی ہدایا العمال“ مشہور کتاب ہے۔ خلفاء عباسیہ کے عہد میں قاضیوں کی تنخواہ ترقی کر کے ۲۰۰ دینار (۱۰۰ روپے) تک پہنچ گئی تھی۔ اور حضرت فاروق اعظم نے سترہ سو درہم تنخواہ مقرر فرمائی تھی۔ نفس مقدمہ میں کسی کی سفارش نہ کی جائے اور برا تحقیقات میں ذیقین کے عذرات پر خاص توجہ کرے اور ایک کے مقابلے میں دوسرے پر اپنے عہدہ کا اثر نہ ڈالے۔ نہ انکو وہ بٹے۔ اور معمولی لغزشوں کی گرفت نہ کرے۔ قاضی کا یہ بھی فرض ہو کہ گواہوں اور وکلاء کی تہمتیں کرنا نہ ہو۔ چنانچہ اس غرض کے لیے خلفاء عباسیہ کے عہد میں قاضی کے ماتحت ایک معدل کا عہدہ تھا۔ اس عہدہ دار کے پاس ایک رجسٹر رہتا تھا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔ اور مقدمہ کی پیشگی کے وقت گواہوں کے اعتبار اور عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اُس کے رجسٹر پر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ عام حقوق۔ اور مشتبہ جائیدادوں و قرضوں کے کاغذات مرتب لکھتا تھا۔ اور عموماً دستاویزات کی رجسٹری اُس کے دفتر میں ہوتی تھی یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا۔ اور ایسے نہایت مشہور اور سہتمیز اور ثقہ لوگ اس منصب کے لیے انتخاب کیے جاتے تھے، لیکن فی زمانہ کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ جس میں پیشہ ور گواہ اور بد اعمالوں کی ضمانت کرنے والے موجود ہوں۔ اکثر اوقات حکام فریب میں آجاتے ہیں اور اہل طرہ ان گواہوں کے صدق میں چھوٹ جاتے ہیں۔ علاوہ معدل کے قاضی کے ماتحت حسب ذیل عملہ تھا۔

کاتب القاضی۔ حاجب القاضی۔ نقیب القاضی۔ ائمناء القاضی۔

قاضی کے لیے یہی لازمی ہے کہ فیصلہ کیوقت ہی مذاق نہ کرے۔ بلکہ چہرہ پر ایسا سکوت اور تحمل معلوم ہو کہ گویا کچھ غور کر رہا ہے اور فیصلہ سننے سے پہلے یہی اسے کا اظہار نہ کرے جس سے معلوم ہو کہ مدعی یا مدعا علیہ کے حق میں مقدمہ کا فیصلہ ہو گا۔

جب قاضی غلط فیہی یا لالچ وغیرہ سے فیصلہ کریں۔ تو دوسرے حکام کو اس کی سماعت کرنا چاہیئے اور بادشاہ سے اطلاع کرنا چاہیئے کہ وہ موقوف کیے جائیں یا انکو سزا دی جائے
عقال کے فرائض میں یہ بھی ہو کہ وہ قاضیوں کو مدد دیتا رہے تاکہ انکے ظاہری اعزاز کی کساد
بازاری نہ ہو۔ اور اگر کوئی شیخی یا دولت مند کی وجہ سے قاضی کے حکم سے حاضر عدالت نہ ہو تو
عقال انکو بھر بخشتی حاضر عدالت کر دیں اور یہ عہدہ اسقدر مغرر ہو کہ خلفائے راشدین نے
نفس نفیس خدمات قضا کو انجام دیا ہی۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۹۔ یہ چند اہمیتیں ہیں کہ فصل خدمات میں عموماً حکام کے لحاظ کے لائق ہیں۔ لیکن جن
مالک میں اسلامی حکومت ہو وہاں قاضی کو فیصلہ مقدمات کے علاوہ قیامیوں اور مجنونوں وغیرہ کی جائداد کا
انتظام اور مغلسوں کی خبر گیری، وصیتوں کی تعمیل، بیواؤں کی تزویج (جب کوئی والی نہ ہو) اس قسم کے کام سپرد
ہیں۔ ماتحت قاضیوں کے فیصلہ کا اپیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے یہاں ہوتا تھا۔ اور جس عدالت میں
ایسے مقدمات پیش ہوتے تھے اسکا نام تاریخ میں "دیوان المظالم" ہو اور عربی میں بزمانہ حال مجلس استئناف۔
عدالت اپیل کہتے ہیں۔

عربی میں متعدد کتابیں قضاۃ کے حالات میں تحریر ہیں۔ جسے اعلیٰ روشنفیری اور ذہانت اور فیصلہ مقدمات کا ملکہ
ظاہر ہوتا ہے چنانچہ کتاب عقد الفردی للملک السعید میں قاضی محمد بن عمران۔ عاقبتہ بن زید۔ شریک بن عبد اللہ کوئی
عبید بن ظہیر بن وغیرہ مشاہیر قاضیوں کے واقعات درج ہیں۔ کتاب الاذکیا ابن جوزی۔ اور مسند طبرانی
بکثرت روایتیں موجود ہیں۔ شائقین یہ کتابیں مطالعہ کریں۔ انتخاب از سلوک الممالک فی تدبیر الممالک۔ ومعید النعم
سبکی۔ و مقدمہ ابن خلدون۔

۱۔ قاضی اور قضاۃ یہ دو لفظ اسقدر جامعیت رکھتے ہیں کہ خیر مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے لیکن ہمارے زمانہ میں
قاضی وہ کہلاتے ہیں جو کج پڑا ہوتے ہیں۔ اور جب کو گورنمنٹ ایکٹ قاضیان کے مطابق مقرر کرتی ہے۔ مگر انفس
ہو کہ جس عہدہ کی ابتدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہوئی تھی اسکو بعض حضرات نے خوب ہی
ذلیل کیا ہے مسلمانوں پر گورنمنٹ کا خاص احسان ہو گا۔ اگر وہ اس کے متعلق ایک مکمل دستور العمل مقرر کرے

شاہان عجم کا دستور تھا کہ وہ نوروز اور مہرجان کے زمانے میں ایک جشن عام کرتے تھے جس میں گل عایا کو شرباب ہونے کی اجازت تھی۔ اور کسی کے واسطے روک ٹوک نہ تھی۔ اور انعقاد دربار سے چند روز قبل منادی ہو جاتی تھی۔ کہ فلاں تاریخ مقرر ہوئی ہے۔ اور تاریخ معینہ پر بازار میں ایک خاص منادی ہوتی تھی کہ اگر کوئی شخص کسی فریادی کو حاضری دربار سے روکیگا تو بادشاہ اُس کو قتل کر دیگا۔ غرض کہ تاریخ معینہ پر بادشاہ سب کے واقعات سنتا تھا۔ اگر کسی کو محض بادشاہ کی ذات سے شکایت ہوتی۔ تو بادشاہ تخت سے اُتر آتا تھا۔ اور موبد موبدان (نذہبی سردار) کے سامنے دوزانو ہو بیٹھتا اور کہتا کہ سب سے پہلے اس شخص کا فیصلہ میرے مقابلہ میں بلارور رعایت کیا جائے۔ اور منادی پھر بکا رتا کہ جو بادشاہ پر ناشی ہوں سب ایک جگہ بیٹھ جائیں تاکہ ان کا فیصلہ کر دیا جائے۔ پھر بادشاہ موبد سے مخاطب ہو کر کہتا کہ خدا کے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۰۔ اور ان کے جلسہ میں نکاح و حج ہوتے ہیں ایسے مطبوعہ فارم ہیں کہ جس میں جل و اب اور ترمیم و تیش کا موقع نہ ہو۔ اگر سرکاری حیثیت سے ایسے جلسہ مرتب ہوں تو نکاح و طلاق وغیرہ کے مقدمات میں حکام کو بھی آسانی ہو جائے۔“

۱۵ نوروز، ماہ فروردین (۲۱ مارچ) کا پہلا دن ہے کہ جہن آفتاب عالمتاب برج حمل کے نقطہ اول میں قدم رکھتا ہے اور فصل بہار کی آمد ہوتی ہے۔ ایرانیوں کے عقائد کے مطابق یہ دن نہایت مقدس ہے کیونکہ خداوند عالم نے حضرت آدم اور دنیا کو اسی دن پیدا کیا ہے۔ اور سب سے تیارہ گوشت کرنے کا بھی دن حکم ملا۔ اور یہی وجہ ہے نوروز کی ہے۔ لیکن موزن کا قول ہے کہ جب جمشید پشیدادی نے مصر میں قصر شاہی سمی پر تخت جمشید بنایا اور علی الصبح تخت پر بیٹھ کر مشرق کا نظارہ کیا تو سب سے پہلے سورج کی کرن جب تخت و تاج پر پڑی اور جواہرات کی جگہ گاہٹ سے لوگوں کی نظر خیرہ ہونے لگی تو انھوں نے نعرہ خوشی بلند کیا اور سہن فرانی صبح کا نام نوروز رکھا۔ اور عام طور پر جشن عظیم منایا گیا۔ چنانچہ پارسیوں میں ہنوز یہ یادگار مانی جاتی ہے۔

منجمن کے نزدیک نوروز کی دو قسمیں ہیں ایک کا نام نوروز عامہ اور دوسرے کا نام نوروز خاصہ ہے چنانچہ

نزدیک بادشاہوں کے گناہوں سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بادشاہ رعایا کی نگہداشت کریں
انکو ظالم سے بچائیں۔ اس سے وہ گویا خدا کی نعمتوں کا حق ادا کرتے ہیں جب بادشاہ ظالم ہوتا
ہی تو فوج کا ہر سپاہی ظالم ہو جاتا ہے۔ اور خدا کو بھول جاتا ہے۔ تب پھر خدا کا عتاب ہوتا ہے اور
انکی شامت اعمال سے سلطنت اس خاندان سے بھجی جاتی ہے۔

”اے موبد! میرے معاملے میں رعایت نہ کرنا۔ جب مجھ سے پوچھ گچھ تو میں تجھ سے سوال کروں گا“
اسکے بعد موبد معاملے پر نظر ڈالتا، اگر دعویٰ سچا ہوتا تو انکا انصاف کیا جاتا۔ اگر بادشاہ پر چھوٹا
دعویٰ دائر ہوتا اور مدعی ثابت نہ کر سکتا، تو اسکو سخت سزا دی جاتی تھی۔ کہ آئندہ اور وکیل جہالت
نہو۔ جب بادشاہ کے معاملات ختم ہو جاتے۔ تب پھر بدستور بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہوتا،

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۱ جو دن تحویل آفتاب کا برج حمل میں ہوا اسکا نام نوروز عام ہے اور اس سے زیادہ ساعت بعد
کوئی نہیں ہے۔ ادھیڑ تاریخ ماہ نوروز دین کا نام نوروز خاصہ ہے کیونکہ اسدن جب زمین دوبارہ تخت پر اجلاس کیا او
خاص جشن کیا۔ اور غسل و طہارت کے بعد سب عبادت میں مشغول ہوئے اور خاص خاص رسموں کی بنیاد
ڈالی گئی چنانچہ اکاسرہ میں مسلسل چھ دن کا جشن کیا جاتا تھا اور عام طور سے قیدیوں کی۔ بانی اور حاجتمندوں
کی حاجت روائی انھیں ایام پر پور وقت ہوا کرتی تھی اور عیش و عشرت کا بھی خاتمہ ہو جاتا تھا۔

مہرجان۔ مہرگان (مہرجان) مہینہ مہر (اکتوبر) کی سولہویں تاریخ کا نام مہرجان ہے۔ اور یہ وہ تاریخ ہے کہ جب
آفتاب برج میزان میں آتا ہے۔ اور خزاں کو موسم بہار کا جشن کرتا ہے۔ نوروز کے بعد یانیوں میں اس سے بڑا
کوئی اور جشن نہیں ہے۔ اسکی بھی مثل نوروز کے دو تیس ہیں ابتدا سے تاریخ ۱۶۔ اور انتہا سے تاریخ ۲۱۔ ہے۔ مذہبی
فضیلت اس تاریخ میں ہے کہ گویا خدا نے اسی دن زمین کو پیدا کیا۔ اور تمام روہیں اپنے قاب میں آئیں۔ اور اسی دن
یزراہ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے کا وہ آہنگ کی مدد کی تھی جسے خدا کی پرستش بانی۔ اور جو جشن اس یادگار میں
منایا گیا وہ قومی مہر و محبت کا دیباچہ تھا۔ اسلئے مہرگان نام قرار پایا۔ علاوہ اسکے اور بھی متعدد سہا ب ہیں جس کے
لیے تاریخ عجم دیکھنا چاہئے اور بعض ارباب لغت کے لکھا ہے کہ ہر مہینے کی سولہویں تاریخ کو مہرجان کہتے ہیں۔ انتخاب ان
انجمن راسے ناصری و بہان قاطع و تاریخ عجم

اور سب کو مخاطب کر کے بیان کرتا کہ میں نے سب سے پہلے اپنی ذات سے اس لیے کارروائی شروع کی تھی کہ تم کو ظلم کرنے کی جرات نہ ہو۔ پھر ملار اور عایت معاملات کا تصفیہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اردشیر کے عہد سے یزدگرد تک یہ قاعدہ جاری رہا لیکن یزدگرد نے اس قدیم رسم کو چھوڑ دیا اور ظلم و ستم کا بانی ہوا۔

بادشاہ کو انفضال مقدمات کے لیے خود بیٹھنا چاہیئے۔ اور سب کی درخواستیں سننا چاہیئے۔ بادشاہ ترک ہو یا عرب جب وہ قانون شریعت سے واقف نہ ہوگا تو نائب کی ضرورت پڑے گی۔ اور

۱۔ ساسانیوں میں اردشیر بن بابک بن ساسان اصغر (سلسلہ نسب سفند یار پر ختم ہوتا ہے) پہلا بادشاہ ہے۔ اسکی ماں کا نام گمر آفرید تھا ۲۔ عین تخت نشین ہوا۔ اور سام بن ضیع کو جو مشہور مدبر تھا وزیر بنایا۔ تاریخ ایران میں اس کی سلطنت سے ایک نیا زمانہ شروع ہوتا ہے۔

اردشیر کو شہنشاہی کا لقب ملا۔ اردشیر کی سوانح عمری بہادری اور محنت کا سبق پڑاتی ہے۔ کیونکہ اردشیر نے نہایت ادنیٰ درجہ سے ترقی حاصل کر کے پادشاہی پائی تھی۔ اردشیر کو عمارت سے بہت ذوق تھا۔ اور اسکے عہد میں متعدد شہر آباد ہوئے مثلاً کورہ اردشیر۔ اردشیر آباد۔ (متصل دائن) ہرمز اردشیر (متصل ابوہن)۔ اشاورشیر۔ (متصل صطخر) ہرودشیر کو زئیر پانچ سو چوٹن شہر اور چھ نو قصبہ پر اسکی حکومت تھی اور مردم شماری تھی کرو تھی۔ جو قانون سلطنت اس بادشاہ نے بنایا وہ صدیوں ایران کا دستور العمل رہا۔ اس کی تصنیفات میں سے دو کتابیں مشہور ہیں ایک کا نام کارستان (کارنامہ) اس کتاب میں مہمات ملکی اور میر و سیاحت کی کیفیت درج ہے۔ دوسری کتاب دلب العیش۔ اس میں حسن معاشرت کے طریقے ہر درجہ کے آدمی کے لیے بتائے ہیں۔ نوشیرواں نے اس کی متعدد نقلیں ملک میں شائع کی تھیں تاکہ رعایا میں حسن اخلاق قائم رہے قیصر مردم و دفعو چین۔ اردشیر کے باجگزار تھے۔ ۸۸ برس کی عمر ہوئی۔ ۴۰ برس ہمیدہ سلطنت کی اسکے اقوال تاریخ اور ادب کی کتابوں میں بکثرت درج ہیں۔ انتخاب از ناخ التواریخ و نامہ خسروان۔

یزدگرد

یزدگرد (یزدجرد) خسرو پیر کا بیٹا اور ایران کا آخری بادشاہ ہے۔ اسکے زمانہ میں مسلمانوں نے ایران پر فتح پائی تفصیل کے لیے الفاروق علامہ مشہب بنعمانی دیکھو۔

ملک کے تمام قاضی درحقیقت نائب السلطنت ہیں۔ اسلئے بادشاہ پر واجب ہو کہ وہ قضاۃ کی عزت و تکریم اعلیٰ درجے کی کریں۔“

(۸) خطیب

مثل قضاۃ کے خطیب جامع مسجد کا بھی انتخاب ہونا چاہیے جو پارسا اور مفسر ہوں۔ کیونکہ اہمیت کا مسئلہ نازک ہو اور مقتدیوں کا تعلق امام سے وابستہ ہو۔ جب امام کی نماز میں خلل ہو تو مقتدیوں کا خدا حافظ ہو۔

(۹) محاسب

ہر شہر میں محاسب مقرر کرنا چاہیے۔ تاکہ وہ بازار میں باٹ (اوزان) اور نرخ کی جانچ کر تاہے۔ اولین دین کی نگرانی رکھے، تاکہ کوئی شکایت نہ ہو۔ جو چیزیں دہات سے فروخت کے لیے آویں انہیں جیسے سیما ہے کہ آمیزش نہ ہونے پائے اور کم وزن تولنے کی زیادہ جانچ ہوتی ہے۔ اس عہدہ کی عزت و وقار کا قائم رکھنا بادشاہ اور اسکے نائبوں کو ضرور ہے۔ کیونکہ یہ اصول سلطنت میں داخل ہو۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو غریبوں کو تکلیف اٹھانا پڑیگی اور بازاروں کا کام درہم برہم ہو جائیگا۔

بیتہ، بقال، جیسا چاہیں گے من ماننا بیچینگے۔

یہ عہدہ بادشاہ کی جانب سے کسی خواص یا خادوم یا بوڑھے ترک کو ملا کرتا تھا۔ جسے لوگ ڈرتے تھے۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ مشہور ہو۔

سلطان محمود غزنوی، ندیمان خاص میں ایک شب محو شطرتھا۔ اور اسکے دو ندیم علی نوشکیں و محمد عربی (یہ دونوں سپہ سالار تھے) بھی حاضر مجلس تھے۔ چنانچہ علی نوشکیں نے کھانے کے وقت

گھر جانے کی اجازت مانگی۔ چونکہ دن زیادہ چڑھ گیا تھا۔ اور نیشہ میں چور ہو رہا تھا۔ سلطان نے کہا کہ اس وقت گھر سے باہر قدم رکھنا خلاف مصلحت ہی نہیں آرام کرو۔ نماز پڑھ کے بعد چلے جانا اس وقت تک طبیعت سنبھل جائیگی۔ اگر محتسب ان حالوں سے دیکھ لیگا تو وہ حد جاری کریگا، اور ساری عزت خاک میں بجا نیگی، اور مجھ کو بھی صدمہ ہوگا۔ لیکن میں شیع کے حکم میں دم نہ ماروں گا۔ علی نوشتیگین پچاس ہزار فوج پرانسی کر تا تھا۔ اور خود بھی ایک منچلا بہا در تھا۔ ہزار پہلوؤں کی برابر اس کی طاقت شہوتھی۔ اس کے خیال میں نہ آیا کہ محتسب کون ہو اور کیا کر سکتا ہو؟ اور سیاہینا جوش میں کہا کہ میں تو بغیر گھر جانے نہیں رہ سکتا ہوں اور آخر کو اپنے جلوس کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ محتسب نے دیکھا کہ سواروں کے جھرمٹ میں سپہ سالار صاحب مہبت جا رہے ہیں، چنانچہ اُسی وقت حکم دیا کہ اسکو گھوڑے پر سے اتار لو۔ اور اس کے بعد خود گھوڑے سے اتر کر اپنے ہات سے درتے لگائے اور وہ بھی اس سختی سے کہ زمین پر مونچ کے بل گر پڑا تھا۔ اُردوئی کی سوار و پیادے کھڑے مونچ تکتے تھے اور دم نہ مار سکتے تھے۔ چونکہ محتسب سلطان کا خادم و

سلطان علاوہ امور مندرجہ بالا کے محتسب کو ان امور کی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ بازار یا مجمع میں کوئی ام خلاف شریعت نہ ہونے پائے۔ جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ کشتی میں زیادہ آدمی سوار نہ ہونے پائیں۔ جہاز اور مردور پر مقدار مقررہ سے زیادہ وزن نہو۔ راستہ یا منترک پر جو مکانات مخدوش ہوں انکو مالکوں سے گردا دے۔ جو معلم لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں انکو سزا دے۔ نان یا بیوں کی دکان کی پٹی ہونی روٹیاں بھی وزن کر کے دیکھتے تھے۔ اور گوشت کا نرخ روزانہ درج کتاب کیا جاتا تھا۔ نائب محتسب مع سپاہی پیادوں کے دن رات بازاروں اور گلیوں میں گشت کرتا رہتا تھا۔ اب محتسب کی اکثر خدمات ناظم مجلس بلدیہ (میونسپل بورڈ) کے سکرٹری انجام دیتے ہیں۔ سلطنت اندلس میں اسی عہد کا نام خطۃ الاستیصاف تھا۔ اور دراصل یہ عہدہ بھی عہدہ قضا کی شاخ ہی۔ محتسب کا اجلاس روزانہ جامع مسجد میں ہوا کرتا تھا۔

بڑھاترک تھا، اور تیرم نکچو، اس لیے اس کے مقابلے میں کوئی چون و چرا نہ کر سکا۔ سپہ سالار کو کو سخت فہمت تھی اور رستہ میں کہتا جاتا تھا جو ”بادشاہ کا حکم نہ مانگا اس کا حال مجھ جیسا ہوگا۔“ دوسرے دن سلطان نے پیٹھ کھوکھو کر دیکھی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے تھی۔ ہنس کر فرمایا کہ ”تو بہ کرو اب کبھی گھر سے جھوٹے ہوئے نہ نکلا۔“

چونکہ محمود اصول سیاست اور نظام حکومت کا پابند تھا۔ اس وجہ سے اس کے زمانے میں انصاف خوب ہوتا تھا۔

دن عالمانہ عہدہ داروں کی نگرانی

ہر شہر میں بادشاہ کو اول ایسا دیندار اور خداترس آدمی تلاش کرنا چاہیے، کہ جو صاحب غرض نہ ہو اور جب ایسا شخص مل جائے تو شہر کی امانت اُس کے سپرد کر دی جائے۔ اور حکم دیا جائے کہ اُس شہر اور اس کے نواح کی عام نگرانی تمھارے سپرد ہی۔ عامل قاضی، محتب، اور تمام رعایا کے حالات سی واقفیت پیدا کرو۔ اور مجھے اطلاع دو۔“ ایسے بزرگ جو ان صفات سے متصف ہوں۔ اور خدمت کو خوشی سے قبول کریں تو ان پر زور ڈالا جائے۔

(۱) چنانچہ امیر عبداللہ بن طاہر جس کی قبر کی تیار پور میں زیارت ہوتی ہے، کا دستور تھا کہ وہ

۱۵ فصل ہفتم صفحہ ۲۳۷۔

۱۵ طاہر بن الحسین لقب ذو البینین، خلیفہ، مامون الرشید عباسی کا نامور سپہ سالار ہے جس کا فتح بغداد اور قتل امین کے بعد مامون الرشید نے پہلے ہی میں صوبہ فراسان کا گورنر کر دیا تھا لیکن جن مامون کے خلاف طاہر نے بغاوت کا خیال ظاہر کیا اسی دن اُسے زہر دیدیا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانی ۱۵۸ھ کا ہی لیکن چونکہ طاہر مامون کا قدیم خدمتگار تھا اس وجہ سے اُس کے حقوق کا لحاظ کیا گیا اور فراسان کی حکومت اُس کے بیٹے طلحہ کو دی گئی۔ غرض کہ

ہر کام دیندار اور پارسا لوگوں کے سپرد کیا کرنا تھا۔ جبکہ یہ اثر تھا کہ مال طیب خزانہ میں جمع ہوتا تھا

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۶۔ اسی طاہر کا ایک دوسرا نامور بیٹا عبداللہ تھا جو صاحب الشرحہ (افسر محکمہ پولیس) کے عہدہ سے سنہ ۱۸۶۲ء میں مصر کا منتقل گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اور اس کے فضل و کمال کا اندازہ یہ طرح پر کیا جاسکتا ہے کہ تقریر کے بعد مومن نے

عطاے سند کے لیے عبداللہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا ہے لیکن طاہر نے جو کچھ تمہاری تعریف میں کہا اُس سے کم کہا، جس کے تم دراصل مستحق ہو۔ طاہر نے یہ فرمودہ سنا تو پیٹھ کو ایک نہایت مفصل خط لکھا۔ (عبداللہ بن طاہر جب مصر کا گورنر ہوا ہی اس وقت طاہر فوت ہو چکا تھا اس لیے طاہر نے یہ خط سنسنہ ہائے سنہ میں لکھا ہے جبکہ عبداللہ رقبہ کا گورنر تھا۔ اور نصر بن شیبہ کے متعلق میں

نایاب کارگزاری کر چکا تھا) جو آئین حکومت انتظامات ملکی، رفاہ رعایا کے متعلق ایک نہایت بدرجہ دستبر اہل ہے۔ یہ خط اس قدر مقبول ہوا کہ تمام لوگوں نے اس کی نقلیں لیں اور خود مومن نے اس کی باضابطہ نقلیں

عموماً حکام سلطنت کے پاس بھیجوائیں اور کہا کہ طاہر نے دنیا و دین، تدبیر رائے، سیاست و صلاح ملک، و حفاظت سلطنت اور قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، چونکہ خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کو قانون سلطنت اور سیاست سے خاص تعلق ہے۔ لہذا ترجمہ جس خط کا لکھا جاتا ہے کیا عجیب ہے کہ ہندستان کی اسلامی اور غیر اسلامی ریاستوں کے والی ملک اور ان کے عامل اس دستور العمل سے فائدہ اٹھائیں اور ہماری گورنمنٹ کے عہدہ دار بھی محروم نہ رہیں۔ اس خط کے بعض مضامین خالص اسلامی ہیں اور ان کے مخاطب مسلمان ہیں۔ تاہم باستثناء اس کے عام مضامین ایسے ہیں جسے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

امیر عبداللہ شجاع اور تدبیر کے علاوہ بڑا ادیب، محدث، شاعر، اور موسیقی دان تھا۔ اس کی فیاضیت کے سامنے خود مومن الرشید کی دریا دلی بھی کچھ حقیقت نہ لگتی تھی۔ ابو تمام طائی صاحب الحاسیہ اس کے دربار کا شاعر تھا تمام خاندان شاہی اس کی عزت کرتا تھا چنانچہ ۱۲۱۳ھ میں جب امیر عبداللہ داخل بغداد ہوا۔ تو خود معتصم باللہ اس کے استقبال کو نکلا۔ مرنے سے پہلے بیس لاکھ درہم خرچ کر کے غلام آزاد کر لے۔ اور ان مصارف پر جب مراد تو چار کروڑ درہم خاص اس کے خزانہ میں موجود تھے۔ امیر عبداللہ ۱۲۱۳ھ میں خراسان کا گورنر مقرر ہوا اور ۱۲۱۳ھ میں فوت ہوا۔ اس کے بعد طاہر بن عبداللہ اور محمد بن طاہر حکمران ہوئے۔ امر لے طاہر جب کہ

اور رعایا کسی قسم کی سختی بھی نہ ہوتی تھی۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۷۔ بلوک طاہرہ کہنا چاہیے ان کی حکومت خراسان میں بیسٹھ چھ ماہ شروع ہوئی۔ اور مسلسل پانچ حکمرانوں کے بعد بیسٹھ چھ ماہ میں ختم ہو گئی۔ یہ خاندان اگرچہ خلفاء کا تخت تھا مگر برائے نام۔ تمام فرسین کی سائے ہو کر دولت عباسیہ کے زوال کا دیباچہ آل طاہرہ کی مسلسل حکومت تھی۔

چنانچہ اس خاندان کا اخیر حکمران محمد بن طاہر یعقوب صفاک کے مات گرفتار ہو گیا اور خاندان کا خاتمہ ہوا لیکن جطرز عمل ان امر کا تھا وہی صفاریوں کا رہا اور یہ سلسلہ تباہی بغداد تک برابر قائم رہا۔ انتخاب المامون تاریخ الدول

الاسلامیہ - ۱۲

طاہر کا خط عبداللہ بن طاہر کے نام

میرے عزیز بیٹے! میں سب سے اول تم کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو جو ایک ہوا و جب کا کوئی شریک نہیں ہو۔ تم کو اردن اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ انکی مرضی پر چلو اور انکے غصے سے ڈرتے اور کھپتے رہو۔ تمہارا فرض ہو کہ تم اپنی رعیت کی نگہبانی اور حفاظت میں شہرے و سرگرم رہو جو جھوٹ اور ترستی خدا نے تمکو عنایت کی ہو اور کو غنیمت سمجھو اور آخرت کو پیش نظر رکھو۔ یاد رکھو کہ ایک دن خدا کے حضور میں جاؤ گے اور تم سے تمہارے افعال کی نسبت سوال کیا جائیگا، اسلئے جو کام تم شروع کرو، اسکو یہی طرح انجام دو کہ قیامت کے دن تمکو عذاب الہی میں گرفتار نہونا پڑے۔

یاد رکھو کہ خدا نے تم پر احسان کیا ہو اور رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا تم پر واجب کیا ہو۔ تم خدا کے بندوں پر حکومت کرتے ہو۔ تم پر لازم ہو کہ انکے ساتھ انصاف کرو اور اسکا پورا پورا حق ادا کرو اور انکے کی حد و سرے سے متجاوز نہ کرو۔ انکی عزت و جان و مال کی حفاظت کرو۔ ملک میں امن و امان قائم رکھو اور اہل ملک میں عام راحت و آسودگی پھیلاؤ۔ خدا نے جو فرائض تمہارے ذمہ واجب کیے ہیں انکے انجام دینے یا نہ دینے کی نسبت تم سے ایک دن ضرور باز پرس کی جائیگی اور تمہاری نیکیوں اور بدیوں کا موازنہ کیا جائیگا اور انکا بدلہ دیا جائیگا۔ پس تم پر لازم ہو کہ استا کے سوچنے اور سمجھنے کے لیے اپنے دماغ پر زور دو اور عقل و فہم سے اچھی طرح کام لو۔ یہ وہ اصول ہو جس پر تمہاری زندگی کا مدار ہو نا چاہیے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تمکو اس اصول پر عمل کرنے کی توفیق دے اور تم اس پر عمل کرنا

(۲) حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”العدل عز الدنیا وقوت السلطان وفيه صلاح العباد“

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۸ لازم جانو اور اپنے تمام کاموں کی بنیاد اسی اصول پر رکھو۔
پانچ نمازیں جو خدا نے پیر فرض کی ہیں انکو ٹھیک وقت پر اور جماعت کے ساتھ ادا کرو۔ وضو اور طہارت کے جو شرائط ہیں ان سب کا لحاظ رکھو۔ نمازیں جو سوئیں پڑھو، ان کو آہستگی اور ترتیل کے ساتھ ادا کرو۔ رکوع اور سجود کرنے میں کوئی گھبراہٹ نہیں ہونا چاہیئے۔ غرض کہ نماز کے جتنے ارکان ہیں ان سب کو نہایت اطمینان کے انجام دے جو لوگ تمھارے مصاحبوں اور مدنیوں میں داخل ہوں، یا تمھارے خدمتگارا اور ملازم ہوں، انکو بھی اس بات کی ترغیب دے کہ وہ جماعت کی نماز پڑھا کریں۔ نماز سے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے، نیکیوں کی تحریک ہوتی ہے اور انسان بدیوں اور گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ پیر بھی لازم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرو اور خلفائے راشدین اور سلف صالح کے طریقہ زندگی کو اختیار کرو۔ جب کوئی مشکل کام پیش آئے، تو خدا سے دعا کرو کہ وہ تمھیں اس کے حل کرنے کی توفیق دے اور وہ پہلو بچھائے جو سراسر نیک ہو۔ پھر اس بات کی کوشش کرو کہ وہ کام ایسے طریقے سے انجام دیا جائے، جو خدا کے احکام اور رسول اللہ کی ہدایتوں اور نصیحتوں کے خلاف نہ ہو۔ اس کے بعد اس کام پر بات ڈالو اور انصاف کو کبھی اور کسی معاملہ میں بات سے نہ دو۔ ہر معاملہ کا، جو تمھارے عزیزوں اور دوستوں سے تعلق رکھتا ہو، یا جنہی لوگوں کے متعلق ہو، انصاف کے موافق فیصلہ کرو۔ اسکا بالکل خیال نہ کرو کہ تم اس فیصلے کو پسند کرتے ہو یا نہ پسند کرتے ہو۔

شریعت کے عاملوں اور قرآن مجید پر عمل کرنے والوں کو سب لوگوں پر ترجیح دو اور انکو اپنی صحبت میں شریک کرو، کیونکہ اکیلا انسان کے لیے جو چیز سب سے بڑھ کر مایہ ناز ہو سکتی ہے، وہ دینداری اور خدا شناسی ہے۔ یہ چیز ہے جو نیکیوں اور بھلائیوں کی ہدایت کرتی ہے اور مملکت برائیوں اور بدیوں سے باز رکھتی ہے۔ جب خدا کسی انسان کی توفیق دیتا ہے، تو وہ خدا کی عظمت اور جلال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے اور آخرت میں بلند ترین درجات پر پہنچنے کی تمنا کرتا ہے۔ اگر تم بھی اس ہدایت پر عمل کرو، تو آخرت میں وحانی ترقی تم کو نصیب ہوگی، دنیا میں شہرخص تمھارے ساتھ عزت و توقیر سے پیش آئیگا، تمھارا عجب اہل دنیا پر طاری ہوگا، وہ تمھارے ساتھ محبت الفت پیش آئیگی اور تمھارے انصاف پر بھروسہ کرینگے۔

والخاصة“ اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ”اللہ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانِ“

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۹ ہر ایک کام میں جسکو تم مشرعو کرو، یا انجام دو، اعتدال کو کبھی بات سے نہ دو اور ہمیشہ خیر الامور اور وسطیہ پر عمل کرو۔ افراط و تفریط سے بچنا اور ہر کام میں توسط اختیار کرنا ایسا عمدہ طریقہ ہے کہ اس سے زیادہ مفید و عمدہ اور اطمینان بخش کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اعتدال ہدایت کی طرف رہبری کرتا ہے اور ہدایت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا نے خوش قسمتی اور کامیابی کا منظر اس شخص کی آنکھوں کے سامنے پیش کیا ہے جو ہدایت کے طریقے پر چلتا ہے۔ اعتدال ہی پر مذہب کا مدار ہے اور شریعت بار بار اسی کی تاکید کرتی ہے تم بھی دنیا میں اعتدال و توسط اختیار کرو۔

عزیز بیٹے! تم ہمیشہ آخرت کی طلب میں ہو اور نیک کام کرنے میں ہمیشہ آمادگی ظاہر کرو اور یاد رکھو کہ نیک کام میں کوشش کرنے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ نیک کرنے سے کوئی مقصد اسکے سوا نہیں ہے کہ تم خدا کی خوشنودی حاصل کرو اور آخرت میں خدا کے دوستوں اور اُس کے نیک و مقبول بندوں کا قرب تکملاً حاصل ہو۔ اگر تم اعتدال اور توسط اختیار کرو گے تو دنیا میں تمہاری عزت ہوگی اور تم گناہوں اور بدیوں سے بچو گے اس سے بہتر کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جس سے انسان کے تمام کام درست ہوں۔ پس تمکو بھی اسی طریقے پر چلنا چاہیئے تاکہ تمہارے سب کام درست ہوں اور تمہاری عزت اور وقعت لوگوں کی نگاہوں میں زیادہ ہو خدا کی نسبت تم ہمیشہ نیک گمان رکھو۔ تمہاری رعیت بھی ہمیشہ تمہاری نسبت نیک گمان رکھیں گی۔ ہر کام میں خدا سے عجز و نیاز کے ساتھ التجا کرنے کو اپنی کامیابی کا ذریعہ تصور کرو، تاکہ ہمیشہ اُس کی نعمتیں اور برکتیں تم پر نازل ہوں، ہر شخص کی نسبت جسکو تم کوئی کام سپرد کرو، نیک گمان کرو اور بغیر کسی معقول وجہ کے اُس کے کام کی نسبت بدگمانی نہ کرو۔ تمہارا فرض یہ ہے کہ الزام لگانے سے پہلے ہر کام کا امتحان کرو اور اُسکی حقیقت معلوم کرو۔ یہ مینے اسلئے کہا کہ لوگوں کی نسبت بدگمانی کرنا اور اُن پر بجا طور سے الزام لگانا شریعت میں سخت گناہ ہے۔ پس تم اپنے دوستوں اور ملازموں کے ساتھ ہمیشہ حسن ظن سے پیش آؤ۔ بغیر تحقیق کے کبھی اُنکے کاموں کی نسبت بدگمانی نہ کرو اور اُن پر الزام نہ لگاؤ۔ دیکھنا شیطان تمہارے طریقہ زندگی میں کوئی خبیثہ نہ پائے اور نہ وہ تمہاری ادنیٰ کمزوری کو کافی سمجھ سکے اور تمکو بدگمانی میں ڈال دے۔ اللہ غم میں مبتلا نہ کرے گا۔ اور

(۳) حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کہیں میری دعا مستجاب ہو تو میں

سلہ ابو فضیل بن عیاض نہایت مشہور و معروف صوفی ہیں۔ ابتدا میں ایسے اور سرخس کے مابین راہزنی کیا کرتے تھے لیکن یکایک خدا کی طرف سے ہدایت ہوئی۔ تو ہر کر کے بقام کو ذرا ریاضت میں مشغول ہوئے۔ اور زمرہ کا ملین دار باب طریقت میں شمار ہوئے۔ کتاب المعارف میں اصحاب الحدیث کے ذیل میں ابن قتیبہ نے آپ کا تذکرہ لکھا ہے۔ ہارون الرشید عباسی کے عہد میں بقام مکہ منظرہ دیکھتے ایک مجاور (باہر محرم شہید) اشغال فرمایا تفصیلی حالات کے لیے تذکرہ صوفیہ اور ابن خلکان دیکھو۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴۴ تمھارے عیش کو کھرا دے تمھاری زندگی کو تیرہ و تار کر ڈالے گا۔ خوب سمجھ لو کہ حسن ظن سے ایک عجیب طاقت اور راحت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر تم لوگوں کی نسبت نیک گمان رکھو گے تو تمھاری تمام غمخیزیاں پوری ہونگی اور بکام درست رہینگے اور لوگ تم سے محبت کریں گے، مگر یہ بھی خیال رہے کہ اگر شخص میں پر بھروسہ کر دے اور اپنے ملازموں کے ساتھ حد سے زیادہ مروت اور مہربانی سے پیش آوے گا اور اپنے ہاں پر نہیں کر دے گا اور اپنے کاموں پر نظر نہیں رکھو گے، تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ تمھارے ہر انتظام میں خلل آجائے گا اور تمھارا ہر کام نادرست ہوگا۔ تمھارا فرض یہ کہ اپنے ماتحتوں اور ملازموں کے کاموں پر نظر رکھنے اور رعیت کے باب میں احتیاط کرنے اور ان کی اصلاح و بہبودی پر متوجہ ہونے اور ان کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پیش نظر رکھنے کو سب کاموں سے زیادہ مقدم سمجھو۔ یہ وہ طریقہ ہے جس سے دین قائم رہتا ہے اور سنت نبوی زندہ ہوتی ہے۔ جب تم اس طریقہ پر عمل کرو، تو اپنی نیت کو ہر حال میں خالص رکھنا۔

عزیز بیٹے! تم کو سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہیے اور ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ کل تم سے تمھارے بڑے اور بھلے کاموں کی نسبت سوال کیا جائے گا۔ براہیوں پر تم کو سزا دی جائے گی اور نیکیوں پر تم کو انعام پادے گا۔ خدا نے دین کو دنیا کی امن و امان اور حفاظت اور اہل دنیا کی بہبودی اور آسائش کے لیے پیدا کیا ہے جس سے تمھارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ تم جن لوگوں پر حکومت کرتے ہو، ان کے ساتھ دینداری کے طریقے سے پیش آؤ اور شریعت کی ہدایتوں کے بموجب اپنے برتاؤ کو۔ خدا نے ہر انہم کی جو حدیں قائم کر دی ہیں، ان کو جاری کرو، اور غریبوں کو ان کے جرموں کے موافق سزا دو اور اس میں ذرا غفلت اور کوتاہی نہ کرو۔ اگر تم مجرموں اور بدکاروں کے سزا

یہی دعائوں کے خداوند سلطان عادل مرحمت فرما۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۱۔ دینے میں کوتاہی کر دے گے، تو عام آدمی تمہاری نسبت بجا گئی کہ گئے اور ان کا خیال تمہاری نسبت اچھا نہیں رہ گیا۔

دین کے احکام پر عمل کرنے میں تم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو۔ کہ جو باتیں واضح اور روشن ہیں انکو اختیار کرو اور جن باتوں میں شبہ ہو، انکو بالکل ترک کر دو اس سے فائدہ یہ ہے کہ تمہارا ایمان قائم رہے گا اور تمہاری دینداری میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

جب تم کوئی معاہدہ کرو تو اسکو ضرور پورا کرو۔ اور کسی آدمی سے نیکی اور بھلائی کا وعدہ کرو، تو اسکا پورا کرنا بھی تم پر لازم ہے۔ نرمی کی باتوں کا ہمیشہ نرم جواب دو۔ اپنی رعیت کے عیوں سے چشم پوشی کرو۔ جھوٹ بولنے اور فریب کی باتیں کرنے سے زبان کو بند رکھو۔ جو لوگ جھوٹ بولنے اور فریب کی باتیں کرنے کی عادت رکھتے ہیں ان سے تم ہمیشہ دشمنی رکھو۔ چغلیوں کو بد گوئی اور غیبت کی سزا دو، کیونکہ ایسے آدمیوں کو صحبت میں رکھنے اور انکو جھوٹ بولنے پر حرات دلانے تمہارے موجودہ اور آئندہ کاموں میں ضرور خلل آئے گا۔ جھوٹ بولنا تمام گناہوں کی ابتدا ہے اور تمہارا لگانا اور غیبت کرنا انکی انتہا ہے۔ چغلی آدمی کا کوئی دوست نہیں ہوتا اور جس شخص میں یہ سیوہ اور خراب عادت ہوتی ہے اسکا کوئی کام پورا نہیں ہوتا، نیکچل اور رستہ باز آدمیوں سے ملو ضرور محبت کرنی چاہیے۔ شریفوں کی اعانت کرو، مگر اسی حالت میں جبکہ وہ حق پر ہوں۔ کمزوروں کی غیبت کر۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ غرض کہ ہر ایک گردہ کے اور ہر قسم کے آدمیوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرو مگر ہر وقت اور ہر حالت میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جو کچھ تم کہے ہو اس سے خدا کی خوشنودی اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کرنا مقصود ہو اور تم اپنے حسن سلوک کی جزا اہل دنیا سے نہیں بلکہ آخرت میں خدا سے پاؤ گے۔

نا جائز ارادے اور ظلم و ستم کے دلوے اپنے دلیس پیدا نہ ہونے دو اور اپنے تئیں ہمیشہ اُسنے دو رکھو اور رعیت پر ظاہر کرو کہ تم ظلم و ستم نہیں کرو گے اور اپنے کسی ناجائز ارادہ کو پورا کرنا نہیں چاہو گے۔ سیاست کے ساتھ ہمیشہ انصاف کو مد نظر رکھو اور رعیت کے معاملات کا جو فیصلہ کرو، وہ ہمیشہ حق پر ہو اور انکی نسبت پہلے سے

(۱۱) شریعت

بادشاہ پر واجب ہے کہ فرض و سنت اور احکام شریعت کے قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ اور علمائے ملت کی رغبت و حرمت کرتا رہے۔ اور بیت المال سے انکو وظائف دیئے جائیں اور یہی طریقہ پرہیزگاروں سے برتے۔ اور یہ معمول کرے کہ ہفتہ میں دو ایک مرتبہ علمائے دین سے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۲ ایسی معلومات حاصل کر لو، جو راہ راست سے انکو منحرف نہ ہونے دے۔ غصہ کی وقت ہمیشہ اپنے نفس کو قابو میں رکھو اور تحمل اور بردباری کو ہر کام میں ترجیح دو۔ خود بینی اور غرور سے اپنے تئیں محفوظ رکھو، اور کبھی یہ خیال نہ کرو کہ میں جو حکومت کرتا ہوں، جو چاہوں کر سکتا ہوں، کیونکہ یہی وہ چیز ہے جس سے ارادے کا فاسد ہونا اور خدا کی عظمت و جلال پر یقین نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خدا کی نسبت تم ہر وقت اپنی نیت کو خالص رکھو اور اس کی عظمت و جبروت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو اور یہ خوب جان لو کہ اس دنیا کی حکومت خدا کے کسی کے لیے نہیں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، سلطنت اور حکومت عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے، چھین لیتا ہے۔ جو لوگ دنیا میں حکمرانی کرتے ہیں اور اسودگی اور دولتندی میں ڈوبے ہوئے ہیں جب وہ خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور اس کے ساتھ نافرمانی اور سرکشی سے پیش کرتے ہیں تو بہت جلد ان کی حسرت اور ثروت پر زوال آتا ہے اور بد بختی کا عذاب پھر نازل ہوتا ہے

حرص و طمع کو اپنے پاس نہ لے دو اور جو غنہ لے اور ذخیرے تم جمع کرتے ہو، وہ ایسے ہوسے چاہئیں کہ تم انکو خدا روں میں تقسیم کرو اور رعیت کی بہبودی اور آسائش میں انکو صرف کرو۔ نیکیوں اور بھلائیوں میں انصاف اور معدلت میں، رعیت کی اصلاح اور ملک کی آبادی میں لوگوں کی جانیں محفوظ رکھنے اور مظلوموں کی ذمہ داری میں جہانگیر تم سے ہو سکے کوشش کرو اور کبھی ان امور سے غافل نہ ہو جب دولت کے انسا لگاتے ہیں اور غر زانوں میں وہ پیہر کثرت کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے تو اس میں کبھی ترقی اور پیشی نہیں ہوتی جب تک کہ انکو رعیت کی بہبودی اور حق رسانی میں صرف نکلیا جائے۔ اگر تم میری اس ہدایت کا خیال کھو گے تو رعایا کی حالت

ملاکرے اور لے کر قرآن و حدیث سیکھے اور شاہان عادل کے قصص و حکایات سنے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۳ درست ہوگی مگر کو ردنی اور سرہنری حاصل ہوگی اور تھاری حکومت مضبوط اور تھاری مملکت محفوظ ہو جائیگی۔ تمکو ہمیشہ اپنے خزانوں کو سلام اور اہل اسلام کی حمایت اور حفاظت میں صرف کرنا چاہیئے۔ جو لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ اور وفادار ہیں انکا اور رعایا کا حق تمکو اپنے خزانوں سے نکالنا چاہیئے اور ہمیشہ ایسی تدبیر کرنی چاہیئے جس سے رعیت کو آسائش اور بہنوسی حاصل ہو۔ اگر تم ایسا کر گئے تو خدا کی نعمت جو تمکو دی گئی ہے، پامال اور برقرار رہیگی، بلکہ وزیر و زرائس میں اضافہ ہوگا اور خراج کے وصول کرنے اور رعیت سے مطالبہ کار بہ حاصل کرنے پر تم پہلے سے زیادہ قادر ہو گے اور تمہارے اسان و انصاف کے بہتے تمام آدمی تمہاری اطاعت اور فرمانبرداری پر پہلے سے زیادہ کمر بستہ ہو گئے اور جو انتظام تم جاری کرنا چاہو اُسکو وہ نہایت آسانی سے قبول کرینگے۔ یہ نصیحت اس لیے کی ہے کہ تم اسپر اپنی پوری توجہ مبذول کرو اور اپنی فضیلت اور خوبی سب اسی نصیحت پر عمل کرنے میں تصور کرو۔ تمکو سمجھنا چاہیئے کہ جو مال خدا کی راہ میں صرف کیا جاتا ہے وہ کبھی رائیگاں نہیں جاتا، بلکہ باقی اور پائدار رہتا ہے۔

تمکو لازم ہے کہ جو لوگ تمہارے احسان کا شکریہ ادا کریں اور تمہارے ساتھ اطاعت اور خلوص کا اظہار کریں، انکے ساتھ تم بھی جس سلوک اور فیاضی سے پیش آؤ۔ اور ایسا نہ کہ دنیا تمہیں دھوکا دے اور ناز و نفیس میں پڑ کر اپنی عزت کو بھول جاؤ اور ان حقوق کے پورا کرنے میں مستی کرو، جو تمہاری گردن پر ہیں۔ یاد رکھو کہ شتمی کرنے کا نتیجہ افراط و تفریط ہی اور افراط و تفریط کا نتیجہ ہلاکت ہی تمہارا ہر کام صرف اس غرض سے ہونا چاہیئے کہ تم اُسکے ذریعے سے خدا کو راضی کرو اور اُسی سے ثواب کی توقع رکھو یہ میں بار بار ایسے کہتا ہوں کہ خدا ہی نے تم پر اپنی نعمتیں نازل کی ہیں اور وہی تم پر کامل مہربانی کر سکتا ہے۔ وہ ان لوگوں کو جو اُسکا شکر ادا کرنے میں زیادہ نعمت عطا کرتا ہے اور نیکی کو نیکو لوگوں کو ان کی نیکی اور بھلائی کی عمدہ جزا دیتا ہے۔

کسی گناہ کو تم اُسے اور جہیز نہ جانو کسی حاسد کے ساتھ نرمی اور دلجوئی سے پیش نہ آؤ۔ کسی بدکار پر رحم نہ کرو کسی ناشکرے کے ساتھ فیاضی سے پیش نہ آؤ۔ کسی دشمن کے ساتھ کچنی چڑنی باتیں نہ کرو کسی بدگوار و جھوٹے کی باتوں میں ان نہ ملاؤ، کسی بیوقوف اور کھلم کھلا پراسان نہ کرو۔ کسی گنہگار آدمی کے دوست نہ بنو۔ کسی ریاکار کی تعریف نہ کرو۔

جب یہ صحبت ہو، اس وقت دنیاوی مشاغل سے اطمینان ہونا چاہیئے۔ اور ایسے جلسہ میں علماء کو حکم دے

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۴- کسی نفیر کو محروم اور ناامید نہ جانے دے کسی انسان کو تحارت اور دولت کی نظر سے نہ کھینچو بیہودہ باتوں سے ہمیشہ نفرت کرو کسی کے ساتھ مہنی اور دل لگی سے پیش نہ آؤ۔ جو وعدہ کرو اسکو پورا کر کے رہو اور فضول باتوں اور حمانہ باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرو کبھی غصہ کا اظہار نہ کرو۔ کبھی تعریف کی خواہش نہ کرو۔ جب چلو تو اکر نہ چلو۔ آخرت کی باتوں میں اس قدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ دنیا میں کوئی کام نہ کر سکو کسی ظالم سے ڈر کر اس کے افعال سے چشم پوشی نہ کرو۔ جو انعام تم کو آخرت میں ملیگا، اسکی دنیا میں خواہش نہ کرنا حاکمیت ہو۔ جو لوگ فقہ میں کامل مہارت رکھتے ہیں ان سے ہمیشہ مشورہ لیتے رہو اور ان کے مشورہ کو عمل سے سنو۔ جو لوگ تجربہ کار اور دانشمند ہیں ان کی رسلے پر عمل کرو۔

تجمل سے زیادہ کوئی چیز یہی نہیں ہے جس سے رعیت کی اصلاح و انتظام کے کاموں میں فعل واقع ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تم یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم رعیت سے ہو گے تو رعیت سے زیادہ وصول کرو گے اور ان کو بہت کم دو گے اس صورت میں تمہاری بہت ہی کم کام پورے ہوں گے۔ کیونکہ رعیت تمہارے ساتھ اسی حالت میں محبت کر سکتی ہے جبکہ تم اسکی دولت کی پروا نہ کرو اور ان کے ساتھ ظلم و ستم سے پیش نہ آؤ سب سے پہلے تم ان لوگوں کے ساتھ احسان کرو، جو تمہارے دوست اور وفادار ہوں اور تمہاری حکومت کے خیر خواہ ہوں ان کے ساتھ خوب فیاضی سے پیش آؤ اور اس موقع پر ہرگز بخل نہ کرو یاد رکھو کہ یہی سب سے پہلی نافرمانی ہے جو انسان سے ظہور میں آتی ہے اور جو لوگ نافرمان ہیں، وہ یقیناً ذلیل و خوار ہوں گے۔ خدا فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں بخل سے بچاتے ہیں وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ تم اس آیت کو ہر وقت مد نظر رکھو اور مسلمانوں کا حصہ اپنے خزانے میں سے ہمیشہ نکالتے رہو اور اس بابت پر یقین کر لو کہ فیاضی خدا کے بندوں کے سب سے عمدہ اور بابرکیزہ افعال میں سے ہے۔ تم بھی اسکو اپنی حادث اور خصلت بنا لو۔ مگر تمہاری کوئی فیاضی بے محل اور بے موقع نہیں ہونی چاہیئے۔

فرج کے متعلق جو امور و فرتوں اور خبروں میں درج ہوں، ان پر ہمیشہ تم اپنا خیال رکھو۔ ان کی تنخواہیں وقت پر ادا کرو۔ ان کی خدمات کے لحاظ سے ہمیشہ ان کی تنخواہوں میں اضافہ کرتے رہو، تاکہ وہ فاقہ زدہ اور بدحال نہ ہوں۔ اس سے ان کی قوت اور سمیت میں ترقی ہوگی اور وہ نہایت خلوص اور وفاداری کیساتھ تمہارے حکموں پر گردن جھکا دیں گے۔ حکمرانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کامیابی اور خوش قسمتی کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کہ

کہ وہ مناظرہ شروع کریں اور جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو وہ دریافت کرے اس اصول کی پابندی

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۵۔ وہ اپنی فوج اور رعایا کے ساتھ رحم و انصاف اور نیکی و فیاضی سے پیش آئیں۔ اگر تم اس نصیحت پر عمل کرو گے اور اس ہدایت کو اپنا شعار بنا لو گے، تو تم کامیابی اور بہبودی سے محروم نہیں ہو گے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا خدا کو اس قدر پسند ہے کہ اُس کے مقابلہ میں نہ کوئی چیز وقعت رکھتی ہے نہ کوئی چیز اس قدر مقبول ہے۔ انصاف وہ میزان ہے جس میں خدا کے بندوں کے افعال تو لے جاتے ہیں۔ انصاف پر فیصلہ کرنی اور انصاف کے موافق کام کرنے سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہے ملک میں امن و امان کی روشنی پھیلتی ہے مظلوم اپنی بے کسی اور مظلومیت کی دوا پاتے ہیں۔ لوگوں کے حقوق ضائع نہیں ہوتے۔ اُن کی زندگی آسائش اور بہبودی سے بدل جاتی ہے۔ وہ حکمرانوں کے فرمانبردار ہوتے ہیں۔ اُن کی عزتیں اوج نہیں محفوظ ہو جاتی ہیں اور مذہب کے احکام پر ہر شخص کی گردن جھکنے لگتی ہے۔

میرے عزیز بیٹے! تم بھی خدا کے احکام پر گردن جھکاؤ اور انکو جاری کرنے میں سختی سے کام لو ظلم و ستم سے اپنے آپ سے محفوظ رکھو۔ شریعت کی حدیں قائم کرو۔ مگر کسی کام میں جلدی نہ کرو اور گھبراہٹ اور بے کاری کی علامتیں اپنے چہرہ پر ظاہر نہ ہونے دو جو تجربے تکوین حاصل ہو چکے ہیں اُسے فائدہ اٹھانے میں ذرا غفلت نہ کرو۔ خاموشی میں جو کئے اور ہوشیار رہو اور بولنے میں ہمیشہ سچائی اور سنجیدگی سے کام لو۔ دشمنوں سے بھی انصاف کے ساتھ پیش آؤ جب کسی معاملے میں شک و شبہ ہو، تو اُس میں تامل کرو اور صریح جھگڑوں اور روشن اور وضع دیلوں کی تلاش میں ہو نہ اپنی رعیت میں کسی شخص کی جنبہ داری اور بجا جاہلیت کرو، نہ کسی شخص کی طعن و ملامت کی پروا کرو۔ تمکو ہمیشہ ہر کام میں اعتدال سے کرنا چاہیئے اور فیصلہ کرنے سے پہلے خوب سوچنا اور سمجھنا اور اُس کے ہر پہلو کو ٹوٹنا چاہیئے۔ تمھارے دل میں اُسکے سوا کوئی خواہش نہیں ہونی چاہیئے کہ جو معاملہ تمھارے سامنے پیش کیا جائے اُس میں حق کو معلوم کر کے اُسکے موافق فیصلہ کرو اور جوابات تاق ہے، اُسکو رد کرو۔ تم پر لازم ہے کہ تم اپنی تمام رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور جس طرح تم اپنے حکومت کرتے ہو اسی طرح ہمیشہ یہ خیال کرو کہ حق تم پر حکومت کرتا ہے کسی شخص کی جان لینے میں جلدی نہ کرو، کیونکہ ناحق کسی کی جان لینا خدا کے نزدیک ایسا بڑا گناہ ہے جس کی برابر کوئی گناہ نہیں ہو سکتا۔

چند روز میں خود بخود ہو جائیگی۔ اور بہت مانہ نہ گزرنے پائے گا کہ اکثر احکام شریعت اور تفسیر القرآن و

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۶ جو خراج زمینوں سے وصول کیا جاتا ہے اور ملکی انتظامات میں صرف کیا جاتا ہے، اسپر اپنی پوری توجہ مبذول کرو۔ یہی وہ چیز ہے جس سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہے۔ اسلام کو ترقی ہوتی ہے اور اسلام قوت اور عظمت حاصل کرتے ہیں۔ انکے مخالفوں کا حد شعلہ زن ہوتا ہے۔ اور جو کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں ان کی ذلت ہوتی ہے۔ جن لوگوں سے خراج وصول کیا جاتا ہے وہ اپنے اس طرح لگانا چاہیے کہ انصاف کے خلاف نہ ہو۔ خراج عام طور پر سب سے وصول کرنا چاہیے اور کسی کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔ نہ کسی شریف کو اس سبب کہ وہ شریف ہے نہ کسی دولت مند کو اس سبب کہ وہ دولت و ثروت رکھتا ہے نہ کسی کاتب کو اس سبب کہ وہ تمھاری پیشی میں رہتا ہے نہ کسی اپنے مصاحب یا ملازم کو اس سبب کہ وہ تمھارا مصاحب یا ملازم ہے مگر اسکے ساتھ ہی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ خراج کی جو مقدار کسی شخص سے وصول کر دوہی ہوئی چاہیے جو اس کی طاقت اور استطاعت کے موافق ہو، اور اسکے وصول کرنے میں جبر و زیادتی ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ اس بتاؤ سے ہر شخص ضامن ہو گا اور سب یہ سمجھیں گے کہ اگر خراج کے وصول کرنے میں کسی سختی ہوتی ہے تو وہ درحقیقت کسی ایک پر نہیں ہے، بلکہ سب پر ہے۔

خوب یاد رکھو کہ جن لوگوں پر تم حکومت کرتے ہو انکے تم محافظ اور غنائی مقرر کیے گئے ہو۔ جو لوگ تمھاری حکومت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ رعیت اس لیے کہلاتے ہیں کہ تم انکے راعی اور نگہبان ہو وہ اپنی آمدنی میں سے جو کچھ تم کو دیتے ہیں اُس سے یہ غرض ہے کہ تم انکی اصلاح حالت اور انکی بہبودی میں صرف کرو۔ جن لوگوں کو تم پر حکومت کرنے کے لیے مقرر کرو، وہ ایسے ہونے چاہئیں، جنکی رسلے صاحب ہو، جو تجربہ کار ہوں، جو اپنے فرائض منصبی سے کامل طور پر واقف ہوں۔ جو سیاست اور حکومت کی قابلیت رکھتے ہوں، اور جو دیانتدار اور نیکدل ہوں۔ انکی تنخواہیں شیش دراز مقرر کرو اور یہ ایک ضروری بات ہے جس سے تم کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم میری اس نصیحت پر عمل کر گے اور اپنے فرائض کو جو تمھارے ذمہ ہیں نہایت مستعدی اور سرگرمی سے انجام دے گے تو خدا اپنی برکتیں تم پر نازل کرے گا۔ اُس کی نعمتیں تمھارے لیے روز افزوں ہوں گی۔ تمھاری شہرت اور ناموری تمام دنیا میں پھیل جائیگی۔ تمھاری رعیت تم سے محبت اور الفت کیساتھ پیش آئیگی۔ انکی عام بہبودی اور آسائش کو

احادیث نبوی سے واقفیت پیدا ہو جائیگی۔ اور پھر اگر کوئی چاہے کہ عقائد مذہبی سے اسکو برگشتہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۷ ترقی ہوگی۔ نیکیاں اور بھلائیاں تمھارے ملک میں پھیل جائیں گی۔ آبادی اور سرسبزی عام طور پر تمام ملک میں نظر آئیگی۔ تمھاری حکومت کی آمدنی میں ہر روز اضافہ ہوتا رہے گا۔ تمھارے خزانے بھر پور ہوں گے۔ تمھاری فوج طاقتور ہوگی۔ عام لوگوں کو اپنی فیاضی کے ذریعہ سے تم مسخر کر سکو گے۔ تمھارے انصاف اور تمھاری سیاست کا چرچا دشمنوں میں بھی پھیل جائیگا اور وہ تمکو رشک و حسد کی نظر سے دیکھیں گے۔ ہر ایک ملکی انتظام کے سر انجام دینے کے لیے تمھارے پاس کافی سامان اور کافی قوت مہیا ہوگی۔ پس تمکو لازم ہو کہ میری اس ہدایت کو پیش نظر رکھو اور اس طریقہ پر کسی اور طریقہ کو ترجیح نہ دو، کیونکہ اگر خدا نے چاہا تو اسے سب سے تمھاری تعریف ہر شخص کی زبان پر ہوگی۔ اپنے ملک کے ہر ضلع میں تم ایک ایسے مستعد شخص کو مقرر کرو، جو ان کے حاکم کی طرز حکومت اور طریقہ انتظام اور ان کے چال چلن اور دیگر ضروری حالات سے تمکو ہمیشہ مطلع کرتا رہے۔ اس سے فائدہ یہ ہو کہ ہر حاکم اور عامل جو بطور نااہل کے تمھاری طرف سے کسی ضلع پر حکومت کرتا ہوگا، وہ ہمیشہ یہ خیال کرے گا کہ تم ہر وقت اس کے سر پر ہوا اور اس کی کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے تم خیر دار نہ ہوتے ہو، اپنے ناہوں اور ملازموں کو جب تم کوئی حکم دو، تو ہمیشہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ اسکا کیا انجام ہوگا۔ اگر اسکا انجام تمکو اچھا دکھائی دے، تو اسکو فوراً جاری کر دو، ورنہ تامل کرو اور ان لوگوں سے مشورہ کرو جو اہل بصیرت اور صاحب علم ہوں۔ غرض کہ ہر حکم سوچ سمجھ کر دینا چاہیے۔ کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ جب انسان کسی کام کو شروع کرتا ہے تو اسکا اپنی عقل کے موافق اندازہ کرتا ہے اور وہ اندازہ غلط ہوتا ہے۔ پھر اسکو اپنی مرضی کی موافق سر انجام دیتا ہے اور وہ سر انجام دینا اس کام کو تباہ کرنا ہوتا ہے۔ انجام پر نظر نہ ڈالنے کا ہمیشہ یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کام گرتا جاتا ہے اور اس کی درستی اور اصلاح کا وقت بات سے بچھڑتا ہے۔ پس تمکو لازم ہو کہ جس کام کو کرو، احتیاط اور ہوشیاری سے کرو اور ہر کام کو بذات خود انجام دو۔ ہر کام کے شروع کرنے سے پہلے تمھارا یہ فرض بھی ہونا چاہیے کہ تم اس کے انجام پانے کی حد سے دعا مانگو اور اس سے نیکی اور بھلائی کی درخواست کرو۔ آج کا کام تمکو آج ہی انجام دینا چاہیے اور اسکو کل پر چھوڑنا نہیں چاہیے، کیونکہ کل جو کام تمکو کرنا ہو وہ آج کے کام سے تمکو باز رکھنے کا اور اتنی مہلت نہیں دیگا کہ تم اس کے ساتھ اسکو بھی انجام کر سکو گے۔ خوب یاد رکھو کہ جو دن گزر گیا وہ اپنا کام بھی ساتھ لے گیا۔ اگر ایک دن کام نہیں بھی تاخیر ہوتی ہے، تو دوسرے دن دو کام کرنے پڑتے ہیں اور ان دونوں کا انجام دینا مشکل ہوتا ہے۔ اگر تم ہر دن کا

کر دے تو نہ کر سکیگا۔ اور رعایا کو بھی حصول علم دین کی رغبت پیدا ہو جائیگی۔ حدیث میں آیا ہے کہ بادشاہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۸ کام اسی دن کرتے رہو گے، تو اپنے نفس اور بدن کو آرام دو گے اور تمہارا کوئی کام ادھورا نہیں رہیگا۔

جو لوگ شریف بن سیدہ اور تجربہ کار ہوں جن کی نیک نیتی، خیر خواہی اور محبت کا ثبوت بار بار مل چکا ہو انکو سپاہ خالص دست اور خیر خواہ سمجھو اور انکے ساتھ حسن سلوک اور فیاضی سے پیش آؤ۔ جو شریف آدمی تباہ حال اور مفلس ہوئے ہوں، انکی اصلاح حالت کی کوشش کرو۔ اور ان کی پرورش اور خبر گیری کرتے رہو۔ محتاجوں اور اسکینوں اور ان لوگوں کا بھی ہمیشہ لحاظ رکھو، چھپنے کے معاملے کو تمہارے سامنے پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور جنکو اپنے حقوق سے انکار بھی نہیں ہو، انے نرمی اور دجائی کے ساتھ انکا حال پوچھو اور انکے معاملے کی تحقیق کرو اور ان کی خبر گیری کے لیے ایسے شخصوں کو مقرر کرو جو نیک نیت اور نیک دل ہوں اور ان کو حکم دو کہ وہ کامل تحقیق کے بعد انکے معاملات کا انصاف اور رحمتی سے فیصلہ کریں اور ان کی ضرورتوں کو پورا کریں یا مناسب حکم کے لیے انکے معاملے کی رپورٹ تمہارے پاس بھیجیں جن لوگوں پر کوئی سختی اور مصیبت نازل ہوئی ہو، انکے اور یتیموں اور یتیم عورتوں کے لیے اپنے خزانے سے روزینہ مقرر کرو۔ اس باب میں تمکو امیر المؤمنین کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیئے۔ تم انکے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور انکو مدد دو اور انکے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرو، تاکہ انکی زندگی تلخی اور تکلیف میں بسر نہوا اور تمہاری زندگی اور مال میں خدا برکت دے اور تمہیں قیامت کے دن اسکا ثواب ملے۔

جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہیں اور اُس پر عمل کرتے ہیں انکو بہ نسبت دوسروں کے بیت المال سے حصہ دینے میں ترجیح دو اور ان کی خبر گیری اور دجائی کو مقدم جانو۔ بیماروں کے لیے شفا خانے تعمیر کراؤ، جن میں وہ آرام سے رہ سکیں اور ان کی خدمت اور خبر گیری کے لیے شفا خانوں میں ملازم مقرر کرو، تاکہ جس چیز کی ان کو ضرورت ہو، وہ فوراً اُس کو دیتا کریں۔ انکے علاج کے لیے ایسے طبیب ملازم رکھو، جو تجربہ کار ہوں اور جو اپنے فن میں کامل مہارت رکھتے ہوں۔ ان تمام امور میں تمکو خیر کرنے کی اجازت ہو، جب تک کہ فضول خرچی اور اسراف کا الزام تم پر نہ لگایا جائے۔

یا دیکھو کہ لوگوں کے حقوق جب بالواسطہ ادا کیے جاتے ہیں تو وہ اس بات پر قانع نہیں ہوتے، بلکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ بذات خود حاکموں کے دوبرو پیش ہو کر اپنے معاملہ کو پیش کریں۔ کیونکہ اس طرح ان کو یہ امید ہوتی ہے کہ انکی اچھی طرح

کے واسطے سب سے اچھی چیز اسکا پاکیزہ مذہب ہی۔ کیونکہ مملکت اور مذہب مثل دو بھائیوں کے ہیں۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۹۔ حتیٰ رسی ہوگی اور انکے معاملے پر کما حقہ توجہ کی جائیگی۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ حکومت کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں جب انکے سامنے بہت سے معاملات پیش ہوتے ہیں۔ اور بہت سے مقدمات کا انبار ہو جاتا ہے۔ تو وہ انکی کثرت کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں اور پوری توجہ سے ہر معاملے کو طے نہیں کرتے۔ اور محنت اور مشقت کرنے سے جی پھرتے ہیں، مگر تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص عدل کے بندوں سے بے پرواہی کر کے ساتھ پیش آتا ہے اور انکے معاملات پر پوری توجہ نہیں کرتا، وہ اس شخص کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا جو انصاف کے درپے ہو اور جو نیک نامی اور ثواب کا خواہاں ہے۔ پس تم کو لازم ہے کہ تم لوگوں کو بے تکلف اپنے پاس لائے اور عرض معروض کرنے کی اجازت دو اور بالمشائے گفتگو کرو اور انکے معاملات اور مقدمات پر توجہ کرنے کے لیے اپنے حواس کو جمع رکھو۔ اور ان کی ہر بات کو اطمینان سے سنو اور انکے ساتھ نرمی اور مہربانی اور خندہ جمینی سے پیش آؤ جو سوال تم لائے کرو، وہ نرمی اور آہستگی سے کرو۔ اگر وہ جاتہ بند ہوں تو انکے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کرو اور جب کسی کو کچھ دو، تو ہمیشہ بہنیں مکھ ہو کر دو۔ اور آپس خوشی کا اظہار کرو اور لائے نہ کسی معاوضہ کی توقع رکھو، نہ اپنے کوئی جہان جتاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے، تو یہ ایک ایسی تجارت ہوگی، جسکا فائدہ تم آخرت میں پاؤ گے۔

جو حکمران تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور جو قریں زمانہ سلطنت میں بر باد ہو چکی ہیں، انکے حالات کو مطالعہ کرو اور انکے عبرت حاصل کرو۔ پھر اپنے ہر کام کو خدا کی مرضی اور خوشنودی کے دائرے میں محدود کرو۔ انکے احکام پر گردن نہ ڈالو اس کی شریعت پر عمل کرو۔ انکے دین کو قائم کرنے میں سرگرم رہو۔ جو بات سنت الہی کے برخلاف ہو اور جس سے خدا کی نارضا مندی اور ناخوشی کا اندیشہ ہو، اسکو یک سخت ترک کرو۔ تمہارے نائب جمعیہ مال جمع کرتے ہیں، آپس ہمیشہ نظر رکھو۔ ناجائز طریقے سے جمع نہ کرو اور یہی طور پر سپرچ نہ کرو۔ علما کو اپنی مجلسوں میں شریک کرو اور انکے مشورہ کرتے رہو۔ اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع کرو اور نیکیوں کے پھیلائے میں مستعدی کے ساتھ کوشش کرتے رہو۔ تمہارے سب سے زیادہ مقرب اور عزیز دوست وہ لوگ ہوں، جو تمہارے عیسوں کو دیکھ کر انکے ظاہر کرتے ہیں کبھی باک نہ کریں، اور خلوت و جلوت میں ہمیشہ حق بات کہیں اور اس کی پروا نہ کریں کہ نکتہ بینی کر سنے سے تم لائے ناراض ہو جاؤ گے۔ اگر ایسے آدمی تم کو دستیاب ہوں، تو یہ سمجھ لیا کرو کہ وہ تمہارے نہایت خیر خواہ دوست ہیں اور

جب مملکت میں انقلاب ہوگا تو مذہب میں بھی رخنہ پڑے گا۔ اور جب مذہب میں فتور ہوگا تو سلطنت کبھی سکا پڑے گی۔
 حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب نے اچھا بادشاہ وہی جو اہل علم سے صحبت رکھتا ہو اور سب سے برا وہ عالم ہو کہ جو بادشاہ سے ملتا جلتا ہو۔
 لقمان حکیم کا قول ہے کہ دنیا میں انسان کا سب سے اچھا دوست علم ہے۔ اور علم غفلت سے بہتر ہے۔ کیونکہ ہم کو غفلت کی نگھبائی کرنی پڑتی ہے اور علم خود ہمارا محافظ ہوتا ہے۔

۱۵ حضرت سفیان ثوری اپنے زمانے کے مشہور امام اور مجتہد ہیں، اور ان مشاہیر میں کہ جنہوں نے ابتداً علم حدیث کی تدوین کی منصور عباسی کے عہد میں بمقام بصرہ ۱۵۰ھ میں انتقال کیا۔ تاریخ انتقال یہ ہے

آگے سفیان ثوریش نام است مرشد خاص و مہر عام است
 مرقد عایش بصرہ ہاں مال ترحیل ادہای چہاں

ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۳۰ و مفتاح التواریخ صفحہ ۲۰

۱۶ لقمان، موصوفین نے صراحت کی ہے کہ لقمان نبی نہ تھے بلکہ نہایت نامور حکیم تھے حبش کے باشندے تھے۔ اور بنی اسرائیل میں کسی کے غلام تھے لیکن لکھے مالک نے دولت کثیر دیکر آزاد کر دیا تھا یہ زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ لقمان کا ہر قول حکمت اور نصیحت ہے، معارف ابن قتیبہ دینوری صفحہ ۱۹ بقیۃ نوٹ صفحہ ۲۵۰۔ انکی قدر کا تھا رافضی ہے۔

جو عامل اور محاسب درکات تھا اسے پاس روزانہ لاتے ہوں، انکے لیے دن کا ایک خاص وقت مقرر کرو۔ تاکہ وہ اپنی ضرورتوں کو تمھارے سامنے پیش کر سکیں اور رعیت اور ضلاع کے حالات سے مکمل مطلع کر سکیں جب کوئی عامل تمھارے سامنے پیش کیا جائے تو اپنی پوری قوت اس کے سمجھنے اور اس کی نسبت حکم دینے میں صرف کرو اور پوری توجہ اس بات پر منبہ دل کرو کہ اسکا فیصلہ کیا جونا چاہیئے۔ بار بار اس پر غور و فکر کی نظر دو، اور انصاف اور جوشیاری سے اسکو طے کرو جس معاملہ میں کوئی شبہ ہو، اسکو سوچنے اور تحقیق کرنے کے لیے دوسرے وقت پڑھا رکھو۔
 اپنی رعیت میں کسی سے کسی آدمی پر احسان نہ جتاؤ اور اپنے احسان کا جو صلہ تم رعیت سے چاہو، وہ یہی جونا چاہیئے کہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ”میں اُسکو قاتل نہیں سمجھتا ہوں جو عربی علم ادب کا ماہر ہو بلکہ قاتل وہ ہے جو مختلف علوم جانتا ہو۔ اگر ایک شخص ترکی، فارسی یا رومی زبان میں تفسیر قرآن کا عالم ہو۔ گریز عربی زبان نہ جانتا ہو تو وہ بھی عالم ہے۔ ہاں اگر اس مقدس زبان سے واقف ہو تو بہت اچھا ہے کیونکہ کلام مجید عربی میں نازل ہوا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی زبان تھی۔“
چونکہ بادشاہ ظل اللہ تھا ہی۔ لہذا اُسکو صاحب علم ہونا چاہیئے تاکہ کوئی حکم حیالت پر محمول نہ ہو۔ جو بادشاہ دانشمند ہوئے ہیں دیکھو انکا نام اُجنگ کیسا مشہور ہے! اور حقیقت میں یہی وہ ہیں کہ

۱۔ حضرت حسن بصری مشہور تابعین میں سے ہیں۔ علاوہ تبحر علمی کے زہد و پارسائی کا بھی نمونہ کہتے تھے اور اپنے عہد کے بہت افضحا میں شمار کیے گئے ہیں۔ یہ زمانہ یزید ابن عبدالملک کی حکومت کا تھا۔ چنانچہ عمر ابن حبیرہ والی عراق و خراسان کے دربار میں جواب سوال اطاعت یزید، جو تقریر حسن بصری نے کی ہو وہ اُن کی آزادی اور حق پسندی کی بڑی دلیل ہے۔ ۲۔ امیر المومنین کی حکومت کے خیر خواہ اور وفادار ہوں۔ تھامی تمام فیاضیاں جو رعیت کے ساتھ ہوں وہ صرف اسی بات پر محدود ہونی چاہئیں۔

میں آخر میں یہ بات لکھنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ تم میرے اس خط کو بار بار پڑھو اور خوب سمجھ کر پڑھو اور جو نصیحتیں اور ہدایتیں میں نے اس میں درج کی ہیں اُن پر عمل کرو اور ہر کام میں جسکو تم انجام دینا چاہو، خدا سے مدد مانگو اور اُس سے نیکی اور بھلائی کی درخواست کرو۔ کیونکہ خدا کی رحمتیں اور برکتیں انھیں لوگوں پر نازل ہوتی ہیں جو نیک عمل کرتے ہیں۔ غرض کہ تمہاری زندگی کا ہر کام ایسا ہونا چاہیئے جس سے خدا کی رضا مندی اور خوشنودی حاصل ہو۔ غیر مذہب کے غیر قوم کے جو لوگ تمہاری حکومت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے ہیں اُنکو مہربودی اور فراہ آسائش حاصل ہو۔ ملک میں انصاف و امان کی روشنی پھیلے۔ اب میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ان نصیحتوں پر عمل کو نیکی اُنکو تو فیہ سے اور تم اپنی زندگی اور حکومت میں کامیاب ہو۔ والسلام۔ ”منقول از معارف جلد ۴ نمبر ۱۰۱۰۱۰۱۰“
مولوی محمد عزیز الرحمن عزری (محل خط کے لیے دیکھو تاریخ کامل ابن اثیر)

جنگلے کارنامے قیامت تک باقی رہیں گے۔ اس فہرست میں فریدوں، سکندر، اردشیر، نوشیروان، امیر المومنین فاروق اعظم، حضرت عمر بن عبدالعزیز، خلیفہ ہرون الرشید، مامون الرشید، معتصم باللہ، امیر اسماعیل بن احمد ساسانی، اور سلطان محمود غزنوی کا نام آچل ہے۔

یہ وہ جلیل القدر شاہنشاہ تھے، جنگلے واقعات سے تاریخ کے صفحات مزین ہیں۔ لوگ ان کے حالات پڑھتے ہیں اور دعا سے یاد کرتے ہیں۔ (فصل آٹھویں سیاست نامہ)

(۱۲) نظارت

ناظر (اشراف) وہ مقرر کیا جائے جس پر پورا بھروسہ ہو۔ تاکہ وہ دربار کے واقعات کو سمجھ بوجھ کر ضرورت کیوقت بیان کیا کرے۔ اطراف و جوانب میں یہ زبانی ماتحت خود روا ذکر کیا۔ مگر جو لوگ بھیجے جائیں وہ اپنے رسلے کے مستحکم اور دیانتدار ہوں تاکہ انکو ہر قسم کا علم ہوتا رہے۔ انکے مصداق بیت المال سے وقت معینہ پرا دیئے جائیں، ایسا نہ کہ ان کی تنخواہوں کا بار رعیت پر پڑے اور وہ رشوت لینے لگیں۔ (فصل نہم سیاست نامہ)

(۱۳) محکمہ وقائع نگاری و چرچہ نویسی

بادشاہ پر واجب ہو کہ وہ اپنی رعایا اور فوج کے حالات سے کچھ نہ کچھ ضرور واقف ہو۔ غرض کہ قلم و قریب کے لیے قرب و بعد کا عذر معیوب ہے۔

جن بادشاہوں کو اپنی رعایا اور فوج کا حال معلوم نہیں ہو، انہیں غفلت اور ستمگاری کا لازم عائد

کیا جاتا ہو۔ کیونکہ جو بدہنسیاں اور دست اڑیاں اسکے عہد سلطنت میں موتی ہیں۔ ان کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ان حالات سے بادشاہ واقف ہو یا بخیر ہو۔ اگر اسکو علم ہو اور پھر بد نظمیوں کا تذکرہ نہیں کر سکتا ہو، تو اوروں کی طرح وہ بھی ایک ظالم ہو۔ اور گویا خود اسنے علانیہ ظلم کرنے کی اجازت دے رکھی ہو۔ اور اگر یہ کہا جاسے کہ بادشاہ واقف نہیں ہو، تو اس سے زیادہ غفلت اور کیا ہو سکتی ہو؟ بہر حال یہ دونوں صورتیں ناپسندیدہ ہیں۔ اسلئے ضرور ہو کہ واقعہ نگاری کا دفتر قائم کیا جائے۔

زمانہ جاہلیت اور اسلام میں یہ طریقہ جاری تھا کہ ہر کاروں کے ذریعہ سے ہر قسم کی خبریں جلد جلد بادشاہ تک پہنچا کرتی تھیں۔ چنانچہ پندرہ سو میل کے فاصلہ پر اگر ایک پول گاٹھ یا ایک مرغ کوئی بڑی

واقعہ حالات کے لیے پرچہ نویس اور واقعہ نگاروں کی ابتدا شاہان اسلام میں امیر المومنین فاروق عظیم کے عہد میں ہوئی۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ اسنے مخفی نہ رہے اور انھوں نے انتظامات ملکی کے ہر حصہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے۔ جسکے سبب سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا تھا۔ بلکہ گھروں کی چار دیواری کے اندر کسی ملکی معاملہ پر گفتگو ہوتی تھی تو وہ بھی آپ کو معلوم ہو جاتی تھی۔ اسی طرح ہر خلفائے عباسیہ کے عہد میں بھی انتظام تھا۔ چنانچہ مامون الرشید کی نسبت مورخوں نے لکھا ہے کہ سترہ سو عجزہ عورتیں مقرر تھیں جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں اور شہر کا کچا چٹھا اسکو پہنچاتی تھیں لیکن مامون کے سوا اور کسی کو اسنکے نام و نشان سے اطلاع نہ تھی۔ ایسا ہی زبردست انتظام دور دراز کے صوبوں اور بڑے بڑے اضلاع کے متعلق تھا اور زمانہ ڈاک براہ راست مامون الرشید تک پہنچتی تھی۔ چنانچہ یہ سلسلہ تمام پچھلے مسلمان بادشاہوں میں جاری رہا۔ اور عہد مغلیہ میں بھی لدین اورنگ زیب عالمگیر اپس انتظام کا خاتمہ ہو گیا۔ چنانچہ دربار میں عالمگیر کی زبان سے ایسے فقرے نکلتے تھے جسکا نظور کچھ دنوں کے بعد ہوتا تھا۔ اور اکثر شاہان مہجور کے خطوط اور اعمال کے بعض کا مضمون لفظ بلفظ پہلے بتا دیتا تھا جس کی وجہ سے لوگ عالمگیر کو ایک شیخو فیہی اور عارف باللہ سمجھتے تھے۔ تاہم ہندوستان کی سرحدوں اور محذو مشرقاات اسکے پرچہ نویس مقرر تھے جن میں اکثر سونی ہوتے تھے اور بعض عجمیوں و مجذوب کے لباس میں لاکرتے تھے۔

چھین لیتا۔ تو اس کی بھی خبر بادشاہ کو پہنچ جاتی تھی۔ اور محض اطلاع پر یہ واقعہ ختم ہوتا تھا بلکہ لازم سزا یا بھوتما تھا۔ اور تمام ملک میں بادشاہ کی بھاری کی دھوم مچ جاتی تھی۔

لیکن فی حقیقت یہ کام بہت نازک ہے۔ واقعہ نگاری کی خدمت ایسے لوگوں کے سپرد ہونا چاہیے کہ کبھی زبان اور قلم ہنگامی کے دھبوں سے پاک ہوں۔ اور ان میں خود غرضی نہ ہو، کیونکہ اس گروہ سے ملک کا امن و امان قائم رہتا ہے اور یہ گروہ خاص بادشاہ کی ذات کا نوکر ہے۔ ان کی تنخواہ بھی ٹھیک وقت پر دینا چاہیے تاکہ ولی اطمینان سے یہ اپنا کام کیے جائیں۔ اور تمام حوادث کی اطلاع کرتے رہیں۔ ایسے بادشاہ کے عہد سلطنت میں کسی کو بغاوت کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ کی تادیب سے ڈرتے ہیں۔ بہر حال پرچہ نویسوں کی تقرری بادشاہ کے عدل اور بیدار مغزی اور وقت فیصلہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس صیغہ کو ملک کی آبادی میں بڑا دخل ہے۔

مثال جب سلطان محمود غزنوی نے عاق پر قبضہ کیا تو کوچ و بلوچ کے قزاقوں نے رباط دیرکچین پر ڈاکہ ڈالا چنانچہ ایک بڑھیا کا بھی مال و سباباٹ گیا۔ اس نے اگر سلطان سے فریاد کی

لے کر ان کے پہاڑی جگہوں میں کوچ بلوچ چوری اور غارتگری میں ضرب المثل ہیں۔ چنانچہ فردوسی طوسی اور حکیم قطران کے یہ شعرا سنا پیش کیے جاتے ہیں

فردوسی

ہم از پہلوی پارس کوچ و بلوچ	ز گیلان جنگی و دشت سہ کوچ
سپاہ سے بگردار کوچ و بلوچ	سگالندہ جنگ مانند کوچ
ز کوہ بلوچ و دشت سہ کوچ	بہشتند خنجر گزاران کوچ

حکیم قطران

ہستند اہل فارس ہر اساب زکا برین ز انسان کہ اہل کرباں ترسان دزد کوچ

کہ "یا تو میرا مال دلا دے یا اسکا معاوضہ داکر" سلطان نے کہا مجھے خبر نہیں ہے کہ دیر کیلپس کہاں ہے؟
 بڑھیا بولی کہ اے سلطان! اس قدر ملک فوج کر جبکہ جغرافیہ سے تو واقف ہو سکے۔ اور اسکا انتظام
 کر سکے۔ اس علاقہ نے جواب کو سلطان نے تسلیم کیا اور کہا کہ ہاں تو سچ کہتی ہے لیکن یہ بتا کہ یہ ڈاکو
 کس طرف سے لائے تھے، اور کون تھے؟ بڑھیا نے کہا کہ یہ کوچ پلوچ کے جہر گئے تھے جو کرمان کے قریب
 رہتے ہیں۔ یہ سنکر سلطان نے کہا کہ کرمان تو میری سرحد سے باہر اور میرے ملک سے بہت دور ہے
 میں انکا کوئی انتظام نہیں کر سکتا ہوں۔

بڑھیا نے کہا ہاے افسوس!! اسی برے پر شہنشاہی کا دعویٰ ہے۔ وہ بادشاہ کیا جو اپنی سلطنت
 کا انتظام نہ کر سکے۔ اور وہ چرواہا کیا جو اپنی بکریوں کو بھیڑیے سے نہ بچا سکے؟ پس میرا تنہا اور
 ضعیف ہونا۔ اور تیرا فوج و لشکر رکھنا دونوں برابر ہے؟ یہ جواب سنکر محمود آبدیدہ ہوا اور بڑھیا کو
 اطمینان دلایا کہ میں ان ڈاکوؤں کا انتظام کرتا ہوں اور تیرا مال واپس دلاتا ہوں۔ بعد ازاں بڑھیا
 کو بہت کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا۔ اور بوجلی الیاس امیر کرمان کو حسب ذیل نامہ لکھا۔

مجھے عراق لےنے کی خواہش نہ تھی۔ میں تو ہمیشہ سے ہندوستان کے ہما دیں مشغول تھا۔ لیکن جب
 میرے پاس متواتر عرضیاں پہنچیں کہ دیالمہ نے عراق میں غدر مچا رکھا ہے اور مسلمانوں کے گھر لوٹ
 رہے ہیں اور انہر طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں۔ علاوہ اسکے مذہبی معاملے میں بے اعتدالیاں کر رہے
 ہیں۔ اور سال میں دو تین مرتبہ رعایا سے خراج وصول کیا جاتا ہے۔ مجاہد دلہ اپنے کوشا ہنشاہ کہلانا

سے دیر کیلپس۔ اصفہان کے قریب ایک پڑاؤ کا نام ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جس جگہ بہرام گور کے واسطے اس کے تابع
 نمان بن منذر نے مشہور معروف محل شہ دیر (سدر) تعمیر کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد عوام نے اسکا نام دیر کیلپس
 رکھ دیا۔ انجمن آثار عجم حالات بہرام گور۔

چاہتا ہے۔ مذہب زنا و قہ اور بواطنہ ہر شہر و نواح میں پھیل رہا ہے۔ صنایع مطلق کا انکار ہے۔ نماز و روزہ حج۔ زکوٰۃ، سب کو بالاسے طاق رکھ دیا ہے۔ ایسٹے سینے ہندوستان کے غذوات کو چھوڑ کر عسقلی کا قصد کیا ہے۔ میری تلوار سنے۔ دایلمہ، زنا و قہ، بواطنہ، کی بیخ کنی کر دی ہے۔ چنانچہ بہت فتنے مسل ہو چکے ہیں، اکثر بھاگ گئے ہیں، بعض گرفتار ہیں۔ اور خراسان کی حکومت ان بزرگوں کے سپر کر دی ہے جو انکے دشمن ہیں اور عراقیوں سے دفتر پاک کر دیا گیا ہے۔ اور مجھے خدے نے محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ ملک کو مفندوں سے پاک و صاف کر کے اچھے لوگوں سے دنیا کو آباد کروں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مفندان کو حج پلوچ نے ربط ویر کچین پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ تم انکو گرفتار کرو اور ڈاکیتی کا مال برآمد کر کے قزاقوں کو پھانسی دیدو۔ یا ان سب کو گرفتار کر کے ہمارے حصو بنیٹام سے بھیج دو۔ تاکہ انکے حوصلے آئندہ کو پست ہو جائیں اور کرمان سے چلکر میرے ملک میں لوٹ مار نہ کریں۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو یاد رکھو کہ کرمان مقابلہ سومنات بہت قریب ہے، ابوعلی الیاس سلطان کا نامہ پڑھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اور قاصد کو بہت کچھ انعام دیا۔ اور اپنی غرضی کے ہمراہ جواہرات خوش رنگ، ظرائف دریا، اور سونے چاندی کی بددیاں بھی روانہ کیں۔ عرضی کا مضمون یہ تھا: میں تو سلطان کا فرمانبردار غلام ہوں۔ مگر کرمان کی کیفیت اور میری حالت سلطان کو معلوم نہیں ہے۔ میری طرف سے لیٹروں کو کسی قسم کا ایما نہیں ہے۔ اور کرمان کی رعایا سنی المذہب ہے۔ اور کوچ پلوچ کی پہاڑیاں کرمان سے علیحدہ ہیں اور اسکا راستہ بھی پہاڑوں اور دریاؤں کے سبب بہت دشوار گزار ہے۔ ان ڈاکوؤں سے میں بھی عاجز ہوں۔ کیونکہ عموماً چور اور مفند ہیں اور انکی وجہ سے ہتھیار میل راستہ پر خطر ہے۔ اور دن رات لوٹ مار کیا کرتے ہیں۔ چونکہ بڑا ستھا ہے میں تنہا مقابلہ

طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ اس کی تدبیر سولے سلطان کے اور کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ میں ہر حال میں فرمانبردار ہوں جو حکم ہو اُس کی تعمیل کروں۔“

سلطان نے بوعلی کا جواب پڑھ کر سمجھ لیا کہ جو کچھ لکھا ہے وہ سچ ہی۔ اور قاصد کو خلعت دیکر رخصت کیا اور امیر سے کہلا بھیجا کہ تم کرمان کی فوج کو اکٹھا کر کے اُنکو جاجا سرحد پر پھیلادو۔ اور خلاب مینے کے خاتمے پر کرمان کی سرحد پر پہنچ جاؤ۔ اور جس طرف کوچ بلوچ ہوں اُسی جانب قیام کرو جس وقت ہمارا قاصد مع فلاں نشان کے تم سے ملے اُسی وقت کوچ کر دینا۔ اور اُن پہاڑوں میں گھسکر چھوٹے ٹبروں کو قتل کرنا، اور عورتوں اور بڑوں سے جس قدر مال ملے وہ سب فراہم کر کے بھیج دینا تاکہ اُنکے مالکوں کو دیدیا جائے۔ غرض کہ جب قاصد چلا گیا تو سلطان نے مناد کو کرائی کہ جو سوداگر یا زبداور کرمان کو جانا چاہتے ہیں۔ وہ سامان سفر درست کریں۔ اور میں اُنکے ہمراہ بدرقہ روانہ کروں گا اور یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ جبکہ مال کوچ بلوچ غارت کرینگے اُنکا تاوان خزانہ شاہی سے دیدیا جائیگا۔“ منادی کے ہوتے ہی بمقام سے بے انتہا سوداگر جمع ہو گئے اور سلطان نے وقت معین پر قافلہ روانہ کرادیا۔ اور ایک سردار کو مع ڈیڑھ سو افراد کے بطور بدرقہ کے روانہ کر کے سمجھادیا کہ میں تمھارے پیچھے فوج روانہ کرتا ہوں مطمئن رہنا۔ اور رخصت کے وقت ایک شیشہ زہر قاتل کا اُس مہیکے سپرد کر دیا اور یہ ہدایت کی کہ جب تمھارا قافلہ صفہ پہنچ جائے تو وہاں ٹھہر جانا اور تختہ دس خروار سبب صفہ منی خرید کر کے اپنے ہمراہ رکھ لینا۔ جب دیکھنا کہ کوچ بلوچ کی سرحد قریب آگئی ہو اور صرف ایک ات کی منزل باقی ہو اُس وقت کسی تیز لڑے سے سیبوں میں سوراخ کر کے زہر ہوسپت کر دینا۔ اور جن دس اونٹوں پر سبب لکھ دی ہو

انکو چھوڑ دینا کہ وہ تمام قافلہ میں پھیل جائیں اور خوبصورتی میں سیب اس انداز سے رکھنا کہ سب کو نظر آئیں۔ جب ڈکیتوں سے سامنا ہوتا تو لڑائی کو مال دنیا کیونکہ ان کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اور جو سپاہی مسلح ہوں وہ قصداً ڈیڑھ میل پیچھے رہیں مجھے یقین ہو کہ بڑا حصہ ان کا سیب کھاتے ہی ک ہو جائیگا۔ ٹھوڑی دیر کے بعد تلوار سے دشمن کا مقابلہ کرنا۔ اور یہ انکو ٹھکی دیتا ہوں بوعلی کے پاس بذریعہ خاص سوار کے بھیج دینا۔ اور جہاں تم ٹھہرنا وہاں بوعلی کو بلانا۔ وہ مع فوج پہنچے گا۔“

میر قافلے نے عرض کیا کہ ”میرا دل گواہی دیتا ہے کہ سلطان کی یہ حکمت عملی کارگر ہوگی اور ملک ان کٹیروں سے پاک ہو جائیگا۔“ اور قافلے کا کوچ کر دیا۔ اصفہان پہنچ کر سیب خریدے گئے۔ پھر قافلہ یہاں سے کرمان چلا گیا۔ قافلے کی آمد سن کر بلوچی بھی اول سے تیار بیٹھے تھے۔ اور چونکہ قافلہ نہایت عظیم الشان تھا۔ یہ لوگ بھی چار ہزار مسلح جوانوں سے مقابلے کو تیار ہوئے۔ جب چوڑی گھاٹی پندرہ میل رہ گئی اسوقت لوگوں نے میر قافلے کو اطلاع دی کہ بلوچی جگہ آپ کے منتظر بیٹھے ہیں۔ سو اگر یہ خبر دشت اثر سن کر ڈر گئے۔ مگر میر قافلے نے انکو اطمینان دلایا اور کہا ”تمھارے نزدیک جان بھری یا مال۔ سب نے کہا کہ جان کے مقابلے میں مال کیا مال ہے۔ میر قافلے نے کہا کہ میں تمھارے مال پر اپنی جان فدا کر نیو موجود ہوں اور جبکہ سلطان کی جانب سے تمکو مال کا پورا معاوضہ ملے گا تو اب تردد کن بات کا ہے۔ خدا بخوہستہ سلطان کو تم سے یا مجھ سے عداوت نہیں ہے کہ وہ مجھ کو مرنے کا حکم دے اور انشا اللہ ہم ہی کامیاب ہوں گے۔ لیکن تم سب میرے کہنے پر عمل کرنا۔ چنانچہ میر قافلے نے سب کو اپنی کارروائیوں سے مطلع کر دیا اور شب کے وقت تمام سیب ہرا کر رکھ دیئے۔ اور ساربانوں کو ہدایت کر دی کہ جب قافلے ق قافلے میں

گھس پڑیں اور میں بھاگنے کا قصد کروں۔ اس وقت تم سیب نے میں پر پھینک دیا اور خود بھی بھاگ جانا۔
غضبکہ میر قافلے نے انتظام کر کے ادھی رات کو کوچ کر دیا۔ سو بج تکنے پر لیٹروں نے تیس طرف سے
حملہ کیا۔ میر قافلے نے ناشی طور پر دو تین تیر چلائے اور آخر کو مقابلے سے گریز کیا۔ اور جو فوج ڈیڑھ
میل کی مسافت پر پڑی ہوئی تھی اس سے جا ملا۔ اور سب سپاہیوں کو جمع کر کے مقابلے پر آمادہ کیا
اور ہزاروں نے میدان صاف دیکھ کر اطمینان سے سیب کھانا اور گٹھیاں کھول کر دیکھنا شروع کیا بلکہ
جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انکو بھی انھوں نے سیب تقسیم کیے۔ غضبکہ سمجھوں نے سیب کھائے مگر
ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ سب غش کھا کر گرنے لگے جب ہدایت سلطان جب میر قافلے نے ان کو
جا کر دیکھا تو اکثر کومرہ پایا۔ اور چونکہ امیر ابو علی الیاس کی بھی فوج پہنچ گئی تھی۔ لہذا اٹھینا دس ہزار
بلوچی قتل ہوئے اور بے انتہا مال غنیمت ہات لگا۔ امیر ابو علی نے یہ سب باب سلطان کی خدمت میں
بھیج دیا۔ اور سلطان نے منادی کرادی۔ چنانچہ تمام ملک سے لوگ آئے تھے۔ اور اپنا مال بچانے
خوش خوش لیجا رہے تھے۔

اس کے بعد سلطان نے پرچہ نویسوں کو مقرر کر دیا۔ تمام ملک سے ہر قسم کی خبریں پہنچتی تھیں اور سلطان
انکی تلافی کرتا تھا۔

زمانہ قدیم سے حکمران خیر سانی بادشاہوں کے یہاں قائم تھا لیکن سلجوقیوں نے اس طرف توجہ
نہیں کی جو جس کی تصدیق ذیل کے واقعہ سے ہوتی ہے۔

سلطان شہید الپ ارسلان سے ایک دن ابو الفضل سکری نے پوچھا کہ حضور نے پرچہ نویسوں
کو کیوں نہیں مقرر کیا؟

فرمایا تم چاہتے ہو کہ میرا ملک برباد ہو جائے، اور میرے خیر خواہ مجھ سے چھوٹ جائیں؟ ابو الفضل نے کہا کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہا سُنو جب میں اُنکو مقرر کرونگا تو جو میرے دوست ہیں وہ بہ سبب اتحاد اور سچی محبت کے اُن کی کچھ بھی پروا نہ کریں گے اور جو حقیقت میں دشمن ہیں وہ اس گروہ سے دوستی پیدا کریں گے۔ جبکہ یہ نتیجہ ہو گا کہ قانع نگار ہمیشہ دوستوں کے مخالف اور دشمنوں کے موافق خبریں سُنائیں گے۔ اور خبریں خواہ اچھی ہوں، یا بُری، میں دونوں کو مشرقِ تشریف کے سمجھتا ہوں، کیونکہ جب متواتر تیر اندازی کی جائے گی تو اخیر میں کوئی نہ کوئی تیر نشانہ پر لگ جائیگا یعنی دوستوں کی طرف سے دل میں کدورت اور دشمنوں کی جانب سے محبت بڑھتی جائیگی اور آخر کو یہ نوبت پہنچے گی کہ جو دوست ہیں وہ دل سے دور ہو جائیں گے اور بجائے اُنکے دشمن قریب پہنچ جائیں گے۔

(اے نظام الملک) لیکن میری رائے میں اس گروہ کا رکھنا اصول سلطنت میں داخل ہے لہذا یہ ضرور ہے کہ لوگ اعتبار کے ہوں۔ (فضل دہم سیاست نامہ)

(۱۴) محکمہ جاسوسی

بادشاہ کو چاہیے کہ تمام اطراف سلطنت میں سوداگروں، سیاحوں، صوفیوں، دوا فروشوں

سے دھند گیارہ میں جو کچھ خواہ نظام الملک لکھا ہے، اُنکا ایک ضمیمہ ہے جاسوسی کا محکمہ جس کا نام ہند مالک میں ہے۔ اور اُنکا ڈھانڈا نہایت حیرت انگیز ہوتی ہے۔ چنانچہ دولت عثمانیہ میں بھی اس صیغہ کی کارروائی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اور ہاری گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستان میں بھی یہ محکمہ ہے۔ مگر وہ یکے مقابلے میں ابھی ابتدائی حالت میں ہے۔ اور ہندوستانی ریاستوں میں سرکار نظام غلام شاہ ملکہ کی اہلکار نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ گزشتہ دربار دہلی منعقد ہونے والے میں اس محکمے نے قابل تعریف کام کیے ہیں۔ عربی تاریخوں میں یہ محکمہ جدید اور صاحب البرید کے نام سے موسوم ہے اور جس کے ذمہ ڈاک کا بھی انتظام تھا۔

اور درویشوں کے لباس میں جاسوسوں وانہ کیا کرے۔

اور انکا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ تمام ملک کی خبریں بادشاہ تک پہنچائیں، اور کوئی واقعہ پوشیدہ نہ رہنے پائے۔

اس حکم کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ملک میں نئے فتنے نہیں اُٹھ سکتے ہیں، کیونکہ اکثر ہوا ہی کہ عمال وغیرہ نے ادھر ادھر اٹھایا اور ہر جاسوس کی اطلاع پر یکایک بادشاہ نے موقع پر پہنچ کر تدارک کر دیا۔ یا اگر کسی بادشاہ نے دوسری طرف سے ملک گیری کا قصد کیا تو اس بادشاہ نے پہلے سے اپنا انتظام کر لیا ہے۔ اور بسا اوقات رعایا کے بہت سے بگڑے ہوئے کام جاسوسوں کی خبر پر بن گئے ہیں جیسا عضدالدولہ کا واقعہ مشہور ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہوں نے عدل و انصاف کے واسطے بڑی بڑی کوششیں کی ہیں

شاہانِ دہلی میں عضدالدولہ سے زیادہ بیدار، زیرک، اور مدبر کوئی بادشاہ نہیں ہوا، چنانچہ اس بادشاہ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک دن کسی مخبر نے بادشاہ کو پرچہ لکھا کہ بکار سرکار فلاں ہم پر ہیں جا رہا تھا۔ شہر کے پھاٹک سے نکل کر دو سو قدم گیا ہونگا کہ راستے میں ایک جوان سے ملاقات ہوئی جکا چہرہ زرد تھا۔ اور گردن و رخساروں پر زخموں کے نشان تھے۔ مجھے دیکھا اُسے سلام کیا۔ جواب کے بعد میں نے پوچھا کہ حضرت آپ یہاں کس لیے کھڑے ہیں؟ جواب دیا کہ مجھے ایک شخص کی ضرورت ہے جو ایسے شہر میں لے چلے جہاں کا سلطان عادل اور قاضی منصف ہو۔

میں نے کہا آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ عضدالدولہ سے عادل اور قاضی شہر سے زیادہ ایماندار اور کون ہو سکتا ہے؟ اُس نے کہا کہ اگر فی نفقہ بادشاہ عادل اور حالات ملک سے باخبر ہوتا تو اُس کے حکام بھی نیک چلن ہوتے، لیکن جب کہ اُس کے حکام کس میں تو یہ دعویٰ کیونکر کیا جاسکتا ہے کہ عضدالدولہ عادل بادشاہ ہے۔ میری رائے میں وہ ضرور غافل ہے۔

میں نے کہا کہ آپ اپنے واقعات بیان کیجئے جسے بادشاہ و قاضی کی غفلت ثابت ہو۔ اُس نے کہا کہ میرا فائدہ طولانی ہو لیکن اب میں اس شہر سے جاتا ہوں تو قصہ مختصر ہو جائیگا۔ اگر آپ میری کہانی سنتا چاہتے ہیں، تو پیلیے راہ میں عرض کر دوں گا۔ غرض کہ میں اُس سفر کے ساتھ ہوا۔ ایک منزل پر ٹھہر کر اُس نے کہا کہ نیچے جناب! میرا مکان اسی شہر کے فلاں محلہ میں ہے

تب کہیں ارباب فساد سے دنیا پاک ہوئی ہو۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ بادشاہ کی منتقلی کے لئے خواہ وہ کسی طرز میں ہو
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۲۔ اور اپنے باپ کا نام بتا کر کہا کہ آپ جانتے ہیں وہ کیا امیر اور کس تہ کا شخص تھا؟ جب وہ انتقال
کر گیا تو چند سال تک میں عیش و طرب کے جلسوں میں ڈارہا۔ اور اسی زمانے میں ایک ہملک عارضہ میں مبتلا ہو گیا۔ چونکہ
امیر نہایت منعقد ہو چکی تھی۔ لہذا میں نے منت مانی کہ اگر خدا نے مجھے تندرست کر دیا تو حج و حادہ کروں گا۔ مائے خدا نے مجھے
اچھا کر دیا بعد غسل صحت میں نے زیارت خانہ کعبہ کے واسطے سامان سفر درست کیا۔ اور چونکہ شوق حادہ بھی دہس گیا تھا اسلئے
لوٹدی علاموں کو بھی (ایک ایک مکان مع دیگر سامان کے دیکر) آزاد کر دیا۔ اور بقیہ سب اپنے دست کر کے پاس ہزار ہا
نقد کر لئے۔ پھر خیال آیا کہ سفر خطر ہے اسقدر نقدی ہمراہ لے جانا مصلحت کے خلاف ہے۔ لہذا فیصلہ کیا کہ تیس ہزار دنیا کو
ہیں۔ بقیہ چھوڑ جانا چاہیئے۔ غرض کہ میں نے تانبے کے دو کلمے خریدے اور دس دس ہزار دنیا دس دونوں میں رکھ دیئے
اور اس امانت کے لیے میں نے قاضی القضاہ کو انتخاب کیا۔ کیونکہ بادشاہ کی طرف سے وہ مسلمانوں کی جان مال کا مالک
اسلئے اس کی جانب خیانت کا شبہ تک نہیں ہوا۔ اور زرا امانت قاضی صاحب کے سپرد کر کے میں حج کو روانہ ہو گیا۔ حج کے
بعد مدینہ منورہ کی زیارت کی پھر روم کو چلا گیا۔ وہاں مذہبی لڑائی میں چند سال تک الجھا رہا۔ آخر ایک لڑائی میں زخمی ہو کر
گرفتار ہو گیا۔ دو چار برس تک دم میں قید رہا۔ لیکن قیصر کے غسل صحت میں جب قیدی رہا ہوئے اُن میں میں بھی بھڑک گیا۔
غرض کہ دس برس کے بعد بحالت تباہ قاضی صاحب کی حضوری نصیب ہوئی۔ دو دن تک قاضی صاحب نے میری طرف
کچھ التفات نہ کیا۔ تیسرے دن جب مجمع کم ہو گیا تو میں قاضی صاحب کے بہت ہی پاس جا بیٹھا اور اپنی معر فی خود ہی کہنا لگا
جب میں اپنا سفر نامہ بیان کر چکا اور زرا امانت طلب کیا اسوقت قاضی صاحب بغیر جواب دیئے مجھ سے مین لٹھے چڑھ گئے
اور میں غمزدہ چلا آیا۔ چونکہ میری حالت مستقیم تھی لہذا نہ تو میں اپنے گھر جا سکا اور نہ کسی دوست عزیز کے گھر جانے کی جرأت
ہوئی۔ اور میری حالت یہ تھی کہ رات کو کسی مسجد میں اور دن کو کسی گوشے میں چسپکر پڑا رہتا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ دو تین بار
قاضی صاحب سے عرض کیا۔ مگر جب کچھ جواب نہ ملا۔ تب ناچار ہو کر ساتویں دن میں نے سختی کی۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ تیرا مغز
چل گیا ہے۔ اور مالتیجوا ہو گیا ہے۔ صعوبت سفر سے دماغ میں خشکی آگئی ہے اسلئے بذیان کا مادہ بھجان میں آگیا ہے۔ نہ میں
تجھے پہچانتا ہوں اور نہ نفس معاملے کی خبر ہے۔ ہاں جس شخص کا تو نام لیتا ہوں اُس سے واقف ہوں مگر وہ تو ایک خوبصورت
نوجوان تھا اور عمرہ کپڑے پہنا کرتا تھا۔ میں نے کہا جناب عالی میں وہی بد نصیب شخص ہوں۔ لب تہ زخموں نے میری صورت

ایک بر دست فوج سے زیادہ طاقتور ہے“

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۳۔ بگاڑی ہے لیکن اسکا جواب قاضی صاحب نے یہ دیا کہ: تیری بکواس سے مجھے درد سر ہوتا ہی نہیں ہے۔ اسی میں جو کہ چپ چاپ چلا جا۔ اسکے بعد بیٹے عذاب نے نواب پر طولانی تقریر کی اور یہ بھی کہہ دیا کہ مجملہ سیٹس ہزار کے پانچ ہزار آپ کی نذر ہیں جب اس پر بھی حامی نہ بھری تو بیٹے کہا کہ خلاۃ خطبہ نصف قبول فرمائیے۔ اور نصف مجھے دیکھئے اس وقت نہایت حاجت مند ہوں۔ اگر میرا کہنا باور نہ ہو تو دستاویز لکھا لیجئے مگر قاضی صاحب کچھ ایسے سنگدل تھے کہ سطلق نہ لے سچے۔ اور کہا تو دیوان ہو گیا ہی۔ میرا کہنا ان اور چلا جا ورنہ دیوانہ قرار دیکر ابھی ہمایہستان (ہسپتال) میں بھجوا دوں گا۔ جہاں تیرے پاؤں میں پیریاں ڈال دی جائیں گی اور جنم بھر وہاں تو پڑا رہے گا۔

چونکہ اب مجھے یاس ہو گئی تھی۔ لہذا جنم قیدی ہونے کے ڈر سے مینے ہلکے ہلکے قدم اٹھائے اور رخصت ہوا اور بچہ لیا کہ قاضی صاحب ایک جہ نہ بیٹے البتہ جو حکم دینگے اُس کی فوراً تعمیل ہو جائیگی اور دل کو یوں سمجھا لیا کہ جب قاضی خود ہی ظالم بنجائے تو پھر کون کیا ہی جو قاضی کی پریش کرے۔

خمال کرنے کی بات ہو کہ اگر عضد الدولہ عادل ہوتا تو آج میری بیس ہزار کی رقم قاضی کے مات میں نہ پڑی رہتی۔ اور میں یوں تنگ، بھوکا، خانہ برباد ہو کر دیں سے پردیس کو نہ جاتا۔“

چپ یہ واقعہ جاسوس نے سنا تو اس مسافر کی حالت زار پر اسکا دل بھرا آیا اور کہا کہ اسے بندہ خدا نا امید یوں کے بعد امید پوری ہو اگر تیری تو خدا سے لو لگا وہ سبب لا سبب ہے۔

پھر کہا کہ یہ گناؤں جو سامنے ہو یہاں ایک میرا ہماں نواز دوست بہتا ہے۔ براہ مہربانی آپ بھی میرے ساتھ چلیے ایک رات دن یہاں ٹھہر کر گئے چلیں گے۔ غرض کہ یہ دونوں گاؤں میں ٹھہر گئے اور حاضر کھا کر اپنے کمروں میں جا کر آرام کرنے لگے اور جاسوس نے یہ کارروائی کی کہ کل واقعات لکھ کر عضد الدولہ کے پاس پرچہ بھیج دیا۔ پرچہ کو پڑھ کر عضد الدولہ نے حکم دیا کہ فوراً مع اُس شخص کے حاضر ہو۔ چنانچہ جاسوس نے مسافر سے کہا کہ چلیے بادشاہ نے یاد فرمایا ہے۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو واقعات آپ نے راستے میں بیان کیے ہیں وہ کسی نے بادشاہ تک پہنچا دیئے ہیں۔ اب تجھے یقین ہو کہ آپ کا کام ہو جائیگا۔ غرض کہ بادشاہ نے خلوت میں کل حال سن کر مسافر سے کہا کہ آپ اطمینان رکھیں قاضی میرا نا ہے۔ میں آپ کے کام کی خود فکر کروں گا۔ مگر دوست آپ اصفہان چلے جائیں۔ جب میرا حکم پہنچے اسی وقت آنا چاہیئے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۴۔ چنانچہ دوسو دینار سفر خرچ اور پانچ جوڑے کپڑے دیکر سفر کو رخصت کر دیا۔ اور قاضی سے حصول مال کی فکریں کرنے لگا۔ لیکن منظور یہ تھا کہ ملک میں بدنامی نہ ہو کیونکہ قاضی علاوہ دیرینہ سال ہونے کے صاحب فضل و کمال بھی تھا۔ اگر شاہی ختمیارات برتے جاتے تو تمام ملک میں یہ واقعہ مشہور ہو جاتا۔ اس لیے عضد لدین نے حکمت عملی سے کام لیا۔ یعنی ایک دن دوپہر کو قاضی صاحب کو طلب کیا اور خلوت میں بلا کر حسبِ میل گفتگو شروع کی۔ عضد لدین نے۔ قاضی صاحب آپ کو معلوم ہوا کہ میں نے کیوں آپ کو تکلیف دی۔ ۹

قاضی۔ اسکا علم تو بادشاہ ہی کو ہے۔

عضد لدین نے۔ مجھے اندازوں طرح طرح کی فکریں رہتی ہیں۔ جس کی وجہ سے رات کی نیندیں اُچاٹ ہو گئی ہیں۔ دنیا اور مکی سلطنت سچ نظر آتی ہے حیاتِ مستعار کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اب اس سے جھٹکا را دو ہی طرح ہو سکتا ہے۔ یا تو کوئی عظیم ملک پر حملہ کرے اور ہم سے ملک چھین لے جس طرح ہم نے اردوں سے چھین لیا ہے۔ یا موت آجائے اور وہ ناشاد و نامراد اٹھائے تاکہ قصہ تمام ہو۔ اس کھچلی صورت سے کسی کو مغر نہیں ہے۔ اگر میں اپنی اس قلیل زندگی میں لوگوں سے اچھا برتاؤ کر دینگا تو لوگ مجھے کلمہ خیر سے یاد کریں گے اور عذابِ قیامت سے بچکر داخلِ بہشت ہو جاؤں گا اور اگر بدی کر دینگا تو مولے دوزخ کے اور کہاں ٹھکانا ہو اسلئے جہاننگ ہو سکے مجھے نیکی کرنا چاہیئے۔ مگر جس چیز میں مجھے آپ کے مشورے کی حاجت ہو وہ شہزادوں اور شہزادیوں کا معاملہ ہے۔ لڑکوں کا جنڈا خیال نہیں ہے وہ تو پرندوں کی مثال ہیں کہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک جاسکتے ہیں۔ مگر ادا کیوں کی عزابی ہو اور انکو پورا ترکہ بھی نہیں مل سکتا ہو۔ اسلئے میں اپنی حیات میں اُنکے لیے کچھ بندوبست کرنا چاہتا ہوں اور جہاننگ سینے غور کیا ہے آپ جیسا پارسا شفیق، متدین، ملنا دشوار ہے۔ لہذا علاوہ جو اہرات کے دو ہزار دینار نقد آپ کے سپرد کرتا ہوں مگر اس واقعہ سے سولے علام الغیوب کے اور تیسرا واقعہ نہ ہو۔ اور اگر وہ زمانہ آجائے جب کا مجھے خدشہ ہو اور لڑکیوں پر مصیبت پڑے تو آپ انھیں اپنے گھر ملا کر عقد کریں اور یہ مال انکو تقسیم کر دیں کہ کسی دوسرے کی دست نگرانیوں اور اس کی تدبیر نہ ہو کہ آپ ایک وسیع خانہ بنوائیں تاکہ میں چپ چاپ وہاں خزانہ رکھوا دوں اور اس غرض کے لیے اول دوسو دینار مغربی دیئے جاتے ہیں۔

قاضی۔ میں تو مفور کا غلام ہوں۔ جہاننگ ہو سکیگا یہ خدمت انجام دوں گا۔ اور تیار سی سرداب کے۔ یسے حضور سے کسی عطیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کام کو میں اپنے صرفہ سے کر سکتا ہوں۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۵

عضد اللہ ولہ۔ نہیں نہیں آپ کی پاک مکائی کاروبار میں صرف کرنا نہیں چاہتا۔ اور یہ کونسی شرط مروت ہو کہ میرے ذاتی کام کے لیے آپ تیار ہو پیر نہ مائیں۔ یہی نوازش کیا کم ہی جو خدمت پسر کی گئی ہو وہ انجام دیں۔ غرض کہ قاضی صاحب نے ٹنڈو دینار لیکر خوشی خوشی رخصت ہوئے اور دل میں کہنے لگے کہ پیرانہ سال میں قسمت نے اپنے کہا کیا ہو اگر بادشاہ مر گیا تو یہ مال میرا ہی۔ کیونکہ کوئی دستاویز مجھ سے نہیں لکھا فی گئی ہو۔ اور دو کسے علاوہ اس تم کے اور موجود ہیں۔ گو اگر کمالک زندہ ہو مگر انشاء اللہ وہ مجھ سے ایک جہے نہیں سکتا ہے۔

اس وقت کے خیال تو گئے گئے ہوئے اور قاضی صاحب نے ایک مہینہ کے اندر تہ خانہ طیار کر لیا۔ اور ایک دن عضد اللہ سے شہ کے وقت جا کر عرض کیا کہ مطابق ارشاد عالی خزانہ کامکان تیار ہو گیا ہے۔ یہ پیام سنکر عضد اللہ ولہ بہت خوش ہوا اور قاضی صاحب سے زرا مانت کی تفصیل بیان کر دی اور کہا کہ میں کل رات کو ملاحظہ کر کے حکم دوں گا۔

اب عضد اللہ ولہ نے اصفہان سے اس نوجوان کو طلب کیا۔ اور قاضی سے کہا کہ آپ منگل کو تشریف لائیں۔ اور خزانچی کو حکم دیا کہ ایک سو چالیس آفتابوں میں دینار اور تین ڈبوں میں مروارید اور چند پالوں میں مایوت، اصل، فیروزہ، بھر کر خزانے میں رکھ دے۔ قاضی صاحب یہ زرد و جاہر دیکھ کر نہال ہو گئے اور یہ لیکر رخصت کر دیے گئے کہ آپ میری آواز کے منتظر رہیں۔ آج ہی رات کو امانت پہنچ جائیگی۔

اس اثنا میں اصفہان سے وہ جوان بھی آگیا۔ اسکو عضد اللہ ولہ نے حکم دیا کہ اب تم قاضی کے پاس جاؤ اور کہو کہ میں مدتوں صبر کیا۔ اور آپ کی عزت و حرمت قائم رکھی مگر اب مجھ سے صبر نہوگا۔ سارا شہر جانتا ہے کہ میرے باپ کے پاس کقدر دولت تھی۔ اور تمام شہر میری گواہی بھی دے سکتا ہے۔ لہذا اب میری امانت مرحمت فرمائیے ورنہ آج ہی عضد اللہ ولہ کے فریاد کرنا ہوں۔ وہ آپ کے اعزاز کو خاک میں ملا دیگا۔ اور ایسی سزا دیگا کہ لوگوں کو عبرت ہوگی۔ دیکھو تو مہی اب قاضی کیا جواب دیتا ہے؟

چنانچہ نوجوان نے یہی کیا۔ قاضی نے خیال کیا کہ خدا نخواستہ اگر یہ شخص میری برائی عضد اللہ ولہ سے جا کر بیان کرے تو مشکو میری ایما داری میں شبہ چھائیگا۔ اور میں اس خزانے سے محروم رہوں گا۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ اسکا مال آپس کر دوں۔ دو آفتابوں سے ایک سو چالیس آفتابے مع جواہرات کے کہیں یادہ لاگت کے ہیں۔ غرض کہ یہ سوچ کر اس نوجوان کو اپنے حجرے کے اندر لے گئے اور بغلیں ہو کر کہا کہ پیائے عزیز! میں تیری تلاش میں ساری دنیا پھانسی تو اب تک کہاں تھا میں تو تجھ کو اپنے بیٹے کے برابر سمجھتا ہوں اب تک جو کچھ کیا وہ بقصد اسے احتیاط تھا۔ یہ دونوں

(۱۵) تقرری ہر کارہ انتظام کو بران نامہ

مشہور مقامات پر ہر کارہ رکھنا چاہیے۔ اور انکی تنخواہیں مقرر کی جائیں تاکہ دن ات میں ڈیڑھ سو میل کی خبریں پہنچ جایا کریں۔ اور ملک کا کوئی نیا واقعہ پوشیدہ نہ ہے۔“

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۶۔ آفتاب موجود ہیں۔ لو اور جو چاہو کرو۔ نوجوان نے غزوہ دروں کے سر پر آفتابے رکھوا دیئے اور دولت پر حاضر ہو گیا۔ جب عضد لد نے نوجوان کو دیکھا کہ وہ مع آفتابوں کے حاضر ہوئی اور قاضی کی خیانت ثابت ہو چکی ہو تب قاضی کا مال و سبب ضبط کر لیا گیا۔ مگر بڑا بے کیوجہ سے اور کوئی سزا نہیں دی البتہ اپنے عہد سے برطرف کر دیا گیا۔“

عضد لد ولفا خسرو شاہنشاہ بن بویہ، دولت بنی بویہ میں سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ یہ ۳۳۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور ۳۴۶ھ میں فوت ہو گیا۔ مستقل سوانح عمری لکھنے کے لائق ہے۔

۱۔ عربی تاریخوں میں ہر کارہ کا نام ”سعادة“ ہے۔ اور اس طریقہ ڈاک کا موجد سلطان مغرالد ہے۔
۲۔ افسوس ہے کہ خواجہ نظام الملک نے اپنے زمانہ کی محکمہ ڈاک کا پورا انتظام نہیں لکھا ہے بلکہ اس کے ایک جزو پر نظر ڈالی ہے۔ حالانکہ ۱۶۶ھ میں خلیفہ ہمدانی عباسی نے سب سے پہلے باضابطہ یہ محکمہ جاری کیا۔ اور خلفائے بنو امیہ کے عہد میں اپنے عروج پر پہنچا۔ چنانچہ محکمہ ڈاک کا نام دیوان البرید تھا۔ اور ناظم اعلیٰ رپوسٹ ماسٹر جنرل (صاحب البرید) کہلاتا تھا جس کی مصنف آثار الاول نے یہ تعریف لکھی ہے۔
”البرید فاعا ولائہ جلیلة خطبہ و مقلدہ اھل حجاز ارجی جماعہ کثیرۃ والی الموائد الغریبۃ و التوسعة علیہ“ یعنی یہ عظیم شان و قدر ہے اور اس افسر کے متعلق ایک بڑا عمدہ رہتا ہے۔ چنانچہ زمانہ موجودہ میں جس وسیع پیمانہ پر یہ محکمہ ہے اس سے کیتھدر عہد قدیم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ صاحب البرید کے فرائض میں شاہی ڈاک کے اہتمام کے علاوہ اور کام بھی سپرد تھے مثلاً شہر کے اہم واقعات سے روزانہ خلیفہ کو اطلاع دینا، اور معیاد معینہ پر وزارت عظمیٰ اور اعمال اور الیائے ملک کے چال چلن اور خاص خاص حالات کی اطلاع کرنا، دارالضرب (نکال) کا معائنہ اور موجودات نقدی کی تکرار

بقیہ نوٹ نمبر ۲۷۷۔ فوج کا جائزہ لینا اور تقسیم تنخواہ کے وقت موجود ہونا۔ زراعت کے حالات معلوم کرکے خلیفہ سے اطلاع کرنا۔

اگرچہ ناظم ڈاک خانے کے اب یہ فرایض نہیں ہیں لیکن پھر بھی اکثر راز کے معاملات قبل از وقت اس محکمہ کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ (یورپ کے قصہ نگاروں نے عجیبے غریبہ اوقات لکھے ہیں۔)

شاہی ڈاک کے ہمراہ رعایا کے خطوط اور ہر قسم کی مراسلتیں دانہ ہوتی تھیں۔ مگر کسی قسم کا محصول لیا جانا نہ تھا۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پیک (ہر کارہ) ڈاک پہنچاتا تھا۔ اور بعد مقامات کی ڈاک گھوڑے چمچر اونٹ پر جاتی تھی۔ چنانچہ مالک فارس میں گھوڑوں اور حجاز میں چمچروں اور سام میں اونٹوں پر ڈاک جاتی تھی۔ اور ان جانوروں کے گلے میں زنجیر یا گھنٹی لٹکا دی جاتی تھی جس کی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ ڈاک آرہی ہے۔ اور اس آواز کا نام بقیعہ البرید ہے۔ اب صرف گل بجایا جاتا ہے۔ اور ہر چوکی پر کثرت۔ جانور سستے تھے۔ چنانچہ صوبے کے والی (گورنر) اور اعلیٰ عہدہ دار ڈاک گاڑیوں کے ذریعہ سے اپنے صدر مقام تک سفر کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی فوج کو یہ حکم دیتا تھا۔ ڈاک کے ہر جانور پر (مشل فوج کے) فوق امتیاز کے لیے داغ دیا جاتا تھا۔ تمام ممالک محروسہ میں کچھ خرچ اس محکمہ کا تھا اس کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکتی۔ لیکن عہد امید میں صرف صوبہ عراق میں عہدہ ڈاک خانہ، خریداری جانوران، اور ان کی خوراک میں ایک لاکھ چوں ہزار دینار (۲۱ لاکھ فرانک۔ مطابق ۷ لاکھ ۷ ہزار سکہ انگریزی) کا خرچ تھا۔ اور ۳۰۰ چوکیاں قائم تھیں۔ اور ہر سال ان عہدہ مالک کے وقت میں محض عہدہ کا خرچ چار لاکھ درہم (ایک لاکھ روپیہ تھا) چنانچہ ناظرین ایک صوبے کے خرچ سے تمام محکمہ کے خرچ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

عہدہ کی تقریری، موقوفی، اور تقسیم تنخواہ ناظم کے مات میں تھی۔ اہم معاملات کے کاغذات ناظم خلیفہ کے روبرو پیش کرتا تھا۔ اور وہاں سے حکم ہوتا تھا۔ اور ایک صحیح فہرست (پوسٹل گائڈ) تمام مقامات کے ڈاکخانوں میں موجود رہتی تھیں جس میں ایک مقام سے دوسرے مقام کا فاصلہ بھی تحریر ہوتا تھا۔ فی زمانہ سرکاری ڈاکخانہ جاتا میں بھی اس کی تقلید کی گئی ہو مگر فاصلہ تحریر نہیں ہے۔ نہ یہ لکھا ہو کہ ایک ڈاکخانے کے متعلق کچھ موصوعات ہیں۔ (یقین ہے کہ نقص جلد رفع کیا جائیگا۔)

جہاں سے جہاں تک ڈاک کا سلسلہ تھا ان تمام رستوں کی حفاظت بھی ناظم کے سپرد تھی اور تمام علاقے کے اندر جو قبائل آباد تھے انکی بھی خبر رکھنا پڑتی تھی کہ وہ برسر طاعت ہیں یا مادہ بغاوت ہیں۔ خلفاے عباسیہ میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۸۔ ہر دن الرشید معتمد باللہ المتوکل المتعصب کو حکمہ ڈاک پر خاص توجہ تھی :-

دوسرا ذریعہ خاص شاہی ڈاک کی روانگی کا نامہ برکبوتر تھے۔ اور ملکشاہ کے عہد میں بھی اسے کام لیا جاتا تھا مگر خواجہ نے معمولی بات خیال کر کے صرف عنوان قائم کر دیا ہی اور تفصیل نہیں لکھی ہی۔ لہذا ناظرین کی اطلاع کے لیے چند سطریں بطور تاریخ و واقعہ کے لکھی جاتی ہیں۔ کہ نامہ برکبوتر کس قسم کے ہوتے تھے۔ اور کیا کام کرتے تھے۔ موزخوں نے لکھا ہے کہ کبوتروں سے خبر رسانی کا کام اول یونان اور روم نے لیا ہی۔ لیکن سعودی کی روایت یہ ثابت ہے کہ جب خلیفہ معتمد باللہ ابواسمعیل محمد بن الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے بابک کے مقابلے میں فتح پائی تو بغداد میں سب سے پہلے یہ خبر کبوتر لایا تھا۔

چنانچہ اس واقعہ کے بعد جو خلفا ہوئے انھوں نے اس پر خاص توجہ کی۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ نورالدین محمود بن زنگی نے توجہ کی جسکی تفصیل یہ ہے کہ نورالدین کی حکومت ایران کی مشرق سے توجہ کی سرحد تک پھیل گئی تھی مصر اور شام کے یزرگاہ جو جو روم کے مشرقی اور جنوبی سواحل پر تھے انہیں نے دن یورپ کی نو جس حملہ آور ہوتی تھیں اور نورالدین کی قلمرو میں قتل و غارت کا سیلاب بہاتی تھیں اور اس سے پہلے کر انکے حملے کی خبر مواد رد افعت کے لیے سرحد پر فوج کشی کی جانے اہل یورپ اپنا کام کر کے واپس چلے جاتے تھے رحمۃ اللہ علیہ میں نورالدین نے اپنی وسیع قلمرو کا انتظام کرنے اور اسکو یورپ کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ تجویز کی کہ موصول کے نامہ برکبوتروں سے جنگو مہا سبب کہتے تھے پیغام رسانی کا کام لیا جائے اس نے اپنے تمام ملک میں جا بجا چوکیاں مقرر کیں اور انکی غور و پرداخت اور انے تجزی کا کام لینے کے لیے ایک وسیع حکمہ قائم کیا۔ چوکیوں پر جو اخبار نویس تھے انکی پیش قرار تھا وہیں مقرر کیں اخبار نویس کو حکم تھا کہ جب کئی غنیم اس کی چوکی کے قریب حملہ آور ہو یا کوئی ضروری اور اہم واقعہ پیش آئے تو فوراً ایک کاغذ کے پرے پر اس کی خبر لکھنے اور اگلی چوکی کے کبوتر جو لے کے پاس میں ان میں سے ایک کے بازو میں دھکاغذ کا پرزہ باندھ کر چھوڑ دے کبوتر نہایت تیزی سے اُڑتا تھا اور سید اگلی چوکی پر پہنچ جاتا تھا جہاں اس کبوتر کا اصلی مقام ہی اس چوکی کا نگہبان اس کبوتر کے بازو سے کاغذ کھول کر دوسرے کبوتر کے بازو میں باندھ دیتا تھا جو اس سے اگلی چوکی کا ہوتا تھا۔ اسی طرح منزل بہ منزل ایک کبوتر کے بازو سے کاغذ کھولا جاتا اور دوسرے کبوتر کے بازو میں باندھ دیا جاتا اور نورالدین کے پاس نہایت سرعت سے خبر پہنچ جاتی تھی اور اس سے پہلے کہ غنیم اس کے ملک میں کسی قلعہ یا بندرگاہ پر حملہ آور ہو نورالدین کی فوج جو مقام حکمہ سے قریب ہوتی تھی اسکا حکم پاتے ہی فوراً اس مقام پر

بغیتہ نوٹ صفحہ ۲۶۹۔ پہنچ جاتی تھی۔ اور دشمن کی غافل اور بخیر فوج کو سپا کر دیتی تھی۔ اس عمدہ تدبیر کا اثر یہ ہوا کہ نور الدین کی تمام قلمرو اندرونی اور بیرونی خطروں سے بالکل محفوظ ہو گئی اور اُس کی حکومت اور سیاست کا رعب خاص عام کے دلوں میں دوڑ گیا۔

مصر میں خلفائے فاطمین نے اس حکم کی طرف خاص توجہ مبذول کی تھی۔ نامہ برکبوتروں کے پالنے اور اُن کی غور و پرداخت کے لیے ایک مستقل دفتر تھا۔ بہت سے دفاتر تھے جن میں کبوتروں کے نسب نامے درج ہوتے تھے۔ ناصر الدین محمد جو بغداد کے فیہر خلفاء میں نامور ہوا اسی نے بھی ۱۱۹۸ء میں نامہ برکبوتروں کے لیے ایک وسیع فکر قائم کیا اور اپنی قلمرو میں اخبار نویس پھیلا دیئے۔ اعلیٰ نسل کے کبوتر نہایت تلاش اور تحقیق سے خرید کیے جاتے کتابوں میں ان کے نسب نامے نہایت غور و تفتیش سے لکھے جاتے تھے۔ کبوتروں کے پالنے اور پرداخت کرنیوالے خوب جانتے تھے کہ ان کے کبوتر کس کس نامی کبوتر کی نسل سے ہیں۔ اعلیٰ نسل کا ایک کبوتر ہزار دینار (دہ ہزار روپیہ) تک قیمت پاتا تھا۔ ناصر الدین لشکر اس کوشش اور حسن تدبیر کا یہ اثر تھا کہ اُس کی تمام قلمرو میں اس سے اُس سے تک کوئی نیا واقعہ یا حادثہ ایسا نہیں ہوتا تھا جس کی اُس کو خبر نہ ہو۔ مصر اور ہندوستان والے اُس کے نام سے ایسا ہی ڈرتے تھے جیسا کہ بغداد کے باشندے (جو اُس کی حکومت اور سلطنت کا مرکز تھا) چین کی حد سے اندس تک اُس کے نام کا خطبہ پڑا گیا۔ اور اس کا رعب حکومت تمام ملکوں پر چھا گیا تھا۔

قاضی محی الدین بن عبداللہ نے ایک مستقل کتاب نامہ برکبوتروں کے حالات پر لکھی ہو جب کا نام تمام حکماء ہی اُس میں نامہ برکبوتروں کے نسب نامے۔ اُن کی عادات و خصائل۔ پیغام رسانی اور پیغام نویسی طریقے اور ان کے متعلق بہت سے دلچسپ حالات قلمبند کیے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں چند دلچسپ باتیں اُس کتاب سے نقل کی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ خبر جس کا غدر لکھی جاتی تھی اُس کو کوشش کے بازو میں باندھتے تھے تاکہ بارش سے محفوظ رہے۔ امین سلطنت تھا کہ جب کبوتر آسمان سے شاہی محل پر اترتا تھا فوراً خلیفہ کو خبر کی جاتی تھی خود خلیفہ خبر کے پڑھنے میں ایک ساعت توقف نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ اگر ایک خط بھی غفلت کی جاتی تو بہت سے مہمات ملکی کے فوت ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ خود خلیفہ اپنے مات سے کاغذ کھولتا اور پڑھتا تھا اس وقت اگر خلیفہ کے سامنے خاصہ چٹا ہوا ہوتا تو فوراً کھانے سے دست بردار ہوتا۔ حکم تھا کہ اگر خلیفہ اس وقت بستر خواب پر ہوں تو فوراً جگا دیئے جائیں۔ سو کر اٹھنے کا انتظار نہ کیا جاسے۔ خبر ایک خاص قسم کے کاغذ پر لکھی جاتی تھی جو دروغی الطیخ کے نام سے مشہور تھا۔ خبر لکھنے کے وقت کاغذ پر حاشیہ نہیں چھوٹتے تھے

عموماً خبر کے اول سہم اللہ نہیں لکھتے تھے اور آخر میں دن اور وقت کے سوا سند بھی نہیں لکھتے تھے۔ مخاطب کی نسبت تعریف اور القاب کے لیے چوڑے الفاظ نہیں لکھے جاتے تھے۔ صرف واقع کو مختصر الفاظ میں لکھتے تھے اور عبارت خشو و زواۃ سے بالکل پاک ہوتی تھی۔ عبارت کے آخر میں بطور تفاعل کے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے ”حسبنا و نعم الوکیل“ اگر دو کبوتر ایک ساتھ چھوڑے جاتے تھے تو ایک کبوتر کا حال دوسرے کے کاغذ میں درج کرتے تھے تاکہ اگر ان میں سے کوئی کبوتر وقت پر نہ پہنچے تو اس کے آنے کا انتظار کیا جاسے۔

قاضی محی الدین بن عبدالنظار ہر قاضی فاضل اور عا د کا تب نے جو فن اٹا کے امام خیال کیے گئے۔ نامہ بر کبوتروں کی تعریف اور ان کے حالات میں قلم کا زور دکھایا اور نگین مسجع طرز کی نہایت فصیح و بلیغ نظمیں لکھی ہیں۔ قاضی فاضل نے نامہ بر کبوتروں کو ملائکہ الملوک۔ انبیاء الطیر۔ خطباء الطیر۔ وغیرہ کے القاب سے لقب کیا ہے جو لکھنے کے لیے بہت موزوں ہیں۔ ابو محمد احمد بن علوی بن ابی عقیل قیروانی نے متعدد نظمیں ان کبوتروں کے حالات پر لکھی ہیں جس کا ایک مختصر نمونہ یہ ہے۔

خضر تفرق الریح فی طیراھا یا بعد بین غدا وھا و درواھا
تانی باخبا را الغدا و عشیة لمسیر شہر تحت ریش جہا
دکا نا الروح الامین بوحیہ نفث الہلالیة مند فی ارجھا

کبوتروں کی ڈاک مصر و شام میں نور الدین زنگی کے وقت سے حاکم بامر اللہ کے زمانہ تک جو مصر میں خلفائے عباسیہ کی یادگار تھا برابر دو سو برس تک جاری رہی ہے۔ ابن فضل اللہ دمشقی جو اس خلیفہ کے دربار میں تھا اور جس نے ۶۴۸ھ میں وفات پائی التعریف بالمصطلح المشرقی میں لکھا ہے کہ میرے زمانے میں مصر کے جنوب اور ملک بونہ کی سرحد پر قوص۔ آسوان۔ عینلب۔ تک جو کبوتروں کی ڈاک جاری تھی بند ہو گئی ہے۔ لیکن شام اور مصر میں اب بھی کبوتروں کی ڈاک کی بہت سی منزلیں آباد ہیں اور ان میں ڈاک جاری ہے۔ اس کے بعد ابن فضل اللہ نے اپنے زمانے کی منزلیں گنوائی ہیں جن کو ضروری اور دلچسپ سمجھ کر یہاں نقل کرتے ہیں۔

کبوتروں کی ڈاک کی منزلیں

کیفیت

نام مقام

قاہرہ سے اسکندریہ تک۔

کیفیت

نام مقام

قاهرہ سے دمیاط	قاهرہ - سویز
بلبیس مہر کا شہر ہے اور شام کے راستہ پر فسطاط سے تیس میل کے فاصلے پر ہے	قاهرہ - بلبیس
صالحہ فرات اور دجلہ کے درمیان دو آبیں واقع ہے۔	بلبیس - صالحہ
قطیا مہر کی راہ میں ایک قصبہ ہے جو رگیتان میں واقع ہے۔	صالحہ - قطیا
غزہ شام کی انتہائی سرحد پر ہے جو مہر سے ملتی ہے۔	قطیا - دارودہ
نابلس فلسطین میں بیت المقدس سے ۳۰ میل پر ہے۔	دارودہ - غزہ
لد - بیت المقدس کے قریب ایک قصبہ ہے	غزہ - بلد غلیل
قانون فلسطین میں رملہ کے قریب ایک قلعہ ہے۔	غزہ - بیت المقدس
صفد حمص کی حد پر ایک پہاڑی قصبہ ہے	غزہ - نابلس
بیان صوبہ اردن کا ایک شہر ہے۔	غزہ - لد
اردب، طبریک کے قریب صوبہ اردن میں ایک قریہ ہے۔	لد - قانون
ضمین دمشق سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے	قانون - جنین
اذرعات ملک شام میں ایک قصبہ ہے۔	جنین - صفد
	جنین - بیان
	اردب - طفس
	طفس - ضمین
	ضمین - دمشق
	بیان - اذرعات
	طفس - اذرعات
	دمشق - بعدیک
	دمشق - قارا

نام مقام	کیفیت
دشوق سے قرینیں	قرین تدر سے دوتنرل کے قاصصے پر ہی۔
قارا - حمص	اگر حمص سے دشوق کو جائیں تو قارا پہلی تنرل پر آتا ہی
حمص - حماہ	
حماہ - معرہ	معرہ حلب کی نواح میں اُس سے پندرہ میل کے قاصصے پر ہی
معرہ - حلب	
حلب - پیرہ	پیرہ حلب کے قریب ایک قلعہ ہی
حلب - قلعہ المسلین	
حلب - بھسبی	بھسبی ایک قلعہ ہی جو دریائے فرات کے مغربی کنارے پر سمیٹا کے قریب واقع ہی
قرینیں - تدر	
تدر - سخنة	تدر حلب سے ۵ دن کی راہ پر قدیم شہر ہی۔ سخنة تدر کے قریب ہی۔
سخنة - قباقب	سخنة اور قباقب کے درمیان چند روز سے کبوتروں کی ڈاک بند ہو گئی ہی۔ اور
قباقب - رجبہ	تدر سے قباقب اور قباقب سے رجبہ کی طرف کبوتر اڑائے جاتے ہیں۔ (ابن فضل اللہ)
اس میں شک نہیں کہ مصر و شام میں کبوتروں کی ڈاک ابن فضل اللہ کے زمانے تک جاری تھی اور اُس سے سلطنت کے انتظام میں برابر مدد کی جاتی تھی لیکن میں معلوم ہوا کہ کب بند ہوئی اور اس وقت سے کتب تک جاری رہی۔“	
خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی اپنے عہد سلطنت میں صد ہا سال تک کبوتروں سے پیغام رسانی کا کام لیا ہی اور انتظام سلطنت کے لیے مشن تدبیر کا کوئی دقیقہ نظر انداز نہیں کیا ہی۔ زمانہ موجودہ میں جرمنی اور فرانس وغیرہ کی نسبت جو شہرت ہو کہ وہ نامہ بر کبوتروں سے میدان جنگ میں کام لیتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہی۔	
انتخاب و نقل از کتاب آثار الاول فی ترتیب الدول صفحہ ۱۰۰ و معید انعم سبکی صفحہ ۱۱۰۔ مسعودی صفحہ ۴۹۔ حاشیہ کامل اخیر جلد ۹۔ حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاهرہ۔ صفحہ ۱۸۶ جلد دوم۔ ان سائیکلو پیڈیا برطانیکا۔ اخبار چودھویں صدی	
مذہب ۲۲۔ مطبوعہ ۱۵ جون ۱۸۹۶ء بحوالہ علی گڑھ گزٹ مضمون نوشتہ مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی۔ ڈیٹر محارف۔	

۱۶) وکیل خاص

بادشاہی، شہزادانہ، صطیل، مجلسرے شاہی اور شاہزادوں کے محل کی نگرانی، جس معتد کے سپرد ہو کر کرتی ہے۔ وہ وکیل خاص کہلاتا ہے۔ اس خدمت کے لیے شکل سے کوئی تمنا ہے۔ کیونکہ یہ کام نہایت نزاکت اور ذمہ داری کا ہے۔ اس عہدہ دار کا فرض ہے کہ وہ روزانہ دربار شاہی میں حاضر ہو کر تمام کاموں کی اطلاع کیا کرے اور بادشاہ کو چاہیے کہ اسکی عزت و حرمت قائم رکھے۔

۱۷) ندیم و مصاحب

بادشاہوں کے لیے قابل مصاحبوں کا رکھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ بادشاہ، امراء، دربار اور سپہ سالار

۱۔ فصل ۱۰، صفحہ ۸۲۔ سیاست نامہ۔ ۲۔ وکیل خاص اعازہ مرتبہ میں وزیر اور حاجب کا ہم پلہ ہے۔ عہد سلجوقیہ میں نامور امراء اس عہدے پر مقرر ہو کر رہے تھے۔ اور ذرائع کی تفصیل خواجہ نے لکھی ہے۔ لیکن خلفائے عباسیہ اور سلطین ایران و ہندوستان کے عہد حکومت میں مثل مشرف اور ستونی کے وزارت کے ماتحت بھی ایک عہدہ تھا۔ اور ذرائع وکیل خاص کے خواجہ نے لکھے ہیں انپر خدا گانہ افسر مقرر تھے جنکے نام حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ خوان سالار۔ میر بگاول۔۔۔ داروغہ بادشاہی خانہ
- ۲۔ شہزادہ۔ شہزادہ۔ آبدار۔۔۔ داروغہ شہزادہ
- ۳۔ میر آخور، آختہ بیگی۔۔۔ داروغہ صطیل
- ۴۔ میر بختی۔۔۔ داروغہ شہزادہ
- ۵۔ استاد الدار۔۔۔ ناظر حرم۔

تفصیل مذات کے واسطے آئین اکبری علامہ ابو الفضل و معین النعم سبکی و سلوک الممالک شہاب الدین دیکھنا چاہیئے۔

۳۔ فصل ۸، صفحہ ۸۲۔ ۴۔ ظل اللہ فی الارض (زمین پر خدا کا سایہ) جیسا معزز خطاب بادشاہ کو دیا گیا ہے۔ ایسے شخص بھی بڑا غوش نصیب ہو جو بادشاہ کے سایہ میں ہو۔ لیکن اس سایہ میں پہنچ کر راحت اٹھانا معمولی آدمیوں کا نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں بادشاہ کی ذات اپنے پھاڑ کی ایسی چوٹی سے شاہ ہے جس کی سطح پر سبزہ زمردین کا فرش، اور

فوج کے ساتھ بے تکلفی ہو ربط ضبط نہیں کر سکتا ہو۔ اور اگر اس طرح پر ملے جھلے تو رعب و داب میں فرق پڑ جائیگا۔

جبکو سرکاری خدمتیں سپرد ہوں وہ مصاحب نہ بنائے جائیں۔ اور جو مصاحب ہیں وہ ملکی عہدوں پر نہ مقرر کئے جائیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے رعایا کو بہت نقصان پہنچ جاتا ہو۔ عامل کی

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۴۔ اور ہر سے بھرے میوہ دار درختوں کی قطار بھی ہو۔ صاف و شفاف پانی کی نہریں بھی جاری ہیں۔ خوبصورت خوش رنگ چڑیاں بھی اور ہر ادھر چھپاتی پھرتی ہیں اور ہزاروں طرح کی دیکھیاں ہیں لیکن ہر گوشے میں شیر و بنگ اور صحرائی درندے ہی اپنی تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایسے مردہ دل اس منظر کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے نہ بجاتے ہیں اور زندہ دل اپنی جو افریدی سے اس سرسبز اور سر نفاک چوٹی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور دہائی پتھر حفظ نفسانی اٹھاتے ہیں۔ ”غضکہ بھی مثال بادشاہ اور ندیم کی ہو۔ ایسے ندیم (ادیکانگ) کا عہدہ نہایت نازک و خطرناک ہو کیونکہ بادشاہ خرد سال بچوں کی طرح بگڑ جاتے ہیں۔ اور شیروں کی طرح غضبناک ہو جاتے ہیں چنانچہ کسی حکیم کا قول ہو ”من اراد صحبۃ الملوک فلیدخل کالاعملی ویلینچج کالاحزہن فھو طریق السلطۃ“ یعنی بادشاہوں کے دربار میں غلط و امن کا صرف یہی طریقہ ہو کہ اندھوں کی طرح داخل ہوا اور گونگوں کی طرح نکلیے خواجہ نے ندیم کی خدمات کی صراحت کی ہو۔ اور کتب اخلاق و سیاست میں طول طویل ہدایتیں مصاحبوں کو عطا تھریں۔ مگر چونکہ مشرق اور مغرب کے بادشاہوں کے آداب میں اختلاف ہو۔ ایسے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہو البتہ ندیم میں اوصاف ذیل کا ہونا ضروری ہو اور یہ وہ صفات ہیں جو مشرق اور مغرب میں مشترک ہیں۔

(۱) خاندان اور شرافت کے لحاظ سے معزز ہو، دینداری اور پارسائی کے ساتھ فہیدہ اور سنجیدہ ہو۔

(۲) صحیح الاعضا ہو۔ اور جسم میں اعتدال ہو۔ جس صورت کے ساتھ زندہ دلی کا بھی جوہر رکھتا ہو۔

(۳) خوش پوشاک، طیب الرائحہ، اور معائب سے پاک ہو، اور لباس اخلاق و ادب سے آراستہ ہو۔

(۴) رازدار ہو۔ غیبت سے متنفر ہو۔ اور اشاروں پر کام کرنے والا ہو۔

(۵) نحو، لغت، علم الاشعار، تاریخ، سیر، نوادرات، حکایات، ضرب الامثال اور لطائف کا ماہر ہو۔

یہ صفت ہو کہ وہ ہمیشہ بادشاہ سے خائف رہے اور ندیم کو یہ زیبا ہو کہ وہ شوخ و طرار ہو جس کی بذلہ سنجیوں سے بادشاہ کا دل بہلے۔ مگر ایسی باتوں کے لیے بھی فرصت کا وقت چاہیئے تاکہ سلطنت کے ضروری کاموں میں ہرج نہ واقع ہو۔

مصاحبوں اور ندیموں کا رکھنا فائدے سے خالی نہیں ہے۔ اول یہ کہ ندیم بادشاہ کا مونہ ہو تاہی۔ دوسرے یہ کہ وہ شب و روز ہمراہ رہتے ہیں ایسے حفاظت جان بھی کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اگر خدا نخواستہ کوئی خطرہ پیش سکے تو وہ بادشاہ پر جان فدا کریں اور سپر کا کام دیں۔ چوتھے یہ کہ ندیموں سے ہر قسم کی گفتگو ہو سکتی ہے۔ پانچویں یہ کہ مثل جاسوس کے بادشاہوں کے حال سے خبردار رہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ بحالت مستی، وہوشیاری، ندیم بہت سی اچھی بُری باتیں کہ جاتے ہیں جو مصلحت سے خالی نہیں ہوتی ہیں۔

ندیم کے لیے شرط ہو کہ وہ شریف، فضل، خوش اخلاق، زندہ دل، رازدار، پاک مذہب، اور واقفِ قصص و حکایت ہو، نزد و متطرح کا کھیل جانتا ہو، موسیقی کا بھی ماہر ہو۔ اور اگر مرد میدان ہو، تو اور بھی بہتر ہے۔ اور سب سے بڑی ضرورت یہ ہو کہ بادشاہ کے مزاج کے موافق اور اس کا ہنجیال ہو۔ ندیم کو معلم نہ بننا چاہیے کہ بادشاہ کی ہر بات پر کھٹے اٹھے کہ حضور یہ کیجئے اور یہ کیجئے اور یہ کیوں ہوا یا کیونکر ہوا؟ ایسی باتوں سے یا رشاط بار خاطر بجا تاہی۔

مجلس شیشِ طرب، سیر و شکار، اور چوگان بازی کے (پولو) تمام سامان مہیا کرنا ندیم کا فرض ہے۔ علاوہ بریں سفر و حضر، جنگ و جدال، شادی بیاہ، اور دیگر ملکی معاملات میں بھی اگر وہ وزراء وغیرہ سے مشورہ کرنے کی تدبیر کریں تو بہتر ہے۔ بعض بادشاہ اپنے مصاحبوں میں منجم اور

طبیب بھی رکھتے تھے جس سے یہ تجربہ کرنا مقصود تھا کہ دیکھیں وہ اپنا اپنا کیا کام کرتے ہیں۔

۱۵۔ ارکان سلطنت میں طبیب (ڈاکٹر) موضوع فن اور علمی شرافت کے لحاظ سے ایک ضروری عنصر ہے، گونا گونے سوجوہ کو ذوق و انتفاع نہ ہو یہ دوسری بات ہے۔ مگر زمانہ گزشتہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر بادشاہ اور شہنشاہ کے دربار میں منتخب وزرا کا طبیب ہوتے تھے، شہادت کیواسطے سلطان بادشاہوں میں صرف دربار فقہاء اور اندلس کی تاریخ کا فی فی۔ ان بادشاہوں میں ہندو، عیسائی، یہودی طبیب موجود تھے۔ اور جو اخلاقی برتاؤ ملنے کیا جاتا تھا آج انکا کوئی ہم نہ بے بھی مقصد نہیں کر سکتا ہے۔ ان کی سوانح عمریاں اگر دیکھنا چاہتے ہو تو ابن ابی اصیبعہ کی کتاب طبقات الاطباء دیکھو۔ بہر حال طبیب بادشاہوں کے دربار میں ایک ضروری رکن ہے۔ البتہ طبیب میں اصاف ذیل کا مونا لازمی ہے۔

(۱) طب کی علمی اور علمی شغل اور تصنیفات قدیم پر عبور رکھنا ہو۔

(۲) کثیر العللج ہو۔ اور غور و فکر کا عادی ہو۔

(۳) حاسد اور طامع نہ ہو۔ مزاج کا فاضل ہو۔

(۴) خوش چش و چشاک ہو اور عطاریات سے ذوق رکھنا ہو۔

(۵) عقاید رجزی ہو (اور ادویہ، اغذیہ سے واقف ہو۔

(۶) مفردات اور مرکبات کی اعلیٰ اور اعلیٰ شاخوں سے بہرہ ہو۔

(۷) موسم کی فصل سے عموماً اور اعتدال کے زمانے سے خصوصاً باخبر ہو۔

(۸) پانی اور ہول کے علم سے واقف ہو۔ اور کم از کم جغرافیہ کا وہ حصہ جانتا ہو جس کا تعلق علم طب سے ہے

(۹) بعض علماء کے نزدیک طبیب کو نجوم کا جانا بھی ضروری ہے (زمانہ حال کے اطباء کو ان مورکبات کو تبرک کرنا چاہیے)

اور تمام مذتب دنیا میں نہایت وسیع پیائے پر آج نہ صرف محکمہ طبابت قائم ہے بلکہ ہر شاہی خاندان میں نامور اور مستند

طبیب جو وہ ہیں لیکن انہم کے معاملے میں جو اختلاف زمانہ سابق میں تھا۔ میری رسلے میں وہ آج بھی ہیں لیکن قول فیصل

سے پسند نجوم کی ماہیت پر پند سطرین لکھنا ضروری ہیں۔

علوم و فنون کی تاریخ میں علم نجوم کا بے فصل تذکرہ ہے۔ لیکن علوم طبعیہ (سائنس) کی تاریخ میں حساب اور نجوم پر

(جولانم و ملزوم ہیں) حکما نے مفصل بحث کی ہے۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم اسکندریہ میں جب علوم طبعی کا درس

کیونکہ طبیب کا تو یہ کام ہی کہ وہ بادشاہ کی صحت کو ہر وقت دیکھتا ہے۔ اور نجومی بتائے کہ
 بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۷۔ شروع ہوا اور علی فوائد کا ظہور ہونے لگا تو ایک گروہ نے یہ جدت کی کہ عالم اسباب کے ہر قسم
 کو بجائے اسکے کہ محسوسات اور مشاہدے کے تغیرات سے مطابق کرتے۔ انھوں نے روحانیات اور علوم بائیس
 مطابق کرنا شروع کیا۔ چنانچہ افلاطون نے نہایت بلند آواز سے اپنے شاگردوں کو تعلیم کیا کہ حقائق اعداد کا مطالعہ
 انسان کے دماغ کو سچے تخمیل کا عادی کرتا ہے اور اس کی پرواز ہشیاء مادی اور اجسام سے بالاتر ہے۔ تم علم الاعداد
 کو تجارت کی غرض سے نہ سیکو بلکہ عالم ظاہری کے تغیرات سے قطع تعلق کر کے روحانیات کی طرف متوجہ ہو۔
 متاخرین نے جو محض متقدمین کے روایت کش ہیں۔ ایک کو دس اور دس کو سو کر دکھایا۔ اور اعداد کو تقسیم کر کے
 ہر عدد کے خواص طبعی لکھنا شروع کر دیے۔ مثلاً عدد کے چار مراتب احاد، عشرات، مآت، الوف، (اکائی، دہائی،
 سیکڑہ ہزار) قرار دیئے گئے۔ تقسیم نہایت دانشمندی اور اصولی طریقہ پر کی گئی تھی مگر شارحین نے عدد کی طبیعت میں
 چار مراتب کا ہونا لازمی قرار دیا اور اگر یہ نہ کہتے تو امور طبعیہ سے نہ عدد کے رموز کی مطابقت ہوتی اور نہ یہ
 کہنے کی جرات ہوتی۔ کہ خدا کو چار کا عدد (مرعبات) پسند ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عنصر چار ہیں (آتش، ہوا،
 آب، خاک) طالع بھی چار ہیں (حرارت، برودت، رطوبت، یبوست) قسط بھی چار ہیں (دم، بلغم، صفرا،
 سودا) زمانے بھی چار ہیں (ربیع، خریف، صیف، ہشتا) سمت بھی چار ہیں (مشرق، مغرب، شمال، جنوب)
 علی ہذا القیاس چار کی کوئی حد نہیں ہے اور بطور ہیسی کے بوجھ تو لاکھوں چار نکلیں گے بقول سخنسے چار اگر چار سے
 جائیں تو رہیں چار کے چار، غرض کہ اسی حیثیت سے ہر عدد کے خواص مرتب ہوئے۔ اور امور طبعیہ اور امور
 روحانیہ میں جہاں تک ہوسکا مطابقت کی گئی۔ اور انھیں اعداد نے ہجراں نصیب تان کو اپنے معشوقوں سے
 ملا دیا۔ اور انہی نے ہزار شکروں کو ان کی آن میں پامال کر دیا اور خدا جانے کیا کچھ کیا بہر حال یونان کے
 اس جدید فلسفے سے ہندوستان بھی نہ بچ سکا۔ اور ان اعداد نے نقش سلیمانی اور لوح سلیمانی کے رُپ میں
 بڑے بڑے کوششے دکھائے اور آخر کو علم الاعداد کا دوسرا نام سحر اور جادو قرار پایا۔

متاخرین کا طبقہ اگر متقدمین کے نقش قدم پر نہ چلتا تو علوم طبعی کو جو معراج اٹھاریں اور انیسویں صدی میں
 ہوئی ہی۔ یہ بات اب سے چھ سات سو برس پہلے حاصل ہو جاتی۔ اور موسیقی جیسے متعدد علوم و فنون انہی

کون کام کس ساعت میں کیا جائے جو مبارک ہو۔ لیکن بعض سلاطین اس کے خلاف ہیں اور

تقریباً نوٹ صفحہ ۲۷۸۔ اعداد سے پیدا ہوتے۔

اعداد کے بعد نجوم کا وقت آیا اور خلاف وضع و انتہ کے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا۔ اگرچہ نجوم کی ایجاد کا
غزابل اور عراق عرب کو ہی۔ مگر چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں یونانیوں نے اس کو اوج کمال پر پہنچا دیا۔ اور
اس کے پہلے انھوں نے جہم پترہ بنایا۔ مگر زمانہ نابعد میں جب مشاہدہ اور تجربہ کی ترقی ہوئی تو نجوم کی روشنی دہندہ
پرٹنے لگی۔ چنانچہ اٹلی کی سلطنت (شخصی اور جمہوری) نے نجومیوں کو خارج از بلد کرنیکا قانون پاس کیا۔ مگر چونکہ نجوم کا
دلوں پر پورا قبضہ تھا اس لیے قانون کچھ نہ کر سکا۔ اور سلطنتِ دم کے اطراف و جوار میں نجومی مثل سیاروں کے
چلتے پھرتے رہے۔

بادشاہوں میں سے تائی برس اور حکیموں میں سینکڑوں نجوم کے معتقد و تاثیر کو اکب کے قائل تھے لیکن سہرورد
نے عراق عرب (کالڈایا) کے نجومیوں پر متواتر اعتراض کیے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ کہ جب کہ ایک ہی ساعت میں
بادشاہ تاج، کاشتکار اور فقیر کے گھر لٹکے پیدا ہوتے ہیں۔ اور بادجو د اتحاد و طالع (وقت) کے پھر ان سب کا حال
مختلف ہوتا ہے جس سے ثابت ہے کہ کو اکب کی سعادت و خوشی کا کوئی اثر وقت و لاوت پر نہیں ہوتا۔ اگر
کو اکب کا اثر سچا ہوتا تو تمام بچوں کی حالت یکساں ہوتی۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ آفتاب و مہتاب کے مقابلے
میں سیارے لاکھوں میل کے فاصلے پر ہیں اس قدر بُعد سے انکی تاثیر ہم تک متعدی نہیں ہو سکتی ہے۔ غرض کہ اسی
قسم کے متعدد عقلی اعتراضات تھے۔ نجومیوں نے اس کے جواب بھی دیے اور سب سے بڑھ کر جو جواب ہو سکتا تھا وہ
یہ تھا کہ آئندہ کے متعدد واقعات پر اپنی تحریری رائیں دیں اور پیشین گوئیاں کیں جو ان کے قول کے مطابق ہوں گی۔ بکا
یہ اثر ہوا کہ مخالفت کم ہو گئی اور کہتے ہی لوگوں کے عقائد متزلزل ہو گئے اور عام رے یہ قرار پائی کہ بحیثیت ایک
علم کے نجوم صحیح ہے اور اس پر غلطی کا اطلاق ظلم ہے۔ لہذا اس حکام میں جو غلطیاں ہوتی ہیں یہ نجومی کی غول اور تو غلط
کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ لیکن دنیا سے یہ فرقہ ناپید نہیں ہوا۔ البتہ اسلام نے نجوم کا قطعی ہیبتصال کر دیا۔ اور یہ اثر اس قدر
مستحکم تھا کہ باوجود اقتصاد تیرہ سو برس کے مسلمانوں کے عقائد میں فرق نہیں آیا اور کبھی دل سے نجوم کے معتقد نہیں
ہوئے۔ مگر باوجود اس کے بھی نجوم آج تک باقی ہے۔ اور اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب تک آسمان پر چاند، سورج اور

انکاح یہ مقولہ ہے کہ طبیب ہیکہ نفیس اور خوش ذائقہ کھانوں اور دیگر لذائذ سے روکتا ہوا اور بلا سبب بھی وہ اس پر ملتا ہے۔ اور بخوبی عیش کو تلخ کر دیتا ہے اور ان کاموں سے روکتا ہے کہ جو حقیقت میں کرنے کے لائق ہیں۔ لیکن قول فیصل یہ ہے کہ دونوں اپنی اپنی ضرورت کی وقت بلائے جائیں۔ اگر ندیم کہن سال صحبت یافتہ ہو تو بہت اچھا ہے۔ بادشاہوں کی عادت و خصائل کا اگر اندازہ کرنا چاہو تو انکے مصاحبوں کو دیکھلو۔ ان لوگوں کی خوش طبعی، فروتنی، اور معاملات وغیرہ سے بادشاہوں کے افعال کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

ندیموں کے بھی مختلف درجے ہوتے ہیں۔ بعضوں کو بیٹھنے کی اجازت ہوتی ہے اور بعض کھڑے رہتے ہیں۔ شاہ غزنی کے میں مصاحب تھے جنہیں دس بیٹھنے والے اور دس کھڑے ہونے والے۔ اور شاہان غزنی نے یہ رسم سامانیوں سے سیکھی تھی۔ لیکن شاہان سلف اور خلفاء کا یہ دستور تھا۔ کہ وہ اس قدر ندیم رکھتے تھے جتنے قدر انکے بزرگوں کے عہد میں ہوا کرتے تھے۔ بادشاہ کے ندیم کو معاش سے مستغنی اور دیگر نوکروں کے مقابلے میں معزز ہونا چاہیے۔ لیکن زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان میں خود داری، تہذیب، اور جاں نثاری کا مادہ ہو۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۹۔ ستائے قائم ہیں۔ علم نجوم بھی قائم رہیگا۔ خلفاء عباسیہ ورشاہاں اسلام جیسے۔ ہندوستان بھی داخل ہوا، میں بھی دو گروہ بنائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ نجوم کا مستفید رہا ہے۔ اور ایک مخالفت۔ خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں بخوبی کشیدہ رہا ہے، اور آج بھی مذہب سلطنتوں میں موجود ہیں مگر نہ وہ ضمیر بتاتے ہیں نہ انسان کے واقعات زندگی پر مشین گونیاں کرتے ہیں۔ بلکہ انکا اصطلاح، ادوربین، اور گروہ اجرام فلکی کے اصل حقائق سے آگاہ کرتا ہے اور علوم طبعیہ کے معارف اور حقائق دنیا پر ظاہر کرتا ہے۔ جس کے فوائد اصطلاحی نجوم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔

(۱۸) فوج خاصہ

ہمیشہ دو منتخب سواروں کو بارگاہ سلطانی میں حاضر باش رہنا چاہیے جو قد و قامت، شکل و صورت اور قوت و جہارت میں خاص طور سے ممتاز ہوں۔ اور یہ سپاہی خراسانی اور دہلی ہوں اور دونوں کی تعداد برابر ہو۔ ہر حالت میں خواہ سفر ہو یا حضر یہ ساتھ رہیں گے۔ انکی وردیاں خوبصورت ہوں، اور اسلحہ سے آراستہ ہوں چنانچہ بیٹل ڈھال اور پرتے طلائی ہوں اور اکیٹوں اسی نقرئی اور نیرے بھی اسلئے قسم کے ہوں۔ اور پھر ہر پچاس پر ایک افسر مقرر کیا جائے جو انکو کام تقسیم کرے۔ اور پیدل بقدر چار ہزار کے ہوں۔ جبکہ نام درج رجسٹر ہو۔ اور ہر ہزار کی عمت ایک جدا گانہ قوم سے ہوتی ہیں سے ایک ہزار خاص بادشاہ کی خدمت کے لیے رہیں اور بقیہ امیروں سپہ سالاروں کی ماتحتی میں دیدیئے جائیں تاکہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

۱۵۔ روم اور یونان کی فوجی نظام کی مجھے تحقیق نہیں کی ہو کہ ان شاہوں نے فوج خاصہ (بادی گارڈ) مقرر کی تھی یا نہیں۔ لیکن یزید گر دشنشاہ عجم کے حالات میں تحریر ہو کہ اسنے خاص اپنے واسطے وایلم کی فوج سے ایک دستہ مقرر کیا تھا۔ جس کی تعداد چار ہزار تھی۔ اور وہ جند شاہشاہ۔ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ چنانچہ تاسیہ کی لڑائی کے بعد یہ فوج ایرانیوں سے ملحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی۔ اور سعد بن ابی وقاص گور ز کو ذ نے انکو فوج میں داخل کیا اور کوفہ میں آباد کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ اور حضرت فاروق عظیم کی فوج میں عجمی۔ رومی۔ یونانی۔ ہندوستانی۔ ہمدانی۔ یحویسی، داخل تھے۔ گو یہ عام فوج تھی مگر فوج خاصہ کا پہلا عنوان اسی جگہ سے قائم ہوا۔ اور تمام قوموں کے اشخاص فوج میں داخل کیے گئے۔ ملک شاہ کے عہد میں ان سپاہیوں کا نام فوجی اصطلاح میں مفردان تھا۔

(۱۹) فرامین احکام شاہی کی عظمت

بارگاہِ سلطانی سے فرمانِ بکثرت جاری ہوتے ہیں۔ اور جس چیز کی کثرت ہوتی ہے، پھر اُس کی عظمت بابتی نہیں ہوتی ہے۔ ایسے جب تک کوئی خاص مہم نہ ہو مجلسِ عالی سے کوئی فرمان شائع نہ ہونا چاہیے اور اشاعت کے بعد اُس کی یہ عزت ہونا چاہیے کہ جب تک حکم کی تعمیل نہ ہو جائے کوئی شخص ہکومات سے نہیں پر نہ رکھ سکے۔

اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص فرمانِ شاہی کو بنظرِ حقارت دیکھتا ہے یا اُس کی تعمیل میں لیت و لعل کرتا ہے تو اُس شخص کو پوری سزا دینا چاہیے اگرچہ وہ بادشاہ کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

بادشاہ اور عوام کے مکتوبات میں جو فرق ہے اس کی نہایت صحیح مثال یہ ہے کہ ایک عورت نے نیشاپور سے غزنیں پہنچ کر سلطان محمود سے فریاد کی کہ تیرے عامل نے میری زمیں چھین لی ہے اور اُس پر مالکانہ قبضہ کر لیا ہے۔ سلطان نے عامل کے نام پر وادہ جاری کیا، کہ اس عورت کی بہن واپس کر دے، لیکن عامل نے بجائے تعمیل حکم کے اُس عورت سے سختی کی اور کہا کہ میں سلطان کی اس زمین کے حالات سے اطلاع دوں گا۔ کیونکہ یہ تیری ملکیت نہیں ہے، مجبوراً اس عورت نے پھر سلطان سے جا کر عرض کیا۔ تب سلطان نے ایک غلام کو عامل کی گرفتاری کا حکم نامہ دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو حکم دیا کہ ”ایکھڑا ضربِ بید کی سزا دیجائے۔“ عامل نے بہت کچھ عذر کیا اور اپنے شفع پیش کیے اور ہر ضربِ بید کو ایک دینار نیشاپوری کے عوض خریدنا چاہا۔ مگر سلطان نے

ایک سماعت نہ کی۔ سزا کے بعد لوگوں نے عامل کو سمجھایا کہ اگرچہ زمین تھاری تھی تاہم سلطان کے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی۔ زمین کی سپردگی کے بعد جو صحیح واقعہ تھا وہ عرض کرنا چاہیے تھا۔ اُس پر حکم عالی صادر ہو جاتا۔ "سلطان محمود نے یہ سزا اسیلے دی تھی کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور آئندہ عمال ایسی سرکشی نہ کریں۔

جو کام بادشاہ کا ہو وہ اُسکو خود کرنا چاہیے، یا حکم دینا چاہیے۔ مثلاً سزا دینا قتل کرنا وغیرہ اور اگر بغیر حکم بادشاہ کے کوئی شخص اپنے نوکر یا غلام کو بھی سزا دے تو بادشاہ کو چاہیے کہ اُس کی تنبیہ کرے۔

بہرام چہیں، خسرو پرویز کا بڑا پیارا وزیر اور سپہ سالار تھا۔ خلوت و جلوت میں ساتھ رہتا تھا ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ عامل ہرات اور خراسان نے تین سو اونٹ (سُرخ بال و لے) جن پر بیش قیمت اور روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں لادی ہوئی تھیں نذر کیے۔ پرویز نے سب بہرام کو بخش دیئے تاکہ مصارت باور چھینانے میں وسعت پیدا ہو۔ اُسکے دوسرے دن پرویز کو اطلاع ہوئی کہ بہرام نے کل اپنے غلام کو بیس بید لگائے ہیں۔ یہ خبر سنکر اُسی وقت بہرام کی حاضری کا حکم دیا۔ اور جب وہ سامنے آیا تو سلاح خانے سے پانچ تواریں منگائیں۔ اور بہرام سے کہا کہ ان میں سے جو اعلیٰ درجے کی ہوں وہ علیحدہ کرو۔ بہرام نے ڈیرہ سو پسند کیں۔ پھر حکم دیا کہ انکا بھی انتخاب کرو۔ غرض کہ اخیر میں صرف دو تواریں رہ گئیں۔ تب پرویز نے حکم دیا کہ اب انکو ایک نیام میں رکھو یہ سنکر بہرام نے عرض کیا کہ "دو تواریں ایک نیام میں ٹھیک طور سے نہیں آئیں گی۔" پرویز نے کہا کہ "پھر دو بادشاہ ایک ملک میں کیونکر رہ سکتے ہیں؟ چنانچہ بہرام فوراً سمجھ گیا اور خطا کا اقرار کیا۔

پر دینے لگا کہ اگر تو میرا خدمت گزار اور آورہ نہوتا تو میں کبھی معاف نہ کرتا۔ خدائے غفور نے زمین کی حکومت مجھ کو مرحمت فرمائی ہے اور میں فیصلے کا مجاز نہیں، آئندہ اگر کسی غلام سے قصو ہو جائے تو اول مجھ سے کہو میں اسکو مناسب سزا دوں گا۔“

اور مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ شاہی فرامین صرف وہی شخص لیجائیں جو اس کام کے لیے مقرر ہیں۔ ایسا نہ کریں کہ اپنے ناہوں کو دیدیں۔

(۲۰) بادشاہ کو حکما اور عقلا سے مشورہ کرنا چاہیے

جو شخص کامل عقل، تجربہ کار، اور اپنی رسلے کا مستحکم ہو اُس سے مشورہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ ذہن تو ہر شخص میں عمل ہوتی ہے مگر کی بیشی کا صدور فرق ہوتا ہے۔ جو شخص عاقل، تجربہ کار ہو وہ عاقل

الفصل ۱۰ صفحہ ۸۱ - ۸۲ فصل ۱۸ صفحہ ۸۴ - ۸۵ ۸۶ جب انسان مشکلات میں گھرجاتا ہے تو اپنی مدد کے واسطے دوسروں کے خیالات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور تباہ و خرابات کے بعد جو رستے قائم ہوتی ہے اُسی کا نام مشورہ ہے۔ دنیا میں فقیر سے بادشاہ تک کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو حکوم و نبی مشکلات کا سامنا نہ کرے بلکہ بادشاہ تو ہر دم نئی آفتوں میں مبتلا رہتا ہے۔ مذہب اسلام نے اپنے پیغمبر کو ”شاورِ رھم فی الامر“ کی اسی وجہ سے ہدایت کر دی ہے تاکہ پیغمبر کا فعل امت کی واسطے سنت قرار پا جائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی طرز عمل یہ تھا کہ آپ اہم معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے تھے۔ چنانچہ مشورے کے متعلق متعدد احادیث ہیں مثلاً المشورۃ حصن من الدمامۃ و امان من الملامۃ“ (۲) المستشیر والمستشار مؤمن“ اسی طرح پر حکماء، علماء، صحابہ کرام اور سلاطین وغیرہ کے متد و اقوال کتب اخلاق میں تحریر ہیں۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ مشاورے اور مناظرے کو باب رحمت اور مفتاح برکت سمجھو ایک حکیم کہتا ہے کہ ”من استعان بذی العقول فابدرک المماصول“

نا آزمودہ کار سے کہیں بڑھ کر ہی جس کی یہ مثال ہو کہ ”ایک شخص نے کسی مرض کا علاج طب کی کتاب میں دیکھا ہے اور دواؤں کے نام سے بھی واقف ہے۔ مگر دوسرے شخص نے علاج کر کے تجربہ حاصل کیا ہے۔ یا ایک سفر کردہ اور تجربہ کار ہو اور دوسرے نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا ہے۔ اس صورت میں ان دونوں میں بہت فرق ہے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۴۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو کام مشورہ سے کیا جاتا ہے اُس میں ناکامی اتفاقیہ ہوتی ہے اور اگر ہو تو ارشاد نبوی کے مطابق ندامت اور ملامت سے تو بلاشبہ چھٹکارہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کیسا ہی دانشمند اور فرزانہ کیوں نہ ہو لیکن اُس کی شخصی رائے تمام مشکلات کے اطراف و جانب کا احاطہ نہیں کر سکتی ہے۔ چنانچہ یورپ میں مجلس شوریٰ عمومی (پارلیمنٹ) و مجلس الاشرف (اوس آف لارڈز) و مجلس العموم (اوس آف کامنز) کا وجود فقط پادشاہوں کی مشکلات اور مہمات کے آسان کرنے کے واسطے ہوا ہے۔ اور روزمرہ کا تجربہ شاہد ہے کہ ان مجالس کا فیصلہ ہر پہلو سے مفید، مستحکم اور صحیح ہوتا ہے۔ اور انھیں مشاہدات کا نتیجہ ہے کہ شاہنشاہ ایران نے بھی مجلس شوریٰ قائم کر لیا حکم صادر فرمایا ہے۔ اور رعایا سے روس بھی انھما مجلس کے واسطے بغاوتیں کر رہی ہے جو ایک وزیر کامیاب ہوگی۔

بہرام گور نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ ہر معاملے میں عقل سے مشورہ کرنا کیونکہ جو تدبیر مشورہ سے ہوتی ہے وہ ضرور کامیاب ہوتی ہے اور اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شکاری سے اکثر شکار بچکے بچکے ہوتا ہے اور شاہ خطا کرتا ہے۔ لیکن جب چند شکاری ہوتے ہیں تو اُنکو گھیر کر مار ہی ڈالتے ہیں۔“

بادشاہ کو جن لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے اُنکی خواجہ نے صراحت کر دی ہے لیکن عام طور سے مشورے میں اُنکو ذیل قابلِ ملاحظہ ہیں

(۱) مشیرِ نیا سچا دوست ہو۔ اور معاملات میں تجربہ رکھتا ہو۔

(۲) سلیم الفکر ہو۔ اور اُسکو نفسِ معاطے سے کوئی تعلق نہ ہو۔

(۳) رائے دینے کے وقت استقدر متوجہ ہو کہ اُسکا ذہن یا خیال کسی اور طرف منتقل نہ ہو۔

(۴) حاسد، کاذب، معلم، اور جاہل عورتوں سے مشورہ نہ کیا جائے۔

عملاً کا قول ہے کہ ایک شخص کی تدبیر ایک مرد کی قوت اور دس کی تدبیر دس مردوں کی قوت کے برابر ہے اور اس پر تو تمام دنیا کا اتفاق ہے۔ کہ انسانوں میں کوئی بھی آنحضرتؐ سے زیادہ صالح ہے نہیں ہوا۔ لیکن باوجود اس عقل و دانش کے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ شَاَدِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ يَا مُحَمَّدٌ جبکہ پیغمبر علیہ السلام مشورے سے بے نیاز نہ تھے تو پھر اوشما کی کیا حقیقت ہے۔ اس لیے بادشاہ جب کوئی کام کرنا چاہے یا کوئی معاملہ پیش آجائے تو اسکو اپنے کھن سال خیر خواہوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ لیکن عمل اُس رسلے پر کیا جائے جو متفق علیہ ہو۔ اور جو لوگ مشورہ نہیں کرتے ہیں انکو سمجھنا چاہیے کہ وہ ضعیف الرسلے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگ خود کام کہلاتے ہیں۔“

(۲۱) سفارت

ممالک غیر کے سفیر کا ایک آجائے ہیں، اور کسی کو خبر نہیں ہوتی ہے۔ اور نہ خود بادشاہ انکی آمد و رفت کی اطلاع دیتے ہیں۔ بلکہ اسکو برا جانتے ہیں۔ اس لیے والیان سرحد کو حکم دیا جائے کہ جب کوئی باہر سے لنگے علاقے میں داخل ہو تو فوراً بذریعہ خاص سوار کے مفصل حالات سے اطلاع دیں، کہ کون آیا ہے اور کہاں سے آیا ہے اور اُن کے مقصد کیا ہے؟۔ سوار و پیادوں کی تعداد کتنی ہے۔ ظاہری شان و شوکت کا کیا حال ہے؟ اور اسی مقام سے سفارت کے ہمراہ اپنا

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۵۔ خلاصہ یہ ہے کہ حکماء کی رسلے کے مطابق محض اپنی رسلے پر بھروسہ کرنا داخل سلطنت ہے۔

انتخاب از کتاب دب الدنیا والدين ابو الحسن بصری۔ و کتاب الذریعہ راعب صفہانی وغیرہ۔

صفحہ ۲۱۔ صفحہ ۲۸۵۔ مسئلہ سفارت پر بقدر خواجہ نے لکھا ہے موجودہ زمانہ کی کوئی سفارت یا کمیشن بھی اس سے زیادہ تحقیقات نہیں کر سکتی ہے۔ لہٰذا کوئی سفارت بلا اجازت نہیں جاتی ہے۔ اور عہد قدیم میں کسی اطلاع کی ضرورت تھی

ایک معتمد کرنے تاکہ وہ دوسری منزل تک پہنچا دے۔ غرض کہ اسی طرح سے ہر ہر شہر و ناحیہ کے حاکم اپنے معتمد کے ہمراہ مہارت کو دار السلطنت تک پہنچا دیں۔ راستے میں خاطر و مدارات کی کوئی بات اٹھانہ رکھی جائے۔ اور واپسی کے وقت بھی یہی طریقہ برتنا جائے کہونکہ سفارت کے ساتھ اچھا یا بُرا جو برتاؤ کیا جائیگا وہ فی الحقیقت اُس ملک کے بادشاہ کے ساتھ سمجھنا چاہیے جس کی سفارت ہے۔

بادشاہوں کا ہمیشہ یہ اصول رہا ہو کہ وہ اپنے ہمعصور کی عزت اور ان کے سفارت کی قدر کیا کرتے ہیں یا نہ کیا کرتے ہیں اگر ان کے زمانے میں سفیر آیا ہو اور اُس نے اپنی سفارت کا اُسی طرح حق ادا کیا ہے جیسا اُس کو حکم ملا ہے تب بھی اُس کو آزدہ خاطر نہیں کیا ہے۔ کیونکہ سفارت کا آزدہ کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ اور خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا عَلَى الْمُرْسُولِ إِلَّا الْمُبَلَّغُ الْمُبِينُ اور یہ بھی سمجھ لو کہ شاہوں میں جو ظاہر طور پر سفیر آیا جایا کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد صرف نامہ و پیام ہی نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ درپردہ سیکڑوں راز ہوتے ہیں۔ وہ یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ رستے، گزرگاہیں، گھاتیاں، نہریں، اور تالاب کس قسم کے ہیں۔ فوج اس طرف سے گزر سکتی ہے یا نہیں۔ چارہ گھاس کہاں مل سکتا ہے اور کہاں نہیں۔ ان مقامات کا حاکم کون ہے اور فوج کی تعداد کس قدر ہے۔ اور دوسرے ہا زو سامان کے کیا اندازے ہیں۔ دربار کا کیا ڈھنگ ہے۔ علاوہ اسکے طریقہ نشست و برخاست، میر و مکار چوگان بازی، اور دیگر آداب سلطنت اور عام اخلاق و آداب کا بھی اندازہ کرتے ہیں۔ اور یہ دیکھتے ہیں کہ بادشاہ بوڑھا ہے یا جوان، عالم ہے یا جاہل، عام قریب حکومت آباد ہے یا ویران، فوج و رعیت اپنی بادشاہ

رضا مند ہی یا ناراض۔ اور ملک کے متول کی کیا حالت ہو۔ بادشاہ فی نفسہ بیدار ہو یا غافل ہو۔ مزاج میں سخاوت ہو یا بخلت ہو۔ عام رجحان طبعی کا کیا حال ہو یعنی جدوجہد پر مائل ہو یا ہزلیات کا شید ہو۔ عورتوں کی رغبت رکھتا ہو یا غلاموں کا شیدائی ہو۔ اسکے بعد وزیر کو کھیتے ہیں کہ کس تہے کا ہو؟ آیا عقل و تدبیر کے ساتھ متدین بھی ہو یا نہیں۔ سپہ سالاران فوج تجربہ کار ہیں یا نوآموز۔ مصاحبین کس رنگ و ہنگ کے ہیں کس چیز کو دوست رکھتے ہیں اور کس دشمن جانتے ہیں۔

نتیجہ اس چھان بین کا یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت میں اُس بادشاہ سے مخالفت ہو جائے یا اسکے ملک پر قبضہ کر لینا ارادہ ہو تو آسانی سے کامیابی ہو سکتی ہو۔ اس موقع پر میں اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ سلطان سعید آلپ ارسلان حقیقی المذہب تھا۔ اور اکثر کہا کرتا تھا کہ کاش! میرا وزیر بھی حنفی المذہب ہوتا۔ کیونکہ شافعی ہونے کی وجہ سے اس میں سیاست و ہیبت نہیں ہے۔“

چونکہ سلطان متعصب تھا اس وجہ سے میں ہمیشہ اُس سے ڈرا کرتا تھا جس اتفاق سے سلطان کو شمس الملک نصر بن براہیم (خان عمر قد) کی سرکشی کی وجہ سے ماوراء النہر کا سفر درپیش آیا۔ اُس سلطان نے سفارت روانہ کی۔ چنانچہ میں نے بھی اپنی جانب سے دانشمندانہ شکر و سفیر کے ساتھ کر دیا تاکہ جو واقعات پیش آئیں وہ براہِ راست مجھے معلوم ہو جائیں چنانچہ دہی سفارت پر شمس الملک نے اپنا سفیر سلطان کی خدمت میں روانہ کیا۔ چونکہ یہ بھی آئین سفارت میں داخل ہے کہ سفیر و ذرا سے ملاقات کر کے عرض مطلب کرتے ہیں۔ تاکہ وزیر کے ذریعے سے بادشاہ تک

حالات پہنچ جائیں، اور رخصت کی وقت بھی ملکر جاتے ہیں۔ چنانچہ شمس الملک کا سفیر بھی مجھے ملنے آیا۔ میں اس وقت جلسہ احباب میں بیٹھا ہوا شطرنج کھیل رہا تھا۔ اور ایک بازی میں انگوٹھی جیت چکا تھا۔ مگر یہ انگوٹھی بائیں ہات کی انگلی میں ڈھیلی ہوتی تھی۔ ایسے مینے داسنے ہات میں پہن لی تھی۔ جب اطلاع ہوئی کہ سفیر دروازے پہنچ گیا ہے۔ اس وقت بباطل دی گئی۔ اور سفیر بلا لیا گیا۔ اور دہرا دہر کی باتیں ہو اکیں۔ چونکہ میں اُس انگوٹھی کو انگلی کے چاروں طرف گھما رہا تھا سفیر نے بھی اُسکو دیکھا تھا۔ غرض کہ وقت خاص کا یہ معاملہ تھا۔ سفیر رخصت ہو کر چلا گیا۔ اور سلطان نے دوبارہ اپنا سفیر بحوالہ سفارت شمس الملک سمرقند روانہ کیا۔ اس مرتبہ بھی میں دانشمند اشتر کو ساتھ کر دیا تھا۔ اور یہ دونوں شمس الملک کے ردہ و دربار عام میں پیش ہوئے اس وقت خان نے اپنے سفیر سے پوچھا کہ سلطان کو عقل و تدبیر میں کیسا پایا، فوج کس قدر ہے۔ اور دیوان و دفتر کی ترتیب کا کیا حال ہے۔ سفیر نے ہر چیز کی مدح کر کے کہا کہ ”میں نے صرف ایک عیب پایا۔ اگر یہ نہ تو کسی کو مجال سرکشی نہ ہوتی، خاں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ سفیر نے کہا کہ وزیر شیعہ مذہب ہے۔ کیونکہ وقت ملاقات کے مینے دیکھا کہ وہ انگوٹھی داسنے ہات میں پہنے ہوئے تھا اور اُسکو گھما رہا تھا اور مجھ سے باتیں کرتا جاتا تھا۔ جب اس واقعہ کی مجھے اطلاع ہوئی تو نہایت صدمہ ہوا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرا شافعی المذہب ہونا ہی سلطان کو ناگوار ہے۔ اگر کہیں اُسکو یہ معلوم ہو جائیگا کہ میں شیعہ ہوں تو پھر وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیگا۔ ایسے مینے تیس ہزار دینار صرف کیے اور ہمیشہ کے لیے کچھ لوگوں کا وظیفہ مقرر کر دیا کہ اس واقعہ کی سلطان تک اطلاع نہ ہو۔“

نتیجہ اس حکایت کا یہ ہے کہ سفیر اکثر عیب جو ہوا کرتے ہیں۔ اور اُن کی نظر عیب نہ ہر یکساں ہوتی ہے۔

جو بادشاہ قائل ہیں وہ اس قسم کی نکتہ چینیوں سے اپنے اخلاق درست کر لیتے ہیں اور مہذب ہو جاتے ہیں۔

سفیر ای شخص ہونا چاہیے جسکو بادشاہوں کی صحبت میسر ہوئی ہو اور اسے مطلب میں توفیق ہو اور نہ فضول گو ہو۔ کمال علمی کے ساتھ سفر کا تجربہ کار اور وجاہت ظاہری سے آراستہ ہو دیرینہ سال عالم کو دوسروں پر شرف ہو۔

اگر بادشاہ اپنے کسی مصاحب کو سفارت پر روانہ کرے تو زیادہ عہت بار کے قابل ہو۔ اگر سفیر نوجوان اور فوجی تجربہ کار ہو تو زیادہ مناسب ہو۔ کیونکہ اس ایک شخص سے ہم سب کا اندازہ ہو جائیگا خلاصہ یہ ہے کہ سفیر بادشاہ کی عقل و سیرت کا آئینہ ہوتا ہے۔

ایسے موقعوں پر جب کسی ملک سے سفیر آئے اس وقت (کم از کم) میں غلاموں کو بیش قیمت لباس اور مدد اسلحہ سے آراستہ کر کے تخت کے گرد بٹھاکر کرنا چاہیے۔

بردہشت خانوں میں چارہ جمع کرنا

حالت سفر میں جس منزل پر بادشاہ کا قیام ہونے والا ہو وہاں پہلے سے چارہ گھاس نہیں مل سکتا

فصل ۲۰، صفحہ ۸۶۔ ۸۷۔ ملک شاہ نے تمام مالک محروسہ کا پانچ مرتبہ دورہ کیا تھا۔ اور بڑی شان و شوکت سے گھسے کھٹا تھا۔ اندان احکامات کا جاری کرنا ضروری تھا۔ مگر اس زمانے میں نہ بادشاہوں کو فوج و شتم کے ساتھ طو لانی سفر کرنے کی ضرورت باقی تھی۔ اور نہ وہ اپنی مجبوریوں سے دار السلطنت سے باہر جاتے تھے۔ انکی سب سے بڑی بولا گناہ چند منزل کی ٹکارا ہوتی تھی۔ اور اس کے واسطے تمام سامان دار الحکومت سے روانہ ہوتا تھا۔ البتہ فوج کے کوچ و مقام پر رسیدنی کا انتظام نہایت وسیع پیمانے پر ہوتا تھا۔ ہر ٹپا اور وہی بندوبست کیا جاتا تھا جیسا کہ خواجہ نے لکھا ہے۔ اور تحصیلداروں کے

اور ایک دن کے چارہ گھاس کے لیے بڑی کوشش کرنا پڑیگی۔ لہذا جن رستوں سے آئندہ گزرنا ہو یا جن پڑاؤ میں ٹھہرنا ہو وہاں اسکا خاص انتظام پہلے سے کرنا چاہیے۔ تاکہ اس نقص سے اصل مہم میں نا کامی نہ اٹھانا پڑے۔ اور اگر یہ ذخیرے کام نہ آویں تو بعد کو فروخت کر کے اعلیٰ قیمت مثل دیگر محاصل کے داخل خزانہ سرکاری کر دی جائے۔ اس انتظام سے قطع نظر سہولت کے رعایا کو بھی آرام ملتا ہے

(۲۳) قاعدہ تقسیم نتخواہ فوج

تمام فوج کی نتخواہ نقد ادا کر دیا جائے جو جاگیر دار ہیں انکو بھی فوج کے اندازے پر حساب کر کے نقد دیدیا جائے۔ اور یہ حکم کبھی نہ دیا جائے کہ خزانے سے اسقدر روپیہ برآمد کرو۔ بہرہ یہ کہ نتخواہ بادشاہ اپنے ہات سے تقسیم کرتے تاکہ دلیں بادشاہ کی محبت پیدا ہو جائے اور وقت پر وہ اچھی طرح سے کام کریں۔

قدیم بادشاہوں کا دستور تھا کہ سپاہیوں کو نتخواہ کے عوض میں جاگیر نہیں دیا کرتے تھے بلکہ سال میں چار مرتبہ ان کی نتخواہیں خزانے سے دی جاتی تھیں جس سے وہ اپنی حالت کو درست رکھتے تھے۔ ملکی حکام ہر قسم کی آمدنی خزانے میں داخل کیا کرتے تھے اور تین مہینے کے بعد انکی نتخواہ دی جاتی تھی۔ دفتر کی اصطلاح میں اسکو پیشہ گانی کہتے ہیں۔ یہ قاعدہ محمود غزنوی کے خاندان میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۰۔ خزانے میں یہ اہم خدمت ہے، البتہ جو دشواریاں اس انتظام میں تحصیلداروں کو پیش آتی ہیں۔ اُسپر ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

صفحہ ۲۳۹۔ ۱۔ خراج نظام الممالک نے بعد تحریر اس قانون کے یہ قاعدہ توڑ دیا تھا۔ اور سپاہیوں کو بجائے نقد نتخواہ کے جاگیریں دیدی گئی تھیں۔ یہ بحث خواہر کے اولیات میں لکھی گئی ہے۔

اتیک جاری ہے۔ اور جاگیرداروں کو ہدایت کیجائے کہ اگر ایک گھوڑا مر جائے یا کہیں غائب ہو جائے تو اس کی اطلاع کیا کریں۔ اور ہر مہم میں انکو مدد کرنا چاہیے۔ اور اگر کوئی گریز کرے تو تنبیہ کے ساتھ لٹنے تاوان وصول کر لیا جائے۔

(۲۳) فوج بھرتی کرنے کا قاعدہ

فوج میں جب ایک جنس کے سپاہی ہونگے تو ان میں خطرے کا احتمال ہو اور اُسے جنکشی بھی نہ ہو سکے گی۔ اسلئے فوج میں ہر جنس کے سپاہی یعنی دہلی، خراسانی، گرجی وغیرہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی کی فوج میں ترکی، خراسانی، عربی، ہندی، دہلی، غوری سپاہی بھرتی تھے۔ اور سفر کجالت میں مختلف ممالک کے سپاہیوں کا پہرہ رہتا تھا۔ جکا یا بڑھتا تھا کہ ہر گروہ دوسرے سے ڈرتا رہتا تھا۔ اور جس کی نوکری جس جگہ ہوتی تھی وہ صبح تک اسی مقام پر پڑتا رہتا تھا اور جسٹن کو کوئی لڑائی ہوتی تھی تو ہر ملک کا سپاہی اپنی تعریف کے خیال اور بدنامی کے در سے

۱۔ فصل ۲۴ ص ۹۰۔ ۲۔ مختلف اقوام سے فوج بھرتی کرنے کا اصول نہایت منیدہی۔ اور یہیں متحد ملکی حکومت عیاں ہیں۔ جسکی صراحت کا پرتغ نہیں ہو لیکن شاہان اسلام اس اصول پر صدیوں سے عمل آ رہے کرتے چلے آتے ہیں چنانچہ ۱۰۰۰ء میں محمود غزنوی نے ہلو فیس کے مقابلے میں جو فوج بھیجی تھی اس میں ہندوستان کی ایک پلٹن موجود تھی جکا نامور سپہ سالار بے سنگ تھا۔ اسکے بعد یونین نے یہ رسلے لکھی ہوئے۔ ان میں روایت نیکو پیدا است کہ دریں عہد سلاطین اسلام نے افواج جنگی را از طبقہ ہندوان نگاہ داشتند۔ آغا نہ کردہ بودند و ہندوان در عبور کردن رود و سندھ از برلے جنگیدن از طرف شاہان مظفر اسلامیتہ پاک فیذا شدند۔، کہ کتاب آثار الاول میں ایک پورا باب ان قوموں کے افعال و عادات اور خواص میں موجود ہے جو فوج میں بھرتی کرنا چاہیئے۔
یورپ اور ہندوستان میں انسی اصول کی پابندی کی جاتی ہے۔ الفاروق شبلی نعمانی بحوالہ مستوح البلدان۔ سیاست نامہ۔
تاریخ ہندوستان مصنفہ جان سی مارشمن ترجمہ فارسی مولوی عبدالرحیم مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۹۰ء۔

جان لڑا دیتا تھا تاکہ کسی ذریعہ کے مقابلے میں غفلت و سستی کا الزام عائد نہ ہو۔
جب فوج میں اصول سے کام لیا جائیگا تو یقین ہے کہ ہر سپاہی تلوار کے قبضے پر ہات رکھ کر قدم پیچھے نہ ہٹائیگا، تا وقتیکہ وہ اپنے دشمن کو شکست نہ دیدے۔

اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب فوج ایک درجہ یا رتبہ حاصل کر لیتی ہے تو اس فوج کے ایک سو سو ایک اپنے مقابلے میں ایک ہزار کو کوئی مال نہیں سمجھتے ہیں۔ اور دشمن کو بھی یکا یک ایسے قیامت بکس کے مقابلے کی جرات نہیں پڑتی ہے۔

شیخ عرب، سرداران کرد، دہلی درومی اور ایسے اشخاص جنہوں نے حال میں اطاعت کا حلف اٹھایا ہو۔ ان کو حکم دینا چاہیے کہ وہ اپنے لڑکوں اور بھائیوں کو (بطور اول کے) حاضر دربار رکھا کریں۔ اور ایک سال کے بعد یہ نصرت کر دیے جائیں لیکن جب تک اپنے قائم مقاموں کو حاضر نہ کریں ہرگز نہ جانے پائیں۔ اس اصول کی پابندی سے بغاوت نہیں ہو سکتی ہے۔ اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ہر قبیلے کے سردار موجود ملینگے۔ یہ جماعت پانچ سو آدمیوں کے ہونا چاہیے۔

(۲۵) خدمتگارا اور غلاموں سے کام لینے کا طریقہ

ہر وقت اور بلا ضرورت نوکروں کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے، کیونکہ کسی وقت اگر سب کے سب بھاگ ہو جاتے ہیں تو تھوڑی دیر بعد پھر آجاتے ہیں۔ ایک بار کام بگاڑیں تو دوسری مرتبہ اچھی طرح سمجھا دینا چاہیئے۔ تاکہ بار بار کہنا نہ پڑے۔ اور جو غلام، امیر حاجب وغیرہ کی ماتحتی میں ہوں۔

انکے افسروں کو حکم دیا جائے کہ ہر روز اس قدر غلام کا رخصت کے لیے بھیجے جائیں۔

زمانہ سابق میں جہن غلام خرید ہو کر آتا تھا۔ اُس دن سے بڑھاپے تک ہر روز اُس کی تعلیم و تربیت کیجاتی تھی۔ اور بلحاظ تعلیم و تربیت انکے درجے مقرر ہوتے تھے۔ مگر ہمارے زمانہ میں اُن قاعدہ کی پابندی نہیں ہوتی ہو مثال کے طور پر مختصر اُبیان کرتا ہوں۔

سامانیوں میں یہ قاعدہ جاری تھا کہ آہستہ آہستہ خدمات اور شائستگی کے لحاظ سے غلاموں کا درجہ بڑھاتے تھے۔ چنانچہ جو غلام نیا خرید کیا جاتا تھا وہ ایک سال پیادہ رکھا جاتا تھا اور سواری کے ہمراہ زندگی پہنچ کر چلتا تھا۔ اور اُنکو سخت تاکید تھی کہ چوری چھپے سے بھی ایک سال تک گھوڑے پر سواری نہ کرے۔ اور بحالت خلاف درزی اُنکو سزا دی جاتی تھی۔ ایک سال کے بعد وثاق ہاشمی کی تحریر پر حاجب سواری کے لیے ترکی گھوڑا دیتا تھا۔ مگر لگام اور دول سادہ ہوتی تھی۔ پھر ایک سال بعد فراچوری دی جاتی تھی کہ وہ مکرمین باند ہیں۔ اور پانچویں سال عمدہ زین و لگام و قبائے دارنی اور آہنی گرز دیا جاتا تھا۔ چھٹے سال جامہ عنوان ملتا تھا۔ اور ساتویں سال خمیہ لکیری (جس کی طنائیں سولہ میخوں میں کھینچی جاتی تھیں) اور تین غلام اُسکو اور دیئے جاتے تھے۔ اور لقب وثاق ہاشمی ہوتا تھا۔ غمہ سیاہ کی ٹوپی ہوتی تھی جس پر ہلکی سنہری تحریر کر دی جاتی تھی۔ اور قبائے گنجد کا لباس ہوتا تھا۔ غرض کہ اسی طرح ہر سال درجہ بڑھتے بڑھتے خیل ہاشمی سے حاجب کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔

۱۔ زندہ بچی = سوزن کا رسیدہ موٹا کپڑا۔ ۲۔ فراچوری = لابی تلوار دارانی = ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔ ۳۔ جامہ عنوان اُس اصطلاح کے معنی لغت میں نہیں ملے۔ ۱۱۔

اگر ہر موقع پر اُسکے ہات سے بڑے بڑے کام ہوتے اور وہ اپنی شانگی اور قابلیت کے جوہر دکھاتا تب کہیں بیٹیس برس کی عمر میں امارت اور حکومت کا اعزاز بخشا جاتا تھا۔

اُسپتگیں نے جو خاندان سامانیہ کا پروردہ تھا اسی عمر میں خراسان کی سپہ سالاری پائی تھی۔ عتقا کا قول ہے کہ لائق خدمت گار اور شائستہ غلام بیٹے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اور خدا کرے کہ اچھے نوکر اور تعلیم یافتہ غلام ہات سے بچائیں جیسا کسی شاعر کا قول ہے۔

یک ہندہ مطاع باز صد فرزند کین مرگ پدر خواہد و آن عمر خداوند

غلاموں کی نگرانی اس امر میں بھی کیجاے کہ وہ بغیر حکم شاہی (اور وہ بھی بحالت خاص ضرورت کسی ہم پروردہ اندہ کیے جائیں کیونکہ ان کی ذات سے رعایا کو سخت تکلیف پہنچتی ہے۔ اگر کسی سے دو دینار وصول کرنے کا حکم ہو تو یہ پانچ وصول کر لاتے ہیں)۔ (فضل ۲ صفحہ ۶۸)

۱۔ امیر احمد بن اسماعیل سامانی کا پروردہ اور جہاں نثار غلام تھا اور ترکی نسل سے تھا۔ جو طریقہ اس عہد میں غلاموں کی تعلیم اور تربیت کا تھا اُسپتگیں اُسکا پورا نمونہ تھا۔ خراسان میں اس کی گورنری کا زمانہ یادگار ہے۔ سبکتگین دُرکی لفظ ہے "دوہرہ پتے" اُسکا ترجمہ ہے) کو اسی جگہ خرید کیا تھا۔ اور اُسکا مختصر واقعہ یہ ہے کہ ایک دن تیس غلام بکے کو لے گئے اُسپتگیں نے سب کو خرید کر لیا ان میں سے متاوسبکتگین تھا۔ چنانچہ تیسرے دن حاجب نے اطلاع کی کہ ایک واقعہ ہوا ہے۔ اُسوقت سبکتگین سامنے تھا۔ اُسپتگیں نے کہا کہ اسی کو مقرر کرو۔ حاجب نے عرض کیا کہ یہ خدمت قبل از وقت ہے۔ اُسپتگیں نے کہا کہ میں حکم دیا ہوں اور اسنے سُن لیا جواب میں اس عطیہ کو واپس کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ غرضکہ اٹھارہ برس تک سبکتگین معزز (رجس پر مقرر ہوتا رہا) اور ہر خدمت پر اعلیٰ درجے کی کارگزاری دکھائی۔ اور اُسپتگیں کی موت تک ساتھ رہا۔ ۳۳۵ھ میں جب امیر عبدالملک سامانی چوگان کھیلنے ہوئے گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اُسوقت اُسپتگیں نیشاپور میں تھا۔ اُمرائے دار السلطنت نے قاصد بھیج کر اُسپتگیں سے مشورہ کیا کہ آپ کی سُلے میں کس کو بادشاہ مقرر کیا جائے۔ اُسپتگیں نے دوا میں دیں۔ قاصد ہنوز واپس نہیں آیا تھا کہ اُمرائے منصوبہ بادشاہ عبدالملک کو تخت نشین کر دیا۔ چونکہ منصوبہ کا انتخاب اُسپتگیں

(۲۶) دربار

دربار عام [۱] دربار کی ترتیب اس طرح پر کی جائے کہ اول بادشاہ کے عزیز و اقارب آئیں اُس کے بعد ملک کے معزز سردار اور ارکان فوج۔ پھر دیگر اشخاص، اور جب تمام گروہوں کا دخلہ ایک ہی مرتبہ ہو، تو وضع و شریف کا مہتیا کر لینا چاہیئے جب دربار شروع ہو تو پرودہ اٹھا دیا جائے۔ اور حاجب کی روک ٹوک نہ ہے کیونکہ یہی شناخت دربار عام کی ہے۔ اور اس علامت کا ہونا ضرور ہے کیونکہ امراء کو بغیر شرف ملازمت بادشاہ واپس جانا نہایت گراں

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۵۔ خلافت تھا اسوجہ سے اُمراء دربار نے بادشاہ کو الپتگیں سے ناراض کر دیا جب یہ خبر خراسان تک پہنچی تو ازراہ دُور اندیشی الپتگیں نے خراسان چھوڑ دیا۔ اور ہندوستان کو غزوات کے ارادے سے روانہ ہوا۔ لیکن چونکہ غزین الپتگیں کا مولد اور منشاء تھا اسوجہ سے اسی کو دارالحکومت بنایا۔ اسوقت غزین ایک معمولی گاؤں تھا۔ یہاں تک پہنچی میں منصور کی طرف سے سخت روک ٹوک پید کی گئی اور لڑائیاں ہوئیں مگر اخیر کو الپتگیں کا میاں بچھا۔ اور پٹھ برس اپنے قانون کی خدمت کر کے زائد از پٹھ برس کا ہو کر ۶۵ برس میں فوت ہوا۔ اہل سامان کا یہ وفادار صادق القول شجاع، مدبر، فیاض، خدا ترس اور خدمت گزار غلام تھا۔ خود مختار ہو کر صرف تیرہ برس زندہ رہا۔ چنانچہ غزین میں سلطنت کی بنیاد اس کی ذات سے پڑی۔ مورخوں کا بیان ہے کہ تین ہزار قواعد اہل غلام خراسان سے الپتگیں کے ہمراہ چلے گئے تھے۔ اول انہیں کی ذات سے غزین کی آبادی ہوئی۔ اسکے بعد افغانی جرگے فوج میں بھرتی کیئے گئے۔ اسکے انتقال پر ابو اسحاق اسکا بیٹا تخت نشین ہوا۔ لیکن یہ مکرر، ناقوان اور عیاش شاہزادہ ۳۶ھ میں فوت ہو گیا اور ملک نے بہکتگیں کو اسکا جانشین بنا دیا۔ چنانچہ اسی نامور کا بیٹا محمود غزنوی ہو جوشاہان غزین میں سب نامور شاہنشاہ تسلیم ہوئے۔ ”سیح یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم و تربیت نے اپنے عہد میں جس شان و شکوہ کے غلام تیار کیئے اور جن دو کی انھوں نے حکومت کی ہے اسکی نظیر آج آزاد بادشاہوں میں بھی نہیں مل سکتی ہے۔“ انتخاب دار تاریخ نامہ خسروان، مکرّم، انجمن سیاست نامہ۔

گرتا ہو۔ اور دربار میں پہنچ کر شرفِ حضوری حاصل نہو اس سے بھی بادشاہ پر بدگمانیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور بہت سے جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور درباروں کے کم ہونے لوگوں کے کاروبار بند ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بادشاہ کو اکثر دربار منعقد کرنا چاہیئے ہفتے میں ایک روز عوامِ جلسہ ہونا چاہیئے اور داخلے میں کسی کی روک ٹوک نہ کی جائے جس دن دربار میں خواص کے جانے کا دن ہو اُس دن عوام نہ جائیں۔ مگر دونوں کو یہی تاریخوں سے اطلاع ہونی چاہیئے۔ تاکہ یہ نوبت نہ کہ ایک بٹلایا جائے اور دوسرا نکالا جائے۔ اور آنے والوں کے ہمراہ ایک غلام سے زیادہ نہو۔

دربارِ خاص عیش و طرب کی مجلس میں یہ نہایت ناپسندیدہ ہے کہ آنے والے جام و صراحی اور ساقی لیکر حاضر ہوں۔ کیونکہ یہ رسم قدیم سے چلی آتی ہے کہ تمام خور و نوش کا سامان اُمرا بادشاہ کے گھر سے پہنچے مگر لیجاتے ہیں نہ برعکس اسکے۔ کیونکہ بادشاہ اور رعایا میں آقا اور غلام کی نسبت ہے۔

اس مجلس کے ارکان صرف ندیم ہونا چاہئیں۔ مگر حبیباً کہ میں اول بیان کر چکا ہوں، غلام اور سپہ سالاران فوج یا معزز طبقہ کے لوگ اس زمرہ میں داخل نہ کیئے جائیں۔

بادشاہ کے حضور میں بیٹھنے اور کھڑے ہونے دونوں کی جگہیں مقرر ہیں۔ لہذا اس میں بھی پہلی ترتیب کا خیال رکھنا چاہیئے اور تخت کے گرد معزز طبقہ کے ارکان کھڑے ہوں۔ اگر ان میں کوئی اور شامل ہو جائے تو حاجب کو چاہیئے کہ علیحدہ کر دے اسی طرح ہر درجے میں

نظر رکھنا چاہیے تاکہ کوئی نا اہل شریک نہ ہو جائے۔

(۲۵) اہل فوج کی حتمیں

تمام سپاہیوں کی عرصہ اشتیاس اور ان کی خواہشات کی اطلاع انہوں کے ذریعے سے بادشاہ تک ہونا چاہیے تاکہ جو نیکی ہو وہ کنگے ہات سے ہو۔ اس کارروائی سے فوجی سرداروں کی عزت بڑھ جاتی ہے۔ اگر کوئی سپاہی اپنے انہرے بدزبانی کرے تو اسکو سزا دی جائے تاکہ چھوٹے بڑے کا فرق معلوم ہوتا رہے۔

(۲۶) صاحبان جاگیر و منصب

جن سپاہیوں کو بڑی بڑی جاگیریں اور منصب دیے جائیں انکو یہ بھی تاکید کی جائے کہ اسے درجے کا فوجی سامان رکھیں۔ اور غلاموں کو خرید کریں، کیونکہ ان کی شان و شوکت کا فیصلہ ہے۔ اور محض اپنے مکان کی آرائش سے ان کی زینت نہیں ہو سکتی ہے جس جاگیردار کو پہلی بات کا خیال ہوگا۔ اس کا قرب و اختصاص بادشاہ سے اپنے ہچمتوں کے مقابلے میں بڑھتا جائیگا۔

ان لوگوں کے قصوں کی سزا جنکو سلطنت نے درجہ اولیٰ پر پہنچا یا ہو

جن لوگوں کو خود ہی بادشاہ درجہ اولیٰ سے اعلیٰ پر پہنچا تا ہو۔ ان کی تربیت میں ایک زمانہ در

سلہ زمانہ حال میں دربار داری کے جو قواعد ہیں وہ عمدہ قدیم سے بالکل جدا گانہ ہیں۔ دران آداب سے قریباً تعلیم یافتہ واقعہ ہے لہذا کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سلہ فصل ۳۱۔ ۱۱۱۔ سلہ فصل ۳۲۔ ۱۱۲۔ سلہ فصل ۳۳۔ ۱۱۳۔

صرف ہوتا ہی جب ایسے لوگوں سے کوئی قصور ہو جائے تو علانیہ عتاب کرنے سے انکی آبرو ریزی ہوتی ہی۔ اور پھر بہت کچھ عزت افزائی سے بھی وہ اپنے اصلی درجے پر نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ ایسے انب طریقہ یہ ہے کہ ان کی خطاؤں پل چشم پوشی کی جائے اور بلا کر سمجھا دیا جائے کہ سنو جی! تم نے یہ حرکت نہایت ناشائستہ کی ہے چونکہ ہم اپنے پروردہ کو ذلیل نہیں کرتے ہیں۔ اپنے درگزر کیجاتی ہی۔ مگر خبردار اب آئندہ ایسا نہو۔ ورنہ تم اپنے درجے سے نیچے آ جاؤ گے۔ اور ہمیں ہماری طرف سے کوئی قصور نہوگا بلکہ وہ تمہارے ہی کرتوتوں کی سزا ہوگی۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ جانا

۱۷ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الہامی کے پوتے اور ابوطالب کے نامور بیٹے ہیں، آپ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا (مہنت اسد بن ہاشم) اور انہیوں میں سے سب سے پہلے ہاشمی حضرت علی ہیں۔ فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچ پرے بھائی اور دادا ہیں اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا جَعَلَ آپ ہی کی ذات پاک کی تفسیر ہے۔ خلافت کے دنیاوی انتظام میں اگرچہ آپ کا چچا درجہ ہو مگر سلسلہ امامت میں آپ رکن اول ہیں۔ عام فہم کے قیوتوں پر ہی ہونا رجب کو بمقام مکہ معظمہ آپ کی ولادت ہوئی اور ۱۲ شعبان میں مسند خلافت پہ چڑھ کر فرما ہوئے۔ آپ کے عہد کے اسم واقعات میں سے جنگ جمل اور جنگ صفین ہے۔ اور مسلمانوں کی بد نصیبی سے پہلی نزاع تھی جو فساد اسلام میں پہلے ہوئی۔ اگرچہ ملکی فتوحات میں اضافہ ہوا مگر روحانی فتوحات میں بڑی ترقی ہوئی۔ شجاعت، ہمت، رفاہی، اور صاف دلی میں آپ کی ذات عظیم المثال ہے۔ ۸۰ جو زری ۶۶۱ھ میں بمقام کوفہ (۱۰۰ رمضان المبارک یوم جمعہ) آپ نماز صبح کے واسطے مسجد جابے تھے عبدالرحمن بن ملجم نے زہر لاد تو اوسے زخمی کیا۔ اور اسی صبح سے شب یکشنبہ میں بتایا ۱۰ رمضان المبارک سفر آخرت قبول فرمایا۔ اور تخت شرف میں دفن ہوئے جو مسلمانوں کا مرجع و مآب ہے تاریخ و واقعات میں یہ شعر مشہور ہے

بن بلجسم سرسبز علی چو برید سال فوتش از ایں عیاں گردید

از ابحاث و معارف ابن قتیبه و سیوطی التوفیقات الاطلمیه.

اور بہادر کون ہی؟ آپ نے فرمایا کہ جو غصے کی حالت میں اپنے تئیں سنبھالے اور یہی حرکت نہ کر بیٹھے جسکے بعد پشیمانی اٹھانا پڑے۔

انسان کی عقل کا منتہا یہ ہے کہ اول تو غصہ نہ لے۔ اور اگر آجائے تو پھر عقل پر غالب ہونے پائے۔ کیونکہ جب اہشات نفسانی کا عقل پر غلبہ ہوتا ہے تو آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ اور اُس سے دیوانوں کے سے افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اس لیے سمجھدار آدمیوں کو ایسی حالت سے بچنا چاہیے۔

۱۱ روایت ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ معزز لوگوں کے ہمراہ خاصہ نوش فرماتے تھے

امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے پیر پٹھے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں مگر حضرت امام حسن و امیر معاویہ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے یزید سے خلافت پر نزاع پیدا ہوئی جبکہ آخری نتیجہ یہ ہوا کہ امام کربلا (ارض عراق ناحیہ کوفہ) بروز جمعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق یکم اکتوبر ۶۱ھ عیس اب مع کثیر رفا اور غریزوں کے شہید ہوئے۔ شہادت سے تھوڑی یہ قبل آپ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں تشریف لائے۔

انا ابن علی الحبر من آل ہاشم	کفانی بھلا معجز احین اخضر
و جدی رسول اللہ اکرم مریشی	و بخن سراہم اللہ فی الارض نہرہا
و فاطمہ امی سلالۃ احمد	و عی ید علی ذال الجناحین جعفا
و فینا کتاب اللہ نازل صادقاً	و فینا الہدی والوحی الخیر بد کما

اس درد انگیز واقعہ پر علاوہ مورخین کے عربی، عجم، روم، شام اور ہند کے شعرا نے جقدر مرثیے لکھے ہیں آپر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں ہے اور میرا نیس اور مرزا و میر مرحوم نے جقدر لکھا ہے وہ عام طور سے مشہور ہے۔ مگر حضرت ناصر الدین محمد شاہ ایران نے اپنے شاہنشاہ کے غم میں چند اشعار لکھے ہیں اُسکے لکھنے کو بے اختیار دل چاہتا ہے۔

خبر شمر بخون شہ فغان تشنہ خنجر شہ بدیم خنجر براں تشنہ

اور نہایت بیش قیمت لباس پہنے ہوئے تھے۔ اور عامہ بھی بہت موزوں اور خوبصورت بندہ تھا کہ پیچھے سے غلام نے ایک کھانے کا پیالہ اٹھا کر سامے رکھنا چاہا مگر اُسکے ہاتھ یکایک پیالہ چھوٹ گیا۔ جس سے تمام چہرہ اور سر مبارک آلودہ ہو گیا۔ بمقتضائے شہریت آپ کو غصہ آیا اور چہرہ سرخ ہو گیا اور اُسی حالت میں غلام کی طرف دیکھا وہ کانپ کر فوراً بول اٹھا کہ اَلْكَافِرُ الظَّالِمُ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ خدا کا حکم سنتے ہی آپ کا غصہ جاتا رہا اور چہرہ سے فرحت اور مسرت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اور غلام سے فرمایا کہ جاسینے تجھ کو آزاد کر دیا۔ اب تو ہمیشہ کے واسطے میرے غصے اور تنبیہ سے بخوف رہے گا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۰

من چہ خضم و ذلت اگر آجیات	خضر کے ماندہ بے شہرہ چیلان تثنہ
آہ ازاں بخلہ کہ اصرہ برون مہ	داد و جہیز غم غم پیکان تثنہ
کو دکانم کہ بہہ شد و شکر بخور د	حال طوطی صفتند در شکرستان تثنہ
گفت شاہ شہد بابہ بعد یعس	آب در کوزہ روا دارئی ہماں تثنہ
ہرزہ ہرا بوداں آب ہرا و لادش	کشتہ گشتند وفا دند میدان تثنہ
دیو دد جلا زیر آب ہمدہ میرا باند	کس نہ یہ ست آب بکیمان تثنہ
گبر و ترسا و نصا کہ ہیز آں بچہ رند	بلب نہ جگر کشتہ عیران تثنہ
اکرم کشتہ شد از تیغ شاہ در میدان	رفت در قلد بریں شاہ ہماں تثنہ
دستہ از تن عباس گلند نہ بجا ک	کس نہ یہ ست کہ تقاہر و جاں تثنہ

قاصر آد آب خوری یا دکن از شاہ شہید

زانکہ کشتہ شہشاہ شہیدان تثنہ

(۳) امیر معاویہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ انتہا درجے کے حلیم تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ دربار عام میں ایک نوجوان شکستہ حال آیا اور سلام کر کے گستاخانہ امیر کے سامنے پہنچا اور اس طرح گفتگو کرنے لگا۔

نوجوان امیر المؤمنین ایک نہایت مشکل کام لیکر آیا ہوں اگر آپ اسکے ایفا کا وعدہ کریں تو عرض کروں۔

امیر معاویہ ہاں اتم اپنی حاجت بیان کر دھانٹک ٹکن ہو گا اسکے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔
نوجوان میں ایک مفلس آدمی ہوں۔ اور میری بی بی نہیں ہے۔ اور آپ کی والدہ بیوہ ہیں۔ اگر آپ انکا عقد مجھ سے کر دیں تو میں بی بی والا ہو جاؤں اور وہ شوہر والی۔ اور آپ اہل ثواب ہونگے۔

اور ایک دھکے ایسے کہ جسکے لکھنے سے تہذیب مانع ہے۔ مگر امیر کے مزاج میں کسی طرح کا

امیر معاویہ بن ابوسفیان، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور خدمت کتابت پر ممتاز رہے ہیں۔ مگر سفیان اور ان کی بی بی ہند نے جو بدسلوکیاں آنحضرت سے کی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ معاویہ نے محض اپنی قابلیت سے سپہ سالاری سے مارت کا درجہ حاصل کیا۔ اور خلفائے امویہ میں سب سے پہلے امیر ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت علی کے انتقال اور امام حسن کی شہادت کے بعد بلا فراغت امیر بن گئے۔ چنانچہ ۲ ربیع الثانی یوم یکے شبہ ۲۲ چھ ماہ میں بقم دمشق تخت نشین ہوئے۔ اور دار الخلافہ کو دمشق سے شام میں منتقل کر دیا۔ ۱۹ برس ۵ یوم حکومت کر کے ۷۷ برس کی عمر میں پچھپچھ میں فوت ہوئے اور بزرگ تخت نشین ہوا۔ سیاست اور تمدن میں ہزاروں قسم کی ترقیاں اسی عہد میں ہوئیں جس کی تفصیل کے واسطے ایک مستقل کتاب چاہیئے۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں۔ کابل فتح ہوا۔ اور سندھ تک فوج آکر واپس ہو گئی۔ قسطنطنیہ پر حملہ ہوا شاہ یونان کو باجگزار بنایا۔ اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ ۷۷ من ۲۰ سیر سونا سالانہ دیا کرے۔ سیوطی وغیرہ۔

تغیر واقع نہیں ہوا اور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اور سب نے تسلیم کر لیا کہ امیر معاویہ سے زیادہ علیم اب کون ہو سکتا ہے۔؟

عقل کا قول ہو کہ علم اچھی چیز ہے لیکن اقبال کے زمانے میں اسے تر ہی۔ اور نعمت بھی عمدہ شے ہی۔ لیکن بحالت شکر گزاری اسے تر ہی۔ مگر حب علم اور خدا ترسی بھی ہو تو سبحان اللہ

(۳۰) پاسبان اور دربان

پاسبان اور دربان اور نوبت بجانے والوں پر جو ناظر ہوئے چاہیئے کہ ان لوگوں کے معاملات میں خاص احتیاط رکھے اور سب کو پہچانے۔ اور روزانہ اندرونی طور پر تحقیقات کرتا رہے۔ کیونکہ یہ معمولی آدمی ہیں مگر اسے پلچ میں آجاتے ہیں جب کوئی غیر شخص اس گروہ میں پاپا جائے تو فوراً اس کی تحقیقات کر لی جائے اور شب کے وقت ہر نوبت واسے کو بنظر تحس دیکھ لینا چاہیئے۔ اور کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ خدمت نازک اور خطرناک ہے۔

(۳۱) دسترخوان شاہی

پادشاہوں کے سامنے طرح طرح کے کھانوں کے خوان سجائے جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ اُسکے پر تکلف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو لوگ صبح کو حاضر خدمت ہوں اُنکو ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ ناشتے میں شریک ہونا چاہیئے، اور اگر کسی وجہ سے کوئی شریک نہ ہو تو بطور خود

وقت مقررہ پر بادشاہ کو کھانا چاہیے۔ لیکن یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت عام دسترخوان نہ بچھایا جائے۔

سلطان طغرل سلجوقی صبح کے کھانے میں خاص تکلف کیا کرتا تھا۔ جسے کہ اگر جنگل میں رکھا کھیتا ہوتا تو اُسی جگہ پر دسترخوان بچھایا جاتا۔ اور اس کثرت سے خوان لگائے جاتے تھے کہ دیکھنے والے حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ یہی اصول خوانین ترکستان کا تھا اور ان کے باد پر چھانے کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا تاکہ سب فیضیاب ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کی ہمت اور مردت اُسکے درجے کے مطابق ہو کر تھی۔ اور بادشاہ کا مرتبہ ظاہر ہو لہذا اُسکو اپنی شان کے موافق دسترخوان رکھنا چاہیئے۔ بلکہ اس معاملے میں اگلے بادشاہوں سے سبقت لی جانا چاہیئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بندگان خدا کو جو بادشاہ فراخ حوصلگی سے کھانا کھلاتے ہیں اُنکے

لے شاہان عجم کا دسترخوان جیسا وسیع اور پر تکلف ہوتا تھا اس کی تقلید تو کسی سے نہیں ہو سکی لیکن اسلامی تاریخ میں امیر معاویہ کے عہد سے خلفائے عباسیہ تک اور انکے بعد انکے جانشین حکمرانوں میں یہ صفت باستثنا بعض مسلسل پائی جاتی ہو اور انکے واقعات سے تاریخ کے صفحے مزین ہیں۔ حجاج ابن یوسف (جس کا ظلم حاتم کی سخاوت سے زیادہ مشہور ہے) جو ولید ابن عبدالملک اموی کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ اسکے دربار میں ہزار خوان نفیس کھانوں کے اہل مجلس کے سامنے چنے جاتے تھے۔ حالانکہ یہ صرف ایک صوبے کا حاکم تھا۔ امیر معاویہ کے حالات میں کھانا ہے کہ کھانے کے وقت دربان و حاجب کا عمل دخل اُٹھ جاتا تھا اور صلے عام ہوتا تھا۔ اور آج بھی غازی سلطان عبدالحمید اول و نظیر الدین شاہ ہنشاہ ایران خدا اللہ ملکہم کا دسترخوان عہد قدیم کی فیاضیوں کا صلی نمونہ ہے۔ اور چھوٹے پیمانے پر مسلمان حکمرانوں میں بکثرت نظر آمو جو وہیں۔

ملک و مال اور عمر میں ترقی ہوتی ہے۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ فرعونؑ بادشاہ مصر کے باور چھپانے میں روزانہ چار ہزار بکریاں اور چار سو بیل اور دو سو اونٹ فوج ہوتے تھے۔ اسکے علاوہ طرح طرح کے حلوے اور غذائیں کی تھیں اور تمام اہل مصر اور فوج والے شریکِ ترخان ہوتے تھے۔ اور جب تک اس کی سلطنت یہی طریقہ جاری رہا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں مورخوں نے لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دُعا پر وعدہ فرمایا تھا کہ ”میں فرعون کو دریا سے نیل میں غرق کر کے اُسکی سلطنت کا ٹکڑا مالک بنا دوں گا“ چنانچہ جب اس وعدے کو کئی برس گزر گئے اور فرعون کی فرعونیت میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ تب حضرت موسیٰ نے چالیس دن رونے لکھے اور طور سینا پر جا کر مناجات کی اور عرض کیا کہ خداوند عالم تیرا وعدہ کب پورا ہوگا؟

اس جس طرح فی زمانہ شاہانِ مصر کا لقب خدیو ہے ویسے ہی زمانہ قدیم میں اُن کا لقب فرعون تھا۔ جسکے معنی لشکر اور سرکش کے ہیں۔ فرعونؑ کے بعد دیگرے دس ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل کو انھوں نے سخت تکلیف دی اور مصر میں دو سو سو برس قید رکھا (یہ زمانہ حضرت یعقوبؑ کی آمد سے خرچ حضرت موسیٰ تک ہے) فرعون کا سلسلہ نسب علی بن عروج بن مادرِ ختم ہوتا ہے۔ کلام مجید میں فرعون اور حضرت موسیٰ کا جہد و واقعہ یہ ہے کہ صرف ایک ہی فرعون سے متعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ برا حصہ ولید بن مصعب کے متعلق ہے اور بکراجر میں ہی فرعون غرق ہوا اور اُن کا جنازہ جلد لیا۔
 ۱۱ موسیٰ بن عمران بن قاہت بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام خدا کے ان جلیل الشانِ سولوں میں سے ہیں کہ جن پر تورات مقدس نازل ہوئی۔ (والدہ کا نام یوکید، یوحنا نند، اباحتہ، یا یوخابث تھا) عمران کے آپ دوسرے بیٹے تھے جو ارون کے بعد انہی برس میں پیدا ہوئے تھے۔ اور حضرت موسیٰ کو انہی برس کی عمر میں

عجیب سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! تم فرعون کو جلد ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ لیکن اُسکے دم سے میرے ہزار ہا بندے پرورش پاتے ہیں۔ قسم ہی مجھے اپنے عزت و جلال کی جب تک اُسکا دسترخوان وسیع رہیگا، یا درکھو! کہ میں اُسکو ہلاک نہ کروں گا۔ اور جب اس میں کمی دیکھو تو سمجھ لینا کہ اُس کی موت قریب ہی۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ نے فرعون کے مقابلے کی طیاریاں شروع کیں، اور یہ خبر فرعون کو پہنچی تو اُسنے ہانسنے کہا کہ ”موسیٰ بنی اسرائیل کو میرے

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۵۔ نبوت محمدت ہوئی تھی اور چالیس برس بنی اسرائیل کو ہدایت و تلقین بذکرہ کئے اکیسویں برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اسوقت مصر کے تخت پر ذاعنہ میں سے ولید بن مصعب حکمران تھا۔ جو مصر کا اخیر فرعون تھا اور ایران میں اسوقت منوچہر کی حکومت تھی حضرت موسیٰ کی شادی شعیث کی بیٹی صفورا سے ہوئی تھی۔ قارون بن صافرن بن قاش بن لاوی آپ کا چچا زاد بھائی تھا جو اسوقت کے دولتمندوں میں سے بڑھ کر تھا اور سامری حکمران موسیٰ بن خلف تھا۔ یہ بھی اسی زمانے میں تھا۔ تفسیر و تاریخ کی کتابوں میں ان کے حالات مفصل تحریر ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام طویل القامت تھے۔ اور بال گھونگر ولے مزاج میں خصہ بہت تھا اور زبان میں لگنت تھی۔ از معارف ابن قتیبہ و ناسخ التواریخ جلد اول ابن خلدون خیمہ سار بنی اسرائیل ۱۵ ولید بن مصعب کا نام مورخ جو جس طرح یہ فرعون دعویٰ الوہیت میں سرشار و سیاہی یہ زیر کفر و زندہ میں مبتلا تھا۔ حضرت موسیٰ کے وعظ سے فرعون ایمان لائے پر راضی نہ ہو گیا تھا۔ مگر ہانسنے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج تک تو خدا کی کرات تھا اور لوگ تیرے سامنے سجدہ کرتے تھے اور اب تو موسیٰ کے کہنے سے فرضی خدا کی عبادت کر گیا۔ اور خدا کی کر کے بندوں میں شامل ہو گا۔ اور اسی طرح سے موسیٰ کے ہر مہجر نے کی تردید کرتا تھا۔ بجز احمس فرعون کے غرق ہونے کا سبب بھی یہی ہانسا تھا۔

سیاہ خضاب کا موجب بھی یہی ہانسا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو خدا پر ایمان لائے تو میرا شاہ لٹائیگا۔ جب ہانسا نے سنا تو کہایہ تو میں کر سکتا ہوں اور خضاب لگا کر سفید لبوں کو سیاہ کر دیا۔ چنانچہ سیاہ خضاب لگانے والے فرعون کی سنت ادا کرتے ہیں۔ اور انصاف ہے یہی فضول کیونکہ

خضاب پردہ پیری نمی شود و صائب بہر مکر و حیثہ خندان ما بہار تو اس کرد

مقابلہ کے لیے جمع کر رہے تھے۔ انجام کی خبر نہیں ہو کہ کیا ہو۔ اس لیے خزانے کو معذور رکھنا چاہیے تاکہ کسی وقت ہماری قوت کم نہ ہو۔ اور اس کی تدبیر یہی ہو کہ باوجود چھپانے کا خرچ نصف کر دیا جائے چنانچہ اس خرچ میں کمی ہوتی گئی حضرت موسیٰ اس خبر کو سنکر نہایت خوش ہوئے اور خدا کا وعدہ یاد کیا چنانچہ جن وز فرعون دریاے نیل میں غرق ہوا ہو اس دن اُسکے باوجود چھپنے میں صرف دو بھڑیں بچ ہوئی تھیں۔ اور اسی مہماں نوازی کے سبب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خداوند تعالیٰ نے تعریف کی ہو۔

حاکم طائی کا نام دنیا میں صرف اسی صفت سے زنہ ہوئی تعالیٰ سب کو اسی صفت سے بہرہ یاب کرے۔ آمین وَلِلّٰهِ دَرَجَاتُ خَال۔

جو افریدی از کار رہا بہتر ست	جو افریدی از غوے پیغمبر ست
دو گیتی بود ہر جو افسردہ تر ست	جو افرید با شش دو گیتی تر ست

لے تاریخ اسلام میں چند نامور حاکم گزرے ہیں، مگر سب میں ممتاز اور ضرب المثل حاکم طائی ہی۔ اور حاکم کو صرف فیاضی، مروت اور خلقی نے عوام و خواص میں روشناس کر دیا۔ حالانکہ وہ آیام جاہلیت کا نامور شاعر بھی ہو۔ یہ نامور عرب کے مشہور قیسیدے میں پیدا ہوا۔ عبداللہ کا بیٹا اور سعد کا پوتا اور حجاز کا پرتو تھا۔ حاکم کی ماں عتبہ بنی فیاضی میں مشہور ہو۔ اس لیے یہ کہنا مبالغہ نہیں ہو کہ حاکم مادر زاد فیاض تھا۔ حاکم کا باپ اپنے نونال کو شیر خوار چھوڑ کر مر گیا تھا۔ اس لیے دادا نے پرورش کیا اور بڑھاپے پر دادا نے انٹوں کی لگائی سپرد کردی اور حاکم جنگل میں رہنے لگا لیکن حضرت نے پہلی ہی فیاضی میں ۲۰۴ھ۔ اونٹ عبید بن ارض، بشیر بن ابی حازم اور نابغہ دنیا بنی کو بھتیجہ برابر تقسیم کر دیئے اور اس عزم پر دادا نے مگر سے نکال دیا۔ مگر خدا نے حاکم کو مال و دولت سے بہرہ ور کر دیا۔ اور تمام عمر فیاضی کرتا رہا۔ اور اس کی فیاضی کا ہر واقعہ عجیب و غریب ہو۔ یہ زمانہ جاہلیت کے مشاہیر میں سے ہو۔ ظہور اسلام سے قبل فوت ہوا۔ ولادت اور فوت کی تاریخ کا پتہ نہیں لگا۔ حاکم کا دیوان بیروت میں

(۳۲) خدمتگارا ور شائستہ غلاموں کے حقوق

خدمتگاروں میں جو اچھا کام کرے اُسکو صلہ ملنا چاہیئے۔ اور جو قصور کرے اُسکو بائزارہ قصور سزا دی جائے تاکہ اوروں کو عمدہ کام کرنے کی رغبت پیدا ہو اور دیرستوری کہ سزا یافتہ زیادہ دیر نہ رہے۔ ایسے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

حکایت خرداویرادی ہی کہ ٹھکے دینے والے ایک مقرب خاص سے ناراض ہو گیا اور اُسکو اپنے پاس لے کر روک دیا اور حکم دیا کہ کوئی شخص اس سے نہ ملے پائے، مگر بار بار بہرطرب

بقیۃ نوٹ صفحہ ۳۰۷ مشتمل عین چمکرائے ہوئے۔ سقائے اس کی بی بی نہایت مشہور فاض عورت تھی اور جو شخص حضرت کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھی اور آنحضرت کے رد و رد میں نصیح و بدیع تقریر کی جو اس کی قوم کی رہائی کا سبب بنی حاتم کی تعریف میں جو فقرے سقائے استعمال کیئے تھے اُسکو سنا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ ”ہذا صفات المؤمنین حقاً“ شیخ سعدی نے بستان میں یہ حکایت لکھی ہے۔ اولاد ذکر میں صرف ایک بیٹا تھا جکا نام عدی تھا۔ اور جو اپنی بہن سقائے کی تحریک سے مسلمان ہوا۔ اور رواتہ احادیث میں سے ہے۔ انتخاباً زبوح الارب فی احوال العرب جلد اول صفحہ ۳۷ مطبوعہ بغداد و تذکرہ شعراء عرب۔ و در المنثور فی طبقات ربات الحد و صفحہ ۲۴ مطبوعہ مصر۔

صفحہ ۱۱۷ فصل ۳۴ خسرو پرویز کا نامور معنی ہے۔ داد آفرید۔ پیگاراگر دش خسروانی وغیرہ کہانیوں کا موجود ہے۔ جہم (فارسی) کا باشندہ تھا خسرو کا امیر معنی جکا نام ”سرکش“ تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ باربد دربار میں داخل ہو۔ لیکن ایک باغبان کی مدد سے جکا نام مردوی تھا اُسکو خسرو کی حضوری نصیب ہوئی۔ اور ایک ہی تزلزلے کے صلے میں پہلے ہی مرتبہ موتیوں سے منو بھر دیا گیا۔ دربار کا دوسرا معنی نکلیا تھا۔ نظامی

نکلیا چنگ اگر وہ خوش آواز فلکندہ ارغنون را پردہ ساز

ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۹۸ تفصیل کے لئے دیکھو شاہنامہ فردوسی حالات خسرو پرویز۔

ہر روز اُسے شراب طعام پہنچا دیا کرتا تھا۔ جب پرویز کو یہ خبر ہوئی تو باربد سے کہا کہ جو شخص میری حراست میں ہو اُس کی خبر گیری کا تجھ کو کیا حق ہے۔ باربد نے عرض کیا کہ جو احسان حضور نے اُسکے ساتھ کیا ہے اتنا تو مجھ سے نہیں ہو سکتا ہے۔ پرویز نے پوچھا وہ کیا ہے؟ باربد نے کہا کہ حضور نے اُس کی جان بخشی کر دی ہے۔ یہ سن کر خوش ہوا اور میر کو چھوڑ دیا۔

اَل سمان کا یہ دستور تھا کہ اُنکے سامنے اگر کوئی اچھی بات کہتا یا کوئی جوہر دکھاتا اور وہ کہتے کہ بہت خوب تو اُسی وقت خزانچی ایک ہزار درہم دیدیتا تھا۔

اور شاہان اکاسرہ عدل، مروت، ہمت میں تمام شاہان سلف سے فائق تھے اور ان میں بھی نو شیر و اَن عادل سب سے افضل تھا۔

(۳۳) عمال کی شرکایت کی خفیہ تحقیقات

اگر کسی گوشہ ملک سے یہ خبر پہنچے کہ وہاں کی رعایا پریشان ہے اور شبہ ہو کہ مخبر خود غرض ہے تو بادشاہ کو اپنے معتمدین میں سے کسی شخص کو نامزد کر کے اس طرف خاموشی سے بھیج دینا چاہیئے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ وہ کس کام کے لیے جاتا ہے۔ اور وہ ایک مہینے تک اُن طرف میں پھر کر شہرادر گاؤں کی آبادی اور ویرانی کی حالت دیکھے اور عامل کے متعلق جو خبریں سُنی دیں اُس کی جانچ کرے۔ کیونکہ عمال کا یہ بھی دستور ہے کہ ایسے موقع پر وہ کہا کرتے ہیں کہ مجھ سے لوگ رنج و عداوت رکھتے ہیں۔ لہذا اُن کی باتیں قابلِ سماعت نہیں۔ اگر ان کے

اقوال پر توجہ کیا لیگی تو وہ اور سرکش ہو جائینگے،، ایسے خود غرضوں کی باتوں میں آجائیسے رعایا تباہ و برباد ہو جاتی ہے

(۳۴) امور سلطنت میں بادشاہ کو جلدی نہ کرنا چاہیے

بادشاہ تک جب کوئی خبر پہنچے یا کوئی معرکہ پیش آئے تو اس میں عجلت سے کام نہ لیا جائے بلکہ آہستگی سے جانچ کر ناچاہیے تاکہ جھوٹ اور سچ کی تصدیق ہو جائے۔

جب دو فریق حاضر ہوں اور اپنی رو داد بیان کریں اس وقت کسی طرح فریقین پر یہ نظا ہر نہ ہونے پائے کہ بادشاہ کا میدان کس جانب ہے۔ کیونکہ در صورت اظہار جو فریق سچائی پر ہو وہ ڈر جائیگا اور عرض مدعا سے قاصر رہیگا مگر جھوٹے کا حوصلہ بڑھ جائیگا۔ چنانچہ یہی قرآن مجید میں ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا ۚ بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ اَلْهَيْكَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالتَّائِيَةُ مِنَ الرَّحْمَنِ۔ بزرگ چہرہ کہتا ہے کہ کسی کام میں جلدی کرنا ہلکے پن کی دلیل ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ پشیمان و غمناک ہوا کرتے ہیں اور اپنی حرکتوں پر خود ہی نادم ہو کر بار بار استغفار کرتے ہیں۔

(۳۶) امیر عرس چو بدار کی خدمات

ہر دور سلطنت میں امیر عرس کا عہدہ نہایت مقتدر شمار کیا گیا ہے۔ اور حاجب کے بعد اس عہدہ دار کا مرتبہ ہے، کیونکہ امور سیاسی سے اسے زیادہ تعلق ہے۔ جب بادشاہ کسی غصہ

ہوتا ہی تو وہ اس عہدہ دار کو حکم دیتا ہی کہ فلاں شخص کو قتل کر، ہات پاؤں کاٹ ڈال، پھانسی دے، بید لگا، جیل خانے میں لیجا، یا کنوئین میں قید کر، ان سب سے سب لوگ امیرِ حرس سے ڈرتے ہیں اور جان کے خوف سے مل و دولت اس پر نثار کرتے ہیں۔

امیرِ حرس ہمیشہ صاحبِ نقارہ و نشان رہتا ہی۔ اور اس کی سیاست کا لوگوں پر بادشاہ سے زیادہ خوف ہوتا ہی اور یہ عزت اس کے عہدے کے لیے ضرور ہی۔

چو بدار [بارگاہِ سلطانی میں کم از کم پچاس چو بدار ہر وقت حاضر رہنا چاہیے جنہیں سے تیس کے عصافرقی ہوں اور مہل کے طلائی اور دس بہت ہی شاندار ہوں۔

۳۶) خطابِ القاب

بادشاہوں نے ہمیشہ کثرت سے القاب کے دینے میں بخل کیا ہی۔ کیونکہ جو چیز بافراط ہوتی ہو اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہی ہر شخص کے درجے و مرتبے کا خیال رکھنا اور اس کو اسی حیثیت کا خطاب دینا معمولی بات نہیں ہی بلکہ یہ ناموس سلطنت میں داخل ہی۔ کیونکہ اگر گنوار اور شہر کی ایک ہی لقب سے یاد کریں یا جاہل اور عالم دونوں ایک ہی خطاب سے پکارے جائیں تو پھر ان کے درجے میں کیا فرق ہوگا۔ اس لیے بادشاہ کے لیے جائز نہیں ہی کہ عطاے خطاب میں فرق استیاز باقی نہ رکھے۔ پہلے زمانے میں امراء اور ترکوں کا لقب حسام الدین سیف الدین وغیرہ ہوا کرتا تھا۔ اور ارکانِ سلطنت کا عمید الدولہ، ظہیر الملک، قوام الملک وغیرہ۔ لیکن ہمارے

زمانے میں یہ فرق اُٹھ گیا۔ اور ایک دوسرے کے لقب باہم خلط ملط ہو گئے ہیں۔ ذیل کے واقعہ سے معلوم ہو جائیگا کہ القاب و خطاب کیسی عزت کی چیز ہے۔

دار السلطنت غزنویں میں جب سلطان محمود تخت نشین ہوا تو امیر المؤمنین القادر علیہ السلام،

عباسی سے عطا کئے خطاب کی استدعا کی۔ چنانچہ دربار خلافت سے عین الدولہ کا خطاب

مرحمت ہوا۔ لیکن جب سلطان نے ولایت تیروز، خراسان، ہندوستان (سومناٹ)

تک مع تمام عراق کے فتح کر لیا۔ اُس وقت دربار کو ایک سفارت مع گراں بہا تحائف کے

روانہ کی۔ اور خلیفہ سے خواہش ظاہر کی کہ عین الدولہ کے لقب پر کچھ اور اضافہ کیا جائے

مگر درخواست نامنظور ہوئی۔ حتیٰ کہ سلطان نے دس مرتبہ اپنا قاصد بھیجا مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی

اور سلطان محمود کی بیستابی کا یہ سبب تھا کہ خاقان سمرقند کو خلیفہ نے تین لقب دیئے تھے

یعنی تھمیر الدولہ، معین خلیفۃ اللہ، مملک الشرف والصین اور سلطان کو صرف

عین الدولہ کا تمغہ دیا گیا تھا۔ اسلئے سلطان نے پھر خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ خاقان کو (جس کو

میں نے تخت پر بٹھایا ہے) حصوے سے تین لقب عطا ہوئے ہیں اور مجھ کو صرف ایک حالانکہ میں نے

بڑا کفر توڑا ہے بلحاظ خدمات بحاطہ فرمایا جائے۔ خلیفہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ لقب حقیقت میں

ایک خلعت ہی جس سے مرد کی عزت و عظمت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن چونکہ تم خود ہی شریف اور مغرور ہو

۱۱۵۱ القادر باللہ ابو العباس احمد بن اسحاق بن مقدر ۳۸۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنی حکمت علی سے اُمراء آل بویک

زور توڑا اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر دولت عباسیہ کو زندہ کر دیا۔ بہاؤ الدولہ بن عضد لڑکی بیٹی سے اس خلیفہ

نے نوجوان ایک لڑکھ دینا عقید کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دربار خلافت سے محمود کو سلطان اور عین الدولہ کا خطاب و خلعت

مرحمت ہوا۔ ۳۸۱ھ میں یہ خلیفہ فوت ہوا۔ طبقات ناصری و الفخری۔

لہذا تمہارے واسطے ایک لقب کافی ہے۔ رہا خان سمرقند کا مقابلہ۔ تو وہ ایک ٹانہ دان ترک ہے
 ایسے سینے اس کی درخواست کو منظور کر لیا ہے۔ اور تمہاری جو عزت میرے دل میں ہے اس کا
 اندازہ میں خود ہی کر سکتا ہوں۔ لیکن سلطان کی اس جواب سے تشفی نہ ہوئی بلکہ سخت صدمہ ہوا
 اور محل میں اگر ایک ترکی خواص سے جو اکثر اپنی خوش بیانی سے سلطان کو خوش رکھا کرتی تھی
 شکایت کیا کہ ”میں نے اس امر میں کہ خلیفہ میرے لقب پر کچھ اضافہ کرے بہت کوشش کی مگر کامیابی
 نہ ہوئی اور خاقان سمرقند جو دراصل میری رعیت ہے۔ وہ کئی لقبے ممتاز ہے۔ ایسے چاہتا ہوں
 کہ خاقان کے گھر سے وہ تمام سندیں جو امیر المومنین نے وقت عطاے لقب مرحمت فرمائی
 ہیں۔ کوئی چڑالاسے۔ اسکا صلہ میں خاطر خواہ دوں گا۔“ چنانچہ اس خواص نے اقرار کیا کہ میں
 اس کام کو پورا کر دوں گی۔ سلطان نے خوش ہو کر سامان سفر درست کر دیا اور یہ خواص روانہ ہو گئی
 اور واپسی کے بعد سلطان سے اپنا سفر نامہ اس طرح سے بیان کرنا شروع کیا کہ میں حصوے سے
 رخصت ہو کر غزنویں سے کاشغر گئی اور وہاں سے چین و خطاکے ریشمی کپڑے وغیرہ خرید کر
 مع چند کینز اور ترکی غلاموں کے ایک قافلے کے ہمراہ سمرقند روانہ ہوئی۔ اور منزل مقصود پہنچ کر
 تین روز کے بعد خاتون (بیگم) خاقان سمرقند کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوئی اور
 حضور پہنچ کر ایک خوبصورت کینز پیش کی اور بولی کہ میں ایک سوداگر کی بی بی ہوں وہ مجھ کو
 اپنے ساتھ سفر میں رکھتا تھا۔ شہر خطا جانیکا قصد تھا۔ مگر حق پہنچ کر اسے عالم آخرت کا سفر اختیار کیا
 تب میں حق سے کاشغر چلی گئی خان موصوف کو میں نے مذد می اور عرض کیا کہ میرا شوہر خاقان
 کا غلام تھا۔ اور میں اس کی کینز چنانچہ یہ لڑکا اس مرحوم کا یادگار ہے اور جب قدر سرمایہ باقی ہے وہ بھی

خاقان کا عطیہ ہو۔ ذرہ نوازی ہوگی اگر چند نیک آدمیوں کے ہمراہ مجھ بیوہ اور اس یتیم بچے کو حضور یوزکند اور سمرقند تک پہنچا دیں میں تمام عمر آپ کی دعا گو رہوں گی۔ چنانچہ خان کا شغریٰ نے ایک رہبر ساتھ کر دیا۔ اور حاکم یوزکند کو حکم دیا کہ وہ مجھے اچھی طرح سے سمرقند پہنچا دے چنانچہ حضور کے صدفے میں خدا خدا کر کے ہینا تک پہنچ گئی ہوں۔ اب میری یہ آرزو ہے کہ سرکار مجھے شفقت کا ہات رکھیں اور اپنی لونڈی سمجھ کر حضور میں پڑا رہنے دیں۔ اور میرے شوہر کی بھی یہی آرزو تھی کہ سمرقند پہنچ کر تمام عمر یہاں سے قدم نہ کٹاؤں گا۔ اور میرے پاس جو سہرا ہے اسکو بیچ کر کوئی جائیداد خرید لوں گی جو میرے اور اس یتیم بچے کے واسطے کافی ہوگی۔“ خاقان نے کہا کہ ”بی بی اطمینان سے رہو جو کچھ مجھ سے ہو سیکے گا تمھارے لیے اٹھانہ رکھوں گی۔ مکان اور کھانے کپڑے کا صرفہ میرے ذمے ہے۔ تم شوق سے میرے پاس رہا کرو۔ اور میں خاقان سے بھی تمھاری سفارش کروں گی۔“ چنانچہ پہلے دن بیگم سے بات چیت کر کے چلی آئی اور دوسرے دن پھر حاضر خدمت ہوئی۔ بیگم کے درزیے سے خاقان کا بھی سلام میسر ہوا۔ سینے اول ایک ترکی غلام اور ایک خوبصورت گھوڑا نذر کیا۔ اسکے بعد اپنا مختصر حال خاقان سے کہا۔ پھر آہستہ آہستہ تحفے تحائف اور لطائف ظرائف سے سینے دونوں کو اپنا کر لیا۔ اور خاقان سے باوجود اسکے اصرار و تاکید کے کچھ نہیں لیا جب چھ مہینے گزر گئے تو ایک دن سینے خاقان اور اُس کی بیگم کے سامنے بعد تمہید دعا و ثنا کے عرض کیا کہ ایک حاجت رکھتی ہوں اگر قبول ہو تو عرض کروں۔ دونوں نے کہا ”تو ہماری عین خوشی ہے۔“ سینے نے کہا کہ میری بڑی پونجی صرف میرا ایک بیٹا ہے۔ سینے اسکو علم القرآن اور علم ادب کی تعلیم دی ہے۔ باقیال خداوند یقین ہے کہ وہ صالح ہوگا۔

اور یہ سلمات میں سے ہے کہ خدا اور رسول کے احکام کے بعد امیر المؤمنین کے فرمان کا جبر
ہی اور دربار خلافت کا کاتب نہایت نامور ادیب ہی اگر مرضی مبارک ہو تو دو تین روز کے
واسطے وہ فرامیں مرحمت ہوں تاکہ کسی ادیب سے حضور کا غلام اسکو پڑھ لے، میری استدعا
شکر دونوں نے کہا کہ یہ تو محض معمولی بات ہے۔ تمکو کوئی شہر اور جاگیر طلب کرنا چاہئیے تھا۔ اور
فرامیں تو مابعدِ ولت کے یہاں پچاس ہونگے چاہو تو سب لیلو مینے کہا نہیں صرف ایک گانی
ہی چنانچہ حسبِ احکام خزانے سے وہ دستاویز برآمد ہو کر میرے حوالے کر دی گئی جب میں
حصولِ مدعا میں کامیاب ہوئی تو تینے سفر کا سامان کیا اور انٹوں پر اسباب لا کر اہل محلہ کو
ظاہر کیا کہ ایک ہفتہ کے واسطے پرگنہ میں دیہات خریدنے جاتی ہوں۔ چنانچہ کڑی منتر لیس
کرٹی ہوئی ایک ہفتہ میں غرتیں پہنچی اور اب سلطان کی خدمت میں وہ فرمان پیش کرتی ہوں
سلطان محمود نے اس فرمان کو ایک عالم کے ہات خلیفہ قادر باللہ کے حضور میں بھیج دیا۔
اور عریضے میں لکھا کہ میرا ایک نوکر عمر قند گیا تھا وہاں کے کسی مکتب میں ایک لڑکا پڑھ رہا تھا
اُسے لڑکے سے چھین کر میرے سامنے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ نامہ و فرمان ایلے شخص کے
پاس بھیجنا چاہیے جو اسکو عزیز سمجھے اور اپنے سر کا تاج بنائے۔“

خلیفہ قادر باللہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُسے خاقان کو نہایت غصے سے لکھا اور سلطان
محمود کا سفر چھ مہینے تک بغداد میں پڑا رہا۔ اسکو اور کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ تب سفر نے جو کہ
خود بھی بڑا عالم تھا قاضی القضاۃ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک مسلمان بادشاہ جسے محض دین کے
واسطے کفار پر جہاد کیا ہوا اور جسے دارالکفر کو دارالاسلام بنایا ہو۔ اور وہ خلیفہ سے ملنا چاہے

اگر سامان جنہوں نے عرصے تک سلطنت کی ہو۔ ان میں سے ہر ایک کا صرف ایک لقب تھا مثلاً امیر فرج کا شہنشاہ اور اُسکے باپ کا امیر سدید اور اُسکے دادا کا امیر حمید اور سہیل بن احمد کا امیر عادل۔

قصۃ اور ائمہ کے لقب اس طرح ہوا کرتے تھے۔ جیسے مُحَمَّدُ الدِّین، شَرَفُ الْإِسْلَامِ، سَيِّدُ الْمُنْتَهَا، زَيْنُ الْمَشْرِقِ، فَخْرُ الْعُلَمَاءِ وغیرہ چونکہ شریعت کا تعلق خاص علماء سے ہی لہذا ان کو ایسے لقب دیے جاتے تھے۔ اور اگر کوئی جاہل خود ہی صاحب لقب بن جائے تو اُسکو سلطنت کی طرف سے سزا دی جائے۔ سپہ سالاران فرج اور عمال کو دولہ کا خطاب دیا جاتا ہے۔ مثلاً سَیِّدُ الدَّوْلَةِ، حَامِ الدَّوْلَةِ، ظَیْرُ الدَّوْلَةِ اور وزیروں کو شرف الملک، عمید الملک، نظام الملک، کمال الملک وغیرہ۔

سلطان الپ ارسلان کے عہد حکومت تک خطابات باقاعدہ تقسیم ہوا کرتے تھے لیکن اس عہد کے بعد پھر مہتمبازا اٹھ گیا۔ اور خطاب گڈاڈ ہو گئے۔ اور اسی کثرت کی وجہ سے کوئی خطاب کا طالب نہیں رہا۔ حکمرانان عساق (قونین) کا لقب عضد دولہ اور رکن الدولہ تھا۔ اور انکے وزیر ہستاد و جلیل اور ہستاد و خلیل کے لقب سے سرفراز تھے۔

طبقہ وزرا میں سب سے زیادہ فاضل اور بزرگ صاحب بن عباد تھا۔ اس کا لقب صاحب کافہ الکفاۃ تھا سلطان محمود کے وزیر کا لقب شمس الکفاۃ تھا۔

بادشاہوں کے القاب میں دنیا اور دین کا لقب زمانہ سابق میں نہ تھا۔ لیکن سب سے پہلے خلیفہ الْمُتَّقِیُّنِ بِاَمْرِ اللّٰهِ نے سلطان ملک شاہ کو مُعِزُّ الدِّیْنِ وَالْدِّیْنِ کا لقب عطا فرمایا لیکن سلطان

سلطان المُتَّقِیُّنِ بِاَمْرِ اللّٰهِ اَبُو الْقَاسِمِ عَبْدِ اللّٰهِ رَحِمَہُ اللّٰہُ ۴۶۶ھ میں اپنے باپ القادر باہر اللہ کے انتقال پر تخت نشین ہوا۔ اس خلیفہ کے

کے انتقال کے بعد یہ لقب موروثی متعہ ہو گیا۔ کیونکہ سلطان ہر کیا رقبہ رکھنے والا نہیں اور محض حیات الدنیا والدین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس ناصر الدنیا والدین اور محی الدنیا والدین بھی القاب تھے۔ اور بیگمات کو بھی لقب الدنیا والدین دیا جاتا تھا۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ یہ القاب خطاب بادشاہوں کو سزاوار ہیں کیونکہ دین و دنیا کی مصححت انہیں کی ذات سے وابستہ ہیں۔ مجھے نہایت تعجب ہوتا ہے جب میں ایک معمولی غلام کا لقب مبین الدین و تاج الدین سنتا ہوں۔ حالانکہ مذہب کو ان حضرات سے نہایت نقصان پہنچتے ہیں اور اسے زیادہ بد مذہب کوئی دوسرا نہیں ہے۔

جہاں اس بیان کا یہ ہے کہ صرف چار گروہوں کو لقب دین و اسلام کے سزاوار ہیں۔

(۱) بادشاہ - (۲) وزیر - (۳) عالم - (۴) امیر اور امیر محلی عام طور سے نہیں بلکہ جو جہادی لڑائیوں میں مشغول رہتا ہو۔ اور ان کے علاوہ جو کوئی دین و اسلام اپنے لقب میں اضافہ کرے اسکو سزا دیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور عطا خطاب سے صرف یہی غرض ہے کہ وہ شخص عوام سے ممتاز سمجھا جائے مثلاً ایک مجلس میں ٹیٹس آرمیوں کا نام محمد علی اب اگر ہم ان میں سے صرف ایک کو پکاریں تو سب کے سب پکارا ٹھیکے کہ لکٹیٹ گویا خطاب ایک ہوگا مگر ہر شخص سمجھ گیا کہ مجھ کو بلا تے ہیں۔ اور جب ان میں سے ایک کا موافق۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۷ - وقت میں دولت بنی بویہ کا تو خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر آل سلجوق اب بجائے ان کے حکومت کرتے تھے خلفاء عباسیہ میں مقتدی بنی ایک عالی ہمت اور دانشمند شخص تھا۔ مذہبی احکام کی اشاعت پر خاص توجہ دیتی تھی۔ ۱۱۹۴ء میں پکارا ایک انتقال کیا۔ سلطان ملک شاہ اور مقتدی کے تعلقات کو ہم نے کسی قدر حصہ اول کے صفحہ ۱۷۵ء ۱۷۶ء ۱۷۷ء میں لکھا ہے۔ لہذا اس موقع پر تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرے کا کامل تیسرے کا سیدہ چوتھے کا رشتہ بعت ہوگا تو ادا دینے پر صرف وہی ایک شخص ہو لے گا۔ اور بعت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے ہر ایک بے و مرتبے میں بلحاظ خرد و بزرگ تیسرے ہوتی ہے۔ شاہان بیدار و عادل کو چاہیے کہ ان میں قدیم پر بھی نظر ڈالتے رہیں در کوئی کام بغیر غرض و فکر نہ کریں۔

اسلامی جٹکیت پانچویں صدی ہجری میں خواجہ نظام الملک نے اپنی سلطنت سے کی ہو کہ نہ وہی شکایت آج بھی موجود ہے کیونکہ شاہی تقریبات پر جب خطاب پتوالوں کی فہرست تھیتی ہی تو اس میں عجیب قسم کا ذوق نظر آتا ہے۔ اور کوئی خاص اصول خطاب ملنے کا سمجھ میں نہیں آتا ہے کیونکہ عام نگاہوں میں جو شخص ہمہ وجہ خطاب کا مستحق ہوتا ہے وہ گورنمنٹ کی عزت افزائی سے محروم رہ جاتا ہے اور ایسے شخص کو خطاب ملنا ہو جس کی نسبت ہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ سلطنت نے عطاے خطاب کیوں اسطے کسی خاص سفارش پر کیا یا فرمایا ہو جسکی عوام کو خبر نہ ہو۔ دوسری غلطی یہ ہوئی ہے کہ جو جس خطاب کا مستحق ہو اسکو وہ خطاب نہیں ملتا ہے بلکہ دوسرے خطاب یا جاتا ہے جسکو ملنے والا بھی پسند نہیں کرتا ہے۔ مثلاً علما کو بجائے شمس العلماء کے خان بہادر کا خطاب ملتا ہے اور جو خان بہادری کے مستحق ہیں شمس العلماء ہوجاتے ہیں۔ تمام ہندوستان اور عموماً ہر طبقے میں اسوقت ایسے بالکمال اور خیر خواہ سلطنت موجود ہیں جو قدر دانی کے مستحق ہیں مگر وہ حکام ماتحت کے غلط انتخاب کی وجہ سے ہمیشہ محروم رہ جاتے ہیں۔

ایسی ہی شکایت ہم کو اپنے علمائے بھی ہے کہ وہ خود اپنے لیے چوڑے القاب تجویز کر لیتے ہیں اور بجائے مختصر ناموں کے نہیں طولانی عبارتیں نظر آتی ہیں۔ اور ملنے زیادہ گنے کے حال پر انھوں ہوتا ہے جسکے ناموں کے قبل عطا اور اہل فضل وغیرہ لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ القاب نہ سلطنت کی طرف سے عطا ہوئے ہیں نہ ملک کی طرف سے دیئے گئے ہیں بلکہ خود انھیں کے دماغ اور تسلیم کا نتیجہ ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں بھی عطاے القاب میں نہایت ہی سخیل سے کام لیا ہے۔ ہمارے زمانے کے فاضل علما، اور اہل فضل، بولعی سیاست سے بڑھ کر نہیں ہیں جسکو باوجود اس فضل و کمال کے صرف ایک مختصر خطاب دیا گیا تھا۔ یعنی ”رشیخ“ مگر انصاف یہ ہے کہ جو عظمت و جلال ”رشیخ“ کے لفظ سے ہو رہا ہے وہ مطلقاً و مبینہاً کا رتنوں میں بھی ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی ہے۔

(۷۷) ہر کسی اہرکاری ساختہ

لِكُلِّ عَمَلٍ رِجَالٌ

شاہان بیدار اور وزرائے تجربہ کار نے کسی زمانے میں یہ نہیں کیا ہے کہ ایک شخص کو خدمتیں سپرد کی ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں دو کاموں میں سے حسن و خوبی کے ساتھ صرف ایک ہی ہوگا اور ایک یا تو کُلیتہً خراب ہو جائیگا یا اُس میں کوتاہی ہوگی۔ غرض کہ با اصول نہ یہ ہوگا اور نہ وہ۔ اور جب تم خود غور سے دیکھو گے تو اس قسم کے عہدے دار کو ہمیشہ حجاب میں پناہ دیا جائے گا اور خرابی کام پر تم اُسکا یہ بھی عذر سنو گے کہ میں کیا کیا کروں؟ اور اس کی ٹھیک مثال یہ ہے کہ جس گھر میں دو بی بیاں ہوتی ہیں وہاں اچھی طرح جھاڑو نہیں دیا جاتی ہے۔

(خانہ بدوکہ بانو نارفتہ بود) سلطان کی غفلت اور وزیر کی ناقابلیت کی ایک یہ بھی پہچان ہے کہ دفترو وزارت سے ایک عامل کو دو خدمتوں کا پروانہ دیا جائے۔ اس انتظام سے علاؤ دیکر مشکلات کے ایک وقت یہ بھی پیش آتی ہے کہ بہت سے کام ولے بیکار بیٹھے رہتے ہیں۔

زمانہ سابق میں ایک خاص اہتمام یہ بھی تھا کہ جو لوگ شریف خاندان، پارسا، اور مذہبیت راسخ الاعتقاد ہوتے تھے انہیں کو خدمتیں دی جاتی تھیں۔ اس معاملے میں میں پھر کہوں گا کہ ملک کا سب سے بڑا دشمن ہے کہ دس آدمی بیکار پڑے رہیں اور ان کا کام تھا ایک شخص کرتا ہے سلطنت کے ایسے دشمن کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بادشاہ سے یہ کہتا ہے کہ خداوند نعمت

ملک میں ہر طرف امن و امان ہو۔ اس وقت کوئی دشمن مقابلے پر آمادہ نہیں ہو۔ شاہی فوج کی تعداد قریب لاکھ کے ہو۔ مگر میرے نزدیک صرف شہر ہزار کافی ہو۔ اگر قبضہ رسالے اور پٹنیں توڑ دی جائیں تو خزانے میں اس قدر روپیہ کی توفیر ہو جائیگی اور چند سال کے بعد خزانہ پورے طور سے معمور ہو جائیگا۔

مثال کے طور پر سمجھ لو کہ ہمارے خداوند نعمت کے قبضہ حکومت میں آج ملک خراسان، ماوراء النہر، کاشغر، بلاساغون، خوارزم، نیمروز، عراق، فارس، شام، آذربائیجان، ارمن، انطاکیہ اور بیت المقدس ہو۔ اور فوج کی تعداد صرف چار لاکھ ہو۔ اگر بجائے چار لاکھ کے سات لاکھ سوار ہوتے تو سندھ، ہند، ترکستان، چین، ہچین، حبش، بربر اور اقصائے مغرب پر ہمارا قبضہ ہوتا۔ اب ہم اگر ان میں سے بھی تین لاکھ تیس ہزار سواروں کے نام کاٹ دیں تو بتائے کہ آخر یہ لوگ کہاں جائیں گے؟ ضرور یہ کہ دوسری سلطنت میں جمع کریں گے۔ یا کسی کو اپنا افسر بنا کر سارے ملک میں تاخت و تاراج شروع کریں گے اور ان کی ذات سے اس قدر شورش پیدا ہوگی کہ بزرگوں کے جمع کیے ہوئے خزانے بھی خالی ہو جائیں گے جیسا کہ فخرالدولہ کے عہد میں ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہو کہ سلطنت کا قیام فوج سے ہو اور فوج روپیہ کے بل پر رکھی جاتی ہو۔ اب جو شخص اسکے خلاف ہو گا وہ ملک کا دشمن ہو۔

جس طرح فوج کی نگہداشت ضروری ہو اسی طرح اُن عمال کی بھی جو اپنے فرائض سے سبکدوش کر دیے گئے ہیں۔ بڑے عہدہ داروں سے جب اُن کی خدمتیں لے لی جائیں تو اُن کی خورد و پیش کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ انکے حقوق کو نظر انداز کرنا صحت ملکی اور اخلاقِ مروت کے بھی خلاف ہے۔

تیسرا گروہ علماء و فضلاء کا ہے۔ یہ بھی بیت المال سے وظیفہ پانے کے مستحق ہیں۔ میں اس وزیر کو اچھا نہیں سمجھتا ہوں جو اس گروہ کے حالات سے بادشاہ کو مطلع نہ کرتا ہے۔ کیونکہ جب ان کا وظیفہ بند ہو جائیگا تو پھر سلطنت کے خیر خواہ نہ رہیں گے اور (از باب عدالت پر علاوہ طعنہ زنی کی) ملک کے بیرونی دشمنوں سے سازش کر جائیں گے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ ”لِکُلِّ رَجُلٍ رَجُلٌ اِسْکَا“ مطلب یہ ہے کہ سلطنت میں ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ، درجے کے کام ہوتے ہیں ایسے ہر عامل اور حکمران کو بلحاظ اس کے علم و فضل اور شائستگی کے عہدہ دینا چاہیے۔ اگر کوئی عہدہ دار ایک کام کے ہوتے ہوئے دوسری خدمت کی درخواست کرے تو وہ ہرگز منظور نہ کی جائے۔

اس انتظام سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ لائق اشخاص پر سب کار ہو جاتے ہیں اور ملک کی سرسبزی میں ترقی ہو جاتی ہے۔

وزیر جو تمام عمال اور والیان ملک کا افسر اعلیٰ ہے۔ اس کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ تمشی اور خائن نہ ہو کیونکہ افسر کا اثر ماتحتوں پر پڑتا ہے جو وزیر نیک نام اور نیک سیرت ہوتے ہیں۔ وہ بادشاہ کو اپنا جیسا کر لیتے ہیں، اور جن بادشاہوں کا آج ذکر خیر کیا جاتا ہے دراصل یہی ہیں جن کے وزیر نیک تھے۔ مثلاً۔

نام بادشاہ	نام وزیر
۱ حضرت سلیمان علیہ السلام	۱ آصف بن برخیا
۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام	۲ ہرون علیہ السلام
۳ حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۳ شمعون

نام وزیر	نام بادشاہ
۴ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۵ گودرز	۵ کیخسرو
۶ سام	۶ منوچہر
۷ پیران پرویس	۷ افراسیاب
۸ جاثب	۸ گشتاسب
۹ خردوردوز	۹ بہرام گور
۱۰ بزرجمہر	۱۰ نوشیروان
۱۱ براکمہ رجبی، فضل، جعفر	۱۱ ہرون الرشید
۱۲ شمس الکفایت احمد حسن ہمدانی	۱۲ سلطان محمود
۱۳ اسمعیل عباد (مقبہ پر صاحب)	۱۳ فخرالدولہ دہلی
۱۴ ابولفضل گندری	۱۴ سلطان طغرل سلجوقی

یہ چند نام میں بطور مثال لکھ دیے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی طولانی فہرست طیار ہو سکتی ہے۔

۱۵ وزراء اسلام و غیرہ کی یہ ایک مختصر فہرست ہے۔ اگر ملک کے نامور مصنفان میں سے ایک ایک ذریعہ کی سوانح عمری لکھنا شروع کریں تو نہایت بڑی قیت تاریخی ذخیرہ جمع ہو جائے خواجہ نظام الملک بھی اسی فہرست میں داخل ہو اور براکمہ کی مکمل سوانح عمری اسکے قبل شائع ہو چکی ہے۔

اس فہرست میں جو بحث خواجہ نظام الملک نے کی ہے وہ زمانہ حال میں بھی مباحثہ طلب ہے اور ہندوستان کی مشہور و معروف انجمن نیشنل کانگریس کا بھی یہی دعویٰ ہو کہ جو حکام دو قسم کے اختیار رکھتے ہیں ان کا جداگانہ بندوبست کیا جائے۔

وزیر کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مذہب کا پکا، عقائد کا مستحکم، اور بادشاہ کا جان نثار ہو، اور اگر وزیر خاندان وزارت سے ہو تو سبحان اللہ!

چنانچہ ارد شیر بابکان کے زمانہ سے یہ درجہ داخل شہنشاہ عجم تک یہی سلسلہ جاری رہا جس طرح بادشاہ ابن بادشاہ ہوتا تھا۔ اسی طرح سے وزیر ابن وزیر ہوا کرتا تھا۔ لیکن وال سلطنت کے ساتھ ہی وزیر اعظم کے خاندان سے وزارت بھی جاتی رہی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو کام جسکے سپرد کیا جائے وہ اُسکا اہل ہو۔ اور دو خدمتیں ایک شخص کو نہ دی جائیں بادشاہ ہمیشہ رعایا کے حالات کی تفتیش کرتا ہے اور لڑکوں کو کبھی اعلیٰ درجہ ندیو سے اور بوڑھے اور عقیل لوگوں سے صلاح اور مشورہ کرتا ہے اور عدل و سیاست کی ترازو سے

تمام کاموں کو تولتا ہے۔ (۳۸) **بیگات شاہی کے اختیارات**

بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اپنے زیر دستوں کو حاوی نہونے لے کیونکہ اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور بادشاہ کی عزت و منزلت گھٹ جاتی ہے خصوصاً بیگات کہ یہ پر دہ نشینوں کا گروہ ہے اور ان میں اعلیٰ درجے کی عقل نہیں ہوتی ہے اور یہ سپہیاں صرف موتیوں کے گون کی ہیں۔ (گوہر مل مقصود ہے) چنانچہ مشہور قول ہے کہ ہر جہ صیل تر شائستہ تر، ہر جہ مستور ستودہ تر۔ بیگات شاہی جو حکم دیتی ہیں یہ ہمیشہ وہی ہوتے ہیں جو اہل غرض انکو سمجھا دیتے ہیں۔ کیونکہ مردوں کی طرح عورتوں کو برے لعین دیکھنے کا موقع نہیں ملتا ہو بلکہ ان کی پیش خدمتیں،

کان بھرتی رہتی ہیں۔ اسلئے عورتوں کے احکام اکثر راستی کے خلاف ہوتے ہیں، جسے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

زمانہ سابق میں بھی جب عورتوں کا سلطنت پر غلبہ ہوا ہو تو ایسے شور و شر پیدا ہوئے ہیں جسکی نظیر سو داہ اور کیکاؤس کا معاملہ ہے۔

بادشاہوں کا ہمیشہ یہ اصول رہا ہے کہ وہ کبھی عورتوں کے فرمانبردار نہیں ہوئے ہیں اور کبھی انکے راز عورتوں کے کانوں تک پہنچے ہیں۔

سکندر عظیم نے جب دارا کے عجم پر فتح پائی اور دارا کو اس کے ایک منکر ام خدمتگار نے قتل کر دیا

سلہ شاہ ہاروان کی بیٹی اور کیکاؤس کی بی بی کا نام ہے۔ یہ اپنے سینے بیٹے سیاؤش پر زلیفہ بھگتی تھی۔ پورا قصہ ہنسا مزدی میں جرح ہے۔ سلہ دین کے مشہور ترین بادشاہوں میں سے ایک سکندر عظیم بھی ہے۔ یا مور اور بلند اقبال فتح صوبہ مقدونہ اور یونان کے شمالی حصے کے شہر ہلا میں ۳۵۵ برس قبل مسیح عیسا السلام پیدا ہوا۔ اسکا باپ فیلقوس مقدونہ کا بادشاہ تھا۔ اور اس کی ماں کا نام الملپیاں تھا۔ سکندر بچپن ہی سے ہونا معلوم ہوتا تھا۔ اور اسکی تعلیم و تربیت شاہانہ طریقے سے کی گئی تھی۔ سکندر کی پہلی معلمہ اسکی امیر (بے بیگم) تھی۔ اسکے بعد لیلیو (نشا) سیماؤس، اتالیق مقرر ہوئے۔ اور تکمیل ارسطو کی تعلیم سے ہوئی جس میں بڑا حصہ فلسفہ اور ریاضی کا تھا۔ سکندر کی سوانح عمری میں سے تھبہ گنیز لایم پر کئی تئیس تین سال کی عمر میں سلطنت شروع کی اور تین سال کی عمر میں فوت ہو گیا اور صرف ۱۲ بارہ سال میں دنیا کا اس قدر حصہ فتح کر لیا جو آج ایک صدی میں بھی دشوار ہے۔ سکندر کی فتوحات میں سب عظیم الشان فتح ارا کا مقابلہ ہے جس میں گیارہ لاکھ پیدل اور دس ہزار ایرانی سوار تھے اور سکندر کی کل فوج پچاس ہزار تھی مگر دارا کے عجم کو بقیہ اربلا (اردبیل) کے قبل مسیح میں شکست ہوئی۔ اس فتح سے کل مغربی ایشیا پر سکندر کا قبضہ ہو گیا۔ اسکے بعد سکندر نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا جو دریائے ڈیونب اور دریائے انڈس کے درمیان واقع ہے اور آئرن میں فتوحات کا سیلاب پیاس اور ستلج کے سنگم تک پہنچا۔ اس وقت سکندر کی عمر ۲۶ برس کی تھی۔ فتوحات سے سکندر کا غرور بڑھتا جاتا تھا۔ اور مزاج سے سپاہیانہ بن، سادگی، اعتدال، انصاف پسندی، رخصت ہوتی جاتی تھی (بقیہ صفحہ آئین)

سلہ شاہان عجم کے مسئلہ کیل میں اراؤن تاجدار ہے۔ یہ دارا کا بیٹا تھا۔ دنیا کی عظیم الشان سلطنت پر حکمرانی کرتا تھا۔ چودہ برس حکومت کر کے دنیا سے سدا رہا۔

تو مصاحبوں نے سکندر سے کہا کہ دارا کا محل پر یوں کامسکن ہو اور اُس کی بیٹی تو اُس کی خواہش ہو کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔ سکندر نے جواب دیا کہ ”میں نے اُنکے مردوں پر فتح پائی ہے ایسا نہ تو اُنکی عورتیں مجھے نکست دیں“ چنانچہ محض اسی خیال سے سکندر نے دارا کے حرم سرا کی سیر نہیں کی علیٰ ہذا القیاس نہانہ بنی اسرائیل میں یوسفؑ کو رستم اور عجم میں شیریں خسرو اور فرما کا قصہ مشہور ہے۔ بزرگچہرے لوگوں نے پوچھا کہ آل ساسان میں تجھ ایسا بدتر اور فرزانہ وزیر موجود تھا تو پھر اُن کی بربادی کا باعث کیا ہوا؟ حکیم نے جواب دیا کہ اس نوال کے دو سبب تھے ایک یہ کہ آل ساسان نے بڑے کام چھوٹوں کے سپرد کر رکھے تھے دوسرے یہ کہ اربابِ دانش کا کوئی خرید نہ تھا اور سلطنت کے کام عورتوں اور لڑکوں پر چھوڑ دیے گئے تھے۔ اور جب اُسور سلطنت اس

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۵۔ لباس پوشاک طرز معاشرت اور عیش عشرت میں سکندر ایرانیوں کا مقلد ہو گیا تھا۔ اور قومی شعائر آہستہ آہستہ ہونے لگے۔ سکندر کی سوانح عمری سے انسان کو نہایت مفید سبق حاصل ہو سکتے ہیں۔ سکندر نے یونانی تہذیب زبان کو فروغ دیا تھا ساتھ ہی دی۔ علم جغرافیہ اور خواص الاشیا کے عجیب و غریب نکات قدیم دنیا کو صرف سکندر کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔ کم از کم ستر شہر آباد کیے اور ایسے موقع پر جسکے ذریعے سے تجارت اور شائستگی میں از حد ترقی ہوئی۔

۱۔ دارا کی بیٹی کا نام روشنک تھا۔ اور حقیقت میں یہ حسن و جمال کی دیوی تھی۔ اگرچہ لڑائی کے موقع پر سکندر نے دارا کے محلہ کو نہیں دیکھا لیکن بعد میں دارا کی وصیت کے مطابق روشنک کو بی بی بنایا۔

۲۔ یوسفؑ کو رستم کا قصہ فتویٰ مولانا روم میں مفصل تحریر ہے۔ اور اردو میں قدر بلگرامی مرحوم کی ایک مثنوی اس پر موجود ہے جو چھپ گئی ہے شیریں خسرو، فرما کے حالات بھی مشہور ہیں حاشیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۔ ہمارے زمانے کے سعدی اور عمر و خیام شمس العلما و خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مدظلہ العالی نے اس مضمون کو ایک باغی میں نہایت ہی خوبی سے ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

دیکھو جس سلطنت کی حالت برہم
تجھو کہ وہاں ہو کوئی برکت کا قدم
یا کو کوئی سیگم ہو مشیر دولت
یا ہو کوئی مولوی وزیر عظم

گروہ کے سپرد ہوں تو جان لو کہ اب سلطنت اس گھر سے رخصت ہوا چاہتی ہے۔

مامون الرشید عباسی کا قول ہے کہ ”کوئی بادشاہ ایسا نہونا چاہیے جو پردہ نشینانِ حرم کو سلطنت اور فرج اور خزانے کے معاملات میں گفتگو یا دخلت کرنے کی اجازت دے۔ یا وہ کسی کی حمایت کریں یا ایک کو مقرر اور دوسرے کو بظرف کریں یا کسی کو سزا دیں۔ کیونکہ جب ایسی صورت ہوگی تو مردوں کا اس دربار میں ہجوم ہوگا۔ اس وقت اُس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہونگے۔ اور اس کا اثر سلطنت پر پڑے گا۔“

کیخسرو کا قول ہے کہ جو بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی سلطنت قائم رہے اور ملک تباہ نہ ہو، اسکو چاہیے کہ بیگمات کو سرنہ چڑھائے اور سولے اپنی لوٹدی باندیوں کے اُنکو استفادہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ کسی اور معاملے میں گفتگو کریں۔“

امیر المومنین فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ ”عورتوں کا کلام بھی مثل عورتوں کے پردے میں ہونا چاہیے یعنی جس طرح علانیہ کوئی اُنکو نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح کھلم کھلا کوئی اُن کی بات بھی نہیں سن سکتا ہے۔“ یہ چند نظائر اس مضمون میں کافی ہیں۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہے۔

اب یہ سمجھ لو کہ زبردست اور زیر دست کے کیا معنی ہیں خلاق عالم نے سب سے زبردست بادشاہ کو پیدا کیا ہے اور ساری دنیا اس کے ماتحت (زیر دست) اور وظیفہ خوار ہوتی ہے۔ لہذا اُنکے ساتھ ایسا برتاؤ رکھنا چاہیے کہ وہ ہمیشہ فرمانبردار رہیں اور حد سے زیادہ نہ بڑھنے پائیں۔ ایک دن حکیم بزرگچہلم نے نو شیروان عادل سے کہا کہ ملک و سلطنت بادشاہ کے لیے ہے۔ لیکن

سلہ بزرگچہلم، بوزرچہلم، بوزرچہلم، بزرگچہلم، نو شیروان عادل کا مشہور وزیر ہے جو عام طور پر حکیم بزرگچہلم کے

بادشاہ نے ملک فرنج کو دے رکھا ہے۔ حالانکہ یہ حق اہل ملک کا ہے۔ اگر فرنج والے رعایا پر مہربان ہوں اور صرف اپنے قبیح کی خیر منائیں اور انکو ہر قسم کی سیاست کا حکم دیدیا جائے تو پھر بادشاہ اور فرنج میں کیا فرق باقی رہیگا۔ احکام سیاست ہمیشہ بادشاہ سے متعلق ہوتے رہے ہیں۔ فرنج کو کبھی حد سے زیادہ خستیا رہ نہ دیا جائے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۷۔ نام سے مشہور ہے۔ اسکے باپ کا نام ”سوخرا“ ہے اور لقب ”بختگان“ اور اسی مناسبت سے بزرچہر کو ابن بختگان کہتے ہیں۔ سوخرا کا سلسلہ نسب طوس بن نوذر ملک پہنچا ہے۔

آثارالوزرا کی روایت ہے کہ دربار نوشیرواں میں بزرچہر کی رسانی اس تقریب سے ہوئی تھی کہ نوشیرواں نے ایکٹ میں تین مرتبہ خواب دیکھا کہ ”اسکے سامنے ایک پیالہ شراب کا بھرا ہوا رکھا ہے۔ اور ایک سو (خاک) آکر اس کو پی جاتا ہے“ یہ خواب دیکھ کر وہ بدعوا ہو گیا۔ اور موبدوں سے جو ملازم دربار تھے کوئی اس خواب کی صحیح تعبیر نہ بتا سکا۔ تب اطراف ملک سے اور معبر طلب ہوئے۔ چنانچہ سروآزاد نامی ایک موبد بزرچہر کو مرنے سے لایا۔ اور اسے نوشیرواں کو بتایا کہ حرم سرا میں خواجہ سراؤں کے لباس میں ایک مرد چھپا ہوا ہے اور کوئی بیگم اسے ناجائز تعلق رکھتی ہے“ چنانچہ تحقیقات سے قصروم کی بیٹی پر (جو نوشیرواں کی ایک بیگم تھی) یہ جرم ثابت ہوا۔

اس واقعے کے بعد نوشیرواں نے بزرچہر کو اپنا مصاحب بنالیا اور پھر آہستہ آہستہ ترقی دیکر درجہ وزارت تک پہنچایا۔ نوشیرواں کو خوش نصیبی سے جیسے ارکان سلطنت مل گئے تھے اس کی نظیر سے ساسانیوں کا اخیر دور خالی ہے۔ اس نامور اور مدبر وزیر کے مشورے سے نوشیرواں نے بہت سے ایسے کام کیے ہیں جسکے سبب سے نوشیرواں کا نام ہمیشہ زندہ رہیگا۔ چنانچہ مزدک کا قتل اور مذہب مزدکیہ کا استیصال بھی اسی وزیر کے مشورے سے ہوا تھا۔

ہندوستان کے راجہ پر تاب چند نے بزرچہر کے زمانے میں نوشیرواں کو شطرنج روانہ کی تھی جسکے جواب میں بزرچہر نے ”مزد“ ایجاد کر کے بھیج دی تھی۔ اخیر زمانے میں ایک قصور پر نوشیرواں نے بزرچہر کو کھانسی دیدی۔ اس حکیم کے اقوال کتب تواریخ اور کتب ادب میں بکثرت تحریر ہیں۔ چنانچہ علامہ بابا الدین عالمی نے اپنی کتاب کنکول اور احوال میں بہت سے اقوال نقل کیے ہیں۔

انتخاب ذکا کتاب آثارالوزرا سیف الدین۔ و ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۸۔

اگر کوئی بادشاہ چاہتا ہو کہ سلاطین سابق پر سبقت یحیٰی تو اسکو اپنے اخلاق درست کرنا چاہیے۔ اور یہ اس طرح پر ممکن ہو کہ کینہ، حسد، کبر، غضب، شہوت، حرص، بجا جت، بخل، ظلم، خود کامی، ناپاسی، اور دروغ گوئی، کو چھوڑ دے۔ اور حیا، علم، عفو، تواضع، سخاوت، راستی، صبر، شکر، عدل، انصاف، کو اپنا شعار بنائے۔ جو بادشاہ ان صفات آراستہ ہوتا ہو اسکو کبھی مشیر سلطنت کی حاجت نہیں ہوتی ہو۔

(۳۹) خزانہ

بادشاہوں کے ہمیشہ دو خزانے ہوا کرتے تھے۔ ایک خزانہ اصلی یعنی سرمایہ دوامی اور دوسرا خزانہ خرچ جس سے روزمرہ صرف ہوتا تھا۔ ملک کا خرچ اور تمام آمدنیاں سرمایہ دوامی میں جمع کی جاتی تھیں اور بغیر خاص مجبوری کے اس خزانے سے نہیں لیا جاتا تھا اور اگر لیا جاتا تھا تو قرض کے طور پر اور جب بادشاہ کو یہ خیال نہ ہوگا اسکا خزانہ ہمیشہ خالی رہیگا اور مہم کی وقت وقت اٹھانا پڑیگی۔

خزانے کے معاملے میں یہ بھی احتیاط رکھنا چاہیے کہ جو محصول وقت پر کئے دلتے ہوں انکو کسی دوسری رقم میر محسوب نہ کیا جائے ورنہ اخراجات میں دشواری پیش آئیگی چنانچہ ایک تاریخی واقعہ بیان کرتا ہوں۔

سلطان محمود نے اپنے حاجب امیر التوتناش کو ولایت خوارزم پر نامزد کیا۔ سالانہ خراج خوارزم کا ساٹھ ہزار دینار تھا اور التوتناش کا سالانہ وظیفہ ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ امیر مذکور کو جب ایک ہونگیا۔ تو سلطان کی خدمت میں عرضداشت داند کی کہ ساٹھ ہزار دینار جو خوارزم کا خراج ہے

وہ میسر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے کہنے سے یہ قیام ادا کی جائے، وزارت پر اس وقت شمس الکفاۃ احمد حسن مہندی تھا۔ اُس نے عرض کی کہ یہ جواب لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم! امیر التوٹناش کو وضع ہو کہ یہ امر کسی طرح پر بہتر نہیں ہے۔ جب قدر خراج کی ادائیگی نہ ہو تو وہ کبھی چھوڑا نہیں جاسکتا ہے۔ لہذا محصول ملکی خزانے میں داخل کر اور تھاکے وظیفے کی دہانید ملک سیستان سے کرائی جائیگی تاکہ آقا اور غلام میں فرق باقی رہے۔

مجھے میر خوارزم کی عقل پر تعجب آتا ہے کہ اس نے اسی درخواست کرنے کی کیونکر جرأت کی یا تو اُس نے محمود کو تہنط خمارت دیکھا ہے۔ یا احمد حسن کو غافل اور ناتجربہ کار سمجھ رکھا ہے۔ بہر حال اس خیال سے توبہ کرنا چاہیئے۔ غلام کا اپنے آقا سے ساجھا کرنا نہایت خطرناک ہے۔

چنانچہ احمد حسن نے ایک سپاہی کے ہاتھ یہ خط بھیج دیا اور خوارزم شاہ نے ساٹھ ہزار دینار خزانے میں داخل کیے اور عامل سیستان کو لکھا گیا کہ وہ ماژوا در پست انار اور رونی خوارزم کو بھیج دے۔

(۴۰) فیصلہ مقدمات

بادشاہ کے دربار میں ہمیشہ فریادی جمع رہا کرتے ہیں اور جب تک اُن کی داوری نہیں ہوتی ہے وہ موجود رہتے ہیں۔ کوئی مسافر یا کسی ملک کا سفیر جب یہ حالت دیکھ گیا تو وہ خیال کرے گا کہ اس ملک میں یونہی ظلم و ستم ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے ظلم کا دروازہ بند ہونا چاہیئے۔ بعد ازاں

واقعہ اور اجر لے احکام فرمادی فوراً رخصت کر دیئے جائیں۔

مشہور ہو کہ یہ بزرگ و شہنشاہ عجم نے امیر المومنین فاروق اعظم کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ ”ساری دنیا میں میرے دربار سے زیادہ شان و شوکت کسی دربار میں نہیں ہے نہ مجھ سے زیادہ کسی کے پاس لشکر و خزانہ ہو۔ اور جب قدر سا زو سامان ہی وہ بے نظیر ہے۔“
امیر المومنین نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ”تیرا یہ کہنا سچ ہے کہ دربار میں لوگوں کی کثرت ہے، مگر وہ تسمیہ فرمادی ہیں۔ تیرا خزانہ بھی آباد ہے مگر وہ حرام کا مال ہے۔ فوج کے سپاہی دلیہ ضرور ہیں، مگر نافرمان ہیں۔ یا در کچھ جب سلطنت جاتی رہیگی۔ تو کوئی سا زو سامان کام نہ آئیگا۔ جن چیزوں پر تجھے فخر ہے۔ یہ تیری بد اقبالی اور زوال کی علامتیں ہیں۔“

بادشاہ کو چاہیئے کہ خود عادل ہو اور طمع نہ کرے تب دوسروں پر اسکا اثر پڑیگا۔ جیسا کہ سلطان محمود غزنوی کا واقعہ ہے کہ ایک سوداگر نے سر دربار سلطان محمود سے شہزادہ مسعود کی شرکت کی اور کہا کہ ”میں پر ویسی سوداگر ہوں۔ اور مدت سے اس شہر میں پڑا ہوا ہوں، مگر جانا چاہتا ہوں۔“

۱۔ اس نامور سلطان کا پورا نام بصر احوال نہایت یہ ہے ”بین الدہ لنظام الدین ابو القاسم سلطان محمود غازی بن مسعود ناصر الدین سلجوقی بن جوئی قراکچم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا لغمان بن فیروز بن یزدجرد شہزادہ فارس“
یہ بہادر فاتح جمعرات کی شب کو (شب عاشورا) تاریخ نویں محرم الحرام ۵۵۴ھ (مطابق یکم اکتوبر ۱۱۵۷ء) پیدا ہوا۔ اور امیر سلجوقی کے سایہ عاطفت میں سن ۵۷۰ھ کو پہنچا۔ اور امیر مذکور کے انتقال پر چھپتیں برس کی عمر میں بمقام غزنوی ۵۹۹ھ میں تخت نشین ہوا۔ خراسان، بخارا، اور بلخ کی فتوحات کے بعد بروز یکشنبہ ماہ صفر ۶۰۴ھ (مطابق ۲۲ جنوری ۱۱۹۹ء) سلطان نے امیر الامرائی کے درجے سے (یعنی منصب سلاطین سامانیہ کی طرف سے تھا) اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اور خطبے سے عبدالملک بن فوج سامانی کا نام خارج کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور اسی سال خلیفہ القادر باللہ عباسی نے

لیکن نہیں جا سکتا کیونکہ شہزادے نے ۶۰ ہزار دینار کا مجھ سے سودا خریدا ہے اور قیمت نہیں ادا کرتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ میرے مقابلے میں شہزادہ مسعود قاضی کے سامنے بھیجا جائے مجھ کو سودا اگر کا وقت نہ کر نہایت رنج ہوا اور مسعود نے کہلا بھیجا کہ ”یا تو سودا اگر کا تصفیہ کرو“

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳۱۔ سلطان کو یمن الدولہ کا خطاب مرحمت فرمایا جب ملک کے اندرونی انتظامات سے اطمینان ہو گیا تو سلطان نے ہندوستان کا رخ کیا اور متواتر چلے کر کے کامیا بیاں حاصل کیں۔ چنانچہ فتوحات ہند میں سب سے پہلے بامیان سومات کا کارنامہ ہی ہو۔ سلطان اس مہم پر ستمبر ۱۰۲۲ء میں غزنی سے روانہ ہوا تھا اور اکتوبر ۱۰۲۲ء میں بامیان پہنچا تھا۔ چنانچہ مسلسل لڑائیوں کے بعد بروز دوشنبہ ۱۰۲۲ء (مطابق ۲۵ ستمبر ۱۰۲۲ء) سومات کا مندر فتح ہوا۔ شہزادے نے مبارکباد کے قصائد پڑھے۔ عسجدی فروزی کے چند شعر پر ہم یہاں گفتا کرتے ہیں

تاشا خسرواں سفر سومات کرد	آنا غنہ سرا علم معجزات کرد
نبرہ دنام کشت حباب از لوج دیں	شکرو دعانے خوشین ازہ اجبات کرد
شہنشاہ ملک باخت ملک باہر ارشاد	ہر شاہ را بلعوب گرشاہ مات کرد
مجمود شہر ملک آنکہ ملک را	بنیاد بر محاسن دوبرکات کرد
شاہانوز سکندرشہی بدایں بہت	کو ہر سفر کر کہ بدگیر جہات کرد
عین الرضائے ایزد مجھے تو دہی	بازا د سفر تجبستن عین الحیات کرد

تو کار ہا بنیسنہ و تیر و کساں کنی

ادکار ہا بحیلہ دکلک دوات کرد

سلطین غزنویہ میں محمود سے زیادہ جاہ و جلال والا کوئی اور بادشاہ نہیں گزرا ہے۔ خراسان، غرارزم، طبرستان، عراق، بلخ، غرور، فارس، خیال، غور، طارستان (ہندوستان صوبہ پنجاب) پر انکی حکومت تھی۔ اور ملوک ترکستان انکے فرمانبردار تھے۔ دربار میں ہر علم و فن کے اہل کمال موجود تھے۔ ۳۶ برس سلطنت کر کے چار شہنشاہ کے دن جاہ ربیع الثانی ۱۰۲۲ء مطابق اپریل ۱۰۲۲ء میں بامیان غزنی منتقل کیا۔

انتخاب رطبقات ناصری صفحہ ۱۱۰ و مجمع النسخا صفحہ ۳۴، تاریخ الفتن حالات محمود، والتوفیقات الالہامیہ

یائے کے ساتھ کچھ مہری میں قاضی کے سامنے حاضر ہو۔ تاکہ شرعی حکم جاری کیا جائے۔ چنانچہ سوداگر قاضی کے سامنے حاضر ہوا جب سلطان کا پیام مسعود تک پہنچا۔ اُس نے فوراً تھوڑا کر پوچھا کہ غزنے میں کس قدر نقد موجود ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ میں ہزار و نیاں شہنشاہ نے کہا کہ یہ رقم سوداگر کو دیکر بقیہ کے لیے تین دن کی مہلت مانگو۔ اور سلطان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ میں ہزار و نیاں مینے اس وقت ادا کر دیئے اور تین دن میں بقیہ بھی ادا کر دوں گا۔ میں کپڑے پہن کر طیار بیٹھا ہوں کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ آیا میں دارالعدالت کو جاؤں یا بجائوں؟ سلطان نے کہلا بھیجا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ جب تک سوداگر کار و پیہ سیاق نہ کرے گا میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ مسعود بھی ان باتوں کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ ادھر ادھر سے قرض لیکر دوسری ناز کے وقت تک ساٹھ ہزار دینار نقد سوداگر کو ادا کر دیئے جب یہ خبر سوداگر کے خلیفے سے ملک چین، خطا، مصر اور دیگر اطراف عالم میں پہنچی۔ تب ہر طرف کے سوداگر غزنے میں جھک پڑے اور دنیا کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جو غزنے کے بازار میں موجود نہ ہو۔

شہر حمص کے عامل نے حضرت عمران بن عبدالعزیز کو درخواست بھیجی کہ شہر کی تفصیل لکھی ہوئی ہمت کے لیے جیسا حکم ہو اُسکی تعمیل کیجائے خلیفہ نے جواب میں لکھا کہ پیچروا اینٹ و چونے سے دیوار کا

۱۰۰ عمر بن عبدالعزیز بن مروان اسلسلہ خلفائے بنی امیہ میں ساتویں خلیفہ ہیں۔ لیکن بلحاظ صفات و تقدس آپ کا درجہ خلفاء راشدین کے بعد سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ سفیان ثوری حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد آپ کو پانچواں خلیفہ قرار دیتے ہیں۔ ۲۰۰ پہلے میں حضرت عمر کی ولادت موضع حلوان (مصر کا ایک مشہور گاؤں) میں ہوئی۔ آپ کی والدہ آمنہ عظمیٰ، فاروق عظمیٰ کی پوتی تھیں۔ اور حضرت فاروق کی پیشین گوئی کہ میری اولاد میں ایک شخص ایسا عادل پیدا ہوگا کہ جسکے عدل سے دنیا بھر جائیگی۔ وہ عمران بن عبدالعزیز کے ذریعے سے پوری ہوئی۔ خلیفہ عبدالملک نے اپنی بیٹی فاطمہ سے بھقار آپ کا

بنانا فضول ہو۔ شہر کی چار دیواری عدل و انصاف سے بنا اور رستوں کو ظلم و خوف سے پاک کر۔ خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد سے فرمایا ہر یاد اؤد انا جعلنا خلیفۃ فی الارض فا حکم بنین الناصر بالحق یعنی لے داؤد میں سے تمکو اپنا خلیفہ بنایا ہے کہ تم میرے بندوں کی سچائی سے حکومت کرو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من استعمل علی المسالین عاملاً دھو لعلہ ان فی المسالین من ھو خیر منہ فقد خان اللہ ورسولہ تفسیر

بقیۃ نوٹ صفحہ ۳۳۳ عقہ کیا۔ اور سلیمان ابن عبدالملک کے انتقال پر ۶۶۱ھ میں تخت نشین ہوئے۔ حکمرانی میں فاروقِ عظمیٰ کے مشابہ تھے اور سلطنت سے اپنے اہل و عیال کے واسطے صرف دو درہم (آٹھ اناہ) روز لیا کرتے تھے۔ بیت المال مسلمانوں پر وقت تھا۔ اور اس میں بیاں تک احتیاط تھی کہ جب تک سلطنت کا کام انجام دیتے تھے اس وقت تک شمع سامنے جلتی تھی اور بعد ختم کام گل کر دی جاتی تھی۔ آپ کی بی بی فاطمہ کو ہمیشہ تلکدستی کی شکایت ہی مکرر آتی پند و نصائح سے راضی کر دیا کرتے تھے۔ ایک دن تر و تازہ انگور رکھنے گئے بی بی سے کہا کہ ایک نیا رہو تو لاؤ انھوں نے جواب دیا کہ جب آپ خلیفہ ہو کر ایک نیا رہو تو نہیں ہیں تو میں کہاں سے لاؤں؟ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اپنے عزیزوں میں سے کسی سے ایک سیریک ہدیے میں قبول نہیں کیا۔ جو لباس زیب تن ہوتا تھا اس میں اکثر پیوند ہوتے تھے۔ اور انتقال کے وقت جو قمیص پہنے ہوئے تھے بجز اس کے دوسرا موجود نہ تھا۔ ذبیحوں کے ساتھ جو بڑا ڈاس عید میں ہوا وہ ضرب المثل جو مسجد نبوی کو بہت وسیع کیا۔ باغ فدک بنی فاطمہ کو دیدیا۔ اور امیر معاویہ کے وقت سے حضرت علی اور ان کے طواریکوں کی خطبہ جو بعض طعن ہوا کرتی تھی وہ علما بند کر دی اور یہی موت کا سبب ہوا۔ لوگوں نے غلام کو ایک ہزار دینار دیکر زہر دلوادیا۔ چنانچہ غلام نے جب تنہائی میں یہ واقعہ بیان کیا تو دینار لیکر بیت المال میں بھیج دیے اور غلام کو آزاد کر کے حکم دیا کہ بھاگ جاوے نہ لوگ تجھے قتل کر ڈالینگے۔ دیر سمعان میں تاریخ ۲۵ ماہ رجب ۱۱۸ھ (مطابق ۱۷ جنوری ۷۳۵ء) میں ۶۱ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ۲ برس ۵ مہینے ۴ دن حکمرانی کی۔ آپ کی معضل سوانح عمری "سیرۃ العمرین" کا لینیٹ میں چھپ چکی ہے خدا کسی مسلمان کو تو فتن دے تو آزد میں بھی ایک مکمل سوانح تیار ہو سکتی ہے آپ کی بی بی کی مدح میں مشہور ہے "بنت الخلیفہ والخلیفہ حبھا" اخت الخلفۃ والخلیفہ زوجھا" اختایہ تاج بیوی مختار اللہ وغیرہ

اس کی یہ ہو کہ پارسا لوگوں کو عامل مقرر کرنا چاہیے تاکہ بندگان خدا کو نہ ستائیں۔ اور اگر کوئی جان بوجھ کر ایسا نہ کرے تو گو یا وہ خدا اور رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہو۔

یہ دنیا حقیقت میں بادشاہوں کا روزِ ناچہ ہو اگر وہ یہاں نیکی کرینگے تو نیکی سے یاد کیے جائینگے اور اگر بد ہیں تو بُرائی سے یاد کیے جائینگے۔ اور لوگ اپنے نفوس کرینگے۔ حکیم عمری نے خوب لکھا ہے ہم عمر خواہی شدن گرزازی از گردوں سر ہم سخن خواہی شدن گربندی از گردوں کمر ہمدکن تا چوں سخن گوی قوی باشد سخن بخت برتا چوں سمر گری نکو باشد سمر

(۴۱) مداخل و مخارج

ملک کی آمدنی و خرچ قلمبند کرنا چاہیئے، خاص کر خرچ کی رقموں کو منظرِ مال دیکھنا چاہیئے۔ جو رقم قابلِ محسراتی ہو وہ کاٹ دیجائے۔ اور اگر آمدنی میں تو فیروز ہو یا کمی تو عامل سے باز پرس لیجائے اگر اُس کا بیان صحیح ہو تو در صورتِ کمی مطالبہ کرنا چاہیئے۔ دنیاوی مال کے حصول میں بادشاہ کو منصفی کے ساتھ میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے اور حتیٰ الوسع آئین ملک اور قدیم اصولوں پر چلنا چاہیئے۔ اور خود کسی بدعت کا موجد نہ ہو۔ بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ عمال کی جانچ کرے اور آمدنی و خرچ پر نظر رکھے۔ اور دشمنوں کی حفاظت بچاؤ کی غرض سے خزانہ معموں پر بادشاہ کی زندگی ایسی ہونا چاہیئے کہ نہ تو کوئی اُس کو بھیل سکے۔ اور نہ اس قدر صرف کرے کہ لوگ اُس کو فضول خرچ کہیں۔ فیاضی کے موقع پر لینے والے کی حیثیت پر نظر ہے شخص ایک دینار کا مستحق ہوئے سو دینار نہ دینا چاہیے۔ اور جو تسو کا مستحق ہوئے ایک دینار نہ دینا چاہیئے۔

کیونکہ اس سے بزرگوں کی قدر و منزلت میں ہستیا زہینیں ہوتا ہے۔ اور لوگ یہ کہنے لگتے ہیں کہ بادشاہ اہل فضل اور ارباب دانش کو نہیں پہچانتا۔ اور بلا سبب خجندیگ بڑھ جاتی ہے اپنے دشمنوں سے اس طرح لڑے کہ صلح کی جگہ باقی رہے اور دوست دشمن سے ایسا بلا جلا ہے کہ جب چاہے الگ ہو جائے۔ اور جب چاہے ملجائے۔ نہ ہمیشہ خوش طبعی کرے اور نہ ایک دم سے ترش و دھو جائے اور اگر کبھی سیر و سکار و لذات و نیاوی میں مشغول ہو جائے تو کبھی کبھی خدا کا شکر ادا کرے صدقہ نئے روزے رکھے، قرآن شریف کی تلاوت کرے تاکہ دین و دنیا میں برابر حصہ لیتا ہے اور ہمیشہ خیر الاحوال و وسطیٰ پر عمل کرے۔

حق الامکان ایسی کوشش کرتا رہے کہ اس کا ہر کام دنیا میں یا دگار رہ جائے۔ اور انصاف یہ ہے کہ دنیا کی ساری تکلیفیں صرف نیکنامی کے واسطے ہیں۔ مذہب کے معاملات میں بھی پری کوشش کرتا رہے تاکہ خداوند تعالیٰ اس کے سارے مقصد پورے کرے۔

خاتمہ قانون سلطنت ختم ہو چکا۔ قبل اسکے کہ اس مضمون پر ہم کچھ لکھیں۔ بطور یادگار ایک شاعر کے قصیدے چند اشعار نقل کرتے ہیں جو کو نظم میں مختصر تقریظ لکھنا چاہیے وہ ہوا۔

بحریت ایں کتاب پر از گونہ گوں گسر	یا بلع جاں مناسبت پر از گونہ گوں گسر
باغ است گرباغ بود موضع شمار	بحرست گربہ بود موضع در
ہر فصل اندر و چو درختی است از بناد	بارش ہمہ غرائب و برگش ہمہ غر
گنجے است پر عجائب کافیت پر طرف	در حبیت پر بدائع و در جے است پر گھر
صاخش ہمہ نوادر و فرعش ہمہ مفید	فصلش ہمہ معانی و ترخش ہمہ عبر

جدهست پند و حکمت و امثال و داستان
الفاظ او مذهب و عالی چو آسمان
آئین و رسم و سیرت شایان تاجدار
بینی درویشان صفت بزم و بارگاه
تحصیل مال و ملک آئین و داد و دیں
پیدا در و طریقت بدخواه و نیک خواه
هر لفظ و هر معانی کاند فضل است
صافی ز نزل و بدعت و پاکیزه از هوا
از خواندنش نگیرد خواننده را مال
هر قصه را از آیت قرآن یکے دلیل
از هر سخن که یاد کنی اندر نشان
قانون رسم و بزرگان نامدار
هر کس که این بخواند بود کار بند این
اندر خورشید نشیند و دیندار و دادور
هرگز بشه نذیر و وزیر و دگر چنین
این فخر مبارک و دستور خسرواں

بے حسد در و حکایت و بزم در و سخن
معنی از و چو زهره تاباں گبه سحر
ترتیب ملک و ملت و تقدیر خیر و شر
یابی در و نهان صفت رزم و دگر و فر
تدبیر کارشکر و وقت دیر و روزگر
بهنجار جز منفعت و رای دفع ضر
نیکو تر از جوانی و شیرین تر از شکر
شائسته همچو دانش و بائسته چو مطر
گرد و لبیب هر که گسار دبر و لبهر
هر فضل را از قول پمپیر یکے خبر
از هر هنر که نام بری اندر و اثر
فهرست کار نامه شایان تاجور
اقبال جاوداں بودش بگیان بر
تالیف یادگار نظام نکو سیر
هرگز کسی نه کرد کتابے چنین دگر
فرخنده باد و بر شمشیر دیندار و دادور

خاتمہ

سیاست ملکی، اور نظم و نسق سلطنت پر، خواجہ نظام الملک نے جس قدر لکھا ہے۔ اگرچہ اس عہد ترقی میں اس کو کسی خاص صنیعہ کا قانون یا ضابطہ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ تاہم سلطنت اور رعایا کے جو حقوق ایک دوسرے پر ہیں، اُن کی صحیح تفسیر اور اوراق میں موجود ہے۔ اور نظام حکومت کے لیے جن محکموں کی ضرورت ہے بالاجمال وہ بھی خواجہ نے بتا دیے ہیں۔ البتہ وزارت اور اور اُس کی مشکلات، متعلقات پر خواجہ نے بحث نہیں کی ہے۔ بلکہ اس موضوع پر کتاب الوصایا میں اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ لہذا کتاب مذکور کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس کے مطالعے کے بعد، قانون سلطنت اور وزارت پر تفصیل سے گفتگو کرنے اور نتائج اخذ کرنا ایک موقع ملے گا۔

دستورالوزار

ترتیب

خواجہ نظام الملک طوسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرزند ارجمند! میں تجھے چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔ گو میں جانتا ہوں کہ تو انہیں کان لگا کر نہ سنے گا اور نہ سیطح سے تیری طبیعت اُن کو قبول کریگی (لیکن پھر بھی میں تجھ کو معذور سمجھتا ہوں) کیونکہ تجھ بوجھ کا زمانہ اخیر عمر میں ہوتا ہی جب میں عمر میں تمہاری برابرتھا اگر اس وقت مجھ کو بھی تو مخبر عادل اور شیر صادق سمجھاتے تو بھی میں اُن کی بات کو ہرگز نہ سنتا اور نہ کچھ مجھے احساں ہوتا۔ لیکن تم میرے فرزند ہوا بخاطر موت اور رشتہ پردی میرا فرض ہو کہ میں تم کو ان فضائل سے آگاہ کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ لہذا ہر امر کو تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔

(۱) ترک وزارت پہلی بات تو یہ ہو کہ میرے بعد وزارت اختیار نہ کرنا اور جہاں تک ہو سکے دولت چاوی یعنی قناعت کے دامن کو ہات سے نہ چھوڑنا اور دنیا کی چال پلوسی پرشید اور فحشہ نہوجانا، کیونکہ اول کی لذتیں آخر کی حسرت کوئی برابرقیت نہیں رکھتی ہیں۔ اور حقیقت میں دنیا ایک خواب کا خیال یا شراب کا غور ہو کہ ذرا دیر میں سب کچھ ہیاد پر کچھ بھی نہیں۔ اور آخرت کا مواخذہ صرف دنیا کی وجہ سے ہی لہذا خدا سے پناہ مانگنا چاہیئے۔

چونکہ اس مضمون کو بزرگان دین نے اپنی تصنیفات میں نہایت تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے، لہذا مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں ہے صرف مقصود اصلی تہیداً بیان کرتا ہوں۔

علی العموم ہر منصب میں ضرر اور خطر ہے، خصوصاً وزارت کہ وہ مناصب کا مجموعہ ہے ایسے چاہتا ہوں کہ حکومت وزارت کی مضرتوں سے آگاہ کروں۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ دنیاوی مراتب میں انسان کے لیے سلطنت کے بعد بے بڑہ کر وزارت کا درجہ ہی مگر ساتھ ہی اسکے یہ منصبے انتہا خطرناک بھی ہیں۔ اگر الگ الگ ہر خطرے کی تفصیل کی جائے تو طوالت ہوگی۔ لہذا اسی کلیات بیان کرتا ہوں کہ جس کی ہر کٹی میں بکثرت جزئیات شامل ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس مختصر بیان سے نہایت عمدہ نتیجے پیدا ہوں گے۔ ”انشاء اللہ تعالیٰ“

(۱) پہلا خطرہ صبح سے شام تک بلاناغہ لوگوں کے معاملات میں وزیر کو مختلف احکام صادر کرنا پڑتے ہیں اور حکم الہی یوں ہے ”فَاَحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْعَدْلِ“ یعنی جو حکم ہو وہ کانٹے کی تول ہو، ایسی صورت میں خدا کا خواہش ہے اگر ان میں سے کوئی ایک بھی حکم خداوندی کے خلاف صادر ہو جائے تو اس ایک لحظہ کے نقصان کی تلافی سو برس کی حکومت میں بھی نہیں ہو سکتی ہے۔

اگرچہ عقلاً یہ ممکن ہے کہ تائید الہی سے تمام احکام انصاف پر مبنی ہوں لیکن ہر موقع پر عدل قائم رہنا قریب قریب محال کے ہے۔ چنانچہ میں اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

(۱) مجھے ہمیشہ یہ خوف رہتا تھا کہ معاملات میں کوئی حکم شرع کے خلاف نہ صادر ہو۔ سلطان الپا رسلان سلجوقی کے عہد میں بھی اگرچہ یہ خیال تھا۔ لیکن سلطان ملکشاہ کے زمانے میں یہ خیال بہت کچھ ترتی کر گیا تھا۔ اور اسکا یہ سبب ہوا کہ ”ایک اٹل کے ذمے سرکاری مطالبہ تھا۔

اور وہ فوت ہو گیا۔ چنانچہ بعلبت بقیا اسکا ایک انگور کا باغ ضبط کر لیا گیا۔ لیکن اُسکے ادا کو سننے
 دعویٰ کیا کہ یہ باغ ہمکوماں کی طرف سے ورثہ ملا ہے۔ اور اپنے ثبوت میں دستاویزات پیش کیں
 تب میں نے حکم دیا کہ تینوں کے حق میں باغ واکرا کر دیا جائے کیونکہ انگور کی پھلت سے سرکا
 فائدہ اٹھا چکی ہے۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ انگوروں کا معاوضہ بھی تینوں کو ملنا چاہیئے لیکن چند
 روز کے بعد یہ خیال دل سے جاتا رہا۔ اور میں نے خواب دیکھا کہ گویا میں حشر کے میدان میں کھڑا
 ہوں اور نہایت سختی سے پوچھا جاتا ہے کہ تو نے تینوں کا حق کیوں باطل کر دیا اس کے بعد عذاب کے
 فرشتے مجھ کو ایک غار کے کنارے گھسیٹ کر لے گئے جو حد سے زیادہ تاریک، ہونناک اور عریق
 تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ مجھے اُس غار میں ڈھکیل دیں تب میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کون سا مقام ہے؟
 انہوں نے کہا کہ اسکو ویل کہتے ہیں (نام طبقہ جہنم) ویل کا نام سن کر میں چیخ اٹھا اور فوراً اٹھ کھڑکی
 دیل کی خوفناک تصویر چند روز تک میرے سامنے رہی۔ ایسے میں بیمار ہو گیا۔ اچھے ہونے پر
 بہت کچھ صدقہ اور خیرات دیا اور اُن تینوں کو انگوروں کا بھی معاوضہ دلا دیا گیا۔ لیکن اس خواب کا
 میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔

اس عہد میں (ایام حکومت ملکشاہ) عدالت کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ اور جب تک معاملے کی تحقیقات
 انتہا پر نہیں پہنچ جاتی ہیں قطعی فیصلہ نہیں سناتا ہوں۔ اور جب کسی مقدمے میں زیادہ الجھن پڑتی
 ہے تو اُمراء سے مشورہ کر لیتا ہوں۔

چونکہ میں شیخ ابوالفتح فیروز آبادی کا معتقد تھا ایسے ایک دن اُن نے عرض کیا کہ قبلہ عالم! میں

ان دنوں سخت تشویش میں مبتلا ہوں اور دن رات میرے دل پر خوف چھایا رہتا ہے۔ شیخ نے فرمایا کیا فکر ہے بیان کرو؟ میں نے عرض کیا کہ سلطنت کی وجہ سے مشرق و مغرب کے معاملات میرے سامنے پیش ہوتے ہیں اور ہر معاملے میں مجھے حکم کرنا پڑتا ہے۔ ڈرتا ہوں کہ کیس انصاف کا خون نہو جائے۔“

شیخ نے فرمایا کہ اے خواجہ اگر یہ عقدہ درمیان میں نہ تو تاؤ وزیر بھی طبقہ اولیا اللہ میں شمار ہوتا۔ اور راز کرنا حقیقت میں خدا کے نیک بندوں کا کام ہی ایسے کہ ایک حکم (جو انصاف کے ساتھ دیا گیا ہے) عمل میں درگت نفل کے برابر ہے لیکن سخت مشکل ہے کہ کہیں ایک آدمی صرف انگور کے غلط فیصلہ کرنے کے جرم میں ہنم کے طبقہ وکیل کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ اور اگر وہ کہیں باغ کا بھی حکم دیدیتا تو ضرور قہر جہنم میں ڈال دیا جاتا اور پھر کہیں رہائی نصیب نہوتی۔“

چونکہ شیخ نے میرا ہی معاملہ اپنے صفائے باطن سے بیان کر دیا تھا۔ لہذا میں نے انکے مبارک ہاتھوں کا بوسہ لیا اور معلوم ہو گیا کہ شیخ بھی اصحاب مقامات اور از باب کرامات میں سے ہیں اور صرف یہی واقعہ میرے عزیز ارادت کا باعث ہوا۔

دوسرا خطہ سب سے بڑھ کر یہ خطہ ہے کہ بعض اوقات محض ایک فرد واحد کی رضا مندی کے خیال سے ہزاروں آدمیوں کو دجن میں ہر درجے اور مرتبے کے لوگ شامل ہوتے ہیں اور جو مختلف ملک دیار میں رہتے ہیں، آرزوہ اور بے خجیدہ کرنا پڑے گا اور پھر بھی یہ اطمینان نہوگا کہ دراصل شخص دل سے بھی رضا مند نہی یا نہیں؟ بلکہ یکساںے عاطفت و عنایت کے ہمیشہ بلا وجہ ناراضی اور کدورت ہی پائی جائیگی اور یہی پلہ ہمیشہ گراں رہے گا۔“

ایک دن میں ابوالمعالی امام الحرمین عبدالملک جوینی سے جن کی خدمت میں مجھے عالم شباب سے قرب و محبت کا اعزاز حاصل تھا۔ عرض کیا کہ اے امام مسلمانان! مجھ کو آپ کی کمالِ فکارت و ذہانت میں کچھ بھی شبہ نہیں ہے۔ ایسے اپنی ایک مشکل جس میں عرصہ دراز سے گرفتار ہوں (اور جسکو میں نے آج تک کسی سے کہا بھی نہیں ہے) حل کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک نامزد دربار میں اس بادشاہ کی (ملک شاہ سلجوقی) خدمت کرتا ہوں اور انجامِ فرائض میں اس قدر سعی کرتا ہوں کہ جو طاقتِ بشری سے زیادہ ہے۔ اور اپنی کارگزاریاں اس درجہ دکھلاتا ہوں کہ جو دوسرے نہیں ہو سکتی ہیں۔ اور جہان تک غور و تامل سے دیکھتا ہوں تو محاماتِ ملکی میں (ظاہر و باطن) کسی قسم کی کوتاہی بھی نہیں پاتا ہوں، اور سلطانِ اطہار عنایت میں بھی کمی نہیں کرتا ہی بلکہ سالہا سال سے یہی عظیم الشان سلطنت کا انتظام میرے سپرد کر دیا ہے اور اپنی مہربانیوں سے مجھے محمود و خلاق بنا دیا ہے۔ اور یقین و امان ہے کہ اس حالت میں بھی ہرگز تغیر و تبدل نہ ہوگا۔ لیکن جب میں نے گہری نظر سے جانچ کی تو معلوم ہوا کہ طبیعتِ سلطانی میں میری طرف سے کچھ غبار ہے۔ مگر اس دقیقے سے سوچا میرے کوئی اور روضہ نہیں ہے۔ اب فرمائے کہ آپ کی رائے میں اسکا کیا باعث ہے؟

امام نے فرمایا کہ اے خواجہ! اگرچہ تو اوروں سے فضل و عقل میں بہت بڑا کہہ سکتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ تو نہیں سمجھتا کہ مالِ ملک پر ہر انسان اپنا دل فدا کرتا ہے۔ خاص کر ملوک و سلاطین! پس جبکہ تو نے کسی کے معشوق و محبوب پر قبضہ کر لیا ہے تو پھر کوئی کر مکن ہے کہ اسکا دل تجھ سے صاف ہو؟ اور خوب سمجھ لو! کہ ہر وقت بادشاہ کے دل میں یہ خیال گزرتا رہتا ہے کہ جو چیز میری ہے وہ تمام دکالِ فلاں

شخص کے قبضہ تصرف میں ہی کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں خیانت کر جائے چنانچہ اس تصور کے لئے ہی ایک ہلکا سا غبار اُسکے آئینہ دل پر چھا جاتا ہے۔ اور پھر جتنے دن گزرتے جاتے ہیں یہ تصور تصدیق صفت ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ رضا مندی پر بُرائی اور صفائی پر کدورت غالب آجاتی ہے۔ مثلاً بیماری کہ ابتدا میں وہ طبیعت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے اور بہت کچھ دینی رہتی ہے لیکن جب کہنہ ہو کر طول پکڑ جاتی ہے تو پھر ہر چند طبیعت اُسکو دفع کرتی ہے، لیکن اُسکا اثر آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے اور یہی صورت ہے کہ وزیر اپنی کفایت شعاری اور توفیر خزانہ دکھلا کر بھی اسکا تدارک نہیں کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ مادہ روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہے۔ مثلاً بادشاہ کے کسی میں بچا پس ہزار دینار کا خراج ہے لیکن اُسکو تعین ہے کہ اس میں سے پانچ ہزار دینار اُسیلے گئے ہیں۔ گو پانچ ہزار کی رقم بھی اندنگی خاطر کے لیے کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن اگر یہ خیال پانچ ہزار سے بڑھتے بڑھتے ایک لاکھ تک پہنچ جائے تو خیال کرو کہ رنج کس قدر ترقی کر جائیگا۔

(۱) اور ایک بڑی دشواری یہ ہے کہ سلاطین بعض کام و ذرائع سے ایسے لینا چاہتے ہیں کہ جو منبرِ احوال کے ہوتے ہیں مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ اعیان حضرت اور مقربان دولت ملک و سلطنت کے معاملے میں ذخیل نہ بننے پائیں اور شہزادے وغیرہ بھی مالی تصرفات سے روکے جائیں اور ان میں سے اگر کسی معاملے کی وزیر کو اطلاع ہو تو وہ اُنے باز پرس بھی کرے۔ اور باوجود اسکے یہ شرط ہے کہ کوئی ناراض نہ ہو اور نہ بادشاہ سے شکایت ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر کسی شخص سے متعدد ابواب میں عمدہ کام انجام پائیں اور اُسکی خدمات کے نتائج بھی سامنے ہوں اور بدھی طور پر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس شخص کی درایت و ذراستی

مثلاً ایک سو ملکی انتظامات سنبھال گئے ہیں اور اس کی حسن تدبیر سے غلامی میں بھی توفیر ہوئی ہے۔ تب بھی اسکا شکریہ نہیں ادا کیا جاتا ہے۔ اور اگر کبھی اتفاقاً یہ کیا بھی تو اوپر ہی دل سے۔ اور اگر ناشادہ درجن خدمات کا تذکرہ کیا بھی جاتا ہے تو وہ دیر پا نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر بادشاہ کی زبان پر اسکی خدمات کا ذکر آگیا تو ارکان مجلس خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ اور خدا نخواستہ اگر اسکے برخلاف کوئی صیحت ہوئی اور ذرا سا بھی اوضاع ملکی میں خلل پڑا یا جرنی نقصان امور مالی میں ہو گیا تو پھر شکایت و فخر کھجاتے ہیں اور زندوں نہیں بھولتے ہیں بلکہ بادشاہ کو بھولی لہری کہانیاں یاد دلاتی جاتی ہیں۔ غرض کہ یہ وہ حالتیں ہیں جہاں اخیر تجسس نقصان و مضرت ہے۔ اسلئے قناعت بہتر ہے۔ کیوں کہ اسکے صدقے میں تمام ترددات سے کامل استغناء ہو جاتا ہے۔ اور اگر قناعت کے ساتھ عبادت بھی شامل ہو تو زہے قیمت۔

(۳) "فضل بن ربیع" کچھ دنوں کے لیے خلیفہ ہرون الرشید عباسی کا وزیر مقرر ہو گیا تھا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں حج کا موسم قریب آگیا۔ خلیفہ نے فضل سے مشورہ کیا کہ امسال صاحبِ محل (خائفہ سالار حج) کون ہوگا؟ فضل نے کہا کہ اس میں مشورے کی کیا حاجت ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ سالار قافلہ ایسا ہونا چاہیے کہ جسے عسکر ہوا، کیونکہ ناموس امیر المؤمنین اور بیگات شاہی کے محل بھی ساتھ ہونگے۔ اور عراق سے مکہ مغطہ تک کا سفر ہے۔ فضل نے عرض کیا کہ سچ پوچھیے تو مجھ سے زیادہ کون اس عزت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ امیر المؤمنین اپنی خانیسی سے اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو ایک

امام ابو العباس فضل بن ربیع بن یونس بن محمد بن عبد اللہ دربار ہرون الرشید عباسی کا ایک نامور کتبہ ہے۔ ہر ایک کے عہد وزارت میں حاجت کے لیے جے پر ہوتا تھا۔ بعد کو چند روز کے واسطے وزیر بھی ہو گیا تھا۔ ہر ایک کی تباہی و بربادی میں فضل نے خاص طور پر حصہ لیا تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھو البرامکہ وابن خلکان جلد اول، ذیقعدہ ۳۴۵ھ میں انتقال کیا۔

فرض بھی ادا ہو جائیگا۔ غرض کہ بری منت سماجت سے فضل کی درخواست منظور ہوئی۔ لیکن بعد
وہی جج کے فضل کی حالت کچھ اونہی ہو گئی۔ اُسے وزارت چھوڑ دی تھی اور یاد الہی میں مصروف
ہو گیا تھا۔

خلیفہ کا دستور تھا کہ وہ ایام متبرکہ میں درویشوں اور گوشہ نشینوں سے ملا کرتا تھا۔ چنانچہ
ایک دن اُسکو یہ خیال ہوا کہ فضل میرا قدیم خدمت گزار ہے اگر میں اس کو انیشین سے جا کر ملوں تو
شاہانہ سے کچھ بعید ہو گا۔ چنانچہ خلیفہ فضل کے مکان پر گیا اور اُٹانے گفتگو میں فضل سے پوچھا کہ
تمہارے ترک وزارت کا کیا سبب ہے؟ فضل نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر پوچھا کہ اچھا بتاؤ
اب تمہاری کیسی گزرتی ہے؟ فضل نے کہا بہ نسبت پہلے کے اب بہت اچھا رہتا ہوں۔ عہد وزارت
میں جس بادشاہ کا میں فرمان بردار تھا وہ میری دہلی خدمتوں کا صرف ایک صلہ دیتا تھا اور
اب ایسے شہنشاہ کی اطاعت کرتا ہوں کہ جو ایک خدمت کا دس گنا اجر دیتا ہے۔ ”مَنْ جَاءَ
بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ مِثْلُهَا“ پہلے جب میں دربار خلافت میں کچھ عرض کرنا چاہتا تھا تو موقع محل
کی دیکھ بھال میں بہت کچھ مہتیاں اٹھانا پڑتی تھیں۔ اور آج اس کی کچھ پابندی نہیں ہے۔ جو میرے
دل میں ہو وہ خود جانتا ہے۔ ”إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ“ پہلے مجھ کو بادشاہ کے مہات امور
کی تکمیل کرنا پڑتی تھی اور اب وہ خود میرے کاموں کا ذمہ دار ہے۔ پہلے جب بادشاہ خوب محنت
میں ہوتا تھا تو مجھے جاگنا پڑتا تھا۔ اب میں بے خبر سوتا ہوں اور وہ میری حفاظت کرتا ہے۔ ”لَا
تَأْخُذُكَ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ“ پہلے میں یہ جانتا تھا کہ میرا رزق اس بادشاہ کے ہات میں ہے۔ لیکن
اب معلوم ہوا کہ ہم دونوں کا رزق اُس بادشاہ کے ہات میں ہے۔ ”وَمَا مِنْ ذَاتِ قُوَّةٍ إِلَّا عَلَىٰ رِضَىٰ

الاعلیٰ اللہ نے کہا، جب فضل نے یہی طو لانی تقریر کی تو خلیفہ ہرون الرشید کو رقت طاری ہوئی اور فضل کا ہات پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم! پہلے تو میرا ضد منگا رہا تھا لیکن آج تو میرا بھائی ہے۔
فضل نے کہا، خدا کا شکر ہے کہ آج میرے سوال کا جواب مرحمت ہوا۔ اگر میں تمام عمر نوکری کرتا تو بھی مجھ کو یہ عزت حاصل نہ ہوتی۔

اسیے نے فرزند! قناعت کو غنیمت جان اور دنیا کی ابتدائی شیرینی پر آخرت کی تلخی کو قربان نہ کر۔ واللہ الموفق والمعين۔

تیسرا خطبہ شاہزادوں کے ملال اور آرزوگی کا تدارک کرنا سخت مشکل ہے۔ کیونکہ بادشاہوں کا دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تکمیل اور ان کی نگرانی خود کرتے ہیں۔ اور ان کے عروج و کمال کا ایک خاص وقت ہوتا ہے، ایسے شروع زمانے میں جب ان کی کامیابی میں دیر ہوتی ہے۔ مثلاً مالی و ملکی اختیارات کا نہ ملنا جس کا اجرا خاص بادشاہ کے ہات میں ہی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا قصور وزیر صاحب کا ہے۔ جن طرح طبیب شخص میں ماوے کو بیرونی اسباب سے تیار نہیں کرتا ہے۔ عیاذ باللہ منہا۔

شاہزادوں کا میلان خاطر ہر روز کسی نہ کسی مقصد کے طرّف ہوتا ہے۔ اور جب ان کی مراد پوری نہیں ہوتی ہے تو وہ غما ہو جاتے ہیں۔ غرض کہ ہر خواہش کے بڑھنے پر رنج و ملال کا درجہ بڑھتا جاتا ہے اور بعض اوقات شاہزادے کو کسی شخص سے بدگمانی نہیں ہوتی ہے لیکن بوجہ ان اور ناتجربہ کا ملازم اپنے ہیودہ مقاصد کی کامیابی کی وجہ سے ہکا کر سیدھے رستے سے پھیر لاتے ہیں۔ بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شاہزادوں کی تالیف قلوب و رانگی رضا مندی حاصل کرنا

بہت مشکل ہے کیونکہ ان کی کوششوں میں ممکن الحصول نہیں ہو کر رہتی ہیں۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ یک بارگی ادنیٰ درجے سے مقربان حضرت پناہی کے مرتبے میں پہنچ جائیں یا مدارج مال و جاہ میں اُنکے ہم پلہ بنجائیں۔ علیٰ ہذا القیاس اور معاملات بھی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر شہزادوں کی کامیابی کی کوشش کی جائے تو پھر وزارت کی بڑی تعریف ہوتی ہے، لیکن تجربے سے ثابت ہے کہ اس گروہ کی متابعت ہمیشہ بادشاہ کی ناراضی کا باعث ہوتی ہے۔

حکایت سلطان ملکشاہ نے شمس الملک خاقان ترکستان کو بمقام ترمذ شکست دیکر پیرادہ کیا کہ ترکستان پہنچ کر پوسے طور سے خاقان کی قوت کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن جب برہان الدولہ نے سلطان نے ملکشاہ کا تختہ تکستقبال کیا۔ اور خاقان کی جانب سے معذرت کے ساتھ از سر نو معاہدہ کیا۔ اس وقت سلطان کا غصہ دہیما ہوا۔ اور تختہ سے ملک شام کا قصد کیا۔ لیکن ملکی ضرورتوں سے یہ رے قرار پائی کہ موسم سرما کے میں بسر کیا جائے، اور اسی مقام پر ہر طرف سے فوجیں اکڑ جمع ہو جائیں اور شروع فصل بہار میں شام کا سفر کیا جائے۔ خیر یہ تہمید ایک جملہ ہمت پر مشتمل تھا۔ نفس مطلب یہ ہے کہ اسی زمانے میں بمقام نظام شہزادہ محمد کے یہاں بیٹا

شمس الملک ابوسعید ابراہیم بن نصر الملک شہنشاہ بادشاہ ماوراء النہر کا بیٹا تھا جسکو ملکشاہ نے اپنا مایکدرا بنایا تھا۔ یہ رقم ۳۶۶ھ کا ہے۔ اوائی جلد اول صفحہ ۳۷۷ و کمال اثیر صفحہ ۳۷۷ جلد ۱۱۱۱ ترمذ دریا سے جھون کے کناسے ماوراء النہر کے شہروں میں سے نہایت قدیم و مشہور ہے، اس شہر کی آب و ہوا ضعیف و گرم ہے کہ گفتم بخت بخت است سو ترمذ گفت رضی مشوا ز روضہ رضوں گیا۔ ہا بازاؤں کا درش اینٹ کا کھر بچہ تھا۔ ابوعلی محمد بن علی بن سوادہ ترمذی صاحب صحیح ہی خاکی ہے۔

مراد اطلاع صفحہ ۹۴۔ گنج دانش صفحہ ۱۴۱ و مجمع البلدان قوت صفحہ ۳۸۲ جلد ۲۱۱۱ تخت ماوراء النہر کا مشہور شہر ہے دریا جیون اور سمرقند کے درمیان میں ہے مراد اطلاع صفحہ ۳۹ و مجمع البلدان صفحہ ۲۷۲ جلد ۲۱۱۱ نظام کو تقویم البلدان ابو الفدا میں

پیدا ہوا۔ سلطان نے خوش ہو کر لڑکے کا نام پوچھا شہزادے نے کہا میں نے سلطان بایزید نام رکھا ہے۔ چنانچہ یہ نام پسند فرمایا اور حکم دیا کہ لڑکے کی کھلائی اور دالی اور گہوارہ وغیرہ کے مصارف کے لیے بظام کی آمدنی مرحمت کی جاتی ہے۔ لیکن اتفاق سے دو دن کے بعد لڑکے کا فوت ہو گیا۔ اور آج حساب سے پورے سات برس اس واقعہ کو ہو چکے ہیں۔ لیکن شہزادہ محمد چاہتا ہے کہ بچہ الہ زمان سابق، اس آمدنی سے نفع اٹھاتا ہے۔ لیکن خود اس قدر جرات نہیں رکھتا کہ سلطان سے عرض کرے۔ اور نہ ارکان سلطنت سے کہنا چاہتا ہے (کیونکہ کھٹکا ہے کہ جواب باصواب نلیگا) اور نہ اسپر رضا مند ہے کہ میں سلطان سے عرض کروں۔ اور مجھے بھی یہی مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ سلطان سے اس کا کچھ ذکر نہ کروں کیونکہ سلطان کا جواب شہزادے کے خلاف ہو گا اور وہ سمجھتا کہ میں نے کچھ سعی نہیں کی ہے۔ بلکہ سلطان سے اُلٹی شکایت کی ہے۔ غرض کہ ہر سال اپنی جاگیر قوس سے بظام کی آمدنی شہزادے کے تذکیر کرتا ہوں لیکن پھر

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۸۔ کورہ قوس کے مشہور شہروں میں شمار کیا ہے اور بعض نے خراسان کے شہروں میں شمار کیا ہے۔ نیشاپور کی سرک پر واقع ہے ایران کے آباد شہروں میں ہے۔ قطب العارفین حضرت بایزید کا مولد و مدفن یہی شہر ہے شیخ کے حالات تذکرہ صوفیہ میں لکھو آپ کی رباعیات مشہور ہیں مثلاً اے عشق تو کشتہ عارفی امی! سو دگر تو کم کردہ کونامی! ذوق لب لیگوں تو آوردہ بزل! انصوحہ بایزید بظامی! تفصیلی حالات کے دیکھو سفرنامہ خراسان ناصر الدین شاہ مرحوم۔ انوار صمد مرآۃ البلدان ناصری و معجم البلدان صفحہ ۱۸۰ جلد دوم۔

۱۔ قوس۔ پہلی نام کو مس ہے عربوں نے قوس کر دیا ہے جبل طبرستان کے ذیل میں ہے۔ اس میں متعدد شہر اور قصبے ہیں جن میں سے نئے اور نیشاپور کے مابین قصبہ دامغان بہت مشہور ہے۔ اور دامغان سے دو منزل بظام ہر صمد و معجم البلدان صفحہ ۱۸۰ جلد ۲۔

میری طرف سے اس کے تئیں پہچان نہیں ہیں۔

میرے بیٹے تجھے یہ خیال پیدا ہوا ہو گا کہ شہزادوں کے حصول مقاصد کے لیے تکلیف اٹھانا چاہیے اور کسی طرح کا خیال نہ کرنا چاہیے تاکہ لنگے ملال کا سمندر موجزن نہ ہو۔

سنو! اگرچہ عقلاً یہ محال نہیں ہے، لیکن عادتاً امتنعاً سے ہے۔ کیونکہ جو صورتیں ان کی رضا مندی کی ہیں۔ اکثر انہیں سے اپنی کساد بازاری ہوتی ہے۔ اور کوئی انسان اپنے ہاتھوں پر مہونا پسند نہیں کرتا، جو جس کی نظیر ذیل کا واقعہ ہے۔

جب سلطان الپ ارسلان کو معلوم ہوا کہ شام و روم اور فرانس کے عیسائیوں نے قیصر روم کے بل پر مسلمانوں کے خلاف یہ عہد کیا ہے کہ بغداد سے دولت عباسیہ کے تاجدار کو خارج کر کے بجائے اس کے کسی جانشین کو تخت نشین کریں۔ اور دارالسلام بغداد کی تمام مسجدیں، دیرو کلیسا کر دی جائیں، اور اسپر بھی بس نکلیا جائے، بلکہ تمام ممالک اسلام

سے قیصر اراؤنس اور الپ ارسلان کا یہ تاریخی واقعہ بہت مشہور ہے۔ وہی قعدہ ۳۱۵ھ میں یہ لڑائی ہوئی تھی۔ تمام عربی تاریخوں میں تفصیل سے تحریر ہے اور مسٹر گین نے بھرحت لکھا ہے۔

۳۱۵ جانشین = یونانی کٹھولوس - Kathonikos - فرقہ لیت ازضاری کہ مذہب قدیم ست بفرسی کا تو لیک (دیکھنا) خواندہ سوا اسپیل الی معرفۃ العرب والذیل صفحہ ۳۱۵، عیسائی علما اور مجتہدین کے متعلق حسب ذیل الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

(۱) بطرک و بطرین (محبوب دمی) Patriceius سردار عظیم، پوپ روم، دس ہزار پرافسر۔

(۲) جانشین - بلاد اسلام میں عیسائیوں کا مذہبی پیشوا، بطرین کا نائب۔

(۳) مطران رئیس الکنزہ - (۴) اسقف، مطران کا نائب (۵) طرکان، پانچ ہزار پرافسر۔

(۶) تھومس، دو سو پرافسر عرب Comed = از فرائد اللہ جلد اول مصنفہ ہنری کوٹس مطبوعہ بریت ۱۸۸۱ء صفحہ ۳۳۲۔

مساجد کے ساتھ ہی سلوک کیا جائے، اُس وقت سلطان نے عیسائیوں کی مدافعت کے لیے دوبارہ روم کا قصد کیا۔ اور قیصر روم پر فتحیاب ہو کر اُس کو گرفتار کر لیا۔ جب قیصر سامنے آیا تو سلطان بہت دیر تک اُس سے مذاق کی باتیں کرتا رہا۔ قیصر کا مکالمہ تاریخوں میں لکھا ہوا ہے اور اُس کا یہ فقرہ جو اپنی رہائی کے واسطے سلطان سے کہا تھا۔ بہت مشہور ہے کہ ”اگر تو قصاب ہی تو فوج کر ڈال، اور اگر سوداگر ہی تو بیچ ڈال، اور اگر بادشاہ ہی تو بخش دے“ چنانچہ سلطان مرحمت شاہانہ سے پیش آیا۔

ایک دن قیصر نے جبکہ فوجیں دار السلطنت کو واپس جا رہی تھیں سلطان سے کہا کہ میں نہیں قید میں پڑا رہا ہوں۔ اور اس میں شک نہیں کہ کوئی ملک بغیر بادشاہ کے نہیں رہ سکتا ہے۔ اس صورت میں میرے ملک پر دوسرے کا قبضہ ہو جائیگا اور اُس کے دفع کرنے میں سلطان کو دوبارہ تکلیف اٹھانا پڑیگی۔ اور ابھی تو خیریت ہے کہ تمام ممالک میرے قائم مقاموں کی ہات میں ہیں۔ اگر مجھ کو سلطان جاننے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو مثل دیگر فرمانبرداروں کے میں بھی خراج ادا کرتا رہوں گا۔“

چنانچہ سلطان نے نہایت اعزاز سے قیصر کو رخصت کیا اور قیصر بھی مطابق معاہدے کے ہر سال مقررہ خراج بھیجا کرتا تھا۔ اور اُس کے وزراء علیحدہ پیش فیت رومی تحائف اور زینت دے بھیجتے تھے۔

میری غرض اس تاریخی واقعہ کے بیان سے یہ ہے کہ ایک سال خیرہ راج اور تحائف روم سے آتے تھے اور سلطان الپ ارسلان اُس وقت مرو میں مقیم تھا۔ ایسے شہزادہ ملک شاہ (یہ واقعہ

عہد شباب کا ہی مصلحت ملی کی وجہ سے مع مختصر فرج کے مقام نے موسم سرما بسر کر رہا تھا۔ اور شہزادے کو حکم تھا کہ جب تک وہ نے میں ہے، جو لوگ ممالکِ دہ، ولایتِ کرخ، دیارِ شام اور بلادِ عراق سے آویں انکے حالات کی تفتیش کرے اور ان کی معروضات کو سنتا ہے اور اپنے معتد کے ہمراہ انکو میرے پاس بھیج دیا کرے۔

چنانچہ اس نے میں ملک شاہ کا کاتب عہدہ منصور تھا۔ یہ شخص جسے زیادہ نادان و ناتجربہ کہا تھا۔ اور اس پر بھی اپنی عقل و دانش پر اسکو بڑا ناز تھا۔ غرض کہ اسی زمانے میں قیصر کی سفارت حسب معمول پہنچی۔ یہ زمانہ فصلِ بہار کا تھا۔ اور شہزادہ سلطان کیند مت میں حاضری کے ارادے سے روانہ ہو چکا تھا۔ ایسے عہدہ منصور کو حکم دیا کہ سفارت کے ہمراہ سلطان کے حضور میں روانہ ہو جاوے اور تحائف کو دیکھ لے۔ چنانچہ عہدہ نے ہر چیز کو دیکھنا شروع کیا۔ تو تحائف میں ہر قسم کے صوف بھی تھے۔ اور ہر رنگ کے صوف کی گٹھریاں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ چنانچہ اس کو تاہ اندیش نے سفید رنگ کا ایک صوف نکال لیا اور خیال کیا کہ یہ شہزادے کے واسطے کافی ہی۔ (مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ شہزادے سے اس واقعہ کی اطلاع بھی کر دی تھی یا نہیں) لیکن سفارت کو کسی نہ کسی طرح رضا مند کر لیا تھا کہ اسکا ذکر کسی سے نہ کریں گویا اسکو بھول جائیں۔ اور اس واقعہ سے پہلے مجھے سے کے کاتبوں (پرچونیس) نے یہ اطلاع دی تھی کہ ”شہزادے کی مجلس میں ایک شب میری کارگزاری اور کفایت شکاری کا ذکر ہو رہا تھا۔ شہزادے نے فرمایا کہ نہایت تعجب ہو کہ باوجود اس قدر وسعتِ سلطنت کے یہ ممکن نہیں ہو کہ کسی گوشہ ملک میں کوئی ایک دینار پر تھوڑے کے اور وہ خواجہ (نظام الملک) کو معلوم نہ ہو جائے۔“ عہدہ نے کہا کہ یہ سب سلطان الپ ارسلان کے

اقبال کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اگر کوئی اس طوس کے پل (گادو طوسی) کو بیچ بھی ڈالے تو اسے خبر نہ ہو۔ ۱۱۔
غرض کہ عید سفارت کے ہمراہ مرو تک پہنچ گیا اور سلطان کے حضور میں نذر لے کر اور تحفے پیش
ہونے لگے چنانچہ جب صوف کے تھان پیش کیے گئے اسوقت مجھے خیال آیا کہ اور تو سب
رنگ ہیں مگر سفید رنگ کیوں نہیں ہے چنانچہ سینے اچھی سے اسکا سبب پوچھا۔ اُسے جواب دیا
کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ بھیجنے والے جانیں؟ تب میں عید کی طرف متوجہ ہوا تو اُسکے چہرے پر مجھے
کسی قدر تغیر محسوس ہوا۔ اور آپ ہی آپ بڑبڑانے لگا کہ رنگوں میں سفید کوئی رنگ نہیں ہے۔
میں نے کہا کہ خواجہ صاحب! اسوقت مسائل حکمت سے کوئی بحث نہیں ہے کہ حکمانے بیاض سفید
کو اوان میں شمار کیا ہو یا نہیں؟ بلکہ اسوقت تو گفتگو اس پر ہے کہ جبکہ ایک بادشاہ نے محض زب
زمینت کے خیال سے ہر رنگ کے نفیس صوف بھیجے ہیں تو سفید رنگ کا ہونا بھی ضرور تھا۔ اور
یہ محض میرا خیال ہے جو دل میں کھٹک رہا ہے۔ چنانچہ بعد از رخصت سفارت سینے فوراً دو ایک آدمی
انکی قیام گاہ پر بھیجے اور فہرست تحائف لیکر ان میں سے ایک شخص میرے پاس آیا۔ اور نہایت
احتیاط سے باتوں باتوں میں نے پوچھا مگر کوئی بات ایسی نہ معلوم ہوئی جس سے خیانت پائی جاتی
غرض کہ میں نے معذرت کے بعد اُسکو واپس کیا۔ لیکن عید مغفور نے دربار کے واقعہ سے ہنسا
کو بایں الفاظ اطلاع کی کہ ”طاؤس آنحضرت بجز ہرل امین مناقشا نمود و بے دیگر از ہذیمات
بآں اضافہ کردہ“

چونکہ میں اس تحقیقات میں ناکامیاب رہا تھا اسوجہ سے تمام شب اسی ادھیر بن میں با صبح کی ناز
پڑھ کر میں مضطرب و متفکر بیٹھا ہوا تھا۔ کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ قیصر روم نے سلطانہ (دیسلم)

الپا رسلاں کے لیے علیحدہ تحائف روانہ کیے ہیں۔ اور تحائف کی ایک فہرست بھی ان لوگوں کے پاس ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سفید صوف کا تذکرہ یہ لوگ اُس جماعت سے کر دیں اور کچھ دو بدل ہو جائے۔ سلطانہ اندون مرغزارزدگان میں جلوہ فرما تھیں۔ کیونکہ انھیں ضعف قلب ہو گیا تھا اور پہلے بھی یہ عارضہ اسی پر فضا جگہ میں جاتا رہا تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً ایک تیز رفتار قاصد طوس کو روانہ کیا اور وہاں سے وہ اُردوئے حرم میں داخل ہوا۔ چنانچہ نواب حرم نے تمام کاغذات ایک خریطے میں سرچھڑ کر کے میرے پاس بھیج دیے اور سفارت کا ایک آدمی بھی ہمراہ کر دیا۔ سب سے پہلا کاغذ جو خریطے سے برآمد ہوا وہ تحائف کی مفصل فہرست تھی۔ اُنہیں بھی تمام صوف باعتبار رنگوں کے تھے۔ تب میں نے افسر سفارت کو طلب کر کے خلوت میں صحیح صحیح حال پوچھا۔ اب چونکہ انکار کا موقع باقی نہ تھا اسیلئے اُس نے صاف صاف بتا دیا۔ لیکن میں نے خود اس معاملے کے اخفا اور اظہار میں تامل کیا۔ کیونکہ معاملے کے اظہار میں دلی عمدہ سلطنت کی ناراضی کا خوف تھا۔ لیکن یہ وہ فعل شنیع تھا کہ اسکا چھپانا بھی بچھڑکل تھا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ یہ سفید صوف کیا عجب ہو کہ عمید کے تحت میں ہو۔ لہذا میں نے خصومت کا پہلو بجا کر عمید کو یہ رباعی لکھ بھیجی۔

از سر بنہ این نخوت کاوسیؑ بگزا بحسب سبیل طاوسیؑ را
یعنی ہمہ صوف ہمارے قیروسیؑ را پیش آر۔ دگر گاوگو طوسیؑ را

۱۔ دیکھو جاشیہ صفحہ ۲۶ حصہ اول کتاب مجمع البلدان میں اس کو رازدکان لکھا ہے۔ ابو محمد عبداللہ بن ہاشم حسن بن احمد بن محمد رازدکانی مشہور محدث و فقیہ ہریان کرے ہے۔ دیکھو صفحہ ۲۰۲ جلد ۴۔ مجمع البلدان۔

باوجود ثبوت کے پھر بھی عہد کا وہی انکار رہا اور اپنی ہی کہے گیا۔ آخر میں مجبور ہو کر یہی فیصلہ کیا کہ یہ قصہ جوں کا توں طے کر دیا جائے کیونکہ زیادہ چھیڑ چھاڑ میں دلچسپی کی ناراضی کا کھٹکا تھا۔ چوتھا خطرہ ہمیشہ دیوان و دفتر کے مہتمم با نشان معاملات ارکان سلطنت اور اُمراء و دولتمندوں کے وابستہ رہا کرتے ہیں اور وہ مجلس میں برابر اُٹھتے بیٹھتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں اگر اُس نے ان اُمور میں ذریعہ تکلف کرے تو یہ ممکن نہیں ہے اور بڑی مشکل یہ ہے کہ اس گروہ سے نہ تو پوری پوری رستی ہی ہو سکتی ہے اور نہ دشمنی کیجا سکتی ہے۔ بلکہ ان کی دوستی اور دشمنی دونوں پر خطر ہیں لہذا میں یہ پھلوں پر الگ الگ بحث کرونگا۔

دوستی کے خطرے یہ خوب سمجھ لو کہ اپنے عشق اور خالص محبت کی بنیاد صرف نہیں لوگوں میں مستحکم طور پر پرست سکتی ہے جبکہ دلوں میں فی نفسہ وفاداری، سچائی اور نباہ کا خیال ہو۔ لیکن جنگجو ہمیشہ اوروں کی زوال نعمت اور نقصان دولت کی فکر دانگیر رہتی ہے۔ ان میں یہ رشتہ کیونکر جوڑ سکتا ہے؟ سچی محبت نہ تو کب ایسے اشخاص سے ہو سکتی ہے اور نہ کسی فرد واحد سے۔ کیونکہ دوستی کا تو یہ تقاضا ہے کہ اپنے دوست کے دشمن کو بھی دشمن ہی سمجھے لیکن چونکہ یہ سب اصل مزاج میں ایک دوسرے سے بھانا بغیر و نفرت الگ تنگ رہتے ہیں۔ ایسے عقلاً اس گروہ سے میل ملاپ کرنا گویا بیٹھے بٹھائے عداوت مولیٰ سنا ہے۔ یعنی جس طرح جمع بین الضدین ممکن ہے اسی طرح ان میں محبت کا ہونا بھی محال ہے۔ اور اتفاق خود ہی کیا کم بڑی خصلت ہے۔ اور جب کئی اُسپر آمادہ ہو جائے تو وہ زیادہ عرصہ تک چھپ نہیں سکتی ہے۔

مجموعی حیثیت سے جو نقصان اس محبت میں ہیں وہ میں بیان کر چکا۔ اب اُس محبت کی مضرت کا

بیان کرتا ہوں جو باغداد کی جاتی ہے۔

جب کسی ایک شخص سے محبت ہو جاتی ہے تو دوسرے لوگ خود اس کی عداوت پر تہجائے ہیں اور قبل اس کے کہ اس دوستی سے کوئی شرہ مترتب ہو اس دشمنی سے سو طرح کے نقصان پہنچ جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر جو نقصان اس میں ہے وہ یہ ہے کہ بادشاہ کا مزاج بدل جاتا ہے۔ کیونکہ کبھی کوئی بادشاہ وزیر اور اعیان دولت کے میل جول سے راضی نہیں ہوا ہی بلکہ ان کے اتحاد کو شک اور بدگمانی کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں

حکایت الپ ارسلان کے ابتدائی دور حکومت میں قتلش سلجوقی نے باغی ہو کر تمام ملک رے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایسے سلطان نیشاپور سے اس بغاوت کے فرو کرنے کو روانہ ہوا جب کہ وادی الحلیہ میں پہنچا تو حکم دیا کہ تمام خزانہ جو فوج کے ساتھ جا رہا ہے وہ سپاہیوں کو تقسیم کر دیا جائے۔ میں سعید عارض کے ہمراہ فوج نظام کی جانچ پڑتال میں ہر طرف گھومتا پھرتا تھا کہ اتفاقاً امیر التوتناش کے خیمے کی طرف جا بھٹکا چونکہ درباریوں میں یہ سب نہایت محترم اور مغر تھا ایسے تعظیماً اور نیز امیر کے فرمائے تھوڑی دیر کے بیچ میں وہاں ٹھہر گیا۔ چنانچہ اس کی اطلاع اسی وقت سلطان کو کر دی گئی۔ اور میرے اس ذرا دیر کے قیام سے وہاں کچھ اور ہی خیال پیدا ہوا۔ حالانکہ التوتناش ایک نامتوجربہ کار، کم عقل، اور سید ہا سادہ ترکان تھا۔ اور اکثر معاملات میں میری اور اس کی مہانت کو نوبت پہنچی کہ سینے قلبدان وزارت اٹھا دیا۔ اور اس نے

سلجوقی قتلش بن ارسلان بن سلجوق۔ الپ ارسلان کا چچا زاد بھائی تھا۔ طغرل بگیت اسکو اپنی حیات میں دم پر بعض نعمتیں روانہ کیا تھا۔ چنانچہ سلطان قونیا قیصر، طبرستان کا یہ مورث اعلیٰ تھا۔ الپ ارسلان قتلش میں ۵۵۰ھ میں یہ امانی ہوئی تھی۔ ابوالفضل کی روایت ہے کہ علم نجوم میں اسکو بڑا ملکہ تھا تفصیل حالات تاریخ آل سلجوق و کامل اثیر میں تحریر ہے۔

کر سے تلوار کھو کر سلطان کے سامنے رکھ دی۔ مگر سلطان کو یقین نہ آتا تھا اور وہ بناوٹ سمجھتا تھا۔ اور میری طرف سے جو بدگمانی ہو چکی تھی وہ بدستور قائم رہی اور اس کے نقصان کا اثر بھی محسوس ہونے لگا۔

عداوت کا نتیجہ جس طبقے میں دشمنی اور عداوت کا ظہور ہوتا ہے وہ کبھی سرسبز نہیں ہوتا اور گو معمولی آدمیوں کی بھی عداوت کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ لیکن زبردست کی عداوت تو اور بھی خطرناک ہوتی ہے۔ اور خاص کر ایسی جماعت حکو در بارشاہنشاہی میں وثوق اور اعتماد کا درجہ حاصل ہو۔ ایسے لوگوں سے دشمنی کرنا گویا جان بوجھ کر اپنی جان، مال اور عزت کا برباد کرنا ہے۔ کیونکہ معزز طبقے کے لوگوں کو جب غصہ آتا ہے یا کوئی بڑی ضرورت پیش آ جاتی ہے تو وہ پہلے دشمن پر غالب ہونے کے لیے تمام عمر کی دولت صرف کر دالتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود بادشاہ اس شخص کی غرض و نہایت سے واقف ہو جاتا ہے اور دشمن کو شکایت کا موقع نہیں ملتا اس ذریعہ سے کچھ دنوں تک امن و امان رہتا ہے۔ لیکن آخر کو بے نتائج ضرور پہنچتا ہے۔

حکایت سلطان محمود غزنوی کے ابتدائی دور حکومت میں خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد اسفراینی عمدہ وزارت پر ممتاز تھا۔ اور سلطان کا ایک نہایت معتبر اور معتد رشتہ دار امیر علی خویشاوند صاحب تھا چونکہ خواجہ سے امیر علی دشمنی رکھتا تھا اور سلطان بھی اس صلیب سے

خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد اسفراینی، دربار عید الملک فائق میں عمدہ کاتب پر مامور ہوا تھا۔ لیکن بعد زوال دولت فائق، امیر ناصر الدین سبکتگین کے دربار میں آیا اور درجہ وزارت پر ممتاز ہوا۔ اور سلطان محمود نے بھی خلعت وزارت سے مشرف کیا۔ علاوہ علمی فضل و کمال کے نہایت مامور رہا تھا۔ لیکن امرا کی سازش اور جوڑ توڑ سے عمدہ وزارت جلد ختم ہو گیا جیسا کہ خواجہ نے لکھا ہے۔

واقف تھا ایسے امیر علی کی گہری چالیں خالی جاتی تھیں اور سلطان پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص خواجہ کی انتظامی غلطیاں بھی دکھلاتا تو سلطان اُسکو حاجب کی شرکت سمجھتا تھا۔ غرض کہ جب امیر کو یقین ہو گیا کہ اب اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی ہے تب خاموش ہو کر موقع کا منتظر رہا۔ یہاں تک کہ خواجہ کی حالت خود ہی درجہ تنزل کو پہنچ گئی۔ اور اس تنزل کا سبب یہ ہوا کہ خواجہ نے تمام اطراف سلطنت میں ظالم عمال مقرر کر رکھے تھے جنہوں نے رعایا کو انکی طاقت اور قوت سے زیادہ متاثر رکھا تھا۔ خصوصاً صوبہ خراسان کی حالت نہایت اتر تھی۔ علاوہ ظالم کے قحط کی شدت نے وہ مصیبتیں برپا کی تھیں کہ لفظ لفظاً غرض کہ جب قدر حاصل مروج جمع بندی تھے اُن سے ایک جتہ بھی سرکار کو وصول نہیں ہوا اور رعایا آوارہ وطن ہو کر خانہ بدوش ہو گئی۔ اِن حالات کو دیکھ کر ابو العباس خود بھی پریشان ہو رہا تھا مگر وہ کیا کر سکتا تھا بجز اسکے کہ اپنی تدبیر میں کامیابی کا اقرار کرے۔ اور چونکہ آمدنی داخل خزانہ نہیں ہوتی تھی ایسے سلطان کی ناراضی کی متواتر ضرب خواجہ تک پہنچ رہی تھیں خیر کہ بقیرار اور حیرت زدہ ہو کر خواجہ نے سلطان کی حضور میں وزارت سے ہتھ اٹھ بیچ دیا۔ سلطان نے فرمایا کہ ”خواجہ سے کہہ دو کہ میں تم پر نہ تو ظلم کرتا ہوں نہ کسی قسم کا دباؤ ڈالتا ہوں بلکہ صرف یہ کہتا ہوں کہ جب قدر رقم وصول کی گئی ہو اور جس کی تصدیق دفتر وزارت سے ہوتی ہو وہ خزانہ شاہی میں داخل کر دی جائے۔ اور وزارت سے صلحہ ہو جائے“ لیکن اُسکے بعد خواجہ ابو العباس سے وزارت کا قلمدان ابو اسحق محمد بن الحسن رئیس بلخ کو دلا دیا گیا۔

شمس الکفاۃ خواجہ احمد حسن مہمندی سلطان اور وزیر کے مابین سفارت کا کام کرتا تھا۔ غرض کہ بڑی کوششوں سے یہ طے پایا کہ خواجہ ابو العباس ایک لاکھ دینار طلائی داخل خزانہ کرے چنانچہ

عہد نیابت عمید الملک فائق سے ولایت خراسان، اور ایام وزارت تک جب عقد نفی ہو
لوٹدی وغلام اور دیگر جاہل و منقولہ وغیرہ منقولہ پیدا کی تھی وہ سب تاوان میں سلطان کے نذر
ہو گئی۔ جب خواجہ ابوالعباس مغلس ہو گیا۔ اور نوبت فاسے کی پہنچ گئی تب سلطان سے اپنی
حالت کا اظہار کیا۔ سلطان نے نوازش شاہانہ فرمائی اور اپنے روبرو طلب کر کے کہا کہ ابوالعباس
میری جان اور سر کی قسم کھا کر بیان کرو کہ اب تم بالکل محتاج ہو گئے ہو اور تمھارے پاس کچھ باقی
نہیں ہے اگر سچ سچ کہو تو پھر تم سے بقیہ مطالبے کا کچھ مواخذہ نہ کیا جائیگا۔ خواجہ نے کہا کہ قسم
قسم کھانے سے معافی چاہتا ہوں دوبارہ اپنے اہل و عیال سے تحقیق کروں اگر انکے پاس کچھ
بھی ہو گا تو میں داخل کر دوں گا، اسکے بعد قسم کھاؤں گا۔ چنانچہ گھر جا کر سب کو ڈاڈا دہکا کر اور بڑی
بڑی قسمیں دیکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک ناکھڑا لڑکی کا سباب جہیز کسی سوداگر کے پاس
امانت رکھا ہے چنانچہ وہ بھی لا کر داخل خزانہ کر دیا اور پھر بادشاہ کی جان و سر کی قسم کھائی کہ اب
میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ لیکن میر علی خورشید کو ہنوز عناد باقی تھا، اور وہ اس قسم کا حال بھی
سُن چکا تھا۔ اسلئے ایک دن تھلے میں جبکہ سلطان ہندوستان کا سفر کر رہا تھا۔ عرض کیا کہ
مجھے بدلت سے ابوالعباس کی خیانت کا حال معلوم ہے اور ہر وقت میں اسکے اظہار کی کوشش
کرتا تھا لیکن سلطان کے نزدیک رکایت خود غرضی پر محمول سمجھی جاتی تھی۔ لیکن باقبال حضور
بلا واسطہ میرے ابوالعباس کی خیانت کھل گئی۔ اور اس پر بھی وہ شہنشاہ کی جھوٹی قسم کھا چکا
ہے۔ حالانکہ چند چیزیں اس وقت بھی ایسی نا درالوجود اسکے پاس ہیں جسے اکثر بادشاہوں کے خزانے
خالی ہیں۔ یہ سن کر سلطان نہایت متاثر ہوا۔ اور کہا کہ اگر تمھاری بات سچ ہوئی تو ابوالعباس

ضروریست کہ مستوجب ہوگا۔ امیر نے کہا کہ اگر ان چیزوں کے برآمد کرنا مجھ کو خستہ یا رویدیا جائے تو میں اپنے دعوے کو ثابت کر سکتا ہوں سلطان نے فرمایا منظور ہے مگر شرط یہ ہو کہ جب تک تمہارے قول کی سچائی ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی جان کے خواہاں نہونا۔ چنانچہ معاہدے کے بعد امیر تخت ہو گیا اور اس زمانے میں خواجہ ابو العباس ایک قلعے میں قید تھا۔ اب امیر کا حال سننے کہ ہندوستان کی کسی لڑائی میں اسکو ایک خنجر مل گیا تھا جسکے قبضے پر تھانہ متقال کا یا قوت رمانی جڑا ہوا تھا۔ اور بنی سامان کے دینے سے ایک پایہ فیروزے کا اڑا لیا تھا جس میں ایک سیر شربت آجاتا تھا۔ اور بادشاہ کے خوف سے یہ دونوں چیزیں مخفی رکھتا تھا۔ غرض کہ ان چیزوں کو اپنے ہمراہ قلعے میں لے گیا اور خواجہ کو حراست میں لیکر اپنے سپاہیوں کے سپرد کر دیا۔ اور چند روز کے بعد سلطان کے حضور میں خنجر اور پایہ پیش کیا اور کہا کہ نہایت آسانی سے بغیر سختی اور تدارک کے یہ چیزیں مل گئیں ہیں جن میں سے ایک شاہان ہند کا تحفہ ہی جو حضور میں پیش کیا گیا۔ اور دوسرا وقت ملنے دینے بنی سامان کے خیانت کیا گیا ہو۔ اب بقیہ مال کے لیے اگر حکم ہو تو سختی کیجئے سلطان نے ناراض ہو کر یہ چیزیں امیر علی خوشاوند کو بخش دیں اور حکم دیا کہ جس طرح ہو بقیہ مطالبہ اس سے وصول کیا جائے چنانچہ جب سلطان ہندوستان کو روانہ ہو گیا اس وقت امیر علی نے خواجہ کو اس کے دشمنوں کے سپرد کر دیا اور اسی کشاکش میں وہ مر گیا۔ اس واقعہ کے بیان کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ بڑے آدمیوں سے عداوت کرنے کا نتیجہ منجر بفساد ہوا کرتا ہے۔ واللہ اعلم

پانچواں خطرہ وزیر کو ضرورتاً منافع ملکی اور اپنے مالی فوائد میں جن لوگوں کو اپنے سے زیادہ کا حصہ دار بنانا چاہئے وہ عامل، کاتب، سفیر، دبیر اور اہلکاران دفتر ہیں۔ کیونکہ جس طرح نظام سلطنت بغیر سپاہیوں اور سپہ سالاروں کے محال ہے۔ اسی طرح وزارت کے مشکلات کا حل بغیر اس فرقے کے ممکن نہیں ہے۔ اگر اس جماعت سے رعایت نہ کی جائے تو یہ جان کے خواہاں ہو جاتے ہیں۔ عزت و دولت کا تو ذکر کرنا ہی فضول ہے۔ لہذا دوسرے گروہ کے مقابلے میں یہی مناسب ہے کہ ان لوگوں کا فخر، ثروت سے۔ عجز، قوت سے۔ محنت، دولت سے اور گمنامی شہرت سے تبدیل کر دی جائے اور انواع و اقسام کے انعام و اکرام سے یہ مالا مال کر دیے جائیں تاکہ ہلاکت اور استیصال کے درپے نہ ہوں۔ اور اگر کبھی ایسے رعایتیں نہ کی جائیں یا ان کے جائز حقوق ہمیشہ کے لیے میٹ دیے جائیں تو بلاشبہ یہ سب کے سب تفاق و خلاف پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور انکو بھر کا کر آمادہ فساد کر دیتے ہیں اور ایک شخص کے ٹوٹ جانے سے پھر اکثر متحد و متفق ہو جاتے ہیں۔

میرے بیٹے! تمہارا یہ خیال کہ جب حکومت کی باگ عزیزوں، رشتہ داروں، اور معتمدان خاص کے ہاتھ میں ہوگی تو اس قسم کی خیانت نہ پیدا ہوگی اور یہ نقصانات جو پذیر نہ ہونگے؟ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ عزیز و اقارب سے خدمات و جماعت ملکی کا سرانجام ہونا غیروں کی خدمات سے کہیں بڑھ کر خطرناک ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ میں نے بسبب مریدانہ عقائد و امانت و دیانت کے تمہارے بھائی پر تمام سلطنت تقسیم کر دی ہے اور انکو بڑے عہدوں پر مقرر کر دیا ہے جس سے صرف یہی غرض ہے کہ وہ تمام مصالح و مفاد سلطنت سے مجھے آگاہ کرتے رہیں اور ضرور یہ کہ وہ اپنے نام اور

خاندانی عزت میں داغ نہیں لگائینگے۔

بادشاہ بیگم (ترکان خاتون) ایک عرصے سے مجھ سے ناراض ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ سلطان اُنکے بیٹے محمود کو ولیعہد سلطنت قرار دیں۔ مگر اس ارادے میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں، کیونکہ سلطان کے نزدیک شہزادہ برکیارق میں عقل و دانش کی علامتیں اور جہاندارگی آثار بہت زیادہ ہیں۔ اور بادشاہ بیگم سمجھی ہوئی ہیں کہ میں اس ولیعہد سی میں مارج ہوں۔ ایسے وہ خفا ہیں اور چاہتی ہیں کہ کوئی الزام میرے سر منڈہ دیں جس سے سلطان کا مزاج برہم ہو جائے اور میرے مخالفوں سے اس قسم کی ٹوہ لیا کرتی ہیں۔ اور یہی ہی باتیں پوچھا کرتی ہیں لیکن ابھی تک کوئی نقص نہیں ملا ہے۔ اور وہ سلطان سے بچنے کے اور کچھ کچھ نہیں سکتی ہیں کہ سینے سلطنت کو اپنے بیٹوں پر تقسیم کر رکھا ہے۔ مگر یہ وہ راز ہے کہ جسکو سولے میرے کوئی نہیں جانتا ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ صرف اسی ایک بات نے سلطان کے دل میں گھر کر لیا ہے خدا انجام بخیر کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عزیز درشتہ داروں کو خدمات سلطنت سپرد کر کے خود اپنی ذات کو اتمام کا نشانہ بنانا ہے۔ اور لوگ اسکو امانت کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اور اگر غیروں کو انتظام سپرد کر دیا جائے تو اُس کی بھی مضرتیں بہت ہیں چنانچہ حسن بن صباح کی ذات سے مجھے جو مصیبتیں نہیں اوپر پہنچ رہی ہیں اور آئندہ معلوم نہیں کہ اور کیا پیش آئیں گے تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔

لے دیکھو نوٹ مندرجہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱ اول جہیں محمود اور برکیارق کی ولیعہد سی کی بحث ہے

اسباب وزارت

ابتک میں نے جبقدر بیان کیا ہی چونکہ وہ تمہارے عقیدے اور ارادے کے خلاف ہے (یعنی ترک وزارت کا وعظ) ایسے اسکا کوئی اثر تم پر نہ پڑیگا۔ لیکن اب میں ایسے چند اسباب بیان کروں گا کہ جو لازماً وزارت میں اور انشاء اللہ تم اُن سے بہت کچھ فائدہ اٹھاؤ گے۔

کوئی کام کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، لیکن پھر بھی اُصول سے خالی نہ ہوگا۔ خصوصاً وزارت کا کام کہ جس پر ملک و ملت، اور دین و دولت کا انحصار ہے۔ اس میں بدرجہ اولیٰ شرط کی پابندی چاہیئے۔

منصبِ وزارت میں چار شرطیں ہیں جس کی بجا آوری واجب اور جکار کا ذکر کنا فرض ہے اور وہ یہ ہیں (۱) خداوند تعالیٰ کے احکام کی حفاظت (۲) بادشاہ کے احکام کی تعمیل (۳) بادشاہ کے ملنے والوں کی رعایت (۴) عامہ خلایق کے حفظ مراتب کا خیال۔

سنو! انسان بمقتضای فطرت کبھی ایسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہی، کہ جس میں اُسکا کوئی مطلب نہ ہو۔ اور عقلاً مقصود ہر کام سے اُسکا مناسب حال ہو اکر تا ہی۔ کوئی کام کرنے والا فضول محنت کرنا نہیں چاہتا ہی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دس روز کے سفر سے جو قلیل منافع حاصل ہو سکتا ہی اس کے واسطے کوئی ہوشیار آدمی ایک سال کا سفر گوارا نہیں کریگا۔ لہذا ایسے بڑے منصب میں (جیسا کہ وزارت ہی لباس، سواری، اور کھانے پینے کے تحفات پر نظر نہ ڈالنا چاہیئے) کیونکہ اس نے ترین شخص کو بھی یہ چیزیں کوشش سے مل سکتی ہیں۔ لیکن مقصود اس منصبِ عالی ہی

یہ ہے کہ دین و دنیا کی نیکنامی حاصل ہو اور اس کا حصول بغیر پابندی شرائط مذکورہ بالا محال ہے پہلی شرط۔ اگر آج اس شرط کی تعمیل میں قصور و تقصیر ہو جائے تو کل قیامت کے دن جہنم

و ندامت سے کنپڑ لگا۔ یا حَسْرَتِي غَلِيًّا كَا فَوَظَّتْ نِي جَنَّبِ اللّٰهُ ۱۱

اس شرط میں جو چیزیں ہمت بالشان ہو وہ یہ ہیں کہ اپنے مذہبی عقائد میں استحکم و مضبوط ہو۔ ایسا نہ کہ اہل بدعت کی طبع ساز گفتگو اور گمراہ فرقوں کی سخن آرائی سے مرکز راستی سے دور جا پڑے کیونکہ از باب دولت کی مجلس میں حکیم، صوفی، عارف، موحد وغیرہ سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں لیکن بہت بے ہوتے ہیں کہ اپنے کو محقق کہتے ہیں۔ اور حکمت، عرفان، توحید اور تحقیقات مذہب کے پیرائے میں بہت سے معتقات باطلہ بیان کر جاتے ہیں۔ جسکے سننے سے آہستہ آہستہ عقائد میں خلل پڑ جاتا ہے۔ لہذا اس امر کی ضرورت ہے کہ تم راسخ العقیدت بن جاؤ۔ اور فرض و سنن کی پابندی میں مستعدی کرو۔ طاعت و عبادت میں کبھی کوتاہی نہو۔ اور دل و دلچسپی دین کی ترقی اور شریعت کے زندہ رکھنے میں خوب ہی کوشش کرو۔ لوگوں کی تعریف و توصیف پر اپنے خالق کی رضامندی کو مقدم سمجھو۔ اور خوب سمجھ لو کہ جب تک عمدہ اخلاق نہوں اور بُری خصلتوں سے پرہیز نہ کیا جائے اس وقت تک خدا سے پاک کی رضامندی حاصل نہیں ہو سکتی ہے اور ان امور میں کسی معلم و مرشد کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ علم اچھا ہے۔ جہل بُرا ہے۔ عدل محمود ہے، ظلم مذموم ہے، سخاوت مقبول ہے، اور بخل مکروہ ہے۔ اور نہ اس میں کوئی شبہ ہے کہ اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہونا حیات جاوید کی دلیل ہے۔ اور ناپسندیدہ خصال کا اختیار کرنا ہلاکت اور ابدی عذاب کا باعث ہے۔

عذاب کا حکم اور ان کی تعمیل

حکایت جب سلطان ملک شاہ کی شادی خلیفہ بغداد کے یہاں قرار پائی اور سب جھگڑا کر
 طے ہو گئے، تب سلطان نے حکم دیا کہ اطراف عرب و عجم میں تمام اکابر و اشراف کو نو تر دیا
 جائے کہ وہ مجلس عقد میں شریک ہوں۔ چنانچہ مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، بلا و سام، روم، عراق،
 فارس، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ میں قاصد بھیجے گئے کہ معزز میہمان براہ راست بغداد
 تشریف لائیں۔ چنانچہ اس قدر مجمع ہوا کہ کوئی زمانہ اس کی نظیر نہیں لاسکتا۔ بغداد کے مغربی
 حصے میں خیام سلطانی نصب ہوئے تھے، اور مشرقی حصے میں قصر خلافت واقع تھا۔ چنانچہ
 پنج کے دن سلطان نے حکم دیا کہ اول تمام اعیان دولت دارا بخاندہ کو روانہ ہوں اور
 ترکوں کے دستور کے موافق خلیفہ سے عقد کی رضامندی حاصل کریں (ترکوں کا دستور
 تھا کہ عین رات کے دن بیٹے کی طرف سے کچھ لوگ بیٹی والے کے گھر جا کر نہایت منت و
 سماجت سے عقد کی منظوری حاصل کرتے تھے اور اجازت کے بعد رات روانہ ہوتی تھی)
 چنانچہ اس رسم کے ادا کرنے کے لیے، ارکان دولت بلحاظ عظمت حریم خلافت تک پیادہ
 روانہ ہوئے۔ جب خلیفہ کو اطلاع ہوئی تو فوراً ایک خادم سے کہلا بھیجا کہ نظام الملک سے ارہو کر
 آئے، چنانچہ صرف میں سوار تھا اور جملہ اکابر میرے ساتھ پیدل تھے۔ جب آستانہ خلافت پہنچے

۱۵۰۰ مقتدی بامر اللہ ابوالقاسم عبداللہ عباسی سے ملک شاہ نے بیعت کی۔ میں اپنی بیٹی کا عقد کیا تھا۔ اور اس شادی
 کے تفصیلی حالات ہم نے نظام الملک کے واقعات نقل میں لکھے ہیں۔ مگر خود ملک شاہ کی شادی کا واقعہ صرف خواجہ
 کی روایت پر لکھا گیا ہے۔ کیونکہ تاریخ کامل اثر وغیرہ میں اس شادی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن قرینے سے معلوم
 ہوتا ہے کہ شادی مقتدی کے خاندان میں ہوئی تھی۔ خلفائے عباسیہ میں مقتدی اٹھائیسواں خلیفہ تھا جبکہ

پہنچے تو مجھے ایک مسند پر بٹھایا اور بقیہ حضرات میرے دائیں بائیں کھڑے ہوئے۔ خلیفہ کی جانب سے سب کو خلعت تقسیم ہوئے اور جو خلعت مجھے مرحمت ہوا اُس پر نقش تھا "الوہی العالم العادل نظام الملک رضی امیر المومنین"۔

ابتداءً دولتِ اسلام سے اس وقت تک کسی وزیر کو "رضی امیر المومنین" کا خطاب نہیں ملا تھا۔ میرا مطلب اس واقعہ کے بیان سے یہ ہے کہ اس وقت شیطان میرے نفس میں غمٹ اور جبروت کے خیالات پیدا کر رہا تھا اور میں ان چیزوں کی یوفانی اور ناپائیداری کے خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور باوجود اس اعزاز کے مجھے اپنا ضعف اور عجز نظر آ رہا تھا۔ اور یہ تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ منصب یا اسی قسم کے ایک لاکھ۔ ایک درجہ (ڈگری) بخاریا ایک مرتبہ کے درد سر کے لیے وجہ تسکین نہیں ہو سکتے ہیں۔ اور میری زبان پر اس وقت کلمہ لا حول جاری تھا۔ یہ واقعہ تو دن کا تھا جبے ات ہوئی۔ تو میں نے خواب میں دیکھا کہ وہی مسند ایک بلند مقام پر بچھی ہوئی ہے۔ اور میں اُس پر وہی خلعت پہنے ہوئے بیٹھا ہوں۔ مگر تنہائی کی وجہ سے خوفِ وحشت میں مبتلا ہوں۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڈکل اور کرینٹرا آدمی میرے برابر آنکر بیٹھ گیا۔ جس کی بدبو سے میرا دم گھٹا جاتا تھا۔ اسکے بعد اور لوگ بھی اُسی شکل و صورت کے آئے اور مسند پر بیٹھتے چلے گئے، اور یہ آنے والے بد صورتی میں انگوں سے بھی فوق رکھتے تھے۔ غرض کہ اس قدر ہجوم ہوا کہ میں کشمکش میں پڑ گیا۔ بلکہ قریب تھا کہ میں مسند سے سر کے بل گر پڑوں اور اُن کی بدبو سے دم نکلا ہے، چنانچہ غایت اضطراب سے میں جاگ اُٹھا اور خدا کا شکر کیا، اور صبح کو صدقہ دیا گیا۔ لیکن جب رات آئی تو پھر وہی انگلیاں پیش نظر تھا۔ اور آج میں ستر

برجواس ہوا کہ بدن کا پٹنہ لگا اور اگر جاگ نہ پڑتا تو یقین تھا کہ تمام غمر سوتا ہی رہ جاتا۔ القصہ جب تیسری رات آبی تو میں ڈر کے ماسے قصد آجا گتا رہا۔ لیکن پچھلے پرنیڈ کے حملوں نے مجھے مغلوب کر دیا اور وہی گزشتہ نظارہ سامنے آگیا۔ اور میں اپنے کو مسند سے گرایا ہی چاہتا تھا کہ ایک خوبصورت اور عطر میں ڈوبی ہوئی روحانی اور نورانی جماعت جلوہ فرما ہوئی۔ اوجھے ہی اس جماعت کا ایک شخص سلام کر کے میرے پاس بیٹھا ویسے ہی اُن میں سے ایک شیطان رفوچکر ہوا، اور تھوڑی دیر میں آہستہ آہستہ سب سرک گئے اور نئے مہمانوں کی ہم نشینی سے مجھ میں تازگی اور زندہ دلی پیدا ہو گئی۔ جب خاطر خواہ سکون ہو گیا تو مینے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ اور وہ کون لوگ تھے؟ جواب دیا کہ ہم تمہارے اخلاق حمیدہ اور وہ عادات فیئیمہ تھے۔ ہم دونوں کی مدت قیام کی کوئی میعاد نہیں ہے۔ بلکہ تمام غم کا ساتھ ہے۔

اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ ہم میں سے کون ہے اور کون جاوے؟ خواب و خیال کی باتوں میں جو لطف مینے اٹھایا اسکا پورا بیان کیونکر کروں۔

مختصر یہ کہ یہ واقعہ کچھ ایسا عجیب و غریب تھا کہ اس سے پہلے مینے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اسی حالت میں پڑا ہوا تھا کہ لوگوں نے سوتے سے جگا دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ صاحبان مسند وزارت اخلاق حمیدہ کے حصول میں کوشش کریں، اور اسکو لوازمہ وزارت سمجھیں اور بُری عادتوں سے ہمیشہ بچتے رہیں

طریق عبودیت ۲ دوسری بات واجب العمل یہ ہے کہ اتفاقات حسنہ کو اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھیں گو حصول اسکا تدبیر کے بعد ہی کیوں نہ واقع ہوا ہو۔ بلکہ اسکو خدا کے فضل و کرم چمکوں کا چمکا

لیکن میرا یہ قول بھی نہیں ہو کہ کسی قسم کی تدبیر ہی نہ کیجائے بلکہ میں علانیہ کہتا ہوں کہ کیا ہی چھوٹا کام کیوں نہ ہو قواعد عقلیہ سے جانچ کر اُس کی تدبیر کیجائے۔ اگر نتیجہ خاطر خواہ نہ ملے تو سمجھ لو کہ یہ بھی خدا کی مہربانی ہے۔ اس خیال کو اگر انسان اپنی سیرت بنالے تو ایک مبارک خاصیت بلکہ تکمیل ایمان کی علامت ہے۔ کیونکہ ہر مقصد میں تیرے کامیابی نہیں ہوتی ہے اور یہ بھی بدیہی ہو کہ اگرچہ بغیر تدبیر کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ لیکن بسا اوقات مجھے تجربہ ہوا ہے کہ وہ بغیر تدبیر کے ہوئے ہیں جسکو میں ”اتفاق حسنہ“ سے تعبیر کرتا ہوں

حکایت ۱۱ قزل ارسلان، امیر فارس و کرمان کی بغاوت کا حال سن کر جس سال سلطان الپ ارسلان نے فارس و کرمان کا سفر کیا ہو۔ اس وقت طنجہ کا حاکم فضلویہ تھا۔ چونکہ اُس نے اپنی اطاعت سے سلطان کو رضامند کر لیا تھا۔ لہذا حکومت فارس کی سند بھی فضلویہ کو لکھی گئی تھی۔ لیکن جب سلطان کرمان ہو کر خراسان کو روانہ ہو گیا تو فضلویہ فارس کے ایک مستحکم قلعے میں اپنا تمام خزانہ اور فرج لیکر چلا گیا۔ اور سلطان سے بغاوت پر آمادہ ہوا۔ لہذا سلطان نے اس شورش کے مٹانے کے لیے مجھے مامور کیا۔ چنانچہ ہماری فوجیں فضیل قلعے کے نیچے بہت جلد پہنچ گئیں لیکن خیر خواہان سلطنت میں سے جو اس صوبے اور نیر قلعے کے حالات سے آگاہ تھے انھوں نے عرض کیا کہ قلعے کا محاصرہ کسی طرح مناسب نہیں ہے، کیونکہ یہ قلعہ ناقابل فتح ہے۔ بلکہ مناسب ہے کہ فضلویہ کو خوف دلایا جائے، اسوقت باہرنگی انتظام ہو جائیگا۔ چنانچہ میں نے بہت کچھ غور کیا اور دل ہی دل میں فیصلہ کرتا رہا کہ فضلویہ کے پاس جانا چاہیئے یا سفر کرنا

۱۱۔ قزل ارسلان و فضلویہ کے واقعات، نہایت تفصیل سے فتوحات ملکی کے ذیل میں تحریر ہیں۔

چاہیے؟ لیکن مزاج پہلو نہ نکلا۔ تب مینے فیصلہ کیا کہ اس صورت میں سلطان کا حکم مقدم ہو، اگر میری کوشش کامیاب ہو گئی تو بہتر ہی در نہ عدول حکمی کے مواخذے سے بری رہو گا۔ غرض کہ یہ رائے قطعی ہو گئی اور قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔ محصورین مستغنی تھے اور وہ کسی طرف سے نظر نہ آتے تھے اور مینے بھی مستحکم ارادہ کر لیا تھا کہ محاصرہ نہ اٹھاؤں گا۔ بلکہ اسی غرض سے ایک سال کی رسد کے لیے احکام جاری کر دیے تھے۔ مختصر یہ کہ صرف ایک ات محاصرہ رہا اور صبح کو پشت کے وقت یکایک قلعے سے الامان کی صدا اُٹنے لگی۔ تب مینے امن و امان کا حکم جاری کیا۔ فضلوہ نے سالانہ خراج ادا کرنا منظور کیا۔ اور بہت سے تحفے تحائف روانہ کیے۔ ہم لوگوں کو نہایت استعجاب تھا۔ اور وہاں کے باشندوں کو بھی حیرت تھی۔ کیونکہ یہ وہ قلعہ ہی جو برسوں کی لڑائی میں بھی فتح نہیں ہو سکتا تھا پھر کیا سبب ہوا کہ اس قدر جلد قبضے میں آگیا؟ لیکن تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جس شب کا یہ واقعہ ہوا اس رات کو خود بخود قلعے کے تمام نالاب اور حوض خشک ہو گئے تھے۔ اور کنوؤں کا بھی پانی سوکھ گیا تھا۔ اور ایک گھونٹ پانی بھی کہیں میسر نہیں آ سکتا تھا۔ ایسے محصورین امان کے طالب ہوئے تھے جب مجھے یہ معلوم ہوا تو مینے خدا کا شکر کیا اور سمجھ لیا کہ سب تدبیریں تقدیر الہی کے ماتحت ہیں۔ کیونکہ جو تدابیر فتح قلعے کے لیے کی گئیں تھیں اور جو واقعہ پیش آیا اُس میں مشرق و مغرب کا فاصلہ تھا مینے ایسے بہت کرشمے دیکھے ہیں مگر مناسب حال اسی قسم کا ایک واقعہ اور ہے۔

حکایت ۲ ۱۶۶۳ء میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے خراسان سے روم کا سفر کیا اور نواح کرخ میں پہنچ کر سلطان توروم کو روانہ ہو گیا۔ اور چونکہ کرخ کی فتح کا اہتمام شاہزادہ

ملک شاہ کے سپرد کیا گیا تھا، لہذا شاہزادہ کرنج کی طرف بڑھا۔ اور ایک قلعے کے قریب پہنچ گیا۔ یہ نہایت بلند اور مستحکم قلعہ تھا۔ اور اس کے چاروں طرف نہری تھیں، نام اس قلعے کا مرہم نشین تھا۔ اور ملک کے مشہور علماء و مشائخ (قیس رہبان) وہاں موجود تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ قلعہ بھی عیسائیوں کا ایک گرجا ہو۔ اور کرنج ولے بھی اکثر عیسائی تھے۔ غرض کہ اس قلعے کے چاروں طرف گرد آوری کی گئی تو معلوم ہوا کہ سوار و پیادے دونوں قلعے کی برجیوں تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر ملک شاہ کو بہت رنج ہوا۔ کیونکہ قلعہ کا بحال خود چھوڑ دینا اور اہالیان کرنج سے کسی قسم کی مزاحمت نہ کرنا، اور سلطان سے مدد مانگنا، اور قلیل فوج سے قلعے پر حملہ کرنا، یہ سب صورتیں تکلیف سے خالی نہ تھیں۔ اور جدال و قتال کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلتا تھا۔ اور بے غرتی کا خیال ان سب پر مستزاد تھا۔ اس لیے سینے ملک شاہ کو سمجھایا کہ آپ پریشان نہ ہو بادشاہوں کی مہمات اور یہی صورت سے سر ہوا کرتی ہیں۔ اور ان کو عائد خلافی کے کاموں سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی ہی۔ کیونکہ اگر بادشاہوں کے کام معمولی آدمیوں کی طرح ہو جایا کریں تو پھر تائید و الجلال کیونکر معلوم ہو، اور کا فائدہ انا م پر ترجیح کا پہلو کیونکر نکلتے؟

العقہ دوسرے دن مقابلے کی تیاری کی گئی۔ اور بہادروں نے بزرگیہ شہتوں کے خندق سے عبور کیا، اور بڑی کوششیں کیں، لیکن کچھ فائدہ نہوا۔ بلکہ بہت سے بہادر سپاہی ضائع ہو گئے اور ملک شاہ بغیر میری اطلاع چند آدمیوں کے ہمراہ ایک برج کے نزدیک چلا گیا اور قلعہ سے

اس قلعے کے تفصیلی حالات اور اس جنگ کا پورا خلاصہ فتوحات کے ذیل میں درج ہے۔

مکندیں چھپکی گئیں یہ توقع نہایت خطرناک تھا۔ مگر خدا نے بچالیا۔ اور برج کے نیچے سے کل کر یہ لوگ دوپہلے گئے۔ شاہزادے کی یہ حالت دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور مجھ سے کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ مہنوز چیرانی رفع نہیں ہوئی تھی کہ زور شور سے آندھی آئی اور تارکی نے ساری دنیا کو ظلمتکدہ بنا دیا۔ اور اسکے بعد ہونا ک زلزلہ آیا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ گویا قیامت آگئی ہے۔ جب مطلع صاف ہو گیا اور روشنی نمودار ہوئی تو دیکھا کہ قلعے کا مشرقی حصہ گر گیا ہے اور دیوار کے گرنے سے سارا خندق اٹ گیا ہے۔ چنانچہ فوج بلا تکلف قلعے میں داخل ہو گئی۔ فتح نصیب ہوئی اور اکثر عیسائی مسلمان ہو گئے۔ اور صرف اسی ایک فتح سے بقیہ بلا کسب پر قبضہ ہو گیا۔

میرا مطلب اس واقعے کے بیان سے یہ ہو کہ سارے مقاصد تدبیر پر موقوف نہیں ہیں بلکہ تائید آسمانی اور تقدیر ربانی بھی کوئی چیز ہے۔

(۳) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ جل شانہ کی اطاعت اور بادشاہ وقت کی اطاعت فرض ہے۔ اور جبکہ یہ فرمانبرداری عامۃً خلافت پر عموماً فرض کی گئی ہے۔ تو جو لوگ مقرہین اور خاص انخاص ہیں۔ انہیں تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیئے۔ اور سب سے بڑھ کر اس شخص پر جس کے ہاتھ میں مالی و ملکی اختیارات اور حکومت کی باگ ویدی گئی ہو، اور جو سلطنت کے گھاؤ بڑھاؤ اور امور مملکت کی سچیدگیوں کے سلجھانے کا ذمہ دار ہو۔ اس قسم کی اطاعت اس وقت تک نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ بادشاہ وقت کی عظمت و جلال کا سکھ دل پر نہ بیٹھ جائے۔ اور جب تک ایسا نہ ہو گا وہ خالص محبت کہ جو حقیقت میں اطاعت اور تعظیم تکرم کا نتیجہ ہے طر فین میں پیدا نہو گی

اور انجام کار غیر مستحسن نتائج ظہور پذیر ہونگے۔ اب رہے تعظیم سلاطین کے سبب وہ کئی نوع پر تقسیم ہیں۔

(۱) سب سے پہلے دفع مضرت ہو یعنی بادشاہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔ لیکن صفت عامہ حلالیٰ میں مشترک ہو۔ اسلئے وزیر کو سب سے زیادہ بادشاہ کی تعظیم کرنا کوئی خاص فائدہ نہیں بخشتا ہو۔

(۲) دوسرے جذب منفعت ہو جسکو کثرتِ اُمید کہتے ہیں اور جس طرح نوعِ اول میں ساری خلقت سیہم و شریک تھی اسی طرح اس نوع میں دربار کے تمام خاص و خواص مشترک ہیں اسلئے جب تک خوف درجا کا پردہ درمیان سے نہ اٹھ جائے، اور خالص محبت اور سچی ارادت نہ پیدا ہو، اُسوقت تک خاطر خواہ ثمرہ مترتب نہیں ہوتا ہو۔ اور جب عقیدت اس درجے پر پہنچ جائے اور پھر کسی مقصد میں خلل پڑ جائے تو نقصان کا خوف نہیں ہوتا ہو۔ بلکہ کامیابی جلد ہو سکتی ہو۔

اب میں وہ تدبیریں بتاتا ہوں کہ جسکے ذریعے سے انسان راسخ العقیدت بن جاتا ہو۔

(۱) خوب سمجھ لو کہ بغیر توفیقِ الہی اور تائیدِ سماوی کے کوئی شخص بادشاہ نہیں بن سکتا ہو اور نہ ساری دنیا کو وہ اپنا فرمانبردار بنا سکتا ہو، اگرچہ غلبہ و تسلط کے کتنے ہی اسباب موجود کیوں نہ ہوں؛ لیکن فی حقیقت سب کا مرجع تائیدِ غیبی ہو۔ اور صرف اس ایک سبب کے وجود پذیر ہونے پر دیگر اسباب خود بخود دمیا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ نتیجہ ارادتِ الہی سے حاصل ہوتا ہو اور اس میں بھی شبہ نہیں ہو کہ سلطانِ عادل کی اطاعت فرض ہو کیونکہ وہ زمین پر خدا کا سایہ ہو۔

(خل الله فی الارض)

حکایت روایت ہے کہ ابن اعلم رصدی سے جو مشاہیر منجھوں سے تھا خلیفہ ہیشتمہ ضمیمہ کے سوالات کیا کرتا تھا۔ اور استخراج ضمیر میں کوئی منجم ابن اعلم کا ہمپلہ نہ تھا۔ اگر تھا تو صرف ہاشم بنانی جو ابن اعلم کا ایک نہایت ذکی طبیب شاگرد تھا۔

ایک دن خلیفہ نے ایک پرچہ کاغذ پر کچھ لکھ کر قالین کے نیچے (جس پر بیٹھا ہوا تھا) دبا دیا اور ابن اعلم سے

سلطہ مامون الرشید عباسی کے بعد خلافت کی شان شوکت میں دال اگیا تھا اور خان حکومت مختلف شخصوں کی بات میں تھی۔ چنانچہ خلیفہ العاقر باللہ ابو منصور محمد کے زمانے میں بنی بویہ کی ابتدا ہوئی ابو شجاع بویہ بن قاضی خرم جو زبرد کی اولاد میں تھا اسکے تین بیٹے عماد الدولہ علی اور رکن الدولہ حسن اور معز الدولہ احمد بڑے نامور ہوئے اور ان کا اقتدار دربار میں بڑھنے لگا چنانچہ اُس وقت تکلیفی باللہ کے دربار سے احمد کو امیر الامرا کا عہدہ ملا اور آئندہ یہی خاندان تخت بعد وکامالک تھا جس کو چاہتے تھے تخت نشین کرتے تھے اور جس کو چاہتے تھے اُتار دیتے تھے۔ چنانچہ رکن الدولہ کا بیٹا عضد الدولہ بنی بویہ میں سب سے بڑہ کرنا مور ہو اہی اور یہ فارس کا حکمران تھا (اس کا عہد حکومت ۳۳۴ھ لغایت ۳۴۴ھ ہے) اس کا زمانہ علمی ترقیوں میں نہایت ممتاز تھا۔ اگر یہ بہادر حایت علم کا علم لیکر نہ اُٹھتا تو دسویں صدی عیسوی کے خاتمے پر علم کا چراغ گل ہو جاتا۔ چنانچہ اسکے دربار میں منجھ مشاہیر علمائے ہنیت کے ایک بن اعلم بھی تھا۔ اس شریف علوی کا نام ابو القاسم علی بن حسین بن محمد بن عیسیٰ تھا۔ اور تاریخ میں ابن اعلم کے نام سے مشہور ہے ہنیت میں عضد الدولہ ابن اعلم کا شاگرد تھا۔ اور ہمیشہ اس شاگردی پر فخر کیا کرتا تھا۔ عضد الدولہ کے انتقال کے بعد مصمم الدولہ اُس کے بیٹے ابن اعلم کی کچھ قدر نہ کی اور وہ ناراض ہو کر چلا گیا اور ۳۵۴ھ میں حج کو روانہ ہوا اور وہیں کے وقت بمقام عسیدہ انتقال کیا۔ خواجہ نظام الملک نے جس وقت کو لکھا ہے خلیفہ المظیع یا الطائع کے وقت کا ہو، انتخاب ان معتمد الدولہ عمری ۴۰۴ھ تاریخ عجیب سید یوسف زانیسی بیان ترقی علم ہنیت ۳۵۴ھ ضمیر سائل کا مافی الضمیر جب خود نجومی بیان کرتا ہے تو اس سوال کو ضمیر کھینچے ہیں ۳۵۴ھ بنان = مر و شاہجہاں کا ایک مشہور تزیین ہے، امراء البلدان ناصری صفحہ ۲۹۵۔ مجمع البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۸۸

پوچھا کہ بتاؤ میں نے کیا لکھا ہے؟ (اس وقت ناصر بھی موجود تھا) ابن اعلم نے استخراج ضمیر کے قاعدے سے بتایا کہ ”اُس کا خد پر خداوند جل جلالہ کا نام لکھا ہوا ہے“ لیکن ناصر نے ابن اعلم سے اختلاف کیا اور کہا کہ ”اسپر بادشاہ کا نام نامی ہے“ تب خلیفہ نے ابن اعلم سے پوچھا کہ تم کس قاعدے سے کہتے ہو کہ خدا کا نام ہے؟ اُسے جواب دیا کہ ”دلائل اور علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی رفعت و شان کا نام ہے اور تمام علامتوں سے خاص مہبت ٹپکتی ہے۔ اس لیے میں نے عرض کیا کہ وہ خدے تعالیٰ کا نام ہے“ پھر خلیفہ نے ناصر سے دریافت کیا کہ تمھاری کیا دلیل ہے؟ اُسے کہا کہ ”جناب استاذی جو کچھ فرماتے ہیں اور جن دلائل کی بنا پر حکم لگایا ہے وہ مجھے بھی معلوم ہیں۔ اور میں بھی کہنا چاہتا تھا کہ خدا کا نام ہے۔ لیکن یہ دعویٰ صفات الہی کے مقابلے میں کچھ ٹوٹتا ہوا معلوم ہوا۔ پھر میں نے سوچا کہ اگر خدا کا نام ہوتا تو امیر المؤمنین اُسکو فالین کے پیچھے نہ دباتے۔ ایسے میں نہایت یقین سے کہا کہ اسپر بادشاہ کا نام ہے“ اس مباہلے کے بعد خلیفہ نے وہ کاغذ نکالا تو اُسپر تحریر تھا ”سلطان عادل“ اس معرکہ آلا حکم پر ساری مجلس کو تعجب ہوا۔ اور ناصر بُنائی کو خلیفہ نے صلہ و انعام سے مالا مال کر دیا۔

اس دایت سے تمکو معلوم ہوا ہوگا کہ سلطان عادل کا یہ درجہ ہے کہ عقل نے صفات الہی سے اوصاف بادشاہی پر استدلال کیا۔ اور اقبالِ ربانی کی علامتوں کو اُس نے اوضاعِ سلطانی سمجھا ایسے اُس شخص کو جس کی دانشمندی و فزائگی پر سلطان عادل نے اعتماد کر کے دنیا کا سب سے بلند ترین درجہ (یعنی وزارتِ سپر) دے دیا ہو، زیبا ہے کہ وہ سچائی اور امانت کا مسلک

اختیار کرے۔ اور ایسے کام کر جس میں سلطنت کی مالی حالت ترقی پذیر ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ عدل انصاف قائم ہے۔ اور دلچسپی کے بہودہ خیالات دل سے مٹا دیئے جائیں خصوصاً وہ کام جبکہ شریعت نے منع کیا ہے۔ کیونکہ ذرا سی عیش پرستی میں بڑے بڑے کام بگڑ جاتے ہیں۔ اور تھوڑی سی جدوجہد میں معلوم نہیں کہ کیا کچھ ہو جاتا ہو۔

وزیر کو چاہیے کہ اپنے عیش و عشرت کو صرف بادشاہ کی رضا مندی پر منحصر رکھے۔ اور یقین کر لے کہ خدام کی کوئی خوشی بادشاہ کی خوشنودی مزاج کی برابر نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ دنیا کی ساری لذتوں کا سرچشمہ ہی ہے۔ اور ساری کوشش اسی کے حصول کے لیے کی جاتی ہے، ابتداء سے ملازمت میں دل لگا کر کام کرنا چاہیے، کیونکہ آگے چلکر اس کی لیاقت اور کارگزاری سے ہر قسم کی توفیر اور مالی ترقیاں ہوں گی جبکہ اطلاع بادشاہ تک پہنچے گی۔ لیکن حکومت ملنے پر فوراً ہی اُن تمام تجاویز پر عملدرآمد نہ کرنا چاہیے جو ترقی ملک کے لیے سوچی گئی ہوں بلکہ اُن کا نفاذ آہستہ آہستہ کیا جائے۔

(۲) جب معلوم ہو جائے کہ کسی خاص وجہ سے بادشاہ پریشان و متروک ہو تو اسکی اصلاح کی فوراً فکر کی جائے اگر کامیابی ہو جائے تو وزیر کی یہی قابل شکر گزاری ہوگی۔

ایسے تفرقہ جو وزیر کی تدبیر سے علاج پذیر ہو سکتے ہیں دو نوع پر تقسیم ہیں ایک ملکی دوسرا مالی

تفرقہ ملکی۔ ۱۔ تفرقہ ملکی کی تفصیل ایسے مختصر مضمون میں نہیں ہو سکتی ہے لیکن بسبیل اجمال سمجھ

لینا چاہیے کہ جس چیز پر ساری ملکی تدبیریں منحصر ہیں وہ یہ ہے کہ اپنے دوستوں کو رضا مند رکھے اور دشمنوں سے ہمیشہ بچا رہے۔ دوستوں کو تالیف قلوب اور مہربانی سے اس طرح

رکھنا چاہیئے کہ وہ دن بدن خیر خواہ ہوتے جائیں اور کسی وقت میں بھی مخالفت نہوں باقی رہے دشمن وہ جس عقل کے مطابق تین قسم کے ہوتے ہیں اعلیٰ مساوی۔ ادنیٰ۔

جو دشمن درجہ اعلیٰ کا ہی اُس سے حتی المقدور ہوشیار اور پُر حذر رہنا چاہیئے۔ اور جو درجہ ادنیٰ کا ہو نہ اُس کو باقی رکھنا چاہیئے نہ مہلت دینا چاہیئے۔ اور برابر والے سے ہانتک ہو سکے صلح و آشتی قائم رکھی جائے۔

بادشاہ کو عموماً بد عہدی اور نقض معاہدے سے بچانا چاہیئے اور اہل اسلام سے خصوصاً۔ کیونکہ بد عہدی کا نتیجہ ہر عہد میں نامبارک ہوا ہی۔ جو بادشاہ مضبوطی سے معاہدے پر قائم رہے ہیں اُن کو بمقابلے اُن فواید کے جو نقض معاہدے سے حاصل ہوتے، اپنے قول پر قائم رہنے سے (منجانب اللہ) کہیں بڑھ کر فائدہ ہوا ہی۔

حکایت نوح بنی میں جب امیر سمعیل سامانی اور عمر ولایت کا مقابلہ ہوا تو یہ مشہور ہے کہ امیر سمعیل نے عمر ولایت کو گرفتار کر لیا تھا۔ اور اُس کے خزانے کی تلاش شروع ہو گئی تھی لیکن جب کہیں سراغ نہ چلا تو خود عمر ولایت سے پوچھا۔ اُس نے کہا کہ ”متم خزانہ میرا ایک غریز تھا جس کا نام سامہ ہے۔ اگر وہ ہرات میں لوٹ آیا ہو تو معلوم ہو گا“ چنانچہ چند روز کے بعد امیر سمعیل ہرات

آل سامان۔ خراسان اور ماوراء النہر میں سامانیوں کی حکومت ۳۶۱ھ لغایت ۳۸۹ھ رہی ہے۔ اس خاندان میں نو پادشاہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ کسی شاعر کا قول ہے

نہ تن بودند ز آل سامان مشہور ہر یک بکومت خراسان مغرور

اسمعیلی و جمہدی و نصری و قویح و دو عبد الملک و منصور

چنانچہ امیر سمعیل اسی خاندان کا حکمران تھا اور عمر ولایت صفاریہ خاندان سے تھا۔ ازنگارستان

پہنچا۔ تو رعایا سے ہرات امن و امان کی طالب ہوئی اور ان کی درخواست منظور کی گئی لیکن جب اُس نے سام اور خزانے کا حال دریافت کیا تو تمام رُوسا نے قسمیں کھائیں اور کہا کہ ہمارے کچھ علم نہیں ہے۔ غرض کہ جب خزانہ ہات نہ لگا تو فوج میں بیدی پھیلنے لگی۔ کیونکہ شروع لڑائی سے اب تک کہیں ایسا مال غنیمت نہیں ملا تھا کہ جس سے اُنکے دل خوش ہوتے۔ اور نہ اہالیان ہرات نے نذرانہ پیش کیا۔ لہذا سب کی یہ رسلے ہوئی کہ ہرات والے حقیقت میں میطیع نہیں ہوئے ہیں، بلکہ آخر میں یہ ضرور بغاوت کریں گے۔ چنانچہ ارکان دولت نے متفق ہو کر امیر سمیعیل سے عرض کیا کہ اس وقت ہرات کی مردم شماری تخمیناً ایک لاکھ ہے۔ بطور امداد اگر ہر شخص سے دو مثقال سونا لیا جائے تو تیس مین سترہ سیر لکھ چھٹا تک سونا وصول ہوگا اور اگر اس کا نصف فوج کو دیدیا جائے تو بہت کچھ انکی حالت درست ہو سکتی ہے۔ امیر نے فرمایا ”کہ میں مسلمانوں کو امان دی ہے اور قسم کھا چکا ہوں اب اسکے خلاف کوئی تاویل نہ کر دنگا“ اور فوراً ہرات سے کوچ کر دیا تاکہ وہ شیطان کے مکر و فریب سے بچیں اور پھر اس قسم کا ذکر نہ کریں کہ جو نقص معاہدے کا باعث ہو؟ دوسری منزل پر پہنچ کر اعیان سلطنت نے پھر وہی ذکر شروع کیا۔ اور کہنے لگے معلوم نہیں اس ملک پر ہمارا قبضہ ہے یا نہ ہے۔ اس حالت میں یہاں ناکام جانا مصلحت ملکی سے بعید ہے۔ لیکن امیر نے پھر وہی جواب دیا اور کہا کہ جس قدر مطلق نے عمر و لیث کو تازیانہ تقدیر کے بل پر میرے سامنے دوڑایا اور اُسکو گرفتار کر دیا۔ وہ اسپر بھی قادیان پر پہنچا کہ بغیر کسی قسم کی تاخت و تاراج کے میری فوج کا کفیل ہو جائے۔ یہ یوپی کا

ملے بشج فوج موجود ہستائیں روپیہ فی تولہ میں لاکھ پچیس ہزار روپیہ ہوا

جواب سُنکر ارکانِ دولت رخصت ہو گئے، اور اُنسی وقت یہ معاملہ پیش آیا کہ ایک کینہ غمناک نے میں تھی اور اس کی مرضعہ حامل کپڑوں کے اوپر رکھی ہوئی تھی کہ ایک چیل چائل کے بعلوں کو گوشت کا ٹکڑا بھجھکے اور اُڑی۔ چنانچہ اسی وقت سوار دوڑے گئے۔ اُنھوں نے چیل کا تعاقب کیا۔ جب وہ ایک جگہ جا کر ٹھہری تو سواروں نے اُسکو گھیر لیا اور حامل تنجبے سے چھوٹ گئی لیکن اس جگہ کنواں تھا وہ اُس میں جا گری۔ چنانچہ ایک شخص (رسیوں کے ذریعے سے) کنویں میں اُتار آیا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک دوسرا کنواں اُسکے اندر ادھر ہوا اور اس میں صندوق رکے ہوئے ہیں، پاس جا کر دیکھا تو خزانہ نکلا۔ اور معلوم ہوا کہ سام مذکور بلج سے بھاگ کر لوگوں کی نظروں سے بچا ہوا پہاڑی راستے سے اس طرف آیا اور اس مقام پر خزانہ لا کر چھپا دیا۔ غرض کہ جس قدر عمر و لیسٹ کے خزانے کی اُمید تھی اور قینا کہ فوج رعایا سے ہرات سے وصول کرنا چاہتی تھی اُنکا دو چند لگیا۔ اور یہ عمدہ پیمان پر قائم رہنے کا صلہ تھا۔

تفرقہ مالی۔ ۲۔ اگر بادشاہ مالی مشکلات سے متردد ہو۔ مثلاً فوجی مصارف زمانہ جنگ میں یا اسی قسم کے دیگر اخراجات۔ اس وقت وزیر کو سعی کرنا چاہیے کہ عمدہ ذریعوں سے یہ مصارف کھل آئیں۔ بلکہ وزیر کی غیبت میں اگر کوئی خیر خواہ اُن تدابیر کا بادشاہ سے ذکر کر دے تو بہت ہی مناسب ہے۔

حکایت سلطان الپ ارسلان سلجوقی کا منجھنڈہ خاندانوں کے ایک مخزنِ قلعہ کو تھاپہ نوح قراہان میں واقع تھا اور سلطان کی اس خزانے پر خاص توجہ تھی۔ چنانچہ جب کبھی

لہذا ان جگو زبان بھی کہتے ہیں نوح ہمدان میں ایک مشہور گاؤں ہے، ابونصر صاحب ابسی گاؤں کا باشندہ تھا

خراسان سے عراق یا عراق سے خراسان جانیکا اتفاق ہوتا۔ تو اس خزانے کا ضرور ملاحظہ ہوتا تھا۔ اور اس میں جس قدر کمی معلوم ہوتی اسکا فوراً تدارک کر دیا جاتا تھا۔

چنانچہ دوسری مرتبہ جب دم پر فوج کشی ہوئی۔ اور فوجیں بمقام کئے پہنچیں اس وقت فوج کی تنخواہ اور وظیفہ باقی تھے۔ اور چونکہ سلطان نے کسی بار فرمایا تھا کہ جب تک ممالک دم پورا قبضہ نہ ہو جائیگا اسی نوگی اور کم سے کم تین برس تک ان ممالک میں رہنا پڑیگا۔ اس لیے مشورہ کامل کے بعد سلطان نے حکم صادر فرمایا کہ قلعہ گیو سے یہ مصارف ادا کیے جائیں۔ چنانچہ جب یہ مخم ختم ہو گئی تو واپسی کے وقت سلطان نے نواح خرابان میں قیام کیا۔ اور فرمایا کہ یہ بڑا بیش قیمت ذخیرہ تھا اور اس میں سے کثیر رقم نکلی ہوئی۔ اور جب دفتر سے حساب پیش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دس لاکھ صرف ہو چکے ہیں۔ لہذا سلطان نے حکم دیا کہ یہ کمی فوراً پوری کی جائے چنانچہ سلطان کو پریشان دیکھ کر میں غیمے سے باہر نکل آیا۔ اور جاگیر خالصہ کے ایک سو مال کی فہرست مرتب کر کے لے کر نام یہ حکم بھیج دیا کہ ہر مال دس ہزار درہم (یہ جدید اصناف و فنون جمع ہوئی نہ تھا بلکہ متفرقات سائر پر جمع تشخیص کر دی گئی تھی۔ جو بندوبست سے چھوٹی ہوئی تھی) بمیعا د تین ماہ داخل کرے اور چونکہ مسلسل فصلوں (فصل زراعت) کی اداسے لگان کا زمانہ تھا لہذا میعا د کے اندر خزانہ عامہ میں یہ رقم داخل ہو گئی۔

اسکے بعد میں ایک ضرورت سے کئے چلا گیا۔ اور میری غیبت میں سعید حاجب نے یہ موقع

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷۹ حقیقت میں یہ ایک جھیل کا نام ہے جو ۱۲ میل کی لمبی چوڑی ہے۔ ایام خریف میں یہ پانی سے پُر رہتی ہے۔ اسکے بعد جب خشک ہوجاتی ہے تو نمک کا ذخیرہ چھوڑ جاتی ہے صفحہ ۳۷۹ جلد ۶-مجم

بیان کیا۔ تو وہ از خود خوش ہوا اور خواجہ ابو علی شاداں کو کلمات خیر سے یاد کیا۔
دوسری شرط ۲ بادشاہ کے ساتھ یہ بھی بھلائی ہو کہ اُس کے حق میں وزیر کی سعی سے نیک
 دعاؤں کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ مگر یہ مقصد عدل و احسان کی فیاضی سے حاصل ہوتا ہے۔
 اور یہ بھی کوشش کرے کہ صفحہ ہستی پر سلطان کا ذکر جمیل باقی رہے۔ لیکن یہ بقائے دوام
 حسن سیرت، عدالت اور سچائی سے ممکن ہے جن بادشاہوں کا نام صفحات ایام شریعت
 ہی اور وہ نیکی سے یاد کیے جاتے ہیں یہ وزیر کے عدل کی برکت کا نتیجہ ہے۔ اور اگر عکس ہو
 تو خود ہی قیاس کر لو۔

اور یہ بھی قابلِ لحاظ ہو کہ بادشاہ کتنا ہی مہربان ہو تاہم اُس کے لطف و عنایت پر کسی طرح اعتماد
 نہ کرنا چاہیے بلکہ جہانک ہو سکے ان امور میں احتیاط کیجئے۔ اور جو سبب بادشاہ کی غلطیوں
 کا باعث ہوں اُس کے بڑھانے کی فکر کیجئے۔

وزیر کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بادشاہ کا میلان خاطر کس جانب ہے اور جب معلوم ہو جا
 تو اپنی پوری قوت حصول مقصود میں صرف کرے، اس سعی سے بادشاہ رضا مند ہوگا۔

تم جانتے ہو کہ اُس بادشاہ حقیقی جل شانہ کی (جس کی ذات میں غایت درجے کا استغناء اور
 انتہائے مرتبہ کا تقدس ہے) خوشنودی بھی بغیر اس سیرت کے میسر نہیں ہو سکتی ہے، چہ جائیکہ
 بادشاہ مجازی، جو فی نفسہ ہر قسم کی حاجت اور احتیاج رکھتا ہے؟

جب بادشاہ کی نیت مصلحت ملکی یا انصاف پسندی کے مغائر معلوم ہو تو اُس کو گھلے ہوئے
 لفظوں میں نصیحت نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اوپری مثالوں اور نظائر سے نقصان و مضرت سمجھا دینا چاہیئے۔

تاکہ بادشاہ کا ادب بھی قائم رہے اور اسکے مزاج کا رخ بھی ادھر سے اودھر پھر جائے۔

حکایت ایک زمانے میں سلطان الپ ارسلان کے عزیز ورشتہ داروں کا دربار میں جمع ہو گیا تھا۔ اور ان کے انعامات و مصارف کی وجہ سے خزانے پر بار پڑتا جاتا تھا۔

لہذا اُمراء دربار کی یہ رے قرار پائی کہ ہر عزیز کو کسی نہ کسی ضلع کی حکومت پر بھیجا دیا جائے اس کا رروانی سے اُنکو بھی فارغ البالی نصیب ہوگی اور سالانہ خرچ بھی خزانہ شاہی میں دخل کرنے پر ہینگے اور مصارف بھی گھٹ جائینگے۔ اس رے کو سلطان نے بھی مصلحتاً منظور فرمایا۔ لیکن جب مجھ سے مشورہ کیا تو مجھے تامل ہوا۔ کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو اُصول حکومت سے واقف تھے اور نہ اُنکے اخلاق ہی عمدہ تھے (بلکہ وحشی ترکوں کا ایک گروہ تھا) میری رے میں اُن کی حکومت سے اُس ملک کی رعایا کی کامل بربادی و تباہی متصور تھی اور خزانہ اُنکے ہاتھوں میں دیدینا آیندہ کی خرابیوں کا باعث تھا۔ لیکن چونکہ میں سلطان کے مستحکم ارادے سے واقف تھا۔ اس لیے تردد ہوا کہ آیا سلطان سے صاف صاف اس معاملے کو کہوں یا نہ کہوں؟

جب جواب دینے میں وقفہ ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ آخر اس مسئلے میں تمہاری کیا رے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اسی کا ہم شکل ایک اچھے خلیفہ منصور عباسی کا یاد آگیا ہے وہ عرض کرتا ہوں علامہ صمیمیؒ کی روایت ہے کہ عمرو بن عمید بغداد کے مشہور مشائخوں میں سے تھا۔ اور خلیفہ

علامہ ابو سعید عبدالملک بن علی بن اصم مشہور بھی بصری۔ لغت۔ نحو۔ اخبار نوادرات کا امام ہے۔ ۳۳۰ھ میں پیدا ہوا۔ ۳۶۲ھ میں فوت ہو گیا۔ عربی علم لغت کا ایک عظیم اسی کی روایت سے تہذیب ہوا ہے۔ بلا کا ذہین تھا۔ علاوہ متفرق تصنیفوں کے شاعری میں شہرت رکھنے کے باوجود شعر بابت تھے تصنیفات میں سے ۴۰ مفید کتابوں کی فهرست ابن خلکان میں موجود ہے۔ تذکرہ شعراء عرب صفحہ ۱۰۴۔

منصور عباسی اسکا مرید تھا۔ اور سلطنت کے تمام معاملات میں شیخ کے مشورے پر عمل کرتا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ تمام مملکت میں آل عباس حکمران تھے۔ اور ہمیشہ انکے ظلم و ستم کی شکایتیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن رشتے کے سبب سے خلیفہ منصور انکے تدارک میں مستی کیا کرتا تھا۔

اسی زمانے میں شیخ نے منصور کے مشورے اور اجازت سے براہ بیت المقدس حجاز کا سفر کیا جب شیخ قدس شریف پہنچ گیا۔ تو وہاں کی رعایا نے بنت و سماجت شیخ کو ٹھہرایا۔ اس درمیان میں متواتر قاصد خلیفہ کے آئے۔ مگر شیخ نے بغداد کا قصد نہیں کیا۔ تب مجبور ہو کر خلیفہ نے اپنا ایک معتمد روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ حضور کی نسبت میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو آپ کے دل میں ہر وہی آپ کی زبان پر ہوگا۔ لہذا ارشاد فرمائیے کہ بغداد سے بیزار کی کیا باعث کیا ہے؟ جب معتمد حق سفارت ادا کر چکا اور شیخ کی خدمت میں چند روز تک حضوری رہی تو ایک دن عرض کیا کہ بغداد جناب کا اصلی وطن ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سفر کی غربت کو وطن کی مفارقت ترجیح دی گئی ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ ”وقت طبع اور ضعف قلب میں مبتلا ہوں۔ اور وہاں ہمیشہ فریادی آیا کرتے ہیں۔ اب مجھ میں اس قدر قوت نہیں ہے کہ بالترتیب منصور سے اُس کی شکایت کروں، اور عدا کے ظلم سے مظلوموں کو بچاؤں۔ اور فی سبیل اللہ منصور کی خیر خواہی کا جہد نہ خیال ہے۔ اس اعتبار سے“

۱۵ ابو جعفر منصور دوانیقی خلافت عباسیہ میں دوسرا تاجدار تھا۔ ۳۳۱ھ میں بعد انتقال اپنے بھائی سفاح کے تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ نہایت ہمدرد، منظم، اور شائق علم و کمال تھا۔ مورخین نے اسکو فاتحۃ الخلفاء کا لقب دیا ہے۔ اسکے عہد میں ملک اور فوج کا باقاعدہ بندوبست ہوا ہے۔ مزاج کا سخت اور غریزہ تھا۔ انتہائے بخل کی وجہ سے دوانیقی کہلاتا تھا۔ مگر اہل علم کے واسطے فیاض تھا۔ اسنے اس عہد سے پرہیز نہ کیا کہ خلیفہ ناب خدا ہے۔ اسکے عہد کا مشہور واقعہ بغداد کی تعمیر ہے۔ ۱۵۵ھ میں فوت ہوا۔

اشارتاً دیکھتا بھی کہتا ہوں مگر منصوبہ اسپر التفات کرتا ہوں تو جس سے سنتا ہوں چند مرتبہ تنبیہاں مینے کہا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ظالم اپنے طریقے سے دست کش نہ ہو کر وہ دوسروں کو منع کر سکتا ہے کہ تم ظلم نہ کرو۔ اور جو شخص دفع ظلم پر قادر ہو کر تدارک نہ کرے وہ قیامت کے دن جواب دہ ہوگا اور سزا پائیگا۔ اور عالم آخرت میں سب سے بڑی حسرت کی یہ بات ہوگی کہ کسی اوروں کے قصور میں سزا بھگتنا پڑے۔“

القصد خلیفہ کا معتمد واپس گیا۔ اور جب شیخ کا یہ واقعہ بیان کیا تو خلیفہ نے معتمد کو پھر واپس کیا اور بڑی معذرت کی اور پچھلے جرائم سے توبہ کی اور قول و قسم کے بعد کھلا بھیجا کہ آئندہ شیخ کی تمام تعریفوں اور اشارات پر فوراً عمل کیا جائیگا۔ اور جیسا کہ مریدوں کا دستور ہے۔ ہمیشہ شیخ کے مقصود کے مطابق عمل کریگا۔ شیخ حرم اور اکابرین قدس سے بھی سفارش کرائی کہ وہ حضرت کو واپسی بغداد کے لیے مجبور کریں۔ غرض خدا خدا کر کے عمرو بن عمید نے بغداد کا قصد کیا۔ اور جب دن تشریف لائے اسی دن خلیفہ زیارت کے واسطے حاضر ہوا۔ اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد جو پچھلے زمانے میں پیش آئی تھیں، خلیفہ نے شیخ کے ہمراہیوں اور راستے کا حال دریافت کیا کہ شیخ کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ پیادہ پا چلتا تھا، شیخ نے فرمایا کہ میرے ہمراہ اس سفر میں تین چار رفیق تھے۔ نہایت افسوس ہے کہ ان میں سے ایک ضائع ہو گیا۔ اور باقی خیر و عافیت سے منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ جب ہم لوگ قدس شریف سے باہر نکل آئے تو ہر شخص اپنا اسباب خود اٹھا لے گا۔ لیکن وہ عزیز دوسروں کا بھی اسباب لیے ہوئے تھا۔ چند روز تک تو اچھی طرح چلا گیا لیکن ایک پڑاؤ پر جہاں پانی نایاب تھا وہ خستہ ہو کر گر پڑا۔ چونکہ

وہ ہمارا ہم سفر تھا لہذا اُس کی خاطر سے ہم بھی ٹھہر گئے۔ ہر چند اُس نے سمجھا یا کہ یہ منزل خطرناک ہی میرے واسطے آپ تکلیف نہ اٹھائیں۔ بہر حال وہ اُسی جگہ رہ گیا اور معلوم نہیں کہ اسکا کیا نتیجہ ہوا خلیفہ نے کہا اِنے شخص پر آپ کو افسوس کیوں آتا ہے جبکہ وہ اپنے ہی اسباب سے گراں بار ہو رہا تھا تو اُس نے دوسروں کا بار کیوں اٹھایا۔ ۹

شیخ نے خلیفہ کا جواب سُکر تیسم فرمایا اور کہا کہ الحمد للہ کیا خوب بات کہی۔

اب خلیفہ کو اپنی غلطی معلوم ہوئی اور متنبہ ہو گیا۔ اور ظالم عاملوں کے اختیارات چھین لیے اور آئندہ جب تک امانت و داینت کی تصدیق نہو جاتی۔ کوئی شخص ملکی عہدے پر مقرر نہ کیا جاتا۔

جب میں نے سلطان الپ ارسلان سے یہ واقعہ بیان کیا تب وہ سوچتا رہ گیا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ عمر و بن عبد خدا کا نیک بندہ تھا۔ مجھے اُسکا قول نہایت پسند ہے۔ اس کے بعد اپنے ارادے کو فسخ کر دیا۔

میرا مطلب اس تذکرے سے یہ ہے کہ جب کسی کام کا نفع و نقصان اچھی طرح سے سمجھا دیا جاتا ہے تو اُس کا نتیجہ ضرور مطلب کے موافق ہوتا ہے۔

وزیر میں استعدا استعداد اور قابلیت ہونا چاہیے کہ اگر دربار شاہی میں کسی علم و فن کا ذکر چھو دیا جائے تو وہ اُس میں بقدر ضرورت دخل رکھتا ہو۔ کیونکہ دربار عام میں بادشاہ یا کوئی درباری وزیر سے مخاطب ہو کر کوئی سوال کرے تو وہ جواب دینے میں عاجز نہ ہو۔ گو ندیم کے لیے یہ صفت ضروری ہی لیکن جبکہ دربار سے تعلق ہو اور خاص کر اُس شخص کے لیے جسکو متعدد مقامات اور مہات کے لیے سردار گفٹگو کرنا پڑتی ہے بدرجہ اولیٰ واجب ہے۔

اگرچہ تمام کمالات عظیمہ کا حاصل کرنا وزیر کے لیے لازم نہیں ہے۔ مگر دفن میں اعلیٰ درجے کا کمال ہونا ضروری ہے اور اُمور مالی و ملکی میں بغیر اسکے جارہ نہیں ہے۔ اور وہ فن حساب اور تاریخ ہے۔

حساب کی اُمور مالی میں جتنی رعایت ہو وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اور اس فن کے فوائد و ثمرات بھی بدیہی ہیں

تاریخ کو تدبیر ملکی میں بہت کچھ دخل ہے۔ کیونکہ عالم اسباب میں کبھی کسی نئے واقعہ کا ظہور نہیں ہوتا ہی بلکہ وہی ہوتا ہی جو بار بار ہو چکا ہے اور جس کے نظائر موجود ہیں۔ اور چونکہ کچھلے واقعات پرکے ہوئے، سمجھے ہوئے، سنے ہوئے ہوتے ہیں کہ فلاں کام کا خاتمہ یوں ہوا تھا۔ اور جب کوئی ویسا ہی معاملہ سامنے آجاتا ہے تو یقین رکھو کہ اسکا بھی انجام ویسا ہی ہوگا۔ مثلاً جس شخص کو شاہ بخارا کی فوجی حالت اور الپ تگین کا حیلہ معلوم ہے کہ کیونکر لشکر بخارا کو شکست ہوئی تھی تو

اس پر واقعہ تاریخوں میں تفصیل تحریر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ منصور سامانی کی پندرہ ہزار فوج نے الپ تگین کے سات سو سپاہیوں کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن الپ تگین اس وقت کوہ ہندوکش کے ایک سے میں مقیم تھا۔ الپ تگین نے دو سو جوان دستے پر پھیلادیئے اور پانچویں صغیف بن کر مقابلہ کیا اور میدان کا رزا میں برے نام مقابلہ کر کے قصداً دستے کی جانب مع فوج کے چلا گیا۔ منصور کے سپہ سالار نے تعاقب کا حکم دیا۔ چونکہ درہ تنگ درمیت تھا۔ لہذا بڑا حصہ فوج کا یوں ضائع ہو گیا اور جو باقی رہے انکو پھینک دینا موقع نہیں ملا اور الپ تگین نے درے کے اوپر سے تیرا دیہروں کی بادش شروع کر دی چنانچہ جو فوج باقی رہ گئی تھی وہ یوں تفت ہو گئی۔ خواجہ کا مطلب یہ ہے کہ جو اس واقعہ سے واقف ہو گا وہ ہر گز ایسی تنگ گھاٹی میں دشمن کے تعاقب کا حکم نہ دے گا۔ انتخاب ازبک گارستا صفحہ ۱۱۸۔ حالات آل سامان۔ خواجہ نظام الملک نے بھی الپ تگین کے حالات میں اس لڑائی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ختم اور بلخ کے درمیان جو مشہور و معروف پہاڑی درہ ہے وہاں لڑائی ہوئی تھی اور سب سے زیادہ نمایاں کارروائی سبک تگین نے کی تھی جو الپ تگین کا نامور غلام تھا۔ ”سیاست نامہ باب ۲۰“

ایسے موقع پر دشمن اسکو شکست نہیں دیکتا ہو۔ اور اسی قسم کے اکثر نظائر ہیں۔ بہر حال گزشتہ تاریخ کے واقعات سے ملازماں شاہی کو (جنکو دربار سے تعلق رہتا ہو) بڑے فائدہ حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہو کہ ایک برجستہ مثال خود بادشاہ سے صدر لے آؤں و نعرہ تحسین بلند کرا دیتی ہو۔

حکایت رمضان المبارک میں، نماز عصر کے بعد سلطان الپ ارسلان کی مجلس میں نامور علماء کا جمع ہوا کرتا تھا۔ اور مذاکرہ علمیہ کے بعد قریب فطاریہ جلسہ برخواست ہو جاتا تھا چنانچہ انہی دنوں میں امام جمال الدین جندی (یہ ماوراء النہر کے مشہور عالم تھے اور خاقان ترکستان کے دربار میں معزز عمدہ رکھتے تھے) بقصد سفر جاز ترکستان سے مرو میں تشریف لائے ایک دن امام صاحب بھی مجلس میں شریک ہوئے اور قاضی مرو سے مباحثہ شروع ہوا لیکن بڑھتے بڑھتے مناقشے کی نوبت پہنچ گئی۔ مضمون زیر بحث تھا کہ الخالق، الباری المصور متحد المعنی الفاظ ہیں۔ اور یہ دعویٰ امام صاحب کا تھا۔ لیکن قاضی صاحب فرماتے تھے کہ ہر لفظ کے معنی الگ الگ ہیں۔ چنانچہ آداب مناظرے کی موافق بحث ہو رہی تھی اور ہر فریق اپنے ثبوت میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ بیان کر رہا تھا۔ لیکن قطعی فیصلہ نہ ہوتا تھا اور بحث طول پکڑتی جاتی تھی۔ امام صاحب اپنے دعوے پر جمے ہوئے تھے اور وہ آفرینندہ، ہست کنندہ اور نگارندہ کے معنی میں کسی قسم کی تفریق اور معارضت نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن قاضی صاحب کا قول تھا کہ عدم معارضت مانع معارضت نہیں ہے۔ اور سلطان بھی قاضی کا طرفدار تھا۔ اور چاہتا تھا کہ قاضی کی جیت ہو جائے۔ (اگرچہ بحث کو اچھی طرح نہ سمجھتا تھا) جب مینے سلطان

تیر دیکھے تو عرض کیا کہ ”تینوں الفاظ کے معنی میں جو فرق ہو وہ ذیل کی مثال سے معلوم ہو سکتا ہے“

مثال سب سے پہلے جن بادشاہ کے سر پر تیر نے اپنا سایہ ڈالا وہ بہمن تھا۔ اور اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب بہمن اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے ملک نیمروز کو روانہ ہوا۔ تو یہ موسم گرمی دھوپ کا تھا اور شدت سے لوجھتی تھی۔ اور بعض بعض راستے حد سے زیادہ آتش انگیز تھے۔ اسوقت بہمن نے حکم دیا کہ ایک سوار دائیں جانب سے اور دوسرا بائیں طرف سے میرے سر پر سایہ کرے۔ آرد شیر (ایک نامور مصاحب) نے دیکھا کہ دو شخص اس ذریعے سے بادشاہ کے قریب ہوئے جاتے ہیں؟ تب اُس نے حکم دیا کہ سپر بالائے نیزہ رکھ کر ایک شخص ہر کام چلے پشتون جو ایک نامور مہندس تھا اسے خیال کیا کہ سایے کے واسطے ایک جگہ کا تختہ کھدائی کیا جائے۔ چنانچہ سپر سے ملتا جلتا ہوا اُسے چتر بنایا۔ اسلیے مجازاً بہمن کو باری چتر (یعنی ہست کنندہ) اور آرد شیر کو مصور (یعنی نگارندہ) کہنے لگے کیونکہ چتر کی خاص صورت کا خیال

۱۔ ملک نیمروز، ولایت ہجستان کا نام ہے جو کو عام طور سے سیستان کہتے ہیں۔ یہ ولایت اقلیم سوم میں واقع ہے جہیں متعدد شہر آباد ہیں، مگر عموماً ریگستان ہے۔ اس کا مشہور شہر زریج ہے (ہرات کے جنوب میں) جس کو کوشاف پہلوان نے آباد کیا تھا۔ اسکا فارسی نام زریک ہے اور چونکہ اس شہر کے متصل ریگے واں کا دریا تھا۔ لہذا ایک نبردست بند ریگ سے بچاؤ کے لیے بنا دیا گیا۔ بہمن نے اپنے زمانہ سلطنت میں اس شہر کو ازسر نو آباد کیا اور مکتان نام رکھا۔ جو کو عام شکست کاں کہنے لگے یہی لفظ عربی میں جا کر ہجستان اور فارسی میں سیستان ہو گیا ہے اور کجابے ایک شہر کے نام ہونے کے پورا صوبہ اسی نام سے موسوم ہو گیا۔ (اتحاد بازرہا القلوب جلد ۱ ص ۲۸۸ مستوفی۔ تفصیل کے لیے دیکھو معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۳۷۶ و جلد ۷ صفحہ ۳۷۸)

اسی کے دل میں پیدا ہوا اور شپوتن آفرینندہ قرار پایا۔

جب مینے یہ مثال بیان کی تو ساری مجلس نے نعرہ تحسین بلند کیا۔ اور سلطان الپ سلاں حد سے زیادہ خوش ہو۔ اور جب مجھ پر خاص مہربانی ہوتی تھی تو اُس کی یہ شناخت تھی کہ خواجہ علی شاداں کو ذکر خیر سے یاد کرتا تھا۔ چنانچہ اُس وقت بھی فرمایا کہ خواجہ علی پر خدا کی رحمت ہو تیسری شرط۔ ۳۔ بادشاہ کے حفظ مراتب کے متعلق چند امور بدلائل عقلی بیان کر چکا ہوں اب اس مسئلہ کے متعلق مختصر اُبیان کرتا ہوں۔ کیونکہ ہر قسم کے فتنے جنکے لُٹنے کا اندیشہ ہو سکتا ہی اسکے بانی ہی لوگ ہوتے ہیں۔ ایسے اس طرف زیادہ توجہ رکھنا چاہیے۔ اور جن لوگوں کو بادشاہ کا قرب میسر ہو وہ حسب ذیل ہیں۔

بیگمات۔ (۲) شاہزادے۔ (۳) امیر الامرا (۴) بانی تلامذہ۔ ان لوگوں کی موت کے نتائج اور مخالف گردہ سے احتراز کے شرائط اجمالاً تفصیلاً بکثرت ہیں۔ لیکن شرط کلی اجمالی یہ ہو کہ مہات سلطنت میں اس درجہ استقامت اور سچائی ہو کہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے یعنی اگر کسی مقام پر چند احباب اُسکا تذکرہ کر رہے ہوں تو کوئی اُن پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ فلاں بات تم جھوٹ کہتے ہو۔ اور نہ دشمنوں کو ایسا پہلو ہات آئے کہ وہ اپنے قول میں سچے نکلیں۔ اور خدا اُس وقت سے بچائے کہ اپنے ہوا خواہ مضرت کے درپے ہوں۔ اور دشمنوں کا عروج ہو۔ خلاصہ یہ ہو کہ جب کوئی شخص مسلکِ اُستی سے پھر جائیگا تو اُسکا یہی انجام ہوگا یعنی وہ احباب کہ جو ہماری حالت کے سنوارنے کی فکر میں ہونگے وہ جھوٹے سمجھے جائینگے (اور یہ وال کی کھلی ہوئی علامت ہی) اور جو دشمن ہماری بُرائی چاہتے ہیں اور ہجو کرتے ہیں وہ سچے

مانے جائینگے (اور یہ بحال کی شناخت ہوگی) غرض کہ سچائی اور دیانت کا جب عالمگیر شہرہ ہو جاتا ہے تب دوستوں کو خیر خواہی کا بڑا موقع ملتا ہے۔ اور دشمنوں پر بداندیشی کا میدان تنگ ہو جاتا ہے۔ ایسے اکثر معاملات کی بنیاد اسی اصول موضوعہ پر رکھنی چاہیے کہ حصول مقصد میں کامیابی ہوتی جائے۔ مذکورہ بالا اصناف اربعہ کے شرائط کی تفصیل ترتیب وار حسب ذیل ہے:

رعایت بیگمات حرم۔ ا۔ عمد قدیم میں اور خصوصاً شاہان عجم کے دور سلطنت میں بیگمات و خواتین حرم کو امور سلطنت میں کچھ دخل نہ تھا۔ اور نہ انہیں کسی امر میں مشورہ کیا جاتا تھا۔ لیکن خواتین ترکستان کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ تمام امور میں بیگمات سے مشورہ کرتے تھے اور بالآخر ان کی رسلے سب پر غالب ہوتی تھی۔ اور چونکہ سلاطین ترکمان بھی اُسی خاندان کے پردہ ہیں لہذا وہ بھی انہی اصول کے پابند ہیں ایسے بیگمات کی حمایت میں رہنا بہت ضروری ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان پر قبضہ کیونکر ہو؟ اس کا آسان طریق یہ ہے کہ محل کی خواصوں سے ملتا جلتا رہے اور ان کو انعامات سے خوش کرتا رہے۔ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ عام طور پر نہ ملے بلکہ جسکو قرب اختصاص زیادہ ہو اُسے ملائے رکھے۔ اور کسی کو مطلق خبر نہ ہو۔ اور جسکے ساتھ احسان و سلوک کیا جائے وہ یہی سمجھے کہ مجھ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ اس قسم کی فیاضی سے بڑے کام نکلتے ہیں۔ اور یہ فیاضی صرف اسی جگہ کام نہیں آتی ہے۔ بلکہ اصناف اربعہ میں ہر جگہ اور ہر شخص کے ساتھ مفید ہے۔ میں آگے چلکر اسی کی صراحت کروں گا۔

جب اس گردہ پر قبضہ ہو جائے تو دیکھو کہ وہ کونسے اسباب ہیں، جسکے سبب سے ہم پر ہر ہر بنیاں قائم رہ سکتی ہیں۔ اور معلوم ہونے پر اسکے حصول میں کوشش کرو۔ اور جب

تمھاری حمایت کرنے لگیں تو پھر آہستہ آہستہ اپنا رسوخ بڑھاتے جاؤ اور اس میں غفلت نہ کرو کیونکہ زمانہ سابق میں کس شہر ہوا ہی کہ بڑے بڑے امرا ایک اد نے کینز کی فتنہ پردازوں کے مقابلے میں عاجز آ گئے ہیں۔

حکایت سلطان محمود غزنوی کا ملک خوارزم پر جب پورا قبضہ ہو چکا تو ارکان سلطنت کو حکم دیا کہ وہاں کی حکومت کے لیے جو شخص سب سے زیادہ قابل ہو اسکو پیش کر دو چنانچہ چند روز تک امرا میں مشورہ ہوتا رہا آخر سب بڑے سردار امیر التونناش نے ضمناً و کفناً خود اپنے واسطے تحریک کرائی۔ لیکن بظاہر دبی زبان سے انکار کرتا رہا۔ اور چونکہ خواجہ احمد حسن میمنہ کو امیر مذکور سے از حد محبت تھی لہذا اُس نے بھی اس رے کو پسند کیا۔ اور عطائے سند میں ساعی ہوا۔ (کیونکہ امیر کی بھی دلی آرزو یہی تھی) لیکن سلطان کی جانب سے اس حکم کی منظوری میں سب کو تعجب تھا۔ کیونکہ التونناش امیر الامرا کے منصب پر فائز تھا۔ لیکن خوارزم چونکہ سب سے بڑا صوبہ تھا۔ اس لیے سلطان بھی راضی ہو گیا اور سند ولایت دیکر التونناش کو رخصت کر دیا۔

امیر التونناش اور امام ناصر الدین گرامی (غزنویں کا ایک نامور رئیس) میں بڑی محبت تھی چنانچہ کچھ دنوں کے بعد امیر نے خوارزم سے ناصر الدین کی خدمت میں پیام بھیجا کہ مجھے شرف ملاقات کی از حد آرزو ہے مگر میرا غرض انا نہیں ہو سکتا ہی لہذا بنظر حقوق محبت اور بقصد زیارت مقابلہ بزرگان خوارزم آپ ہی تشریف لائیں چنانچہ ناصر الدین کو بھی خوارزم کی سیر اور التونناش کی ملاقات کی آرزو تھی لہذا فوراً روانہ ہو گیا۔ امیر نے بڑے اعزاز سے لیا اور اپنا مہمان

ابیک بن ناصر الدین نے امیر سے سوال کیا کہ ”جب سلطان کی عزت افزائی سے آپ کا آستانہ مرجع خلافت تھا۔ اور وہ اعزاز بلحاظ مال و دولت و شہرت خوارزم کی حکومت سے شوگنا زیادہ تھا۔ تو پھر ایسے اقتدار کو چھوڑ کر ایک صوبے کی حکومت اختیار کرنے کا کیا باعث تھا؟ امیر التوتناش نے قسم کھا کر کہا کہ میرے معزز دوست یہ وہ راز ہے کہ جس کو میں آج تک اپنے عزیزوں سے بھی مخفی رکھا ہوں۔ لیکن آپ سے سچ سچ عرض کرتا ہوں۔ میں نے صرف جمیلہ قندھاری کی وجہ سے حکومت اختیار کی ہے۔ اس وسیع سلطنت کا انتظام برسوں سے میرے ہاتھ میں ہی مگر یقین جانیے کہ اس عرصے میں جو انتظام میں کیا کہ وائسٹ پلٹ دیا لیکن جو اُسے کیا میں اُس کو درہم برہم نہ کر سکا۔ چنانچہ اس سچ و تاب سے دنیا مجھ پر ایک ہتھیار تھی مگر مجھ سے کوئی تدارک نہ ہو سکتا تھا اور اسی وجہ سے میں نے گوشہ گیری اختیار کر لی اب انشاء اللہ اُس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔

یہ واقعہ تو بیگات حرم کی مخالفت کی تائید میں تھا۔ اب انکی موافقت کے منافع بیان کرتا ہوں۔ جو شخص انکار نہیں ہی وہ گویا سب سے بڑا مربی اور حامی رکھتا ہے اور یہ مسلم ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں کسی کی حمایت اُس قدر موثر ہوتی ہے کہ جب قدر اُس کو بادشاہ کے مزاج میں دخل و تصرف ہوتا ہے۔ اور اس امر میں بیگات کے برابر کون ہو سکتا ہے؟ لہذا ان کی حمایت کی چار دیواری ایک چلتا ہوا تعویذ اور ان کی محافظت کا ایک گوشہ مستحکم قلعے کی برابر ہے۔ اور صحیح تطہیر اس کی ذیل کا واقعہ ہے۔

حکایت سلطان محمود کا مزاج اخیر زمانے میں خواجہ احمد حسن سے بگڑ گیا تھا۔ اور خواجہ پر

ہر طرف سے دشمنوں کا زخم تھا۔ چنانچہ اس دورِ انقلاب میں خواجہ حسک میکال وزارت کا امیدوار تھا۔ اور ہر روز یہی خبریں اڑا کرتی تھیں کہ میکال کا بجائے خواجہ احمد تقرر ہو گیا۔ مگر چونکہ سلطان کی نئی سیکم مشہور ہو، مہدیگل، رہبان ترکستان کی بیٹی تھی، خواجہ احمد کی حامی تھی۔ اسوجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچتا تھا۔ جمیلہ قندھاری جو مہدیگل کی ایک خواص تھی۔ اسکی مدد سے خواجہ مدتوں بلاؤں سے محفوظ رہا۔ اور امیر التوتناش جبکہ لوگ ایسے کینکلیں کا قائم سمجھتے تھے۔ جب کبھی خواجہ کے مقابل ہوتا شکست پاتا تھا۔

جن ایام میں کہ سلطان نواحِ کابل میں خیمہ زن تھا۔ انہی دنوں میں خواجہ احمد بعض مہات سلطنت کے انصرام کے لیے غزنین گیا ہوا تھا وہاں معلوم ہوا کہ ایک قافلہ خریداری پشینہ کے لیے ترکستان جا نوالا ہی۔ اور شروع موسم سرما میں غزنین لوٹ آئیگا۔ چنانچہ خواجہ نے محض اس خیال سے کہ ہر سال خاندان کے لیے بہت سے ادنیٰ کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہے یہ ارادہ کیا کہ اپنا ایک معتد قافلہ کے ہمراہ بھیج دیا جائے۔ اور وہ غزنین سے چند اقسام کا مال ترکستان لیجائے اور اُسکے معاوضے میں وہاں سے پشینہ خرید کر لائے تو

سلطان محمود کے دربار کا ایک نامور امیر جیکانام ابو علی حسن بن محمد ہی۔ مگر تاریخ میں حسک میکال کے نام سے مشہور چونکہ میکال خاص سلطان کا پروردہ تھا۔ سلطان اس کی شیریں کلامی، لطیفہ گوئی، اور حاضر جوابی سے بہت خوش رہتا تھا۔ خواجہ احمد کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ خواجہ کی معزونی کے بعد وزیر ہوا اور سلطان کی حیا تک زیرِ رط۔ کفایت شکاری اسکا خاص اصول تھا۔

مہدیگل کسیر ترین چنانچہ شاعر کہتا ہے۔ ایں لالہ رضاں کہ اصل شاں از چگل است۔ بار کے سرشت پاک شاں از چگل است۔ ترکستان کا مشہور شہر ہی رہنہر حسن اور تیر اندازی میں ضرب المثل ہی۔ مہدیگل سلطان محمود کی سیکم کا لقب تھا۔

فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

چنانچہ خواجہ نے انتخابی اور تجارتی حساب اپنے معتمد کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ مگر مخبر دس دن اُسی دن خواجہ جنک سے اطلاع کی۔ اور اُس نے التوتناش کے گوش گزار کر دیا۔ یہ خوشخبری سکر التوتناش پھر مال اُٹھا اور خواجہ جنک سے کہا کہ احمد کی ذلت اور رسوائی کے واسطے اس الزام سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ وہ روزانہ خزانہ بٹلگایا کرتا ہے کہ مجھے دینی امور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جب قدر ہی وہ صرف سلطان کی مصلحت کی وجہ سے ہے۔ اور اب حضرت تجارت کی غرض سے قافلہ روانہ کرتے ہیں۔ مگر خوب تحقیق کر لو، ایسا نہ کہ جھوٹی خبر ہو، اور اُلٹی ندامت اُٹھانا پڑے۔ خواجہ جنک نے کہا نہیں یہ بالکل سچی بات ہے۔ لہٰذا یہ بریہ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ راز کھلجاتا تو خواجہ احمد کو ایسی شکست ہوتی کہ پھر اُس کا دفیہ دشوار تھا۔

غرض کہ جب خواجہ کو یہ حال معلوم ہو گیا تو اُس نے جمیلہ خاتون سے صاف صاف کہہ دیا (اب ان دونوں کے ملنے جلنے کا حال سنو، کبھی تو ایسا ہوتا کہ سال میں صرف ایک بار ملاقات ہوتی تھی اور کبھی دن میں دس مرتبہ اور پھر کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا) چنانچہ جمیلہ نے خواجہ سے کہلا بھیجا کہ آپ مطمئن رہیں اس سانس کا توڑ بہت آسان ہے اور خود بیگم سے جا کر سارا قصہ کہہ دیا۔ جب بیگم نے پوچھا کہ کیوں جمیلہ؟ اب اس کی تدبیر کیا ہے۔ تو عرض کیا کہ ایک فہرست مرتب کی جاے اور جو حساب خواجہ نے اپنے معتمد کو دیا ہے وہ بطور تحفہ دہریہ کسی نہ کسی شخص کے نام نامزد کر دیا جاے۔ اور علاوہ اسکے چند چیزیں

ایسی بھی بھیج دی جائیں کہ جو خاص بیگیاں کے پٹنوں سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک دوسرے راستے سے پیریز میں راتوں رات پہنچا دی جائیں۔ اور زبانی پیام دیا جائے کہ جب امیر التوتناش کے سپاہی اس قافلے کو راستے سے واپس کریں تو چپ چاپ چلے آئیں۔ لیکن دربار میں پہنچ کر میر قافلہ ظاہر کرے کہ میں سلطانہ مہدیچل کا فرستادہ ہوں۔ اور جو تحائف خواتین کے نامزد ہیں وہ مع تحریر کے سلطان کے روبرو پیش کر دے۔

المختصر خواجہ جنک کے یقین دلانے پر التوتناش نے سلطان سے حسب ذیل گفتگو کی۔

سلطان۔ (التوتناش کی گفتگو سن کر) ایسا سنو کہ خلاف واقع ہو

التوتناش۔ نہیں! میں نے خوب اطمینان کر لیا ہے معاملہ مطابق واقعہ کے ہی

سلطان۔ اس واقعہ کی سچائی کیونکر ظاہر ہو سکتی ہے۔

التوتناش۔ اگر فرمان عالی شرف نفاذ پائے تو تاجر مع مال کے دربار میں حاضر کر دو

سلطان۔ بہت خوب۔

چنانچہ حکم ہوتے ہی التوتناش نے ایک افسر قافلے کے واپس لانے کے لیے روانہ کیا

اور وہ قافلے کو واپس لایا لیکن افسر قافلے نے راستے میں حسب ہدایت کچھ نہ کہا اور جب

حاضر دربار ہوا تو چیخ اٹھا کہ میں فرستادہ سلطانہ ہوں اور لغاتہ سر بھیج پیش کیا۔ اور مقنعہ اور

حائل وغیرہ جو خاص عورتوں کی چیزیں ہیں وہ ملاحظہ کر آئیں۔ اُسوقت امیر التوتناش کی عمت

کو از حد شرمندگی ہوئی۔ اور سب کے سب خوف زدہ ہو گئے اور کُسنے کوئی بات بتانے نہ بن

پڑی۔ جب سلطان محل میں تشریف لے گئے تو مہدیچل بڑھو گئی اور تیوریاں چڑھا کر بولی کہ

برہمنوں کے بعد میں اپنے عزیزوں کو تجھ ایسے جلیل القدر بادشاہ کی طرف سے چند معمولی تحائف بھیجے تھے اور اُس پر بھی میرے بھیجے ہوئے آدمی کو یوں خجالت اور مذمت اٹھانا پڑا اور میری حائل اور مقنعہ سب کے سامنے کھولا گیا۔ اور اسی قسم کی بہت سی الٹی سیدھی باتیں سنائیں۔

سلطان بیگم کی تقریب سے بہت متاثر ہوا اور اسی حالت میں اس جماعت کے قتل کا حکم صادر فرمایا (جو اس وقت کے بانی تھے) لیکن چونکہ بیگم کو یقین تھا کہ یہ لوگ بیگناہ ہیں۔ لہذا اُسے بھی یہ گوارا نہوا کہ خون ناحق ہوں۔ اور سلطان سے کہہ دیا کہ ان لوگوں سے آئندہ اور بھی بہت سے قصور سرزد ہونگے۔ لہذا مجھے منظور نہیں ہے کہ میرے باعث سے قتل کیے جائیں۔ غرض التو تاش کو بہت بڑی زک ملی اور خواجہ جنک بھی ذلیل و رسوا ہوا۔ اُس پر بیڑہ ہوا کہ وہ ناجر ٹبے زک و احتشام سے ترکستان کو روانہ کیا گیا۔

اس مثال سے تمکو واضح ہوا ہوگا کہ بیگمات کی حمایت کے کیا کچھ نتائج ہیں۔

رعایت شاہزادگان عالی تبار۔ ۲ یہ عقل و تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ شاہزادوں کی رضامندی اور ناراضی پر وزیر کا لفع و نقصان موقوف ہے (خواہ اس کا ظہور کسی وقت میں ہی) ان کی ذرا سی توجہ اور التفات خاطر سے بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ اور ادا دے بغیر مزاج سے ویسے ہی نقصان پہنچ جاتے ہیں۔

گو سلاطین بہت دین کسی وجہ سے علانیہ شاہزادوں کو حکمرانی اور اختیارات میں پوری آزادی نہ دیں لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ درپردہ انہی پر نظر رہتی ہے۔ کیونکہ یہی ملک و مال کے

وارث ہوتے ہیں اور جبکہ عامہ خلائی میں یہ صفت پائی جاتی ہے تو بادشاہوں میں تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیئے۔

اس گروہ کی محافظت کا جمل قاعدہ یہ ہے اور احتیاط اور وراندیشی کا مقتضای بھی ہے کہ سب چھوٹے بڑوں کی اطاعت کرتا رہے۔ بلکہ چھوٹوں کی خاطر داری کی کچھ اور ہی خاصیتیں ہیں۔ کیونکہ بادشاہ ان کی خاطر داری کو عین محبت سمجھتا ہے اور کسی قسم کے خوف اور امید کا خیال نہیں کرتا ہے (خصوصاً وہ بچہ جو خود بادشاہ کا لادلا اور منظور نظر معلوم ہو)

بادشاہوں کے بچے بہت جلد بڑے ہو جاتے ہیں اور خدا نکرے کہ وہ کسی سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ یہ کس بچے کیونکر رضامند رکھے جائیں۔ اس کا کوئی کلیہ قاعدہ نہیں ہے؛ بلکہ جیسا زمانے کا چلن ہو اس کی پیروی کی جائے۔ البتہ جوشا ہزارے بڑے ہوں ان کے حصول مقصد میں جہانتک ممکن ہو کوتاہی نہ کرنا چاہیئے۔ جس چیز کی نہیں ضرورت ہو وہ ان کی مجلس میں پہنچ جائے اگر کُل نہ ہو تو جزو ہی سمی۔ اور وہ بھی اس خوبصورتی سے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہماری فرمائشات کی تعمیل میں مضائقہ کیا جاتا ہے۔

نظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں زیادہ فائدہ ہو گا۔ لیکن دوسری صورت بہت مفید ہے کیونکہ اول میں گوفائدہ ہیں مگر برائیاں بھی ہیں۔ بخلاف دوسری صورت کے؟۔

دوسری شکل ان کی رضامندی کی یہ ہے کہ جو نوکر موٹھ لگے ہوں اور جن کی باتیں بقدر ان کے اعزاز کے سنی جاتی ہوں ان کو اپنی فیاضیوں سے خوش رکھا جائے (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہانتک ممکن ہو شاہزادوں کی خوشنودی مزاج کی فکر رکھے اور موجبات

ملاں سے الگ تھلک ہے۔“

حکایت سلطان محمود وغرنوی اپنے بیٹے مسعود سے اکثر ناراض رہا کرتا تھا۔ خواجہ احمد حسن

اگرچہ اس حسن و طلال کو پوسے طور سے دفع نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اُس کی حسن سعی سے زیادہ بھی نہ ہونے پاتا تھا۔ اور تمام سال میں ایک مرتبہ بھی خواجہ کی مسعود سے ملاقات نہ ہوتی تھی، مگر باوجود اسکے کوئی دن ایسا نہ تھا جس میں خواجہ کو مسعود کی رضامندی کا خیال نہ رہتا ہو۔ جب خواجہ معزول ہو گیا۔ تو اس کی جگہ حنک میکال مقرر ہوا۔ لیکن یہ نوجوان محض نا تجربہ کار تھا اور اسکو یہ بھی غور تھا کہ میں سلطان کا طرفدار ہوں۔

سلطان کا مزاج اگرچہ مسعود سے برہم تھا مگر مدتوں کسی کو معلوم نہ ہوا۔ مگر شاہزادہ محمد کی لیجندی پر یہ راز کھل گیا۔

نڈھالے بیان یہ ہے کہ حنک میکال نے مسعود کی خوشنودی مزاج کی کچھ پروا نہ کی۔ اور شاہزادے کے ماتحتوں اور جاگیر کے ٹھیکہ داروں کو تنگ کرنے لگا اور جیسا کہ عدالت الونکا

سلسلہ وزراء اسلام میں احمد بن حسن میندی بھی نہایت نامور وزیر گزارا ہی سلطان محمود نے اس کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ خواجہ احمد ابتدا سے شاہزادہ مسعود کا طرفدار تھا۔ لیکن وزارت کے ۱۸ برس بعد جب شاہزادہ محمد کی ولیعهدی ہوئی تو عام طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ دراصل خواجہ، شاہزادہ محمد کا بد خواہ ہے۔ اسلئے امیر التوتناش علی خویشاوند، اور حنک میکال وغیرہ نے جو دربار میں امیر الامرا کا درجہ رکھتے تھے اپنی متفقہ کارروائیوں سے سلطان محمود اور خواجہ احمد میں بگاڑ کرادیا۔ اور آخر کو سلطان سخت ناراض ہو گیا۔ مگر حاکمیت ہند چکل سے خواجہ کو نقصان نہیں پہنچا۔ لیکن باہمی عداوت کا نتیجہ آخر کو ظاہر ہوا اور خواجہ قلعہ کانچن میں قید کر دیا گیا۔ اور حنک میکال وزیر ہوا۔ خواجہ احمد اُن بالکمال وزرا میں ہے جس کی مستقل سوانح عمری لکھی جاسکتی ہے۔

دستور ہی ہر معاملے میں جھگڑے پیدا کر دیے، جس سے مسعود رنجیدہ ہو گیا۔ انھیں دلوں کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کے کئی راجہ نے ایک تلوار بطور تحفہ روانہ کی شہزادے نے اپنی مجلس میں اس کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ نہایت تیز اور جوہر دار ہے اور لوہے کو کاٹتی ہے۔ جب دیباری رخصت ہو گئے اور چند مصاحبہ گئے تو لٹنے پوچھا کہ یہ تلوار کس لائق ہے کسی نے کہا کہ جہاد کے لیے کسی نے کہا کہ اعدائے دولت پر وار کے لیے موزوں ہے۔

غرض کہ ہر ایک نے ایک بات کہی شہزادے نے کہا 'میراجی چاہتا ہے کہ صبح کو کمر سے باندھوں اور جب جنگ سلام کے لیے حاضر ہو تو اس کے سر پر سیاہات لگاؤں کہ سینے تک کاٹی ہوئی چلی جائے سلطان قصاص میں مجھے مار ڈالنے سے ہے اور اسپر پوے طوے سے آمادہ ہو گیا لیکن ہم شہینوں نے ہمت عرض کیا کہ اس قتل سے فتنہ اٹھ کھڑا ہو گا۔ اور معلوم نہیں کہ سلطان کس درجہ برہم ہوں لہذا اس فعل کا اقدام کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

جب خواجہ احمد حسن تک یہ واقعہ پہنچا تو لٹنے کہا کہ خدا نے بڑ فضل کیا۔ اور خیر ہو گئی۔ کیونکہ عزت اور دولت تو اول ہی رخصت ہو چکی تھی جسم میں ادھی جان باقی تھی وہ خواجہ جنگ کے نذر ہو جاتی۔ غرض کہ تھوڑے زمانے میں سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہو گیا اور سلطان محمد تخت و تاج کا مالک ہو کر مقام غزنو میں سر آرائے حکومت ہوا۔ باپ کے انتقال کے وقت مسعود اصفہان میں تھا۔ فوراً آیا اور بھائی سے آمادہ پیکار ہو گیا۔

سلطان مرحوم کے ارکان نے مسعود کو حکمرانی کے لیے زیادہ موزوں سمجھا اس لیے شہزادہ محمد کو خود ہی گرفتار کر کے ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ اور ہر ات تک مسعود کے استقبال کے لیے

گئے۔ اور شہزادے کے پہنچنے کے بعد حناک یکال جیسے ہی گھوڑے بے اُتراظرنداران مسعود نے اسکو بولی پر چڑھا دیا۔ اور خواجہ احمد حسن کو وزیر مقرر کر دیا۔ گو یہ وزارت زیادہ مدت تک قائم نہ رہی۔ مگر خواجہ کا اعزاز بہت بڑھ گیا۔

خواجہ کبیر کھانا کرتا تھا کہ احمد شاہ میری حکومت کا خاتمہ ایسا ہوا کہ دوستوں کو خوشی کا اور شہنشاہ کو غم سے گلٹنے کا موقع ملا۔

نتیجہ اس تہید کا یہ ہوا کہ شہزادوں کی تہربانی کا ثمرہ اور ان کے تہر کا نتیجہ یقینی ملتا ہو گو کتنا ہی نہ گزر جائے۔

امیروں کی خاطر تواضع۔ ۳ جس نے اسے سلطنت کی بنیاد پڑی اس وقت سے یزید گرد کے عہد تک مالی اور ملکی تدابیر وزیر اکیا کرتے تھے۔ اور صرف زیر و سرابادشاہ یا ان کا قائم مقام ہوا کرتا تھا۔ اور یہ اقتدار خواہ ایک وزیر ہو یا دو انھیں میں محدود رہتا تھا۔ لیکن سلاطین ترک کے عہد میں امور سلطنت کے دو حصے ہو گئے ہیں۔ پس جس گروہ کے مالی انتظام سپرد ہے وہ اُمر اکملاتے ہیں اور جس فرقے کے ملکی اہتمام سپرد ہے وہ وزراء اکملاتے ہیں۔

خواجہ احمد حسن نے سلطان محمود کے عہد میں قدیم اصول پر عملدرآمد کیا تھا۔ اور تاملی امور سلطنت میں وزراء اعظم کا سپرد تھا۔ چنانچہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ سلطان محمود نے سفر کا قصد کیا، علی خوشاوند، ارسلان حاجب و دبیر سگتگین حاجب کو جو ایسے کبیر کا درجہ رکھتے تھے مشورے کے واسطے طلب کیا۔ علی خوشاوند نے جوان میں سے بالائے تھا، عرض کیا کہ ہم لوگ اہل سیف ہیں تدبیر مملکت کیا جانیں؟ اگر حکم ہو

دہکتی ہوئی آگ میں گر پڑیں، بہتے دریا میں کود پڑیں، ہوا میں گرہ لگا دیں۔ پٹاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ لیکن سفر کے معاملے میں حضورِ خواجہ سے مشورہ فرمائیں یہ اُس کا کام ہے۔ باوجود اس وقار کے امراء کی عداوت سے خواجہ کی وزارت کا ڈھچر ڈھسیلا پڑ گیا تھا۔ ایسے ضرورت ہو کہ امراء کی اعزاز و تکریم میں بقدر اُن کے مراتب کے کوتاہی نہ کی جائے۔ گو بادشاہِ قوت کی عنایت بھی شامل حال ہوتا، تاہم عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہو کہ معاملات میں اُن سے رجوع کرنا ہے۔

یہ آدابِ وزارت میں داخل نہیں ہو کہ دربارِ شاہی کے سوا وزیر کیسے اُدھر جائے۔ لیکن پھر بھی کبھی نہ کبھی کسی ہمِ سلطانی کا حیلہ کر کے کسی امیر کے گھر جانا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ خفیہ طور پر جہانگیر کے محکم ہوسائے حالات سے واقفیت پیدا کرے لیکن امراء کے جمع خراج کے جو ذریعے ہوں انکی فکر نہ کرے اور حتی الوسع ٹال جائے۔ تیسرے یہ کہ سب کے سامنے امراء کے قصور نہ بیان کیے جائیں۔ اور خدا بخواتمہ اگر ضرورت آپڑے تو اپنی زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ خوشنما پر اسے میں بلطائف الحیل کہہ گزیرے اور حتی الامکان نرمی کا برتاؤ رکھے۔

جو بڑے درجے کے امیر ہوں انکو ملے خدمتیں برابر دی جائیں۔ اور فائدوں کے دروازے اُن پر بند نہ کیے جائیں۔ اور جہانگیر ہو سکے اُن سے نہ اُبھھے۔ اور اگر اتفاقاً کوئی اُن میں سے متعلقہ پرکھائے تو بجائے سختی کے نرمی سے تدارک کیا جائے۔

دوسرے یہ بھی ضرور ہو کہ بلا سبب عداوت نہ پیدا کرے۔ اور نہ انکی خرابی کے درپے ہو،

مخصوصاً اپنے امیر سے جو قابلیت اور مرتبے میں ہم ملے ہو۔

جسکو خدائے عظمت و عزت دے رکھی ہو اُس کی ہر اداسے شائستگی بیگیتی ہے۔ اور کبھی ایسوں کے عداوت بھلتی نہیں ہے اور تجربہ ہو چکا ہو کہ خود محرک عداوت کو اسکا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ اور فریق مخالف دولت معاوت سے مالا مال ہو جاتا ہے جسکی ٹھیک نظیر وائشلیم ہندی کا واقعہ ہے

حکایت سومنات کی فتح کے بعد سلطان محمود کا ارادہ ہوا کہ ایک سال تک وہاں قیام کرے۔ کیونکہ یہ ایک وسیع ملک تھا۔ اور قطع نظر اذ اطمانا درو نایاب اشیاء کے نواحِ سومنات میں سونے کی کانیں تھیں اور سراندریپ؟ تمام ہندوستان میں باوقوت کامعدن تھا وہ سومنات کی قیمت میں تھا۔

ارکان دولت نے عرض کیا کہ خراسان کا ملک جڑی لڑائیوں کے بعد قبضے میں آیا ہے اُس کو چھوڑ کر سومنات کو دارالسلطنت بنانا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ سلطان نے واپسی کا غم کیا لیکن اُسے پوچھا کہ اس ملک کی حکومت کا کیا انتظام کیا جائے؟

سب نے کہا کہ غیر قوم کی حکومت کو استحکام نہوگا۔ لہذا اس دیس کے راجاؤں میں سے کسی کو تفویض کر دیا جائے۔ چنانچہ اس تجویز پر مشورہ ہونے لگا۔ بعض نے عرض کیا کہ حبِ دین کے لحاظ سے ملکی سرداروں میں کوئی دیشلیم کی برابری نہیں کر سکتا ہے۔ اور ابھی ایک شخص ان میں

۱۵۰ سومنات = جزیرہ مانگجرات دکاشیا دارا کے جنوبی کنارے سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا۔ جو سومنات ہوتا ہے نام سے مشہور تھا اور سومنات کی مورت ایک عالیشان قلعے کے اندر تھی۔ جسکا ایک ایک برج سرخ رنگ تھا اور دریا کی لہریں قلعے کی ہر وقت قدمبوسی کیا کرتی تھیں۔ عہدِ قدیم میں سومنات دیونا کا مندر ہندوستان کا سب سے مشہور تیرہ تھا۔ چند گہن اور سورج گہن کے ایام میں دو دو تین تین لاکھ جاتری اس مندر میں جمع ہوتے تھے۔

موجود ہی۔ جو برہمنوں کے طریقے سے حکمت و ریاضت میں مشغول ہو اور وہی یہاں کا رہسہ ہو سکتا ہے۔ اس رے سے بعضوں نے اختلاف کیا اور کہا کہ وہ بد اخلاق ہو اور غضب الہی مبتلا ہو۔ اُس کی گوشہ نشینی حقیقتاً نہیں ہے۔ بلکہ چند مرتبہ وہ بھائیوں کے ہات میں گرفتار ہوا اور اُسے جان کی پناہ مانگ کر ایک جگہ بیٹھ رہا ہے۔ لیکن اس خاندان میں ایک شخص اور بھی ہے جو بڑا عاقل اور عالم بھی ہے۔ اور برہمن اُس کی حکمت کے معتقد ہیں۔ اور ایک حصہ ملک پراس کی حکومت بھی ہے۔ اگر سلطان کی طرف سے سند حکومت اس شخص کو دیجائے تو وہ ملک کو آباد رکھیں گا اور چونکہ قول کا سچا اور عہد کا پورا ہو لہذا جتدر سالانہ خراج طے پائیگا وہ باوجود بعد مسافت کے ہر سال غزنیں بھجیا رہیگا۔ سلطان نے فرمایا ”اگر وہ حضور میں آکر استدعا کرتا تو اُس کی درخواست قبول کیجاتی۔ لیکن جس نے اپنی خیر خواہی کا اظہار نہ کیا ہو، اور ہندوستان

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۰۱۔ اور عقیدہ مند را جاؤں نے دو ہزار گاؤں اخراجات کے لیے وقف کر دیے تھے۔ دو ہزار پانچ اور پانچ سو چھ گائے اور تین سو بچن گائے وائے مستقل طور پر ملازم تھے۔ دیوتا کا ہر روز تازہ گنگا جل سے اشان ہوتا تھا۔ گنگا اس مقام سے چھ سو کوں کے فاصلے پر ہے جس مقام پر سومات کا مجسمہ (سپنجی) نصب تھا۔ قلعہ کا وہ حصہ تمام عمارت کی جان تھا۔ یعنی چھپتے ستون پر بھینے غنہ کی طرح گنبدی چھت دہری ہوئی تھی۔ اور ہر ستون ایک ال سنگ مرمر کا تراشا ہوا تھا۔ اور از سر تا پا جو اہرات سے مرصع تھا۔ پچی کاری کی گنگا رسی چین کے نقش و نگار منائی تھی اور کندن کی دھلک ستاروں پرانکھ مارتی تھی۔ وسط میں ایک جڑو زنجیر لٹکی تھی۔ اس میں ایک سونے کا چراغ درخت دھڑلہ جلتا تھا۔ اور خدا جانے کن وقتوں سے اسی طرح روشن چلا آتا تھا جس کی قیمت میں محمود کے حملے سے گل ہونا لکھا تھا۔ دروازے کے سامنے دیوتا کھڑے تھے جنکا قد پورے پانچ گز کا تھا۔ دو گز زمین میں اور تین گز باہر نمودار تھے۔ اور جس طلائی زنجیر میں گھنٹہ لٹکتا تھا۔ اُس کی قیمت کا اندازہ دس لاکھ روپیہ کیا جاتا ہے۔ محمود کا یہ حملہ سلاطین اسلام کے اُن شہر و واقعات میں شمار کیا جاتا ہے جس سے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ (انتخاب از الفہرست قصص ہند آزاد)

جیسے ملک میں حکومت نہ کی ہو اسکو اتنی بڑی سلطنت کیسے دی جاسکتی ہے؟
 القصہ دیشلیم مرتاض طلب ہوا اور سونمات کی حکومت اُس کی سپرد کر کے خراج ٹھہرایا گیا چنانچہ
 دیشلیم نے اقرار کیا کہ ”تمام عمر اطاعت کروں گا، اور سونا، اور یاقوت اور دیگر معدنی اشیاء
 خزانہ سلطانی میں بھیجا رہوں گا۔ لیکن میرے عزیزوں میں ایک شخص ہے جو مجھ سے انتہا درجے
 کی عداوت رکھتا ہے۔ اور چند مرتبہ ہنگامہ کارزار بھی گرم ہو چکا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ
 سلطان کے وہی کی جب اُسکو اطلاع ہوگی تو وہ مجھ پر حملہ آور ہوگا۔ اور میری موجودہ حالت محض
 بیروسامانی کی ہی میں مغلوب ہو جاؤں گا اور وہ کل ملک پر غالب ہو جائیگا۔ اسلئے حضور عالی
 اس طرف کوچ فرمائیں اور اُسکے شر کو دفع کر دیں تو کابلستان، زابلستان اور خراسان کے
 برابر سالانہ خراج، خزانے میں بھیجا رہوں گا۔“ اور یہ وہی شخص ہے جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور
 جس کی بابت لوگوں نے کہا تھا کہ دیشلیم مرتاض سے زیادہ ستھتی ہی سلطان نے ارشاد فرمایا کہ
 ”میں غزوات کی نیت سے گھر سے نکلا ہوں۔ تین برس ہو چکے ہیں کہ غزنین پہنچنے کی نوبت
 نہیں آئی ہے۔ گوچھ جیسے اور گرز جائیں مگر اس مہم کا سر کرنا ضرور ہے۔“ چنانچہ مہم پر روانہ ہو گیا۔ اُس
 ملک کے لوگوں نے دیشلیم سے کہا کہ تو نے بڑا کیا کہ سلطان کو اپنے عزیز کے برباد کرنے کی تحریک
 کی ضلئے جسکو معزز کیا ہے وہ تیری چغلی اور کوشش سے ذیل نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس واقعہ
 کو بھی لوگوں نے سلطان سے کہ دیا۔ اگرچہ سلطان بھی متروک تھا لیکن چونکہ سامان سفر کر چکا تھا

اسلئے تاریخ ہندوستان میں دیشلیم کے حالات تحریر ہیں۔ یہ دیشلیم گجرات کے قدیم راجہ کی اولاد میں تھا۔ اور غالب
 یہی کہ چاندرا خانان سے تھا۔

اسی لیے نقص سفر پر رضا مند ہوا۔ اور اُس ملک کو فتح کر کے راجہ کو گرفتار کیا اور دہلیم مرناض کے سپرد کر دیا۔ دہلیم نے کہا کہ ”ہماری مذہب میں بادشاہوں کا قتل کرنا عیب میں داخل ہے اور تمام فوج اُس بادشاہ سے مخالف ہو جاتی ہے جو بادشاہ کے قتل کا فتویٰ دے۔ اور اس ملک کا یہ دستور ہے کہ جب دشمن پر قابو پاتے ہیں تو اپنے ملک میں لا کر اُس جگہ جہاں تخت نشین ہوتا ہے ایک سردار بناتے ہیں اور اُسکو وہاں قید رکھتے ہیں، اور آمد و رفت کے دروازے بند کر دیتے ہیں مگر ایک جھروکا اتنا بڑا رکھا جاتا ہے جس سے ہر روز کھانے کا تھال جاسکے اور یہ قیدی اس وقت تک حالات میں رہتا ہے کہ جب تک اُس کا فاتح حکم کرے۔ چونکہ مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ اسکو اس طرح قید رکھوں۔ اسی لیے اگر سلطان اپنے ہمراہ غنیمتیں لیں تو مناسب ہے۔ جب ملک کا خاطر خواہ بندوبست ہو جائے اس وقت سلطان کو اختیار ہے کہ میرے پاس بھیج دے۔ تاکہ وہ دستور کے موافق قید رکھا جائے۔“

سلطان نے منظور کیا۔ اور غنیمتیں کو روانہ ہو گیا۔ دہلیم سو منات کے تخت پر بیٹھا۔ اور سلطان کو ہندوستان کے تحفے بھیجتا رہا۔ اور ارکان سلطنت کو بھی انواع ٹھائیں، اور تحفہ تحائف سے رضا مند رکھا۔ جب ملک پر اقتدار ہو گیا تب اپنے دشمن کو طلب کیا لیکن سلطان کو راجہ کی سپردگی میں تردد تھا۔ اُس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ دشمن کے سپرد کیا جائے لیکن چونکہ ارکان سلطنت دہلیم سے ملے ہوئے تھے سب نے بالاتفاق کہا سلطان واسطے ایسا وعدہ ضرور ہے۔ کیونکہ دوسری صورت میں مخالفت کا اندیشہ ہے۔ اور ملک ہات سے نکل جائیگا۔ غرض کہ قیدی دہلیم کے پاس بھیج دیا گیا۔ اور سرحدی راجاؤں کے نام

بغرض انتظام پر وائے جاری کر دیئے گئے کہ قیدی کو سرحد سومات تک پہنچا دیں۔ چنانچہ
 راجہ نے اپنے تخت کے نیچے قید خانہ بنائے کا حکم دیا۔ اور چونکہ اس ملک کا یہی دستور تھا کہ
 جب دشمن ایک مترل کے فاصلے پر پہنچ جاتا تو ایک لٹا اور تھالی اس کے سر پر لٹک کر گھوڑے
 کے ساتھ پیادہ دوڑاتے تھے۔ اور اسی طرح بارگاہ تک لاتے تھے اسکے بعد بادشاہ تخت
 پر بٹھیتا تھا اور دشمن قیدی میں بھیج دیا جاتا تھا۔

چنانچہ اس رسم کے ادا کرنے کے لئے دہلیسلیم بھی شہر کے باہر نکلا۔ لیکن چونکہ قیدی کے آنے
 میں وقفہ تھا دہلیسلیم شکار کے شوق میں لگے بڑھ گیا۔ مگر دہوپ کی شدت سے ایک درخت کے
 سائے میں سو رہا اور سرخ رومال منہ پر ڈال لیا۔ ہندوستان میں بکثرت ایسے شکاری جانور
 ہیں جن کی چونچیں تیز اور پنچے سخت ہوتے ہیں۔ انہیں میں سے کوئی ایک جانور ہوا میں اڑ
 رہا تھا۔ سرخ رومال گو گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر ہوا سے اتر ا اور زور سے منہ پر چنگل مارا جس کے
 صدمے سے ایک آنکھ جاتی رہی۔ اور دونوں آنکھوں میں شدت سے درد پیدا ہو گیا۔ اتنے
 میں قیدی بھی پہنچا۔ مگر چونکہ دہلیسلیم اندھا ہو چکا تھا اور اس قیدی راجہ کے سوا کوئی مستحق
 حکومت نہ تھا، سب نے اس کی نذر ادا کی اور تخت پر بٹھا دیا اور جو معدودے چند مخالف تھے
 انکو ہزا دیدی گئی اور وہ رسم بد خود اس بد نصیب راجہ کو ادا کرنا پڑی جس کے ارادے
 سے یہ روانہ ہوا تھا۔

میرا مطلب اس حکایت کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ جو حقیقی عزت کا مستحق ہو وہ دشمن کی سی
 سے دلیل نہیں ہو سکتا۔ اگر ابتدا میں اتفاقہ کوئی قصور اس سے ہو جاتا ہو تو آخر میں خدا کی

رحمتِ جوش میں آتی ہو اور اس کی عزت کے درجے کو دو چند کر دیتی ہو۔ اور جو اس کی بُرائی کے درپے ہوتا ہو وہ خدا کے غضب میں پڑ جاتا ہو۔

رعایتِ ملازمانِ شاہی ۴۰۔ ندیم مجلسِ سلطانی اور اصحابِ سیف و قلم بھی رعایت کے مستحق ہیں۔ مگر فرقہ اول خاص کر یہی جو لوگ حضور رس ہیں، اور جنکو شرفِ گفتگو حاصل ہوتا ہو، انکی خاطرِ مطابقِ پیمانہ التفاتِ شاہی کرنا چاہیئے۔ اور مقتضائے تدبیر یہ ہے کہ یہ رعایتیں علانیۃً نہوں بلکہ چپ چاپ، اور جہان تک ہو سکے ان میں سے کسی کی دل شکنی نہ کی جائے۔ اور اس گروہ کی کئی مرتبہ واقعات پر بخانا چاہیئے۔ بلکہ محض ان کے لئے جانے اور گفت و شنود کو ایک بڑا درجہ سمجھنا چاہیئے۔ گو محض حقارت سے ہر شخص کے دل میں عداوت کا مادہ نہیں پیدا ہوتا ہو۔ مگر یہ تو ہو سکتا ہو کہ کسی وقت میں اس خیال سے نقصان پہنچ جائے۔ مثلاً یہ کہ جو پہنا بد دگار ہو وہ بدخواہ ہو جائے یا یہ کہ وہ شخص ادنیٰ درجے سے اعلیٰ پر ترقی کر جائے۔ بہر حال یہ تمام احتمالات نقصان سے خالی نہیں ہیں۔ اور توہمات کا علاج عقل و ادب ہے اور وہ بھی اس قاعدہ کلیہ پر منتہی ہوتا ہو کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جنکو ہمیشہ بڑا سمجھنا چاہیئے اور وہ کیا ہیں؟ اگر بیماری، دشمن، یا یہ ممکن ہو کہ اول ایک چنگاری ہو، مگر آخر میں وہ تمام دنیا کو پھونک سکتی ہو، یا بیماری کا مادہ کہ ابتدا میں کم ہو۔ مگر انتہا پر وہی ہلاکت کا سبب ہو جاتا ہو۔ یہی حال دشمن کی ہے کہ وہ شروع میں حقیر اور عاجز نظر آتا ہو مگر انجام کار قوی اور زبردست ہو جاتا ہو۔ ایسے اُسکے شر کو کم نہ سمجھنا چاہیئے، اور دشمن بھی گناہ کی خاصیت رکھتا ہو اگر کوئی شخص چھوٹے سے گناہ کو بڑا سمجھ کر فوراً تدارک کر لے گا تو اسکا دفعیہ ہو جائیگا ورنہ غفلت سے اُسکے نقصان اٹھانا پڑیگا۔

حکایت فضل بن ربیع، ایک دن ابو الحسن معتبر ابن سیریں کا نواسہ تھا، کچھ مدت میں حاضر ہوا، اور بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک شخص نہایت قوی ہیکل میری طرف جھپٹا اور لپٹکا، میں نے بھی ساری قوت سے اس کا مقابلہ کیا اور آخر اسے زمین پر پچھاڑ دیا۔ اس کے بعد ایک دہلا پتلا آدمی مقابلے کو اٹھا، میں نے اس کی لاغری دیکھ کر خیال کیا کہ جب میں نے اسے زبردست پہلوان کو چت کر دیا تو پھر اس کی کیا حقیقت ہو اور کچھ زیادہ داؤں پیچ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن بات ملتے ہی اُس نے مجھ کو ایسی ٹخنی دی کہ مرنے مرنے بچ گیا۔ اور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی ابو الحسن نے فرمایا کہ "تیرے گناہوں کا نظارہ تھا۔ جو دشمنوں کے روپ میں سامنے آیا پسندے شخص کو قوت سے بڑا سمجھا تھا وہ جلد دفع ہو گیا اور کوئی مضرت نہیں پہنچی۔ اور دوسرے کو چھوٹا سمجھا اس کے دفعہ کی کوئی تدبیر نہیں کی وہ غالب آیا اور اُس نے تجھ کو قریب المرگ کر دیا" اور ٹھیک ہی مثال دشمن کی ہو رعایت اہل سیف و قلم۔ ہ۔ جو تلوار کے مالک ہیں ان کو امور وزارت کے اصلاح و فساد کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے اُن کی تالیف قلوب نہایت ہی سہل ہے اور وہ تھوڑی سی توجہ سے شکر گزار ہو جاتے ہیں۔ لیکن خاطر مدارات میں ارباب قلم کو میں مقدم اور متمم باشان سمجھتا ہوں اور یہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اور تاکید اُبھر کہتا ہوں کہ تحت سلطنت بغیر اصحاب سیف کے اور مسند وزارت بغیر ارباب قلم کے قائم نہیں ہو سکتی ہے۔

عبدالحمید احمد نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے کہ مہات سلطنت کے مابرج کا کاموں کے حالات سے مقابلہ کرو۔ اور دونوں میں سے جو جس کی صلاحیت رکھتا ہو وہ کام اُس کے سپرد کرو اور اپنی طرف سے ناامید نہ کرو اور نہ امید داروں کی تعداد بڑھاؤ کیونکہ خاص گروہ کے میں جل

اور پشتِ برخاست سے اکثر فدا و اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

حکایت بیشہ و واقعہ ہے کہ نوشیرواں عادل نے صرف بزرچہمہر سے ایک خاص وقت میں کچھ اسرارِ سلطنت بیان کیے تھے جسکو دوسرے وقت لوگوں نے بھینسہ اکر دہرا دیا۔ بلکہ چند مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ جو گفتگو بزرچہمہر سے ہوتی تھی وہ بھینسہ نوشیرواں تک پہنچ جاتی تھی۔ اس لیے نوشیرواں کو نہایت تعجب ہوا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بزرچہمہر سلطنت کا راز دار ہی اور یہ غیر ممکن ہی کہ وہ اپنے راز فاش کر دے۔

اس لیے خود بزرچہمہر سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بزرچہمہر نے بڑی غور و فکر کے بعد کہا کہ غناشا! اس معاملہ میں میری زبان بھی ہمارا نہیں ہے، مگر ہاں ایک بات ہے اور وہ یہ کہ دربار میں اندنوں اور بابِ ذکاوت و فراست کا جھگٹا ہے جو وقتِ حضور میں میری طلبی ہوتی ہے تو یہ سب ملکر قیاس کرتے ہیں کہ طلبی کس غرض سے ہوئی ہے اور آخر میں غلبہ آرا سے کوئی نہ کوئی بات ٹھیکٹ جاتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ مخفی امور پشتِ ازبام ہو جاتے ہیں۔ لہذا ان لوگوں کو خاص خاص خدمتوں پر مقرر کر دیا جائے چنانچہ اس کا ردوائی کے بعد پھر ایسا اتفاق نہیں ہوا۔

اور یہ بھی چاہیے کہ جنکے چہروں سے حسنِ اعتقاد ہی اور محبتِ جھلکتی ہو وہ خلعتِ خدمت سے سرفراز ہوتے رہیں۔ مگر جو کچھ ہو، اُس سے یہ ظاہر ہونے پائے کہ وزیر کو کس شخص سے خاص محبت ہے یا کس پر اعتبار ہے۔ لیکن جو گروہ مفسدہ پرداز ہو وہ ان عنایتوں کا مستحق نہیں ہے۔ جن لوگوں سے فتنہ و فساد کا احتمال ہو سکتا ہے وہ دُور گردہ ہیں۔

ایک تو وہ ہے کہ جنگو بادشاہ اور ارکانِ سلطنت کے نزدیک وقت اور اعزاز حاصل ہے۔

اور دوسرا برعکس اس کے۔

طبقہ اول سے وزیر کو اعزاز و اکرام بہت سنا چاہیئے۔ لیکن نہ اس قدر کہ لوگ بُزدلی اور خوف پر محمول کریں اور اظہار عداوت سے جہالتک ہو سکے بچتا رہے۔ اور انکو ہمیشہ کاموں میں لگا رکھے۔ اور بعد عطاے حکومت اُن کی خرابی کاموں کی مسلسل اطلاع بادشاہ اور اعیان حضرت سے کرتا رہے۔ تاکہ خوش اعتقاد دی جاتی ہے۔ مگر کبھی قطعی ارادہ کسی کے قتل و ہلاکت کا نہ کرے۔ کیونکہ عقلاً و مذہباً یہ بُری عادت ہے۔ اور اسکا مرتکب دین و دنیا میں قابلِ ملامت اور موجبِ نفرت ہے۔

حکایت ناصر میkal کو غنیمتیں جاتے ہوئے بقیام کیا باد، معلوم نہیں کس نے قتل کر دیا۔

جب یہ خبر غنیمتیں پہنچی تو اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ قتل خواجہ احمد کے اشارے سے ہوا ہو۔ کیونکہ سلطان کا مزاج ناصر سے بگڑتا جاتا تھا۔ اور دربار میں ایک دو مرتبہ ناصر کا ذکر بھی آیا تھا و دشمنانِ حصیری جو سلطان کا مقرب خاص تھا۔ اُس نے ایک دن خواجہ احمد سے کہا کہ دنیا کبھی اہل استحقاق سے خالی نہوگی دشمنوں پر غلبہ حاصل کر کے آپ کامیابی چاہتے ہیں اور آپ کا یہ بھی خیال ہے کہ کوئی قابل آدمی موجود نہ تھا اسوجہ سے ضرطاری حالت میں آپ کو اختیارات دینے گئے ہیں۔ یہ محض غلط ہے۔ بلکہ دراصل کسی کی جان کا خواہاں ہونا خود اپنے کو معرضِ ہلاکت میں ڈالنا ہی، بلکہ اگر کسی شخص کو معرضِ ہلاکت میں دیکھے اور اس میں خود شریک بھی نہو تاہم اُس کے قتل پر رضا مند نہو۔ ورنہ جزا اور مکافات کے لیے ہر وقت طیار رہنا چاہیئے۔ اور ہرگز خون ناحق پر راضی نہونا چاہیئے۔ اور مفسد نوکروں کی باتوں پر ہرگز یقین نہکیا جائے گو وہ کیسے ہی

اور کتنے ہی مقتول طریقے پر بیان کریں“

تکو معلوم ہوا! (خطاب بفرزند) کہ سلطان الپ ارسلان نے کندری پر غضبناک ہو کر اُسکے قتل کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ اُس کی خیانت اور خباثت کا پوسے طور پر امتحان ہو چکا تھا۔ اور اُنکی دلیری اور سیہ کاری کی پوسے طور پر خبریں پہنچ رہی تھیں، اور امیر المومنین بھی نااض تھے۔ اور دارالخلافہ کے ارکان بھی چاہتے تھے کہ وہ قتل کیا جائے۔ سلطان کو میں اس فضل سے باز رکھ سکتا تھا۔ مگر میں نے منع نہیں کیا۔ اور کئی برس سے اسی خوف میں مبتلا ہوں اور جہدِ نیا واقعہ یاد آجاتا ہے۔ منہ کا نوالا کڑوا ہو جاتا ہے اور رات کو نیند حرام ہو جاتی ہے۔ اس واقعہ کے متعلق تا کیداً تم سے ایک اور واقعہ کا ذکر کرتا ہوں جس کا اب تک میں نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا ہے۔

حکایت کندری کے قتل کے ایک سال بعد میں نے خواب دیکھا کہ گویا اسکو قید خانے (جیل) کی طرف کشاں کشاں لے جاتے ہیں اور میں بھی رُسن درگردن اُسکے پیچھے چلا جا رہا ہوں پھر ہم دونوں کو ایک ہی حیثیت سے نکال کر قتل لے گئے۔ کندری کے سارے رشتہ دار تو اریں سوت کر مجھ پر رہے، لیکن یہ ہونا کہ منظر دیکھتے ہی میں چیخ اُٹھا اور آنکھ کھل گئی۔ مگر پھر بہت جلد بیہوش ہو گیا۔ غرض کہ اسی خوف سے کئی روز تک جاگتا رہا۔ اور بہت کچھ خیرات کی گئی۔ یا اے خدا کا شکر ہو کہ میرے دل سے وہ ملال جاتا رہا۔

لے خواجہ نظام الملک کے دامن پر وزیر ابو نصر محمد علی الملک کندری کے خون کا دہہہ ہے۔ اور اسکو کوئی مورخ نہیں دہہہ سکتا ہے۔ اور اس کی تمام سوانح غری میں صرف یہی ایک دلع نظر آتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو صفحہ ۷ حصہ اول کتاب ہذا۔

طبقہ دوم کے لائق اشخاص ہر حالت میں مہربانی کے مستحق ہیں۔ اور انکو بلند درجوں تک پہنچانا چاہیے۔ البتہ نالائقوں کو اپنے دروازے پر کبھی نہ آنے دو۔ اور اگر کسی موقع پر ایسے لوگ جمع ہو جائیں تو انکو باہم لڑا دینا چاہیے اور پھر انکو ان کی بد اعمالیوں کی سزا دینا چاہیے تاہم یہ ایسا گروہ ہے کہ ایک ٹکڑے روٹی سے خوش ہو جاتا ہے لہذا کوئی چھوٹی سی خدمت دیکھا اور اس قسم کی خدمتوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچکتا ہے۔ اور میری رائے میں یہ بڑا دُستِ بہتری

حکایت سلطان الپ ارسلان کے عہد میں وزیر ہوئے مجھے تھوڑی مدت گزری تھی کہ ایک دن میں حضور میں حاضر ہوا۔ سلطان نماز سے فارغ ہو کر وظیفہ پڑھ رہا تھا مجھ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مصلے کے نیچے سے ایک کاغذ نکال کر حکم دیا کہ پڑھو۔ اُس میں دل سے آخر تک میری شکایت تھی۔ اور ہر صیغے میں خیانت کا الزام لگایا تھا۔ جب میں پڑھ چکا تو پوچھا کہ سب پڑھ لیا۔ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ ”اگر یہ تحریر سچی ہے تو اپنی عادت و سیرت کو بدل ڈالو۔ تاکہ پھر ایسی شکایت نہ ہو۔ اور اگر جھوٹ ہے تو اُن لوگوں کو کسی کام میں لگا دو کہ افرا پر دازی کی اُنکو فرصت نہ ملے، اور اپنے کاموں میں مصروف رہیں۔“ میں اُٹھا اور دُعا میں دیتا ہوا باہر نکل آیا۔ اور سلطان کی نصیحت کے مطابق اُنکو برسرِ کار کر دیا۔ پھر اُن سے ایسی ہدایاں سرانی طور میں نہ آئی۔

اربابِ سیف و قلم کی محافظت کے جو طریقے تھے وہ وزراءِ سلف کے اخبار و آثار سے بطریقِ امثال و نظائر بیان کر چکا ہوں۔ اب مختصر بیان عامہ خلائق کی نگہداشت کا کرنا چاہتا ہوں جو خدا کی امانت ہیں۔ عامہ خلائق سے رعایت کرنا یہی سب سے بڑی نصیحت ہے۔ دین و دنیا

دونوں میں اسکے فوائد و ثمرات کا منتظر رہنا چاہیے اور اسی کی طرف اشارہ ہی الْعَظِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالشَّفَقَةُ عَلَى خَلْقِ اللَّهِ - آؤ امر الہی (خدا کے احکام) کی تعظیم کے بعد حسنات کے جو درجے ہیں انہیں سے کوئی بھی اس شفقت کے برابر نہیں ہو۔ بلکہ جو کچھ ہو، وہ اسی کا ضمیمہ ہی۔ جس طرح طبیب مشفق مہربانی کی نظر سے بیمار کی حالت پر غور کرتا ہو اور جو طریقہ مریض کے سود و بہن کو بہوتا ہو، اُسی پر توجہ کرتا ہو تاکہ وہ اپنے حق سے علیحدہ ہو جائے۔ اسی طرح خلائق کی مہمات پر نظر ڈالنا چاہیے۔ تاکہ ظاہر و باطن میں سب اُسکے ہوا خواہ رہیں۔

اگلے زمانے کے وزراء (جَعَلَ اللَّهُ سَعْيَهُمْ شُكْرًا) کا یہ چلن تھا کہ وہ ہمیشہ سلاطین کو محنت و شفقت کی طرف توجہ دلا کر لے تھے جس کی برکت سے رعایا امن و چین میں رہتی تھی اور بادشاہ کا نام بھلائی سے یاد کیا جاتا تھا اور خود ثواب کے مستحق ہوتے تھے۔

حکایت جس زمانے میں سلطان الپ ارسلان، روم کی مہم پر جانوالا تھا اس وقت ضرورتاً رعایا سے بطریق استداد و خراج پیشگی طلب کیا جاتا تھا اور آمدنی کا زمانہ دُور تھا۔ اسوجہ سے لوگ پریشان تھے۔ اور مرو میں بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ جس میں لوگ کثرت سے مر رہے تھے چنانچہ ایک دن دربار میں ان واقعات کا ذکر آیا سلطان نے کہا کہ موت تو ایک بلا ہے بیداروں ہی ذرا سکومال فائدہ پہنچا سکتا ہو اور نہ سلطنت و سپاہ سے کام نکل سکتا ہو۔ میں نے عرض کیا کہ اگر کچھ تدارک ہو سکتا ہو تو وہ صرف عدل و محنت ہی۔ اور قدیم تاریخ میں میں نے پڑھا ہے کہ ایک عجم کے بادشاہ نے حکم دیا کہ خزانے کی جانچ پڑتال کر کے اطلاع کیجائے کہ کتنے ہی کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس حکم کا منشا کیا ہے؟ مگر وزیر نے باخیا و تحقیقات کیے

خزانے کی کیفیت سے مطلع کر دیا۔ چنانچہ خزانے کی مقدار معلوم ہونے پر بادشاہ نے اعیان دولت کو طلب کیا اور سب کے سامنے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اگر خدا نخواستہ کسی وقت سلطنت پر کوئی صدمہ پہنچے یا کسی قسم کا اندیشہ متصور ہو یا بغیر پیش آئے تو اس کے واسطے یہ خزانہ کافی ہے۔ لیکن اب میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ سے کوئی شخص نہ ستایا جائیگا۔ اور نہ رعایا میں کوئی کسی کے مقابلے میں عاجز و ضعیف سمجھا جائیگا۔ تمام رعایا اسباب معاش کے مہیا کرتی ہیں اور سلطنت کو بڑا حصہ اپنے مال کا دیدہ تہی ہو لہذا ہر شخص زراعت و تجارت وغیرہ کے ذریعے سے اپنی معاش حاصل کرے۔ اور جاگیر خالصہ میں میں بھی ہی کر دنگا۔ اور فرمان جاری کر دیا کہ باج و خراج یکقلع اٹھا دیا گیا ہو۔ اب حکام کا کام اس امر کی نگرانی کرنا ہے کہ زبردست سے زیر دست کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ اس انتظام کی برکت سے ملک میں چھ برس تک کوئی موت نہ واقع ہوئی اور یہ ظاہر ہے کہ ملک کی آبادی اس مدت میں کماتک ترقی کر گئی ہوگی۔ یہ حکایت سن کر سلطان نے اپنا حکم منسوخ کر دیا اور فوجی ضرورت خزانے سے رفع کر دی۔ گئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیشہ وزیروں نے رعایا کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا ہے جس کی کثرت سے رعیت کو آسائش پہنچی اور بادشاہ کی عزت قائم رہی۔ اور خود اپنی ذات کی واسطے بھی دعاے خیر کا ذخیرہ کرتے رہے۔

خواجہ نظام الملک کے دربار کے شعرا

خلیفہ مامون الرشید عباسی کی مہتمم باشان یا دو گاروں میں سے ایک فارسی شاعری بھی ہو۔ لیکن اس کے معنی نہیں، کہ فارسی شاعری نے اس زمانہ میں جنم لیا ہو اور اس عہد کے پہلے شاعری کا وجود نہ ہو۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہو کہ اسلام سے پہلے تمام فارس میں شعر اچھلے پڑے تھے اور ان کی شاعری اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن عربوں کی فتوحات کے بعد مسلم فارسی کا دفتر اتر ہو گیا اور سیلاب فنا انکو بہا کر خدا جانے کہاں لگ گیا؟ کیونکہ کوئی مورخ عہد قدیم کے نامور شعرا کے کلام سے ایک غزل یا قطعہ بھی منونے کے طور پر پیش نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن اسی دربار کے نامور شاعر عباس مروزی نے فصحاء عرب کے سامنے سے پہلے ایک فارسی قصیدہ مامون الرشید کی مح میں لکھ کر فارسی کی مُردہ شاعری میں جان ڈال دی۔ اور پھر اسی بنیاد پر آنے والی سُنلوں نے نہایت رفیع الشان

۱۔ قدیم فارسی کا لہریچ اس زمانے میں اس قدر ناپید ہو گیا ہے کہ آج اُس زمانے کی دو سطر بھی نہیں مل سکتی ہیں۔ لیکن یورپ کی علمی تحسین اور تلاش نے بہت کچھ ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ حال میں مسٹر مارگلٹ نے جو اس فورڈ کے پروفیسر ہیں قدیم فارسی کے بعض اشعار چھاپے ہیں جو انکو سربانی خط میں دستیاب ہوئے ہیں۔ پروفیسر مذکور نے ان اشعار کی تفسیر اور شرح بھی لکھی ہے، السندہ نمبر جلد اول ۱۳۲۲ء ۲۔ عباس مروزی کے حالات کے لیے تذکرہ مجمع الفصحاء دیکھنا چاہیئے جو قصیدہ اسے مامون الرشید کی مح میں لکھا ہے اس کے چند شعر یہ ہیں۔

ای رسانیدہ بدلت فرق خود برب قدین	گسترانیدہ بفضل وجود در عالم بدین
مختلفات را تو شائستہ چو مردم دیدہ را	دین یزدان اتو بایستہ چو رخ را ہر دو عین
کس میں منوال پیش از من جنیں شری گفت	مرزبان پارسی را ہست بایں نفع بین

الپ ارسال کے بعد جب جلال الدین ملکشاہ کا زمانہ آیا تو اس دربار میں بھی برہانی
کافی بہدانی، ابوالمعالی نحاس، اور امیر الشعراء مغری اور لامعی وغیرہ تشریف لائے
اور قصیدہ خوانی کے بعد دربار وزارت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ نظام الملک کو نظم سے
وچسپی نہ تھی اور نہ وہ حدیث قصائد سننا چاہتا تھا، لیکن وزیر ہو کر یہ مجال تھا کہ دربار میں
فقہاء صوفیہ محدثین، اور مفسرین تشریف لائیں اور شعراء دروازہ پر کھڑے رہیں۔ چنانچہ
اُسی اصول کے مطابق حاضرین دربار کے تذکرہ میں صرف ان شعراء کے مختصر حالات
لکھے جاتے ہیں جنکو خواجہ سے خصوصیت تھی اور ان کے کلام کا محض حصہ نذر ناظرین کیا جاتا
ہو جس کا تعلق خواجہ سے ہے۔

(۱) معینری

یہ نامور شاعر عبد الملک برہانی سمرقندی کا بیٹا تھا، اصل نام محمد تھا۔ برہانی چونکہ خود صاحب
فضل و کمال تھا۔ اس لیے ابتدائی تعلیم کے بعد محمد کو سمرقند سے مکمل علوم و فنون کیلئے خراسان
بھیج دیا اور یہاں کی درسگاہوں سے چشیت ایک طالب العلم محمد نے کافی علمی تہذیب
حاصل کیا۔

برہانی سلطان ابراہیم غزنوی کے دربار سے متعلق تھا۔ لیکن سلطنت غزنویہ کی بربادی
کے بعد (بقام اصفہان) ملکشاہ کے حضور میں آیا اور ملازم ہو گیا۔

سلطان ابراہیم غزنوی نے ۱۰۱۵ھ سے ۱۰۲۵ھ تک حکومت کی۔ یہ بادشاہ بڑا متقی اور عابد تھا۔ اس نے ان کام
دعوؤں سے ہاتھ اٹایا تھا جنکی بدولت سلاجوقوں سے روز تواریج جیسی تھی۔ ترجمہ تاریخ الفسطن صفحہ ۷۷

افسوس ہے کہ اس نامور شاعر کا کلام مفقود ہے اور ذیل کے دو مصرعے اسکے نام سے
تذکرہ میں ملتے ہیں۔

من فتم و فرزند من آمد خلف الصدق

اور ابجد اور ابجد وند سپروم

تذکرہ نویسوں نے اسکا شان نزول یہ لکھا ہے کہ ”حالت نزع میں برہانی نے
سلطان ملک شاہ کو ایک قطعہ لکھا تھا اور اپنے بیٹے کے واسطے سفارش کی تھی کہ میرے
بعد اس کی پرورش کی جائے چنانچہ اُس قطعہ کا خیر شعری۔ بہر حال یہ روایت صحیح
ہو یا غلط مگر یہ تحقیق ہے کہ قلعہ قزوین میں جب برہانی نے انتقال کیا تو سلطان ذرہانی کا
وظیفہ محمد کے نام منتقل کر دیا تھا اور تھوڑے زمانے کے بعد ملک شاہ کی قدردانی سے محمد
امیر معری کے خطاب سے ممتاز ہو کر درجہ اعلیٰ پر پہنچ گیا۔ چنانچہ معری کے اس واقعہ کو
ہم حسبِ ایت امیر معری بیان کرتے ہیں۔

نظامی عروضی سمرقندی مصنف چار مقالہ امیر معری کا نہایت نامور شاگرد ہے
وہ دوسرے مقالہ میں لکھتا ہے کہ ”ایک دن سینے اپنی تکلیف اور مصیبت کا امیر معری کو
ذکر کیا انھوں نے مجھ کو سمجھایا کہ کسی شاعر کی محنت ایسا نہیں جاتی ہے۔ اگر ابتدا میں
فزع نہ ہو تو اخیر میں اسکا ستارہ ضرور چمکتا ہے۔ اور اسی قسم کی نصیحت امیر گفتگو کے بعد امیر
معری نے اپنی ابتدائی حالت مجھ سے بیان کرنا شروع کی جو حسبِ ذیل ہے“

میرے والد امیر ربانی کو جو وظیفہ ملتا تھا اُنکے انتقال پر وہ میرے نام منتقل ہوا اور
 میں ملک شاہ کا شاعر مشہور ہو گیا۔ مگر حالت یہ تھی کہ کئی سال تک مجھ کو سلطان کا سلام
 بھی میسر نہیں ہوا۔ اور نہ حضوری کی غنت حاصل ہوئی۔ بلکہ میں دُور سے اپنے خداوندِ نعمت
 کے درشن کر لیتا تھا۔ مصارف کے لیے ایک من غلہ اور ایک دینار (پانچ روپیہ) مقرر تھا۔
 مگر فیلیفہ خرچ کو کافی نہ تھا اور قرض کا بار بڑھتا جاتا تھا اس پر طرہ یہ کہ جو مقرر تھا وہ بھی وقت
 پر نہیں ملتا تھا۔ اور اس کا یہ سبب تھا کہ وزیر السلطنت خواجہ نظام الملک شعراء سے بد اعتقاد
 تھا اور اُس کو شعرو سخن سے مناسبت نہ تھی، بلکہ وہ ہمیشہ صوفیائے کرام سے صحبت رکھتا تھا
 غرض کہ اسی زمانہ میں ماہِ صیام آگیا اور جسدِ چاند نہ کھنے کو تھا، اُس دن میرے پاس خرچ کو
 بھی کچھ نہ تھا۔ اس لیے میں اپنے مہربانِ محسن امیر علاؤ الدولہ علی بن فرامرز (شاہانِ عجم
 کی اولاد میں تھا) کچھ خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ امیر شعر و دست سلطان کا داماد اور زیدِ محسن
 تھا اور اس عہدِ راز کے علاوہ ایک بڑے عہدے پر مقرر تھا۔ چنانچہ میں نے علاؤ الدولہ
 سے عرض کیا اُرداوندِ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے کہ جو کام باپ کرتا ہی۔ یہ کوئی ضرور
 نہیں ہے کہ بنیابی وہی کام کرے یا جو فن باپ کو آتا ہو بیٹا بھی اُسے جانتا ہو۔ میرا باپ
 ایک ہوشیار اور چالاک آدمی تھا اور الپ رسلاں اُس کا معتقد تھا جو کام وہ کر سکتا تھا
 مجھے اُسکے کرنے میں شرم دامِ نگیر ہی۔ میں نے حضور کی ایک سال خدمت کی ہی اور اس وقت
 ایک ہزار دینار کا مقروض ہوں۔ اگر اجازت ہو تو نیشاپور چلا جاؤں۔ اور اگلے قرض کا
 بندوبست کروں۔ جب میں کہہ چکا تو امیر نے فرمایا کہ ”بیشک مجھ سے قصور ہو گیا ہی۔ آئندہ

ایسا نہوگا۔ آج شام کو سلطان چاند دیکھنے کے لیے محلہ سے برآمد ہونگے تم بھی وہاں موجود رہنا۔ دیکھو! تو زمانہ کیا کروٹ بدلتا ہی؟ اور مجھے ایک سودنیا رنیشا پوری دیکر رخصت کیا اور فرمایا کہ ”اسے ماہ رمضان میں خیر کھانا“ چنانچہ بہ کمال مسرت میں گھر کو چلا گیا اور شام کو سلطان کے در دولت پر حاضر ہوا۔ اُسی وقت علاؤ الدولہ کی بھی سواری آئی۔ مجھے دیکھ کر امیر بہت خوش ہوا اور فرمایا کہ ”اچھے موقع پر آئے“ غرض کہ جب آفتاب غروب ہو گیا تب سلطان چاند دیکھنے نکلا۔ علاؤ الدولہ سلطان کی دائیں طرف تھا۔ سلطان ہاتھ میں ایک کمان کر وہ لیے ہوئے چاند دیکھنے میں مصروف تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے چاند سلطان کی نظر پڑی اور بہت خوش ہوا۔ جب سب چاند دیکھ چکے تو علاؤ الدولہ نے مجھ سے کہا ”اس واقعہ پر کچھ کہو۔ چنانچہ میں نے فوراً یہ رباعی عرض کی۔

ای ماہ چو ابرو ان یا سے گوئی یا سپھو کمان شہر یا سے گوئی
تغلی زده از زرعیا سے گوئی در گوش سپہر گوشوارے گوئی

میری اس فی البدیہہ رباعی پر علاؤ الدولہ خوش ہوا اور میری بڑی تعریف کی۔ اور سلطان نے حکم دیا کہ ”جاؤ صہیل شاہی سے جو گھوڑا پسند ہو وہ لیلو“ مگر میں نے تامل کیا۔ تب امیر نے ایک گھوڑا نامزد کر کے میرے نوکر کے سپرد کر دیا۔ (اس گھوڑے کی قیمت تین ہزار دینار رنیشا پوری قرار پائی) سلطان ملکشاہ تو حکم دیکر نماز مغرب کی واسطے مصلے پر کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ میں نے بھی نماز ادا کی اور شام کا کھانا امیر علاؤ الدولہ کے ہمراہ کھایا۔ اس وقت امیر نے حکم دیا کہ جو انعام تم کو ملا ہی اب اُس صلہ کی شکر گزاری میں کچھ کہو۔ چنانچہ میں نے

جربستہ یہ رباعی عرض کی ہے

چوں آتشِ خاطرِ شاہِ بدید از خاکِ مرا بر زبرِ ماہِ کشید
چوں آبِ یکی ترانہ از منِ بشنید چوں پاؤںِ دیکرِ مرکبِ جامِ بخشید

جسکو سنکر امیر بہت خوش ہوا۔ اور امیر کی تعریف پر سلطان نے ایک ہزار دینار مرحمت فرمائے۔ اور امیر نے یہ بھی فرمایا کہ ”کل خواجہ نظام الملک کا دامن پکڑو لگاکہ وہ تمہاری تنخواہ خزانہ سے نقد دلا دیں اور غلہ کے واسطے حکم جاری کریں کہ اصفہان سے بھیج دیا جائے“

وزارت کا اقتدار دیکھو سلطان نے فرمایا کہ ہاں علاؤ الدولہ! تم یہ کر سکتے ہو کسی اور کی تو یہ تجرات نہیں ہیں۔ کہ خواجہ نظام الملک سے ایسے الفاظ کہہ سکے۔ اس کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ اسکا تخلص میں سے نام پر معری رکھو۔ (جلال الدین و معز الدین ملکشاہ کے لقب تھے) چنانچہ علاؤ الدولہ نے اُسی وقت تجلو خواجہ معری کہہ کر پکارا۔ جب سلطان نے سنا تو فرمایا کہ نہیں اسکو امیر معری کہو اور میں اُسی وقت درجہ امارت پر متمنا ہو گیا۔ اور دوسرے دن ایک ہزار دینار اور مرحمت ہوئے اور مصارف کے واسطے ایک ہزار من غلہ اور بارہ سو دینار مقرر کیے گئے چنانچہ عید کے بعد میں دربارِ سلطانی میں حاضر ہونے لگا اور مذمیون میں داخل ہو گیا اور میرا اقبال دن بدن بڑھنے لگا۔“

۵۔ ایشیائی درباروں کا قاعدہ یہ کہ جہد کوئی معزز خطاب کہہ دیا جاتا ہے۔ اُسی دن درجہ کے مطابق جاگیر اور تمام سامان بھی مرحمت ہوتا ہے۔ تاکہ منصب کے لحاظ سے وہ شریک دربار ہو سکے۔ اس قاعدہ کا عند آئندہ ایشیائی سلطنت میں بڑی ہندوستان میں سرکار نظام اور دیگر بڑی ریاستوں کا بھی آئین ہے۔

جو اپنا وقت امیر معزی نے بیان کیا ہو اس سے ثابت ہو کہ بدیہ کننا شاعری اعلیٰ رکن ہے۔ اور ہر شاعر پر فرض ہو کہ وہ اس قدر مشق سخن کرے کہ برجستہ کہہ سکے۔ کیونکہ امیر معزی ان واحد میں معمولی حالت سے ترقی کر کے درجہ امارت پر پہنچا اس کا باعث صرف وہی ایک باغی ہی جو اس نے برجستہ کہی تھی۔

ملک شاہ نے اگرچہ معزی کو امیر لاہر بنا دیا تھا۔ مگر کمال شاعری کے لحاظ سے کوئی خطاب نہیں دیا تھا۔ لیکن اس کے نامور بیٹے ناصر الدین سنجر نے معزی کو ملک الشعراء کا خطاب دیا۔ اور دربار سنجر میں وہ مثل ملک الشعراء عنصری کے چار سو شعراء پر حکومت کرتا تھا۔ امیر معزی کا جب قدر کلام تذکروں میں پایا جاتا ہے وہ اعلیٰ درجہ کا ہے۔ غزل میں شیرینی اور نیکی ملی ہوئی ہے۔ قصائد نہایت زور کے ہیں۔ غزل میں فرخی کا مقلد ہے۔ اور قصائد میں عنصری کا رنگ ہے۔ اس عہد کے نامور شعراء نے امیر معزی کے قصائد کا جواب لکھنے میں کوشش کی ہے۔ اور حکیم انوری جیسے بالکمال شاعر نے امیر معزی کی ابیات کو تضمین کیا ہے اور خاقانی جیسا استاد اس کا معتقد ہے۔ غرض کہ امیر معزی کی جب قدر مدح فضل و کمال کے لحاظ سے کی جائے وہ کم ہے۔

امیر معزی نے ۶۱۴ھ ہجری میں بمقام مرو انتقال کیا۔ موت کا یہ واقعہ ہے کہ سلطان سنجر کے ہمراہ نکال رکھل رہا تھا کہ خود سلطان کے تیر سے زخمی ہو گیا۔ اور اسی صدمہ سے طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ چنانچہ خود کہتا ہے۔

منت خدائے کہ تبسیر خدا نکاں من بندہ بے گنہ نشدیم کشتہ را نکاں
انتقال کے بعد حکیم سنائی نے امیر معری کی تعزیت میں حسب ذیل اشعار لکھے۔
گر زہرہ بچرخِ دوم آید نہ شکفت است در ماتم طبعِ انسانی معری
کر جسرت در ہائے تمیشِ چیتیاں بنشستہ عطار و مہر اے معری
امیر معری کا خاص خاص کلام انگریزی میں بھی ترجمہ ہو کر چھپ گیا ہے۔ اب ہم
قصائد لکھتے ہیں جو صرف خواجہ نظام الملک کی مدح میں ہیں اور جبکہ لکھنا اس کتاب میں
نہایت ضروری ہے۔

قصائد امیر معری مدح خواجہ نظام الملک

شدت باغ پرار نشہ ہای در خوش آب شدت لعل پر از تودہاے عنبر ناب
بلغ و راع مگر آبر و باد و داو ستند بتو وہ عنبر ناب بر شستہ در خوش آب
چمن شدت چچرا ب عنایب ہی ز بؤر خواند، داؤد و ارد محراب
ہوا ز ابر چو پوشید جوشن و تھنل ز عکس خویش گماں کر دہر روشن تاب
ز غنچہ گل و از شاخ بید، با صبا ز مردیں پگیان کر و بندیں نشاب
میان سبز و نگر برگ لالہ نعمان میان لالہ نعمان نگر سر شک سحبا
کی چنانکہ بزنگار بر زنی شنگرف یکے چنانکہ بہ شنگرف بر زنی سیما
سر شک برو گلاب شکوفہ کا فور است چو صندل است بجوی و بفرغ اندر است

۱۔ مجمع النہض صفحہ ۷۰، جلد اول اور جملہ تصانیف اسی تذکرے سے منقول ہیں۔ ۲۔ صحرا۔ ۳۔ مغرب۔ ۴۔ جہاں ۵۔ تیر۔ ۶۔ تالاب۔ ۷۔

هنوز نمانده طبع جهان بغایت گرم
 همی شود مطران در تراثت مرادید
 همی سیل بهاری شود سراب چو بحر
 بزرگوار و زیری که دست همت او
 شهاب هست بلون شکل چو قلش
 شهاب هست بلون شکل چو قلش
 اگر چه پست کند کوه پیل مست نه شکست
 نه باعداوت او پیل مست در دزو
 ای اگر نیده چو طاعت بروزگار شیب
 ایاستوده چو نعمت بروزگار شیب
 کسیکه او همه تو لها بود صدیق
 اگر نبض تو یک دم زند شود کذاب
 شود با من تو او هر بره اندیم هر بر
 شود بفر تو تپو بچپم قرین عقاب

منبر

ز بسکه ماند دل چشم من آتش و آب
 کشاد در دل چشم من در آتش و آب
 چهره و عارض چشم مرا صرع کرد
 اگر بصر نکشته است زگر آتش و آب
 دلم زد لبر چو شاد و خوش بود که بو
 نصیب چشم و دل من دلبر آتش و آب
 اگر بشوید، مر زلف را و خشک کند
 شود زلفش پریشک و غنبر آتش و آب
 نویسم از صفت هجر او بد فستبر
 بگیرد از صفتش روی دفتر آتش و آب

دی
 ۱۴۰۴

له باران له خاک له رنگ رخ له شعله آتش له سائے که بخت انت جگر بندی من کجی کتبی من له دندان له خشمناک له

گر آتش و آهیم پیدا شود بگیزد پاک
همیشه از دل و آهیم من بر شک دارند
تبرسم از دم و آهیم که سر و خشک شوند
ز خشم و طبع تو بردند ماده و مایه
مسود و شمن ملک که بر لبه و بخت
حکایت از دل و چشم مخالف تو کند
چه جوهر است حسام تو کاند رود اُم
شهاب شکل و فلک صورت و صفت
ز آب گوهرش آتش جدا، ندانند
همیشه کینه کش ملک پرورست که دید

منبر

عشق آن سنگین دل سیمین ز زین کمر
گر نسوزد زلف و نگد از لبش و از عجب
نسبت دارد همانا زلف و آهیم من
زلفا و در شد تباب چشم من در شد تباب
چشم من غواض شد تا زلفا و شد باغبان
سنگ من و دوشم کم سیم کرد و زرد
زانکه بر آتش بسوزد شک و بگدازد شکر
بیعتی رفته است گوی هر دور با یکدیگر
چشم من کم کرد خواب زلفا و کم کرد
زلفا و طره است لیکن چشم من و طره تر

له دوزخ کاخیر دهر ۴ که نار ۴ باک مدین گنج ۴ گلشن ۴ ایک شمع کا زرد

زلفا و شمشاد تریب میں کشیدست اکبر
چشم من اقلش بر آدرست مرداریدر
تا ندیم تیر مرقا کشن نہ انتم کہ ہست
تیر عشق و تیر سحر بشن دل جان کارگر
زین و تیر کارگر پیوستہ باشند بیکرند
ہر کہ از جاہ و وزیر مرداگر سازد پر
گرہای ہمیشہ رونے کشاید پر دہال
شرق گیر دزیر بال و غم گیر دزیر پر
ہر کہ بنید روز بخشیدن مبارک دست
بجز زریں موج بنید ابریا قوتیں مطر

منبر

کنو کنو خورم تر ازور رسید و آمد تیر
شدند راست شب روز چوں از تو تیر
بگوہ نوش سیم و بان زرتودہ ہست
چو روی آئینہ روشن شد ہست رو خد
مگر کہ عاشق زار نہ لعبستان چین
کہ پشت شان حجاب است و روشنی از تیر
ز دوزیب تھی شد بان رنج و طلل
ہماں چین کہ چو بخت نہ بود پر تصویر
گماں برم کہ گستاخ گستاخ آدم کرد
بتا کما ہی زان بر بربین کہ دست خاں
شد ز پید می سرخی بر بیع گوہر سبب
بصوت صفت آبی چو گوی زین ہست
چو رنگ وی ہی کہ تھا خور و تشویر
کفیدہ نار و درود انہا سے شرح پیر
بروشند زمینان شاہ گرد غیر
چو روز رزم دہان محفلان زیر

لے آفتاب لے بن بڑن لے پاسوں کا چو تھا مہینہ لے براوہ لے تالاب خیرہ جہیں آبیش کاپانی جمع ہو لے ایک
زرد رنگ کی گھاس لے مکان نزل لے ویران مکانوں کے نشانات جیکو کند کہتے ہیں لے انگریزیاں لے قیر
ایک سیاہ رنگ مہندی روغن چو مال سبزی ہوتا چو درال سے ایک جلا کا نشہ لے شرمساری۔

میان غیب و بیان ضمیر روشن او
 چو گردش فلک است امن او کہ عالم را
 چو نام او بنود نام باشد موج
 چرا بقول مجسم ہو ترست سپهر
 زمین دولت او دید صد ہزار اثر
 ز بہر مژدہ فتح و بشارت ظفرش
 ہی ز شرق فرست بسوی غرب سول
 میخ اگر بدعا جان رستہ باز آوڑ
 ز سنگ نہ کند اقبال او چرخ کنند
 آیا علوم تو اثبات عقل را معنی
 ز اعتقاد تو گر سختی برند ہم چس
 اگر پیام تو در خواب بشنود قیصر
 ز زنجیر تو در آج زیر چنگل باز
 و گر بود کف گرگ بجای رود باہ
 چو بوئے عدل تو یابد شیر خواہد شیر

شرف گرفت ہو نامہ دوات و قلم
 چنان کہ با بہ شہنشہ حسام و سمر

سلمہ مذہب فی کلمہ پیر و سلمہ صیائون کا مذہبی پیشوا جو بلاد اسلام میں تہائی اور برطانیہ کا ماتحت ہوتا ہو۔ از فراد اللغہ۔

منبر

چنانچہ ہندو از غوی جہان تانہ قہ نگہ
 جوانی از پس پیری کنونچہ ہندو مکن
 رنگا شانہ بر آغ آیند و نہایند خواب رخ
 سرشک لک دیبا بافت باغد بر زمین دیبا
 بگرید ہر زلزلے ابر ہچوں دین ع عاشق
 چنان کہ کوہ پستیاں بغرد کوں در پہنجا
 ناید خوشین قوس قزح چوں چنبر زریں
 چو پوشیدہ تیسہ پیراہن کہ ہر یکا بود پدا
 بدست باغبانان از ہفت دستہا مینی
 دیا از بازوئی نازک بدندان کا زبرگیری
 زہر دیدن گلزار عہد دیدہ بکشايد
 چو از دنیا کی ساعد زسیم پاک انگشتاں
 کنون سہرعت اند باغ قوم شقاں مینی
 یکی بالہ وزاری ز ہجر باہ سنگین دل
 بکونہ ز لالہ بکشاں شود شکر گنج نالیں

کہ گوئی جنت الفردوس اکشا و ضول
 کہ باغ پیر تادہ روز خواہد شد جوان سر
 ز پیغولہ بلبل آیند و بکشا یند مرغ اس
 نسیم باد عنبر سوز، سوزد در ہوا سبر
 بخندد ہر زلزلے باغ ہچوں چہرہ دہر
 زا بر تیرہ ہر ساعت خشتی در کشند
 کہ باشد در زمین پناہ یک نینہ از چنبر
 بن دامن کی احمریکے اصفریکے خضر
 چو چین قرطہ کان قرطہ دارد رنگ نیافر
 شود چوں نیل از دندان اثر ماند بدو اند
 سرشک بر نور زوی چکد در دیدہ عہر
 بکفت بمساغر زین و مروارید و ساغر
 زہر جہان زیر پائے مرواریدیاں از ہر
 یکے باغروہ و شادنی وصل سرو سین
 ہشت از سبزو گواراں شود نگار گول سبر

جلد اول

لے بیٹ لہ لہ کا شعر خاص قہ کے لائق ہے یہ لہ لہا قوس السیابا صفا علی احمدی اخضر تحت بیض ویکہا رنگان صفوہ ۳۶

کہ از بیم غلامانت تہ شد خانہ برخاقاں
 جوان پیر بوسیدند توقعت بہر بقعہ
 کنوں کشف شد گیتی، اگر ندی طاعت و عروت
 سلامت بہر حالی چو عذاری کند کرد
 نہ دیدم در ہمہ گیتی ز کاخت و خبر کاخی
 بلندی کہ بلندی ہست بامش بہر جو را
 کشید ستند در نقش تو گوی جامہ دیبا
 بیاری ای می نذر چہ پیش ہمہ صورت

منبر

تا طیلان بنہ را بگند جو بار
 آں ہچو گنج خانہ قارون شد از گہر
 از زلالہ لالہ را ہمہ در ہست در دہن
 چون بر کنار سبزہ بود لعل قیستی
 چرخ ستارہ ما شد است از نسیم با
 ننگفت اگر غفل بلبل قیامت
 خورشید شد بلند وز در نایل خویش
 دیبا ہفت رنگ پوشید کوسہا
 وین ہچو نقش خانہ مانی شد از نگاہ
 وز لالہ سبزہ را ہمہ لعل ست در کنار
 اندر دہان لالہ سند و در شاہو
 در ہر چہ کہ ہست و ختی شکوفہ دار
 باشد ہم قیامت و چرخ ستارہ با
 در ساعت ہی بہو ابر کشد بخار

لے ایک شعر رنگ ستارہ جو ہر کاشاں کی دہنی جانب در نیا کے لگے رہتا ہی سہ چادر۔

گا ہی ازاں بخار فلک اکند حجاب
در ہمتش ہی ز سرگردش فلک
گوئی فلک پیادہ شد و ہمتش سوا
ماند بنار شمش و ماند بنجاک حلم
اندریکے تحرک اندر یکے فتار
جاں در تعجب و خسر اندر تفکر است
تا خاک را چگونہ مسخر شد است نا

منبت

ہماں بہت کہ امرو ز خوش خریم جہاں
کہ دی گزشت ز فردا پندیت نشاں
در انتظار بہار و خزاں مسابق کہ بہت
خزاں عدوی بہار و بہار خصم خزاں
مگر خزاں بر زان، نو شریعتی بہناد
کہ بہت ہمہ عالم مباح خون زان
مگر کہ در شبی ماہ بادہ خوار زمی
عس شد بہت کہ کردست باغ را عویاں
ز برف ریزہ چو سوا شد بہت و غیری
نرخ شد بہت رخ آبگیر چو سنداں
زماں مگر کہ بہت سگری بروں آمد
کہ آب کرد چو سندان برت چو سواں
چہ پاک از کج جہاں سرگشت و ناخوش شد
کہ خانہ گرم و مغنی خوش است باد چو سواں
گرا ز بنفشہ و لالہ زمین باغ تہی است
زہر و دہشت بدل زلف چہرہ جہاں
چو زلف چہرہ او بہت بیدہ چو خیرم
غم بنفشہ سیراب و لالہ لبس
بہاہ دی زخم زلف رنگ چہرہ او
قینہ معدن این و تنورہ مسکن آن
دو گو بہت در نیوقت شرط مجلس ما
یکی چو برگ گل اندر میان جام قدح
بنفشہ زار پیدا آوریم و لالہ ستاں

بدین دو گوهر روشن شبستان
 چو ابر بر سر ما از هوا نشاند نسیم
 چو خطر بان سر انگشت را کند سبک
 نظام دین در ملک ملک سنج
 خدای او در شش چیز ترا شش چیز
 کف از شراب لب از خنده و بر از معشوق
 چنان کنیم که ماند بروز تابستان
 کنیم بر سر او از تنوره زرافشان
 بیا و خواجه بکفت بر نسیم رطل گران
 قوام دین در ملک ملک سلطان
 که عمر مرد بهر شش با نذا آبادان
 دل از نشاط و تن از ناز و خانه از مهابان

منبر

ز باغ و راغ با سبب شکر تشرین
 گرفت گونه دینار و دشت مینارنگ
 پدید شد هوا بر خیال اهرمین
 نه باغ را خبر است از غنچه سوسن
 نه هست لاله کوهی پلنگ استر
 اگر چو فصل بهار از غزاں بهست که دهر
 من از غزاں به یکی چیز شا کرم که خرب
 ز بهر آنکه درختان بدان نیا خوانند
 نظام ملک زیر خلیفه شمس کفات
 گرفت اوه نه میت سپاه فروزین
 نهاده توده کافور کوه مشک آگین
 نهفته شد بزمین در نگاه حور لعین
 نه راغ را اثر است از شقایق و نسیم
 نه هست سوسن حمیری تذرو را بهین
 همه گشته از آن گرد و کشته ازین
 ز با نهال درختان بهی کن در زین
 بجشن مهر و میج وزیر شاه زین
 غیاث دولت و صد اجل قوام الدین

سه روی مینه کاهم هو جکا زمانه کاکاکه قریب هوتا هی - سه پاریس کا پهلای مینه هی سه پشمرده -

(۲) حکیم لامعی ملقب بہ بحر المعانی

یہ نامور شاعر و جہان کا باشندہ تھا۔ ابتدا سے حال میں وطن سے خراساں آیا۔ اور
حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہ کر علوم و فنون میں کمال حاصل کیا۔
اور امام صاحب کے فیض صحبت اور برکت سے بے انتہا علمی فوائد حاصل کیے۔ اپنے زمانہ کا
نامور شاعر ہو۔ تذکروں میں حالات بہت کم ملتے ہیں اور بحر تخلص کے یہ بھی نہیں معلوم ہوا
کہ حضرت کا نام کیا تھا؟ ایک قطعہ خواجہ عمید سمرقندی کو لکھا ہے اس کے بعض اشعار سے نسبت نامہ
کا سلسلہ اس طرح پر معلوم ہوتا ہے۔

جد من بہت سماعیل و محمد پیرم ابو الحسن ابن سلیمان ادا دامن
مر مر است اسد طالع و از ما در خویش روز آدینہ، باہِ رمضان ادا دامن

کہتا ہے کہ محمد کا بیٹا اور اسماعیل کا پوتا اور ابو الحسن ابن سلیمان کا داماد ہوں صطلاح
نجوم کی رو سے میرا طالع اسد ہے۔ اور باہِ رمضان یوم جمعہ میری ولادت ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہے
کہ سنہ ولادت نہ لکھا۔ تمام تذکرہ نویسوں نے لامعی کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔
 حاجی لطف علی بیگ آذ صاحب آتشکدہ فرماتے ہیں ”الحق بسیار طبع خوشی دہشتہ آذ کا
یہ مختصر فقرہ نہایت قیمتی ہے اور لامعی کے کلام دلکش نے آذ کو خوب ہی گرا دیا جب بہت در
تعریف کی ہے۔ ورنہ ان کی نسبت بھی یہی ارشاد ہوتا کہ ”بد نہ گفتہ است“ سلطان بنجر کے زمانہ میں

لے انتخاب آذ ذکر ہے، مجمع النعمان مختصر دیوان حکیم لامعی مطبوعہ بی بی افسوس ہے کہ یہ مختصر نہایت غلط تھا اور کوئی صحیح نسخہ نہیں ملکا اس سبب اکثر اشعار
چھوڑ دیئے گئے ہیں اور بعض صحت طلب ہیں

بقام سمرقند انتقال کیا اور وہیں فن ہوا۔ سلطان ملکشاہ سلجوقی، وزیر ابو نصر کندی، اور
خواجہ نظام الملک کی مدح میں جو قصائد لکھے ہیں وہ یادگار ہیں۔ صاحب مجمع الفصحی نے لکھا ہے
کہ لامعی حسب ذیل شعر اکاہم عصر رہا ہے۔

امیر ربانی، سوزنی سمرقندی، جالی، عمیق بخاری، رشیدی، روحی سمرقندی، شمس
سیم کش، عدنانی۔
قصائد لامعی در مدح خواجہ نظام الملک

کم چرخ انکم روز و شب گلہ ز فراق	فراق کردم از آن نگار دلبر طاق
فراق کردم از دور از آن منور ماہ	کہ ہست ماہ و ہفتہ بنور او مشتاق
از دوصال چربے فراق دارم طمع	گئے وصال بدارم امید و گاہ فراق
کہ روی آن بت ماہ ہست ماہ تابا نرا	با سماں برگہ روشنی ہست گاہ حشاق
دلہ بربروی اوست نہ گشت طرہ او	کہ آن مشک و قست دین غالیہ طاق
برای وق و برای طاق نقشہای بریل	بود نکوتر بافتش رنگ طاق و فراق
مہ ہست بستہ بشکون دو بند عارض او	از آن دو بند مرآنہ را مباد اطلاق
کز آن دو بند گرا اطلاق یابد آن مہ نو	ز عشوہ کہ دہ جفت را دہند طلاق
کنند خلق برا و جان و دل مہ ہست نفقہ	درا و فتادہ ز بازار او شیغل نفق
گلند عشق دی اندر دل من بہ آتش گشت	ز قف آتش دل بوست بر تنم محراق

سہ جانہ کا گھٹنا۔ اور اخیر مہینہ کے تین دن حسین چاند چھپتا ہے سہ ایک کب خوشبو کا نام ہے سہ را ہونا چھوٹا۔

بتفالت اگر باشد اتش اندر دل دل می از دل من بیش دارد و تھاق
 مگر و گر خلاف ای ہمیشہ عادت تو خلاف کردن عمد و شکستن میثاق
 بیار بادہ کہ آورد باد بوسہ بہار اِدْرَعْلَيْنَا كَا سَاعِلَى السَّمَاءِ دِهَق
 ہماں مُعْتَدِلِ مَعْرِفَتِ کُلِّ شَخْصِ اندر کہ بادہ خوار از خوانند پیش اوقات
 کنوں چو باد صبا خیزد از نشاط و کند بیادہ مزمزہ ہر باداد و ستشناق
 ہی بخت بد بادہ سے بگریدا بر چوروی معشوق این آج دیدہ عشاق
 مگر بگردن او بر شدہ است مخفہ تنگست کہ وقت بخت بخت اندر افتد شخاقت
 رُخ شقائق چوں وی نیکیاں کہ شرم کَانَ حُجْرَةً اَوْ رَاقِعًا دَمِ مَحْرَق
 درست گوئی بر موقف از پیہ قرباں بوند جانی اغواق گو سفند و عناق
 مگر کہ ہست گل یاسمن ز زرد و ز سیم کہ ہست نہ را اور امیان سیم اور اراق
 اگر سیہ جدہ چشمہا سے زرد مژہ ندیدہ اینک چشتی بدیں صفت امان
 دو چشم خویش بر افکن بختیم آذگون درین زمانہ ہر امان او گمار امان
 بچشم بر مژہ زرد اگر نگو نہ بود نگو بود سیہ اندر میان چشم امدان
 چور و زرم بلان امیر و دین جنت یکے گرفتہ سپرد کف کی محراق
 نہادہ گوش کہ یا بست دگاہ فتح و باب ز کد خدای خراسان و کد خدای عراق

لہ ایک شری عمدہ جو دفتر قضا سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ عمدہ دار ایک جسر رکھتا تھا جس میں آٹا اور ساٹا والی لوگوں کے نام
 دج ہوتے تھے علاوہ اسکے اور بھی مداری کے کام پہ ہوتے تھے لہ کل کرنا۔ لہ ناکہ بن پانی پڑنا جیسا کہ وضو میں ہونا ہے۔ لہ
 قلاؤہ گردن لہ گورگرنکی نام عارضہ لہ ایک دوسرے کے گلیں ہات ڈالنا و بالفتح بمعنی بڑھانا مادہ۔

وزیر سلطان میں زمان چسپایں زمین
 لطیف خلق وی و خلقتش موافق خلق
 بود گیتی مر خلق را بہین شرف آنکہ
 وزیر آں ملکست آنکہ خورد کرد و بگز
 بتیغ و تیغی کرد و میر نظر گل فتح
 نسیم طاسد و گرد رسد بہ بحر شود
 ہر آں کسی کہ بود مشفق آں وزیر براو
 گہ سیاست آرد بدید ہیبت او
 گہ سخاوت بہر کہ او کشاید دست
 مخالفان در آرد دہاں بشرق و بغرب
 موافقان را در عصر او ز برکت او
 نہ بیم قیمت جو رونہ خوف نزل نزل
 برنگد خلق لغت وی و نوشتن او
 ز کس رزق فرو شد وی نہ رزق خود
 ز عشر یک صدقہ زائران ازو گیرند
 اگرچہ دشمن او بہست سال ماہ شقی
 ابوعلی حسن بن علی بن اسحاق
 نہ آونیند مخلوق بہ ازو خلاق
 موافق آید با خلقت لطیف اخلاق
 ہر ہزار نیال تن ہزار طلاق
 چنانکہ میرالپک سلاں نجات حاق
 عمیر بوی در آرد رنگ آب نوش مذاق
 زیر ہنج بد نبود در ہبساں ورامشاق
 خضوع در ابصار و خضوع در اعناق
 کشاید آں را بر آسمان در آرزاق
 می از نیب جمیم ہست انگبین عشاق
 درم فزون تر ہر چہ بد تاثیر اتفاق
 نہ بیم ہیبت افلاس خشیت اطلاق
 بفرقدان ز شرف قیاس غر و اق
 ہرگز بر بخورد زو مشعبد و نہ راق
 ہزار زن چو سہادخت زرد ہست طلاق
 شقی تر آنکہ ازو در دلش شقاق

۱۰۰ نفی ۱۰۰ دستاروں کے نام ہیں جو طلب کے نزدیک ہیں ۱۰۰ ہر مہنی ہرگز بہت ۱۰۰ بازگیر ۱۰۰ مکار۔

اگر نہ طبق و خواں سہری ہمت خوش
پہرہ بایہ خواں دستار گاہ طلاق
زمین مشرق و مغرب سپرد خواہد
بدان عنایت اور ہر صبح را تر یاق
دریں بسیند و دیدہ ہیکل سیمرخ
دریں بسیند نادیدہ ہیکل سیمرخ
بر تو لامی اسے نامور وزیر آمد
چونزد احمد کعب چونزد کعب اسحاق
روان شادی ہچوں شناوی کہ رو
در آب جلد زباب لائٹح بال طاق
زودہ نہختش اپا تو ایم کعب
چو ساقیاں را ہنگام خوابت اساق
شود کہ بہ بنود زو بگاہ مدح وصلہ
ز خلق شاعرت و شعر قائم الاعناق
خزینہ تو زایل طاق باد تا بغداد
رہنما و مصر سپاہ ترا سر او ثاق
بزی بشادی تا در میان خلق بو
سرو بن ہمہ سوگند با طلاق و ثاق

زمانہ کردہ ترا، سپحو تو مرا یزد را

ہزار حمد و ثنا بالعتی و الاشراق

منبر

چون از ملک گرفت ہر میت سپاہیں
آورد شاہ زنگ برون لشکر انکس
یک قوم را ز تارک برداشتند تاج
یک قوم را جو اہر بستند برہیں
گم گشت روشنی و فرد گشت تیرگی
بر سام حام چہرہ شد و دیو بر این

سلہ بغداد کے مشہور محلوں کا نام ہے سلہ ایلاق بلا و مارا والنہر کا ایک مشہور شہر جو فرغانہ کے قریب تھا اور اسی نام کا ایک پرگنہ نواح نیشاپور میں تھا۔ سلہ ایک قریہ کا نام ہے جو بخارا سے ۳۰ کوس پر واقع تھا۔

اندو دھیرہ گفستی طیر استار پر
 مہراں چار میں فلک اندر فاقہ پست
 گوئی کسند خلق بجا کستر اندر
 از شخص و چشم دلیراں پر از خیال
 مارند اسطیقات گفستی ہمہ سیاه
 کردم سوئی زمین و سوئی آسمان نگاہ
 بود آسمان چو حلقہ انگشتری صفت
 پیروزہ رنگ حلقہ انگشتری کہ دید
 زانگو نہ گوئے صورتی آمد ہی سگفت
 گاؤ استادہ کف زمر دور امکاں
 نہ جائے آنکہ گاؤ زند شیر را سرور
 چوں مئے حور عین شب ماہ تواند
 پروین حدشام و سہیل از حد میں
 سین قینہ شامی بگرفتہ در شمال
 خواہند خور گفستی ہر دو ہم شہاب
 گرداں بنات نعش ہمہ شب بر آسمان
 آنکو بہر بسل گفست بزم بہر طیس
 شست ضعیف گشتہ بدریای سفین
 امشب ز بہر فردا آتش ہی دھیں
 و بنگ غل گوش شکر خان از طین
 دیو نہ آشیجاں گفستی ہمہ لعین
 تا گرد دم مگر صفت ہر دو آں یقین
 مادہ نگین صفت بیانش اندر زمین
 کاںدر میان او زخم است این بو نگین
 کافر و زدار بعین حد و شمس بعین
 شیر ایستادہ قبہ میسن اورا عین
 نہ ہم آنکہ شیر گزدگاؤ را سرس
 چوں مئے بند زرین موی حور عین
 این وی کردہ سو آں آرزوی سواں
 زریں قلع یانی بگرفتہ در عین
 گر آسمان کسند شاں یکبارگی قرین
 چوں در شدہ سوار نبش او در دیکین

لہ غامر۔ لہ ایک تہر کا نام ہے جسکی سیاہی سرخی مائل ہوتی ہے۔ لہ نیلنگ لہ جنگل جدل۔

چوں کرد و اثر گونہ فلک نین او برپ
 آمد بر من آنکہ نہ بسند کس و نید
 از زلف بچین فگندہ برابر و
 گہ لام رگست ہی از برابر الف
 چوں ابرگشتہ دیدہ و برابر بر شد
 من چوں باہ تشریں بکریشتہ زعفران
 گشتیم دور عاقبت از یکدگر بدزد
 اورفت سحریٰ روضہ من سحریٰ بادی
 پشت بلند کو ہی کردم مکان خویش
 چوں بر شدم پیش گفتی بہر موج
 دشت از درندہ شیراں چوں ز عید خضر
 من ہیچ از دہان خرد و ند صوب
 رہ گرچہ دور بود و مکر ہاشم بنیاک
 یکدست من بہنوز یہ چین چید گل ہمیں
 نفرین دست ناشدہ از گوش من بہنوز
 من خواستم گام و نہادم بر پائیں
 سر وی چنین بغا تفر و لعبتی چہیں
 زان پیشتر کہ بودی در زلف کانٹ چہیں
 گہ میم رنجبت کرا نہ ہی سہیں
 از غم مرا خوش نگاہ مرا انہیں
 او چوں باہ نیاں یکدستہ یاسیں
 مر ہر دورا دیدہ گریبان و آستیں
 او در ہلایے وقت من و غنای چہیں
 کا یہ کہ سبق چوز کوہ بلند ہیں
 ہیں اخلاقی گفت برو بر شتاب ہیں
 از گو سفند و گاؤں و بزار و پارکیں
 جستہ گتہ مکار خرد و ند پوئیں
 شخ گرچہ خشک بود مکر ہاشم سہلیں
 واں دست دیگرم بہمن بود لالہ چہیں
 کا مذ قصر خواجہ بگو شش من آفریں

لے ترکستان کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کا سردار جن مشہور ہے نالہ و فریاد لے سیلاب لے مہنی ایس و اینک۔
 لے بطور تاکید کے یہ یعنی زو و ہاشم لے عید انجی۔

مخبر علا وزیر شهنشاه بو علی
حسن بهی حسن بنی میر منین
منبر

آمد شاه روئے بر من نگار من
بسته ز خنده لب بگرستن کشتاد چشم
دو پای قص کن بگل اندر ز آب چشم
پوشیده من صلاح و نهاده بر سپن
بکشا و چون بدید بانسان مرا ز باں
گفتاں وفا نمودن تو بود سر بر
برد آشتی دل از من و بگزاشتی مرا
زین وی خوش شاق و بالاسی همچو سر
یک و ز چون شکستی چون ناشدنی گفت
ای در خلل ز چیست ترا و گله ز کیت
بر راحت حضر چو گزینی ہی سفر
گفتم که پیش ازین مخروش و مبارک
هست این همه ولیکن بے طلعت زیر

چون مر مرا به دید گسته دل از طن
ابرو ز دوز دگر گره و زلف پر شکن
ز دست و دزن عا گشته زنی زن
چون کرد گاه کین و عرب گاه تاختن
بر من بگفتنی و بگفتنی سخن
رزق و دروغ و مکر و فریب فسون و فن
بر تو دل من اید و هرگز نب فتن
زین می چون بپوشه و اندام چون سمن
عیش ترا و عیادت و چشم ترا و سن
از شهر باز خانه ز من یا ز خوشتن
بر شادی طرب چو گزینی ہی عزن
روستین چشم نه و دست برهن
هر شادی بو غم و هر راحتی محن

جستم رو فراق و زدم پایک بر براق
 پیش آمدم چو بادیه پر سہم وادی
 نہ مرغ نہ فرشتہ نہ خوش نہ آدمی
 در دیو لاخاش بد انسان خروش دیو
 بے آب وادی من و اسیم از عراق
 غول اندر و قدم نہند در ہند بود
 راہی چنای دراز دشبئی تیرہ و سیاہ
 انجم بر آسماں چو مجلس شب بند
 پردیں درو چو ماہی سیم اندر آب گیر
 تیر آتش نکلند سوی مہی شہاب
 آن خور و بشمار ستارہ بر آسماں
 یا حلقہاے سیمیں بر سفرہ کبود
 کانون فلک شب نگشت آتش شاہگان
 گردوں حوشت زار و مجرہ درو چنانک
 وقت سحر قطب فلک بنات نش
 گرداں ایں مثال کہ بر کاغذ سیا
 بر گشتم از توین و کشیدم سر از توین
 موزہ رنگاف غار ش خاکش قد شمن
 نہ رسم نہ دیار نہ اطلال نہ دین
 کا مد بگویش گاہ بری نغمہ زغن
 غرق اندر آب چیں بشط و دجلہ بر شطن
 در ماندہ تر ز موچہ رنگ لکن
 کردہ فرشتہ یگہستی با مرن
 با آتش و چراغ زد و صف صد سخن
 بر سینہ ہفت اندہ و را در پر مرن
 سیمیں کشیدہ ماہ برو اندرون سخن
 ہر یک تیکل کو کو بر تیغ و برغن
 یا دنفش زار پر اگندہ نترن
 نسریں دوزخ بریاں بر نوک بابین
 در گشت زار باز پے کارواں سخن
 چون ناقہ کشفہ و را گلستاں عطن
 آرند کو دکان سوئے بالا ز بادخن

لہ ہنیش لہ ہمر لہ نشان لہ شط العرب شہور دیا کا نام ہے سچ جس پر کباب بختے ہیں۔

ہر نگ شب بزمین اندر کی غراب
 قاریج تر از غراب و دلاور تر از عقاب
 پیل ز زنده پیل و قوی تر ز کرگدن
 ہشیار تر ز عقیق چاکتر از زغن
 غرغاد دم و گاؤں سرین غزال چشم
 مخروط ساعدیکہ نیابی در و عوج
 پرورده در جازمرا و راعب بنار
 عذرا بدامن از قدم او فشاہ گرد
 بستہ چنای میاں کہ گہ کارزار مرد
 گفتم ہی بلا بہ فلک رازمان زمان
 بر اسپ من دمان دمان بزمین برآپ
 گفتمی وراسعادت گویہی بد
 پشتم سوی خراسان و ہم سوی عراق
 امید آنکہ نجات یابم مگر
 خورشید وزگار ستودہ نظام ملک
 زین زین جہاں زینت زین

سلاسل رضی میسرتوئیں

بحر اذا تحرك طود اذا اسکن

لہ سرگے لہ پ دشر لہ کی لہ شکن جو ٹاپے سے پیٹ میں پڑ جاتی ہی

منبت

شاعران بر تو ہی خوانند ہر دم آفرین
 کہ بالفاظ حجازی کہ با لفظ ادوی
 بر تو مداح تو چوں مدح تو خواند از نشاط
 راست پنداری کہ ہر موی بان شجری
 از عدم گونی بدین کار آمدی اندر وجود
 تا گیتی در باطن نیک نامی گسری
 پیروی دائم سخاوت را ہی فرزند و
 بے مبارک تر بفال از مشتری پدارتو
 ہچنماں کا یاد از تاثیر هست اور فلک
 زو مبارک تر بفال ہم از و عالی تری
 بر یکے حالے تو و حال جہاں گرد ہی
 ہچنماں کا یاد از تاثیر هست اور فلک
 بر یکے حالے تو و حال جہاں گرد ہی
 اینک آئین جہاں گیر دہی دیگر نہاد
 خود بذات خویش پنداری جان دیگری
 زان ہی خواہند یاراں خلعت شہزادی
 کرد بر پا از زبرد باز در گلزار ہا
 زیر آں ایوانہا گسترہ شاد رواں
 اندازں پرچہ گوں ایوان پریزی ویش
 از کف سنگین دل سیمین بیا تو لبیب
 کسروی ایوانہا و قصر ہائے قیصری
 از حریر لعلگون و آسمان گوں عبقری
 زان می روشن کہ مہنی پیکر خویش اندازں
 از کف سنگین دل سیمین بیا تو لبیب
 زان ہی خواہند یاراں خلعت شہزادی
 زان می روشن کہ مہنی پیکر خویش اندازں

باز شناسی از ہر دو کد نیست حال

در عین نیت ساغر یا تو اندر ساغری

(۳) شمس الدین محمد معروف بن خالد خلف مؤید خدا

شعر لے عراق کے حالات میں مصنف آتشکدہ نے شمس الدین کا مختصر طور پر ان الفاظ میں ذکر کیا ہے ”از منسوبان خواجہ نظام الملک از نڈا خان سلطان سبخر سلجوقی بود“ اس کا کلام نایاب ہے۔ صرف ایک باغی مشہور ہے وہ لکھی جاتی ہے۔

بہ بہت در دہ پای نظام الملک ایں رباعی گفتہ
گر در دکنہ پائے فلک فرسایت سرایت در آن عرضہ کنم بر رایت
چوں از سر دشمنت بچاں آمدہ درد آمد تبلم کہ فتد در پایت

(۴) معین الدین طنظرانی

ملک الکلام۔ معین الدین طنظرانی نہایت نامور علما سے ہیں۔ مدرس نظامیہ میں عرصہ ایک مدرس رہے ہیں اور انکے فضل و کمال کی یہ سب سے بڑی شہادت ہے۔ شاعری ان کے کمالات کا ایک ادنیٰ درجہ ہے۔ خواجہ نظام الملک کی مدح میں قصیدہ ذوقا فیتین بزبان عربی لکھا ہے جو صنائع و بدائع کا مجموعہ ہے۔ اور کلام کا بڑا حصہ عربی میں ہی جس کے انتخاب کا اردو کتاب میں موقع نہیں ہے

(۵) سید شریف نظام الدین المعروف بابن الباری

سید شریف ابو یعلیٰ محمد بن محمد بن صالح العباسی الهاشمی المعروف بابن الباری مقرب بہ نظام الدین اشعر لے بغداد میں نہایت نامور شاعر ہی۔ قاضی ابن خلکان تحریر فرماتے ہیں: "کان شاعرًا جمیلًا احسن المقاصد لکن خبیث اللسان"

سید شریف کے فضل و کمال کے سب معترف ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ سید کی بدزبانی اور ہجو گوئی سے مورخوں کے قلم اکی تعریف لکھتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ خواجہ نظام الملک کا قول ہے کہ "سید شریف کی شعر و شاعری میں ہجو، ہزل اور کمطرنی کے خیالات کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔"

سید شریف اپنے زمانے کے مرزا رفیع (سودا) تھے شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا کہ جس کی سید نے ہجو نہ کی ہو۔ اس طرز کلام سے ثابت ہے کہ سید کے مزاج میں ظرافت کا بڑا مادہ تھا اور طبیعت کی شگفتگی ہجو گوئی پر مجبور کرتی تھی اور بلا خیال کسی کی ناراضی یا ملامت کے سید کے قلم سے ہجو کے اشعار نکلتے تھے اس سے زیادہ شوخی اور کیا ہوگی کہ اپنے محسن خواجہ نظام الملک کی ہجو میں بھی دو چار شعر لکھ ڈالے ہیں۔ لیکن شاعری کے اس حصہ کو چھوڑ کر جب بے یکر اصناف کلام پر نظر کیجاتی ہے تو وہ بھی قابل تعریف و تحسین ہے۔ کتاب الحزنیہ (عماد کاتب) ابن خلکان اور عیون الانبار فی طبقات الاطباء میں منتخب کلام درج ہے۔

لے خواجہ کے عام اخلاق و عادات کے حالات میں یہ ہجو کے اشعار درج ہیں۔

سید شریف خواجہ نظام الملک کا وظیفہ خوار تھا۔ اور ہمیشہ انعام پایا کرتا تھا۔ چنانچہ
 سید شریف کا قول ہے کہ ”میں اپنے گھر کی جس چیز کو دیکھتا ہوں وہ خواجہ کی عطیہ نظر آتی ہے۔“
 تصنیفات میں نتائج الفطنۃ فی نظر کلیلۃ و دمنۃ اور دوسری کتاب الصادح
 والباغیم بطر کلیلۃ و منۃ مشہور ہے۔ یہ دوسری کتاب دس برس میں تصنیف ہوئی ہے۔
 ایک ہزار اشعار ہیں۔ اور اعلیٰ وجہ کی تصنیف ہے۔ بمقام کرمان سنہ ۸۰۰ھ میں انتقال کیا۔ اور وہیں
 دفن ہوا۔

(۶) قاضی شمس الدین طیبی

قاضی صاحب مشاہیر علمائے خراسان سے ہیں خواجہ نظام الملک کی مدح میں قاضی صاحب
 کے قصائد مشہور ہیں تفصیلی حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

سید شریف کی دونوں کتابیں مصر ہریت میں چھپ گئی ہیں۔ الصادح کی نظم کا نمونہ یہ ہے۔

حکم مع ما النافیہ و کل

مَا كُلُّ قَوْلٍ يَسْمَعُ	مَا كُلُّ أَقْوَمٍ يَتَّبِعُ
ہر قول قابلِ سماعت نہیں	ہر نصیحت موثر نہیں
مَا كُلُّ عَذْرٍ يَرْقُبِلُ	مَا كُلُّ خَلٍّ يَحْمِلُ
ہر عذر قابلِ پزیرائی نہیں	ہر ذلت قابلِ برداشت نہیں
مَا كُلُّ غَيْمٍ يَمِطُّ	مَا كُلُّ غَضَبٍ يَشْمِتُ
ہر بدلی برستی نہیں	ہر شاخ پھسلتی نہیں

انتخاب از کتاب الصادح صفحہ ۱۱۸-۱۱۹ مطبوعہ بیروت ۱۴۰۰ھ ابن خلکان و دیباچہ الصادح والباغیم ۸۰۰ھ تذکرہ
 مرآۃ الجنال شیرخان لودھی مطبوعہ کلکتہ۔

ان شعراء کے علاوہ، ایک کثیر تعداد اُن مشاہیر شعراء کی ہے جو بدرستہ نظامیہ وغیرہ کی مختلف خدمات پر مامور تھے۔ اور اوقات فرصت میں دربار خواجہ میں حاضر ہوا کرتے تھے اور بعض ایسے ہیں کہ جنہوں نے خواجہ کے حضور میں انکر قصیدہ پڑھا اور رخصت ہو گئے اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو ایک طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے۔ لیکن بنظر طولت ہم صرف اُن شعراء کی فہرست لکھتے ہیں جنکے حالات علامہ ابو الحسن علی الباخری شافعی نے اپنے مشہور تذکرہ ”دمیۃ القصر“ عصرۃ اہل العصر میں قلمبند کیے ہیں۔ اس تذکرہ میں وہ قصائد بھی ہیں جو خواجہ نظام الملک کی مدح میں لکھے گئے ہیں۔ شائقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔ ہم صرف ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) ابو عمرو یحییٰ بن صاعد بن شیار ہروی۔

(۲) ابو العلاء محمد بن غانم نیشاپوری۔

(۳) شیخ ابو علی اشبل توشنجی

(۴) یعقوب بن یسلمان اسفرائینی

(۵) احسین بن ملک

(۶) ابو العواذل

(۷) محمد بن احمد بن حسین اشطرنجی حلبی

(۸) سیار بن علی ہروی

(۹) ابراہیم بن عبد الرحمن المعری۔

- (۱۰) محمد بن علی العالی سنہری
 (۱۱) شیخ ابو علی الحسین بن عبد اللہ القندوشی
 (۱۲) شیخ ابو علی احمد بن محمد الباری الخواری
 (۱۳) حسین بن جعفر بن محمد الفارسی -
 (۱۴) علی بن احمد بن عبد اللہ انصاری
 (۱۵) ابو بکر عبد القادر بن عبد الرحمن فارسی
 (۱۶) ابو بکر عبد اللہ بن محمد مروی
 (۱۷) ابو العباس فضل بن سعید بن محمد الاسعانی
 (۱۸) ابو القاسم علی بن عبد اللہ وزیر سلطان طغرل بک
 (۱۹) الحسین بن الحسن الخطیبی الارموی
 (۲۰) عبد اللہ بن محمد بن بکر الجعفری
 (۲۱) استاد ابو المحاسن الحسین بن علی بن بصیر
 (۲۲) ابو ذکریا یحییٰ بن علی خطیب الادیب تبریزی
 (۲۳) الموفق بن خلیل بن احمد شیبانی
 (۲۴) احمد بن محمد الموری -

۱۵ در مدح خواجہ نظام الملک گفتمے

لوری کہمت للدين قوام
 ولواستقصيت فيد الف عام

انت فرد العص ما فيه كلام
 لم تكن تبلغ ادنى وصفه

(۲۵) ناصر بن سلمہ

(۲۶) اسد بن مطلب بن شادی

(۲۷) محمد بن حسن بن عبد الرحمن الرولی صوفی

(۲۸) ابو عبد اللہ سلمان بن عبد اللہ نردانی

(۲۹) ابو الفضل یحییٰ بن نصر السعدی بغدادی

(۳۰) ابو سعید محمد بن حمزہ موصلی

(۳۱) الحسین بن ابراہیم بن طوق موصلی

(۳۲) ابو نصر محمد بن عمر بن محمد اصفہانی

(۳۳) ابو الحسین بن علی بن حمزہ اندلسی الضری

(۳۴) ابو انجم اسمعیل بن ابراہیم قندوزی

(۳۵) ابراہیم بن عمر چراپاد قانی

بلحاظ شعرو شاعری، حکیم عمر و خیام نیشاپوری کا نام بھی شعرا و دربار کے ذیل میں آنا چاہیے تھا۔ مگر چونکہ خیام نے خواجہ کی طرح میں ایک رباعی بھی نہیں لکھی ہے۔ لہذا مرثیہ شعرا سے خیام کو الگ کر دیا ہے۔ اور اپنے موقع پر خیام کا مفصل تذکرہ حیثیت ایک حکیم، مہندس اور نجومی کے علیحدہ تحریر ہے۔

غیاث الدین ابو الفتح حکیم عمر خیام نیشاپوری

نام و لقب [عمر نام، غیاث الدین لقب، ابو الفتح کنیت، اور خیام تخلص ہی۔ خیام خاک ایران کا وہ نامور حکیم، ہندس اور فلسفی شاعر ہی جس پر ایران کو ہمیشہ فخر رہیگا۔

صحیح روایتوں کی بنا پر خیام کا نام عمر ہی اور غیاث الدین وہ مغز خطاب ہی جو قوم کی طرف سے خیام کو دیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک وقت میں امام مانا گیا ہے، کیونکہ غیاث الدین اور نجی الدین ایسے خطاب و القاب ہیں جو صرف ائمہ اور مجتہدین کا حصہ ہیں۔ خیام کی کنیت بہتہ حقیقی نہیں ہے بلکہ وصفی معنی کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ خیام نے تمام عمر توشہ دہی کی اور نہ کوئی اولاد چھوڑی۔

خیام کا باپ [مذکورہ نویس اس پر متفق ہیں کہ خیام کے باپ کا نام ابراہیم تھا۔ لیکن ہماری رائے میں یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ خیام کے باپ کا نام عثمان تھا۔ ہماری تحقیقات کا مآخذ خاقانی کی کتاب مشنوی تحفہ العراقین ہے۔ اور خیام کے سلسلہ نسب کے متعلق اس سے زیادہ صحیح اور مستبر کوئی روایت نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خاقانی، عمر خیام کا بھتیجا ہے۔ اور خاقانی کی تعلیم و تربیت خیام نے کی ہے اس لیے گھر والوں کے مقابلے میں باہر والوں کی روایت قابل سند نہیں ہے۔ اور سچ بھی یوں ہے کہ صاحب البیت ادری بما فیہا۔

اب ہم تحفہ العراقین کا وہ حصہ نقل کرتے ہیں جس سے مذکورہ بالا واقعات خود حاصل ہو جائیں گے۔

در ملج عم خود عمر خیر سام کہ در اہتمام و تربیت او بود
 بگر بخت ام ز دیو خذ لاں
 ہم صدرم و ہم امام و ہم عم
 برہانی و ہندسی مفاشش
 از علمش دادہ و ہر محدث
 زین عم بہ من آن شرف رسیدہ است
 در خانہ تنگ خاطر من
 چون بر سر روز غم رسیدے
 تا بر در غم مرا وقوف است
 بودم چو یکہ دقیقہ خورد
 پس زان در جات بوج برداشت
 اول نیکے بہ شش قسم آورد
 انگاہ زستی و دوازده ساخت
 مسکین پدرم ز جور ایام
 او سمرغے نمود در حال
 آوردہ بکوہ قاف دانش
 در سایہ "عمر" ابن عثمان
 صدر اجل و امام اکرم
 افلاطن و ارسطو عیاش
 یک ثلث بہر مس مثلث
 کز قرص خور آب خاک دیدہ است
 عم ساخت دو صد ہزار وزن
 چوں قرصہ خور رسن تنیدے
 احاد نہاد من الوف است
 عم زنی در جات رفتم برد
 زان بوج بیوت اختران خست
 پس شصت مرا بستی بدل کرد
 زان جلد سرے ہفت شہ خست
 انگند مرا چو زال را سام
 در زیر پریم گرفت چون زال
 پروردہ مرا بہ اشیا نش

با من بہ سیم داری آں مرد آں کرد کہ عسم بہ مصطفیٰ کرد الہ
مندرجہ بالا اشعار سے اگرچہ صرف عمر خیام کے باپ کا نام ظاہر کرنا مقصود تھا لیکن
جن شاندار الفاظ میں خاقانی نے خیام کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ بھی اُس کے فضل و کمال کی ایک
مستند شہادت ہے۔

عثمان کے کئی بیٹے تھے، مگر سب سے مشہور دو تھے۔ ایک علی۔ دوسرا عمر حکیم
فصل الدین خاقانی علی کا بیٹا تھا۔ اور یہ مسلم ہے کہ ساری دنیا کے خاندان کے نام ایک ہی
انداز کے ہوتے ہیں۔ اور عثمان علی، عمر، یہ نام خود بتاتے ہیں کہ ہم سب ایک ہی کسال
کے سکے ہیں۔ اور راسخ الاعتقاد مسلمانوں میں یہ سنت آج تک جاری ہے کہ اپنے بچوں کے
نام نبی اکرام اور بزرگان دین کے ناموں پر رکھا کرتے ہیں۔

خاندانی پیشہ [عمر خیام کا باپ عثمان ایک پیشہ ور آدمی تھا۔ اور جامہ بانی اُس کا پیشہ تھا چنانچہ
خاقانی نے جہاں اپنے بزرگوں کے حالات لکھے ہیں۔ اُسی میں اپنے دادا کو نساج (جامہ ساز)
لکھا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے۔

جولاہہ نرا دم از سوئے جد در صنعت من کمال آجبد
شاگرد ازل بہ کلبہ من ماشورہ کن است ریسما تن

شاہجی ایک اعلیٰ قسم کی دستکاری ہے۔ اور مسلمانوں کے نہایت نامور ائمہ اس
پیشے سے منسوب ہیں۔ مگر اس عہد میں قومی غور سے جو تحارت امین خیال اس پیشے کی
نسبت قائم کر لیا ہے وہ بہتہ قابل تاسف ہے۔

غرض اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمر خیام کا باپ جامہ باف تھا۔ اور غالباً کسی دہرے سے جامہ بانی چھوڑ کر خیمہ دوزی شروع کی ہوگی۔ بہر حال عثمان خیمہ دوز تھا یا خیمہ ساز یا تاجر خیمہ جو چاہو سمجھو مگر یہ مسلم ہے کہ اس کا ذریعہ معاش خیمہ عمر میں خیمہ ڈیرہ تھا۔ اور اسی نسبت سے وہ قوم میں ”خیمہ نامی“ مشہور تھا۔

ہر دستکار کا یہ پہلا اصول ہے کہ اپنی اولاد کو بھی وہ اُسی پیشہ میں لگاتا ہے جس میں خود مصروف ہے۔ لیکن طبیعت اپنے حسبِ حال خود پیشہ کا انتخاب کرتی ہے اور اصولاً وہی کام سرسبز بھی ہوتا ہے جو اپنے مذاق کے موافق ہو چنانچہ جہاں تک ہم نے تحقیقات کی عثمان کے کسی بیٹے نے خیمہ دوزی کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ علی (خاقانی کا باپ) بخاری کرتا تھا۔ اور عثمان کا دوسرا بیٹا طلیب تھا۔

تخلص عمر خیام نے آبائی پیشہ اختیار کیا ہو۔ یہ مستند تاریخوں سے ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ خیام کے بچپن اور ابتدا شباب کے حالات بالکل تاریکی میں ہیں۔ اور اگر بچپن میں برائے نام کچھ کیا بھی ہو تو اس کا شمار پیشہ میں نہیں ہے۔ کیونکہ پیشہ دراصل وہی ہے جس کی آمدنی پر زندگی موقوف ہو۔

عمر نے اپنا تخلص خیام رکھا تھا۔ غالباً اسی لفظ کو کچھ بچان کر ایک گروہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس کا پیشہ خیمہ دوزی تھا۔ لیکن محققین کی رے ہے کہ تمام عمر میں ایک دن بھی خیام نے خیمہ دوزی نہیں کی ہے۔ بلکہ محض کسری اور اپنے باپ کی شہرت عام پر اس نے خیام تخلص کھا تھا۔

خیام کی ولادت خیام کہاں اور کب پیدا ہوا؟ یہ دو سوال ہیں اور دونوں میں مؤرخوں کا

اختلاف ہی لیکن خواجہ نظام الملک کی روایت کے مطابق خیام کی ولادت شہر نیشاپور میں ہوئی اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ چنانچہ دستورالوزرا میں خواجہ لکھتا ہے: ”حکیم عمر خیام نیشاپوری الاصل بود مولد و منشا را نیشاپور بود“ چونکہ ہمارے نزدیک یہ صحیح روایت ہے لہذا اس روایت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنا فضول ہے۔ عمر خیام کس سن میں پیدا ہوا اس کا صحیح جواب نہیں دیا جاسکتا ہے لیکن تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ عمر خیام کی ولادت چوتھی صدی ہجری کے عشرہ اولیٰ (۱۰۱۰ء تا ۱۰۱۹ء) میں ہوئی ہے۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک اپنی طالب علمی کے حالات میں لکھتا ہے کہ ”حکیم عمر خیام و متحدول ابن صبحاح نورسیدہ بودند۔ در آن مجلس ہم بہ سن من با جودت فہم و قوت طبع در غایت کمال با من مخطوط بودند“ خواجہ نے خیام اور حسن صباح کو اپنا ہم سن لکھا ہے۔ اور خواجہ کی ولادت ۱۰۱۴ء میں ہوئی ہے۔ چنانچہ جس سال خیام امام موفقی کی درگاہ میں آیا ہے اس وقت نظام الملک کی عمر چھپیس برس کی تھی اور دو ایک برس کی کمی بیشی جنین بنی ہوئی رہی لڑکے ہنس کھلاتے ہیں۔ لہذا ہماری رسلے ہیں حکیم عمر خیام کا سال ولادت ۱۰۱۴ء صحیح ہے۔ اور یہی رسلے محققین یورپ کی بھی ہے۔

تعلیم و تربیت خیام کے بچپن کے حالات کسی تاریخ اور تذکرہ میں نہیں ہیں۔ نہ اس زمانے کی تعلیم اور تربیت کا حال معلوم ہے۔ مگر یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ عمر خیام نے امام موفقی کی درگاہ میں فقہ، حدیث، اور اصول کی تعلیم حاصل کی۔ اور یہ درگاہ انہی علوم کے واسطے مشہور تھی۔ اس وقت حکیم کی عمر چوبیس سال کی تھی۔ مکتب نشینی کی معمولی عمر سے اس وقت تک جبکی میعاد تخمیناً اٹھارہ سال کی ہوتی ہے۔ یہ زمانہ خیام نے دیگر علوم و فنون کی تحصیل میں صرف کیا ہوگا۔

مگر افسوس ہے کہ یہ تحقیق نہوسکا کہ خیام کو ان علوم میں کس کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خیام اپنے زمانے کا نہایت نامور فقیہ، محدث، مفسر، اصولی قاری، مورخ، فلسفی، حکیم، اور نجومی تھا۔ اور شاعری کے فضل و کمال کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ یونانی زبان بھی جانتا تھا۔

خیام کی آئندہ زندگی | حکیم عمر خیام ^{۳۳۱ھ} ^{۹۴۲ء} میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور چار برس کا مل خواجہ نظام الملک اور حسن صباح کا ہم سبق رہا۔ جب مدرسہ کو الوداع کہنے کا وقت آگیا تو ان دوستوں نے یہ معاہدہ کیا۔ ”عہد میسکنم کہ ہر کد ام را دوتے مرزوق گرد، علی السوئہ مشترک باشند و صاحب آن دولت خود را بر ہیج وجه ترجیحی ثابت نہ کند۔ چنانچہ معاہدہ سے تخمیناً اکیس یا بیس برس کے بعد خواجہ نظام الملک اپنا رسلان سلجوقی کا مستقل وزیر ہو گیا اور جب وزارت کا شہرہ تمام ایران میں پھیل گیا تو اطراف و جوانب سے خواجہ کے دوست و احباب اس کے پاس آئے لگے چنانچہ عمر خیام کو بھی خواجہ نظام الملک کا وعدہ یاد آیا اور وہ بھی خواجہ کی ملاقات کے لیے بمقام مرو پہنچا۔ خواجہ خیام سے عزیزانہ ملا اور کمال تعظیم سے پیش آیا۔ ان دوستوں کی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ مختلف تاریخوں میں ہے لیکن خواجہ نظام الملک نے جن الفاظ میں خود اس واقعہ کو لکھا ہے ہم اس کو نقل کرتے ہیں جو سب سے معتبر اور صحیح روایت ہے۔

در دور الپ رسلان حکیم عمر خیام نزد من آیدانچہ | الپ رسلان سلجوقی کے عہد حکومت میں حکیم عمر خیام از لوازم حسن عہد و مراسم غلط و فایا شد | میرے پاس آیا تو میں نے معاہدہ اور ایساے وعدہ کے

بجائے آور دم و مقدم اور بموجب اکرام
 و اعزاز تلقی نمود و بعد ازاں باوے گفت کہ
 مرے صاحب کمالی ترانیز ملازم سلطان باید
 شد چہ معہو مجلس امام موفق منصب ترک است
 شرح تو با سلطان بگویم و حال درایت گفت
 تو بنوعی دخیل و متکبر گردانم کہ مثل من بدرجہ
 اعتماد سی حکیم گفت عرق شریف نفس کریم
 وطنیت خجستہ و ہمت بلند تر ابر اظہار این
 مکارم ترغیب میکند و الاچوں من ضعیفی چہ حد
 آنکہ وزیر مشرق و مغرب باوے چنین تو اضعا
 کند و نزدیک من یہ بیعت کہ درین تطفہا
 صادقی و امثال این بحسب علوشاں وعت
 مکان تو مقدار سے ندارد و لیکن حقوق احسان
 تو بر ذمہ من مستکثر است اگر عمر ما درین
 شکر باشم از عمدہ این یک مکرمت کہ اکنون
 میفرمائی نہایتو انہم بیرون آمد پس مرتبہ نیست
 کہ ہمیشہ با تو در جن عبودیت باشم این مرتبہ

خیال سے خیام کا بڑے اعزاز سے خیر مقدم
 کیا۔ اسکے بعد مینے کہا کہ آپ صاحب فضل کمال
 ہیں آپ کو بھی سلطان کی خدمت میں رہنا چاہیو
 کیونکہ امام موفق کی مجلس میں جو معاہدہ ہوا تھا اسکی
 رو سے منصب مشترک قرار پایا تھا۔ اور میں اچھی طرح
 اپنی دانشمندی اور کارگزاری سلطان کو ذہن
 نشین کرونگا۔ تب میری طرح آپ بھی سلطان کے
 معتمد علیہ ہو جائینگے۔ اسکے جواب میں خیام نے کہا کہ آپ نے
 جو کچھ فرمایا اس سے آپکی شرافت کریم نفسی اور بلند
 ہمتی کا اظہار ہوتا ہو ورنہ مجھ ایسا شخص اس غرت
 افزائی کا کب مستحق ہو جو وزیر (جسکی حکومت مشرق
 سے مغرب تک ہے) کی جانب سے عمل میں آئی ہو۔ اور
 اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جو ارشاد ہوا ہے وہ بالکل سچ
 ہے اور آپ جیسے عالی رتبہ کے سامنے اسکی کیا حقیقت ہے
 آپ کے احسانات مجھ پر بہت ہیں اگر میں انکا شکریہ ادا کرنا
 چاہوں تو مدتوں میں صرف اچکی نوازش کا شکریہ ادا
 ہو سکیگا۔ لیکن میری دلی آرزو یہ ہے کہ میں تمام عمر آپ کے

کہ مراد ہاں دلالت فرمودی اقتضائے اس
 نمیکند چہ حسب غالب مقتضی کفران نعمت است
 عِمَاذُ اِلَہِ مِنْہَا۔ اکنون حق عنایت نہ است
 کہ بدولت تو در گوشہ باشم و بہ نشر فوائد علمی۔ و
 دعائے عمر جاودانی تو مشغول برہیں سخن
 اصرار نمود چوں دہشتم کہ مانی الضمیر خود بے
 تکلف میگوید ہر سال بہت سہا بہا پیش
 او ہزار و دو سیت مشغال طلباء اہلک نیشاپور
 نوشتم و دوسے بعد ازیں معاودت نمودہ مکمل
 فنون کرد خصوصاً فن ہئیت و درال بدرجات
 رفیع ترقی نمود۔

بندہ بنا رہوں اور جس منصب کے لیے ارشاد ہو
 ہی وہ میرے مناسب حال نہیں ہی بلکہ سچ پوچھئے
 تو کفران نعمت ہے۔ ہاں اپنی مہربانی سے یہ چاہتا ہوں
 کہ ایک گوشہ میں بیٹھ کر فوائد علمی کی اشاعت کروں
 اور ترقی عمر و دولت کی دعا مانگتا رہوں جب
 خیام نے اس مضمون کو متواتر بیان کیا اور سنئے سمجھ
 لیا کہ خیام جو کچھ کہتا ہی وہ بلا تصنع ہی تو مینے ہی حکم
 دیدیا کہ خیام کو خزانہ نیشاپور سے سالانہ بارہ ہشتال
 سو ناسطور وظیفہ دیا جائی کرے اسکے بعد خیام آپس
 گیا اور مکمل علوم و فنون میں مصروف ہو خصوصاً
 فن ہئیت میں بڑا کمال حاصل کیا۔

اس واقعہ سے خواجہ نظام الملک کی اخلاقی زندگی کے دو مسئلے حل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ
 کہ وہ رستہ باز اور صادق القول تھا۔ کیونکہ عہد وزارت میں جس معاہدہ کی تکمیل نہایت ایمانداری
 سے کی گئی وہ معاہدہ حقیقت میں حسن صیاح کا ایک خیال تھا جس کی بنیاد علم قیادہ پر تھی۔ دوسرے
 یہ کہ وہ علم و فن کا مربی تھا۔ کیونکہ خیام کا معقول وظیفہ محض اس لیے مقرر کیا تھا کہ وہ علمی
 تحقیقات کرے اور ظاہر یہ کہ اطمینان کی زندگی میں جیسی ترقیاں ہوتی ہیں وہ مفلسی میں معلوم

عمر خیام اور سنہ جلالی ملکشاہی

عمر خیام کو جبے جبہ نظام الملک کی فیاضی سے معاش کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو نیشاپور جا کر علمی تحقیقات میں مصروف ہوا۔ اور چند سال کی محنت کے بعد اس نے جبر و مقابلہ میں ایک بنیظیر کتاب شائع کی۔ اور بہ نظر شکریہ احسانات و انہاء عقیدت اس کتاب کا خواجہ نظام الملک کے نام تہذیب کیا گیا اسکے بعد دوسری کتاب علم المحتسبات و الملکعبات میں اور تیسری کتاب اقلیدس کے اہم مسائل کی شرح میں لکھی۔ ان کتابوں کی اشاعت پر خیام کا تمام ایران میں شہرہ ہو گیا اور غراسان میں وہ دوسرا بوعلی سینا سمجھا گیا۔

خیام نے اپنے ہم کتب و ست خواجہ نظام الملک کو بھی یہ کتابیں ہدیہ میں بھیجی تھیں اُن کے مطالعہ سے خواجہ بہت خوش ہوا اور بہ سبیل تذکرہ خیام کے فضل و کمال کا ملکشاہ سے ذکر کیا۔ ملکشاہ کو چونکہ اصلاحِ تعلیم کا ایک عرصہ سے خیال تھا لہذا خواجہ کو حکم دیا کہ خیام نیشاپور سے طلب کیا جائے، چنانچہ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ اور ایک وسیع پیمانہ پر اصلاحِ تعلیم کا دفتر قائم ہو گیا۔

اس نامور مہندس نے تعلیم میں کیا اصلاح و ترمیم کی۔ یہ ایک دلچسپ مضمون ہے جو تفصیل سے لکھنے کے قابل تھا لیکن ہمارے موزنین نے چند الفاظ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے جس سے

لے گنج دانش صفحہ ۲۳۰ حالات نیشاپور و ان سیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۷ صفحہ ۱۷۷ تعینغات خیتام۔

کوئی مکمل مضمون تیار نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن انگریزی، ترکی، عربی، اور فارسی میں تقویم (گنندہ را) پر جو مضامین لکھے گئے ہیں ان کی مدد سے ہم اس مسئلہ کی تشریح کرینگے جس کے سمجھنے کے لیے اول ایک مختصر تمہید کی ضرورت ہے۔

سنہ و سال کا رواج اقوام عالم میں کیونکر ہوا۔

دنیا کی تمام قوموں میں سات دن کا ہفتہ، تیس دن کا مہینہ، بارہ مہینہ کا سال مانا جاتا ہے۔ اور یہ زمانہ حال کی تقسیم نہیں ہے، بلکہ سیکڑوں برس سے یہی نظام قائم ہے۔ اور اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے سب سے پہلے قدرت کا یہ تماشا دیکھا ہوگا کہ آفتاب شانہ جاہ و جلال سے روزانہ مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں جا کر ڈوب جاتا ہے جس کے انوار سے تمام دن فضا سے عالم گنگا تارہتا ہے اور اس کے موذی پھیرتے ہی ظلمتکدہ رُفقی سے یللائے شب کی آمد شروع ہوتی ہے۔

پھر اسے دوسرا منظر یہ دیکھا ہوگا کہ ماہتاب عالماب انیس یائیس دن میں عروج و زوال کی تمام منزلیں طے کر کے اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ اور جب مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ انکا دورہ یوں ہی رہتا ہے اور یوں ہی رہیگا تب اسے ہر دورہ کو ایک چکر یا حصہ سمجھ کر کسی کا نام دن، کسی کا نام مہینہ رکھ دیا۔ چنانچہ ماہتاب کے بارہ دوروں سے سال کے بارہ مہینے قائم ہوئے اور ہر مہینہ کا ایک نام رکھ دیا گیا۔ انسان اجرام علویہ کی دلچسپیوں کے دیکھنے کا فطرانہ عادی ہو چکا تھا۔ لہذا وہ ہر ستارے کو غوسے دیکھتا تھا۔ اور آہستہ آہستہ

۱۔ جو وقت پر مضمون پر کتابت تھا اس وقت ہر معلوم ہوا کہ پورے عرجام کی تحقیقات پر ایک مستقل کتابت شائع کی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ
۲۔ صرف ثبت میں پانچ یوم کا ہفتہ مانا جاتا ہے۔

اسنے سطح آسمان سے ششہ نمونہ ازخروارے نہایت چمکدار اور روشن سات ستارے انتخاب کیے۔ چونکہ یہ چلتے پھرتے ستارے تھے لہذا انسان نے اپنی کم عقلی سے سب سے سیارہ کو خدا کا نور سمجھ کر انظار عبودیت کے خیال سے انکے سامنے سرطاعت جھکا دیا۔ اور اپنا حاجت روا سمجھ کر ایک ایک دن انکی پرستش کے لیے مقرر کر دیا اور اس طریقے سے سات دن کا ہفتہ بنایا اور یہی وجہ ہے کہ اقوام عالم کی زبانوں میں دنوں کے نام نہیں سیاروں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔ اور قمری سال کے زیادہ تر رائج ہونے کا یہی سبب ہے۔

انسان نے عقل و مشاہدے کی بنا پر، ایام، ماہ و سال کی جو عقلی تقسیم کی تھی وہ اگرچہ صحیح تھی۔ لیکن ایک ماننے کے بعد جب یہ دیکھا کہ سال تو ماہیتاب کے دوروں کے حساب سے چل رہا ہے مگر تین بتیں برس کے زمانہ میں ہر موسم اپنے مرکز سے ہٹ جاتا ہے۔ اُس وقت قمری حساب کی غلطیاں محسوس ہوئیں اور ثابت ہوا کہ آفتاب زمین کی گردش بھی ہمارے میل نہا میں اپنا عمل کرتی ہے اور فصول اربعہ کا تغیر اسی بنیاد پر ہے اور بالآخر مسلسل تجربوں اور برسوں کے غور و فکر کے بعد آفتاب ماہیتاب کے سالانہ دورے حسب میل قرار پائے۔

آفتاب - تین سو پینسٹھ دن - پانچ گھنٹہ - اڑتالیس منٹ - اونچاس پل - باسٹھ پل - (یہ کسرت تقریباً ۱/۲ دن کے برابر ہیں۔)

ماہیتاب - تین سو چون دن - - - - -

آفتاب کے مقابلہ میں ماہیتاب کے سال میں سو اکیس گیارہ دن کی کمی ہے۔ لہذا تمدنی ضرورتوں سے یہ مناسب سمجھا گیا کہ قمری مہینے شمسی مہینوں سے مطابق کر لیے جائیں تاکہ سال کا حساب

فصول اربعہ سے مطابق ہے۔ اسکا علاج بجز اسکے اور کچھ نہ تھا کہ قمری مہینوں میں مذکورہ بالا کی بڑھایا جائے چنانچہ پارسیوں نے اسی اصول پر اول اپنے قمری سال میں پورے گیارہ دن کا اضافہ کر کے اُسکو تین سو پینسٹھ دن کا شمسی سال بنالیا۔ اور کسر کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہی کمی بیشی ہر جس نے اقوام عالم کے سینے شہور میں تفرقہ ڈال رکھا ہے۔

قبل اس کے کہ سنہ فارسی کی تاریخ لکھی جائے اسی سلسلہ میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ سنہ کی ابتدا کسی خاص تاریخ سے کہا اور کیونکر شروع ہوئی اور سنہ کا شمار کیوں ضروری ہوا اسکا یہی سبب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان کی ضرورتیں بڑھ گئیں اور تمدن کا دائرہ وسیع ہو گیا تو گزشتہ واقعات کا یاد رکھنا بھی انسان پر فرض ہوا۔ اور اس ضرورت کے لیے یہ تجویز کی گئی کہ ان ایام کی بھی گنتی مقرر کی جائے۔ مگر چونکہ اس تجویز کا عمل پذیر ہونا دشوار تھا۔ لہذا انسان نے یہ کیا کہ صرف اہم واقعات کو سال کے شمار کا معیار قرار دیا مثلاً عربوں نے ہبوط آدم علیہ السلام سے اپنا سال شروع کیا اور طوفان نوح تک یہ سنہ قائم رہا۔ پھر طوفان سے دوسرا دور شروع ہوا۔ اور واقعہ نوح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مختلف دو سے قائم ہو کر واقعہ اصفہیل پر خاتمہ ہو گیا۔ اور سنہ ہجری کے آغاز نے گزشتہ واقعات کے شمار کو بالکل

سنہ ہجری۔ ہجرت کا سو گنا سال تھا کہ تمدنی اور ملکی ضرورت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام اور ہرمزان (نورستان کا بادشاہ تھا) کے مشورے سے سنہ ہجری قائم کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی ایسے سنہ ہجری کی ابتدا بیع الاول سے ہونی چاہیے تھی مگر چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے ایسے دو مہینے آنحضرت چھوڑ دیے گئے! سنہ ہجری پانچشنبہ سے شروع ہوا تھا۔“ الفاروق بخاری مقرر فی جلد اول صفحہ ۲۸۸۔

بھولا دیا۔ علی ہذا القیاس۔ بخت نصر، فیاقوس، سکندر عظیم، غنطس، اسیرس، بکر ماجیت، ستالواہن وغیرہ شاہان عراق و بابل، یونان، مصر اور ہندوستان نے اپنے اپنے سنہ و بہمت جاری کیے جن میں سے بعض آج تک جاری ہیں اور اپنے باقی کے یادگار ہیں۔ سینین مذکورہ بالا میں سے ہر ایک کی جداگانہ تاریخ موجود ہے۔ لیکن چونکہ یہ خارج از بحث ہے لہذا اس افسانے کو ہم یہاں پر ختم کرتے ہیں اور سنہ فارسی کا وہ قصہ چھڑتے ہیں جس کا تعلق حکیم عمر خیام سے ہے۔

سنہ فارسی کی ابتدا [تاریخ سے ثابت ہے کہ سنہ فارسی بلحاظ قدامت تمام سنین پر فوق رکھتا ہے، لیکن کیو مرث سے عہد جمشید تک اور جمشید سے یزدجرد بن شہریار تک سنہ فارسی پر کیا

۱۔ بخت نصر۔ عراق و بابل کا بادشاہ تھا۔ اپنی تخت نشینی سے پس شروع کیا تھا۔ یہ سنہ قطعی سے ماخوذ تھا مگر اسکا شمسی حساب معتد نہیں تھا کہ بطلمیوس اور ارسطو جیسے حکماء نے اس کی صحت کو تسلیم کر لیا تھا۔ ۲۔ فیاقوس۔ مقدونیہ کا بادشاہ اور سکندر عظیم کا باپ تھا۔ تین سو گیارہ برس قبل مسیح میں جاری ہوا اور جزائر بحیرہ روم میں وقوف جاری رہا۔ سنہ سکندری کا حساب سکندر کی موت سے شروع ہوا اور یونان میں محدود رہا۔ تین سو تیس برس قبل مسیح جاری ہوا۔ یہ دونوں سال شمسی تھے۔ ۳۔ غنطس۔ سپین (اندلس) کی فتح کے بعد غنطس نے یہ سنہ جاری کیا اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں بھی قائم رہا یہ بھی شمسی سال تھا۔ ۴۔ اسیرس۔ پھر کا بادشاہ تھا مصر میں عہد قدیم سے قمری سنہ کا۔ ولن چلا آتا تھا۔ اسیرس نے اپنے دو حکومت میں تین سو بیسٹھ دن کا شمسی سال جاری کیا۔ ۵۔ بکر ماجیت۔ اس نامور راجہ نے اپنی تخت نشینی سے بہمت قائم کیا اور تمام شمالی ہندوستان میں آج تک جاری ہے۔ چھپن برس قبل مسیح جاری ہوا تھا۔ ہندوستان کے علم ہستی کے مطابق شمسی سال تین سو بیسٹھ دن چھ گھنٹے بارہ منٹ تیس پل کا ہوتا ہے۔ ۶۔ سالواہن۔ یہ آجہ سالواہن کا یادگار ہے اور جنوبی ہندوستان میں جاری ہے حضرت مسیح سے ۸۰ برس بعد جاری ہوا۔

اسکے علاوہ متعدد دین میں جنکو ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ ناظرین زہمت القلوب حملہ شد مستوفی اور انسا لیکو پیڈیا وغیرہ ملاحظہ فرمائیں

انقلاب آئے یہ بحث بھی ہمارے موضوع سے خارج ہو لہذا یزدجرد کے عہد سے سنہ فارسی کی مختصر تاریخ لکھی جاتی ہو۔

قدیم سنہ فارسی کا چونکہ عہد یزدجرد میں خاتم ہو گیا تھا۔ اسوجہ سے سنہ فارسی کا دوسرا نام یزدجردی قرار پایا۔ مورخین عجم میں سے ایک کا قول ہے کہ اس سنہ کا موجد کیومرث ہو دوسرا کہتا ہے کہ جمشید پشیدادی ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں روایتیں صحیح ہیں کیونکہ کیومرث نے ابتدائی اصول قائم کیے اور جمشید نے اصلاح و ترمیم کے بعد سکوکمل کر دیا۔ یزدجردی سال شمسی اصطلاحی تھا۔ یعنی آفتاب منطقۃ البروج کا سالانہ دورہ تین سو پینسٹھ دن میں کرتا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ زردشت کی بعثت سے قبل بھی آفتاب کے دوڑے کی یہی مدت مانی جاتی تھی۔ کیونکہ زندگی کی روایت ہے کہ خدا نے دنیا کو تین سو پینسٹھ دن میں پیدا کیا ہے۔

فارسیوں نے تین سو پینسٹھ دن کی تقسیم اس طرح پر کی تھی کہ گیارہ مہینے تیس تیس یوم کے تھے اور بارہواں مہینہ ۳۰ یوم کا ہوتا تھا اور یہ اصول قدیم مصری حساب کے بھی مطابق تھا فارسی مہینوں کے نام یہ ہیں۔

فروردین اردی بہشت خرداد تیر مرداد شہرورد شہر ابان
آذر دے بہمن اسفندارند

چونکہ بارہواں مہینہ پینتیس یوم کا ہوتا تھا لہذا اصطلاح نجوم میں ان پانچ دنوں کا نام

سنہ فارسی کی تاریخ پر ہم نے جقدر لکھا ہے اسکا ماخذ حاجی محمد حسین اصفہانی کی تاریخ و شواہد النقیسہ فی اثبات الکعبیہ ہے اس موضوع پر مستند کتاب ہوا در ۱۲۸۶ء میں مقام بی جھپی ہے۔

خمسہ مترقیا لواحق قرار پایا۔ اور ہر ایک دن کے جدا گانہ نام یہ ہیں۔ اُسبُو د۔ اُسبُو و۔ اُسفند و۔

خمسہ سترقہ کا عمل درآمد سے پہلے محمد شہید میں ہوا تھا۔ لیکن اس پھر وزہ اضافہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے شمس میں ہر سال قریباً ایک چوتھائی دن (ربیع شبانہ روز) کی کسر پڑنے لگی، جو چوبیس برس ایک دن کے برابر ہو جاتی تھی جسکے پورا کرنے کے لیے ایک سو تیس برس کے بعد ایک مہینہ کمبیسہ (لوند) کا بڑھا کر اس سال کو تیرہ مہینے کا کر دیتے تھے، اور جس مہینہ کے آخر میں کمبیسہ ہوتا تھا وہی نام اس مہینہ کا بھی رکھ دیتے تھے، اور چونکہ فارسی مہینوں میں ہفتہ کا شمار نہ تھا۔ لہذا اس مہینہ کی ہر تاریخ کا ایک جدا گانہ نام تھا جس کی تفصیل یہ ہے۔

آفرود ^{۱۰}نهم ^{۱۱}ارد ^{۱۲}بهشت ^{۱۳}شهر ^{۱۴}لور ^{۱۵}اشفند ^{۱۶}اند ^{۱۷}خرداد ^{۱۸}مرداد ^{۱۹}ویباد ^{۲۰}آذر
 اهان ^{۲۱}خور ^{۲۲}ماه ^{۲۳}تیر ^{۲۴}کوش ^{۲۵}دیم ^{۲۶}مهر ^{۲۷}شروش ^{۲۸}رشن ^{۲۹}زور ^{۳۰}دین ^{۳۱}بهرام
 رام ^{۳۲}باد ^{۳۳}قے ^{۳۴}دین ^{۳۵}آرد ^{۳۶}اشاد ^{۳۷}اسمان ^{۳۸}زمیاد ^{۳۹}مار ^{۴۰}اشفند ^{۴۱}ایران

ان ناموں میں اگر فردا اور نئے خدا کے نام ہیں۔ باقی ملائکہ مقربین کے اسمائے پاک ہیں اسمائے مذکورہ بالا میں نو تارخیں ایسی ہیں کہ جو فارسی مہینہ کے ہمنام ہیں مثلاً اردی بہشت خرداد، وغیرہ۔ چنانچہ زردشت کے حکم کے مطابق یہ نو دن جشن کے ایام تھے، لہذا اس نو دن کے مہینہ میں نو دن عید منائی جاتی تھی۔ اور یہ محض عیش و طرب کے جلسے نہ تھے، بلکہ مذہبی رسوم کے مطابق عبادت بھی کی جاتی تھی۔ ہر امیر و غریب اپنی حیثیت کے مطابق جشن مناتا تھا، اور سلطنت کی طرف سے جشن کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ شاہی دسترخوان پر روزانہ نئے نئے

مستم کے کھانے پُچھے جاتے تھے اور بادشاہ نیا لباس پہنکر دربار کرتا تھا۔ غرض کہ اس اصول کے مطابق سب سے پہلا کبھیہ ماہ فروردین میں اور دوسرا اردی بہشت میں ہوا کرتا تھا اور اسی ترتیب سے ایک ہزار چار سو چالیس = (۱۲۰ + ۱۲) سال کی مدت میں ماہ اسفندار پر کبھیہ کا دور ختم ہو جاتا تھا۔

جمشید پشاد دی جب تخت نشین ہوا ہی اس وقت دور کبھیہ کے ایک ہزار چالیس برس گزر چکے تھے اور چار صدی بعد جب ایک ہزار چار سو چالیس کا دورِ کامل ختم ہو گیا تو اس عظیم الشان واقعہ اور نیز حکومت چار صد سالہ کی یادگار میں جمشید نے جشنِ عظیم کیا۔ یہ جشن ماہ فروردین میں ہوا تھا۔ جب کہ آفتاب عالم تاب برجِ حمل میں تھا۔ یہ جشن جس شان و شوکت سے منایا گیا تھا اس کی نظیر تاریخِ ایران میں نہیں ہے۔ ناظرین کو تفصیلی حالات کے لیے تختِ جمشید کے حالاتِ ایران کی قدیم تاریخ میں دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ جمشید کے بعد یہ رسم قرار پا گئی کہ ہر یکم فروردین کو عام جشن منایا جائے اور تاریخِ عجم میں اس جشن کا نام ”نوروز اکبری“ ہی اور جبکہ تمام مملکتِ ایران میں یہ جشن منایا جاتا ہے، موسم کے لحاظ سے یہ بہترین زمانہ ہی کیونکہ فصلِ بہار کی آمد کا مژدہ سنا کر فرائِ اسی وقت سے رخصت ہو جاتی ہے۔ پچھلے دور میں یزدجرد شہنشاہ جب عجم کے تخت کا مالک ہوا تو گزشتہ شاہوں کی طرح اس نے بھی اپنی تخت نشینی سے نیا سال جاری کیا۔ مگر چونکہ یزدجرد کی تخت نشینی غرہ فروردین میں ہوئی اور سال کا نمبر شمار

سالہ تختِ جمشید اور نوروزِ مشرقی کے حالاتِ قابلِ رسالہ معارفِ علی گڑھ میں دیکھنا چاہئے۔ اس عنوان پر ہمارا مفصل مضمون اس رسالے میں ہے۔ ۵۰۰ نہایت اعلیٰ جامع اللہ متوفی صفحہ ۴۸-۴۹ ۵۰۰ غرہ فروردین کو بروزِ منگل یزدجرد تخت نشین ہوا تھا اور سنہ یزدجردی کا پہلا سال بائیس ربیع الاول ۳۳۰ ہجری اور ۳۳۰ھ کے مطابق تھا۔ یزدجرد کی تخت نشینی میں منجوں کے عقاب

نیا ڈالا گیا اسوجہ سے کہ سید کا آٹھواں دور جہاہ آبان میں ختم ہو نیوالا تھا، وہ غیر مختتم رہ گیا اور
 بلندی سے اُنیں اجزری ۱۳۵۲ء مطابق جمادی الثانی ۱۳۵۲ء یوم شنبہ کو بمقام مرو شاہجہاں
 یزدجر قتل کر دیا گیا۔ اور اُس کی اولاد سلطنت سے محروم رہی، لہذا ایرانیوں نے ماہ آبان
 مذکورہ سے جسر کہیں ختم ہوا تھا سنہ فارسی کا حساب بدستور قائم رکھا۔ اور چونکہ آبان میں خمسہ
 مترقہ موجود تھا اسوجہ سے منجھوں نے اپنے پیر کا حساب آبان سے شروع کیا اور نہ عام طور
 سے خمسہ مترقہ کا عہد رمد اسفندار سے ہوتا ہی اور سنہ یزدجر دی بدستور چلتا رہا اور آج تک
 چلا جاتا ہے۔ لیکن بہت مدت اور زمانہ سے ایک سو بیس برس کے کہیں کا قاعدہ ٹوٹ گیا اور خمسہ مترقہ
 اس کا قائم مقام رہ گیا لیکن ظاہر ہو کہ پانچ یوم کی مدت نہ تو ایک سو بیس برس کے برابر ہو سکتی
 ہو نہ اصلی کمی کو پورا کر سکتی ہو۔ اس لیے جن تہذیبی میں بھی فرق آگیا۔ اور وہ اپنے مکر سے
 دُور ہٹ گیا۔

یزدجر کی سلطنت پر چونکہ مسلمان حکمران تھے۔ لہذا انھوں نے اپنی عادت اور اصول
 حکمرانی کے مطابق ایرانیوں کی رسم و رواج میں کوئی دست اندازی نہیں کی اس لیے باوجود
 ہونے سنہ ہجری کے ایران میں سنہ فارسی جو رائج تھا وہ بدستور چلتا رہا۔ لیکن انقلابِ فکری
 سے اسلامی سلطنت کے جب ٹکڑے ہو گئے اور نئے نئے خاندان عرب اور عجم کے مالک ہوئے

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶۳ کے مطابق دُوبغالیان میں ایک فیر کہ وہ نگل کے دن تخت نشین ہوا جو ست بیس چار کا بھائی ہے۔ دوسری
 یہ کہ اُسے کہیں کو توڑ دیا۔ کیونکہ کہیں کی بنیاد محض ایلے والی تھی کہ ایام عبادت میں ہی تو نو ورجاے ایک بیس بیس چار بیس
 ایک کا اضافہ کرنا آسان تھا، اگر عجائے خوزمین کے تخت نشینی ماہ آذر میں ہوتی تو نو سو ساٹھ برس اولاد کو کہیں بیس ہوتا۔ کہیں بیس
 چھ بیس ہی زردشت نے قائم رکھا تھا اور وہ زردشتی مذہب کا جزو عظیم تھا۔ انتخاب زشتاہل انصیہ ۱۲۔

تو ۱۰۱۵ھ میں ایران کی حکومت سلطان جلال الدین ملکشاہ سلجوقی کے ہات آئی اس وقت تمام دفاتر میں سنہ فارسی جاری تھا، اسکو ملکشاہ نے بھی بدستور قائم رکھا، مگر چونکہ وہ اپنی اصلی حالت پر باقی نہ تھا اس لیے ملکشاہ کو اس کی ترمیم و اصلاح کا ارادہ خیال تھا لیکن مہجد اف دیکھ کر اچھڑھوٹ پاؤں تھا، ذیل کے واقعہ نے ملکشاہ کو اس پر متوجہ کر دیا جسکی تفصیل یہ ہے۔ کہ عہد ملکشاہ میں آمدنی سنہ شمسی کے حساب سے وصول کی جاتی تھی، اور خرچ کا حساب مشہور قمری سے تھا۔ جب کائناتجہ یہ ہوا کہ ایک دن شیخ بہرامی (خرانہ میں) خرانہ میں خرچ کے واسطے ایک سپہ بھی باقی نہ رہا تب تو ملکشاہ کو نہایت تشویش ہوئی، اور اسی وقت سے اُسے ارادہ کر لیا کہ آمدنی و خرچ کے حساب کے لیے ایک منتظم سال قرار دیا جائے چنانچہ ملکشاہ نے اول اپنے زمانہ کے فقہاء اور علماء کی رائے سے فائدہ اٹھایا اور آخر کو اس امر پر مجبور ہوا کہ ایک سنہ کبیہ مقرر کیا جائے، کیونکہ اگر موجودہ اصول پر عمل درآمد کیا جائیگا تو ہر تیس سو سال پر حساب میں ق

اس قاعدہ کا موجب غلطی ظاہر ہو جائیگی جس میں تشویش ہو جاتی ہے، تقویم ابوالاضیاء ترکی سنہ ۱۰۱۵ھ ملکشاہ نے مسئلہ تقویم میں اول فقہاء سے استصواب کیا اور غالباً اُنکے حکم سے تقویم کا کام جاری کیا ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمری سال کا ملکی ضرورت سے شمسی سال بنالینا شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں ہے۔ اور کلام مجید میں جس کی

مانعت ہو وہ نہی ہی چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

لَا تَمْنَا الْبَشَىٰ زِيَادًا وَلَا فِي الْكَفْرِ

يُضِلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيُحِلُّونَهُ

عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُؤْاْطُوا

عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيَحِلُّوا مَا

حَرَّمَ اللَّهُ طَرِيقًا لَهُمْ وَسُوءَ

ہمیں نہ دینا بھی کہ کفر میں نہ جھکی وجہ سے کافروں کے لیے

مگر وہ ہوتے رہتے ہیں کسی سال ایک ہینہ کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور

اسی کو دوسرے برس حرام (ادارے سے) انکی غرض یہ تھی کہ اللہ نے جو

چار مہینے حرام کیے ہیں ان میں گنتی سے اُس گنتی کو مطابق کر کے اللہ کے

حرام کیے ہوئے (ہمیں) کو حلال کر لیں۔ انکی ہر کردار میں انکو بھلی

پڑ جائیگا، آخر الامر عمر خیام کو حکم دیا کہ مشاہیر مخموموں کی رائے سے سنہ فارسی کی ترمیم کی جائے

بَقِیَّةُ نُوْطِ صَفْوِہٖ اَعْمَالُہُمْ وَاللّٰہُ
لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ ۝
بہی کر کے دکھائی گئی ہیں اور اللہ ان لوگوں کو جو کفر کرتے ہیں رہنمائی
ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اس آیت کی تفسیر یہ کہ ملک عرب میں بزمانہ جاہلیت عام اہل باری تھا۔ اس سنہ میں ہر تیسرے برس ایک مہینہ بڑھا دیتے
تھے اور اسکا نام مہنی تھا۔ اس اضافہ سے یہ غرض تھی کہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں ہو کرے اور کاروبار تجارت میں فرق نہ واقع ہو
اور جس گروہ کے یہ خدمت سپرد تھی وہ کسی کا اعلان حج میں کر دیا کرتے تھے۔ اور محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، یہ وہ مقدس
مہینے تھے جن میں عرب قتل و غارت اور خونریزی کو حرام سمجھتے تھے اور یہ وہ شرعی حکم تھا کہ جو حضرت ابراہیم اور حضرت
اسحاق علیہم السلام کے زمانہ سے بطور قانون کے نافذ تھا۔ اس لیے اگر کسی کا مہینہ ان چار مہینوں میں ہوتا یعنی ماہ حرام
کا کوئی مہینہ نہ ہو تو واقع ہوتا تو خطیب اعلان کر دیتا تھا کہ یہ مہینہ قوم پر حلال کر دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح کہیں حلال کا
مہینہ حرام کر دیا جاتا تھا چونکہ یہ کفار کی رسم تھی اس لیے خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ عہد جاہلیت کی رسم چھوڑ دے
علامہ فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ عربوں کا یہ خیال تھا کہ اگر وہ اپنا سال قمری قرار دینگے
تو ان کا حج کہیں گری میں ہوگا اور کہیں جاوے میں اور یہ انکو پسند نہ تھا، کیونکہ عرب کے تمام قبیلے مسافت پسند
تھے کہ جب کوئی بجز اوقات معینہ کے دوسرے وقت میں جمع نہیں ہو سکتے تھے اور چونکہ قمری سال کی ترتیب ان کے دنیاوی
فوائد کے منافی تھی اس لیے انھوں نے اپنے کاروبار کے لیے سنہ شمسی پسند کیا۔ اور کبھی جاری کیا جسکا نتیجہ ہوا
کہ ہر تیسرے برس ایک مہینہ لونڈا بڑھانا پڑتا تھا۔ اور موسم حج جسکا ایک مہینہ مقرر تھا کبھی محرم میں ہوتا کبھی صفر میں
چنانچہ جب ان شریف نازل ہوا تو وہ اپنی شکلیں پہنچ گئیں ایک یہ مقررہ بارہ مہینوں کی تعداد بڑھ گئی، دوسرا شہر حرم
میں تفرقہ پڑ گیا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم کے عہد سے وہوم مذہبی کی بنیاد قمری سال پر ہی لیکن جب بوں نے دنیاوی فوائد کے
لیے اس ترتیب کو چھوڑ دیا تو خدا نے انکو منع فرمایا اور ان کے اس طریق عمل کو زیادہ فی الکفر قرار دیا۔

اس آیت سے شمسی سال قائم کر نیکی مخالفت نہیں نکلتی ہے کیونکہ کلام مجید کا کوئی حکم مسائل تمدن کے خلاف نہیں ہوا
اسی بنا پر فقہائے ملکشہ کو فتویٰ دیا ہوگا۔ سادہ کا قاعدہ مصری عربوں میں اب تک جاری ہے ہر نسبت القلوب علی اللہ مستوفی تاریخ
سینین شہور صفحہ ۵ وضاحتہ الطرب و فضل آفندی طرابلسی، تفسیر کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴ مطبوعہ مصر ۱۳۳۵ھ

اور ملکشاہ کے منشاء کے مطابق عمر خیام نے بوجہ احسن اس مسئلہ کو حل کر دیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ حکیم عمر خیام نے اصلاح تقویم کے واسطے ایک مستند مجلس منعقد کی اور اس نامور حکما کو اپنا مشیر بنایا جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں

ابو حاتم المظفر اسفہرازی۔ ابو الفتح عبدالرحمن خازنی۔ محمد خازن

لے کثافت مطلقاات الفنون مصنفہ شیخ محمد علی نقوی صفحہ ۵۰ مطبوعہ کلکتہ۔ شاہین بخوں کے نام تقویم ابوالضیاء کامل اور شہزوری لکھے گئے ہیں

نوٹ حکما متعلق مجلس حکیم عمر خیام نیشاپوری

۱) خواجہ ابو حاتم المظفر اسفہرازی، اسفہرستان کا ایک شہر ہے۔ جو خواجہ کا وطن تھا۔ گرشاہی شہر ہونے کی وجہ سے خواجہ مردیں را کرتا تھا۔ خیام کے معاصرین میں ابو حاتم بڑے درجہ کا شخص تھا۔ عمر خیام جب کبھی مرو جاتا تھا خواجہ کا مکان ہوا کرتا تھا۔ اور دونوں میں دلچسپ مباحثے ہوا کرتے تھے۔ اوقات فرصت میں علوم حکیمہ کا درس بھی دیا کرتا تھا۔ اور بخلاف اپنے دوست خیام کے یہ شاگردوں پر بہت مہربان تھا۔ ریاضیات اور آثار علویہ میں اسکی بہت سی تصانیف ہیں۔ اس حکیم نے بڑی ریاضت سے ایک ترازو بنایا تھا جسکا نام ”میزان الرشید“ تھا۔ اُس میں وزن کرنے سے چاندی، اور سونے کا کھرا اور کھوتا پن معلوم ہو جاتا تھا۔ جب یہ ترازو تیار ہو گیا تو حکیم نے تمام خزانہ کے سپرد کر دیا تھا اور وہ خزانہ شاہی میں رکھا ہوا تھا۔ مگر خزانچی نے اس خیال سے کہ اگر اس کے ذریعہ سے کبھی خزانہ کی پرتال کی گئی تو میری خیانت کھلی اسکی محض اس لیے یہ ترازو توڑ دیا گیا اور اس کے عام پرنے ضائع کر دیئے گئے۔ جب ابو حاتم نے یہ سنا تو اس صدمہ سے بیمار ہوا اور مر گیا۔ کیونکہ یہ ماوروزگار ترازو برسوں کی داغ بوز میں تیار ہوا تھا۔ حکیم کا یہ قول مشہور ہے۔

نسبة اللذة الحسنة إلى اللذة العلقية كنسبة المشعر إلى المطهر

انچہ ارمقالہ نظامی، رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اشراف الکمال، شہزوری

(۲) ابو الفتح عبدالرحمن خازنی، مسکو یا دہلی خازن نہیں مگر عبدالرحمن خازنی رومی بڑا پیارا غلام تھا۔ علوم بہت میں کامل تھا۔ سلطان سنجر بخوجی کے نام سے ایک بڑے کلمی تھی۔ جو تاربخوں میں ”نیرخ“ لکھری کے نام سے مشہور ہے۔ اخیر

حکیم ابو العباس لوکری - میمون بن نجیب اسطی - محمد بن احمد معموری بہیقی - ابو الفتح ابن کوشک

بقیہ نوٹ صفحہ عمر بن کوشک نشین ہو گیا تھا، اور درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک بار سلطان سنجر نے لیکھنوار دینار (پانچ سو روپیے) اسکے پاس بھیجے۔ سب اپس کر دیے اور کہا کہ میرا سالانہ خرچ تین دینار (پندرہ روپے) ہی صبح کو دو روٹیاں اور ہفتہ میں تین مرتبہ گوشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس وقت میرے پاس دس دینار (پچاس روپیہ) موجود ہیں۔ اگر یہ سب خرچ ہو جائیں اور میں زندہ رہوں تو پھر خدا دینے والا ہے۔ مگر میں بجز ایک بل کے اور کچھ نہ تھا حکیم حسن ہمدانی اسکا نامور شاگرد ہوا تاریخ مطلق وغیرہ۔ (سنہ) محمد خازن، حالات تیس معلوم ہوئے۔

(۴) حکیم ابو العباس لوکری - "نہر مہر و قریب پنج دیدہ لو کہ ایک مشہور قریہ ہے جو حکیم کا وطن تھا۔ بعض تاریخوں میں صرف حکیم لوکری لکھا دیکھا ہے، ابو العباس لوکری، بہمن یار کا مشہور شاگرد ہوا، جو خراسان میں فنون حکمت کی اشاعت کا باعث ہوا، دولت کی طرف سے الامال تھا، فلاح مرو میں بہت سی ذاتی جائیداد بھی تھی حکیم عرفیام، ابن کوشک اور اسطی جو اسکے ہم عصر تھے ان میں سے کوئی بھی علوم حکیم میں اسکی جوڑ کا نہ تھا۔ شاعر بھی تھا، ایک یوان یا دگار ہے۔ نہایت دقیق و بلند اشعار لکھتا تھا۔ اخیر عمر میں اندام ہو گیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ افسوس اب میں علی ترقی نہ کر سکتا ہوں۔ اب درجات اسکو عالم آخرت کا خیال رہتا تھا۔ موت کا یہ واقعہ ہوا کہ ایک دن بھی ہوئی سری اور اپنے خوب کھائے اور اسی دن شاگرہام میں لیٹے۔ حمام سے آکر بستر پر گرا، طبیب علاج کے لیے حاضر ہوا تو کہا مجھے خدا پر چھوڑ دو اگر اچھا ہو گیا تو اس کی رضا اور اگر مر گیا تو اسکا حکم اور آخر الامر اسی علت میں فوت ہو گیا۔ تاریخ الحکما شہر زوری، (۵) میمون بن نجیب واسطی، مشہور فاضل حکیم اور طبیب ہے بعض کے نزدیک اسکا مولد غز تھا۔ اور بعض کے نزدیک واسطہ۔ مگر خواجہ نظام الملک کی قدردانی سے یہ اکثر ہرات میں ہا کرتا تھا۔ سلاطین اور اُمراء کی ملاقات سے اسکو باطبع نفرت تھی۔ کامل اثیر وغیرہ۔

(۶) محمد بن احمد معموری بہیقی، ریاضی کا مشہور عالم ہے جسکی کتاب محرومات میں منظر ہے۔ ملک شاہ نے اسکو اصفہان رصہ ہندی کی واسطہ بلایا تھا خلیفہام بھی اس کی ریاضی کا قائل تھا۔ سلطان محمد سلجوقی کے زمانہ تک زندہ رہا۔ شورش اسماعیلیہ میں قتل ہوا، کامل اثیر، شہر زوری۔

(۷) ابو الفتح ابن کوشک، کان عارف باجزاء علوم الحکمة، مشہور حکیم ہے، سلطان سنجر اس کی تصنیفات کا عاشق تھا اور کسی تبخانیہ میں اس کی تصنیفات تھیں (شہر زوری)

چنانچہ اس مجلس نے یوم شنبہ ماہ ذی الحجہ ۵۷۳ھ مطابق ۸ جولائی ۱۱۷۸ء سے اپنا کام شروع کر دیا اور کمال تین سال کی محنت میں اصلاح تقویم کے مسئلہ کو حل کر دیا جسکی تفصیل یہ ہے سنہ جلالتی ملک شاہی۔ عمر خیام کی تحقیقات کا نتیجہ یہ تھا کہ آفتاب اپنا سالانہ دورہ تین سو پینسٹھ دن، پانچ ساعت اور آٹھ سو دقیقہ میں طے کرتا ہے۔ اس لیے خیام نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ ہر چوتھے سال ایک دن بڑھایا جائے اور سات دوروں کے ختم ہونے پر آٹھویں دور پر (جہاں چار کے پانچویں سال ایک دن زیادہ کیا جائے۔ اس حساب سے شمسی و قمری سال کا فرق پورے تینتیس برس میں نکلتا ہے۔

جب یہ مسئلہ حل ہو گیا تو خیام نے اس سنہ کا نام سلطان جلال الدین ملک شاہ کے نام پر سنہ جلالتی رکھا۔ اور جو پنج طیار کی اسکا نام زیح ملک شاہی قرار دیا۔ اور زمینوں کے نام بدلتے

۱۔ التوفیقات الالہامیہ محمد مختار بابا شاہ صفحہ ۲۳۲۔

۲۔ زیح شعرب زیگ۔ رشتہ معماران کہ درستی و نادرستی عمارات ہاں معلوم نمایند و تختہ بنیخان طالع کسی از جدول اُن معلوم نمایند بخانی نیسگوید کہ سر بنہ ہست (سوار اسبیل)۔ زیح میں جدولیں ہوتی ہیں جسے اوضاع کو اکب اور خطوط طول و عرض اور مقدار حرکت مرکز کو اکب کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اور جنس جدولوں سے اوج و فیض کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ تقویم ہمیشہ زیح کی مدد سے طیار ہوتی ہے۔ چنانچہ زیح ملک شاہی اسی قسم کی کتاب ہے۔ اور جبکا دوسرا زیح "آغا رضا بن تاریخ جلالتی" ہے۔ اور اسکے قبل بھی حکماء اسلام وغیرہ نے متعدد زیح لکھے ہیں جن میں مشہور ترین ہیں، اور اس مختصر فہرست سے مسلمانوں کے نامور مشہور کا ظاہر کرنا مقصود ہے کیونکہ آج مسلمان اس علم میں سبک چھپے ہیں۔ زیح ابراہیم بن حبیب انصاری۔ زیح ابن جاد اندلسی۔ زیح ابن السجی ابو القاسم اصبح بن محمد غزنائی متوفی ۵۲۶ھ۔ زیح ابن الشاطر انصاری دمشقی فلکی متوفی ۵۷۳ھ۔ زیح ابن یونس ابو الحسن علی بن ابو سعید عبد الرحمن بن محمد متوفی ۵۷۳ھ۔ زیح ابو معشر جعفر بن محمد بن عمر بلخی بن محمد متوفی ۵۷۳ھ۔ زیح الاشتر

وہی رکھے جو سنہ یزدجردی میں تھے۔ اور خمسہ مترقہ کا عہد آمد ماہ اسفندار پر کیا گیا۔
سنہ جلالی جس دن سے شروع ہوا وہ مبارک دن جمعہ کا تھا۔ اور رمضان المبارک
کی دسویں تاریخ اور خمسہ مطابق ۱۵ مارچ سنہ ۴۷۰

سنہ جلالی کے قبل شمسی سال کی ابتدا کا یہ طریقہ تھا کہ جب آفتاب نصف حوت میں
داخل ہوتا تھا اس وقت سے سال کا حساب شروع کرتے تھے۔ مگر خیام نے نقطہ اعتدال
ربعی سے مطابقت دیکر سنہ جلالی کو یکم ذور دین سے شروع کیا۔ جب کہ آفتاب برج حمل میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۷۱ جلال الدین ابوالقاسم بن محمد بن محمد بن بغدادی (عہد المقدربا شد عباسی) زینح الوغ بیک
محمد بن شاہن زینح ایلمانی، محقق نصیر الدین محمد بن حسن طوسی متوفی ۵۸۷ھ زینح ثاوان اسکندرائی
زینح الجامع والسالم، کویش۔ زینح حبس الحاسبہ احمد بن عبداللہ موزی بغدادی (عہد مملوکی) زینح اسخری
ابو الفتح عبدالرحمن خازنی۔ زینح المصغانی، بتانی۔ زینح الشامل، شیخ ابوالوفا محمد بن احمد یوزجانی۔ زینح الشاہی
نصیر الدین طوسی۔ زینح شاہی علی شاہ محمد بن قاسم المعروف بعلاراجہ الخوارزمی زینح شمس الدین محمد بن خواجہ
ابوالکونی۔ زینح شمس الدین محمد بن محمد علی۔ زینح شہریار۔ زینح الشیخ، ابو الفتح صونی۔ زینح لعمریہ
زینح العلانی، نظام سبج۔ زینح محمد بن ابوبکر فارسی۔ زینح مصلح فی کیفیتہ لتعلیم والطریق الی
وضع التقویم۔ محمد بن محمد فارسی محاسب۔ زینح کوشیار بن کنان حسینی۔ زینح الکبیر الحاکمی
زینح الحدادی حسن بن احمد بنی متوفی ۵۸۷ھ زینح فی معانی العین تاج الدین علی بن محمد مشہور بابن الدیریم صلی
شافعی متوفی ۵۸۷ھ زینح المفرد، زینح المعدل۔ زینح المعنی۔ زینح المفسر۔ زینح الآفاق فی العلم
الادفان وغیرہ تفصیلی حالات کے لیے دیکھو کشف الطون جلد ثانی صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ قسطنطنیہ۔ اگر کوئی شخص عرب
عجم کی تاریخوں کو ملاحظہ کر کے انتخاب کرے تو ایک طوائفی فرست مرتب ہو سکتی ہے۔ تاریخ خطی، تاریخ عرب موسیٰ بن
فرہابی اور صاحب الطرب وغیرہ میں مسلمانوں کا علم ہیئت دیکھنا چاہیے۔

۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲-۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷-۱۵۹۸-۱۵۹۹-۱۶۰۰-۱۶۰۱-۱۶۰۲-۱۶۰۳-۱۶۰۴-۱۶۰۵-۱۶۰۶-۱۶۰۷-۱۶۰۸-۱۶۰۹-۱۶۱۰-۱۶۱۱-۱۶۱۲-۱۶۱۳-۱۶۱۴-۱۶۱۵-۱۶۱۶-۱۶۱۷-۱۶۱۸-۱

آتا ہی۔ حالانکہ اس وقت فرور دین کے اٹھارہ دن گزر چکے تھے مگر خیام نے ان ایام کو چھوڑ کر سال کا شمار یکم فرور دین سے لگایا۔ کیونکہ یہ وہ تاریخ تھی جس دن نقطہ برسی پرل و ہمار کا تساوی واقع ہوا تھا اور جب کا نام خیام نے نوروز سلطان رکھا تھا۔

پارسیوں میں جو سنہ آج جاری ہوا جبکہ وہیز و جردی سمجھتے ہیں۔ یہ سنہ دھل خیام کا صحیح کیا ہوا ہوا ہے جو کہ مخبر خیامی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہی سنہ اتنی اکبر شاہی ہے۔ جو گورنمنٹ نظام میں جاری ہے۔

خیام کے فضل و کمال اور تجربہ علم ریاضی و ہیئت کا اس وقت صحیح اندازہ ہو سکتا ہے جب سنہ جلالی کا گری گورین ول سے مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ انگریزی سال میں جو کہ چار صدیوں

۱۱۰۰ تا ۱۳۱۱ عیسوی ۲۱۱۱ قمری ۲۱۱۱ قمری ۲۱۱۱ قمری ۲۱۱۱ قمری

۱۱۰۰ گری گورین ول = گری گورین روم کے تیرہویں پوپ کا نام ہے جسے ۱۱۰۰ میں سبب ایفر تہ انگریزی جنوری کی اصلاح کی ۱۱۰۰ میں رومن کیتھولک بادشاہوں کی مدد سے اپنی تقویم کو جاری کیا جو بہت مشہور اور یونان تمام یورپ میں جاری ہے۔ اور اس کے قبل جو تقویم جاری تھی اسکو روم کے قیصر جولیس نے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے چھیا لیں ہیں پہلے مسیح کر کے اپنی تقویم جاری کی تھی جبکہ نام انگریزی میں جولین کلسٹر تھا لیکن امتداد دنیا سے اس کا نام تبدیل ہو گیا تھا کہ عیسائی تھا اور خصوصاً ایسٹرن میں بہت فرق پڑ جاتا تھا۔ ۱۱۰۰ سے گری گورین نے ان تقاضوں کو دور کر کے اپنا کلسٹر جاری کیا۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ خیام کے سنہ جلالی سے گری گورین نے اپنا قاعدہ بنایا جو خیریت ام کی تحقیقات میں روزانہ ایک منٹ سے کچھ کم کی کسر پائی رہ گئی تھی گری گورین اسکو مٹا نا چاہتا تھا چنانچہ پنجوں کی مدد سے اسے اس کو چار سو برس کی مدت میں نکال دیا۔ اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو صدی کو چار عدد تقسیم ہو سکے اسکا فوری مہینہ اٹیسٹیم کا ہوگا اور دہائی تین صدیاں جو چار پر پوری تقسیم نہ ہو سکیں انکا فوری مہینہ ۲۱۰۱ یوم کا ہوگا۔ اور بقیہ ہی قاعدہ ہر ہزار اور چھ ہزار سال کے لیے مقرر کیا تھا چنانچہ اس قاعدہ کو "گری گورین ول" کہتے ہیں۔ گری گورین سال میں سو پچیس دن پانچ گھنٹے اٹیسٹیم منٹ اور بارہ سکند کا ہے اور اس سنہ کا عہد ۱۱۰۰ سے شروع کیا گیا ہے۔ گری گورین نے دوسری کے تفاوت زمانی کی اصلاح کے لیے مہینہ اکتوبر سے گیارہ یوم گھٹا دیئے تھے یعنی اکتوبر کی پانچ تاریخ کو پندرہ تبدیل کر دیا تھا

میں نکلتی ہو وہ خیام نے تینیس برس میں نکال دی تھی اور برے نام ہر روزیں ایک منٹ سے کچھ کم فرق رہ گیا تھا۔ اور اگر خیام آئندہ دورے تک زندہ رہتا تو ایک منٹ کی بھی کسر باقی نہ رہتی۔!!

علمائے مشرق اور مغرب کا اس پر اتفاق ہو کہ جو نظام خیام نے مقرر کیا تھا وہ بہ حقیقت نظام اور صحت اور تطبیق بہیئت کے اقوام سابقہ کے حساب سے سب پر فائق تھا۔
ملکشاہ کا سنہ جلالی چونکہ کسی مہمت دس تاریخ یا دنیا کے کسی مشہور واقعہ سے تعلق نہ رکھتا تھا اسوجہ سے دوام و قیام اسکو میسر نہیں ہوا اور صرف چودہ برس ملکشاہ کی زندگی تک چلتا رہا اور اس کے بیٹوں ہی کے زمانے میں نسیا منیا ہو گیا۔ مگر یہ قسم ملکشاہ اور خیام دونوں قیامت تک زندہ رکھیگا۔

کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا ہو کہ اصلاح تقویم کے بعد ملکشاہ نے عمر خیام اور دیگر نامور حکما بقیہ نوٹ صفحہ اسپین، پرتگال، اٹلی، فرانس، سویزرلینڈ، جرمن، نیپٹر لینڈ، کے کیتھولک فرقوں میں گوری رول اسی سال جاری ہو گیا تھا لیکن پولینڈ میں سنہ ۱۵۷۸ء ہنگری میں سنہ ۱۵۷۹ء میں پریٹنٹ جرمن اور ہالینڈ، ڈنمارک میں سنہ ۱۵۸۰ء میں جاری ہوا۔ بنگھستان نے سنہ ۱۵۸۱ء سے عملدرآمد کیا۔ روس کے علمائے بہیئت نے اس بات مذ کی بھی غلطیاں کئی ہیں اور وہ گوری گورین ول کو ترمیم کر کے اپنے موجودہ شاہنشاہ کے نام سے نیا کلنڈر اجاری کرنا چاہتے ہیں مگر کئی زنا سے کامیابی کی امید نہیں ہے۔ انتخاب زاناسیکو پیڈیا برٹانیکا طبع جدید پاولاناسیکو پیڈیا طبع ول حرفی لفظ گوری رول سنہ ۱۵۸۲ء میں ملکشاہ سلجونی نے ان تحقیقات کا حکم دیا جسے تقویم میں ایسی اصلاح کی گئی جو چھ سو برس کی گوری گوری کی اصلاح سے ہر ایرج بہتر تھی۔ گوری گوری کی سال میں ۱۲ ہزار برس کی مدت میں تین دن کا تفاوت ہوتا ہے، برخلاف اسکے عربوں کے سال میں ایسی مدت میں صرف دو دن کا تفاوت ہے۔ دیکھو تمدن عرب صفحہ ۲۲۲ و گبرانی مپا بر جلد ہ مطبوعہ سنہ ۱۵۸۲ء حالات ملکشاہ و تقویم ابوالضیا صفحہ ۲۳۳ ۵۲ تقویم ابوالضیا صفحہ ۲۳۳۔

کیا صلہ دیا۔ مگر شاہانِ ایشیا کے اصول و قواعد سے جو لوگ واقف ہیں وہ قیاس کر سکتے ہیں کہ ان حکما کو کیا کچھ نہ ملا ہوگا۔ اور خواجہ نظام الملک نے خیام کو سنہ جلالی کی ایجاد کے قبل جو نظمیں مرحمت فرمائی تھیں انکو عین ملکشاہ کا عطیہ سمجھنا چاہیئے، علاوہ اسکے ایشیائی درباروں کا یہ عام قاعدہ ہی کہ دربار کے داخلہ سے پہلے وہ بڑی بڑی جاگیر و منصب مالک بنا دیے جاتے ہیں۔ اور خواجہ نظام الملک کی اس تحریر سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ خواجہ لکھتا ہے ”خیام ذریعہ ہمانداری سلطان ملکشاہ برآمد و در علم حکمت تعریفات یافت و سلطان عنایت فرمود، و با عالی مراتب کہ کبار علما و حکما را باشد رسید۔“

عمر خیام کی شاعری

خیام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ابتدا سے مذاق شاعری تھا۔ لیکن علمی تحقیقات کے شوق نے اس مادہ کو عالم شباب میں ابھرنے نہیں دیا۔ لیکن عمر کے اخیر حصہ میں جب گوشہ نشین ہو کر بیٹھا تو شاعری کی طرف متوجہ ہوا۔

جس طرح طوس کو فردوسی پر اور شیراز کو حافظ و سعدی پر غرور دیا ہے نیشاپور خیام پر غرور کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خیام جیسے نامور محقق اور فلاسفر کے لئے محض شاعری ذریعہ انفعالی نہیں ہے۔ بلکہ شاعری اُسکے کمالات کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

ایران میں ہزاروں نامور شاعر ہوئے ہیں لیکن فلسفیانہ خیالات کے اعتبار سے خیام کا طرزِ بالا ہی خیام کے ہر مصرعہ میں حکمت و فلسفہ بھرا ہوا ہے۔ نظام عالم، اسرار کائنات، اور وجود

وہی کے نجات جس دریا باطل قیہ سے خیام ادا کرتا ہے وہ اس کا حصہ ہے۔

عام شعر کی تقلید یا زمانہ کے مطابق خیام نے غزل اور قصیدہ میں اپنی عمر برباد نہیں کی بلکہ اپنے مفید خیالات کے اظہار کے لیے اصناف شعر میں سے صرف رباعی کو انتخاب کیا کیونکہ یہ چار مصرعوں کی نظم حکیمانہ خیالات کے اظہار کے واسطے نہایت موزوں ہے۔ بڑے بڑے طبیب جس ترکیب اور ترتیب سے رباعی کے ساپنخے میں ڈھل جاتے ہیں وہ دوسری صنف میں غیر ممکن ہے۔ علاوہ اسکے مختصر نظم خزائنہ دماغ میں اچھی طرح محفوظ رہتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ حکماء اور فلسفی شعر اور صوفیائے کرام نے رباعی کو اپنے خیالات کا ارگن بنایا ہے۔ چنانچہ خواجہ ابو سعید بونانی، مولانا روم، ملا ساجی بھٹی وغیرہ کی رباعیات اس کی شاہد ہیں۔ فارسی میں باغیات کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، اور مختلف شعرا کی رباعیاں مشہور ہیں لیکن مشرق سے مغرب تک شہرت عام اور قبولیت کا منہ خیام کو ملا ہے۔

خیام کی رباعیاں ہم کو کیا سکھاتی ہیں؟ اور وہ کن خیالات کا مجموعہ ہیں۔ اس پر تفصیل سے بحث کرنا اس شخص کا کام ہے جو خیام کی مستقل سوانح عمری لکھے۔ لیکن خلاصہ یہ ہے کہ خیام ہم کو فلسفہ زندگی کے مختلف مباحث سے آگاہ کرتا ہے۔ اور مختلف انداز سے انسانی زندگی پر روشنی ڈالتا ہے۔ کسی رباعی میں تعلیمات قرآنی ہیں، کہیں احادیث ہیں، کہیں اقوال حکماء کا انتخاب ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ چند رباعیاں پیش کی جاتی ہیں۔ ناظرین کو ہر رباعی میں ایک نئی تصویر نظر آئے گی۔

(۱) متصوفین کا کسی مذہب ملت کے ہوں سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس زندگی میں حیات کا عقدہ نہ حل ہو سکتا ہے نہ اس کا صحیح علم ممکن ہے۔ اور یہی حال عالم کا ہے، کیونکہ وہ بھی ایک از سر سب سے

(۱)

آورد با ضبط لایم اول بوجود جز خیر تم از حیات چپندی نقرود
رفتم با کراہ و ندانیم چہ بود زیں آمدن و بودن و رفتن مقصود

(۲)

رنے دیدم نشسته بر خنگ زیں نہ کفر، نہ اسلام، نہ دنیا، نہ دین
نے حق، نہ حقیقت، نہ شریعت، نہ یقین اندر دو جهان کرا بود زہر ایں

(۳)

اسرار ازل اند تو دانی و نہ من دین حرف معانہ تو خوانی و نہ من ✓
ہست از پس پردہ گفتگوے من تو چوں پردہ برافتہ تو مانی و نہ من
(۲) تصوف کا دوسرا مہتمم باشند مسئلہ یہ کہ تمام انسان کسی نور کے پرتو ہیں یا کسی
نشان کے ایک شاخ ہیں یا کسی سمندر کا ایک قطرہ ہیں مگر ہر حالت میں اُوارہ وطن ہو کر رہیں
میں خانہ خراب پھرتے ہیں۔

(۴)

اول بخودم چو آشنای کردی آخر ز خودم چہ اجدامی کردی
چوں ترک منت نبود از رو زخمت سرگشتہ بعالم چہ رامی کردی

(۵)

اے دل ز غبار حیم اگر پاک شوی تو روح مجسمہ دی برا فلاک شوی
عشمت نشین تو شرمست بادا کافی و مقیم خطہ خاک شوی

(۳) یہ خیال مشرق و مغرب میں مشترک ہے کہ دنیا فانی ہے۔ ہویا فانی ہے۔ دہوکا بازی ہے۔
ہر ہر قدم پر بیخ و غم کا سامنا ہے۔ آسودگی پر لے نام ہے۔ جو شے ہے وہ غم سے خالی نہیں ہے۔

(۶)

رہ این ہر کہ بود مدتی منزل ما نامد بجز از بلا و غم حاصل ما
افسوس کہ حل نگشت یک مشکل ما رستم و ہزار حسرت اندر ما

(۷)

ر شادی مطلب کہ حاصل عمر ہے تہ ہر ذرہ ز خاک کی قیادت ہے تہ
احوال جہان و اہل اس عمر کہ بہت خواب و خیالے و فریب و دہشت
(۴) انسان کی زندگی بے ثبات ہے اور حیات انسانی مصائب و آلام کا مجموعہ ہے

(۸)

چوں حاصل آدمی دریش رستاں جز غم و غم غصہ نیست یا کندن جاں
خرم دل آں کرین جہاں زود رفت آسودہ کسی کہ خود نیاید بجاں

(۵) رباعیات مندرجہ بالا (۶-۷-۸) سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خیام بھی اس افسردہ
دلی کی زندگی کو پسند کرتا ہے اور ہر چیز کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ لیکن حقیقت میں خیام
کا یہ فلسفہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے شیدائیوں سے کہتا ہے۔ کہ اس زندگی میں بیکار و اوداس مست
بلکہ اسکو بے بسی خوشی میں گزار دو اور خوب دل کھو لکر اور ٹوٹ کر شراہیں اڑاؤ اور بیخ
و غم کو پاس نہ آئے دو۔ قضا و قدر جو صیبتیں تمپر ڈالے انکو صبر و تحمل سے برداشت کرو

اور صرف یہی ایک اصول ہے جس سے عیش و طرب کی زندگی حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ کہتا ہے۔

(۹)

چوں عہدہ نیک کند کسی فردا را حالے خوش کن تو این دل شیرا را
مے نوش بنور ماہ لے ماہ، کہ ماہ بسیار بتابدنیا بدبارا را

(۱۰)

می خوردن شاد بودن آئین منست فارغ بودن ز کفر و دین دینست
گفتم، بعروس ہر کاہین تو صحبت گفتا۔ دل خستہم تو کاہین منست

(۱۱)

زاں پیش کہ غمناک شبِ خوش آرد فرمائے کہ تا بادہ گلگوں آرد
تو زرنہ لے عاقل نادان کہ ترا در خاک نہنند باز بیرون آرد

(۱۲)

اں بہ کہ ز جام و بادہ دل شاد کنیم وز مادہ و گزشتہ کم یاد کنیم
ایں عایتے حیات زندانی را یک لحظہ ز بند عقل آزاد کنیم

(۱۳)

تا کہ ز غم زمانہ محسنوں باشی با چشم پر آب دل پر خوں باشی
مے نوش و عیش کوں خوشدل باشی زاں پیش کرنیں دائرہ بیرون باشی

(۱۴)

دریاب کہ از روح مجدا خواہی رفت در پردہ اسرار خدا خواہی رفت
خوش باش ندانی ز کجا آمدہ می نوش ندانی کہ کجا خواہی رفت

(۱۵)

می خور کہ بزیر گل بیسہ خواہی جفت بے مونس بے حریف بے ہمد مروت
زنہار یکبس گو تو این را ز ہفت ہر لالہ تر مُردہ نخواہد بگفت

(۱۶)

من بیچ ندانم کہ مرا آنکہ سرشت از اہل بہشت گفت یاد و نوحِ ثشت
قوتے و بتے و بادۂ بربکشت اہں ہر تہہ مرا نقد و ترسیہ بہشت

(۱۷)

کم کن طمع از بہان و می نہی خورسند وز نیک و بد زمانہ بگل پیوند
می برکت و زلف لبرے گیر کہ زود ہم بگذرد و منسا نداین وزی چند

(۱۸)

این قافلہ سحر عجیب میگذرد دریاب دے کہ باطرپ میگذرد
ساقی غم فرداے صر فیان چہ خوری در دہشت ج بادہ کہ شب میگذرد

(۱۹)

روزیت خمش و ہوانہ گرم ہست نہ سرد ابر از رخ گلزار ہی شوید گرد
بلبل بزبان پسلسوی با گل زرد فریاد ہی زند کہ مے باید خورد

۲۰

ماہِ رمضان برفت و شوال آمد ہنگامِ نشاط و عیش و قوال آمد
 آمد کہ آنکہ خنیکہ اندر دوش گویند کہ پشتِ پشتِ جمال آمد
 (۶) موت کی نسبت خیام کے یہ خیالات ہیں

(۳۱)

اں مردِ نیم کر عدمِ بیمِ آید کاں بیمِ مرا خوشتر ازاں نیم آید
 جانِ استِ مر بعا ریت و ادخدا تسلیمِ کسِ ہم چو وقتِ تسلیمِ آید

(۳۲)

از زتش آخرتِ نینداری باک و رآبِ امتِ نشدی ہرگز ناپاک
 چوں بادِ اجلِ سپردِ غمِ بکشد رسمِ کہ ترا تنگِ پذیرِ دغا

(۳۳)

تاظنِ بزی کہ از جہاں می ترسم وز مُردنِ از رفتنِ جہاں می ترسم کہ
 مردنِ چو حقیقتِ استِ زانِ با کمِ نیت چوں نیکِ ز ستمِ ازاں می ترسم
 (۷) انسان کی سب سے اچھی زندگی وہ ہی جو فقر و غنا کے درمیان ہو۔

(۳۴)

در دہر ہر آنکہ نیم نمانے دارد وز بہرِ نشتِ آستانے دارد
 نے خادِمِ کس بود نہ مخدومِ کسے گو شاد بزی کہ خوشِ جابنے دارد

(۲۵) یکٹان بدو روز گزشتہ صبح مرد
در کوزہ شکستہ دے آب سرد
مامور کے دگر چہرا بایہ بود
تا خدمت چوں خودی چہرا بایہ کرد

(۲۶)

گردست و بد مزہ گندم نانے
از نئے کدوے و گوشتہ رے رے
و آنکہ من تو نوشتہ درویرانے
عیشے بوداں نہ حد ہر سلطانے

(۸) بنے ہوئے صوفی اور جاہل فقیہوں کی خیام کی نظر میں کوئی عزت نہیں ہے وہ انکی
رہا کاری اور نمائش کا خوب خاکہ اڑاتا ہے۔

(۲۷)

پوشیدہ مرقع اندایں خامے چند
نازفتہ صدق و صفا گامے چند
بگرفتہ ز طامات الف لامے چند
بدنام کسندہ نکونامے چند

(۲۸)

س پندے دہمت اگر بنی اری گوش
از بہر خدا جامہ تزویر پیش
عقبی ہمہ ساعت و دنیا یکدم
از بہر دے ملکات را مفروش

(۲۹)

شخصے بزنی فاشہ گفتاری
ہر خطہ بدام دگرے پستی
گفتا شیخا ہر آنچہ گفتی ہستم
اما تو چنانچہ مینمائی ہستی؟

(۹) اخلاق و آداب کے متعلق خیام نے بہت کچھ لکھا ہے

(۳۰)

در راہ نیاز ہر دے را دریاب در کوے حضور مقبلے را دریاب
صد کعبہ آب گل بیک دل نرسد کعبہ چہ روی برو دلی را دریاب

(۳۱)

با دشمن دوست فعل نیکو نیکو است بد کے کند آنکہ نیکیش عادت و بخت
با دوست چو بد کنی شود دشمن تو با دشمن اگر نیک کنی گر دوست

(۳۲)

خواہی کہ ترا رتبہ اسرار رسد میسند کہ کس از تو آزار رسد
از مرگ میندیش و غم رزق مخور کین ہر دو بوقت خویش ناچار رسد

(۳۳)

در راہ چنار رو کہ سلامت نکند با خلق چنار زری کہ قیامت نکند
در مسجد اگر روی چنار رو کہ ترا در پیش خوانند و امامت نکند

(۳۴)

بدخواہ کس تیج بہ مقصد نہ رسد یک بد نکند تا بخودش صد نہ رسد
من نیک تو خواہم تو بخواہی بدن تو نیک نہ بینی و بہ من بد نہ رسد

(۳۵)

بامردم پاک اصل و عاشق آئیز
وزنا اهلان هزار فرسنگ گریز
گر زهر دهر ترا غر دست نبوش
در نوش سده دست نا اهل بریز
(۳۶) عشق و محبت -

ای ای بران دل که در ستوی نیست
سوار زده مهر دل پسته زنی نیست
روزی که توبه عشق بسر خواهی برد
ضائع ترا زان وز ترار و زنی نیست
(۳۷)

پیرانه سرم عشق تو در دام کشید
ورنه ز کجاست دست من جانم بید
آن تو به که عقل داد جانان شکست
و آن طایفه که صبر و دخت ایام در
(۳۸)

عشقه که مجازی بود آتش نبود
چون آتش نیم مرده تابش نبود
عاشق باید که سال و ماه و شب روز
آرام و تسرار و غور و خواش نبود
(۳۹) انقلاب هستی

هر جا که گل و لاله زاری بود دست
از سرنخی خون شه یاری بود دست
هر شاخ بنفشه که زمین میسوزید
خالی ست که بر رخ نگاری بود دست
(۴۰)

این کوزه چمن عاشق زاری بوده است
در بند سیر زلف نگاری بوده است
این دسته که برگردن وی می بینی
دستیت که در گردن یاری بوده است

(۴۱)

ہر سبزہ کہ برکتِ رجوی رشتت گوئی ز لبِ منشتہ غوی رشتت
تا بر سر سبزہ پانچواری نہ نمی کاں سبزہ ز خاکِ ماہِ روی رشتت

(۴۲)

خاک کے کہ زیرِ پائے ہر نادانیت زلفِ صفتی و عارضِ جانانیت
ہر خشت کہ برکتِ گہِ ایوانیت انگشتِ وزیرے و سرِ سلطانیت
(۱۲) اعمالِ ظاہری بیکار ہیں۔ اگر خلوصِ نیت ہو۔

(۴۳)

بابِ تجربات اگر گویم راز بہ زانکہ بہ محرابِ کلمِ بی تو نماز
امی اول وای آخرِ خفاں ہمہ تو خواہی تو مرا بسوزِ خواہی بنوا
(۱۳) اربابِ معرفت کے اعمالِ خوف و طمع کی بنا بر نہیں ہوتے۔

(۴۴)

در درسد و صومعہ و دیر کشت ترسندہ زد و زخ اند و جو بای بہشت
آں کس کہ بہرِ رضا با خبر است زین تخمِ داندرون دل بیجِ نہ کشت
(۱۴) خیام کی رباعیات سے اُس کے عقائد پر استدلال کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ شاعری کے پردہ میں معلوم نہیں، شاعر کیا کچھ کہہ جاتا ہے۔ خیام کو بعض لمحہ و نزدیک کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک وہ طیفِ صوفیائے کرام میں داخل ہے اور محنتِ اللہ علیہ کے خطاب سے یاد

کیا جاتا ہے۔ بہر حال کفر و اسلام کے فیصلہ کرنے میں ذاتی حالات کی بھی تفتیش کرنا ضروری ہے، اور محض ظاہری الفاظ کی بنیاد پر قطعی حکم دینا وضع الشی فی غیر محلہ کا مصداق ہے۔ عموماً متصوفین اور شعرا ایران ایسے مضامین لکھ جاتے ہیں، جن کو راز و نیاز کی باتیں، کہنا چاہیے۔ مگر عسلاً شریعت انھی الفاظ کی بنا پر کفر و قتل کا فرمان صادر کرتے ہیں۔ ہمارے رے میں اگر ان شاعرانہ خیالات پر حکیم عمر خیام کو اٹھا دو اور زندہ سے منسوب کیا جاتا ہے تو حافظ شیرازی مولانا رومی، مولانا عطار وغیرہ جیسے نامور صوفی بھی اسی دائرہ میں آجاتے ہیں۔ اور اگر محض ساقی و شراب کی مداحی سے یہ فروجہم لگائی گئی ہے، تو حقیقت میں یہ کوئی مجرم نہیں کیونکہ شری شاعری کا خمیر شراب سے ہوا ہے۔ تصوف کے خشک مضامین، مونگ کی اُبالی کچھڑی سے بھی زیادہ ناگوار ہوتے ہیں، لیکن یہ صرف شراب کی برکت ہے کہ یہ خشک نوائے نقمہ ترکی طبع، خوشگوار اور پُر ذائقہ ہو جاتے ہیں، اور ارباب ظاہران کو چاہا جب کہ کھاتے ہیں، شراب ورائے کی کیفیات اور جذبات پر عام شعرا نے طبع آزمائیاں کی ہیں۔ اور چونکہ حکیم عمر خیام بھی شاعر ہی لہذا اس کی رباعیات بھی شراب کی چاشنی سے خالی نہیں ہو سکتی ہیں۔

اول ذیل کی رباعیاں پڑھو، پھر خیام اور اس کی شراب نوشی پر نظر ڈالو کہ وہ کس قسم کا رند شرابی ہے۔

(۴۵)

می میخورم و مخالفان از چپ رہت	گویند مخور بادا کہ دیں را اعداست
چوں دیشم کہ سے عدوی دین ہست	واللہ بخورم خون عدو را کہ رواست

(۴۶)

فصل گل و طرف جو بار و لب کشت بایک دوسہ اہل دہلیستے عورت شرت
پیش آرقح کہ بادہ نوشتان صبح آسودہ زہجدنو فارع زکشت

(۴۷)

من میخورم ہمسکہ چمن اہل بود مے خوردن من بنزد او پس بود
مے خوردن من حق بازل می دہنت گرے نخورم علم خدا اہل بود

(۴۸)

دریکدہ تجربے وضو نتوان کرد و ان نام کہ زشت شد لگو نتوان کرد
خوش نایش کہ ایں پردہ ستوری ما بدریدہ چنان شدہ کہ رفو نتوان کرد

(۴۹)

مے گرچہ حرام ست لی تاکہ خورد آنگاہ چہ صحت دار و دگر تاکہ خورد
ہر گاہ کہ ایں آسہ شطرت است بگو پس مے نخورد مردم دانا کہ خورد

(۱۵) خیام صوفی مذہب ہی، موعہ ہی، رسالت کی تصدیق کرتا ہی، حشر و نشر کا قائل ہی، عذاب و ثواب کو جانتا ہی، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہی۔ خدا سے معافی کا طالب ہی، اور اسکو عالم الغیب جانتا ہی، احکام قضا و قدر کا قائل ہی۔ اور یہی اصول مذہب کے اعضاء رُئیہ ہیں اور انہی پر کفر و اسلام کا فیصلہ ہی۔

(۵۰)

کہ تجا نہ و کعبہ خانہ بند گیت مذہب
محراب و کلیسا و تسبیح و صلیب مذہب
ناخوس زدن ترانہ بند گیت مذہب
حکا کہ ہمہ نشانہ بند گیت مذہب

(۵۱)

گر گوہر طاعت نہ نفعم ہرگز مذہب
با این ہمہ نو میدنیم از کرم مذہب
گر گوشت از چہرہ نہ رفتم ہرگز مذہب
زاں روی کے راد و نفعم ہرگز مذہب

(۵۲)

ساقی قادی کہ بہت عالم ظلمات مذہب
انجان جہاں ہر چہ در عالم ہست مذہب
جز روئے تو نیست در جہاں آب حیات مذہب
مقصود توئی و بر محمد صلوات مذہب

(۵۳)

از خالی کردگار و از رب حسیم مذہب
گرمٹ خراب مردہ باشی امروز مذہب
نویسد مشو بچرم عصیان عظیم مذہب
فردا بخشد بر استخوان ہائے ریم مذہب

(۵۴)

من بندہ عاصم رضائے تو کجاست مذہب
مارا تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی مذہب
تاریک دلم نور صفائے تو کجاست مذہب
ایں بیج بود لطف و عطائے تو کجاست مذہب

(۵۵)

اے واقف اسرار ضمیر ہمہ کس مذہب
یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر مذہب
در حالت عجز دستگیر ہمہ کس مذہب
اے توبہ دہ و عذر پذیر ہمہ کس مذہب

(۵۶)

ایک ہنرمین وگنہ دہ و خوش
ہر ہنرم کہ رفت حسبتہ بخش
از باد ہوا۔ آتش کیں را مفرود
مار اسیر خاک رسول انکش

(۵۷)

اے دل چہ حقیقت جہاں ہست جہاں
چندیں چہ بری خواری ازین رنج و دنیا
تن را بہ تعنا سپار بادقت بسا
کیں رفت قلم زہر تو ناید باز

رباعیات مندرجہ بالا کے انتخاب سے خیام کے عام خیالات اور جذبات کا ایک مختصر خاکہ ذہن نشین ہو گیا ہوگا۔ لیکن اگر تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہو تو مجموعہ رباعیات کی سیر کرو اس مجموعہ میں ہزاروں خیالات ہیں جس کے مطالعہ سے مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

رباعیات کی تعداد انڈیا ہاؤس لندن، نیشنل لائبریری سپریس، کتب خانہ مسٹر ڈی کسٹور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور نیشنل پبلک لائبریری ہانکے پور وغیرہ کے قدیم کتب خانوں میں جو قلمی اور مطبوعہ نسخے رباعیات کے موجود ہیں، ان میں پندرہ سے آٹھ سو ایک تک رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر مجموعہ کی ترتیب بھی جداگانہ ہی جنہوں نے بطا ا بجد ترتیب دیا ہی ان میں سب سے پہلی رباعی یہی۔ (۵۸)

آمد تحریرے نذازمینانہ ما
کا سے رنہ خراباتی و دیوانہ ما
برخیز کہ پرنسیم پمانہ زے
زاں پیش کہ پرنسند پمانہ ما

اکسفر ڈکا نسخہ اس رباعی سے شروع ہوا ہے۔

گر گوہر طاعت نہ منتم ہرگز درگدہست زرخ نہ منتم ہرگز
نوسیدیم ز بارگاہ کرمت زیرا کہ یکے را دہ نہ گفتیم ہرگز

علی بن القیاس ہر ایک نسخہ کی ابتداء ایک نئی رباعی سے ہے۔ اور ہندوستان کے مطبوعہ نسخوں میں سات سو ستر رباعیاں تک چھپ چکی ہیں۔ اور نسخہ مطبوعہ طہران میں دو سو تین رباعیاں ہیں۔ انگریزی ترجمہ میں بھی مختلف حیثیتوں سے انتخاب کیا گیا ہے۔ چنانچہ پچھتر لغایت پانسو رباعیاں اس وقت تک ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں لیکن تحقیقات سے اس وقت تک عمر خیام کی رباعیات کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔

رباعیات کا اثر یورپ میں ایک پنجم اور فلسفی کی حیثیت سے یورپ میں خیام کی صدیوں سے شہرت

ہے۔ لیکن شاعری کے لحاظ سے وہ سترہویں صدی کے ابتدا میں مشہور ہوا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں فردوسی اور حافظ سے بھی نام آوری میں بڑھ گیا۔ جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خیام کے خدائیوں نے بطور دوا می یادگار کے دارالسلطنہ لندن میں "عمر خیام کلب" قائم کیا ہے جس کی سالانہ روئداد ہر سال چھپتی اور شائع ہوتی ہے۔ اور چونکہ خبری دنیا کی مخلوق ان حالات سے کم و بیش واقف ہے لہذا تفصیل کی ضرورت نہیں علمی رسائل میں جہاں تک ہم نے خیام کے حالات پڑھے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ

سے ۱۹۷۶ء تک رباعیات کا کوئی مستقل مجموعہ یورپ میں شائع نہیں ہوا البتہ کسی تاریخ میں یا تو ضمناً تذکرہ ہی یا صرف و نحو، عروض و قافیہ، اور فارسی علم ادب کی تاریخوں میں (جنگریہ

میں لکھی گئی ہیں، رباعیات کا انتخاب شائع ہوا ہے۔ لیکن وان ہمبرگر پستال سرگوراولی اور پروفیسر کاول کی عالمانہ تجویز کے یہ مذاق روز بروز بڑھتا گیا۔ اور مسٹر ایڈورڈ فینئر جرنلڈ کی سعی تبلیغ سے تمام یورپ میں خیام کا نام بلند ہو گیا۔ اس شخص کی نسبت یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ محض خیام کے زندہ کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔

ہمارے سابق وائس رے نواب لارڈ کرزن بہادر اپنے سفر نامہ ایران میں نیشاپور کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ”بہت سے انگریز ناظرین نیشاپور کو صرف اس تعجب سے پہچانتے ہوئے کہ یہ ایران کے اس حبیبیت ال (اسٹرا نوئر) اور شاعر عمر خیام کا دارالقرار ہے، جبکہ نام اوجس کا کلام موجود ہنسل کو فینئر جرنلڈ کے بے نظیر ترجمے اور اس سے کمتر درجہ کے بہت سے شعراء کے مطابق اصل تصرف آمیز تراجم کے ذریعے اچھی طرح معلوم ہو گئے ہیں، مجھے یاد پڑتا ہے کہ اصحاب نانی الذکر میں سے کسی ایک تصنیف کے دیباچہ میں مینے میٹکسرانہ درخواست لکھی ہوئی دیکھی تھی کہ ”کاش! کوئی شخص میری اس کتاب کو نیشاپور لیجا کر عمر خیام کے مقبرہ پر نذر چڑھائے۔“

چہنیت ایک مسلمان تمام علمائے یورپ کا عموماً اور مسٹر فینئر جرنلڈ کا خصوصاً ہم بھی خاص شکریہ ادا کرتے ہیں اگرچہ ہم کو ان کے بعض خیالات سے اتفاق نہیں ہے کہ جو کام مسلمانوں کو کرنا تھا وہ ان علم دوست حضرات نے کیا۔ اور ساتھ ہی فارس کے تذکرہ نویسوں پر افسوس کرتے ہیں کہ انھوں نے اسکو شریعت و طریقت سے خارج سمجھ کر نہ تو اس کے کلام کی قدرانی کی اور نہ اُس کی مفصل سوانح عمری لکھی۔

یورپ میں رباعیات کے اشاعت کی مختصر تاریخ یہ ہو کر مشہدہ ہے کہ پہلے اول مرتبہ لندن کے کسی مطبع نے صرف پچھتر رباعیات کا انگریزی ترجمہ (بغیر نام مترجم) شائع کیا۔ لیکن جب عرصہ دراز تک کوئی اس جوہر گرانمایہ کا خریدار نہ ہوا اور دو سو جلدوں میں سے ایک بھی فروخت نہ ہوئی تب مجبور ہو کر تمام نسخے مستقل کتابوں کے ہمراہ فروخت کے لیے رکھ دیے گئے اور بجائے پانچ شینگ (پے) اصلی قیمت کے صرف ایک پینی (ار) قیمت قرار دی گئی۔ تب پانچ خریدار ہوئے اور چونکہ علمی دنیا کا یہ ایک خاص واقعہ ہے لہذا مورخوں نے اس کے نام بھی لکھ لیے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ مسٹر ڈنٹی۔ جبرائیل۔ رائٹ۔ ٹریچر ڈبرٹن، اور سوئن برن۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ملک میں عام خیالات کے مخالف جب کوئی مذہبی یا علمی خیال پیش کیا جاتا ہے تو بلا تحقیقات اول اُس کی مخالفت شروع کی جاتی ہے۔ اور زمانہ دراز تک نیا ان فوائد سے محروم رہتی ہے۔

الغرض ارکان خمسہ مذکورہ کی توجہ اور علمی سہ گرمی سے پھر تو ان رباعیات کی بڑی شہرت ہوئی۔ اور سوئن برن مذکور خیام کے فلسفہ کا ایک اعلیٰ رکن قرار پایا۔

مشہدہ ہے کہ جب یہ رباعیات دوبارہ شائع ہوئیں تو اُس نسخہ کو فینیکس جرنلڈ نے بہتر مسموم اضافہ خاص طور سے مرتب کر کے شائع کیا اور یہ نسخہ بحر اٹلانٹک طے کر کے امریکہ پہنچا۔ امریکن قوم نے اُس کو آنکھوں سے لگایا اور قبولیت کے ہاتھوں میں لیکر ذوق و شوق سے مطالعہ کیا۔ چونکہ رباعیات کے پڑھنے والے اب بکثرت ہو گئے تھے اور لومبہ لاٹم کا خوف باقی نہیں تھا اس وجہ سے

سلف مختصر لائف عمر خیام بزبان انگریزی مصنفہ ناگر کا مطبوعہ ہے مشہدہ ۱۹۱۰ء

انگلینڈ اور امریکہ دونوں میں رباہیات کی سیکڑوں جلدیں فروخت ہوئیں اور خیام کا فلسفہ فریشیزی کے درجہ پر پہنچ گیا۔ اور دوستوں میں برادرانہ اخوت اور محبت کا باعث ہوا۔ شاعر میں تیسری مرتبہ باصنافہ جدید ایک مجموعہ اور شائع ہوا۔ اور اس طرح شاعر میں ایک مجموعہ نکلا۔ اور اب تو خیامی فلسفہ روز بروز بڑھتا جاتا ہی، لندن، جرمن، فرانس، امریکہ میں خیام کی رباہی پڑھنے والے ہزاروں سے متجاوز ہیں۔

اہلِ یورپ خیام کو مشرق کا والٹا رکھتے ہیں۔ (محققین کے نزدیک یہ کامل تشبیہ نہیں ہے) اور بعض روماکا لکریٹیس فلسفی اور شاعر سمجھتے ہیں، کیونکہ جودت طبع اور اخلاق و عادات، اور حوادث زمانہ کے لحاظ سے دونوں زندگی یکساں ہے۔ بہر حال خیام کو جو چاہیں سمجھیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ خیام کا فلسفہ اپنی کورس، دیوجانس کلبی، مہاتما بودہ، اسے بہت ملتا جلتا ہے اور فلاسفرانِ یورپ بائرن، سوئن برن، شوپن ہیور، اسی سلسلہ میں داخل ہیں اور بقول محققین ”انسائیکلو پیڈیا برطانیکا“ پی ٹی مسٹک فلسفہ بھی انہی حکما کے خیالات سے ماخوذ ہے اور وہ فی نفسہ کوئی نواہج فلسفہ یا شاعرانہ خیال نہیں ہے۔

۱۔ محض انگریزی ترجمہ اور انگریزی معہل، دونوں قسم کے نسخات تھیکر، نیومن، ارادہ بانی تا جہاں کتب کلمتہ ادبی کی دکانوں میں موجود ہیں۔ اور جسے اعلیٰ درجہ کا نسخہ امریکا نے طیار کیا ہے جس میں یہ التزام ہے کہ ہر رباہی کا مضمون بذریعہ ایک تصویر کے دکھایا گیا ہے۔ یہ امریکہ کی صنایع کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ تجنیٹا پچاس پیرس کی قیمت ہے۔ اور ایک منتخب نسخہ اسی صنعت کا مطبوعہ لندن تین چار روپیہ میں آتا ہے۔

۲۔ انسائیکلو پیڈیا جلد نہری، صفحہ ۷۷۱۔ خاں کلج میگزین سنہ ۱۹۱۰ء بحوالہ کلمتہ ریویو۔

۳۔ حکما کا جو گردہ دنیا کو مصائب و آلام سے بھرا ہوا خیال کرتا ہے وہ پی سی مسٹ کہلاتا ہے۔

تصنیفات

جس شخص کا یہ قول ہو کہ ”مے خوردن و شاد بودن این من است“ اس کی نسبت یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی علم و حکمت کے راز سر سبہ حل کرتا ہوگا، یا صطرب لاٹ دو برین سے کام لیتا ہوگا، مگر نہیں، حکیم عمر خیام ہمارے فائدے کے لیے کج غلت میں بیٹیکر عقلی مسائل حل کرتا تھا۔ اور اپنے زمانہ کا ایک نامور مصنف بھی تھا۔ تصنیفات کی مختصر فہرست یہ ہے۔

(۱) جبر و مقابلہ جبر و مقابلہ کے ابتدائی اصول اگرچہ مسلمانوں نے یونانیوں سے سیکھے ہیں مگر انکو اس درجہ کمال پر پہنچا دیا کہ خود موجود قرار پائے اور یورپ نے جبر و مقابلہ عرب سے سیکھا اور اپنی زبان میں ماخذ کو قائم رکھ کر ”الجبر“ نام رکھا۔

مامون الرشید عباسی کے مبارک زمانہ میں جہاں اور علوم و فنون نے حکما کی گودوں میں پروشش پائی، وہاں جبر و مقابلہ نے بھی جنم لیا تھا۔ اور سب سے پہلے ابو عبد اللہ محمد بن موسیٰ خوارزمی

طے لایا ایک بہت ہی سادہ آلہ ہے۔ اس میں ایک فلزی حلقہ ہے جس پر بے کدہ ہیں اس پر ایک شیر گردش کھانا ہے جس کے آر پار سوراخ ہوا کہ کدہ سے پر لٹکا دیتے ہیں سو وقت کے بعد وہی حالت پیدا کرتا ہے تب شیر کو آفتاب کی طرف پھرا دیتے ہیں اور جس وقت شعاع آفتاب سورج سے پار ہو کے حلقہ پر پڑتی ہو اور اس دُبے کو پڑھ لیتے ہیں اور اس سے آفتاب کا ارتفاع معلوم ہو جاتا ہے یہ فلطاعی میں یونانی سے آیا ہے اور ذویونانی غلطیوں سے مرکب ہے، اسٹرال (ستارہ) اور لائن (لینا) یعنی وہ آلہ جس سے ستاروں کا ارتفاع لیا جاتا ہے اور یہ فلطاعی سے یورپ کی زبانوں میں گیا ہے۔ تمدن عرب صفحہ ۴۲۲ و ضخیمہ تمدن عرب صفحہ ۱۰۔

۱۱ جبر و المقابلہ جبر میں کسی نقصان کا برابر کر دینا ہے۔ کسرا لیدات توڑنا جبر الید نوٹے بننے ہات کو بھا دینا حساب کیا کسی عدد کو اس غرض سے بڑھانا کہ وہ دوسرے کے برابر ہو جائے یعنی وہ عمل جو مساوات میں ہوتا ہے اور اسی لیے اس علم کا نام الجبر ہے۔

۱۲ و الضابطہ ہو ضخیمہ تمدن عرب صفحہ ۱۲۔ ۱۳ سند میں یہ موز علم فوت ہوا۔ اہل کتاب جبر و مقابلہ انگریزی میں کہتے تھے لندن میں جبر

اس فن سے واقف ہوا اور آئندہ وہی اس کی ترقی اور شاعت کا سبب ہو جس کو آہستہ آہستہ عربوں نے مکمل کر دیا۔

مامون الرشید کے زمانہ کو اگر ابو عبد اللہ پر فخری تو عہد دولت ملکشاہ سلجوقی بھی عمر خیام پر نادر کر سکتا ہے، کیونکہ جبر و مقابلہ و لطیف فن ہی جو عقل انسانی کی مختصرات کا بہتر نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ خیام کی کتاب جبر و مقابلہ مفقود سمجھی جاتی تھی، مگر علماء یورپ کو ایک قلمی نسخہ مل گیا ہے اور ۱۸۶۷ء میں کتب خانہ لیڈن (ہالینڈ) میں وہ نسخہ داخل ہوا ہے اور غالباً ۱۸۷۱ء میں اسی نسخہ کی نقل علامہ فرانس نے مع ترجمہ فرینچ و اصل عربی چھاپ کر شائع کی ہے جس کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ ان انیکلو پیڈیا میں اس کو "اسٹنڈر ورک ان الجبرا" لکھا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ خیام کی یہ پہلی تصنیف آج دنیا میں موجود ہے۔ لیستہ علم المساحہ و المکعبات وraqیدس کی شرح کا اس وقت تک تہ نہیں ہے۔ ریاضی اور نجوم میں خیام نے بطور سلسلے کے چند کتابیں لکھی ہیں مگر ان کے صحیح نام نہیں بتائے جاسکتے ہیں۔ کتاب جبر و مقابلہ کے علاوہ خیام کی تصنیف میں چار رسالے اور ہیں جن کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

(۴) میزان الحکم۔ یہ رسالہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی تصنیف ہے اس میں خیام نے وہ اصول لکھے ہیں جن کی مدد سے مرصع اور جڑاؤ زیورات کا وزن دریافت کیا جاتا ہے اور نیز نیڑے توڑنے اور جواہرات الگ کرنے کے وزن معلوم ہو جاتا ہے۔

(۵) لوازم الماکبہ فضول ربعہ اور ہواؤں کے اختلاف کے اسباب اس سالہ میں لکھے ہیں۔

(۶) وجود کی حقیقت پر ایک مختصر رسالہ۔

(۷) ”گوشت اور مسالہ تکلیف پر ایک سالہ“

(۸) ”رباعیات“ رباعیات خیام کی مختصر تاریخ، ہم لکھ چکے ہیں۔ ہندوستان میں خیام کی شہرت عام، محض رباعیات سے ہوئی ہی لیکن افسوس ہے کہ خاص اہتمام اور صحت سے کوئی مکمل نسخہ رباعیات کا ہنوز ہندوستان میں شائع نہیں ہوا ہے۔ کلکتہ، بمبئی، لکھنؤ، اور پنجاب مطبوعہ نسخے اس لائق نہیں ہیں کہ زینت کتب خانہ ہو سکیں۔ یورپ کے مطبوعہ نسخے میں سب سے بہتر نسخہ ”بودیلینس لائبریری“ کا ہے جس میں اصل رباعیات کا نوٹو چھاپا گیا ہے۔ اور جس نسخہ کا عکس ہو وہ بمقام شیراز لکھا گیا ہے۔ خانہ کی عبارت ہے ”شیخ محمود عشرہ آخر ماہ صفر ۱۲۸۵ بمقام شیراز“

حکیم عمر خیام کا متفرق کلام و فضل و کمال، امام غزالی سے منظرہ ندبی علوم، علم نجوم، خانگی زندگی، اور موت

قطبہ فارسی، مخبر اور تذکرہ نویس، اسپر متفق ہیں کہ حکیم عمر خیام، اپنے زمانہ کا نہایت نامور فقیہ، محدث، مفسر، ادیب، اصولی، لغوی، فلسفی، اور نجومی تھا۔ لیکن آٹھ سو پچیس تک اُس کے نام کو جس نے زندہ رکھا وہ صرف شاعری ہے۔ اور اگرچہ خیام کی شاعری رباعیات تک محدود ہے، لیکن اسلوب بیان کی جدت، قوت تخیل، طرز ہند لال، زبان کی سادگی، شوخی، ظرافت، اور فلسفیانہ طرز ادا، تبارہے کہ خیام ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر ہے۔ بہت علاوہ رباعیات کے اور کئی قسم کا

لے تصنیفات کا حال تاریخ الحکماء اور گنج دانش سے ماخوذ ہے۔ لے دیکھو تاریخ الحکماء شہر زوری حلات خیام۔

کلام تذکروں میں درج نہیں ہے صرف ایک قطعہ اور کچھ عربی اشعار ہیں وہ نذر ناظرین ہیں۔ اور عالم
ناداری میں یہ بھی ایک گرانمایہ ہدیہ ہے۔ قطعہ

دوش بامبتل در سخن بودم	کشف شد بدلم مثالی چہند ✓
گفتم لے مایہ ہمسہ دانش	دارم الحق بنو سولے چہند
چیت ایں زندگانی دنیا	گفت خوابیت یا خیالے چہند
گفتم ازوے چہ حال ست بگو	گفت در دسرو با لے چہند
گفتم ایں نفس کے شود راتم	گفت چوں یافت گوشمالے چہند
گفتم اہل ستم چہ طائفہ اند	گفت گنگ و سنگ و شغالے چہند
گفتم ایں بحث اہل دنیا چیت	گفت بیوہ و قیل و قالے چہند
گفتم اہل زمانہ در چہ فن اند	گفت در بند جمع مالے چہند
گفتن چیت کہ خدائی گفت	ساعتی عیش و غصہ مالے چہند
گفتم ورامثال دنیا چیت	گفت لے کشید خالے چہند
گفتن چیت گفتہ ہائے خیام	گفت پندست حجاب لے چہند

یڈہما لی الدنیا بل السبعة العلی بل کا حق الا علی اذ اجاش خاطری

لے خلیفہ القدس صفحہ ۱۶۰ مطبوعہ بہار ۱۳۹۵ء ۵۲ اخبار اہل راہ اخبار اکمل علامہ قطبی اور تاریخ الحکام شہر زوری سے یہ اشعار منقول
ہیں۔ یہ دوسری کتاب نایاب ہے قطبی لکھنؤ کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی میں موجود ہے ترجمہ اشعار حسب ذیل ہے
۱۔ میری طبیعت جب جو ش میں آتی ہے تو دنیا بلکہ ساتویں آسمان بلکہ اقیانوس کی تدبیر کرتی ہے۔

۲	اصو و علی الخشاء جہراً و خفیۃ	عفا فافا و افطاری بتقدیر خا طری
۳	و کو عصبۃ ضلعت عن الحق فالتفت	لطرف الہدٰی من فیضی المتقاطر
۴	فان صراط المستقیم بصائر	نصبہ علی وادی الہی کا لفظنا طر
۵	اذ قنعت نفسی ہمیسور بلغت	یحصلہا بالکثر کفی و ساعدی
۶	امننت تصا ریف الحوادث کلہا	فکنت یانر مانی موعدی و مساعدی
۷	و صہب علی تختت الشعر بین زلی	و فوق مناظر الغرق دین مصاعدی
۸	مقی باعدت دنیا ک کان مصیبة	فواجباً من ذالقرب المباعد
۹	اذا کان محصول الحیاة منیة	فشیان حلال کل ساع وقاعد
۱۰	رضیت دہراً طویلاً فی التماسلخ	یرعنی و دادی اذا ذ و خلۃ خانہ

- ۲۔ پاکدامنی کی وجہ سے میں ترک معیشت کا روزہ رکھتا ہوں۔ اور پاکیزگی قلب سے افطار کرتا ہوں۔
- ۳۔ بہت سی جاہلیتیں جو راہِ بہت سے ہٹ گئی تھیں میرے بہتے ہوئے فیض سے اپیت پائیں۔
- ۴۔ ”راہِ بہت“ مثل ان نشانِ بیل کے ہیں جو وادیِ ضلالت میں پُل کی طرح قائم کیے گئے ہیں۔
- ۵۔ جب میرا نفس تھوڑی روزی پر قناعت کر لیتا ہے۔ تو میری پینیل اور میرا بازو اسکو کشش سے حاصل کر لیتا ہے۔
- ۶۔ چونکہ میں گروہِ زمانہ سے بے پروا ہوں۔ تو اسے زمانہ خواہ مجھے دہکا یا میری موفقت کر (مجھے اسکی کچھ پروا نہیں ہے)
- ۷۔ میں نے مانا کہ میں گھر میں شعر کہتا ہوں۔ مگر میرا رتبہ فرقدین ستارہ سے بالاتر ہے۔
- ۸۔ جب دنیا تجھ سے دور ہو تو یہ ایک معیشت ہے۔ اور یہ کس قدر عجیب ہے کہ وہ قریب بھی ہے اور دور بھی۔
- ۹۔ جب حیات کا آخری نتیجہ موت ہو تو پھر کشش کرنا اور نکرنا دونوں برابر ہیں۔
- ۱۰۔ میں عمر تک ایسے بھائی کو تلاش کرتا رہا جو دوستی کی موت کے عایت کے جب دستِ خیانت کر جاتے ہیں۔

۱۱ فکم الفت وکم احبت غیرا خ وکم تبدلت بالاحوان اخوانا
 ۱۲ وقلت للنفس لما عن مطلبها بالله مانا لخی ما عشت انسانا

فضل کمال | ایشیا اور یورپ میں بوملی سینا کا حکمت اور فلسفہ میں جو دیر ہو وہ مسلم ہی کیکن شیخ کے ہم پلہ اور اُس کا ہمسر اگر کوئی صوبہ خراسان میں ہوا ہی تو وہ حکیم عمر خیام ہی۔ اور یہ دعویٰ اُن مورخوں کا ہی جو خود اپنے زمانے میں امام فن مانے جاتے تھے۔ اور امام غزالیؒ سے خیام کا مناظرہ ہونا بھی اس کے فضل و کمال کی ایک وشن دلیل ہے۔

امام غزالی سے مناظرہ | حکیم عمر خیام جس طرح حکمت و فلسفہ میں امام تھا۔ اسی طرح مذہبی علوم کا بھی عالم تھا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایسے روشن دماغ اور آزاد خیال علماء، فقہاء کی عامیانہ تقلید سے آزاد ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فلسفہ کا غلبہ مذہب کی شان میں کبھی کبھی گستاخیاں بھی کر جاتا ہے۔ یہی حال خیام کا بھی تھا۔ اور اس بنا پر نہ یہی گروہ خیام کا مخالف تھا۔ اور خیام کے ہمعصوروں میں امام غزالی، علماء ملت میں سب کے سترج تھے۔ لہذا یاروں کے کہنے سے ایک دن خیام کے پاس مناظرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اور حکیم سے پوچھا کہ جب آسمان کے

۱۱۔ اکثر یہ ہوا کہ مینے جہنی سے دوستی کی اور اجنبی کو بھائی بنایا۔ اور اکثر مینے بھائیوں کو چھوڑ کر دوسرے بھائی بنائے۔

۱۲۔ لیکن جب غلط خواہ کوئی دوست ملا تو مینے دل سے کہا کہ خدا کی قسم تیرا مطلوب بنایا ہے۔ لہذا تازا ریت

کسی سے دوستی ہی نہ کر (یعنی ایسا انسان جو قابل دوستی ہو وہ معدوم ہے)

۱۳۔ امام خراسان علائقہ الزمان لعلم و انان الم اخبار العلماء صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ مصر ۱۹۰۵ تاریخ الحکماء شرف زوری۔

تاج حسنہ انشا بہ اور متحد الحقیقتہ ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہو کہ بعض اجزاء قطبین قرار پائے "خیام نے سوال سُنا کر اپنی عادت کے مطابق (خیام کو مسائل فلسفہ بیان کرنے میں از حد بخل تھا) یہ معمولی جواب دیا کہ میں نے اس سائل کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب عرائس الفلاس میں لکھا ہے۔ مگر یہ جواب ایک سائل کے واسطے کافی نہ تھا لہذا خیام نے ابتدائی مراتب بیان کر کے اس سائل سے ابتدا کی کہ "حرکت کس مقولہ سے ہے" اور تقریر کو اس قدر وسعت دی کہ نماز نظر کی اذال ہو گئی۔ اور بحث ہونے لگا تاہم تھی۔ لیکن امام صاحب یہ کہہ کر کھڑے ہو گئے کہ کجا الخ و زہق الباطل ان الباطل مکان زہوقاً۔ افسوس ہے کہ خیام کی یہ تقریر قلمبند نہیں ہوئی ورنہ حکمت و فلسفہ کے جوہر کھلتے۔ اور شائقین مستفید ہوتے۔

تخیل نہان یونانی بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ عمر خیام یونانی جانتا تھا۔ اگر یہ صحیح ہو تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جنہوں نے علوم یونانی بذریعہ تراجم حاصل کیے ہیں، عمر خیام کا درجہ فلسفہ اور حکمت میں بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور چونکہ خیام فلسفہ یونان کا درس یادہ دیا کرتا تھا اور ہمیشہ انہی خیالات میں ڈوبا رہتا تھا۔ لہذا یہ روایت قرین قیاس ہے کہ خیام یونانی ضرور جانتا تھا۔

تفسیر القرآن قاضی عبدالرشید بن نصر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مرو کے حمام میں عمر خیام سے ملاقات ہوئی۔ یعنی سورہ معوذتین کے معنی دریافت کیے۔ اور یہ بھی پوچھا کہ بعض الفاظ ان سورتوں میں لکڑکیوں کے لئے ہیں؟ خیام نے ایک بسیط تقریر میں تمام شبہات رفع کر دیئے دوران تقریر میں مفسرین کے اقوال، اُن کے دلائل و شواہد اس تفصیل سے بیان کیے کہ

اگر میں ان کو قلمبند کرتا تو ایک کتاب بنجائی۔ حالانکہ خیام کو ان علوم کے ساتھ خاص دیکھنی تھی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جن علوم میں خیام نے تمام عمر صرف کر دی۔ اُس میں کس قدر عبور ہو گا۔
قرأت | شہاب الاسلام، عبدالرزاق، وزیر سلطان سنجر کے دربار میں علمی صحبت تھی، فن قرأت کے امام ابو الحسن غزالی بھی موجود تھے۔ اور اختلاف القرات پر مباحثہ ہو رہا تھا کہ خیام اگیا۔ وزیر نے خیام کو آنا ہوا دیکھ کر کہا ”علی الخنید سقطنا“ ”واقفت کا آگیا، بعد از اسالہ زیر بحث پیش ہوا۔ خیام نے ساتویں قرأتیں، شاذ و راستیں، اور ان کے دلائل بیان کر کے ایک قرأت کو ترجیح دی۔ امام ابو الحسن فیصلہ سنکر فرمانے لگے ”کہ حکماء کا کیا ذکر ہے جو قاریوں میں سے کسی کو اس درجہ کی معلومات نہیں ہو سکتی ہیں۔“

قوت حافظہ | تاریخ الحکما شہر زوری میں لکھا ہے کہ اصفہان میں کوئی کتاب خیام کو پسند آئی اور سات مرتبہ اُس کا مطالعہ کیا جب نیشاپور آیا پوری کتاب بانی لکھوا دی جب اصل سے مقابلہ کیا گیا، تو پرانے نام فرق نکلا۔

سلاطین کے دربار میں اعزاز | ملکشاہ سلجوقی نے ترمیم سنہ فارسی، اور تخیل صد کے بعد حکیم عمر خیام کی جو عزت افزائی کی اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ علاوہ جاگیر دار ہونے کے دربار ملکشاہ میں خیام کو مذہبیوں کا درجہ حاصل تھا اور اس کا بیٹا سنجر بھی خیام کو اپنے برابر تخت پر بٹھاتا تھا۔ حالانکہ ایک خاص اقدہ سے سنجر ناراض تھا، اور جس الملوک خاقان بخارا کا بھی خیام کے ساتھ یہی برتاؤ تھا اور یہ وہ اعزاز تھا کہ جس پر خواجہ نصیر الدین طوسی جیسا علامہ رشک کیا کرتا تھا اور

سلا شہر زوری۔ سلا شہر زوری و گنج دانش۔

ہا کو خاں سے یہ قسم بیان کر کے فخریہ کہتا تھا کہ "فضل من صد بر افضل عمر خیام است" ان عظیم علما دریں روز گار نمادہ۔

علم نجوم یونان سے علوم و فنون کا جو سیلاب آیا اُس میں نجوم کا بھی خاص درجہ ہے حکماء یونان میں سے ہر ایک مصطلح نجوم اور اس کے احکام کا قائل تھا مسلمانوں نے جہاں دیگر علوم و فنون سے فائدہ اٹھایا وہاں نجوم کو بھی لیا۔ پھر بعض خلفاء عباسیہ و سلاطین عجم کی سرپرستی نے احکام نجوم کو آسمان تک پہنچا دیا۔ چونکہ خیام بھی نجومی تھا لہذا ذیل کے واقعات لکھے جاتے ہیں۔

عروسی سمرقندی لکھتا ہے کہ سنہ ۳۳۵ میں بلخ کے "کوچہ بردہ فردشاں" میں خواجہ مظفر آفریدی اور خواجہ نام عمر خیام، امیر ابو سعید کے ہمان تھے میں بھی حاضر خدمت تھا کہ حجۃ الہی عمر خیام نے فرمایا کہ "میری قبر پر ایسی جگہ بنے گی کہ چہر سال میں دو مرتبہ درخت پھول برسائیں گے" امام کا یہ کہنا مجھے محال نظر آیا۔ مگر یہ یقین تھا کہ خیام جیسا شخص وہی تباہی نہیں کہہ سکتا ہی چنانچہ سنہ ۳۵۵ میں جب مجھے نیشاپور جانے کا اتفاق ہوا تو خیام کو دنیا سے رخصت ہوئے کی خبریں گزر چکے تھے اور چونکہ میں خیام کا شاگرد تھا اس لیے جمعہ کے دن ایک ہفتا کے ہمراہ گورستان

۱۔ تذکرہ دولت شاہ ۳۵۵ دکان علیہ القربین فی علم النجوم والحکمة و بہ یضرب المثل تاریخ اخبار العلماء صفحہ ۱۶۳۔ ۲۔ نجم الدین احمد بن عربی علی نظامی سمرقندی۔ اپنے زمانہ کا ایک نامور ادیب، شاعر، طبیب، مخبر تھا۔ اور چونکہ عروسی میں خاص مہارت تھی لہذا عروسی مشہور ہوا میر و سیاحت کا بڑا شائق تھا ماحول سلاطین غور کا مداح و پیر سلطان بخر کے دربار میں حاضر ہوا۔ کتاب چار مقالہ یادگار ہی نظامی میری سمرقندی اور نظامی شیریں نیشاپوری اس کے ہم عصر تھے نظامی نجوی اس کے بعد ہوئے ہیں جن کا سنہ ۳۵۵ میں انتقال ہوا ہی انتخاب مجمع النعماء۔

حیرہ میں فاتحہ خوانی کے لیے گیا۔ جب میں گورستان کے بائیں طرف پھرتا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دیوار کے نیچے ایک قبر ہو۔ جس پر مرد اور زرد آلو کے پھولوں کی چادر بھی ہوئی ہو اور سطح قبر پھولوں سے چھپ گئی ہو۔ اس وقت مجھے یاد آیا کہ بقیع میں نے یہی فرمایا تھا۔ یہ واقعہ یاد کر کے میں رونے لگا۔ کیونکہ میری نظر میں تمام ربع مسکون میں کوئی شخص خیاں کا نظیر نہ تھا۔ خداوند تبارک و تعالیٰ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے (چهار مقالہ)

عروضی کتاب کی ششہ کے موسم سرما میں سلطان نے خواجہ بزرگ صدر الدین محمد بن المظفر زمیں مرو کے پاس یہ پیام بھیجا کہ خواجہ امام عمر میرے شکار کھیلنے کے لیے کوئی ایسا دن مقرر کریں جو برف و باراں سے محفوظ ہو۔ چنانچہ خواجہ نے خیاں سے سلطان کا پیام کہہ دیا اور دو دن کے غور و فکر کے بعد خیاں نے سلطان کو شکار پر جانے کی اجازت دی۔ گھر سے نکل کر سلطان نے تھوڑی مسافت طے کی تھی کہ آسمان پر بادل چھا گیا اور زمین پر برف چھ گئی اور لوگ خیاں کے حکم کا مضحکہ اڑانے لگے۔ مگر سلطان نے ٹوٹنا پسند نہیں کیا۔ اور خیاں نے عرض کیا کہ حضور! میں ابھی مطلع صاف ہو جائیگا۔ اور پانچ دن تک بھار بھی نہیں پڑے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صاحب گارستان نے اس روایت کے بعد یہ اشعار لکھے ہیں۔

بچیں سلم جلد محتاج بند خاصہ آنا تکہ صاحب چہ بند
ہست در زم و زرم و وقت شرکا خستیا رات حکم شاں درکا

۱۔ چار مقالہ نظامی صفحہ ۴۰ مطبوعہ اصفہان ۱۲۸۵ نظامی عروضی نے اپنی کتاب چار مقالہ میں یعقوب بن اسحاق کندی اور یحییٰ بن برمکی کے متعلق جو بیانیہ بیان کے مطابق ہوئے ہیں۔ لیکن مذہباً

خانگی زندگی اخاقانی کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ خیام نے شادی نہیں کی اور تمام عمر آزادی سے بسر کی اور اہل و عیال کے جھگڑوں سے ہمیشہ آزاد رہا چنانچہ خاقانی کہتا ہے

زین کلب بکلبہ بقارفت	زناں عالم بود و باز جارف
بیک عطسہ بادور و پنهفت	صدیر حکم لہش ملک گفت
آنچشن کلج لبست حورا	چل سال غرب نشست اینجا
آنکس کہ چناں عروس بنید	بر حق بود از غرب نشین

سوت | حکیم عمر خیام ۱۱۱۹ھ میں بمقام نیشاپور پیدا ہوا تھا۔ اور ۱۱۶۳ھ میں راسی ملک بقبا ہوا۔ اور نیشاپور کے گورستان میر میں دفن ہوا۔ اس حساب سے حکیم عمر خیام ایک نو سو سات برس تک زندہ رہا۔ چنانچہ خود بھی ایک باعی میں اپنی صد سالہ زندگی دکھا کر خدا سے مغفور و رحیم سے مغفرت چاہتا ہے۔

(۵۹)

آنم کہ پدیر گشتم از قدرت تو	صد سالہ شدم باز در نعمت تو
صد سال امتحاں گنہ خویم کرد	تا جرم من بہت بیش یا رحمت تو

خیام کی موت کا وقت نہایت دلچسپ ہے۔ تاریخ اکمل میں لکھا ہے کہ ایک ن بوعلی سینا کی کتاب الشفا پڑھ رہا تھا۔ جب ثدہ و کثرۃ کی بحث آئی تو کتاب بند کر دی اور طلائع خلخال جس کو ہر وقت پائیں لکھا تھا۔ اسی ورق پر لکھ کر اٹھا۔ وضو کر کے نماز پڑھی، وصیت کی، اور شام تک

(معتبرہ نوٹ صفحہ ثانی) معتدل نظامی یہ کلام قابل استہدائے نہیں ہیں کیونکہ ان کا نام غوم ایک خاص صنعت کا نتیجہ ہیں بخوبی کو لازم ہے کہ حکیم لکھ کر خداوند کے سپرد کرے، لیکن مشنوی تحفۃ العارفين مطبوعہ اگر ۱۲۵۰ھ ہمارے مقالہ نظامی۔

کچھ نہ کھایا۔ نماز عشا پڑھ کر سجدہ کیا۔ اور کہا۔ اللہم علوانی عرفات علی مبلغ امکان فی فاعف علی
فان معرفتی یا ایاک وسیلتی الیک اے خدا! جہاں تک میرے امکان میں تھا میں نے تجھ کو
پہچانا۔ اسی وسیلہ سے مجھ کو بخش دے۔ اور یہی کہتے کہتے روح جسم سے نکلی اور منزل مقصود پر پہنچی

(۶۰)

خیام کہ جنہاں سے حکمت میدوست در کورہ غم فنا دونا گاہ بنوخت
فرش اہل طناب عمر شمع پرید دلال قضا برا نگاشن بفرخت
حکیم عمر خیام کی موت پر عوام و خواص نے کس قدر ماتم کیا۔ اور کن شہر انے مرثیے لکھے اس کی
کوئی تفصیل تذکروں میں نہیں ہے۔ لیکن عزیزوں سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے حادثہ اعظم پر اشعار
ہو کر مرثیہ نہ لکھیں چنانچہ حکیم خاقانی نے (خیام کا بھتیجہ تھا) خیام کا مرثیہ لکھا جسکو بطور یادگار ہم بھی
صح کرتے ہیں۔

گر بقدر سوزش دل چشم من گرہیتے بر دل من مرغ و ماہی تن بہن گرہیتے
اپنے از من شد گرازدست سیلماں گم شد بر سیماں ہم پری ہم اہر من گرہیتے
مقتدا می حکمت صدر من کہ بعد از دو کا شکے آدم بر جعت در میاں باز آدے گزین اچشم بوئے ہم زمین گرہیتے
پیش چشم مرغ رشتن کہ یارستے کہ اے تاہرگ اس حلف بر مردوزن گرہیتے
گوہے بود او کہ گزشتن ناوانی شکست گرہیتے شمع را گردن زدن گرہیتے
جوہے کو تاہرین گوہر شکن گرہیتے

ایہ کلیات خاقانی۔

آتش و باد ابدانند سے کہ از گیتی کہ شد
آتش از غم خوں شد باد از حسن نگہ بیتی

گورستان حیرہ کی موجودہ حالت | جس زمانہ میں خیام گورستان حیرہ میں دفن ہوا تھا۔ اُس وقت یہ قبرستان حقیقت میں چمنستان تھا۔ خیام کی قبر پر گلاب کے درختوں کا سایہ تھا۔ اور دونوں وقت پھولوں کی چادریں چڑھا کرتی تھیں۔ مگر آج اُس کی قبر کا پتہ لگانا بھی مشکل ہے کہ کہاں ہی اور کس طرف ہے۔ نواب لارڈ کرزن ہمارے سابق و سرے ہندوستان اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں کہ خیام کی قبر ایک پران سے باغ میں ہے جس میں کبھی پھولوں کی کیا ریاں اور پانی کی نہریں تھیں۔ مگر اب سوا اُنس خاشاک کے اور کچھ نہیں ہے۔ نہ قبر پر کوئی کتبہ ہے جس سے شاعر کے نام یا شہرت کا پتہ چل سکے۔ اور مقام افسوس ہے کہ آج کل کے ایرانی عمر خیام کی مٹت خاک کی طرف سے ویسے ہی بڑبڑا رہے ہیں جیسے انیسویں صدی کے اہل لندن "میتھو پیسٹس" یا "ولیم آف ہٹس بری" کی خاک کی سیڑ سے۔ مسلمانوں نے خیام کے ساتھ اس کے حیات میں اور نیز مرنے کے بعد جو کچھ کیا۔ وہ ظاہر ہے۔ لیکن ہم یورپ امریکہ کی علمی قدر دانی کے شکر گزار ہیں کہ وہ کج بھی خیام کی پرستش کر رہے ہیں۔ اسکی ربا عیات ہزاروں آدمیوں کا دین ایمان ہے۔ گورستان حیرہ کے گلاب کی قلیں لاکر باغ میں لگا دی ہیں۔

طہ خیابان فارس ترجمہ سفر نامہ حالات نیشاپور۔ ۱۱۹۵ھ عہد متوسط کا مشہور مورخ ہے جو ۱۱۹۵ھ میں پیدا ہوا۔ ہسٹوریانچر اس کی مشہور تصنیف ہے۔ ۱۱۹۵ھ میں مورخ مشہور اوس پیدا ہوا۔ فراغ تعلیم کے بعد رہبان ہو کر ماسن سی کے کلیسا میں منتم کتب خانہ ہو کر بیٹھ رہا۔ اس کی تاریخ نگہستان مشہور ہے جس میں ولیم فاتح سے لیکر ۱۱۹۵ھ تک کے واقعات درج ہیں۔ حاشیہ خیابان فارس "۱۱۹۵ھ مبرن عمر خیام کلب لندن کی توجہ سے اب قبرستان اور قبر کی طرف توجہ کی گئی ہے اور باغ درست کر دیا گیا ہے۔ باغ شاہ صغی بن شاہ محمد بن طہاسپ کی ملکیت ہے۔

اور اس کی تصویر اور منتخبِ باعیات گھڑیوں کی چین میں لٹکا کر دل کو ٹھنڈا کرتے ہیں اور خیام کی روح کو خوش کرتے ہیں۔

خیام کی نجات | موت کیا شے ہے حیات کس کو کہتے ہیں؟ یہ وہ راز ہیں جن کو کوئی حکیم آج تک حل نہیں کر سکا اور یہ دونوں عقدے لاناہل ہیں۔ آیا موت کے بعد بھی کچھ معلوم ہو سکتا ہے؟ اسکی نسبت خیام کا یہ خیال ہے کہ ”کچھ نہیں معلوم ہو سکتا ہے“

(۶۱)

دلِ سر حیات را کہا ہی دہنت در موت ہم سہ را تھی دانست
امر و زکر با خودی بندستی پیچ فدا کہ ز خود روی چہ خواہی دہنت

خیام تو دنیا سے یہ خیال لیے ہوئے چل بسا۔ اور اس کی والدہ نے مرنے کے بعد خیام کو خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ جانِ مادر! خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا خیام نے جواب دیا کہ ”مجھے خدا نے اس رباعی کے صسلے میں بخش دیا“

(۶۲)

لے رختہ رختہ رختہ رختی لے آتش دوزخ ز تو افروختی
ناکے گوئی کہ بر عمر رحمت کن حق را تو کنی بر رحمت آموختی

بیشک خدا نے خیام کے گناہ معاف کر دیئے ہونگے۔ کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔ اور خیام خدا کے سامنے اپنی طاعت اور عبادت کے حقوق لیکر نہیں گیا تھا۔ بلکہ وہ گناہوں کا اقرار کرتا ہوا گیا تھا اور اس کا یہ قول تھا کہ ”من بندہ عاصم رضائے تو کجاست“

خیام کے حاسد و دشمن | حکیم عمر خیام فلسفہ یونان کا درس دیتا تھا۔ اور رباعیات میں غیر معمولی زندگی

شونی، اور ظرافت کرتا تھا جس کی مثال میں ذیل کی رباعی پڑھو۔

(۶۳)

ابرین سے مرا شکستی ربا برسن در عیش ابرستی ربا
بر خاک برخستی مے لعل مرا خاکم بدہن کہ سختستی ربا

ان خیالات سے فقہار اور علمائے ملت اس کے دشمن ہو گئے اور انھوں نے عوام کو بہکا دیا۔ ملک میں سخت برہمی پیدا ہو گئی۔ فقہائے کفر کا فتویٰ دیدیا۔ اور خیام کے قتل کی تجویز پہنچنے لگی، تب خیام وطن کو خیر باد کہہ کر مکہ معظمہ چلا گیا۔ کیونکہ خدا کے گھر سے بڑھ کر کوئی امن و عافیت کی جگہ نہ تھی چنانچہ حج و زیارت سے فارغ ہو کر بغداد آیا۔ یہاں لوگوں نے درس و تدریس کے لیے مجبور کیا۔ تب پھر وطن چلا گیا، لیکن یہاں بھی چین نہ پایا۔ اور اہل وطن براہ راست تھے۔ چنانچہ رباعی نمبر (۶۳) کے متعلق بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ جب حکیم نے یہ رباعی لکھی تو اس کا منہ کالا ہو گیا اور گردن کج ہو گئی جب آئینہ دیکھا تو اس ہنیت کذائی کو دیکھ کر خوبے ویا اور خدا سے یوں مناجات کی۔

(۶۴)

ناکردہ گناہ در جہاں کسیت بگو و نکس کہ گنہ نکر دچوں کسیت بگو
من بکرم و تو بد مکافات دہی پس فی میان من و تو حصیت بگو

تب نے رحم فرمایا۔ منہ آجالا ہو گیا۔ اور گردن سیدھی ہو گئی۔ یہ وایت حقیقت میں حاسد کی طبع زاد ہو کسی معتمد تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ باقی رہی مناجات، یہ اسلامی نوع کا

جوش ہو، جو مسلمان سینہ میں دل رکھتا ہو، اور دل میں ایمان، اس کا یہی قول ہوگا اور وہ خدا سے
اسی طرح سے آمرزش چاہیگا۔ چونکہ شاعر باکمال ہو، لہذا عجیب و غریب انداز سے جرم کا اقرار کے
معافی چاہتا ہو جس کی مرند مثال یہ رباعی ہو۔

(۶۵)

برسینہ غم پذیر من رحمت کن بر جان و دل اسیر من رحمت کن
بر پائے خرابات رو من بخشا بر دست پیالہ گیر من رحمت کن
رباعی نمبر ۳۴ کو رباعی نمبر ۲۴ سے کوئی تعلق نہیں ہو۔ بلکہ محض تذکرہ نویسیوں کے حاشیہ میں
الزام زندہ | خیام پر الحاد اور زندگی کا الزام بھی ایسا ہی ہو جیسا کہ واقعہ مذکورہ بالا۔ جو شخص
امام موقوف کا شاگرد ہو اور مذہبی عالم، وہ لمحہ کیونکر ہو سکتا ہو؟ خیام کی شاعری چونکہ عام
خیالات اور مذاق سے بالاتر تھی، اس وجہ سے بیدنی کے الزامات اُس پر لگائے گئے۔ لیکن آج
دنیا میں کون زندہ ہو، آیا خیام یا کفر کے فتوے دینے والے!؟ خیام کو ان الزامات سے نہایت
صدمہ تھا، مگر مجبور تھا۔ چنانچہ خود کہتا ہو (۶۶)

با من تو ہر آنچہ گوئی از کیس گوئی پیوستہ مرا متحد و بیدیں گوئی
من خود مستم ہر آنچہ گوئی ہستم الفصاف بدہ، ترا رسد کیس گوئی
خیام کی بادہ نوشی | خیام کی رباعیات پڑھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہو کہ وہ اول درجہ کا زند
شرابی ہوگا۔ کیونکہ شراب، ساقی اور جام و صراحی کا وہ دلدادہ ہو اور نہایت جوش و خجندی اور
بے انتہا پیاری کے عالم میں وہ ان مضامین پر تمامہ فرسائی کرتا ہو۔ لیکن جب تک ظاہری شرابخواری

کے لیے مستند تاریخی روایتیں نہ ہوں اُس وقت تک محض الفاظ کی بنا پر ہم اُس کو باہرستی کا ملزم نہیں بنا سکتے ہیں۔ ہماری رائے میں حکیم عمر خیام حبیبِ اعلیٰ درجہ کا فلسفی شاعر تھا۔ سیاسی اپنے زمانہ کا ایک نامور اور پاکباز صوفی بھی تھا۔ اب ہم خیام سے رخصت ہوتے ہیں۔ خاتمہ اس دعا پر یہ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

حسن صباح | خواجہ حسن (نظام الملک) کے ہم مکتبہ دستوں میں حکیم عمر خیام کے بعد حسن صباح کا خاص درجہ ہے۔ لہذا حسن صباح کی ایک مختصر اور جامع سوانح عمری پیش کی جاتی ہے۔



حکیم عمر خٹام نیشاپوری



حسن صباح، بانی دولت اسماعیلیہ شیعہ

شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں حسن صباح کی کرسی، خواجہ حسن (نظام الملک) اور حکیم عمر خیام سے مقدم ہے۔ اور عظمت و جلال میں بھی یہ اپنے دونوں ہم مکتبہ دستوں سے بڑھ کر ہے۔ جسکی واضح دلیل یہ ہے کہ خواجہ حسن کو الپ اسلاں نے اپنے گورنری خراسان کے زمانہ سے ترقی دینا شروع کی تھی۔ اور جب متقل حکمراں ہوا تو وزارت کی سند اور (نظام الملک) کا خطاب لے کر وزیر عظم بنا دیا۔ اور ملک شاہ نے تو اپنی عظیم شان سلطنت کا خواجہ کو مالک ہی بنا دیا تھا۔ خواجہ کی وزارت تالیخ میں ہرون الرشید عباسی و یحییٰ برکی کے مشابہ تھے اسی طرح خواجہ نے عمر خیام کو جاگیر دیکر معاش سے مطمئن کر دیا تھا جس کی بدولت وہ علمی تحقیقات میں مصروف ہو کر ”حکیم کملایا۔ بہر حال خواجہ نظام الملک اور حکیم عمر خیام آسمان شہرت کے ایسے دو سیارے ہیں جو آفتاب سلطنت کے نور سے تاباں اور درخشاں ہوئے۔ ان کے مقابلے میں حسن صباح نے ناکامیوں کے بعد جو کامیابی حاصل کی، و محض اس کے فضل و کمال، غیر معمولی دانشمندی، اخلاص و اذہانت اور غم مایہ کرم کا نتیجہ تھا۔ حسن صباح کی نسبت یہ قول بالکل صحیح ہے

لے فارس کی تاریخوں میں حسن صباح کو بانی دولت ملاحہ و قستان لکھا ہے جس کے حدود اربعہ یہ ہیں
 شرقی ”خواف و صحرا ما بین خواف و خوار و سیستان۔ غربی ”فارس کرمان کا جنگل۔
 شمالی ”اعمال نیشاپور و سبزدار۔ جنوبی ”اعمال بختیان و بیابان کرمان
 (از صولت القایم علی)

دیکھنا آپ کھڑے ہونگے ہم اپنے بل پر غیر سے چارہ نوازی کا تقاضا کیا؟ چنانچہ حسن صبح اپنے ہی بل پر کھڑا ہوا۔ اور اپنی عالیٰ نعمیٰ سے قلعہ الموت کی چوٹی پر قبضہ کر کے دم لیا۔ اور ایک ایسے خوفناک فرقہ کا موجد ہوا جس کے حالات پڑھ کر آج بھی دل ہل جاتے ہیں۔ یہ تم اور پڑ پڑے چکے ہو کہ امام موفق نیشاپوری کی درگاہ میں، تین تو عمر عجمی الاصل شخصوں نے ایک معاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ ان دوستوں میں سے تیسرا ہی حسن صبح ہے جس کے مختصر حالات ہم لکھتے ہیں۔

حسن صباح کا نسب نامہ حسن صباح کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ حسن بن علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح الجعفری۔ خواجہ نظام الملک نے وصایا میں لکھا ہے کہ حسن کا باپ، علی، ایک عیار اور چالاک شخص تھا اور اس کی سکونت ے میں تھی۔ اس نے مانے میں ے کا حاکم ابو سلم (خسر خواجہ نظام الملک) ایک نینداز شخص تھا۔ اس لیے وہ علی سے نفرت رکھتا تھا۔ اور علی ابو سلم کے سامنے اپنے عقائد کی صفائی ظاہر کرتا۔ اور جھوٹی فتیں کھا کر ابو سلم کو باور کراتا تھا کہ میں سچے عقائد کا مسلمان ہوں امام موفق نیشاپوری اس عہد میں اہل سنت و جماعہ کے امام تھے۔ لہذا علی اپنے رفض کی تہمت رفع کرنے کو یہ چال چلا کہ حسن کو تعلیم کے لیے امام صاحب کے حلقہ درس میں داخل کر دیا اور خود عسفیوں کی طرح گوشہ نشین ہو گیا۔ لیکن حالت یہ تھی کہ ممدانہ، اور کفر و زندقہ کی روایتیں

۱۷۰۰ ہجری کی روایت ہو کہ حسن صباح کے باپ علی کا مذہب اسمعیلیہ تھا۔ اور وہ ایک اہل عالم شخص تھا۔ البتہ دوران تقریر میں کبھی وہ ایسی باتیں کہتا تھا جو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوتی تھیں اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ معتزلہ کے اقوال ہیں۔
۱۷۰۰ حسن صباح سات برس کی عمر میں مکتب میں بیٹھا اور سترہ سال تک مگر میں پڑھتا رہا۔ غالباً اس کے بعد نیشاپور آیا ہو۔

بیان کیا کرتا تھا۔ اور اپنے کو عرب مشہور کیا۔ اور کہتا تھا کہ میں صباح حمیری کی اولاد ہوں اور میرا باپ احمد امین سے کوفہ میں اور وہاں سے قم اور قم سے رے میں آکر سکونت پذیر ہوا لیکن اصحاب غراسان خصوصاً ابالی طوس کا قول ہو کہ علی اولس کے اجداد اسی ولایت کے کسی گاؤں کے باشندے تھے۔ اور حسن صباح کی ولادت بھی بمقام قم ہوئی تھی۔

حسن صباح خواجہ جن اور خیرام کا معاہدہ اس معاہدہ کا تذکرہ خواجہ کے ابتدائی حالات میں ہو چکا ہے۔ اس کی نسبت دبستان مذاہب کی روایت ہو کہ حسن صباح سے علی نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ در خواجہ جن دنیاوی اعزاز میں بہت ترقی کریگا۔ اور وہ (حسن صباح) دین اور دنیا دونوں میں مرجع خلایق ہوگا۔ اس لیے حسن صباح نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں معاہدہ کر لیا تھا۔ بہر حال یہ معاہدہ جس بنا پر ہوا ہو لیکن اس میں شک نہیں ہو کہ اس عہد کو سب نے دلی مسرت اور خوشی سے قبول کیا۔ خواجہ نظام الملک نے وزیر ہو کر اس معاہدہ کو پورا کیا۔ چنانچہ فراغ تعلیم کے بعد طلبہ مدرسہ سے چلے گئے اور ہر ایک اپنی قیمت آزمائی کرنے لگا۔ خواجہ جن تو چغری بیگ سجونی کے دربار میں پہنچا۔ اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے عہد الپ ارسلان میں وزیر عظم ہو گیا۔ اسی زمانے میں حسن صباح خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ خواجہ کا بیان ہو کہ الپ ارسلان کے زمانے میں حسن صباح کو کوئی شخص غراسان میں جانتا بھی نہ تھا لیکن سلطان ملک شاہ کے زمانے میں ۶۶۵ھ میں قاور د کے بعد بمقام نیشاپور میرے پاس آیا۔ میں نے جہانک نمک تھا حق خدا ادا کیا، اور اس کی عزت افزائی اور خاطر داری میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ اور میرے ریلو کہ

لے نظری ہٹری آف پرشیا پر و فیبرادن، حالات حسن صباح ۵۵ء ملایا

حسن صباح کے ساتھ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن مجھ سے حسن صباح نے کہا کہ خواجہ
تو اصحابِ تحقیق اور اہل یقین سے ہو اور خوب جانتا ہو کہ دنیا ایک متاعِ قلیل ہے، ممکن ہو کہ اسی
محبت میں پھنکر تو وعدہ خلائی کرے اور زمرہٴ نیکفون عبد اللہ میں داخل ہو، میں نے کہا
کہ "حاشا وکلا، میں نقضِ معاہدہ کر دوں گا" تب حسن صباح نے کہا کہ "آپ کی مہربانیاں تو مجھے
بے انتہا ہیں لیکن شرطِ معاہدہ یہ نہیں ہو خواجہ نے کہا سچ کہتے ہو، جاہ و منصب بلکہ میری تمام
جائداد کے تم حصہ دار ہو" اس کے بعد میں نے حسن صباح کو ملک شاہ کے حضور میں پیش کر دیا۔ اور
سمرقند کے وقت گزشتہ واقعات کا بھی تذکرہ کر دیا اور حسن صباح کی عقل و دانش اور سیرت
اخلاق کا اس قدر ذکر کیا کہ وہ سلطان کا معتمد خاص بن گیا۔ پھر اپنی چالاکی سے تھوڑے دنوں
میں سلطان کے مزاج میں دخل ہو گیا۔ اور اس قدر اعتبار پیدا کر لیا کہ سلطان ہتم باشا کا ہاتھ
میں اس کے مشورہ پر چلتا تھا۔

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ حسن صباح کی خواہش پر اس کو خواجہ نے
ہمدان اور دیور کی حکومت پر نامزد کر دیا تھا۔ لیکن حسن صباح تو یہ منشا تھا کہ خواجہ اس کو اپنی وزارت
میں شریک کرے تاکہ موقع پا کر وہ خود بلا شرکتِ غیرے وزیرِ عظم ہو جائے۔ لہذا حکومت ہمدان
سے انکار کر دیا، اور اس فکر میں ہوا کہ خواجہ کو سلطان کی نظروں میں ذلیل کر کے اس کے اموج
حشم سے گرا دے۔ چنانچہ ذیل کے دو واقعات اس کے شاہد ہیں جس کو خود خواجہ نظام الملک
نے کتابِ حایا میں بیان کیا ہے۔

ایک سیانی غلطی حلب میں ایک قسم کا سنگ خام پیدا ہوتا ہے جس کے برتن بنائے جاتے ہیں۔ سلطان ملکشاہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اس پتھر کی ایک کافی مقدار اصفہان پہنچا تا چاہے باز اچھا دینی (سوق العسکر) کا ایک شخص اس بات سے آگاہ تھا۔ جب سلطان حلب سے واپس آیا، تو اس شخص نے دو عربوں سے جن کے پاس بار برداری کے اونٹ تھے یہ بات کہی کہ اگر تم پانسون سنگ خام اصفہان کو پہنچا دو تو مقررہ کرایہ سے میں تم کو دو چنڈ کرایہ دوں گا۔ انھوں نے منظور کر لیا۔ لیکن ان دونوں کے پاس اونٹوں پر ہر ایک کا ذاتی اسباب بھی پان پانسون تھا اس زمانہ میں من کی مقدار بہت قلیل تھی (چنانچہ ان دونوں نے پانسون سنگ خام کو اپنے اونٹوں پر تقسیم کر لیا۔ ان میں سے ایک کے چار اور دوسرے کے چھ اونٹ تھے۔ چنانچہ وہ شخص مع اونٹوں کے داخل اصفہان ہوا۔ جب سلطان سے اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس شخص کو خلعت مرحمت کیا۔ اور اونٹ والوں کو ایک ہزار دینار انعام دیئے، ان لوگوں نے مجھ سے خواہش کی کہ انعام تقسیم کر دیا جائے چنانچہ چھ اونٹ والے کو چھ سو اور چار والے کو چار سو دینار میں نے دیدیئے صبح نے سنا تو کہا کہ ”خواجہ نظام الملک نے تقسیم انعام میں غلطی کی ہے اور روپیہ کو بیجا طور پر دیدیا اور جو سستی تھا اس کا حق بدستور سلطان پر باقی رہا۔ چھ اونٹ والے کو آٹھ سو اور چار والے کو دو سو دینار ملنا چاہیئے تھا۔“ چنانچہ جب یہ خبر سلطان تک پہنچی تو اس نے مجھے طلب کیا میں حاضر ہوا جس صبح بھی موجود تھا۔ سلطان مجھے دیکھ کر ہنس پڑا۔ اور جس صبح سے کہا کہ اب تقسیم انعام کا واقعہ بیان کرو صبح نے کہا کہ ”اونٹوں کا بوجھ تین مسادی حصوں پر تقسیم تھا اور اونٹ تعداد میں اس میں۔ لہذا

دس اور تین کا حاصل ہر تیس ہوا۔ اب جس کے چار اونٹ ہیں اُس کے بارہ سہام اور دوسرے کے اٹھارہ سہام ہوئے یعنی ہر حصہ دس کے برابر ہے، باقی رقم فاضل ہے۔ کیونکہ اس میں اُن کا ذاتی بوجہ شامل ہے۔ لہذا چھ اونٹ والے کو اٹھ سو اور چار اونٹ والے کو دو سو دینار ملنا چاہیئے تھا۔ اس حساب کو شکر ملک شاہ نے کہا کہ ”تم نے مجل بیان کیا ہے اسی کو تفصیل سے بیان کرو“ تب حسن نے کہا کہ خداوند نعمت اُگل اونٹ دس ہیں اور کُل وزن پندرہ سو من ہے اسلئے فی اونٹ ڈیڑھ سو من وزن ہوا، اب جس کے چار اونٹ ہیں وہ چھ سو من لایا، اس میں سے کچھ ذاتی پانسون اور سرکاری ایک سو من ہے۔ اسی طرح دوسرے کے چھ اونٹ ہیں وہ نو سو من لایا، جس میں سے پانسون اُس کا ذاتی اور چار سو من سرکاری ہے۔ ہزار دینار پانسون کا معاوضہ ہے لہذا ذاتی سو من دو سو دینار کا حصہ ہوا چنانچہ چار والے کو دو سو اور چھ والے کو اٹھ سو دینار ہر دو حساب ملنا چاہیئے تھا۔ اور جبکہ انعام دیا گیا ہے تو اس صورت میں وزن کا بجا نہیں کیا جا سکا۔ دونوں کو برابر حصہ ملنا چاہیئے۔ ”جب حسن صباح تقریر کر چکا تو سلطان نے اس خیال سے کہ میری دشمنی انہو بات کو مذاق میں ڈال دیا“ اور ہنسنے لگا۔ لیکن میں نے سمجھ لیا کہ اس واقعہ کا سلطان کے دل پر کیا اثر پڑا ہے؟

نوٹ (صفحہ باقی) حسابی قاعدہ سے اس سوال کا حل اس طرح ہے:

$$\begin{array}{rcl} 12 = 3 \times 4 & 30 = 12 + 18 & 12 = 3 \times 4 \\ 30 = 3 \times 10 & 18 = 3 \times 6 & 10 = 3 + 7 \\ 7 = 10 - 3 & 3 = 10 - 7 & 7 = 10 - 3 \end{array}$$

لے حسابی حل یہ ہے۔

$$\begin{array}{rcl} \text{کل بوجہ اونٹ ردی} & \text{من} & \\ 1500 = 10 \div 1500 & 400 = 2 \times 200 & 2000 = 200 \times 10 \\ 1000 = 10 \times 100 & 2000 = 200 \times 10 & 2000 = 200 \times 10 \end{array}$$

۱۰ کتاب لوصا یا نظام الملک

سلطنت کا جمع خرچ اس واقعہ سے بڑھ کر دوسرا واقعہ یہ ہو کہ حسن صباح نے مصاحبوں کے ذریعہ سے سلطان کے کان تک پہنچا دیا کہ سلطان میں برس سے حکمران ہو اس کو اپنی سلطنت کے جمع خرچ سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ اس بنا پر ایک دن ملک شاہ نے مجھ سے پوچھا کہ "تم ایک ایسی مکمل رپورٹ کتنے دن میں تیار کر سکتے ہو کہ جس سے تمام سلطنت کے محاصل و خرچ کی تفصیل معلوم ہو سکے۔" میں نے عرض کیا کہ "خداوند نعمت کی سلطنت کا شعر سے روم اور اناطولیہ تک پھیلی ہوئی ہے، اگر میں بڑی کوشش کروں تب دو سال میں مرتب کر سکتا ہوں۔" لیکن حسن صباح نے بڑھ کر عرض کیا کہ "میں ایسی رپورٹ چالیس دن کے اندر پیش کر سکتا ہوں بشرطیکہ وزیر و وزارت مع عہد میرے پروردگار دیا جائے۔" چنانچہ ملک شاہ نے امتحاناً حسن صباح کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اور حسن نے مین المیعا و جمع خرچ مرتب کر لیا۔ اور دربار میں ملک شاہ کے سامنے لا کر پیش کیا۔ لیکن جب سلطان نے سوالات کرنا شروع کیے تو حسن جواب نہ دے سکا اور حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ خواجہ نظام الملک نے موقع کو غنیمت سمجھ کر دست بستہ عرض کیا کہ خداوند نعمت! انہیں مشکلات کے خیال سے میں نے دو سال کی مدت چاہی تھی۔ اتنی بڑی سلطنت کا جمع خرچ چالیس دن میں کیونکر مرتب ہو سکتا ہے؟ ملک شاہ حسن صباح سے سخت ناراض ہوا اور ارادہ کیا کہ حسن صباح کو سزا دے۔ لیکن خواجہ کی سفارش سے دربار سے نکلوا دیئے پرکفایت کی گئی۔ اس واقعہ کو لکھ کر خواجہ نظام الملک کہتا ہے کہ "حسن صباح نے حقیقت میں نکال کیا تھا کہ اتنی

۱۷ دولت شاہ تہرقندی صفحہ ۶۴ و ۶۵ از مع وصایا۔ ۱۷ و ۱۸ بتان اہمب میں لکھا ہے کہ خواجہ نے حکمت عملی سے حسن صباح کے ہاں سے رپورٹ منگا کر اس کے اوراق منتشر کر دیئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان کے کسی سوال کا حسن صباح صحیح جواب نہ دے سکا۔

۱۸ تذکرہ دولت شاہ میں لکھا ہے کہ خواجہ کے رکابدار نے حسن صباح کے خادم کو ملا کر حیرت کے اوراق منتشر کرادیئے تھے اسوجہ سے

قلیل مدت میں جمع خرچ مرتب کر لیا۔ مگر چونکہ حسن نے ازراہ حسد و نقض عہد یہ کارروائی کی تھی۔ لہذا خدا کے فضل و کرم سے پیشی حساب کے وقت اس کو خجالت اٹھانا پڑی اور پھر وہ اصفہان سے چلا گیا۔ اگر خدا نخواستہ حسن صباح کو جمع خرچ کے معاملہ میں شکست نہوتی، تو پھر مشکلات کا سامنا تھا۔

حسن صباح کی بیڑیاری | حسن صباح کا دربار سے ذلت کیساتھ نکلوا دیا جانا ایک معمولی بات تھی لیکن جس کے لیے یہ دگلدہ ازاد و جانفزا صدمہ تھا جس نے اسکو نظام الملک اور دولت سلجوقیہ کا دشمن بنا دیا تھا۔ خواجہ نظام الملک کے مقابلہ میں حسن صباح کو ناکامی ہوئی، لیکن محققین کے نزدیک نیا کامی اُس کی آئندہ بلند قبائی کا عنوان تھا۔ چنانچہ دربار سے نکل کر وہ اصفہان پہنچا اور ملکشاہ و خواجہ کے خوف سے اپنے دوست رئیس ابو الفضل کے مکان میں گوشہ گیر ہو گیا۔ ابو الفضل نے بڑے اعزاز سے مہمان رکھا۔ ایک دن پیر پیل تک کہ حسن صباح نے کہا کہ "اگر مجھے دو یا رفیق ملجاتے۔ تو میں اس ترک (ملکشاہ) کی سلطنت اور اس بیہوشی (خواجہ نظام الملک طوسی) کی وزارت کو توبہ والا کر دیتا" ابو الفضل نے اپنی دشمنی سے سمجھا کہ میرا معزز مہمان دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور محض اس خیال سے دسترخوان پر ایسی غذائیں آنے لگیں جس سے دل و دماغ کو تعوییت پہنچے جس سے اپنے نادان دوست کا مطلب سمجھ گیا۔ اور چپ چاپ اصفہان سے چلتا ہوا۔

اس وارہ گردی میں اُس کی ملاقات فرقہ اسماعیلہ کے رفیقوں سے ہوئی۔ جو اس زمانہ میں تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے جنہوں نے اُس کو سمجھایا کہ "خلفائے فاطمیہ مصر صلی امام

(بقیہ نمونہ قبل) حسن صباح ملکشاہ کے کسی سوال کا جواب نہ دیا۔ ۱۰۰۰ سالہ نامہ نثر میں حالات حسن صباح صفحہ ۱۰۰۔

ہیں جن کی تقلید ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور دنیا میں سب سے بہتر مذہب اسماعیلہ ہے، حسن صباح
 حیاتِ لات میں ڈوبا ہوا تھا کہ خوش قسمتی سے اُس کی ملاقات (مقام سے) عبدالملک بن عطاء
 سے ہوئی۔ جو صوبہ عراق کا داعی الکبیر تھا۔ اور چو اپنی جانب سے مذہب اسماعیلہ کی اشاعت
 کے لیے لوگوں کو داعی (مشری) بنا کر بھیجتا تھا۔ چنانچہ حسن بھی عبدالملک کے حلقہ اطاعت
 میں آگیا۔ چونکہ حسن صباح ایک فہن اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ لہذا اُس کو اشاعتِ مذہب کی
 عبدالملک نے اجازت دیدی، اور یہ بھی ہدایت کی کہ ”مصر جا کر خلیفہ المستنصر بالله کی زیارت و
 حسن صباح مصر میں چنانچہ مصر پہنچا۔ خلیفہ حسن کے حالات سے دل ہی دل
 کر دیا گیا تھا۔ لہذا خلیفہ نے حسن صباح کی بڑی خاطر کی، اور ڈیڑھ برس تک اپنا گمان بکھا۔ یہاں
 حسن نے دار الحکمتہ (الاج) میں تعلیم پائی۔ اور امام کی طرف سے اجازت دینی گئی کہ وہ لوگوں کو عام
 دعوت دے لیکن حسن ہنوز مصر میں موجود تھا کہ مستنصر نے اپنے بیٹے نزار کو ولیعہدی سے خراج
 کر کے اپنے دوسرے بیٹے احمد المستعلی باللہ کو ولیعہد کر دیا۔ یہ انقلاب عوام اور امیر الجیوش
 بدرجالی کی وجہ سے ہوا تھا۔ حسن نزار کا طرفدار تھا کیونکہ حسن کی رائے میں امام کا حکم منسوخ
 نہیں ہو سکتا تھا۔ اور فریقِ ثانی کہتا تھا کہ دوسرا حکم اول کا نسخہ ہے لہذا ابوالقاسم احمد المستعلی
 امام برحق ہے۔ جب امیر الجیوش کو معلوم ہوا کہ حسن نزار کی خفیہ دعوت کر رہا ہے تو تباہ میر نے

۱۔ کتابِ بستانِ مذہب وین اسلام جلد دوم صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴

بحکم مستنصر حسن کو قلعہ دیماط میں قید کر دیا۔ اتفاق سے اُسی دن قلعہ کا ایک بچہ جو نہایت مضبوط تھا گر پڑا۔ اُس کو لوگوں نے حسن کی کرامت سمجھا۔ آخر الامیر نے حسن کو قلعہ سے نکال کر چند عیسائیوں کے ہمراہ ایک جہاز پر بٹھلا کر افریقہ روانہ کر دیا۔ حسن مجبور تھا اتفاق سے سمندر میں طوفان آگیا تمام مسافر بدحواس ہو گئے لیکن حسن نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مسافر نے پوچھا ”اے کس اطمینان سے بیٹھے ہیں“ حسن نے جواب دیا کہ مجھے امام جوہر نے فی اطلاع دی ہے کہ ہمارے ڈوبے گا“ تھوڑی دیر میں طوفان جاتا رہا۔ اور سمندر کو سکون ہو گیا۔ توبہ نے حسن کے قدم چومے اور اُس کو ایک لیٹلے تسلیم کر لیا۔ (حقیقت یہ ہے کہ اتفاقاً حسن نے حسن صباح کو ہر جگہ کامیاب بنا دیا) جب جہاز ساحل شام پر پہنچا تو حسن جہاز سے اتر اُتر آیا۔ اور خشکی لے راستہ سے دیار بکر، جزیرہ روم، حلب، بغداد، خوزستان ہوتا ہوا اصفہان پہنچا۔ اور ان تمام بلاد میں وہ مذہب اسمعیلہ کی دعوت کرتا رہا۔ اور اسی مقام سے رودبار کو ہٹا دیا وغیرہ میں اپنے نائب وانہ کیلئے چنانچہ تین سال کے اندر جب حسن کے مریدوں کی ترقی ہو گئی۔ تب ایک قصبہ میں جو قلعہ الموت کے قریب تھا جا کر ٹھہر گیا اور کمال زہد اور پارسائی سے سہتے لگا۔ چند سال میں قصبہ کے بہت سے لوگوں نے حسن کے بات پر بیعت کی۔ اور چونکہ قلعہ کے فوجی سپاہی بھی حسن کے مرید ہو چکے تھے لہذا انھوں نے باہر رجب ۵۸۳ھ رات کی وقت حسن صباح کو قلعہ میں پہنچا دیا۔ اور اس عارضی قبضہ کے بعد حسن نے قلعہ پر مستقل قبضہ کر لیا جسکی

صراحت حسب ذیل ہے۔ قلعہ الموت (بروزن جبروت) ناجیہ روہ بار میں شہر قزوین اور دریائے فرات کے مابین واقع ہے۔ اور یہ کل علاقہ طالقان کے نام سے مشہور ہے۔ اور قلعہ پیچیدہ گھاٹیوں کے اندر واقع ہے۔ اور اس قدر بلند ہے کہ کسی تیر انداز کا تیراؤں کی چوٹی تک نہیں پہنچ سکتا ہے نہ اس پر خندق نصب ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں یہ روایت مشہور ہے کہ سلاطین دیالمہ میں سے کسی نے لشکار کے لیے عقاب اڑایا تھا۔ چنانچہ عقاب لشکار مار کے بلندی پر جا کر بادشاہ اور ہمراہی لشکار کے تعاقب میں جب اس مقام تک پہنچے۔ تو اس کو ایک محفوظ جگہ سمجھ کر ایک عایشان قلعہ تعمیر کرایا۔

اور قلعہ کا نام آلہ الموت رکھا۔ جو کثرت استعمال سے الموت ہو گیا (دہلی زبان میں آلہ الموت کے معنی آہستیانہ عقاب یا تعلیم العقاب کے ہیں۔ مصنف نگارستان لکھتا ہے کہ یہ امر بھی اتفاقاً سے ہو کہ آلہ الموت کے عدد بحساب جل چار سو تراسی ہوتے ہیں۔ جو حسن صباح کے قبضہ کا ابتدائی سال ہے۔ غرض کہ قلعہ کے اندر پہنچ کر حسن صباح نے ہمدی علوی قلعہ دار سے کہا کہ ”دوسرے شخص کی ملکیت میں عبادت جائز نہیں ہے۔ اور یہ مقام ایسے گوشہ عافیت میں واقع ہے کہ جس کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ لہذا اس قدر زمین جو ایک چوسہ کے اندر آجائے مجھے دید و جس کی قیمت تین ہزار دینار ادا کرونگا۔“ ہمدی نے عقیدہ تمندی اور طمع نفسانی سے اس قدر آراضی کہ بیع میں کچھ مضائقہ نہ سمجھا

۱۔ گنج دانش صفحہ ۴۶۷۔ ۲۔ صوبہ روہ بار میں تقریباً چار سو قلعے ہیں لیکن سب زبردست الموت و درمیں ہیں (نزہت القلوب حمد اللہ) و کمال شیر صفحہ ۱۱۰۔ جلد ۱۰۔ ۳۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ ”آلہ الموت“ ایک شکاریوں کی اصطلاح ہے جس پر شکاری جانور ہلے جاتے ہیں۔ کمال شیر صفحہ ۱۱۰۔ جلد ۲۔ و مرآۃ البلدان ناصری صفحہ ۹۳۔ نزہت القلوب میں لکھا ہے کہ اس جگہ عقاب اپنے بچوں کی پرورش کرتے تھے اس لیے اس کا نام آہستیانہ عقاب قرار پایا ۴۔ نگارستان صفحہ ۲۳۱۔

۵۔ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۶۲۔ ۶۵۔

لہذا حسن صباح کے نام سے کیا مکہ دیا۔ اس کے بعد حسن نے یہ کارروائی کی کہ کھال کی باریک پھیلا کر لکڑی اور ایک میں جوڑ کر اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ قلعہ الموت اُس کے اندر آگیا۔ قلعہ دار یہ پالیٹ دیکھ کر حیرت رہ گیا۔ مگر بیچ کے بعد کیا کر سکتا تھا؟۔ اب حسن کے مریدوں نے ہمدی کو قلعہ سے بیدل کر دیا اور زر ثمن کے لیے حسن صباح نے ایک قلعہ اپنے مرید رئیس منظر کو جو قلعہ گرد کوہ کا حاکم تھا لکھ دیا۔ جس کا مضمون حسبِ ذیل ہے۔

رئیس منظر حفظہ اللہ تعالیٰ۔ مبلغ سہ ہزار دینار بہائے قلعہ الموت بہ جلوی ہمدی رساند علی النبی المصطفیٰ وآلہ السلام حبنا ونعم الوکیل۔ چنانچہ ہمدی نے رئیس منظر سے قیمت وصول کر لی اور قلعہ حسن صباح کا قبضہ ہو گیا۔ جس میں پینتیس برس تک خود حسن نے حکومت کی اور اس کے بعد اُس کے سات جانبین حکمراں ہوئے چنانچہ ایک سو تترس گیارہ مہینے اٹھائیں دس چاروں کی مجموعی حکومت رہی۔ حسن نے اس قلعہ کا نام بلدۃ الاقبال رکھا تھا۔ اور واقعی یہ نام ہر طرح سے موزوں تھا۔ جب قلعہ الموت حسن صباح کا قبضہ ہو گیا تو اُس کا دوست رئیس ابو الفضل اصفہانی ملاقات کے لیے آیا۔ اُس وقت حسن نے کہا کہ ”فرمائیے حضرت! میں یوانہ تھا یا آپ ہیں۔ دیکھ لیا جب مجھے یاران موافق مل گئے تو میں نے کیا کیا؟ ابو الفضل نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور حسن کی دانشمندی کا قائل ہو گیا۔

قلعہ الموت پر فتح کئی [جب حسن صباح کو بیٹھنے کے لیے الموت جیسا مستحکم اور محفوظ قلعہ مل گیا، تب اُس نے بڑے استقلال اور قابلیت سے اپنے مذہبی خیالات کو پھیلانا شروع کیا۔ اگرچہ خلفائے فاطمیوں کا

نائب تھا۔ لیکن حقیقت میں غفار کی اطاعت بے نام تھی، اور وہ بھی مصلحتاً غرض کہ حسن صباح نے صوبہ رودبار اور قزوین میں خاص توجہ سے اپنا مذہب پھیلانا شروع کیا۔ اور اس صوبہ کے بہت سے آدمی اپنی خوشی سے اور بہت سے جبراً داخل مذہب کیے گئے۔ اور مذہب کی آڑ میں تمام صوبہ رودبار اور کوہستان میں حسن صباح کی حکومت بھی قائم ہو گئی۔ اور مختلف مقامات پر اپنی ضرورت کے مطابق قلعوں کی مرمت کی گئی۔ اور بعض مقامات پر نئے قلعے بنائے گئے اور قلعہ الموت کو بحیثیت مرکز و دار الحکومت خوب مستحکم کر لیا۔ اور اس کے گرد عالیشان محلات بنائے اور باغات لگائے جب تک کہ نظام الملک اور ملک شاہ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو اہل خواجہ نے حکمت عملی سے کام لینا چاہا۔ اور اُس کی یہ تدبیر کہ کہیں سلطان کی طرف سے ایک سفارت الموت کو روانہ کی اور حسن صباح کو سلطان کے شاہانہ جاہ و جلال سے ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا حسن صباح نے شاہی سفارت کی کچھ پرواہ نہ کی اور رخصت کے وقت سفیر سے کہا کہ میری طرف سے ملکشاہ سے کہدینا کہ وہ ہم کو پریشان نہ کرے ورنہ مجبوراً مقابلہ کرنا پڑیگا۔ ملکشاہ نے جب حسن صباح کے حالات سفیر کی زبانی سنے۔ تو دو سال کے واسطے فوج کشی ملتوی کر دی اور ۶۶۴ھ میں قلعہ الموت پر فوج بھیجی گئی، امیر ارسلان سپہ سالار نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور تاخت و تاراج سے قلعہ والوں کو بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ اس وقت قلعہ میں حسن کے پاس صرف شتر آدمی تھے اور ممکن تھا کہ حسن گرفتار ہو جائے لیکن اُسی وقت قزوین سے تین سو سپاہی

سلطان حسن صباح کے ہتھیال میں غیر معمولی دفعہ ہوا اور سلطان کو ایسے عظیم الشان اقدہ کی اطلاع تک میں ہوئی اس کے متعلق حصہ اول صفحہ ۱ کا نوٹ ملاحظہ ہو۔ ۶۶۵ھ تا ۶۶۷ھ کا ملاحظہ فرمائیں جس میں سفارت کی تفصیل ۶۶۵ھ گنج دانش صفحہ ۴۱۳ و ۴۱۴ و ۴۱۵ میں مذکور ہے۔

بدو کے لیے آگئی جس کو ابو علی نے زوانہ کیا تھا۔ اور انھوں نے امیر ارسلان کی فوج پر شہ
اور بے انتہا مال غنیمت حاصل کیا جب اس ہزیمت کی سلطان کو اطلاع ہوئی۔ تو سلطان
قرنل ساروق کو ایک زبردست فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ قلعہ کے باہر لڑائی ہوئی اور قریہ
قلعہ والے حسن کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں۔ مریدیوں کی بدحواسی دیکھ کر حسن صبح کے لکھا کہ "ا
کا ارشاد ہی کہ کوئی شخص قلعہ سے باہر نہ جائے کیونکہ ہماری کامیابی اور بلند قیامی اسی قلعہ
ہی" اور دوسری تدبیر یہ کہ ایک فدائی کو خواجہ نظام الملک کے قتل کا حکم دیا جس نے خ
کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ کے منہ پسین بعد بمقام بغداد سلطان ملکشاہ کا بھی انتقال ہو گیا
روایت یہ ہے کہ حسن صبح نے زہر خورانی کے ذریعہ سے ہلاک کیا۔ ایسی حالت میں جنگ کیونکہ
رہ سکتی تھی الملوٹ سے فوجیں واپس آئیں۔

سلطان ملکشاہ کے انتقال پر شاہزادہ برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کی تر
(بگیم ملکشاہ) نے خوف زدہ ہو کر برکیارق سے صلح کر لی۔ اور سلطنت برکیارق اور محمود
ہو گئی لیکن محمود کا انتقال ہو گیا اور چار برس بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے
کی اور عراق پر قبضہ کر لیا۔ اور مسلسل لڑائیوں کے بعد ۴۹۸ھ میں برکیارق اور محمد میں پھر
کے حصے ہو گئے اور اس سات برس کے زمانہ میں حسن صبح سے تعارض نہیں کیا گیا چنا
خانہ جنگیوں سے حسن نے غریب فائدہ اٹھایا۔ اور قلعہ کرد کوہ، لاسر، رودبار وغیرہ پر حوشتا

خواجہ نظام الملک کے قتل اور انتقال ملک شاہ کے حالات حصہ اول صفحہ ۱۸۶-۱۹۱ پر اپنا چاہیے
تفصیل کے لیے دیکھو نوٹ مندرجہ اول صفحہ ۱۷۰۔

تھے قبضہ کر لیا۔ ان فتوحات سے حسن صباح کا اور بھی اقتدار بڑھ گیا اور اطمینان سے اشاعت مذہب کے لئے لگا۔

مذہب اسماعیلیہ بالینس کی مختصر تاریخ | فرقہ اسماعیلیہ بھی مذہب شیعہ کی ایک شاخ ہے، جو حضرت امام اسماعیل بن حضرت امام جعفر صادق سے منسوب ہے۔ اس فرقہ میں امامت کا سلسلہ اس طرح پر ہے کہ (اول) امیر المومنین علی بن ابی طالب متوفی ۴۰ھ۔ (دوم) امام حسن متوفی ۶۵ھ۔ (سوم) امام حسین شہید کربلا ۶۱ھ۔ (چہارم) امام زین العابدین متوفی ۹۰ھ۔ (پنجم) امام محمد باقر متوفی ۱۱۴ھ۔ (ششم) امام جعفر صادق متوفی ۱۴۸ھ۔

امام صاحبِ وقت کے دو نامور صاحبزادے امام موسیٰ کاظم و امام اسماعیل ہوئے چنانچہ یہ فرقہ امام اسماعیل کو ساتواں امام تسلیم کرتا ہے۔ اور امام موسیٰ کاظم حسن سے ائمہ اثنا عشر کا سلسلہ پورا ہوتا ہے ان کو امام نہیں مانتا جب فرقہ مخالف نے یہ اعتراض کیا، کہ حضرت اسماعیل کا انتقال امام جعفر صادق کی حیات میں ہو گیا تھا، تو انھوں نے جواب دیا کہ ”امام کی حیات میں امامت کا انتقال دوسرے پر جائز ہے“ اور امام محمد بن اسماعیل کی نسبت ان کا قول ہے کہ انھوں نے ساتویں امامت کا تکلیف کیا ہے اور وہ خود مستقل امام نہیں ہیں بلکہ سابع تام ہیں۔ بہر حال امام محمد بن اسماعیل پر اس فرقہ کے نزدیک ظاہری امامت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور بعد ازاں ائمہ مستور کی امامت شروع ہوئی یہ امام محمد مکتوم بن اسماعیل، جعفر مصدق بن محمد مکتوم اور عیسیٰ بن جعفر مصدق ہیں۔ ائمہ مستور کے نقیب علانیہ دعوت کرتے تھے اور وہ خود مخفی طور پر سیروس و سیاحت میں مصروف تھے۔ الغرض

سلسلہ باطن کے بعد پھر ظاہر اماموں کا سلسلہ شروع ہوا جن میں سب سے پہلے امام ابو محمد علیہ السلام
 ملقب بہ ہمدی ہیں۔ ہمدی کا دار السلطنت قیروان (مغرب) تھا۔ بعد ازاں جب شہر ہمدیہ آباد
 ہو گیا۔ تو اس کو دار الحکومت بنایا۔ خلفائے فاطمین مصر ہمدی کی اولاد ہیں۔ ہمدی نے بڑا
 مغرب میں مذہب اسماعیلہ کی خوب شاعت کی۔ اور اہل مغرب کو باور کرایا کہ وہ اس حدیث
 نبوی کے مطابق یعنی علی اس ثلاث مائتہ یطلع الشمس من مغربہا اس عہد کا مجدد
 اور امام ہے۔ ہندوستان سے لیکر مصر اور مغرب تک یہ فرقہ اسماعیلہ کے نام سے مشہور رہا ہے۔
 اور حقیقت میں یہی پہلی اسماعیلہ ہیں۔ اس فرقہ نے قدیم مذہب ثنا عشری سے سب سے پہلا
 اختلاف یہ کیا کہ امامت جو بارہ اماموں میں محد و تھی اس کو غیر محد و کر دیا۔ اور بجائے
 ائمہ کے ہر امام کے اثنا عشر نقیب تجویز کیے۔ اور اپنے یہاں امامت کا شمار سات ہی پر رکھا۔
 محمد و انیس کیا بلکہ یہ قید لگائی کہ امام کا دورہ سات سات پر ختم ہوتا رہے گا اور سات کی تخصیص
 اس لیے کی کہ نظام عالم کا بڑا حصہ سات میں محد و ہے۔ مثلاً آسمان سات ہیں ہفتہ کے دن
 سات ہیں، مشہور ستارے (سبعہ سیارہ) سات ہیں علیٰ ہذا القیاس دوسرے سالہ یہ ہے کہ کوئی زمانہ

۱۔ سلسلہ امامت حبیب بن عبد اللہ بن حسن بن علی بن محمد (۲) ابو القاسم محمد ملقب بائم ہار اللہ (۳) ابو طاهر
 ملقب بنصیر باللہ (۴) ابو تیم محمد ملقب بہ زین اللہ (۵) ابو منصور زرار ملقب بہ عزیز باللہ (۶) ابو علی منصور
 ملقب جاہک ہار اللہ (۷) ابو الحسن علی ملقب باظهار لا غزادین اللہ امام اول عبد اللہ کے نسب میں بہت اختلاف ہے
 جس کی تفصیل ابن خلکان وغیرہ میں ہے۔ مغرب میں عبد اللہ کی امامت منسلکہ میں ہوئی اور منسلکہ میں مقام ہمدیہ منتقل کیا
 ۸۔ مرتبہ۔ منسلکہ کے شروع میں آفتاب مغرب سے طلوع کر گیا، لفظ آفتاب بعض نے عبد اللہ ہمدی بعض نے محمد بن عبد اللہ
 مراد کیا۔ چونکہ شروع میں جو بھی کسی مرتبہ ہوئی تھی منسلکہ کتاب الملل والنحل و ریاستان مذہب طالات بالغنیہ و اسماعیلہ۔

امام ظاہر ماستور سے خالی نہیں رہتا ہی جیسا امام مستور ہوتا ہی اُس وقت ان کے نقیب دعوت کرتے ہیں۔ اور جب امام ظاہر ہوتا ہی اُس وقت نقیب مخفی دعوت کرتے ہیں۔ اس مسئلہ نے پوپل سارنٹوں کو جہز مذہب بنا دیا۔ عرب مورخین نے اس فرقہ کو بلحاظ تقسیم ہفت گانہ دو سبعیہ کا خطاب دیا ہے۔ اور جس زمانہ میں امام ظاہر ہوتا ہی اسکا نام دورِ انکشاف ہے۔ اور جب امام مستور ہوتا ہی اس کا نام دورِ السری ہے۔ صبح نے جب مذہب اسمعیلہ اختیار کیا تو اُس نے اور اُس کے داعیوں اور نقیبوں نے بلاد فارس وغیرہ میں متعدد ناموں سے شہرت پائی جس کی تفصیل آگے درج ہی ہے۔ جن نے فلسفیانہ طریقہ سے مذہب اسمعیلہ میں بہت سے نئے مسائل کا اضافہ کیا۔ مسئلہ وجود ذات باری میں یہاں تک شدت کی کہ خدا کو بالکل بیکار اور مطلق بنا دیا۔ مثلاً خدا کو قادر کہتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ خود اُس میں قدرت ہو بلکہ وہ اس لحاظ سے قادر ہے کہ اُس نے دوسروں کو قدرت عطا کی۔ یہی حالت جملہ صفات کی ہے جو خدا کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر خدا میں صفات ہوں تو وہ مخلوق کے ساتھ مشابہ ہو جائے اور اس صورت میں تشبیہ لازم آتی ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس نے خدا کی ذات میں بھی شبہ ڈال دیا کہ آیا وہ موجود ہی یا نہیں۔ اور سب سے مہتمم با نشان یہ مسئلہ ہے کہ ہر حکم ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اور ہر تنزیل کی ایک تائیل ہے (یعنی ظاہر منبر لہ پست ہے اور باطن منبر لہ مغز) اس مسئلہ نے تمام قرآن اور مجموعہ حدیث کو درہم برہم کر دیا۔ اور اسی مسئلہ سے اس فرقہ کا نام باطنیہ

لے۔ بت پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں، اور مسلمانوں کے عقائد سے اپنا مذہب بنایا اور اس جدید ترمیم اور اضافہ سے اُس کو نئے قالب میں ڈھال دیا۔ دائرہ المعارف جلد ۳ صفحہ ۶۲۴۔

قرار پایا۔ احکام شرعی کی جس قدر تدابیریں ہیں۔ اس کی پوری تفصیل اس فرقہ کی کتابوں میں درج ہے۔ مثلاً ذیل کی تعریفات پر غور کر جس سے مصطلحات فقہ کا اندازہ ہوگا۔

لفظ	معنی
نماز	امام کو یاد کرنا۔ اور نماز باجماعت، امام معصوم کی متابعت کرنا
روزہ	امام کے اسرار کی حفاظت کرنا اور ایک دوسرے فقیہ کا قول ہی کہ روزہ سے یہ مطلب ہے کہ اپنے مقتدا کے افعال کو خاموشی سے دیکھتا ہے اور اگر وہ فوج میں مبتلا ہو تو اس کو بھی افعال حسنہ سمجھے۔
زکوٰۃ	تزکیۂ نفس۔ مال کا پانچواں حصہ امام معصوم کے نذر کرنا۔
حج	امام کی زیارت کرنا۔ دوسرا فقیہ کہتا ہے کہ فوروز و مہرجان کے دن خدا کی طرف رجوع ہونا۔
طواف کعبہ	امام کے گھر کا طواف کرنا۔
غسل	تجدید عہد و پیمان۔
وضو	امام سے مذہبی تعلیم حاصل کرنا۔ اور اس کا دوست بن جانا۔
یتیم	امام کی غیبت میں یتیم بنے تعلیم حاصل کرنا۔
اذان و تکبیر	امام کی اطاعت پر لوگوں کو آمادہ کرنا
جنب	عیسٰی پسندی۔ جسوں کا تکلیف سے چھوٹ جانا۔
دو رخ	محنت۔ جسوں کا تکلیف میں مبتلا ہونا۔

لفظ	معنی
زنا	دین کے اسرار ظاہر کرنا
احکام	افشار رازندہ ہی۔
کعبہ	پیغمبر
صفا	نبی
مروہ	وصی
باب	علی (ماخوذ از حدیث نبوی) امامتہ العلم و علی بابھا
عالم ظاہر	عالم اجسام، سفلی و علوی
عالم باطن	عالم ارواح، نفوس عیقول
<p>اسی طرح ہزاروں مسائل ہیں جن میں ہر ظاہر کی باطنی تاویل کی گئی ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ کی نسبت کہتے ہیں کہ ان کے مردہ زندہ کرنے سے مطلب ہے کہ وہ دلوں کو علم سے زندہ کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کو یوسف بخارا کا بیٹا کہتے ہیں۔ قیامت اور حشر و نشر کے قابل نہیں ہیں۔ مسئلہ تناسخ کو صحیح مانتے ہیں۔ شراب اعتدال کے ساتھ پینا، جہیں شور و شر نہ اٹھے جائے ہو۔ امام عالم باطن میں حاکم ہوتا ہے۔ اور کسی کو خدا کا علم نہیں ہو سکتا ہی جب تک ماہ تعلیم نہ کرے۔ نبی عالم ظاہر میں حاکم ہوتا ہے۔ اور شریعت کے ظاہری حصہ کو تنزیل اور باطنی کو</p>	
<p>۱۔ اصطلاحات مذکورہ بالا تذکرہ المذہب مصنفہ ملا قمر حرم اور دبستان مذاہب سے ماخوذ ہیں۔</p>	
<p>۲۔ تذکرہ ہفت اقلیم رازی صفحہ ۹۰-۱۰۰ مطبوعہ نول کشور پریس۔</p>	

تأویل کہتے ہیں۔

فرقہ اسماعیلیہ کی تعلیم | امام عبید اللہ ہمدی نے قیام سلطنت کے بعد دارالسلطنت قیروان میں
اور تربیت کے قواعد اپنے عقائد مذہب کی تعلیم کے لیے ایک خاص عمارت تعمیر کرائی تھی جس کی تکمیل الحاکم بامر اللہ
نے کی اور اس درس گاہ کا نام ”دارالحکمتہ“ رکھا جس کو زمانہ حال کی اصطلاح کے مطابق فرشتہ خان
یا لالچ کہنا چاہیے۔ چونکہ مذہب کی بنیاد رازداری پر تھی لہذا اس فرقہ کے تمام ارکان (ممبر)
جمع ہو کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ہر مذہب کا آدمی اس دارالحکمتہ میں داخل ہو سکتا تھا۔ بلحاظ تہذیب
تعلیم کے سات درجے تھے جنکے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ داعی الدعاة نائب امام، صدر النجمن، گرینڈ ماسٹر

۲۔ داعی الکبیر افسر صوبہ

۳۔ داعی معلم (جس کا دوسرا نام حلیس بھی ہے)

۴۔ رشتیق

۵۔ فدائی

۶۔ لصیق (لاسک) مقلد نا تجربہ کار

۷۔ عوام

درس میں امام عبید اللہ کی صرف ایک کتاب تھی جس میں مذہبی مناسبت کے سات باب
تھے اور ہر درجہ کے واسطے ایک باب مخصوص تھا اور اسی پر تعلیم ختم ہو جاتی تھی کیونکہ ہمدی کا منشا

۱۔ سنن الاسلام جلد دوم، تفریزی جلد اول، دائرة المعارف جلد سوم، لٹریٹری ہسٹری آف پرشیا، ریویو لٹریٹری جی براؤن ص ۱۱۱

اس تعلیم و تربیت سے صرف اس قدر تھا کہ مشرق سے خلافت عباسیہ کا ہتھیال کر دیا جائے لیکن جب مصر میں خلافت فاطمیہ قائم ہو گئی تو صیغہ تعلیم میں دو درجے اور بڑھا دیئے گئے اور نصاب مقرر ہوا۔ جس کی مختصر تاریخ حسب ذیل ہے۔

قاہرہ کا ایوان الکبیر

مصر کے دار السلطنت قاہرہ میں ۳۶۹ھ میں خلیفہ الغریز باللہ ابو منصور زرار بن المغزل الرشید معدنی وسیع پیمانہ پر ایک شاندار عمارت تعمیر کرائی اور اس کا نام ایوان الکبیر رکھا۔ اس محل میں عید الفطر کے دن عظیم الشان دعوت ہوتی تھی اور عید غدیر کے دن اس ایوان میں نماز خطبہ ہوا کرتا تھا۔ اسلام میں غدیر کے جشن کا بانی مغز الدولہ علی بن بویہ ہے۔ اور پہلی عید عراق میں ۳۳۳ھ میں ہوئی۔ بعد ازاں یہ ایک عام رسم قرار پائی۔ اس ایوان کے ایک حصہ میں فقہاء مذہبی تعلیم دیتے تھے جس کا نام مجلس الحکمتہ تھا۔ دو شنبہ اور پینشنبہ کو تعلیم ہوا کرتی تھی جس میں خلیفہ بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ عورتوں کی بھی مذہبی تعلیم کا انتظام تھا۔ لیکن ان کے واسطے چارے ازہر میں انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے ایک فرمان کے ذریعہ سے مجلس الحکمتہ کو شکست کر دیا تھا تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے۔

مجالس الدعوة

دعوت اول | اس درجہ میں داعی (معلم) مدعو کے سامنے قرآن کے مسائل پر شکوک

اور شہات پیدا کرتا ہو اور اس انداز سے تقریر کرتا ہو کہ مدعو کے دل میں صلی
 روز کے حل کرنے اور شہات کے دور کرنے کا شوق پیدا ہو۔ مثلاً خدا نے
 دنیا کو سات دن میں کیوں پیدا کیا۔ کیا وہ ایک ساعت میں پیدا کرنے سے جتن
 تھا؟ پھر پوچھتا ہے شیطان، ابلیس، یاجوج ماجوج، ہاروت ماروت کے
 کیا معنی ہیں، اور یہ کہاں رہتے ہیں۔ الم، المص، کھنص، جمعسق
 سے خدا کی کیا غرض ہو۔ شجرۃ الزقوم، رؤس الشیاطین سے کیا مراد ہو
 خدا نے آسمان زمین کو سات طبقات میں کیوں پیدا کیا۔ ہمینوں کی تعداد
 بارہ کیوں مقرر ہوئی۔ ”خلقت سماء من ضلع ادم“ اس حدیث کے کیا
 معنی ہیں۔ ”الانسان عالم صغیر والعالم انسان کبیر“ فلاسفہ کے
 اقوال ہیں اس کی شرح بیان کرو۔ خدا نے ہات پاؤں میں اُس انگلیاں
 کیوں بنائیں۔ پھر انگلی میں بائناں زنجشت تین جوڑ کیوں ہیں۔ دلی ہذہ
 القیاس تمام قرآن اور مجموعہ حدیث اور اقوال فلاسفہ پر اعتراض اور شکوک
 وار دپکے جاتے تھے

جب داعی نے سمجھ لیا کہ مدعو کے دل میں یہ تمام سوالات جاگزیں ہو گئے ہیں
 اور وہ جواب کا طالب ہو۔ اسوقت داعی کہتا ہو کہ یہ مسائل شریعت ہیں
 عجلت کیا ہو۔ جب تک روگے تو سب حل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ
 کا ارشاد ہے ”واذ اخذنا من النبین میثاقہم ومنک ومن نوح و

ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم و اخذنا منہم ميثاقا غليظا۔ جب مدعو مشکاک فی المذنب جاتا۔ اس وقت شہادت مذکورہ بالا کا جواب اسمعیلی مذہب کے مطابق بتایا جاتا۔ اور جب اس طریقہ پر تعلیم القرآن ختم ہو جاتی تب مدعو سے پہلا حلف لیا جاتا کہ وہ اپنے داعی کی ہر بات کو بغیر کسی بحث و جھجک کے تسلیم کر لے۔

دعوت دوم۔ اس درجہ میں مدعو کو سمجھایا جاتا تھا کہ خدا نے اقامت مذہب اور اسکی حفاظت صرف ائمہ کی ذات سے وابستہ رکھی ہے۔ اور جب یہ عقائد نفس مدعو میں اسخ ہو جاتا تھا تب تیسری دعوت کی تعلیم ہوتی تھی۔

دعوت سوم۔ اس درجہ میں مذہب اسمعیلی کے خاص عقائد بتائے جاتے تھے اور سب سے پہلا عقیدہ یہ تھا کہ امام برحق سات ہیں اور یہ تعین نظام عالم کے مطابق ہے مثلاً سب سے زیادہ سب سے سموات سبع طبقات ارض وغیرہ اور ساتویں امام اسمعیل بن جعفر صاحب الزمان ہیں امام تاویل قرآنی کے ماہر ہیں اور دعا ان کے وارث ہیں۔

دعوت چہارم۔ اس درجہ میں یہ راز بتایا جاتا تھا کہ ابتداء فریض عالم سے اس وقت تک سات پیغمبر صاحب شریعت ظاہر ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے پہلے شارع کی شریعت کو منسوخ یا تبدیل کر دیا ہے۔ یہ صاحب مہی تھے جن کا خطاب پیغمبر ناطق (گویا) ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک پیغمبر

صامت دھاموش بھی تھا۔ جس کا یہ فرض تھا کہ وہ پیغمبرِ ناطق کی شریعت کو بغیر کسی ترمیم و اضافہ کے مستحکم کرے۔ تفصیل پیغمبرانِ حسیل ہو۔

پیغمبرانِ ناطق	پیغمبرانِ صامت
۱۔ حضرت آدم علیہ السلام	حضرت شیث علیہ السلام
۲۔ حضرت نوح علیہ السلام	حضرت سام علیہ السلام
۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام	حضرت اسمعیل علیہ السلام
۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام	حضرت ہارون علیہ السلام
۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام	حضرت شمعون حواری
۶۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	امیر المومنین علیؑ لغایت اسمعیل بن جعفر صادق
۷۔ صاحب الزمان محمد بن اسمعیل	صاحب الزمان پرلم اولین و آخرین ختم ہو گئے ہیں لہذا کسی پیغمبرِ صامت کی ضرورت نہیں رہی

دعوتِ پنجم۔

اس درجہ میں تعلیم ہوتی تھی کہ ہر صامت پیغمبر نے اشاعتِ دین کے لیے اپنی طرف سے بارہ بارہ نقیب یا داعی مقرر کیے تھے۔ تاکہ مذہب کی اشاعت کریں اور بارہ کی قید شہور اور بروج کی تعداد کے مطابق ہو اور اس میں خاص حکمت باری تعالیٰ کی یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے نقیب بھی بارہ تھے۔ اور نقیبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی انصار بھی بارہ تھے اسی طرح ہا

۱۔ پیغمبرانِ صامت کو اسمعیل و عیسیٰ بھی کہتے ہیں اور نقیبوں کو پیغمبرانِ صامت دوسرے درجہ پر مانتے ہیں۔

کی ہر چار انگلیوں میں بارہ جوڑ ہیں اور زنجبشت میں دو ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا بدن مثل زمین کے ہو اور انگلیاں مثل جزائر اربع کے ہیں۔ ایسے ہی ریڑھ کے جوڑ بارہ ہیں۔ گردن میں سات جوڑ ہیں۔ چونکہ پشت سے گردن کا درجہ بلند ہے لہذا یہ اشارہ بنیادِ ناطق اور ائمہ کی طرف ہو اور بارہ سے مراد شاگرد اور داعی ہیں۔ (الغرض اس درجہ کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا کہ مدعو کے دل میں داعی اور نقیب کی اس درجہ عظمت پیدا ہو جائے کہ دنیا فی الشیخ کے درجہ پہنچ جائیں۔ اور ان کے کسی حکم سے مخالفت نہ کریں)

دعوتِ ششم۔

اس درجہ میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد کی فلسفیانہ تعلیم ہوتی تھی اور ہر ظاہر مسئلے کے باطنی معنی بتائے جاتے تھے۔ افلاطون، رسلو، فیثاغورس کا فلسفہ ختم کرایا جاتا تھا۔

دعوتِ ہفتم۔

اس درجہ میں مسائلِ اہلیات کی تعلیم ہوتی تھی مثلاً انجاریہ دعویٰ کہ مدبرِ عالم نے اول بلا واسطہ ایک موجود کو پیدا کیا۔ اور یہ استدلال حکما کے اس مقولہ سے ہے کہ "الواحد لا یصد مرا عنہ الا واحد"۔

دعوتِ ہشتم۔

تعلیماتِ سابقہ کے بعد مدعو کو یہ باور کرایا جاتا تھا کہ وجودِ اول اور وجودِ ثانی میں باعتبار تقدم وہی نسبت ہے جو علت و معلول میں ہوتی ہے اور تمام کائنات کا وجود علتِ ثانی سے ہے۔

دعوتِ نہم۔

دعوت کا خیر خبیہ درجہ تھا جس میں علمِ طبیعیات، بعد الطبیعہ اور اہلیات کے

تمام رموز کا انکشاف کرایا جاتا تھا۔ کتابوں کے علاوہ ہر قسم کے آلات ہندسیہ بھی موجود رہتے تھے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد داعی، اپنے مدعو سے اخیر حلف لیتا ہے چونکہ یہ حلف بھی ایک نئی چیز ہے لہذا اصلی عبارت میں حلف نامہ درج کیا جاتا ہے

عربی	ترجمہ
<p>جعلت علی نفسک عہد اللہ وميثاقہ ذمتہ رسولہ وانبیائہ و ملائکته و کتبہ ورسولہ و آخذہ علی البینین من عقد و عہد حثیق انک تستر جمع ما ستمعة و سمعة و علمہ و علمہ و تعرفہ من امری و امر المقیم بهذا البلد لصا الحق الامام الذی عرفت اقراری له و نصی لمن عقد ذمتہ امور اخوانہ و اصحابہ ولادہ و اهل بیئہ المطیعین لہ علی هذا الدین وخالصہ لمن الذکور و الاناث والصغار و الکبار فلا تظہر من ذلک شیئا قلیلا ولا کثیرا ولا شیئا یل علیہ</p>	<p>میں تجھ سے خدا اُس کے رسولوں، نبیوں، فرشتوں اور کتابوں کا عہد بیان لیتا ہوں اور وہ عہد اقرار ہے جس کو خدا نے خود اپنے نبیوں سے لیا تھا۔ تجھ کو وہ تمام باتیں مخفی رکھنا ضروری ہیں جن کو تو سنے، جانے، دوسروں کو سکھانے خود پہچانے اور دوسروں کو پہچانے یعنی میرا اور اُس شخص کا حال جو اس شہر میں امام برحق کی طرف سے منتظم ہوا جس کے لیے معاہدہ کیا گیا ہے۔ اور میری اس غیر خواہی کو بھی تو پوشیدہ رکھیں جو اقرار لینے والے کی ذات اور اس کے تمام بھائیوں ساتھیوں، اولاد اور اہل خاندان (جو امور مذہبی میں تابع فرمان ہیں) سے متعلق ہیں۔ الغرض خاندان کے تمام رادتمندوں کے (خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے مرد ہوں یا عورت) راز چھپانا ضروری ہیں۔ اور ان تمام باتوں میں سے تجھ کو مطلقاً کچھ نہ ظاہر کرنا چاہیئے۔ اور ایسے اشائے کنا یہ کے اظہار کی ممانعت ہو جو باعث افشا راز ہوں۔ مگر ماں ایسے امربیان کہہ سکتے ہیں</p>

عربی	ترجمہ
<p>الاما اطلقت لك ان تتكلموا واطلقه لك صاحب لاهر المقيم بهذا البلد فعل في ذلك باعنا ولا شغلناه ولا تنزل علميه</p>	<p>جن کی خود مینے یا اس شہر کے صاحب اختیار منتظم نے اجازت دی ہو پس تجھ کو ان معلومات میں میرے حکم پر لے کم و کاست عمل کرنا چاہی اور اپنی طرف سے کسی قسم کی کمی و بیشی کا خست یا نہیں ہو۔</p>
<p>اس کے بعد بہت سے عقائد مطابق اہل سنت و جماعت کے ہیں جو مدعو سے تصدیق کر لے جاتے ہیں اور ایجاب قبول کے بعد پھر اس طرح پر سلسلہ شروع ہوتا ہے۔</p>	<p>اس کے بعد بہت سے عقائد مطابق اہل سنت و جماعت کے ہیں جو مدعو سے تصدیق کر لے جاتے ہیں اور ایجاب قبول کے بعد پھر اس طرح پر سلسلہ شروع ہوتا ہے۔</p>
<p>فان فعلت شيئا من ذلك وانت تعلم انك قد خالفته انت على ذكر منه فانت ب من الله خالو السموات والارض الذي سوس خلقك والفكر لكياك واحسن اليك في دينك ودنياك واخبرتك بتبر امر رسد الاولين والاخرين و ملائكة المقربين والذين واكلاما لثبات السبع المثاني والقرآن العظيم وتبر امر التوراة والانجيل والزبور والذكر الحكيم ومن كل دين رضاه الله فمقدم الدار الآخرة ومن كل عبد ربه الله عنه واخبر من خبر الله عز وجل بآياته وخلقك الله خلانا بنينا بجل الله بذلك التقه والعقبة</p>	<p>پس اگر ان امور منوعہ میں سے تو نے دیکھ و واسطہ (یعنی باوجود ذاتی علم کے کہ یہ کام امام کی ہدایتوں کے خلاف ہے) انحراف کیا تو خداوند خالق آسمان وزمین جس نے تیری جسمانی صورت بنائی اور دین دنیا و آخرت میں تجھ پر احسانات فرمائے اور تمام انبیاء یقین متاخرین ملائکہ مقربین، گروہین، روحانین، آیات کا علیہ سورہ فاتحہ اور قرآن مجید سے نیز ارہوا اور اسی طرح تورات انجیل زبور وغیرہ سے اور انیس دین تین سے جس کو خداوند کریم نے آخرت کے لیے پسند فرمایا اور خدا کے ہر برگزیدہ بندے پر ارہوا اور خدا اور اولیاء کرام کے گروہ سے خارج ہوا اور خدا تجھ کو کھلی ہوئی ذلت نسیب کرے اور اس دنیا میں مصیبت و تکلیف پہنچائے اور آتش جہنم تک پہنچائے جہاں خدا کی کوئی مہربانی نہیں ہوتی اور تو نے خدا کی تائید و قوت سے علیحدہ ہو کر اپنی قوت میں پناہ لی ہو تجھ پر خدا کی وہ لعنت ہو جو آپس کو دی گئی تھی اور جس کی</p>

عربی	ترجمہ
<p>والمصير لانا جميعهم التي ليس الله فيها رحمة و برى من حول الله وقوة على الحق انفسا وقوته وعلية لعنة الله التي امر الله بها ابليس حو عليه بالجنة وخلق النار اذ خالف شيئا من ذلك ولقيت الله يوم تلقاه هو عليه غضب والله عليه ان تخرج الميت الحرام حتى يحيا واجبا ما شيا حيا لا يقبل الله منك الا ان بذلت وكل فاما في الوقت الذي تخالف فيه خصوص على الفقراء والمساكين الذين لا دينك بينهم ايا جوار عليه ولا يدخل عليه بذلت منفعة وكل ملوك الله مذكروا ان في طاعتك تستفيد المودة فانك اذ خالف شيئا من ذلك فمجرم امر الله عز وجل امر الله ان تتركها في الوقت فانك اذ خالف شيئا من ذلك فخرط القرآن ثابتة على الطرح (الثاني) لا لا اختيار ولا رجعة ولا مشيئة وكل كان لا من اهل وال غير هذا فهو عليه حرام وكل ظهر فكل اثم الا انا المتخلف لا كما مات</p>	<p>و جسے دہ جنت سے محروم کیا گیا اور اس کو جہنم کی ابدی سزا ملے گی پڑی۔ اگر تو ان میں سے کسی بات کی مخالفت کرے گا تو قیامت کے دن سے اس طرح ملیگا کہ وہ تجھے غضبناک بیٹھا ہوگا اور خدا کی قسم تو یہ بھی مان لے اگر تو بیت الحرام کے تیس چ پادہ تنگے پاؤں ادا کرے تب بھی خدا تیرے حجوں کو کبھی قبول نہ کرے گا۔ مگر ان اس وقت جب کہ ایسا عہد کرے جس وقت تو ان باتوں میں کسی بات کی مخالفت کرے گا تو اس وقت جس قدر مال تیرے پاس ہو وہ تمام ان فقراء و مسکین کے لیے خیرات بنایا جائے گا جن کے اور تیرے درمیان کسی قسم کی کوئی قرابت نہیں ہو۔ اور اس خیرات کا خدا کے نزدیک کچھ اجر بھی نہیں ہو اور نہ تجھے کسی قسم کا نفع ہوگا۔ اور تیرے ملک میں اب جس غلام اور لونڈیاں ہو یا اپنی موت تک حاصل کئے اگر تو محمد سنی کرے گا تو وہ سب کی راہ میں آزاد بھی جائیں گی۔ اور تیری جس قدر بیایاں ہوں یا موت کے وقت تک نکاح میں آویں وہ سب تین طلاق بائنہ منقطع سے مطلق ہو جائیں گی جن میں نہ رجعت کی اجازت نہ کسی قسم کی جزا۔ نہ تیری مرضی کو کوئی دخل ہوگا۔ اور تیرے پاس مال اسباب غیر ہوگا وہ سب تجھے حرام ہوگا اور جو ظہار (فقہ کا مشہور مسئلہ ہے) ہوئے وہ سب لازم بن جائیں گے۔ میں تیرے امام اور تیری حجت کی طرف سے حلف دینے والا ہوں اور تو ان دنوں (اکیسے) داور دوسرا امام کے لیے حلف لینے والا ہے۔ اگر تو اس حلف</p>

عربی	ترجمہ
<p>جنتك انت الحالفها واذنيتا وعقدت او اضمرت فخلدك عليك لحلفك فجلدك اليمن من اولها الى اخرها مجلدك عليك لاذنيتك للك لا يقبل الله منك الا لو فاء بها و القيام عاهد بيني وبينك قل نعم فيقول نعم</p>	<p>اور معاہدہ کے خلاف کچھ اور نیت لکھا ہو یا کچھ چھپا رکھا ہو تو یہ قسم اول سے آخر تک تجھ پر لازم اور تیرے لیے ایک قسم کی تجدید و تائید ہوگی۔ اور خدا تیری کسی اور بات کو قبول نہ فرمائے گا، مگر اس عہد کا ایفاء اور جو معاہدہ میرے اور تیرے درمیان ہو رہا ہو۔ اس پر قیام و استعصال۔ اب تو دو ہاں "کہہ تب وہ (درید) "ہاں" کہتا ہے۔</p>
<p>۱۔ ادعی الدعاۃ فضیلت اور تعلیم کا یہ اخیر درجہ تھا۔ داعی الدعاۃ خلفائے فاطمین مصر کا مذہبی نائب ہوتا تھا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ داعی الدعاۃ کا درجہ قاضی القضاۃ کے برابر تھا۔ اور اسی شان کا لباس بھی ہوتا تھا (نقہ دار اور قضاۃ کا لباس مخصوص تھا، اس منصب کے واسطے تمام مذاہب کا عالم ہونا لازمی تھا۔ داعی الدعاۃ کی ماتحتی میں بارہ نقیب ہوتے تھے اور پھر نقیبوں کے ماتحت جداگانہ داعی ہوتے تھے ہر داعی کا ایک مکان خاص ہوتا تھا۔ جس کا نام دارالعلم تھا اور انکی تنخواہ بیش قرار ہوتی تھی۔</p> <p>۲۔ داعی الکبیر۔ داعی الدعاۃ کی طرف سے جو کسی صوبے کے افسر ہوئے تھے وہ اعلیٰ الکبیر</p>	<p>حسن صباح اور مذہب سبیلیہ کا ہمیں جو تعلیم ہوتی تھی۔ وہ تم اور پڑھ چکے ہو۔ لیکن حسن صباح نے بحیثیت نائب امام اور داعی الدعاۃ، تعلیمات مذکورہ بالا میں بہت کچھ تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ اور بجائے اُس کے صرف اسی درجے قائم رکھے جس کی صراحت حسب ذیل ہے۔</p>

کھلائے تھے۔

۴ داعی

یہ وہ لوگ ہوتے تھے جو واعظوں (مشریوں) کی طرح تمام بلاد اسلام میں پھیلے ہوئے تھے اور خفیہ طریقے سے اشاعت مذہب کرتے تھے۔ مذہب باطنیہ کی ترقی کا مدار انہی کی کوشش پر موقوف تھا۔ حسن صباح نے دعاۃ کے واسطے جو قانون بنایا تھا اُس کا خلاصہ یہ ہے۔

- ۱۔ الزرق۔ اول مدعو کا حال دریافت کرنا کہ اس میں صلاحیت قبول مذہب کی ہو یا نہیں۔ اس کے خلاف عمل نہیں ہوتا تھا۔
- ۲۔ التائیس۔ مدعو کی تالیف قلوب اور رجحان طبعی کے خلاف تعلیم دینا۔
- ۳۔ التئیس۔ اکابر دین کی موافقت کرنا۔ تاکہ مدعو کی خواہشات میں پذیر ہو۔
- ۴۔ التائیس۔ تہمید مقدمات جبکہ مدعو تسلیم کر لے۔
- ۵۔ الخلع۔ اسقاط اعمال بدنیہ۔

۶۔ التاویل۔ مذہب کے حکم کی تاویل کرنا اور یہی داعی کی اصلی تعلیم تھی۔

۴ رزق

یہ وہ لوگ تھے جو فضل و کمال میں مجتہدانہ درجہ رکھتے تھے اور قلعہ میں حسن صباح کے پاس بطور صاحبِ ندیم رہا کرتے تھے۔ یہ لوگ انتہا درجہ کے معتمد علیہ ہوتے تھے۔

۵ فدائی

یہ وہ لوگ تھے جو انگہ بند کر کے بلا عذر و حجت ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے یہی فدائی داعی الدعاء کے اصلی مرید اور فوج کے جابناز سپاہی تھے جو فتوحات ملکی کا

باعث ہوئے۔ انھیں کی پھریوں سے محلات کے اندر اور شائع عام پر پڑے
مقتدر اور جلیل الشان سلطان ائمہ، علماء، حکماء اور مشائخ قتل ہوتے تھے۔
ان فداؤیوں کے ہات سے جمعہ کے دن جس طرح مسلمان علماء، شہید ہوتے
تھے۔ ویسے ہی انوار کے دن گرجا میں سچی درویش (راہب) سلاطین اور
امراء بھی قتل ہوتے تھے۔ مذہبی تعلیم سے پہلے فداؤیوں کو سپہگری کی تعلیم
دی جاتی تھی۔ اسلام کا طریقہ متعالیٰ ان کو بتایا جاتا تھا۔ مصیبت برداشت کرنے
کے وہ عادی کیے جاتے تھے۔ بھیس بدلنے کا فن اچھی طرح جانتے تھے۔ کیونکہ
ہر موقع کے لحاظ سے ان کو خاص وہ بھرنا پڑتا تھا۔ فداؤیوں کی تعلیم پر خاص
توجہ کی جاتی تھی۔ اور ان کے ذہن میں اسی یہ بات نقش کر دیتا تھا کہ داعی
اللہ عامۃ تمام دنیا کا مالک ہے اور اس عالم میں وہ بڑا قادر اور متصرف ہے۔ جہاں جو
چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل، گویا خدا کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور جو فدا
کسی فرض منصبی کے ادا کرنے میں راجا لگاؤ و درجہ شہادت پا کر داخل جنت ہوگا۔
صاحب نہایت القلوب نے فداؤیوں کی شقاوت قلبی اور خونخواری کی نسبت لکھا
ہو کہ ان کو بلی (گرہ) کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ بلی غضب کے وقت اپنے آپ میں

۱۰ قتل کی علت اکثر وہ مزاحمت ہوتی تھی جو سلطنت اور علمائے ملت کی جانب سے کی جاتی تھی۔ اور کبھی فداؤی وہی

کے لیے امر قتل ہوتے تھے اس کے علاوہ اور بھی اسباب تھے۔ ۱۱ دائرۃ المعارف جلد ۱۲ صفحہ ۶۲۔

۱۲ شری ہٹری آن پریشیا تذکرہ جن صبح ۱۳ دبستان مذہب ۱۴ صفحہ ۱۳۳ خواص گربہ

نہیں رہتی ہے چنانچہ گوشتِ غماری کی تاثیر سے یہی حال فدا یوں کا تھا۔ کہ حکم پانے پر پھر وہ اُس شخص کو ہرگز زندہ نہ چھوڑتے تھے جس کے قتل کا حکم دیا جاتا تھا یہ دونوں ابتدائی درجے تھے جن کی تسلیم کا حال کسی مورخ نے نہیں لکھا ہے۔

۶۔ لصیق
عوام

حسنِ صباح کا علمِ مذہبی عظمت کی بنا پر کوئی مریدِ حسنِ صباح کا نام نہیں لیتا تھا۔ بلکہ قلعہ الموت کے قبضہ کے سبب سے عموماً وہ ”شیخِ بجل“ کہلاتا تھا۔ اور اس کے نزدیک و رفیق ”سیدنا“ کے لفظ سے خطاب کرتے تھے۔ اور خود حسنِ صباح نے اپنی منکر المزاجی سے کوئی لقب اختیار نہیں کیا۔ ورنہ حکومت اور مذہب کے اعتبار سے وہ سلطان ہو سکتا تھا۔

حسنِ صباح کا استعمال اور حجت کی سیر
دنیا میں ہر مذہب کا آدمی اپنے مرشد اور شیخ کا دل سے ادب کرتا ہی اور اس کے ہر حکم کو واجب العمل سمجھ کر سرطاعت چھکا دیتا ہے۔ اور اُن میں طریقت کا یہی سب سے پہلا زریں اصول ہے۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

ہمئی سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید کہ سالکِ پنجبر نہ بود ز راہ درسم منر لہا
اس کے علاوہ مرشد کے تقدس و قار اور نظا ہر شان و شکوہ کا بھی مرید کے دل پر اثر پڑتا ہے مگر شیخ کے یہ حکام مذہبی و اخلاقی ہوتے ہیں لیکن حسنِ صباح ایک ایسا شیخ ہے کہ اس کی خانقاہ سے مریدوں کو بجز قتل و غزیزی کے کوئی دوسرا حکم نہیں ملتا ہے۔ تسلیم کر لینا چاہیے کہ معلم (داعی) فدا یوں کو ضرور بارگرا دیتا ہو گا کہ شیخِ بجل کا ہر حکم آیت و حدیث کا درجہ رکھتا ہو لیکن محض تلقین و تعلیم سے ہر مرید جان میں پر تیار ہو جائے، اس کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی ہے۔

کیونکہ کسی کی جان لینا، اور اپنی جان دینا اہمیت میں دونوں برابر ہیں لہذا یقین ہوتا ہے کہ حسن صباح کوئی ایسی غیر معمولی کارروائی کرتا تھا جس کی وجہ سے فدائی جاں نثاری پر تیار ہو جاتے تھے۔ بہشتک ہماری نظر سے مشرقی تاریخیں گزری ہیں ان میں سے کسی مورخ نے اس مسئلہ کو حل نہیں کیا ہے۔ لیکن یورپ کے مشہور شہر تیس کا نامور سیاح مارکو پولو، اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا ہے اور سب سے اول اسی کی روایت کے مطابق حسن صباح کی حجت کا حال لوگوں کو معلوم ہوا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

مارکو پولو کی روایت یہ ہے کہ جب میں ارمینیا اور عراق عرب کا سفر کرتا ہوا اس شہر میں پہنچا جہاں قدیم زمانہ میں ایک ملحد رہا کرتا تھا۔ اس لیے اس جگہ کا نام مسکن ملاحہ پڑ گیا (قلعہ الموت مراد ہے) یہ ملک نے وہاڑوں کے دریاں قطع تھا لہذا وہ مقام بلد الجبل اور وہاں کا حاکم شیخ الجبل کہلاتا تھا۔ اس کا نام علاؤ الدین تھا۔ اور وہ مذہب اسلام کا پیرو تھا۔ اس کا قول تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک بہشت دینے کا وعدہ کیا تھا چنانچہ وہ بہشت مجھے مل گئی ہے۔ اور اس فواح کے مسلمان اس مکان کو بہشت ہی سمجھا کرتے تھے۔ اس نے دو گھاٹیوں کے بیچ میں ایک خوبصورت باغ بنوایا تھا جس میں مختلف قسم کے میوہ دار درخت اور پھول موجود تھے۔ اور انہوں کے ذریعہ مکانات میں پانی، دودھ، شراب، اور شہد جاتا تھا۔ اس باغ میں ہر وقت خوبصورت اور جوان نازنین عورتیں موجود رہتی تھیں۔ جو ہر قسم کے مایہ بجا کر ناچتی گاتی تھیں۔ اور دل فریبی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھیں اس باغ میں صرف وہ لوگ آتے تھے جو حشیش (بھنگ) پینے پر راضی ہوتے تھے

۱۔ ترجمہ سفر نامہ مارکو پولو مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔

اور باغ میں جانے کا صرف ایک راستہ تھا۔ اور قلعہ ایسا زیمہ دست تھا کہ ساری دنیا اسے فتح نہیں کر سکتی تھی۔ علاء الدین کے دربار میں بارہ سو سے زائد سال کے جوان لڑکے جن کو سپہ گری کا شوق ہو تا جمع ہوتے تھے۔ وہ ملحدان کو بہشت کا قصہ سنایا کرتا جبکہ ان سے وعدہ کیا گیا تھا اور وہ یقین کر لیتے تھے۔ پھر وہ دو چار جوانوں کو بھنگ پلا کر سلا دیا کرتا۔ اور وہاں سے اٹھا کر باغ میں ڈلوادیتا تھا جب وہ جاگتے تو اپنے کو ایک ایسے مکان میں پاتے جو علاء الدین کی بہشت کے مانند ہی۔ نازنین عورتیں ان کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتیں۔ اور انھیں یقین آجاتا تھا کہ حقیقت میں وہ داخل بہشت ہیں۔ اس طریقہ سے اس نے سادہ لوح کو ہتھانوں کے دل پریش جمادیا تھا کہ وہ نبی ہی۔ اور جب وہ اپنے کسی آدمی کو کسی کام کے لیے روانہ کرتا تو اول اسے بھنگ سے بہوش کر کے جنت میں بھیجتا۔ پھر وہ شخص قلعہ میں علاء الدین کے روبرو پیش کیا جاتا۔ علاء الدین اس سے پوچھتا کہ کہاں سے آئے ہو۔ وہ جواب دیتا کہ بہشت سے۔ اور وہ بعینہ ایسی ہی جیسا کہ محمد (صلعم) نے بتائی ہو۔ اس بیان سے اوروں کو بہشت میں داخل ہونے کی آرزو پیدا ہوتی جب علاء الدین کو کسی اپنے ہم عصر فرمانروا کا قتل کرنا منظور ہوتا تو وہ ایک عیبان کو حکم دیتا کہ جا! فلاں کو قتل کر۔ واپسی پر تجھے فرشتے جنت میں پہنچا دیں گے۔ اس امید میں وہ تمام خطروں کا مقابلہ کرتا تھا۔

۱۔ دائرۃ المعارف کا مصنف لکھتا ہے کہ اس جنت میں وہ تمام سامان مہیا تھے جو عقلاً ہونا چاہیے۔ مثلاً شہنشاہ روم جو دل میں جاگزین ہوں۔ ہر قسم کے پھول، میوہ دار، شجر، چٹے چھنی کے برتن، عجی فرش، بطوری، طلائی اور نقری چیزیں، یونا اسباب جو روملین مکھٹ لباس ہیں۔ ہر قسم کے بابے۔ یہاں کے قیام سے دل شگفتہ ہو جاتا تھا۔ اور اسی سعادت ہی کے حصول کے لیے فدائی جان دیتا تھا۔ پروفیسر رابن صاحب لکھتے ہیں کہ جنت کی بواریں پرتش و بھار کا نہایت نازک کام بنا ہوا تھا۔ اور فدائی چاروں سے دس دن تک اس جنت میں رکھے جاتے تھے۔

اس کے دو مرد یا دوسرے جو اندر جال کا تاشہ دکھایا کرتے تھے۔ ایک دمشق میں دوسرا کروشان میں ہوتا تھا۔ ہلاکو خاں نے فوج کشی کر کے علار الدین کو قتل کیا۔ اور قلعہ اور باغ کو منہدم کر دیا۔ اور بعض سیاحوں کے سفر ناموں میں صحیح واقعات کے ساتھ ایسے افسانے بھی ہوتے ہیں۔ جو الف لیلہ کے ”الہ دین کے عجیب و چراغ“ سے کم نہیں ہوتے ہیں۔ اور جس کے نظائر خود اس سفر نامہ میں موجود ہیں لیکن قلعہ اور جنت کا بیان افسانہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک واقعہ ہے۔ علار الدین قلعہ الموت میں ’حسن صباح کا چچا جاشین‘ ہے جس کا دور حکومت ۵۴۲ھ تا ۵۴۶ھ میں ختم ہو جاتا ہے۔ اور مارکو پولو علار الدین کے حیات میں پہنچا ہے۔ اس لیے اسے جنت کو علار الدین سے منسوب کیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں جنت یعنی اس سبز باغ کا بانی حسن صباح ہے اور اسی کے زمانہ سے فرقہ باطنیہ کا ایک نام ”شاشین“ قرار پایا۔ اور شیخ اجل صاحب شیش کہلایا۔ اور غالباً عجم میں حسن صباح پہلا شخص ہے جس نے اپنی دشمنی سے حشیش سے وہ کام لیا جو اس کے پہلے کسی نے نہ لیا ہوگا۔ اگر فدا یوں کو جنت کی سیر کرنا مقصود نہ ہوتی تو یہی منشی بوٹی کے تلاش کی کیا ضرورت تھی بہر حال حسن صباح کی جنت کا وجود قابل تسلیم ہے۔ اور ایک دفعہ دیکھنے کے بعد ضرور فدائی دوبارہ اس کے دیکھنے کے آرزو مند ہونگے۔ کیونکہ یہ ایسا خواب نہ تھا جس کو صبح ہوتے ہی بھول جائیں۔

حسن صباح علاقہ طالقان اور رودبار وغیرہ سے خلیصورت اور قوی میل تندرست نوجوان منتخب

لے شاشین کا نقطہ جنگ صلیبی کے زمانہ میں یورپ پہنچا۔ اور یورپ میں سائپر میں دھلکا ساسین ہو گیا۔ اور ایک مستقل لغت قرار پایا جس کے معنی ایسے قاتل کے ہیں کسی کو گھات سے مار ڈالے۔ یورپ کے مورخوں نے اس قدر کہ اسلامی فحش کا خطاب دیا ہے اور فحش دہلکا ایک آنہ اور گروہ ہے جو سلطنت سے یہ چاہتا ہے کہ انتظامی امور میں عایا کی بھی امداد سنی جائے۔

کر کے فدا یوں میں داخل کرتا تھا۔ اور تعلیم کے بعد یہی فدا فی حسن صباح کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ فدا یوں کا عام لباس یہ تھا۔ سفید پوشاک، لال دستار، سرخ مکر بندہات میں تیرا چھری اور مکر میں چھری جب فدا فی مکان تبدیل کرتے تھے۔ اس وقت ان کا لباس بھی تبدیل ہو جاتا۔

حسن صباح کی مستقل حکومت اور شاعت مذہب | یہ تم اور پڑ پھلے ہو کہ سلطان ملک شاہ نے اپنی حیات میں قلعہ الموت پر ۶۸۹ھ میں فوج کشی کی تھی لیکن سلطان کے انتقال کی وجہ سے یہ ہم ناکام رہی اور سلطان کے جانشین خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے۔ اس غفلت کا یہ نتیجہ ہوا کہ دس برس کے زمانہ میں حسن صباح کا تمام روم و بارطیس، قشتان، خور، خوسف، ازدرن، قاسن، تون، پرقضہ ہو گیا۔

۱۱۷۱ھ میں اسلام آباد دوم حالات اسماعیلیہ ۱۱۷۱ھ اسماعیلیہ مذہب کے داعیوں نے اس مذہب کی کس طرح اشاعت کی اس کی نسبت مٹرانڈ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اس مذہب کے داعی، طبع طرح کے بھیجے جاتے تھے جس میں اکثر صوفی اور تاجر ہوتے تھے اور یہ مختلف ملکوں میں روانہ کیے جاتے تھے۔ جاہلوں کو شہدے دکھائے جاتے تھے۔ اور ان کا نام معجزہ تھا۔ اور مہل باتوں کا نام تصوف کا راز تھا۔ خدا پرستوں کے سامنے یہ اعلیٰ نیکی اور تقدس کی مجسم تصویر بن جاتے تھے جس نے ان میں دیکھا کہ لوگ نہایت شوق سے کسی امام کے منتظر ہیں اور کوئی نجات دینے والا پیدا ہونے والا ہو تو مسلمانوں کو امام ہدیٰ ہو دیوں کو مسیح، عیسائیوں کو فارقلیط کی خبر سنانی کہ اب وہ دنیا میں آتے ہیں شیعوں میں بھیکر پھیلنے لپٹے آپ کو مذہب شعیبی کا پرچم متفقہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور اہل سنت جماعت کے خلاف اصحاب شمشیر برآگئے ہیں۔ یہودیوں کے سامنے مسلمان عیسائیوں کی مذمت کرتے ہیں۔ ایسی طرح عیسوی مذہب کے اصولوں سے اتفاق ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اخیر میں یہ کہتے ہیں کہ فیصلہ ظاہر میں سب اشارات و علامات میں۔ لیکن جو اوق معنی ان میں معنی ہیں ان کا مطلب صرف اسماعیلیہ مذہب کی مدد سے تحقیق ہو سکتا ہے جو جب ہندوستان میں آئے تو مذہب کی صورت یہی تبدیل کر دی کہ ہندو کو قبول کریں حضرت علی کو بشن کا دواں اور تار تار یا جو یورپ میں سے آئیگا (قلعہ الموت مراد ہو) ایک پان لکھا۔ اور داما چاریوں کے انداز پر بھیج لکھے جن میں راز اور معمول کی ایسی باتیں تھیں کہ ہندو کو مذہب اسماعیلیہ قبول کرنے کی رغبت ہوئی۔ انتخاب از دعوت اسلام صفحہ ۳۳۳ - ۲

اور اس عرصہ میں حسن نے نہایت اطمینان سے اپنے مذہب کو بھی خوب ترقی دی جب سلطان برکیارق کو خانہ جنگی سے فرصت ملی تو اُس نے عام رعایا اور علما کی نکایت پر ۳۹۴ھ میں باطنیہ کے قتل کا حکم دیا چنانچہ جن پر شبہ ہوا وہ قتل کیے گئے سلطان کے اس حکم سے حسن صباح کا غصہ بہت بڑھ گیا اور اُس نے ایک باطنی کے عوض دس مسلمانوں کو قتل کرا دیا۔ تاریخ کامل اثیری میں لکھا ہو کہ ”یہ زمانہ نہایت خوفناک تھا۔ وقت مقررہ پر اگر کوئی شخص اپنے گھر نہ آیا تو سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ باطنیہ کا رکن ہو گیا۔ اور خوف کی عام حالت یہ تھی کہ امراء عبا کے نیچے زرہ پہنا کرتے تھے اور خود سلطان نے ارکانِ سلطنت کو اجازت دیدی تھی کہ ”وہ دربار میں اسلحہ لگا کر آیا کریں۔“ خواجہ نظام الملک کے قتل میں چونکہ حسن صباح کو کامیابی ہوئی تھی۔ لہذا اُس نے اپنے تمام دشمنوں کے زیر کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا کہ جس نے سر اٹھایا وہ کسی فدائی کی چھری سے قتل ہوا۔ چنانچہ برکیارق کی چھری چھاپڑ سے اصفہان و خراسان وغیرہ میں بکثرت چھری بند فدا پھیل گئے۔ اور مسلمان قتل ہونے لگے قلعہ و سکوہ (قریب شہر ابھر) پر باطنیہ کا قبضہ تھا اور یہ لوگ مسلمانان شہر ابھر کو بہت تکلیف دیتے تھے چنانچہ ان کے استغاثہ پر سلطان نے قلعہ پر فوج کشی کی، اور اٹھ مہینے کے محاصرہ کے بعد قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان برکیارق کی طرح اُس کے بھائی سلطان محمد کو بھی باطنیوں کی طرف خاص توجہ تھی ۳۹۸ھ میں باطنیہ نے طرثیث (اعمال ہیئت) سے نکل کر خراسان، ماوراء النہر، اور ہندوستان کے حجاج کا قافلہ فوج کے میں لوٹ لیا۔ اور پھر اطراف سے میں لوٹ چادی اس تاخت و تاراج میں بعد اذکثیر مسلمان مائے گئے اور انکا

مال اسباب اور مویشی سب لے گئے۔ جب زیادہ شورش بڑھی تو سید ۶۱۱ھ میں خود سلطان محمد نے قلعہ شاہ دژ پر فوج کشی کی۔ قلعہ اصفہان کے قریب تھا۔ اور سلطان ملک شاہ نے بڑے اہتمام سے بنوایا تھا۔ اس قلعہ پر بلخیوں کا قبضہ گویا دار السلطنت کا قبضہ تھا۔ احمد بن عبد الملک بن عطاش طبیب باطنی حاکم قلعہ تھا۔ احمد اگرچہ جاہل اور علم و فضل سے عاری تھا۔ لیکن جس صبح نے یہ کہہ کر قلعہ کا حاکم بنایا تھا کہ تم میرے استاد عبد الملک کے بیٹے ہو تمہارا حق فائق ہی اور اس قلعہ کو جس صبح نے خوب مستحکم کر دیا تھا چنانچہ سلطان نے محاصرہ کے بعد یوں فرج کر لیا جب احمد گرفتار ہو کر سامنے آیا تو سلطان نے کہا کہ ”تم نے تو پیشین گوئی کی تھی کہ اصفہان میں میری غصت اور شوکت اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور عوام و خواص میرے گرد جمع ہوں گے لیکن پیشین گوئی جھوٹی ہوئی“ احمد نے جواب دیا کہ نہیں! صحیح ہوئی۔ لیکن برطانیہ حکومت ابا برطانیہ نصیحت سلطان بنیں کہ چپ رہا پھر بیل پر سوار کر کے اصفہان کے کوچہ و بازار میں گشت کرایا۔ پھر اس کی کھال کھجوائی اور اس طرح پراچھ کا خاتمہ ہوا سلطان کا وزیر سعد الملک بھی احمد کا معین مددگار تھا۔ اور سلطان کو درپردہ قتل کرنا چاہتا تھا۔ لہذا اس جرم میں اس کو بھی پھانسی دی گئی۔ اور ابونظر احمد بن خواجہ نظام الملک کو قتلان وزارت سپرد کیا گیا۔ اس کے بعد ۶۱۳ھ میں قلعہ الموت پر فوج روانہ ہوئی۔ لیکن بوجہ شدت سرما فوج واپس آئی۔ اس فوج کا سپہ سالار خود وزیر احمد تھا لیکن ۶۱۴ھ میں سپہ سالاری امیرانوشنگین شیرگیر (صاحب آید سادہ) الموت پر دوبارہ فوج کشی ہوئی اور ایک سال تک ابا بر محاصرہ رہا۔ قلعہ میں کمی رسد کی وجہ سے سخت تکلیف ہوئی۔ اور جس صبح نے

بچوں اور عورتوں کو سلطان کی خدمت میں بھیجا اور وہ امان کے طالب ہوئے مگر درخواست نامنظور ہوئی۔ لیکن قضاو قد نے فتح اور شکست پہلے سلطان محمد کا خاتمہ کر دیا۔ سلطان محمد کے انتقال سے قلعہ پھر حن صباح کے قبضہ میں آ گیا۔ تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ امیر درکنی نے جو حن صباح سے ملا ہوا تھا۔ امیر شیرگیر کے لشکر کو پریشان کر دیا، اور فوج امیر کو تنہا چھوڑ کر چلی آئی۔ اگر سپاہی دغا نہ کرتے تو قلعہ الموت تین دن میں فتح ہو جاتا۔ فتح کے چلے جانے سے قلعہ والوں نے امیر رحیلہ کیا اور زائد از دو لاکھ دینار کا مال لیکر قلعہ میں آ گئے۔ سلطان محمد کے انتقال پر ۵۱۲ھ میں سلطان سنجر مستقل حکمراں ہوا اور ملک شاہ کے بعد یہ سلطان اپنے سبھائیوں سے زیادہ زبردست اور صاحب اثر تھا۔ وسعت ملک اور فوجی طاقت میں بھی سب پر فائق تھا۔ چنانچہ سلطان سنجر ایک جرار لشکر لیکر قلعہ الموت پہنچا۔ ظاہر ہے کہ حن صباح شاہی لشکر کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا، اس کو سپاہی تو چوراہہ ریزوں کی طرح صرف پھریاں مارنا جانتے تھے۔ لہذا حن نے یہ چالاکی کی کہ کسی خاص قلام یا حرم کو ملا کر سلطان کی خواب گاہ کے سر ہانے ایک خنجر زمین میں گاڑ دیا۔ سلطان نے صبح کو جب خنجر زمین میں پیوست پایا تو وہ خوف زدہ ہو گیا۔ اور دستہ خنجر کے اوپر حن صباح کا ایک خط بندھا ہوا تھا جس کا یہ مضمون تھا ”ہاں! اسے سلطان سنجر بہ بہیز کہ اگر رعایت خاطر تو منظور ہو کہ دستہ کہ خنجرے بر زمین سخت فرو برد۔ بر سینہ نرم تو سہل تر بود کہ فرو برد“ اس میں شک نہیں کہ حن صباح نے سنجر کے حال پر بڑی مہربانی کی اور اس کو صرف دھمکا کر چھوڑ دیا۔ ورنہ بقول حن صباح زمین سخت میں خنجر پیوست کرنے سے سلطان کے نرم سینہ میں خنجر کا چھو دینا آسان تھا۔ اس کا لڑائی

۱۔ تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ مصر ۱۲۸۵ گنج دانش صفحہ ۱۲۴ فقرہ سنجر۔ و کتابستان نادر طبعات اسمعیلیہ۔

کیا تب صبح کو حسن صباح کا قاصد پہنچا اور صلح کا خوشگوار ہوا۔ سلطان سنجر پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ لہذا جان کے خوف سے صلح کو جنگ سے بہتر سمجھا۔ اور ان معمولی شرطوں پر صلح ہو گئی اور سلطانی فوج چند منزل چل کر دار السلطنت کو واپس آگئی۔

(۱) اسماعیل فرقہ قلعہ جات میں کوئی جدید فوجی عمارت کا اضافہ نہ کرے۔ (۲) جلدی سلمہ اور مخبثین نہ خرید کرے۔ (۳) آئندہ اس فرقہ میں کوئی نیا شخص مرید نہ کیا جائے۔

حسن صباح کے واسطے اس سے زیادہ نرم شرطیں اور کیا ہو سکتی تھیں۔ کیونکہ صوبہ رودبار و قستان، شام اور سواحل و ممالک انداز پچاس قلعے باطنیوں کے قبضہ میں تھے جو مستحکم اور کارآمد تھے جس میں حسن صباح کو کسی تعمیر کی ضرورت نہ تھی۔ دوسری شرط باکل فضول تھی۔ کیونکہ یہاں کمر میں بجائے تلوار اور سنگین کے صرف ایک چھری کافی تھی۔ تیسری شرط البتہ سخت تھی لیکن اب اس کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی تھی کیونکہ حسن کی فوج کی مجموعی تعداد ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ سلطان سنجر کے عہد تک ایران میں زیادہ شورش نہیں ہوئی۔ اب حسن صباح کی توجہ شام اور یمن کی طرف تھی

نوٹ: ان کامیابیوں کے بعد تاریخ ۲۸ ربیع الآخر ۵۱۱ھ میں حسن صباح کا انتقال ہو گیا۔ اور پش برس تک قلعہ الموت پر حکمران رہا۔ اس وقت حسن صباح کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔

حسن صباح کے ذاتی حالات | حسن صباح کی نسبت مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ حکیم، مخم، مہندس، محاسب اور

سائنس دان تھا۔ صفحہ ۵۸۰ بحوالہ حسن صباح ص ۵۸۰ شام کے تقصیری حالات کا لٹریچر اور یمن کے واقعات عمارت کی تاریخ میں لکھنا چاہیے تاریخ مع ترجمہ انگریزی لندن میں چھپ گئی ہے ۱۹۵۰ء گینز ڈائریکٹ صفحہ ۴۴۰۔ دستان مذاہب زنیہ المجلس جدیدی کا لٹریچر صفحہ ۱۱ جلد ۱۰ و مرآۃ البلدان ناصری صفحہ ۴۳۰۔ ذل الموت ۱۱۲۔

ساحر تھا۔ فقہ اور دینیات میں مجتہدانہ درجہ رکھتا تھا، صوفیوں کی طرح شبے و زہر ریاضت میں مصروف رہتا تھا۔ بجز اپنے فرقہ کے لوگوں کے اور کسی سے ملاقات نہ کرتا تھا۔ مستقل مزاجی کا عالم تھا کہ تین برس میں صرف دو مرتبہ اس گھر کی چھت پر چڑھا جس میں سکونت پذیر تھا اور قلعہ سے تو ایک دن کے واسطے بھی باہر نہیں گیا۔ اشاعت مذہب کی فکر سے کسی وقت خالی نہیں ہوا اور مذہبی تصنیفات بھی کرتا تھا۔ اس کی مذہبی تصنیفات میں (۱) "روشنی روز و تاریکی شب"۔ (۲) ایک مختصر مجموعہ موسومہ اکرام ہے۔ اول کتاب کے خلاصہ و بستان مذہب غیر میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ تعجب انگیز امر یہ ہے کہ بحیثیت مہندس تین کتابیں لکھیں۔ جنکا یورپ نے حال میں پتہ لگایا ہی اور وہ یہ ہیں (۱) کتاب الاشکال و المسائل (۲) کتاب الکرہ۔ (۳) کتاب العمل بذات الخلق۔ عقائد مذہبی میں انتہا درجہ کا سخت تھا جیسا خود پابند شریعت تھا ویسا ہی مریدوں کو بھی بنانا چاہتا تھا۔ شرعی جرم میں اپنے دو بیٹوں کو قتل کر دیا اور آٹ تک نکلی۔ ایک شخص نے قلعہ کے اندر بانسری بجائی اُسی وقت اخراج کا حکم دیا اور باوجود معزز سفارشوں کے پھر قلعہ کے اندر آنا نصیب ہوا۔ اسی کا اثر تھا کہ جن مرید کو جو حکم دیا اس نے فوراً تعمیل کی۔ جو مستبولیت حسن صباح کو اپنے مریدوں میں ہوئی اُس کی نظیر سے صفحات تاریخ خالی ہیں۔ یہ بات آج تک کسی صوفی کو حاصل ہوئی۔ اور نہ کسی بادشاہ وقت کو کہ اُس کے حکم سے لوگ جان دینے پر آمادہ ہو جائیں جن صباح کو یہ مرتبہ کیونکر حاصل ہوا؟ اس میں مورخوں کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ حسن صباح کی ظاہری بے نفسی اور صوفیانہ ریاضت اس کا باعث تھی، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مکاری، جعل سازی، ساحری، اس کے عروج کا سبب بنی۔ لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ

مجموعی طور پر ان تمام امور کو حسن صباح کی کامیابی میں دخل ہوا اور پھر ان میں بھی ”حُورٌ مَقْصُورَاتٌ
فِي الْخِيَامِ“ کے ناز و کرشمے، اور باغِ جنت کی دلفریبیاں سب مستزاد ہیں۔

حسن صباح نے اپنے عہدِ حکومت میں حبِ نیل قلعوں پر قبضہ کیا۔ (۱) قلعہ الموت (۲) قلعہ
گرد کوہ (۳) لامسر (۴) شاہ وژ۔ (اضہان ۵) و سکوہ متصل ابھر (۶) خالنجان (اضہان
سے پانچ فرسخ ہی) (۷) قلعہ استون آوند (شہر سے اوائل کے مابین ۸) آردہن (۹)
قلعہ الناطر (خوزستان) (۱۰) قلعہ طنبور (متصل شہر آرجان) (۱۱) قلعہ خلا دجاں (مابین فارس
اور خوزستان)۔ یہ قلعہ ہیں جو بہت بڑے تھے۔ اس کے علاوہ صوبہ دبار اور قستان وغیرہ
میں چھوٹے چھوٹے بہت سے قلعے تھے جنکی مجموعی تعداد متوا کے قریب ہے جن کے ناموں
کی تاریخ میں تفصیل نہیں ہے۔

حسن صباح کے جانشین حسن صباح کے انتقال کے بعد قلعہ الموت میں مسلسل سات حکمران ہوئے،
جن کی مختصر کیفیت حبِ نیل ہے۔

(۱) کیا بزرگ البیہ اشخص قلعہ الموت کا قلعدار اور حسن صباح کا رفیق تھا حسن صباح نے ۵۱۶ھ
میں انتقال کے وقت دعوت اپنا جانشین بنایا۔ ابو علی وزیر تھا اور حسن قصرانی اس کی فوج کا سپہ سالار
اس عہد میں بھی فدا یوں کا بڑا زور رہا۔ اور ابو ہاشم فاطمی کو جنہوں نے شہر گیلان میں امامت کا
دعویٰ کیا تھا، کیا بزرگ نے اول خط لکھا کہ ”دعویٰ امامت سے باز آؤ“ اس کے جواب میں
ابو ہاشم نے خط میں گالیاں لکھیں، جسکو پڑ کر کیا بزرگ غضبناک ہو گیا، اور امام صاحب کے گرفتار
لے قلعہ الموت کے حکمرانوں کے حالات نامہ سردان بنین الاسلام گنج دانش اہم ترسان و دقان شاہ ابوہریرہ و فتہ العفا کا مؤرخ ہے

کر کے آگ میں نذر دیا۔ جو قیوں سے بھی لڑائیاں ہوئیں، مگر آخر کو کیا بزرگ کامیاب ہوا۔
چودہ برس، دو مہینہ میں دن حکومت کر کے ۳۲ھ میں انتقال کیا۔

(۲) محمد بن کیا بزرگ امید کیا بزرگ کے انتقال پر اس کا بڑا بیٹا محمد جانشین ہوا، یہ بالکل جاہل تھا لیکن حسن صباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اس کے عہد میں بھی خوزیری عاری ہی چوبیس برس، آٹھ مہینے، آٹھ دن حکومت کر کے ۳۴ھ میں فوت ہوا۔

(۳) حسن بن محمد احکام باب محمد، اگرچہ قلعہ الموت کا حکمران ہو گیا تھا، مگر باطنیوں کے نزدیک اس میں فرائض منصبی ادا کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ اور باطنی عموماً حسن کے فضل و کمال کے قائل تھے، لہذا محمد کے بعد حسن کو اپنا فرمانروا تسلیم کیا۔ اس حکمران کے نسب میں اختلاف ہی، مگر اس کا دعویٰ یہ کہ میں نزار بن منصور بابہ علوی کی نسل میں ہوں جن سعت خیالات، اور چالاکي میں حسن صباح سے کچھ ہی کم تھا۔ مریدیوں میں حسن کی بے انتہا تعظیم کی جاتی تھی، اور کوئی شخص نام نہیں لیتا تھا، بلکہ بجائے نام کے ”علی ذکرۃ اسلام“ کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ مسند نشینی کے بعد ۲ رمضان ۳۴ھ کو سب سے پہلے دربار عام کر کے حسن نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں امام ہمدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا، اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ صرف باطن میں خدا کی محبت کو اور ظاہر میں جو چاہو کرو۔ میں تم کو آج کی تاریخ سے تمام شرعی قیود سے آزاد کرتا ہوں چنانچہ اس تاریخ سے رسوم شرعیہ بالکل اٹھ گئیں چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے۔

برداشت علی شریع بتائید ایزدی
مخدوم روزگار علی ذکرۃ السلام

اسی عہد سے اس فرقہ کا نام علمدار اسلام نے ملاحدۃ قرار دیا۔ چار برس تک کھوس کر کے اپنے سے
حسن نامور کے ہات سے قلعہ لاسر میں ۵۵۹ھ میں مارا گیا۔

(۴) محمد ثانی بن حسن | حکمران ہوتے ہی اول اپنے باپ کے قصاص میں قاتل اور خاندان کے
تمام زین مرد کو قتل کر دیا۔ علم و فضل میں یہ اپنے باپ سے بھی بڑھ کر تھا۔ اس کے عہد کا واقعہ یہ کہ
امام فخر الدین آری، وعظ میں فرمایا کرتے تھے کہ "نخلہ فاللاسید عجل لعنہما اللہ و دخلہما اللہ
جب یہ خبر محمد کو پہنچی تو ایک فدائی کو روانہ کیا۔ وہ امام صاحب کے حلقہ درس میں اکرا شامل ہوا،
اور سات مہینے تک طالب العلمانہ حاضر بائیں ہا، ایک دن موقع پا کر امام صاحب کے سینہ پر چڑھ گیا
اور خنجر کھلے پر رکھ دیا۔ امام صاحب نے خوف دہ ہو کر پوچھا کہ میرا کیا گناہ ہے؟ فدائی نے کہا کہ
"سیدنا محمد بن حسن بعد سلام فرماتے ہیں کہ ہم کو عوام کی باتوں کا کوئی ڈر نہیں ہے لیکن آپ
جیسے مدیم نظیر فاضل سے خوف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آپ کا کلام صفحہ روزگار پر باقی رہے گا۔
دوسرا التماس یہ ہے کہ آپ قلعہ میں تشریف لائیں۔" امام صاحب نے جواب دیا کہ "میرا قلعہ میں جانا
غیر ممکن ہے، لیکن آئندہ سے عہد کرتا ہوں کہ تمہارے خلاف کچھ نہ کہوں گا۔" اس کے بعد فدائی
امام صاحب کے سینہ سے اُترا اور گلے سے خنجر ہٹا لیا، اور کہا کہ "تین سو مشعل طلا، اور دو
یہنی چادر میرے حجرے میں کھی ہیں، ہ آپ منگالین، سیدنا کی طرف سے یہ ایک سال کا وظیفہ ہے،
اور آئندہ بھی اسقدر رئیس ابو الفضل کی معرفت ملا کر لگیا، پھر حجرے سے نکل کر غائب ہو گیا۔ اس کے

۱۔ علماء اسلام نے دو ملاحدہ میں نہایت نادر کتابیں لکھی ہیں خصوصاً امام غزالی علیہ الرحمۃ کی تصنیفات میں نظری حقہ الحق،
کتاب الدرر، کتاب القسطاس اور ایک سالہ بطور سوال و جواب، قابل ملاحظہ ہیں۔ ۲۔ نگارستان صفحہ ۲۳۳۔

بعد امام صاحب کا یہ دستور ہو گیا کہ جب کوئی اختلافی مسئلہ ہوتا تو صرف اسقدر فرماتے کہ خلافاً
 للاسماعیلہ امام صاحب کے اس طرز عمل سے عوام کو شبہ ہو گیا کہ وہ خلاصہ کے ہم عقیدہ ہیں
 اور حکمران الموت سے سازکتے ہیں۔ امام صاحب نہایت خوش نصیب تھے کہ ذبح فرج گئے۔ مگر بات
 یہ ہے کہ محمد بن حسن کا فدائی کو صرف اسی قدر حکم تھا کہ ”وہ امام صاحب کو خوف زدہ کر دے“ قتل کی
 اجازت نہیں دی گئی تھی اسی واقعہ کے متعلق کسی شاعر کا قول ہے۔

اگر دشمن سازد ہا تو ای دوست تو سے باید کہ بادشمن ہا زی
 وگرنہ یکے و روزی صبر فرماے نہ او ماند نہ تو، نے فخر رازی

اس کے عہد میں شام کے اسماعیلوں کا الموت سے تعلق چھوٹ گیا اور شیخ رشید الدین سنان کی
 ماتحتی میں جدا گانہ کام شروع ہوا جس کے عہد میں مشرقی شام، مشرقی افریقہ، اور سنٹرل ایشیا
 میں مذہب اسماعیلہ کی غوثی ہوئی۔ اس کے بیٹے جلال الدین نے اپنے باپ کی عیاشی اور کمزوری
 سمجھ کر زہر دیدیا۔ چلیس برس حکمران ہوا۔

(۵) جلال الدین محمد ثانی اپنے باپ کے انتقال پر چھ برس میں حکمران ہوا۔ اور مذہب اسماعیلہ ترک
 ملتے حسن ثالث

کر کے شریعت اسلامیہ کا پیرو ہو گیا۔ اور اپنے سچے مسلمان ہونے کے ثبوت میں فرقہ باطنیہ کی تمام
 تصنیفات (موجودہ قلعہ الموت) جلا کر راکھ کر دیں اور اپنی والدہ و ربوہ کو حج کے لیے لڑا نہ کیا
 امیر المومنین ناصر بادشاہ عباسی نے اس قافلہ کی یہاں تک عزت کی کہ قلعہ الموت کا علم فرمانروائے
 خوارزم کے علم سے اگے کر دیا، اور جس اساتذہ سے یہ قافلہ گزرا وہاں کے حکمران نے بڑے اعزاز
 غیر مقدم کیا۔ تاریخ میں ”جلال الدین نو مسلم“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا رولائی سے دنیائے

اسلام کو تو خاص مسرت ہوئی، مگر باطنی جلال الدین کے دشمن ہو گئے، اور زہر دیکر ختم کر دیا گیا۔
برس حکمران ہا۔

(۶) علاء الدین محمد بن جلال الدین
ملکیت محمد غزنوی
۶۱۳۱ھ میں ۳۹۱۹ھ میں بمبرہ نو سال حکمران ہوا، اور رفیقوں کی مدد سے مذہب
باطنیہ از سر نو جاری کیا گیا۔ علاء الدین کو کم سنی میں بالجو یا ہو گیا، اسوجہ سے عنان حکومت ارکان
سلطنت کے ہات میں تھی، لیکن باجو وہی مبلغ فرقہ باطنیہ کو پھر اگلی سی قوت و شوکت حاصل نہ ہوئی
خواجہ نصیر الدین طوسی اسی زمانہ میں داخل قلعہ الموت ہوئے تھے۔ پتیس برس ایک مہینہ حکمران
اور ۶۵۲ھ میں حسن باذنرانی نے قتل کر دیا۔

(۷) رکن الغریب شاہ جلال الدین
باب کے بعد ۶۵۲ھ میں حکمران ہوا۔ حسن باذنرانی کو مع اس کی
اولاد کے قتل کر دیا، اور حسن کی نعش کو جلادیا۔ ہنوز کسی قسم کا انتظام حکومت نہیں کرنے پایا تھا
کہ ۶۵۴ھ میں منقو خاں کے حکم سے ہلاکو خاں نے قلعہ الموت اور باطنیوں کا خانہ کر دیا۔ اور
قلعہ کا تمام ذخیرہ جو صبح کے عہد سے جمع ہو رہا تھا لوٹ لیا۔ قلعہ کے اندر سرکہ اور شہد
کے حوض بھی بھرے ہوئے تھے جس کو حسن صباح نے ذخیرہ کیا تھا۔ مگر انکا واقعہ نہیں بگڑا تھا۔ جسکو
لوگ حسن کی کرامت سمجھتے تھے جس کی تفصیل تاریخوں میں درج ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کا ایک
تاریخی قطعہ منج کیا جاتا ہے۔

قطعہ

سال عرب پش صد پنجاہ و چار بود یک شنبہ روز اول ذیقعدہ بامداد
خورشاہ بادشاہ اسماعیلیان تخت برخواست پیش تخت ہلاکو بایستاد

الغرض تاتاریوں نے باطنیوں کی ایرانی حکومت کا ایک شہر اکھتر برس کے بعد خاتمہ کر دیا اور تقریباً ستون قلعے باطنیوں کے برباد کر دیئے، اور بارہ ہزار باطنی قتل کیے گئے۔ اسی طرح شام و مصر میں سلطان ملک النظار ہریرس اور سلطان صلاح الدین ابوبی نے باطنیوں کا ہتھیال کر دیا اور چھری بند خدائیوں سے ملک میں امن امان ہو گیا۔ تاتاری حملہ کے بعد اس مذہب کا زور کم ہو گیا تھا۔ اور جہاں کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے وہ گمنامی کی حالت میں تھے۔ قلعہ الموت کی تباہی کے بعد پھر حکمرانی نصیب نہیں ہوئی۔ لہٰذا اب جابجا جو داعی اور نقیب باقی رہ گئے تھے وہ اپنا کام نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ نئی زمانہ ابھی اسماعیلہ مذہب ملا و فارس، سواحل نہر سندھ، شام، حلب، میں موجود ہی اور دمشق میں ایک محلہ ہی جو "حارۃ الحشائین" کے نام سے مشہور ہے، ان کے عقائد میں عجیبوں سے بہت اختلاف ہے، ہندوستان میں اس گروہ کے امام ہرہائیں سرافا خاں صفا باقیا ہیں۔ آپ کے اجداد کا سلسلہ رکن الدین خورشاہ تک پہنچتا ہے۔ اس مضمون کے خاتمہ پر ہم دو نقشہ درج کرتے ہیں جن کے ملاحظہ سے اسماعیلہ کی شاخوں اور مشاہیر مقلدین کی مختصر فہرست معلوم ہوگی۔

۱۔ خلیفہ مستعصم باللہ اور شہر قزوین کے روسا کی طرف سے تاتاریوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کے باطنیوں کے علم و رسم سے بچاویں اور ان کا ہتھیال کر دیں۔ چنانچہ تاتاری فرج آئی اور باطنیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک مسزہ مغل کہ کسی باطنی نے قتل کر دیا تھا جس کے قصاص میں تاتاریوں نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ ناظرین اس موقع پر حصہ اول کے صفحہ ۲۹ کا نوٹ بھی ملاحظہ فرمائیں جو خواجہ نصیر الدین طوسی سے متعلق ہے۔

(۱) فہرست فرقہ اسماعیلہ چھبھوں مختلف ملکوں میں مختلف ناموں سے خروج کیا

نمبر شمار	نام	مختصر کیفیت
۱	اسماعیلی	چونکہ یہ فرقہ امام اسماعیل کا مقلد ہے۔ لہذا اس کا عام لقب اسماعیلی قرار پایا۔ اور یہی اصلی نام ہے۔ باقی اس کی شاخیں ہیں جو اپنے داعیوں کے نام سے یا کسی خاص عقیدہ کی وجہ سے شہرت پذیر ہیں۔
۲	بابکی	بابک ایک عجمی تھا جس نے ۱۲۰۱ھ میں خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ میں بمقام افریجیاں خروج کیا تھا۔ اور اصفہان ہمدان میں ایک جماعت اُس کی مقلد ہو گئی تھی۔ بابک نے اپنے جدید مذہب کا نام ”خرم دین“ رکھا تھا۔ اس وجہ سے بابکیہ فرقہ۔ خرمیہ بھی کہلاتا تھا۔ مان بہن۔ بیٹی کے ساتھ نکاح جائز تھا۔ اس لیے اس کا ایک نام خرمیہ بھی ہے۔
۳	محمہ	یہ فرقہ بابک کی تقلید میں سرخ لباس پہنا کرتا تھا اس وجہ سے محمرہ لقب ہوا۔ اگر صرف گرگان کے واسطے مخصوص ہے۔
۴	مبارکی	مبارک امام محمد بن اسماعیل کا ایک حجازی غلام تھا جس نے اول کو فہ میں مذہب اسماعیلہ پھیلایا۔ اور یہ کوئی مبارکی مشہور ہوئے۔ ورنہ حقیقت میں مبارک کے نام پر تو رامطہ کہلاتے تھے۔
		فرقہ اسماعیلہ میں جو نام سب سے زیادہ مشہور ہوا وہ قرمطی ہے۔ قرمط کے لغت عربی

۵	قرمطی	<p>متعدد معنی ہیں مغلہ ان کے ایک سے یہ کہ بار یکا اور گنجان خط کو قرمط کہتے ہیں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقولہ ہے کہ فرج ما بین السطور و قرمط بین السطور یعنی بن السطور میں کشادگی رکھو۔ اور حرفوں کو گانٹھ کر لکھو۔ چونکہ مبارک مذکور ایسا ہی خط لکھتا تھا۔ لہذا اس کے پیرو قرمطی اور قرمطیہ کہلائے عبد اللہ بن میمون قداح اہوازی نے مبارک کو مذہب اسمعیلیہ میں داخل کیا تھا اور آخر میں یہ مبارک اس مذہب کا ایک پُرجوش داعی ثابت ہوا۔</p>
۶	میمونی	<p>عبد اللہ بن میمون قداح اہوازی کا مقلد فرقہ میمونی کہلاتا ہے۔ یہ شخص شعبہ بارزا ساحر اور ماہر طلسمات تھا۔ اس وجہ سے کوہستان، خراسان، اصفہان اور سمنان میں اس نے خوب ترقی کی۔ امام اسمعیل اور امام محمد کی خدمت میں عبد اللہ عرصہ تک حاضر رہا تھا عبد اللہ کے بیٹے احمد نے شام اور مغرب میں اسمعیلی فرقہ کو خوب ترقی دی۔ فرقہ اسمعیلیہ میں عبد اللہ کا درجہ صبح سے بہت زیادہ ہے۔</p>
۷	خلفی	<p>خلف کا مقلد فرقہ خلفی کہلاتا ہے۔ یہ خلف عبد اللہ بن میمون کا نائب تھا۔ اس نے خراسان، قم، کاشان، طبرستان، مازندران میں اشاعت کی۔ اور چونکہ ان بلاد میں شیعہ اثنا عشری آباد تھے لہذا اسمعیلی عقائد کا اپنر جلد اثر ہو گیا خلف کا خلف الرشید احمد تھا اور احمد کا خلیفہ غیاث یہ بھی بڑا فاضل تھا جس نے سن ۳۲۰ھ میں فلسطینہ اصول پر مذہب اسمعیل میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام بیان ہے۔ غیاث نے طالقان، ہرات، غور، میں یہ مذہب پھیلا یا۔ اور غیاث کے</p>

		خلیفہ ابو حاتم نے نیشاپور، کسے، طبرستان، آذربائیجان میں خوب تہ تیگی۔
۸	برقی	۲۵۵ھ میں محمد بن علی برقی نے بمقام اہواز خروج کیا۔ اور خورستان، بصرہ، یرقنہ کے ہزاروں آدمیوں کو داخل مذہب کر لیا ۲۵۶ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے سولی دی گئی۔ یہ نام نوح بصرہ کے لیے مخصوص ہے۔ اس کا بیٹا علی بن محمد بھی قتل ہوا۔ اس کے عقائد میں مزدک، اور بابک کے اصول بھی شامل تھے۔
۹	جنابی	ابو سعید بن جن بن ہرام جنابی۔ زمطی نے احسا، قطیف، بحرین میں شاعت مذہب کی ۲۵۶ھ میں قتل ہوا۔ اس کے وعظ کی ابتدا ۲۵۶ھ میں ہوئی تھی طاہر ابو سعید کا بیٹا تھا ۲۵۷ھ میں جن بن عین جج کے دن خانہ کعبہ کو تاخت تاراج کیا۔ چاہ زمزم، اور حرم کعبہ نشوں سے بھر گیا۔ حرم محترم میں جو گستاخیاں کیں اس کے لکھنے سے ظلم عاجز ہے۔ یہی طاہر ہی جو حجر اسود کو اپنی جگہ سے علیحدہ کر کے لے گیا تھا اور ۲۲ سال کے بعد ۲۳ ہزار دینار تاوان لیکر خلیفہ مطیع اللہ عباسی کو واپس دیا۔ اور اپنی جگہ دوبارہ نصب ہو۔ جو آج تک قائم ہے۔
۱۰	مہدی	امام ابو محمد عبید اللہ مغربی سے منسوب ہے۔ اس فرقہ کو سعیدی بھی کہتے ہیں اس نام کو اویست کا شرف حاصل ہے۔
۱۱	ملاحدہ	حسن بن محمد (جس کا عہد حکومت ۵۵۶ھ لغایت ۵۵۹ھ) حکمران قلعہ الموت کے زمانہ میں علماء اسلام نے فرقہ اسمعیلہ کا نام ملاحدہ رکھا (اس کا مفرد ملحد ہے) کیونکہ اس عہد میں شریعت اسلامیہ کی ظاہری ارکان بھی باقی نہیں رہے تھے نماز، روزہ وغیرہ

		<p>سب کی معافی مل گئی تھی۔</p>
۱۱-۱۱۱	حنی	<p>حنی صبح کے عہد میں یہ فرقہ حننی (منسوب بہ حسن صبح) تعلیمی (یہ نام اسی عقیدہ کی بنیاد پر ہے کہ بغیر امام کی تعلیم کے خدا شناسی محال ہے) باطنی (ہر باطن کا ایک ناطق ہے) فذائی (فذائیوں کے اعتبار سے) خاشائین (بھنگا، بھنگا نوش) کے نام سے مشہور تھا۔ منجملہ ان کے نمبر ۱۶ صرف یورپ میں مشہور تھا۔ باقی نام عراق، عرب و عجم میں مشہور تھے۔ باطنیہ بھی قدیم نام ہے۔ مگر خاص شہرت حنی صبح کے زمانے سے ہوئی ہے چونکہ حنی اور اس کے ناشین نام نزار فاطمی کے داعی تھے۔ لہذا یہ فرقہ نزاریہ بھی کہلاتا ہے۔ اور حنی صبح کے نام و قبیلہ کی مناسبت صبا جیہ اور حمیرہ بھی کہتی ہیں۔</p>
۲۰	بضیہ	<p>ملک شام کے بعض مقامات میں یہ فرقہ بضیہ کہلاتا ہے۔ اور بعض شہروں میں فنی کہتے ہیں کہ سفر نامہ ابن بطوطہ سے واضح ہوتا ہے۔ ملک شام میں احمد بن عبد اللہ میمون اور محمد بن احمد میمون کے بعد ایک شخص نے یہ لقب صاحب الحال ابن مرویہ پیدا ہوا۔ عرب کے قبل میں اس کا بہت زور ہوا۔ ۳۲۹ھ میں قتل ہوا۔ بعد ازاں یحییٰ بن زکریا اور ابوالقاسم حسین بن یحییٰ کی توجہ سے شام میں خوب ترقی ہوئی۔ ملک شام کے فرقہ نے تمام یورپ میں ہل چل دی تھی اور سب سے اول قلعہ باناس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا جس کی تفصیل کمال اثیر وغیرہ میں موجود ہے۔</p>
۳۱	قراطمین	<p>تیسری صدی ہجری کے خاتمہ پر صناعیہ علی بن فضل یمنی نے مذہب اسماعیلیہ کی بنیاد ڈالی۔ شراب حلال بیٹیوں سے نکاح جائز کر دیا اور یمن میں مسلمانوں کے نام سے فرقہ</p>

مشہور ہوا تفصیل کے لیے تاریخ عمارۃ بنی مطبوعہ لندن مع ترجمہ انگریزی لکھنا چاہیے

مختصر فہرست مشاہیر اسلام

جو صبح اور اُس کے جانشینوں کے عہد میں فدائیوں کے ہاتھ قتل ہوئے

نمبر	سن قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۱	۳۸۵ھ ۶۱۰ء	خواجہ جن نظام الملک دیرکشاہ بھوٹی	ابو طاہر حارث	
۲	۳۸۹ھ ۶۱۰ء	ابو مسلم حاکم رے	خدا داد رازی	
۳	ایضاً	امیر سیاح پوش	ابراہیم دماوندی	
۴	ایضاً	امیر اثر ملک شاہی	حسن خوارزمی	
۵	ایضاً	امیر کجش	ابراہیم دماوندی	
۶	۳۹۰ھ ۶۱۰ء	امیر ارغش غلام ملک شاہ	عبدالرحمن خراسانی	بقام سے قتل کیا۔ اسی طرح امیر یوسف بن طغرل بیک کو قتل کیا تھا
۷	ایضاً	حادی علوی گیلانی	ابراہیم بن محمد	
۸	ایضاً	ابو الفتح دہستانی وزیر بک یارق	غلام دخی خادم وزیر	
۹	ایضاً	امیر سرزمین ملک شاہی	ابراہیم خراسانی	
۱۰	ایضاً	عبدالرحمن البیرمی وزیرم السلطان بک یارق	+	

لے یہ فہرست سیاحت نامہ باب ۴۶ اور دیگر مذہبی تاریخوں سے ماخوذ ہے۔

نمبر شمار	قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۱۱	۴۲۹۰ ۶۱۰۹۶	امیر ربیع ندم طغرل بیگ	x	
۱۲	۴۲۹۱ ۶۱۰۹۷	سکندر صوفی قزوینی	رفیق قستانی	
۱۳	ایضاً	ابو لطف مجید فضل اصفہانی	ابو الفتح سنجر	
۱۴	ایضاً	سنقرچہ والی دہستان	محمد دہستانی	
۱۵	۴۲۹۲ ۶۱۰۹۸	ابو القاسم کرخی	حسن ماوندی	
۱۶	ایضاً	ابو الفرج ترائکی	+	
۱۷	ایضاً	ابو عبید مستوفی	رستم ماوندی	
۱۸	ایضاً	آتابک مودو جام دیار بکر	+	
۱۹	ایضاً	ابو جعفر شاطبی رازی	محمد - ماوندی	
۲۰	۴۲۹۳ ۶۱۰۹۹	امیر بکا بک سرم اصفہانی	قتل خاص سلطان محمد کے عمل میں کیا	
۲۱	ایضاً	قاضی عبد اللہ اصفہانی	ابو العباس مشہدی	
۲۲	ایضاً	قاضی کرمان	حسن سراج	
۲۳	۴۲۹۹ ۶۱۱۰۵	قاضی ابو العلاء عبد بن ابو محمد نیشاپوری	+	جامع مسجد اصفہان میں قتل کیا۔
۲۴	۴۳۰۰ ۶۱۱۰۶	وزیر قزق الملک ابو لطف فرج انجم الملک طوسی	+	یوم عاشورہ کے دن قتل کیا
۲۵	۴۵۱۶ ۶۱۱۲۲	کمال ابو طالب سمیرمی زیر سلطان محمد		بقام ہدان قتل کیا
۲۶	۴۵۱۹ ۶۱۱۲۵	قاضی ابو سعد محمد بن نصیر بن منصور ہری	+	بقام ہدان قتل کیا

نمبر شمار	سند	نام متول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۲۷	۵۵۲۰ ۶۱۱۲۶	قیم الدولہ آق سنقر		نازعہ میں قتل کیا۔
۲۸	۵۵۲۱ ۶۱۱۲۷	معین الملک ابو نصر محمد بن فضل وزیر سلطان		اس زمرہ میں عام طور پر باطنیہ کے قتل کا حکم جاری کر دیا تھا۔
۲۹	۵۵۲۳ ۶۱۱۲۹	عبدلطیف بن محمد بن یونس الشافعیہ		
۳۰	۵۵۲۴ ۶۱۱۳۰	الامیر باجرام اللہ ابو علی برہمستعلی صاحب		
۳۱	۵۵۲۶ ۶۱۱۳۱	امام ابو ہاشم فاطمی		زندہ چلا دیا۔
۳۲	ایضاً	قاضی ابو سعید ہروی	محمد واری عمر و معانی	
۳۳	۵۵۲۷ ۶۱۱۳۲	حسن گرگانی	ابو منصور ابراہیم خیر آبادی	
۳۴	۵۵۲۸ ۶۱۱۳۳	سید دولت شاہ علوی حاکم اصفہان	ابو عبد اللہ	
۳۵	ایضاً	آق سنقر حکمران مراۓ	ابو سعید و محمد ہستانی	
۳۶	ایضاً	جناب شمس تبریزی	ابو سعید بن ابی جعفر بنانی	
۳۷	۵۵۲۹ ۶۱۱۳۵	خلیفہ امیر شہر باللہ عباسی		۱۴۰۔ خدائیوں نے ملک کام تمام کیا
۳۸	ایضاً	حسن بن ابی القاسم کرخی مفتی شہر قزوین	محمد کرخی سلیمان قزوینی	
۳۹	۵۵۳۲ ۶۱۱۳۷	داؤد بن سلطان سنجر		
۴۰	۵۵۳۳ ۶۱۱۳۸	قاضی قہستانی۔	ابراہیم دامغانی	قاضی صاحب ہمیشہ باطنیہ کے قتل کا فتویٰ لکھا کرتے تھے۔
۴۱	ایضاً	قاضی قہسب السلطنت جارجیہ	ایضاً	
۴۲	۵۵۳۴ ۶۱۱۳۹	قاضی بہدان	امیر خوارزمی	

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۴۳	۴۵۳۲ھ ۶۱۱۳۹	میں الدولہ خوارزم شاہ		
۴۴	۴۵۳۵ھ ۶۱۱۴۰	امیر ناصر الدولہ بن مہملہ	حنین کرمانی	
۴۵	۴۵۳۷ھ ۶۱۱۴۲	امیر کرشاشپ ولی کرمان		
۴۶	۴۵۳۸ھ ۶۱۱۴۳	داؤد بن سلطان محمد بن محمد سلجوقی		
۴۷	۴۵۴۰ھ ۶۱۱۴۵	آق سنقر غلام سلطان بنجو		سلطان بنجو کا دوسرا غلام جو بہرہ کی کسی نا طینہ کے ہاں سے مارا گیا تھا۔ جس کے قصاص میں امیر عباس حاکم نے غلام جو بہرہ نے ہزاروں نا طینی قتل کرا دیئے اور ان کے سر پہ کاٹنا رہ بنایا جو پیر و زن ڈان تیا تھا۔
۴۸	۴۵۹۶ھ ۶۱۱۹۹	نظام الملک مسعود بن علی وزیر خوارزم شاہ		سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی فوجوں نصیبی سپہ سالار کیلئے لیکن جنگ صلیبی کے زمانے میں بعض ترک افواج بھی قتل ہوئے

یہ فہرست تاریخ کمال اثر - تاریخ آل سلجوق - گنج دانش - اور انگریزی تاریخوں سے ماخوذ ہے۔

دولت سلجوقیہ کی ابتدائی تاریخ طغرل ایک کی فتوحات

سلجوقی سلطنت کا قیام و استحکام خلیفہ قائم بامر اللہ عباسی
سے عزیزانہ مراسم، الپ سلاں کا عہد حکومت

ترک تاتار ترکستان اور بلخ چین کے مابین جو عظیم الشان درہ کوہ جس کی مسافت ہر طرف سے ایک مہینہ کی راہ تھی، واقع ہوئی وہی ترکی اقوام کا قیام گاہ تھا اور سولے خانی کبر کے ان کی مردم شماری کسی کو معلوم نہیں تھی۔ ان اقوام کے سبب زندگی بھی ایسی جگہ مہیات کیونکہ انکی عام غذا، جانور اور صحرائی، اور پرندوں کا گوشت اور بکریوں کا دودھ تھا کبھی کبھی غلہ بھی بجاتا تھا۔ سواریوں کے لیے مضبوط گھوڑے موجود تھے جن کے لیے چراگاہوں میں گھاس بڑاڑ تھی بھیر اور بکریوں کے باؤں سے لباس اور خیمے بناتے تھے۔ دلیری اور بہادری میں ممتاز تھے۔ اور قدرت نے اپنی فیاضی سے عورتوں کو بھی ان صفات میں ممتاز کیا تھا۔ ان سبب نے ترکوں کو ایک خوفناک اور جنگجو قوم بنا دیا تھا۔ اگرچہ پہلی پیشہ جنگ جہال تھا۔ مگر تفریحاً قافلوں کو بھی لوٹ لیا کرتے تھے۔ غوز، غوزی، یوز، خطا، اور تاتاری ترک بھی اسی گروہ سے ہیں۔ مگر انہیں بھی

لے ابن خلکان، دولت سلجوقیہ تاریخ اسلام، ان کی تریل سیامیر علی خلافت قائم بامر اللہ۔ تاریخ ایران، کلمہ صاحبان سلجوق۔

تاتاری سب سے ممتاز ہیں۔ چین کے سیراب و پر فضا میلان ہندوستان کے زرخیز صوبے ایشیائے کوچک کے خوشنما وادیان، شمالی یورپ کے پہاڑی اور ویران ملک اور ایران کے بعض حصے۔ تاتاریوں کے جولا گناہ تھے۔ یہ ہندی ل جس میدان میں چھا جاتا وہاں کے خشک ترکی صفائی کرتا تھا۔ اور سلاطین ان کے حملہ کا نام سنکر بدحواس ہو جاتے تھے۔ جسکی تاریخ شاہ ہی چانچل بھی اسی نسل سے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ جس وقت مغل ایشیا کے انتہائی مشرقی گوشہ میں نیم وحشیانہ حالت میں تھے اس وقت ترک عربوں کے میل جول سے تہذیب کے سانچہ میں ڈھل گئے تھے۔ بہر حال مسلمانوں نے اپنی عالمگیر فتوحات کے زمانہ میں ان ترکی اقوام کو بلاد ماوراء النہر سے نکال دیا تھا۔ صرف ترکستان، کاشغر، شانش، اور فرغانہ ان کے قبضہ میں گیا تھا۔ جبکہ وہ سالانہ خراج ادا کرتے تھے۔ لیکن جب ملک ترکستان کی حالت ڈال پذیر ہوئی تو یہ بادیشین اقوام درہ کوہ سے ٹھکر بلا ترکستان میں آباد ہو گئیں جس کی ابتدا مسیحیہ سے ہوتی ہے۔ تاتاری اقوام میں سب سے زبردست سلاجقہ ہوئے۔ اور اس کتاب کا تعلق آل سلجوق سے ہے لہذا سلجوقی عظم کی مختصر تاریخ لکھی جاتی ہے (عربی تاریخوں میں سلجوقی ترکمان کے نام سے مشہور ہیں۔)

دولت سلجوقیہ کی مختصر تاریخ | دشت قباچق کا نامور سردار بگیو خاں (پغیو خاں) ایک نئے دغما حکمراں تھا۔ اور اس کی فوج کا سپہ سالار دقاق (تقاق) المخاطب بہ "قرابلیغ" تھا (اس لفظ کے معنی سخت کمان کے ہیں جو دقاق کی بہادری اور غیر معمولی جہارت پر دلالت کرتے ہیں)

۱۵۱ ابن خلدون عہد سلجوق۔ ۱۵۲ روضۃ الصفا۔ حالات سلجوق۔ ابو الفدا صفحہ ۱۱، اجداد اول الخوانی جلد اول صفحہ ۸۵۔ ۳۵۔

زینۃ الحجاس مجدی صفحہ ۱۲۲، نامہ سرواں طبقہ سلجوقیان صفحہ ۴۸

فن سپہ گری کے علاوہ دقاق عقل و رائے تذبذب و سیاست و رمانت و دیانت میں بھی ممتاز تھا۔ اسی وجہ سے بگلو خاں کو نہایت عزیز تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں دقاق کے یہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سلجوق رکھا گیا اور یہی مولود سعید سلجوق اعظم ہو کر خاندان سلجوقیہ کا بانی قرار پایا۔ چنانچہ دقاق اور بگلو خاں کے سایہ عاطفت میں سلجوق کی تربیت ہوئی۔ جب سلجوق جوان ہو گیا اُس وقت دقاق کا انتقال ہوا۔ اور بگلو خاں نے سیاسی (سپہ سالاری) کا درجہ دیکر سلجوق کا مرتبہ بڑھایا تو می سرداری، اور فوجی اثر سے سلجوق نے اپنی جماعت کو خاص طور پر ترقی دی۔ اور بگلو خاں پر بھی حاوی ہو گیا۔ تب اہل سلطنت حاسد ہو گئے۔ اور زکاتوں کا بازار گرم ہو گیا۔ اور ایک خاص اقدہ یہ ہوا کہ محل سرے میں ایک دن سلجوق مستد شاہی کے قریب جہاں بیگمات۔ اور شاہزادوں کی نشست تھی جا بیٹھا۔ یہ نشست خاتون کو نہایت ناگوار ہوئی۔ اور اپنے شوہر سے کہا کہ ”یہ لڑکا بہت چل نکلا ہو۔ اس عمر میں تو یہ حال ہو گے چکر خدا جانے کیا ہوگا؟“ بگلو خاں اس اقدہ کا اثر ہوا۔ اور سلجوق کو اوج حشم سے گرا نا چاہا۔ جب سلجوق کو اس اقدہ کی خبر ہوئی تو وہ بھی ہوشیار ہو گیا۔ اور سو سوار، پندرہ سوار و نٹ، اور پچاس ہزار بکریاں لیکر تھر قند کو روانہ ہوا اور نول جتدیں بھیج کر خیمے لگا دیے۔ یہاں اس قبیلہ کے اور گروہ بھی آ گئے اور ایک چھوٹی سی حکومت قائم ہو گئی اور تائید غیبی سے سلجوق مع اپنے توابعین کے مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ خاندان

لے ترکی اور پنگلار سلجوق ہو۔ اور عرب سلجوق کہتے ہیں۔ نامہ خرواں عبد سلجوقیاں۔ ۱۷ جند بکر کا کلمہ اور بڑا شہر ہو صفحہ ۱۴
جلد ۲ مجمع البلدان۔ ۱۷ لغوی کی روایت ہو کہ سلجوق نے اپنی عالی ہستی، فیاضی، دلہندی سے اہل قوم کو اپنا ہمدرد بنایا تھا۔
اس جسے خاتون نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ سلجوق کو قتل کر دے۔ چنانچہ بگلو خاں نے اڈار کیا تھا کہ میں مغرب سے اس کا انتقام کروں گا جس کو تم دیکھ لو گی۔ چنانچہ سلجوق کو جب یہ اشارہ معلوم ہوا تو وہ مع اپنے قبائل کے جند کو چلا گیا۔ لغوی

سلجوقیہ میں یہ پہلا مسلمان سردار تھا۔ جو مذہب اسلام کا ایک بردست مجدد اور حامی بن گیا۔ جس علاقہ میں سلجوق مقیم تھا۔ یہ علاقہ پیغ، شاہ ترکستان کے قبضہ میں تھا۔ اور وہ اہالیان جند سے خراج لیا کرتا تھا۔ لیکن سلجوق نے اگلے خراج سے انکار کیا۔ اور بذریعہ تلوار پیغ سے یہ علاقہ چھین لیا۔ اس فتح سے اطراف جوانب میں سلجوق کا اقتدار بڑھ گیا اور چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کا وہ مددگار بن گیا۔ جب سلجوق کی طاقت بڑھ گئی تو اس نے اپنا صدر مقام ”نور بخارا“ قرار دیا۔ اور اس جگہ کو مستحکم کر کے ملک گیری کی طرف متوجہ ہوا۔ سلجوق کے چار بیٹے۔ اسرائیل، میکائیل، یونس، موسیٰ ارسالان لقب بہ پیغ کال تھے۔ چنانچہ میکائیل ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اور خود سلجوق بھی (۷۰ برس کی عمر میں) ایک تباہی کے ہات سے قتل ہوا۔ اور بقیہ جند دفن ہوا۔ سلجوق اور میکائیل کے بعد طغرل بیگ محمد اور چغری بیگ اود (پسران میکائیل) قوم کے سردار بنے۔ اور دونوں کے مشورے سے حکومت شروع ہوئی۔ جن مانہ میں طغرل بیگ کی فتوحات کی ابتدا ہوئی ہے۔ اس وقت نیا اسلام کی یہ حالت تھی کہ خلافت بغداد کا صرف نام ہی نام رہ گیا تھا۔ اور وہ وسیع و عظیم اٹان سلطنت جو کبھی بغداد کے ایک خلیفہ کے زیر نگین تھی اس وقت

۱۔ مسلمانوں کا صاحبِ موت اسلام میں گھٹے ہیں کہ اہل غانی خاندان کی لڑائیوں میں جو ترکی سردار شریک تھے انہیں ایک شخص سلجوق بھی تھا جو مشرق میں کرغیز کے پہاڑی میدانوں سے ترک اپنی قوم کو بخارا کے ضلع میں لایا۔ اور ان اس نے اور کسی قوم نے نہایت جوش سے اسلام قبول کیا۔ اور یہی دولت سلجوقیہ کی ابتدا ہوئی جسکی فتوحات نے مسلمانوں کی سستی ختمی شانِ شوکت کو پھر سنبھال لیا۔ اور مغربی ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کو ایک سلطنت میں شامل کر دیا۔ ”دعوت اسلام صفحہ ۲۳۸ بطور اگرہ۔ ۱۔ تاریخ آل سلجوق صفحہ ۱۱ اور بخارا۔ بخارا سے تیس میل کے فاصلہ پر شانِ عام پر ایک منہو کاؤں پر او کو ہستی ہے۔ جہاں ترکان دین کے فرار میں موسمِ سرما میں نور بخارا اور موسمِ گرما میں صفد سمقند مقام رہتا تھا صفحہ ۲۲ جلد ۱۔ مجمع۔ ۱۔ کمال اثر جلد صفحہ ۶۳ بعض تاریخوں میں نیاں کا نام بھی لکھا ہے۔

مختلف خاندانوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ خلفائے فاطمین مصر کے سوا کسی کو شاہنشاہی کا خطاب نہ دیا گیا تھا۔ اسپین، افریقہ (جس میں مصر کا زرخیز صوبہ شامل تھا) خلافت عباسیہ کے اثر سے آزاد ہو چکا تھا۔ شام کا شمالی حصہ و الجزائرہ، کروشس عربوں کے قبضہ میں تھا جن میں سے بعض شاہ خانی خاندانوں کے بانی ہوئے۔ دولت ایران کی بویہ میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اور بغداد کا امیر المومنین بھی انہی کے ہاتھوں میں تھا جس کی مذہبی عظمت کو آل بویہ کے خیالات شیعہ نے ضعیف کر دیا تھا۔ ایسی پُر آشوب زمانے میں اسلام کی مذہبی اور سیاسی مکروری رفع کرنے کے لیے ایک بے دست و پا کی ضرورت تھی۔ چنانچہ خدائے سلجوقیوں کے وجود سے اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ مسلمانوں کی ایک مشہور مورخ کا قول ہے کہ وہ اسلام قبول کرتے ہی ان کدہ تاراش اور خانہ بدوش و حشوں کی جو شہری زندگی سے بالکل بے خبر تھے، کا یا پلٹ ہو گئی۔ یہ سلجوقی مسلمانوں کی مردہ سلطنت میں روح پھونکنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فی الواقع اپنی کوششوں میں کامیاب ہو سلا جتہ برق و باد کی طرح ایران، الجزائرہ، شام، ایشیائے کوچک سے گزر گئے جو مقابلہ پر آیا اُس کو برباد کر دیا۔ ان فتوحات کے سیلاب کا یہ نتیجہ ہوا کہ افغانستان کی مغربی سرحد سے بحیرہ روم تک کل ملک ایک فرمانروا کی حکومت میں آگیا روز کی خانہ جنگیاں بند ہوئیں۔ اور سلطنت کے منتشر عنصر ایک قالب میں جمع ہو گئے۔ رومیوں کی پیش قدمی کا اسناد ہو گیا نئی ترکی نسل میں مذہبی جوش پیدا ہو گیا۔ یہی سبب ہے کہ دولت سلجوقیہ کو تاریخ اسلام میں متمہ باشند درجہ ملا ہے۔

طغرل بیگ کی فتوحات | ابتدا میں طغرل بیگ نے علی تگین خاں (ایک خاں) حاکم ماوراءالنہر اور قدر خاں حاکم ترکستان سے ربط ضبط بڑھایا۔ لیکن یہ دوستی خود غرضی پر مبنی تھی لہذا جنگ کی نوبت آئی۔ اور طغرل بیگ کامیاب ہوا۔ اور چغری بیگ خراسان اور طوس ہوتا ہوا۔ آرمینیا کی طرف چلا گیا۔ اور سلطنت روم میں نہ بھی لڑائیوں میں مصروف ہوا۔ والی طوس سے پہلی غلطی ہوئی کہ اس نے چغری بیگ کو طوس سے گزرنے دیا جب یہ خبریں سلطان محمود تک پہنچیں تو ۶۲۲ھ میں اس نے ایک قاصد طغرل بیگ کے پاس روانہ کیا۔ اور ملاقات کے لیے ایک سردار کو طلب کیا۔ طغرل بیگ نے اپنے چچا اسرائیل کو غنیمت دانہ کیا جب اسرائیل دربار سلطانی میں پیش ہوا تو غصہ کیا ساتھ بٹھایا گیا۔ اثنائے کلام میں سلطان نے پوچھا کہ ”اگر مجھے فوجی مدد کی ضرورت ہو تو تم اپنے قبیلہ سے کتنے سوار لاسکتے ہو؟“ اسرائیل نے ترکش سے ایک تیر خاں کو سلطان کو دیا اور عرض کیا کہ اگر یہ تیر ہائے خیل میں بھیج دیجئے تو ایک لاکھ سوار حاضر ہوں گے۔ اسی طرح دوبارہ اور سہ بارہ سوال کیے ہر جواب پر اسرائیل ایک ایک لاکھ سوار بڑھاتا گیا۔ اور جب اسپر بھی محمود نے وہی سوال کیا تو اسرائیل نے نکمان سامنے رکھ دی اور عرض کیا کہ ”اسکے ذریعہ سے دو لاکھ بہادر صحرائی جرگوں سے جمع ہو جائیں گے۔“ سلطان محمود سبھو قیوں کی کثرت سے مرعوب ہو گیا اور اسرائیل کو قلعہ کالنجر (ہندوستان) میں قید کر دیا۔ جہاں وہ سات برس قید رہا۔ اسی طرح جب سلطان محمود ہندوستان کے جہاد میں مصروف تھا تو سبھو قیوں کی ایک بڑی

۱۷ تفصیل کے لیے روشنی العفا کامل اثیر۔ اور صوالا القالیم خروج سبھو قیان دیکھنا چاہیے۔

۱۸ تاریخ الاسلام۔ رائٹ انریبل سید میر علی۔ حالات سلطان محمود غزنوی۔

جماعت کرغیز کو عبور کر کے ماوراءالنہر میں آباد ہو گئی۔ اور سلطان نے یہ بڑی غلطی کی کہ معمولی شرائط پر خراج لے کر ان کو آباد نہ ہونے دیا۔ اور ان کی خواہش کے مطابق جیون سے عبور کرنے کی اجازت بھی دیدی اور وہ اطراف خراسان میں آباد ہو گئے۔ اور ابوسہل احمد بن حسن حمدونی، حاکم خراسان نے چراگاہ "وندانقان" کا زرخیز میدان ان کو دیدیا۔ ارسلان جاذب (والی طوس) نے اس حکم سے اختلاف کیا اور عرض کیا کہ "ایسے خطرناک مسلح گروہ کو جو تعداد میں کثیر ہیں خراسان میں داخلہ کی اجازت دینا خلاف مصلحت ہے۔ اور دوسرا مشورہ یہ پایا تھا کہ "آل سلجوق اور اس کی جماعت جیون میں غرق کر دی جائے۔ یا ان کے انگوٹھے کٹوا دیے جائیں تاکہ وہ تلوار زنی اور نیزہ بازی ناکرسکیں" لیکن سلطان محمود نے اسکو طامانہ اور وحشیانہ فعل قرار دیا اور اسپر عمل نہیں کیا۔ اور سلجوقی گروہ جیون سے گزر کر شہر نسا، ابورد، اور طوس میں پھیل گیا۔ ۴۴۱ھ میں سلطان محمود کا انتقال ہو گیا۔ اور سلطان مسعود تخت نشین ہوا۔ سلطان محمود کی حیات تک تو سلجوقیوں کا زور کم رہا۔ لیکن دوسرے عہد میں طغرل بیگ اور چغری بیگ نے تمام ملک میں عام بغاوت کر دی، دونوں طرف سے مقابلے ہوتے رہے اور بالآخر نیشاپور اور خراسان کی فتح پر ان لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا

۱۔ ارسلان جاذب سلطان محمود کے زمانہ میں طوس اور نیشاپور کا حاکم تھا۔ اور دربار محمود غزنوی میں اعلیٰ درجہ کے امراء میں شامل تھا اور سلطان کا رشتہ دار بھی ہوتا تھا۔ نیشاپور کی سرحد پر جہاں سے طوس اور ہرات وغیرہ کو سرحد گھومی ہوا ایک رباہ سنگی تعمیر کی کہ جس کی نظیر نہیں ہے۔ ارسلان کی قبر بھی اسی رباہ میں ہے اور قبر کے چاروں طرف حسب ذیل کتبہ ہے:

کُلِّ مَلِكٍ سَيَعُوذُ بِحُلِّ نَاسٍ سَيَعُوذُ بِلَيْسٍ لِلْإِنْسَانِ حَيَاتُهُ سِرْمَدُ الْإِلَهِ الْعَلِيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ =

دولت شاہ صفحہ ۷۰، ۷۱ ابن خلکان حالات طغرل بیگ ۳۷۷ سلطان مسعود اور طغرل بیگ کی لڑائیوں کے حالات تفصیل سے تاریخ ہستی میں لکھنا چاہیے ۴۴۲ھ میں نیشاپور اور ۴۴۳ھ میں خراسان فتح ہوا اسکے بعد ہرات اور مرو قبضہ ہوئے۔ "انوائی صفحہ ۷۰"

اس جنگ میں طرفین کا عظیم الشان نقصان ہوا۔ اور ایسا رن پڑا کہ جس کی نظیر چوتھی صدی میں نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سلطنت مغربیہ کے گھنڈرات پہلوتی ایوان حکومت کی بنا ڈالی گئی اور آتش جنگ جو ایک مدت سے شعلہ زن تھی بجھ گئی۔ اطراف و جوانب میں اٹل مقرر کر کے طغرل بیگ نے ملک کا از سر نو انتظام کیا۔ تمام ملک میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور افراسیاب کی چوبیسویں پشت میں پھر سلطنت قائم ہوئی۔ طغرل بیگ نے اپنا دار السلطنت سے توار دیا اور چغری بیگ نے مرو کو دار الحکومت بنایا۔ لیکن محض انتظامات تھا۔ کیونکہ بڑے بھائی کے مقابلہ میں چغری بیگ حکمراں بننا نہیں چاہتا تھا۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد طغرل بیگ اور چغری بیگ نے امیر المومنین القائم باہر اللہ عباسی کو اس مضمون کی درخواست دی کہ ”خاندان سلجوق ہمیشہ سے مطیع و مطہر و خواجہ خاندان سالت ہو اور ہمیشہ جہاد میں مصروف رہا ہے۔ ہمارے چچا اسرائیل کو سلطان محمود نے بلا جرم و قصور گرفتار کر کے قلعہ کا لہجر میں قید کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے بہت سے عزیز قلعہ غزنین میں قید ہیں۔ سلطان محمود کے انتقال پر سلطان مسعود نے مصالح سلطنت پر توجہ نہ کی اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ ملک میں بد امنی پھیل گئی۔ تب شاہیر خراسان نے استدعا کی کہ ہم انکی حمایت کریں اس لیے ہم سے اور مسعود سے جنگ ہوئی۔ لیکن باقبال امیر المومنین ہماری فتح ہوئی جس کے شکریہ میں ہم نے عدل انصاف کو پھیلادیا ہے۔ اور ظلم و ستم کو چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ رزو ہے کہ ہماری حکومت امیر المومنین کے زیر فرمان ہو اور حکومت کا طرزائین اسلام کے مطابق ہو۔“ ابو اسحاق نخعی سفیر نے جب یہ درخواست امیر المومنین کے حضور میں پیش کی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور طغرل بیگ کو

۱۵۰. هو الا قالیم عهد سنجویه و تاریخ آل سلجوق اصفهانی عهد طغرل بیگ ۱۵۱. ابن طغرل و حالات طغرل بیگ خلافت قائم باهر الله

ترک الدین کا خطاب دیا اور خلعت و انہ کیا اور بلا و مفتوحہ کی سند حکومت بھی عطا کی۔ چنانچہ
سند و خلعت ملنے پر مغزل بیگ نے جشن منایا۔ اور دس ہزار دینار جو امہرات قیمتی کپڑے اور
چند شک نافہ خلیفہ کے حضور روانہ کیے۔ علاوہ اس کے اراکین دولت کو پانچ ہزار دینار اور وزیر کو
دو ہزار دینار بھیجے۔ اور ہبۃ اللہ بن محمد المامونی سفیر خلیفہ کو بھی انعام دیکر اعزاز سے نصیب کیا۔
مغزل بیگ کی ملکی تقسیم عراقی اور
عربی قبضہ، مالک و مہر کا
بغداد سے عزیزانہ تعلقات۔

فتوحات سے مطمئن ہو کر اس بیگہ میں مغزل بیگ نے انتظام
سلطنت کی غرض سے بلا و مفتوحہ کو اس طرح پر تقسیم کیا کہ۔

- | | | |
|---|---------------------------|-----------------------------|
| ۱ | حیون سے نیا پور تک | چغری بیگہ اور |
| ۲ | کوہستان، ہمدان | ابراہیم بن یнал |
| ۳ | بست، ہرات، سیستان، بوشنج۔ | ابو علی حسن بن موسیٰ ارسلان |
| ۴ | کرمان، تون، طبرس | قادر بن چغری بیگ |
| ۵ | اذربائجان، ابهر، زنجان | ماقوتی بن چغری بیگ |
| ۶ | جرجان، وامغان | قلکش بن موسیٰ ارسلان۔ |

اس کے علاوہ صوبہ عراق و عجم کو اپنے قبضہ میں کما اور نیابت میں اپنے سب سے لائق بیٹے ارسلان
بن چغری بیگ کو لے لیا اور اسی تقسیم کے مطابق ملکی انتظام شروع ہو گیا۔

عراق، عجم کی فتوحات سے فارغ ہو کر سلطان ۳۳۳ھ میں ۷۷۷ کو واپس آیا اور چند روز

۷۷۷ھ کا روانی مذہبی حیثیت سے تھی ورنہ بلا و مفتوحہ کی سند عطا کر دینا خلیفہ کو کوئی احتیاج حاصل نہ تھا۔

۷۷۷ھ آل سلجوق اصفہانی۔ ولتریری ہٹری آن پرشیا پروفیسر براؤن۔

ٹھہر کر بغداد کو روانہ ہوا چنانچہ اس سال عید کی نماز سلطان نے بغداد میں پڑھی اور شہر میں جلوس سے سواری نکلے۔ اور خلافت آب کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ یہ سب ۷۴۴ھ میں شیراز میں لنگی کا خطبہ پڑھا گیا۔ اسی طرح اطراف و جوانب کے سزاروں نے بھی اطاعت قبول کر لی امیر ابوالمکارم والی خجندہ، اور قریش بن بردان، والی موصل نے تمام علاقہ میں سلطان کا خطبہ پڑھوایا۔ بعد ازاں سلطان نے آرمینیا ہو کر ملازکرہ کا محاصرہ کیا، یہاں کے حاکم نے اطاعت نہیں کی تھی لہذا قریب چار کے شہروں کو تباہ کر دیا اور جہاد کرتا ہوا شہر اردون (روم) تک چلا گیا۔ (سلطان کی جولانگاہ جاریہ اور آئریہ تک تھی۔ اور ۷۴۴ھ میں براہیم بن نیال سلجوقی مالک روم پر حملہ کرتا ہوا قسطنطنیہ کے قریب پہنچا تھا) غرض کہ ان لڑائیوں میں سلطان کو بہت مال غنیمت ہات آیا۔ لیکن شدت سرما سے مجموعہ ہو کر کئی ہفتے ایسا یا کچھ عرصہ تک قیام کر کے ہمدان کی طرف مراجعت کی۔ اس مرتبہ سلطان کا یہ راہ دہ تھا کہ حج خانہ کعبہ سے مشرف ہو۔ اور ملک شام سے خلفاء فاطمیہ کو بیدخل کر دے، لہذا احلوان کو روانہ ہوا لیکن اس نے مانے میں خلیفہ القائم بامر اللہ امراے دیالمکہ کے نظام سے بہت پشیمان تھا۔ لہذا بتاریخ ۲۵ رمضان المبارک ۷۴۴ھ مطابق دسمبر ۱۳۴۲ء سلطان اہل بغداد ہوا۔ وزیر عمید الملک کندری بھی ہمراہ تھا۔ خلیفہ کی طرف سے رئیس الروسا (وزیر عظم) اہل مناصب قاضی القضاۃ اور ذمی تہ

۱۔ خجندہ۔ صوبہ اردان کا بڑا شہر۔ جو شہر ان درآذہ بایجان کے مابین واقع ہے۔ اس شہر میں نامور علماء و محدثین تھے۔
 صفحہ ۱۵۱۔ جلد ۳۔ مجمع البلدان۔ ۱۵۲ھ میں مانہ میں بغداد پر شاہان دیلم کی حکومت تھی اور خلیفہ نہیں کے زیر اثر تھاجن کی طاقت کو سلجوقیوں نے توڑا اور خود ان کے قائم مقام ہو گئے۔

امرا نے ہتھیال کیا۔ دونوں وزیر بڑے تپاک سے ملے سلطان کے نیچے لب جملہ نصب کیے گئے اور فوج کی کثرت سے بغداد کی گلیاں بھر گئیں جامع بغداد میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ بروز پچھنبہ ماہ محرم ۴۴۴ھ (مطابق ۲۱ مارچ ۱۰۵۶ء) امیر المومنین قائم بامر اللہ نے دربار عام کیا۔ عمید الملک مع ارکان دولت خلیفہ کے حضور میں پیش کیے گئے اور اسی دربار میں خدیجہ الحطاب بامر سلطان خاتون، دختر چغری بیگ کا خلیفہ سے نکاح ہوا۔ وزیر غلام نے خطبہ پڑھا۔ اور شرائط ایجاب و قبول کے پورے ہوئے۔ اس شہ سے عمید الملک کی یہ غرض تھی کہ طغرل بیگ کی عزت افزائی ہو۔ اور دربار خلافت سے سلطان کے عزیزانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ اس زمانہ میں قتلش بن اسرائیل صوبہ موصل اور دیار بکر کا حکمران تھا۔ اس پر ارسلان بابسیری قریش بن بدان لعلی، اور نورالدولہ ویمس بن علی مزید کسادی نے متفق ہو کر حملہ کر دیا۔ اور بمقام سنجا ر لڑائی ہوئی قتلش

لعل بابسیری، ارسلان نام ابو الحارث کینت یا ایک داکر کا غلام تھا۔ یہ سوداگر شہر سار کا رہنے والا تھا جو کعبی میں قساوتے ہیں۔ بابسیری خلافت قیاس نسبت سے جو کواہل فارس نے جائز رکھا ہے چنانچہ سوار کو کوسے بہاؤ اللہ و ابن عضد اللہ و لمی نے تحریر کیا۔ اور غلاموں میں شامل کر کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم و تربیت کی چنانچہ ارسلان ساریت اور آداب کشک میں منظمیاد ہوئے جلال الدولہ اور اسکے بیٹے ملک جیم کے زمانہ میں بہت صاحب اثر ہو گیا تھا۔ اور خلیفہ قائم بامر اللہ کو قید کر کے بغداد سے قلعہ خان میں (نہر ذات کے کنارے) بھیج دیا۔ اور وزیر علی بن جین بن محمد میں ارؤسار کو قتل کر دیا اور بغداد کو لوٹ لیا (اس کے قتل کا یہ سبب ہے کہ وہ نہایت و جاعت میں اسخ العقیدہ تھا۔ اور وزیر عمید الملک کندی کا بڑا مخالفت تھا چنانچہ علی نے کرخ کے شیعہ پر حملہ کر دیا اور ان کے بزرگ کھارکھینک پڑا اور سچا لکے سیاہ علم ضرب دیئے اور اذان میں کلمہ سحر علی خیر العہل کے مقابلہ میں الصلوٰۃ خیر من النعم کا اضافہ کر دیا۔ اصحاب ثلثہ کی مدح باؤاز بلند قصہ خوانوں کی طرح گلی کوچوں میں پڑھنے لگے۔) اور دختر ملوی کا خطبہ پڑھا دیا۔ بغداد کے ناحیہ باب النج میں ار بابسیری ایک مشہور محلہ ہے۔ بغداد میں ایک سال چار مہینہ تک اس کا شور و شر قائم رہا جس کا نام تاریخ میں فتنہ بابسیری ہوئے اقامت ۴۴۵ھ سے متعلق ہیں۔ از ابن خلکان و منہ البلدان حصری۔

شکست کھا کر فرار ہو گیا۔ جب طغرل بیگ کو اطلاع ہوئی تو وہ قتلش کی امداد کو بغداد سے روانہ ہو کر
 موصل پہنچا۔ باسیری تو فرار ہو گیا اور نورالدولہ اور قریش نے سلطان کی اطاعت قبول کی
 اسی جگہ سلطان کا بھتیجا یاقوتی بن چغری بیگ بھی مع فوج آکر مل گیا۔ جس کی وجہ سے سلطان
 کی شان شوکت اور بڑھ گئی۔ ملک پر پورا سکھ بٹھ گیا۔ چونکہ اہل سنجار نے قتلش کو پریشان کیا
 تھا۔ اور باسیری سے سا ذکر گئے تھے۔ لہذا اس تصور میں سلطان نے وہاں کے وقت سنجا
 پر حملہ کیا اور عام لوٹ ہوئی۔ رؤسا سنجار کے سر جھنڈوں پر آویزاں کیے گئے لیکن پھر قتلش
 کی سفارش پر امن و امان کا اعلان کر دیا گیا۔ جب سلطان داخل بغداد ہوا۔ تو خلیفہ نے ملاقات
 کے واسطے پچیسویں ذیقعدہ یوم شنبہ مقرر کیا۔ دونوں طرف سے وسیع پایاد پر ملاقات کا سامان
 کیا گیا۔ سلطان مع ارکان دولت بابرۃ تک کشتی میں آیا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر امیر المومنین
 نے بھیجا تھا (یہ گھوڑا خاص امیر المومنین کی سواری کا تھا) اور دہلیز حسن السلام اور حسن الاسلام
 (ایوان خلافت) پر پہنچ کر پایادہ ہو گیا۔ ارکان دولت بغیر اسلحہ سلطان کے جلو میں تھے جب یہ
 شاندار جلوس ایوان خلافت تک پہنچا تو ارکان خلافت استقبال کر کے محل کے اندر لے گئے
 متعدد درجے طے کرنے پر نظر آیا کہ امیر المومنین حجاب کے پردوں میں دپوش ہیں جس جگہ
 تخت بچھا ہوا تھا اُس کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ درو دیوار سے عظمت و جلال نمایاں تھا جب
 سلطان مقرر اشرف کے قریب پہنچا تو پردہ اٹھا دیا گیا اور برائے امین امیر المومنین کی زیارت
 نصیب ہوئی۔ خلافت تاب ایک تخت پر جلوہ افروز تھے (یہ تخت زمین سے سات گز بلند تھا)

لے تاریخ آل سلجوق اصفہانی اور کامل اثر سے یہ اقتدہ لکھا گیا ہے۔

کنہ ہے پرچا در پڑی ہوئی تھی اور عصا ہات میں تھا۔ (یہ دونوں چیزیں رسالت مآب کی تھیں) سلطان طغرل بیگ خلیفہ کے حضور میں پہنچ کر مودب کھڑا کیا گیا۔ سلام اور زمیں بوسی کی رسم کے بعد سلطان کو کرسی پر بیٹھنے کی اجازت ہوئی (جو تخت خلافت کے سامنے بھی ہوئی تھی) محمد بن منصور کندی ترجمان ہوا (کیونکہ سلطان کی زبان فارسی تھی) معمولی بات چیت کے بعد رئیس اوروں نے خلافت مآب کی طرف سے کھڑے ہو کر بیان کیا کہ "امیر المومنین خلیفۃ المسیح تمہاری کوششوں کے بیدار ہو رہے ہیں۔ اور تمہاری جان نثاری کے مداح ہیں۔ امیر المومنین کو تمہاری حاضری سے بہت مسرت ہوئی اور امیر المومنین کو ملک و بلاد کی حکومت عطا فرماتے ہیں جس کا حکم اللہ جل شانہ نے انکو بنایا ہے۔ اور مخلوق کے مراعات اور ان کے معاملات میں ہمدرد کرتے ہیں۔ لازم ہے کہ حکومت حاصل ہونے پر اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور امیر المومنین کی احسانات و انعامات کو فراموش نہ کرو۔ عدل و انصاف کے پھیلانے۔ ظلم اور جور کے روکنے اور رعیت کی اصلاح میں بجان و دل سعی رہو" تقریر ختم ہونے کے بعد سلطان کو ایک دوسرے درجہ میں لے گئے۔ اور وہاں سات پارچہ کا سیاہ خلعت مرحمت ہوا۔ سر پر تاج رکھا گیا گلے میں طوق اور ہات میں گنگن پہنایا گیا۔ پھر تاج کے اوپر مشک میں ڈوبا ہوا ایک تار عمامہ باندھا گیا۔ گلے میں مصعق تلواریں رکھ دی گئی۔ جب عربی اور عجمی طریقہ پر سلطان خلعت پہن چکا تو پھر خلیفہ کے روبرو کرسی پر لا کر بٹھا دیا۔ سلطان نے اس عزت افزائی کے شکریہ میں دوبارہ زمیں بوس ہونا چاہا مگر چونکہ تاج خسروی کے گر پڑنے کا احتمال تھا۔ لہذا اس رسم سے معافی دی گئی۔ خلیفہ نے مصافحہ کے لیے ہات بڑھایا۔ سلطان نے بعد مصافحہ ہات چوما اور انکھوں سے نگھایا۔ دست بوسی کے بعد

خلیفہ نے اپنے مبارک ہات سے ایک تلوار سلطان کو مرحمت کی جو دوسری طرف گئے میں حامل کی گئی۔ خلیفہ نے سلطان کو دو تلواریں اور تاج و عمامہ بخشا۔ اسکا یہ مطلب تھا کہ سلطان طغرل اب مشرق اور مغرب کا مالک ہوا۔ اور اسکو عرب و عجم کی حکومت دی گئی۔ محمد بن منصور نے عہد نامہ پر تہ کر سنا یا جس کو سلطان نے تسلیم کیا۔ اور خلیفہ نے اُسپر کار بند ہونے کی ہدایت کی، ان رسوم کے بعد ملاقات ختم ہو گئی۔ اور سلطان واپس گیا۔ ۳۵۳ھ میں سلطان طغرل بیگ کو اپنے بھائی ابراہیم تپال سے بمقام ہمدان واسے نیار سے کی لڑائی کرنا پڑی۔ اور جب گرفتار ہو کر سامنے آیا تو سلطان نے قتل کا حکم دیدیا۔ اور اُس کے شور و شر سے ہمیشہ کے لیے نصرت مل گئی۔ موقع پا کر ارسلان بسا سیری نے بغداد پر حملہ کر دیا۔ اور خلیفہ کو مغرول کر کے مستنصر علوی مصری کا خطبہ جامع رصافہ اور جامع منصور میں پڑھوایا۔ اور علاوہ بغداد کے کوفہ، واسط وغیرہ میں بھی یہی کارروائی کی گئی۔ اذان میں کلمہ ”حی علی خیر العلی“ کا اضافہ ہوا۔ خلیفہ کو بغداد سے نکال کر قلعہ حدیثہ خاں متصل عانہ کنارہ نہر فرات میں بھیج دیا۔ بغداد و قصر خلافت لوٹ لیا۔ مستنصر علوی کو مبارکباد کا خط روانہ کیا۔ خلیفہ قائم بامر اللہ پر جب مصیبتیں ٹوٹ پڑیں تو اسنے نہایت درو انگیز خط لکھ کر طغرل بیگ کو طلب کیا۔ اسوقت اگرچہ سلطان خود اپنے جھگڑوں میں مبتلا تھا۔ لیکن خلیفہ کی اعانت کو فوراً بغداد پہنچا۔ سلطان کی آمد سنکر بسا سیری مع اہل و عیال فرار ہو گیا۔ اور چوبیسویں ذیقعدہ ۳۵۳ھ میں خلیفہ بھی بغداد پہنچ گیا۔ بمقام نہروان خود

۱۔ صاحب بحر رستان لکھتا ہے کہ جب خلیفہ کا خط سلطان کے پاس پہنچا۔ تو سلطان نے اپنے کاتب سنی الدین ابو العلاء کو حکم دیا کہ اس کے جواب میں صرف یہ لکھ دو کہ ”آپ مطمئن رہیں۔ میں غفریب مع فوج کے آتا ہوں“ چنانچہ

سلطان نے استقبال کیا۔ اور دست بوس ہو کر سلامتی کی مبارک باد دی اور معذرت کی کہ میں براہیم سے برسرِ پکار تھا۔ اس وجہ سے حاضری میں وقفہ ہوا۔ خلیفہ نے دعا دی اور ایک تلوار طفل کے گلے میں جائل کر کے کہا کہ "میرے پاس اس وقت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے" خلیفہ کی واپسی کے بعد سلطان نے خانگین کی سپہ سالاری میں اول کوفہ کو فوج روانہ کی اور بعد میں خود بھی روانہ ہو گیا۔ یہاں بھاسیری غازیگری میں مصروف تھا۔ شاہی فوج سے مقابلہ ہوا۔ بھاسیری کو میدانِ جنگ میں تبرنگا جس سے زخمی ہو کر گھوڑے سے گر کر شگیں نامی ایک سوار سرکاش کر وزیرِ عید الملک کنذری کے رو برو پیش کیا۔ اور وزیر نے پتھری سلطان کے نزدیک چنانچہ سلطان نے نامہ فتح کے ہمراہ سر بھی بغداد روانہ کر دیا۔ وہاں خلیفہ کے حکم سے باب النور پر آویزاں کر دیا گیا۔ اس نظام سے قاغ ہو کر سلطان واسطہ کو چلا گیا۔ اور مہینہ صفر ۵۳۱ھ میں بغداد واپس آیا خلیفہ نے محل "روشن التاج" میں دعوت کی جس میں علاوہ سلطان کے تمام اُمراء دولتِ سلجوقیہ بھی مدعو تھے۔ بعد ازاں ربیع الآخر میں دوسری دعوت ہوئی یہ نہایت پر تکلف تھی۔ سلطان نے جب خلیفہ کو احسانات سے گرا بنا کر لیا تو ۵۳۱ھ میں ابو سعد قاضی کے معرفت خلیفہ کے حضور میں یہ درخواست کی کہ اپنی بیٹی سیدہ کا مجھ سے

و بقیہ نوحہ ما قبل اسقی الدین نے صرف یہ آیت لکھ کر بھیجی۔ ارجع الیہم فلناتینہم جحیم ذل قبل لہم ہا و لخر جہنم ہا ذلۃ و ہم صاعقون۔ ترجمہ سورہ نعل۔ اسے سرگردہ ایمان جنوں نے نہ تو بھیجا ہی ان ہی کے پاس پیر لوٹ جا اور اب ہم ایسے لشکر لے کر ان پر چڑھائی کریں گے جتنا اُن سے مقابلہ نہ ہو سکیگا۔ اور ہم انکو دہن سے ذلیل و خوار کر کے نکال باہر کریں تو سہی۔ اس جواب کو سکر سلطان بہت خوش ہوا اور فرمایا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا جیسا کہ آپ کریم کا مطلب ہے۔ انتخابِ انارالوزراء سیف الدین۔

عقد کر دیں۔ اس کے جواب میں خلیفہ نے ابو محمد بن تمیمی کو مقرر کیا کہ وہ سلطان کو اس اردہ باز رکھے۔ کیونکہ خاندان رسالت میں ایسی شادیاں نہیں ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر سلطان اپنی ضد پر قائم ہے تو تین لاکھ دین مہر اور اعمال واسطہ طلب کرنا چاہئے تمیمی نے اول وزیر عمید الملک سے ملاقات کی، بڑی بحث و مباحثہ کے بعد عمید الملک نے کہا کہ خلیفہ کو اس تقریب سے ہرگز انکار کرنا زیبا نہیں ہے۔ کیونکہ سلطان کی درخواست عاجزانہ ہے۔ باقی رہا دین مہر اور واسطہ کا معاملہ۔ یہ ادنیٰ درجہ کی بات ہے۔ سلطان، خلیفہ کی امید سے بہت زیادہ خدمت گزاری کر چکا۔ لہذا مہر کے مسئلہ میں خاموشی بہتر ہو۔ عمید الملک کی تقریر سنکر تمیمی نے اس تصفیہ کو عمید الملک کی رسلے پر چھوڑ دیا۔ اور عمید الملک نے سلطان سے جا کر عرض کیا کہ "درخواست شادی منظور ہو گئی ہے" یہ مردہ سنکر سلطان نے عمید الملک کو زامر بن کا کوہ، سرخاب بن کا مرو۔ اور دیگر سرداران دہلیم کو مع ارسال خاتون جانب بغداد روانہ کیا۔ دس لاکھ دینار، بیس ہزار جوہرات، اور لونڈی غلام ہدیہ روانہ کیے۔ جب یہ سفارت نروان کے قریب پہنچی تو۔ مجدالوزرا ابو الفتح منصور بن احمد وزیر خلیفہ نے استقبال کیا۔ اور عمید الملک کو باب النوبہ میں ٹھہرایا۔ اور ارسال خاتون، ایوان خلافت میں اتریں خلیفہ سے عمید الملک نے واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ سلطان کی درخواست سنکر برا فرختہ ہو گیا۔ چہرہ پر سہمہ اگیا اور عمید الملک کو تقرر کرنے سے روک دیا۔ لیکن عمید الملک نے بہت کچھ سمجھایا اور عرض کیا کہ

لے خلیفہ نے بزرگ عمید الملک سے یہ کہا تھا کہ "نحن بنو العباس خیر الناس فیما الإمامتہ والزعامتہ الخیر القیامتہ من تمسک بنا رشد وھدی۔ ومن ناوا ناضل و غوی۔ ازال سلوک اصغیان صفحہ ۱۹۔"

ناکامی کی صورت میں مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو۔ جب خلیفہ نے کچھ نہ سنا اور اپنی سند پر قائم رہا۔ تب عمید الملک خاں ہو کر نروان کو چلا گیا اور سیاہ لباس اتار ڈالا۔ خلیفہ کی طرف سے ابو منصور بن یوسف اور قاضی القضاۃ مصاحبت کے لیے بھیجے گئے اور عمید الملک کو واپس لائے۔ دوبارہ گفتگو ہوئے پر خلیفہ نے مجبوراً عمید الملک کی رس پر اس مسئلہ کو چھوڑ دیا لیکن اس کے قبل جو کارروائی ہوئی تھی وہ عمید الملک نے سلطان کو لکھ بھیجی تھی اُس کے جواب میں سلطان نے قاضی القضاۃ اور شیخ ابو منصور کو لکھا کہ ”جناب من! خلیفہ قائم ہمارا اللہ نے میری کارگزاریوں کا اچھا صلہ دیا۔ میں نے خلیفہ کی حفاظت میں اپنے ایک بھائی کو قربان کر دیا اور اس قدر مال و دولت صرف کیا کہ میں فقیر ہو گیا۔ اسپر بھی میری درخواست نامنتظر کی جاتی ہے“ اور اُسی حالت عتاب میں عمید الملک کے نام حکم بھیجا کہ ”خلیفہ کے قبضہ میں صرف اس قدر جاگیر رہنے دو۔ جو القادر باللہ کے نام تھی۔ بانی کل جاگیر ضبط کر کے شامل خالصہ کرو“ جب یہ مراسلہ خلیفہ کی نظر سے گزرا۔ تو مجبوراً سلطان کی درخواست منظور کر لی۔ اور خلیفہ نے عمید الملک کو وکیل بنایا۔ وکالت نامہ پر قاضی القضاۃ، اور شیخ ابو منصور کے دستخط ہوئے۔ اور سردار ابو الغنائم بن الحلبان کی معیت میں عمید الملک کو بمقام تبریز روانہ کیا۔ اور اسی جگہ بروز شنبہ ماہ محرم ۷۴۵ھ (۱۱ جونری ۱۳۴۵ء) وکالت نکل ہو گیا۔ سلطان نے رئیس العراقین کے ہمراہ۔ ابو الغنائم کو بغداد واپس کیا۔ اور خلیفہ کے حضور میں تین غلام، تین ترک کینریں روانہ کیں۔ غلام گھوڑ و سپر سوار تھے جنکی زمین در لگام مرصع بجاہر تھیں۔ اور دس ہزار دینار خلیفہ کے واسطے اور دس ہزار دینار اپنی بیوی ستیدہ کے لیے روانہ کیے اور ایک ملاموتیوں کا جس میں تین لائے تھے

ہر دانہ کا وزن ایک مثقال تھا جب سلطان کا قافلہ بغداد کے قریب پہنچا۔ تو خلیفہ کی طرف سے استقبال کیا گیا اور خواص و عوام نے خلیفہ اور سلطان کے اتحاد پر مبارکباد دی۔ رئیس العرقلین نے خلیفہ کے حضور میں تحائف پیش کیے۔ محرم ۷۵۵ھ میں سلطان آرمینہ سے سیدہ خاتون کے رخصت کرانے کے لیے بغداد آیا۔ وزیر فخر الدولہ بن بھیر نے مقام قفس لے کر بڑی شان و شوکت سے استقبال کیا اور ایوان خلافت کے ایک خاص محل میں ٹھرایا۔ چونکہ عقد نکاح کا تلباقہ تمام تہنیز ہو چکا تھا۔ لہذا بعض ضروری رسوم عمل میں نہیں آئی تھیں۔ وہ اب داہوئیں۔ اور سیدہ کو چوتھی کی دہن بنا کر ایک تخت زر نگار پر بٹھایا جس کے سامنے ہینچکر سلطان کو زمیں بوس ہونا پڑا لیکن دہن کے چہرہ سے نقاب اٹھانے کی اجازت نہیں ہوئی۔ اور ایک چاندی کا تخت سیدہ کے مقابل بچھایا گیا جس پر سلطان تشریف فرما ہوئے یہ واقعہ حدیثہ صفر کا ہی۔ اور اسی جگہ بتاریخ پندرہ صفر یوم دوشنبہ زفاف ہوا سلطان نے ارسلان خاتون اور سیدہ کو ایک ایک قیمتی مالا دیا۔ اس کے علاوہ خالص چاندی کا ایک جام خسروانی، اور فرجیہ (ایک قسم کا لباس) جو سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا مرحمت کیا۔ اور ایک لاکھ دینار نقد پیش کیا اور ایک ہفتہ جشن منایا۔ سلطان نے عمید الملک وزیر، ابو علی بن ملک ابی کالیجار، ہزار اسپ، فرامر بن کا کوہ، سرخاب بن بدر بن مہمل، امراء دولت کو بھی خلعت مرحمت فرمائے۔ اور انعامات اس کے علاوہ تھے۔ ربیع الاول میں سلطان مع سیدہ کے رے کو روانہ ہو گیا۔ اور چونکہ طبیعت ناساز تھی لہذا تبدیل آب ہو اسکے لیے رودبار کے پہاڑی قلعہ میں چلا گیا۔

سلطنت بغداد کے قریب ایک مشہور گاؤں ہے جہاں خلفاء اتھوڑا جایا کرتے تھے۔ صفحہ ۱۳۔ جلد ۱۱ مجمع البلدان۔

گرچہ مزاج کے خلاف ہوئی اور یہاں عارضہ نکیر میں مبتلا ہوا۔ اور کسی علاج سے خون بند نہ ہوا
 اوتاریخ ۸ رمضان المبارک ۱۰۴۴ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۶۳۶ء جمعہ کے دن انتقال کیا۔ طغزل بیگ
 نے سرسبز کی عمر پائی۔ اور چھپیس برس حکومت کی۔ شعرانے مرثیے لکھے چنانچہ کسی شاعر کا
 یہ شعر مشہور ہے۔

خاک سے بس غریب دشمن بود در نہ اور اچہ وقت مردن بود

اور مقبرہ چغری بیگ میں بمقام مرور و دفن ہوا۔ آل سلجوق میں یہ نہایت نیک بادشاہ ہوا۔
 سیرت طغزل بیگ | طغزل بیگ کے مزاج میں علم و کرم بہت تھا۔ نماز باجماعت کبھی قضا نہیں ہوئی
 خصوصاً جمعہ کی نماز کا خاص اہتمام کرتا تھا۔ دو شنبہ اور پنجشنبہ کو روزہ رکھتا اور اربعین قدیم کے
 مطابق یک شنبہ اور چار شنبہ کو فیصلہ مقدمات کے لیے کچری کیا کرتا تھا۔ خیرات اور صدقات
 برابر جاری رکھتا۔ عیب پوشی اس کا خاص ہنر تھا۔ پر تکلف لباس کا شائق نہ تھا۔ ہمیشہ سفید اور
 اور سادہ کپڑے پہنا کرتا تھا۔ عمارات میں تعمیر مساجد کا بڑا شائق تھا اور کہا کرتا تھا کہ ”مجھے خدا
 شرم آتی ہے کہ میں مکان بناؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہ ہو۔ طغزل بیگ فوجی حیثیت سے
 ایک سپاہی تھا۔ اور جامع صفات سردار بھی۔ جنگ کے موقع پر اگرچہ اس کا مزاج آگ بگولہ ہوتا
 تھا۔ مگر کوئی وحیانہ فعل کبھی صادر نہیں ہوا۔ اپنے دشمن سے ہمیشہ راست بازی، نرمی، اور
 فیاضی کا برتاؤ رکھا۔ اور یہی اس کی کامیابی کا بڑا راز تھا۔ اسلام کا زبردست حامی اور مربی تھا۔

نوٹ صفحہ قبل ۱۵۸ ایک انگریزی مورخ نے لکھا ہے کہ طغزل بیگ نے موضع طاہرشت میں انتقال کیا۔
 ۱۵۸ کا لٹیر حالات طغزل بیگ۔

اور یہی وجہ تھی کہ خلفائے عباسیہ کی انتہائی تعظیم کرتا تھا۔ ورنہ شاہان دیالمہ نے خلفاء عباسیہ کی عظمت و شان کو اپنے مذہبی تعصب سے بالکل پامال کر دیا تھا۔ علم و فضل کا بھی قدر دان تھا طغرل بیگ کا نام دور حکومت عدل و انصاف میں ممتاز ہے۔ اور فی اہمیت و سنجو قیوں میں ایک دانشمند بادشاہ تھا۔ جب موت کا وقت گیا تو کہنے لگا کہ بیماری کی حالت میں میری وہی مش ہو کہ جب اُن کاٹنے کے لیے بھڑکے پاؤں باندھے جاتے ہیں تو وہ سمجھتی ہو کہ مجھے ذبح کر ڈالیں گے۔ اس لیے خوب ہات پاؤں ٹپکتی ہو۔ اور جب سی کھول دی جاتی ہو تو خوش ہو کر اٹھ کھڑی ہوتی ہو۔ اسی طرح جب اس کو ذبح کے واسطے کہتے ہیں تو وہ سمجھتی ہو کہ اُن تراش کر چھوڑ دیں گے اس لیے چپ پٹری رہتی ہو، اور گلے پر چھری چل جاتی ہو۔ جب سلطان کے انتقال کی بغداد میں اطلاع ہوئی تو عظیم الشان ماتم ہوا۔ اور وزیر فخر الدولہ بن جھیر نے خاص مجلس عزائم کی اور بزرگان بغداد اگر سلطان کی تعزیت کرنے لگے۔ طغرل بیگ اگر چہ سپاہی منش بادشاہ تھا لیکن علم دوست اور شعر و سخن کا بھی شائق تھا۔ عادی شہزادہ اسی دربار میں تھا۔ چنانچہ عادی کے ذیل کے اشعار میں تذکرہ مجمع الفصحا میں یادگار ہیں جن کو ہم بھی بطور یادگار کے درج کرتے ہیں۔

لے زلف و زخمت سپہر و اختر	وے رے دلبت بہشت و کوثر
عز و ح این گسٹ شاد	آں جا کہ لب تو گشت شکر
سلطان سپہر و طغرل	کز قبہ و نشت برتر

لے تاریخ آل سلجوق صفحہ ۱۱۱ طغرل۔

خاکِ دراوست چسپخِ عظیم	عُشْر کُفِ اوست بحرِ اخضر
روزے کہ بلوچ جاں نوید	منشورِ حبیل زبانِ خنجر
شمسِ زخون تازہ سازد	بیماری مرگِ رامزور
در آتشِ رزمِ پاپے کو باں	مے آید مرگِ چوں سمند
بندِ رحمتِ بدستِ نصرت	برگردنِ روزگارِ زیور
بیک قومِ چوکا سہِ داغِ بزل	بیک قومِ چوکوزہ دستِ بر

علاوہ ان صفات کے طہرل بیگ میں خاص ندرت بھی جو شہ تھا۔ اور مذہب کا ادیب ہر موقع پر قائم رکھتا تھا جس کی ایک مثال یہ ہے کہ ۱۲۶۹ء میں جب شہرِ نیشاپور پر قبضہ کیا تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ اور اس شہر کے فتح کرنے میں فوج نے بڑی کوشش کی تھی اور ہر سپاہی کا خیال تھا کہ وہ مالِ غنیمت سے مالا مال ہو جائیگا۔ چنانچہ چھری بیگ اور تمام فوج نے شہر کو لوٹنا چاہا۔ لیکن سلطان نے کہا کہ شہرِ احرام میں لوٹ مار جائز نہیں ہے۔ میری ذات سے رمضان المبارک کی ہتک ہو۔ میں کسی طور پر منظور نہیں کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اخیر مہینہ تک سپاہی خاموش بیٹھے رہے۔ لیکن عین عید کے دن پھر اجازت مانگی۔ تب سلطان نے کہا کہ خلیفہ القائم باہر اللہ نے فرمان بھیجا ہے اور اس میں ہدایت ہے کہ رعایا کے ساتھ سلوک کیا جائے اور شہر تباہ و برباد نہ کیے جاویں۔ اور خلیفہ المسلمین کی اطاعت فرض ہے۔“ ارجح آپ پر چھری بیگ نے تلوار کھینچ لی اور خود کشی پر آمادہ ہو گیا۔ تب مجبور ہو کر رعایا نے نیشاپور سے چالیس ہزار دینار نقد دلوادیئے۔ کہ وہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ اور ابو بکر طوسی سفیر خلیفہ کو

تیرہ پارچہ کا خلعت دیکر رخصت کیا۔

عضد الدولہ الپارسلان کا عہد سلطنت | تم اور پڑپڑ چکے ہو کہ سلطان طغرل بیگ نے حجوں سے منشا پور
 تک کا ملک اپنے چھوٹے بھائی چغری بیگ داؤد کے سپرد کر دیا تھا۔ اور چغری بیگ نے
 مرو کو اپنا دار الحکومت بنالیا تھا۔ چنانچہ مقام بلخ بتایا ۸۸۱ھ جب یوم دوشنبہ ۱۲۸۳ھ مطابق
 ۳۰ اگست ۱۸۹۷ء چغری بیگ نے بھی سر برس کی عمر میں انتقال کیا۔ مرحوم کے چار بیٹے
 الپارسلان۔ یاقوتی۔ قاورد (قاروت بیگ) اور سلیمان موجود تھے۔ لیکن سلطان طغرل بیگ
 نے اپنے اطاعت شعار بہادر اور عزیز بھتیجے ابو شجاع محمد قطب الپارسلان (دلاور شیر) کو
 بھائی کا جانشین کر کے صوبہ غرسان کا مستقل والی (گورنر) بنا دیا۔ کیونکہ الپارسلان سے بڑا
 اور سے زیادہ لائق اور تجربہ کار تھا۔ لیکن چغری بیگ کے انتقال پر سلطان طغرل بیگ نے
 اپنی بھانج (والدہ سلیمان) سے عقد کر لیا تھا۔ اور یہ بیگ سلطان کے مزاج میں بہت وخیل
 تھی لہذا الپارسلان کے خلاف (والدہ سلیمان کے اصرار سے) طغرل بیگ نے انتقال کے
 وقت اپنے دوسرے بھتیجہ سلیمان کے حق میں وصیت کی کہ میرے بعد یہ ہی تاج و تخت کا
 مالک ہوگا۔ (طغرل بیگ لا لد فوت ہوا) چنانچہ طغرل بیگ کے انتقال پر عمید الملک کنرئی
 وزیر السلطنت نے یہ کوشش کی کہ الپارسلان محروم رہے۔ اور سلیمان تخت سلطنت کا
 مالک ہو۔ چنانچہ مقام سے "سلیمان کا خطبہ پڑھا گیا۔ جو گروہ الپارسلان کا طرفدار تھا انکو یہ امر

۱۔ ابوالفدا۔ جلد ثانی۔ صفحہ ۱۸۹۔ کامل اثیر جلد ۱۔ صفحہ ۱۔ سر جان ملکم عہد سلجوقیہ۔

۲۔ ابن خلدون و کامل اثیر تخت نشینی الپارسلان۔

نہایت ناگوار ہوا چنانچہ باغیان، ارتسغن، اور اردوم، شاہ میر سرداران سلجوقیہ، قزوین کو روانہ ہوئے۔ اور یہاں الپ ارسلان کا خطبہ پڑھوایا۔ بالآخر الپ ارسلان بلا شرکت غیرے سلجوقی تاج و تخت کا مالک ہوا جس کے عہد سلطنت کی ابتدا محرم ۳۹۳ھ سے ہوتی ہے۔

خواجہ نظام الملک کی مستقل وزارت، عہد الپ ارسلان کی بغاوت اور ملکی فتوحات، الپ ارسلان کی موت، اور سلطان ملک شاہ کی تخت نشینی، خواجہ نظام الملک کے مہتمم بالشان کا زمانہ اور مختلف حالات و واقعات

خواجہ نظام الملک کی مستقل وزارت

خواجہ حسن (نظام الملک) کے ابتدائی حالات میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ سلطان عبدالرشید غزنوی کے عہد سلطنت میں خواجہ دار السلطنت غزنی کے کسی محکمہ میں نوکرتھا۔ پھر ابوعلی بن شاذان الی بلخ کا نائب ہو گیا۔ اور جب خراسان پر طغرل بیگ کا قبضہ ہو گیا۔ تو چغری بیگ کے دربار میں بمقام مرو حاضر ہوا۔ لیکن نہیں تحقیق ہوا کہ خواجہ حسن کس سن میں آیا ہو۔ لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان فرخ زاد یا ابراہیم غزنوی کے زمانہ میں آیا ہو۔ کیونکہ الپ ارسلان نے (بحالت شاہزادگی) فرخ زاد کو خراسان کی سب سے اخیر لڑائی میں شکست دی ہو۔ اور ۴۴۴ھ میں جب ۴۵۰ھ دیکھو حصہ اول کتاب بنیاض صفحہ ۵۶۲ ۵۶۳ فرخ زاد اور ابراہیم کا عہد ۴۴۴ھ لغایت ۴۵۰ھ ۴۵۱ھ ہے۔

سلطان براہیم تخت نشین ہوا ہی تو اس نے چغری بیگ سے یہ معاہدہ کر لیا کہ جس کے قبضہ میں اس وقت جو ملک ہو وہ بدستور اُس پر قابض رہے اور کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ دوسرے پر فتح کشی کرے چنانچہ اس معاہدہ کے مکمل ہو جانے پر ملک میں امن امان ہو گیا۔ اور اس سال سے گویا سلجوقی خراسان کے مستقل بادشاہ ہوئے۔ چونکہ خواجہ حسن الپا رسلاں کے ولیعهدی کے زمانہ سے اس کا تب امیر اور صاحب تھا۔ اور الپا رسلاں خود بھی خواجہ کی امانت دہانت اور رائے و تدبیر سے فائدہ اٹھا چکا تھا۔ قطع نظر اس کے ابو علی شادان (وزیر چغری بیگ اود) نے الپا رسلاں سے یہ وصیت کی تھی کہ میرے بعد خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دینا۔ چنانچہ الپا رسلاں نے تخت نشین ہوتے ہی خواجہ حسن کو وزارت کا ممتاز منصب عطا کیا۔

سلطان طغرل بیگ کے انتقال پر الپا رسلاں نہایت یکسو اور بے بسی کے عالم میں تھا کیونکہ اس کے چچا زاد اور علاقائی بھائی (جو دوسری ماں سے ہو) تاج و تخت کے دعویدار تھے۔ عمید الملک کندری جو چچا کا وزیر اور سب سے مغز زکن سلطنت تھا وہ سلیمان کا طرفدار تھا۔ اور طغرل بیگ کے انتقال پر علانیہ مقام سے سلیمان کا خطبہ پڑھوا چکا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ بہرچشمیت ولیعهد طغرل بیگ سلیمان کی تخت نشینی عمل میں آئی ہو۔ اور اس پر کوئی الزام نہیں آسکتا ہو۔ یہ انتہا الپا رسلاں کے پیش نظر تھے۔ اب بھرخواجہ حسن کے اور کوئی مدد برسیا نہ تھا۔ جو الپا رسلاں کی مصیبت کے وقت کام آتا۔ اور خواجہ کے لیے بھی اس سے بہتر کوئی موقع اظہار خیر خواہی اور رفاقت کا نہ تھا۔ چنانچہ وہ عمید الملک اور سلیمان کے مقابلہ میں الپا رسلاں کا مددگار بن گیا۔ اور ان کی

تمام چالوں کو غارت کر دیا۔ سلیمان ایک نا تجربہ کار شہزادہ تھا۔ اور ملک میں اس کے ساتھ عام ردی بھی نہ تھی۔ ایسی حالت میں کیلا عمید الملک کیا کر سکتا تھا؟ جب عمید الملک کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تو وہ بھی الپا رسلاں کا طرفدار بن گیا اور خطبہ میں الپا رسلاں کا نام شامل کر کے اپنی خیر خواہی کا اعلان کیا۔ مگر الپا رسلاں ان باتوں سے خوش نہ ہوا۔ اور مشترکہ سلطنت کو پسند نہیں کرتا تھا۔

یہ پرفوج کشی | خواجہ حسن کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اس نے سلیمان پر فوج کشی کی۔ جب وہیں سے میں داخل ہو گئیں۔ تو خواجہ حسن کی خوش بیانی اور حسن تدبیر سے تمام شہر نے اطاعت قبول کر لی۔ عمید الملک نے حاضر ہو کر تہنیت پیش کی۔ اور سلیمان کی طرف سے جو حد شہ تھا وہ بالکل جاتا ہوا فوج پرفوج کشی | خواجہ حسن سے کے انتظام سے فارغ ہوا تھا کہ پرچہ پٹخاروں نے اطلاع دی کہ شہا سب لدوہ قتلش بن رسلاں سلجوقی نے قلعہ کر دیکوئے نکلکر ملک پر تاخت تاراج کرنا شروع کر دیا ہے اور سے پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے چنانچہ سلطان بھی نیشاپور سے روانہ ہوا۔ جب وہیں پہنچ گئیں تو جوش برا ملا۔ سے مجبور ہو کر الپا رسلاں نے قتلش کو یہ پیام بھیجا کہ ”تم میرے بھائی ہو۔ میں تمھارے اس فعل کو برا سمجھتا ہوں۔ اور حکم دیتا ہوں کہ تم اپنے ارادہ سے باز آؤ۔ قتلش نے اس پیام پر کچھ توجہ نہ کی اور سے کے علاقہ میں لوٹ چھا دی۔ اور وادی الملک کو پانی سے بھر دیا جس سے یہ تمام ناقابل گزر ہو گیا۔ الپا رسلاں پریشان ہوا۔ خواجہ نے کہا کہ اطمینان رکھو میں نے تمھارے واسطے یہی فوج بھرتی کی ہے جس کے تیر کبھی خطا نہیں کرتے ہیں (خواجہ کی غرض خراسان

کے ان علما و ذہا و سہیجن کے ساتھ خواجہ احسانات کیا کرتا تھا اور جو سلطان کے حق میں دغا
خیر کیا کرتے تھے اور یہ فوج تمھاری سب سے بہتر اعران و انصار ہیں۔ یہ کہہ کر خود اسلحہ زیب تن کیے
اور الپ رسلان کے ہمراہ روانہ ہوا۔ سلطان نے پانی میں گھوڑا ڈال دیا۔ اور مع فوج کے صحیح و
سالم نکل گیا۔ قتلش نے سامنے اگر لڑنا پسند کیا۔ چنانچہ لڑائی ہوئی۔ اور الپ رسلان فحیاب ہوا۔
سلطان نے فوج کو لوٹ کا حکم دیدیا۔ بشمار مال غنیمت ہات آیا۔ ہزاروں سپاہی قتل اور قید
ہوئے۔ سلطان نے قیدیوں کے قتل کا حکم دیا۔ لیکن خواجہ کی سفارش پر معافی دیکر آزاد کر دیا
جب میدان کارزار کا مطلع صاف ہوا اور گرد و غبار بیٹھ گیا۔ تو قتلش کی نفس ملی۔ سلطان کو اپنے
بھائی کی موت کا سخت رنج ہوا۔ نماز جنازہ پڑھ کے دفن کرا دیا۔ موت میں اختلاف ہی۔ کامل اثر
کی روایت ہے کہ وہ خوف زدہ ہو کر مر گیا۔ اور مصنف نگارستان نے لکھا ہے کہ گھوڑے سے گرا۔
سراپک پتھر سے ٹکرا کر اپش پاش ہو گیا۔ بہر حال جو سبب ہو الپ رسلان کامیاب ہوا۔ اور اس
فتح سے اسکا شہرہ و رم تک ہو گیا۔ اور اخیر محرم ۳۵۶ھ میں اسے کو واپس آگیا۔ عینہ الملک نے
فوج و علم سے استقبال کیا۔

خواجہ نظام الملک نے اپنی کتاب دستورالوزراء (وصایا) میں بھی اس معرکہ کا ذکر کیا ہے اور
لکھا ہے کہ جب شکروادی الملح پہنچا۔ تو سلطان نے حکم دیا کہ تمام خزانہ جو فوج کے ہمراہ ہے وہ سپاہیوں

لئے شہاب الدلہ قتلش بن رسلان بن سلجوق۔ الپ رسلان کا چچا زاد بھائی تھا۔ اور یہی قتلش شاہان قونیہ و اصرہ و طبرستان و قوہات
انگورہ و ملطہ و قیساریہ و اماسیہ ہمسارہ وغیرہ کا مورث اعلیٰ تھا۔ طغرل بیگ نے اپنی حیات میں اسکو قوہات و مہر پڑا کر دیا تھا۔
جہاں اسنے حکومت قائم کرتی تھی بخوم میں خاص مارت تھی چنانچہ زانیچہ سے معلوم کر لیا تھا کہ اسنے اپنی بیویاں نہ نکھا۔ ابوالفضل غفرانی :-

کو تقسیم کر دیا جائے۔ غالباً اسی تالیف قلوب کا نتیجہ تھا کہ فوج نے بھی جان توڑ کر کوشش کی اور کامیابی حاصل کی اس نیاں نستیج سے الپ ارسلان خواجہ سے بہت خوش ہوا۔ عمید الملک نے خواجہ جن سے بھی ایک دستانہ ملاقات کی اور پانچو دینار بطور نذر پیش کیے۔ جب عمید الملک واپس گیا تو فوج حاضر خدمت ہوئی سلطان اس کا روائی سخی شکوک ہو گیا اور خواجہ کے مشورہ سے عمید الملک کے گرفتار کر کے مردود بھیج دیا جاہلہ ایک سال قید رہا۔ اور اسی حالت میں تاریخ سنو نہ وی الجہ ۳۴۴ کو قتل کر دیا گیا۔ یہی وہ تاریخ ہے جن دن خواجہ حقیقت میں الپ ارسلان کا مستقل زیر ہوا۔ کیونکہ جب تک عمید الملک قتل نہیں ہوا خواجہ نے اپنے تین مستقل وزیرین سمجھا اب ہم خواجہ جن کو نظام الملک کے خطاب سے یاد کریں گے۔

عیسیٰ بن مقبوضات برقصہ قتلش کی رانی سے فارغ ہو کر سلطان الپ ارسلان مہینہ ربیع الاول اور شہزادی کی نستیج میں بقصد جہاڑے سے آذربائیجان کو روانہ ہوا۔ جب شہر مرند میں پہنچا تو امیر طغدرین ملاقات کو حاضر ہوا۔ یہ ایک ترکمان سردار تھا۔ جو بلا دروم سے خوب واقف تھا۔ اور جس کو جہاڑے سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ لہذا سلطان امیر مذکور اور اس کی فوج کو ہمراہ لیکر پہاڑی گھاٹیاں طو کر رہا ہوا

عمید الملک کنذری کے حالات حصول کتاب فی الصفحہ ۵۴ میں دیکھو۔ اور صفحہ ۵۶ (تحت حالات عمید الملک) بجائے ۵۴ کے ۵۵ اور بجائے ۵۵ کے ۵۶ پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ عمید الملک اخیر محرم ۵۵۶ میں قید ہوا اور ایک سال بعد قتل کیا گیا۔ ۵۵۶ فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۶

۵۵۶ تاریخ کامل تاثیر میں لکھا ہے کہ سلطان طغرل بگک کا پہلا وزیر ابو القاسم علی بن عبد اللہ جوینی۔ اور دوسرا رئیس الروسا ابو عبد اللہ حسین بن علی بن یحییٰ بن علی۔ تیسرا وزیر نظام الملک ابو محمد حسن بن محمد ہستانی چوتھا وزیر نظام الملک کنذری پانچواں خواجہ جن طوسی، کامل تاثیر صفحہ ۱۸۱ جلد ۹۔

نقچوان تک پہنچا۔ اور نزار اس کے عبور کرنے کو کشتیاں تیار کر لیں۔ نحوی، سلماس (اذربائیجان) کی رعایا نے ہونہر اطاعت نہیں کی تھی۔ لہذا ان کی سرکونی کے واسطے فوجیں روانہ کیں۔ مگر عسید خراسان کی حکمت علی سے یہ دونوں شہر قبضہ میں آگئے۔ اور یہاں کی رعایا سلطانی فوج میں داخل ہو گئی۔ اور اطراف جوانب کے حکمران بھی (مع فوج) شوق بہار میں سلطان کے شریک ہو گئے۔ جب فوجیں اور کشتیاں جمع ہو گئیں تو سلطان بلا کونج کو روانہ ہوا۔ اور شانزدہ ملک شاہ اور نظام الملک کو ایک دوسرے قلعہ کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ جس میں ردیوں کا بڑا مجمع تھا۔ چنانچہ قلعہ فتح ہوا۔ اور قلعہ دار قتل کر دیا گیا۔ اور اہل قلعہ مقتول ہوئے۔ یہاں سے ملک شاہ اور خواجہ قلعہ مفر تازی کو روانہ ہوئے۔ یہ قلعہ نہایت آباد تھا۔ جس میں پانی کی نہریں جاری تھیں اور مہر بنر باغات بھی تھے۔ چنانچہ یہ بھی فتح ہو گیا اور خود عیسیٰ یوں نے خالی کر دیا۔ اس کے پاس ایک دوسرا قلعہ تھا۔ وہ بھی ملک شاہ نے فتح کر لیا۔ اور اس کو تباہ کرنا چاہا۔ مگر خواجہ نے منع کیا۔ کہ یہ ہر حدی مقام ہر اس کو اسلحہ اور ذخائر سے مرتب کھنا چاہیئے۔ چنانچہ یہ قلعہ امیر نقچوان کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کے بعد قلعہ مریم نشین میں پہنچے۔ یہ قلعہ رہبان اور سیسین اور عیسیٰ آباد شاہوں کا مسکن تھا۔ قلعہ کی فصیل زبردست پتھروں کی تھی، جس میں قلعی اور لوہے سے فیپ کرادی گئی تھی

۱۔ کرج۔ میانوں کا ایک خاص گروہ جس کی سکونت خیال نقچوان میں تھی۔ اور یہ ایک طاقتور قبیلہ تھا جس کی حکومت تقریباً تک تھی۔ اور ان کے شہر کا نام بھی کرج تھا صفحہ ۲۳۱۔ جلد ۲۔ سیم البلدان
۲۔ قلعہ شہر دونوں ایک نام سے موسوم ہیں۔ یہ بڑا شہر ہے۔ نقییس اور خلاط کے مابین ہی صفحہ ۲۳۱۔ جلد ۲۔ سیم البلدان
۳۔ غاربا یہ کسی بڑی خانقاہ کا نام ہے جہاں دامن کیتھولک فرقہ کے عیسائی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ خانقاہ حضرت مریم کے نام سے موسوم ہو گئی جس کا ترجمہ خواجہ نے مریم نشین کیا ہے۔

ایک بڑی ہنرمند جاری تھی۔ چنانچہ خواجہ نے کشتیاں اور سامان جنگ فراہم کر کے لڑائی چھیڑ دی اور دن رات جاری رہی جب قلعہ مستحکم نہ ہوا تو سپاہی سڑمیاں لگا کر دیواروں پر چڑھ گئے اور قبضہ کر لیا۔ خواجہ نظام الملک اور ملک شاہ قلعہ میں داخل ہوئے کچھ عیسائی مسلمان ہو گئے اور اکثر قتل ہوئے اس فتح سے الپ ارسلان بہت غوش ہوا۔ اور ملک شاہ کو اپنے پاس بلایا (جہاں وہ مصروف جنگ تھا) راستہ میں ملک شاہ فتوحات کرتا اور عیسائیوں کو گرفتار کرتا ہوا چلا گیا جب سلطان الپ ارسلان مع ملک شاہ وغیرہ شہر تبسین میں پہنچا تو یہاں ایک زبردست لڑائی ہوئی جس میں بکثرت مسلمان شہید ہوئے۔ مگر آخر میں خدا نے فتحیاب کیا۔ یہاں سے شہر مال لال کی طرف بڑھے۔ یہ شہر شرقاً و غرباً ایک بلند پہاڑ پر آباد تھا جس میں متعدد قلعے تھے۔ اور شمالاً و جنوباً ایک بڑی نہر جاری تھی۔ بظاہر یہ بھی ناقابل فتح تھا۔ مگر بڑی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا چونکہ عیسائیوں نے اس لڑائی میں سلطانی فوج کو دھوکا دیکر تباہ و برباد کیا تھا۔ لہذا سلطان نے اس کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ یہ واقعہ رجب ۳۴۳ھ کا ہے۔ یہاں سے ناحیہ فرس۔ اور دسل وردہ اور نوزہ میں پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے اطاعت کی پھر شہر آنی کی طرف کوچ کیا۔ بعد ترین چوتھائی یہ شہر نیراس کے کنارہ پر آباد تھا اور نہایت مستحکم تھا۔ اور چوتھائی حصہ میں ایک دوسری نہر تھی جس کا پانی اس شدت سے بہتا تھا کہ وہ بڑے پتھروں کو بہا لیجاتا تھا۔ اس شہر میں پانیوں سے زیادہ گرجے تھے اور آبادی بہت تھی چنانچہ اس کا محاصرہ کر لیا گیا جب فتح کی طرف سے نامائیک ہوئی۔ تب الپ ارسلان نے اینٹ کا ایک برج بنوایا اور اس پر منجنیق

نصب کی۔ اور پھر برساے گئے۔ دیوار میں سوراخ ہو گیا۔ جب فوج اس طرف بڑھی تو خدا نے
یہ فضل کیا کہ قلعہ کی ایک دیوار بلا سبب گر گئی۔ اور مسلمان داخل شہر ہوئے۔ بشمار عیسائی قتل و
گرفتار ہوئے۔ یہاں تک کہ بہت سے مسلمان صرف اس وجہ سے شہر میں نہ جاسکے کہ مقتول
سے راستہ رک گیا تھا۔ یہ ایک عظیم الشان فتح تھی۔ چنانچہ بغداد کو نامہ فتح لکھا گیا جس کے جواب
میں خلیفہ نے سلطان کی تعریف کی۔ اور اس کو دعا، خیر سے یاد کیا۔ امیر کج نے صلح کر لی اور
جزیرہ سالانہ دینا منظور کیا۔ اور سلطان مع فوجوں کے اصفہان کو واپس گیا۔

کرمات کی بغاوت اور فتح قلعہ ^{ابروسیہ ایک نہایت قدیم آبادی ہے۔ جس کو کرمان کہتے ہیں۔ اس کا}
استخر۔ وہیں وزیر شہنشاہی ^{بانی زرتشتیہ بچان ہے۔ فاروق اعظم کے عہد میں مسلمانوں نے کرمان کو فتح کیا تھا جبے اسلامی}
قبضہ ہا بعد ازاں ^{۱۱۱۱ھ} میں قاور دین چغریگ نے فتح کر کے بطور ایک ماتحت صوبہ کے اس پر
جداگانہ حکومت شروع کی تھی۔ ^{۱۱۱۱ھ} الپ ارسلان کے زمانہ میں قرا ارسلان جو قاور کا پوتا تھا یہاں
حکمران تھا ^{۱۱۱۱ھ} میں قرا ارسلان نے بغاوت کا اعلان کیا۔ جس کا سبب یہ ہے کہ اس کے وزیر
نے جو محض ایک جاہل شخص تھا۔ قرا ارسلان کو ہنکا کر سلطان کا خطبہ بند کر دیا تھا۔ یہ خبر سنکر خواجہ
نظام الملک ^{۱۱۱۱ھ} و الپ ارسلان دونوں کرمان کو روانہ ہوئے۔ پہلے ہی مقابلہ میں قرا ارسلان
کو شکست ہوئی۔ قرا ارسلان حاضر ہو کر قدموں پر ہوا۔ اور قصور معاف کرایا۔ سلطان نے سبب
رشتہ داری قرا ارسلان کا قصور معاف کر دیا۔ اور اس کی بیٹیوں کی شادی کے لیے ایک ایک

لے خواجہ نظام الملک نے اس افسوسناک واقعہ کو لکھا ہے۔ لہذا اس موقع پر صفحہ ۴۰۰ حصہ دوم کتاب دیکھنا چاہیے
۱۸ جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۰ فارسی نامہ ناصری صفحہ ۲۳۳ و ۳۳۴ جلد دوم۔

لاکھ دینارِ رحمت کیے۔ اور کرمان سے مع خواجہ کے استخر روانہ ہوا۔ اور قلعہ استخر فتح کیا۔ بعد ازاں سلطان نے خواجہ نظام الملک کو قلعہ بہن دڑ کی فتح کے لیے روانہ کیا۔

۱۵۰۰ استخر تاریخ میں قلعہ ماران کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قلعہ جمشید کا تعمیر کردہ ہے۔ اور قلعہ شکستہ (جمشید کا دوسرا قلعہ) سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ نسخ قلعہ کے بعد قلعہ دار نے نہایت مہین قیامت تحائف نہ رکے۔ ہنجران کے ایک پناہ گیر و زہ کا تاج میں شک بھر کر بند کیا تھا۔ اس پناہ گیر پر جمشید کا نام کندہ تھا۔ یہ قلعہ بھی نہایت قدیم اور مستحکم تھا۔ عضد لدولہ دہلی نے پہلی بار اس قلعہ پر ایک بڑا تالاب بنایا تھا۔ اور پہلے ستون قائم کر کے اس کی جھٹ پائی دی تھی تاکہ پانی ٹھنڈا رہے۔ یہ تالاب نہایت عمیق تھا۔ اور آدھ باران سے پُر ہوتا تھا جس کے کندھ پر نہروں پانی ہیں۔ اور چوڑائی اس تالاب کی تقریباً ایک سو چوبیس گز شرعی ہے۔ اس کے عمق کا اندازہ نہیں ہے۔ لیکن تالاب کے اندر سترہ ستون ہیں جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اگر ایک سال تک وزان ہزار آدمی پانی پیں تب ایک ستون غالی ہو گا۔ اس سے گہرائی کا قیاس ہو سکتا ہے۔ اور اس تعمیر کی بدولت کہا جاتا ہے کہ عضد لدولہ دریائے درمیان کو بہے کہے درمیان دریا نہاد۔ ۱۵۰۰ بہن دڑ کے فارس کے قلعوں میں قلعہ بھی نہایت قدیم تھا جسکو شاہ پور زدی الاکشا کے بھائی اسمعیٰ بہن نے تعمیر کیا تھا۔ جواب قلعہ بند کے نام سے مشہور ہے۔ اور شیراز سے ڈیڑھ میل کی مسافت پر جانب مشرق واقع تھا۔ اس قلعہ کو (جسکے اب کندھ باقی ہیں) شیراز کی آبادی سے قبل ملوک جمع نے تعمیر کیا تھا۔ جب شیراز نے اپنے باپ کے وزیر اور بھائی بھتیجوں کو جن کی تعداد سترہ تھی ایک ہی دن میں قتل کر دیا تب یہ زور و اپنی دایہ کے ہمراہ بنا بر پرورش میں حفاظت اس قلعہ میں بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ زور و بادشاہ ہوا۔ تولسنے اس قلعہ کو اپنا ایک محفوظ خزانہ بنا لیا تھا۔ نوشیرواں کا تاج اور دیگر قیمتی اشیاء اسی قلعہ میں محفوظ تھیں جس کا بڑا ذخیرہ عضد لدولہ دہلی کے ہاتھ آیا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر کہ جو قلعہ کا وسط ہے۔ ایک عمیق چاہ ہے جس کا قطر چوبیس گز اور جس کا موجودہ عمق تین گز ہے۔ مرزا قسٹ شیرازی اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت یہ کواں بے آب ہے۔ اور فاضلہ عورتیں جو واجب القتل ہوتی ہیں یہ اس کنوئیں میں گرا دی جاتی ہیں۔ علاوہ اس کے دو کنوئیں اور بھی ہیں مگر وہ چھوٹے ہیں۔

چنانچہ خواجہ نظام الملک نے زیر قلعہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اور محاصرہ کے سوطوں سے فتح ہو گیا۔ خواجہ نے سپاہیوں کو درہم و دینار اور کپڑے انعام دیئے۔ اور سلطان الپ ارسلان بھی خواجہ سے اسی جگہ آکر ملا۔ اور خواجہ کی کارروائی سے بہت خوش ہوا۔

جنگ قیصر و مانوس | خواجہ نظام الملک کے عہد وزارت میں سلطان الپ ارسلان نے جو فتوحات کیں، ان میں سب سے متم بانشان و مانوس چہارم قیصر و دم کا معرکہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ ۶۶۱ھ میں سلطان یار بکر کی طرف روانہ ہوا۔ نصر بن مردان نے نذرین کی اور اطاعت کا اظہار کیا۔ وہاں سے شہر آمد اور رہا کو عبور کر کے داخل حلب ہوا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ آخر میں محمود بن صالح بن مرداس نے سلطان کی اطاعت کی۔ اور خلفائے عباسیہ کا خطبہ پڑھا۔ سلطان خلعت اور سند حکومت دیکر آذربائیجان کو روانہ ہو گیا۔ اس مابین میں قیصر و مانوس (دہائی ہمسرہ و منس) نے شام کے اسلامی شہروں پر چڑھائی کی۔ اور باریخ و انومبرستان (صفر ۶۶۲ھ) شہر بلیج پر پہنچ کر اہل شہر کو نہایت برہمگی سے تہ تیغ کیا۔ محمود بن صالح (حکمران) اور حسان طائی اپنے قبائل بنی کلاب اور بنی طے کو جمع کر کے مقابلہ پر آئے لیکن شکست کھائی۔ قیصر بلیج پر قابض رہا۔ لیکن کچھ دنوں بعد جب شدت گراما اور کمی رسد فوج ہلاک ہونے لگی تو وہاں چلا گیا۔ لیکن ۶۶۳ھ میں قسطنطنیہ سے چلکر پھر خلاط پر فوج کشی کی۔ اس وقت قیصر کے ہمراہ روس

لے ابن خلدون فتوحات الپ ارسلان ۳۵۵ و مانوس چہارم جو عربی تاریخوں میں ارمانوس کے نام سے مشہور ہے فوج یونان کا ایک معمولی سپاہی تھا جسکو ملکہ قسطنطنیہ بوڈیشیا نے اپنی مصیحتوں سے شوہر بنا کر تاج و تخت کا مالک بنا دیا تھا جو شاہی محل میں شہزادہ اور شوہر ملکہ اور میلان کا رزمیں دم کا شہنشاہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ بڑا بہادر اور دلیر تھا۔ اور تخت نشینی کے دو مہینہ بعد قسطنطنیہ سے بغرض فتوحات نکلا تھا۔ گبن امپائر۔ جلد ۷۔ عہد اسلام۔

اور فرانس وغیرہ کے شاہ بہر کاب تھے اور دو لاکھ فوج تھی جس میں رومی، فرانسسی، روسی، کرجی، یونانی، آرمینی، انجازی، کچانی، غری، اور ہر کسی سپاہی شامل تھے۔ اس مرتبہ قیصر کا پارادہ تھا کہ بغداد سے دولت عباسیہ کو اور بلاد اسلام سے مسلمان حکمرانوں کو خارج کر کے خالص عیسائی سلطنت قائم کرے اور بغداد کی حکومت کسی جاہلین کو سپرد کی جائے۔ تمام مسجدیں دیر و کلیسا کر دی جائیں، چنانچہ اس جاہ و چشم کے ساتھ آکر صوبہ خلاط پر دھاوا کر کے قلعہ ملازکرد کا محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ شہر ارض و م اور جھیل "وان" کے مابین واقع ہے جب عیسائیوں کی آند کی متواتر خبریں سلطان الپ ارسلان تک پہنچیں اس وقت وہ شہر غوثی (مضافات آذربائیجان) میں مقیم تھا۔ اس خبر کو سنکر غصہ سے تھر گیا۔ کیونکہ دشمن سر نہ تھا۔ اور بوجہ بعد مسافت تو دار السلطنت سے فوج آسکتی تھی۔ اور نہ مجاہدین جمع ہو سکتے تھے۔ اور ایک وقت یہ بھی تھی کہ بلا مقابلہ واپس جانے میں دیا را اسلام تباہ و برباد ہو جاتے اور عیسائیوں کا حوصلہ بڑھ جاتا۔ لہذا مصلحتاً غلبہ نظام الملک کو حکم دیا کہ وہ اہل عیال، مال و اسباب کو لیکر تبریز روانہ ہو۔ خواجہ نے عرض کیا کہ میں قدیم خدمت گزار ہوں ہمراہ رکاب چلوں گا۔ سلطان نے فرمایا کہ "گو تم میری نظر سے دور ہو گے لیکن دل سے نزدیک ہو وہاں سے میرے حق میں دعا کرتے رہنا یہی کافی ہے۔" چنانچہ خواجہ تبریز کو روانہ ہو گیا۔ اور سلطان بنفس نفیس قیصر کے مقابلہ کے لیے طیار ہوا۔ اس وقت اسے مسٹر بڑا ملٹی اور دیگر انگریزی مورخوں نے قیصر کی فوج کی تعداد ایک لاکھ اور سلطان کی فوج چالیس ہزار تسلیم کی ہے۔ لیکن مستند اسلامی مورخوں نے قیصر کی فوج کی تعداد دو لاکھ لکھی ہے۔ ۵۲ دیکھو کتاب الوصایا نظام الملک صفحہ ۳۵۰ کتابہ ۱۳۵ فتوحات الاسلام جلد اول صفحہ ۲۲۸ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۳۳۵ مختصر الدول ملٹی میں شہر خرم لکھا ہے ۵۶ روضۃ الصفا حالات الپ سلاں۔

سلطان کے ہمراہ پندرہ ہزار منتخب سوار موجود تھے۔ سلطان نے اُن کو مخاطب کر کے کہا کہ اے
میرے بہادر سپاہیو! اگرچہ ہماری تعداد دشمن کے مقابلہ میں نیا بیت قلیل ہے۔ لیکن ہمو صبر و شکر
کے ساتھ جنگ کرنا چاہیئے۔ اگر فقیاب ہوئے تو خدا کا عظیم الشان احسان ہو ورنہ شہادت نصیب
ہوگی۔ اور میرے بعد میرا بیٹا ملک شاہ تاج اور تخت کا مالک ہوگا۔ چنانچہ سلطان نے ایک دستہ
فوج کا توکل علی اللہ کے بڑا یا۔ اس کا روسی فوج سے مقابلہ ہوا جو تعداد میں سبیل ہزار تھی
مقابلہ میں وہی فوج پسپا ہوئی اور خود شاہ روس فوج کو لڑا رہا تھا گرفتار ہوا جب سلطان
کے سامنے پیش ہوا تو اُس نے کان اور ناک کو اکڑ زندہ چھوڑ دیا۔ اور یہی سزا کافی سمجھی۔ اور خود
نظام الملک کو نامہ فتح کے ہمراہ صلیب اعظم اور سپہ سالار ندکور کے ناک اور کان بھی بھیج دیئے
اور لکھا کہ لفظ رتھہ یہ بغداد بھیج دیئے جائیں۔ اس مختصر لڑائی میں بھی عیسائیوں نے بڑا جوش
دکھلایا تھا۔ اور ہر ایک سپاہی کے ہات میں صلیب تھی۔ اور مذہبی علماء اپنی پرچوش جڑخوئی
سے سپاہیوں کو ابھار رہے تھے۔ سلطانی فوج کا افسر ضداق ترکی تھا چنانچہ سلطان کو بروز
سہ شنبہ بتایا کہ ۵ ذیقعدہ ۸۶۳ مطابق جولائی ۱۵۵۷ء میں فتح نصیب ہوئی۔ ۵ ذیقعدہ یوم
چار شنبہ کو قیصر خلاط پر بڑھا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ شہر والوں کو اگرچہ یہ یقین تھا کہ خدا اسلام
کی مدد کرے گا۔ لیکن قیصر کی کثرت فوج اور منجیقوں کو دیکھ کر خوف دہ ہو گئے۔ اور فرامان چاہی
اور شہر کو سپرد کر دیا۔ اسپر بھی عیسائیوں نے بہت سے مسلمانوں کو قید کر لیا۔ اور بہت سیوں کو قتل کر دیا۔

۱۵ فتوحات اسلام جلد اول صفحہ ۲۲۸ قیصر کے ہمراہ متعدد منجیقین تھیں لیکن ایک سب سے بڑی تھی جس میں آٹھ درتھے
اور جس میں بارہ سو سپاہی بھیڑ کر تھپ رہے تھے۔ اور جس کو ایک سو بیل کھینچ کر لے چلتے تھے۔ تاریخ آل سلجوق صفحہ ۱۲۰

یہ حالت دیکھ کر تختہ نشینہ کے دن صبح کے وقت الپ سلاں ملازکر دے قریب پہنچ گیا۔ اور نذر کے کنارے موضع کو ننگو میں کیپ قائم کیا۔ قیصر کی فوجیں اس جگہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر مقام نہرہ مقیم تھیں (یہ مقام خلاط اور ملازکر دے درمیان ہی) یہاں سے سلطان الپ سلاں نے قیصر کے پاس سفیر بھیجا۔ اس سفارت سے سلطان کا مقصد تھا کہ قیصر کے اصلی خیالات سے آگاہی ہو جائیگی۔ چنانچہ سفیر نے قیصر سے جا کر عرض کیا کہ اگرچہ ردی فوج کثیر ہے لیکن فوج بستیج کو کہ جس کے مقابلہ کو آئے ہو اُس کے غزوات ظاہر ہیں لہذا صلح کر لینا بہتر ہے۔ اور اگر روانہ مقصود ہو تو سلطان بھی اس بارہ میں متقل ہیں۔ بحالت صلح امان دی جائیگی اور ممالک مقبوضہ وہ میں کسی قسم کی دست اندازی نہ ہوگی۔ قیصر نے اس سفارت کو بنظر حقارت دیکھا اور صلیب ہات رکھ کر روح القدس کی قسم کھائی۔ اور کہا کہ جب تک سلطان کی فوج ہتیار نہ ڈال دے اور ردی فوج میں شامل نہ ہو اور دار السلطنت سے ہمارے سپرد نہ کر دیا جائے اُس وقت تک دروغہ سے صلح منظور نہیں ہو سکتی ہے۔ اور سفیر کو ذلت سے نکال دیا۔ اور فوج کو طیاری کا حکم دیدیا۔ یہ جواب سن کر سلطان کو بھی غصہ آگیا اور وہ بھی جنگ کے لیے طیار ہو گیا۔ امام ابو نصر محمد بن عبدالملک بخاری حنفیؒ ان شکوک کے ہمراہ تھے انھوں نے سلطان کو یہ مشورہ دیا کہ آج لڑائی ملتوی نہ کیجئے اور بعد نماز جمعہ سلطان میدان جنگ کو روانہ ہوں۔ کیونکہ یہ وہ دن ہے کہ جب تمام ممالک اسلام میں منبر خلیفہ ہا کر رہے ہوں گے کہ ”اللهم المخرجیوش المسلمین“ اور خاص عام آئین کہہ رہے ہوں گے۔ چنانچہ سلطان نے اس لے سے اتفاق کیا۔ اور جمعہ کو صبح سے لے کر آدھ دن فوج الپ سلاں لے کر جان ملک صاحب فوجات الپ سلاں۔

فوج میں غیر معمولی طیاریاں ہوئیں۔ اور ہر سپاہی شہادت کے لیے طیارہ ہو گیا۔ چنانچہ بعد نماز جمعہ سلطان نے لشکر میں اعلان کر دیا کہ جو شخص جانا چاہتا ہو وہ اس وقت لشکر سے چلا جائے۔ اور جو شہادت حاصل کرنا چاہتا ہو وہ میرے ساتھ ہو۔ اور سلطان نے لباس شاہی اتار کر ایک سفید قبا پہنی جو مشک اور عنبر سے معطر تھی (یہی گویا کفن تھا)۔ کمان کا ندھ سے لٹکانی، اگر زہات میں لیا، اور تلوار گھٹے میں جمائی کی۔ اور گھوڑے پر خود زین کسا اور اس کی دم میں گرہ بگادی جس کی کل فوج نے تقلید کی اور فوج کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ جب فوج نے دیکھا کہ سلطان کفن پہن کر لڑنے کو نکلا ہے تو تمام سپاہی جوش میں آکر اللہ اکبر کا نعرہ مارتے ہوئے سلطان کے ہمراہ ہوئے۔ اس کے بعد سلطان اور اس کی فوج نے نہایت خشوع اور خضوع سے دعا مانگی اور پھر سلطان نے سپاہیوں کے سامنے ایک تقریر کی اور میدان کو روانہ ہو گیا۔ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا کہ سلطان قیصر کی فوج کے سامنے پہنچ گیا۔ مگر اتفاق سے ہوا گرم چلنے لگی اور خطہ بخٹہ ترقی کرنے لگی جس کی وجہ سے مسلمان گرمی اور شدت پائیں سے ٹپنے لگے کہ چونکہ ہنر قیصر نے قبضہ کر لیا تھا، اور ہوا کا رخ اسلامی فوج کی جانب تھا۔ یہ مصیبت دیکھ کر سلطان گھوڑے سے اتر اداستار سر سے اتار ڈالی اور پیکا کمر سے کھول کر خاک پر سر بسجود ہو گیا اور بڑی عاجزی سے دعا مانگی کہ ”اے سبب الاسباب میرے گناہوں کا آج مواخذہ کر اور اپنی مہربانی کی نظر اس عاجز

۱۔ اخیر مرتبہ جب فوج کا شمار کیا گیا تو صرف بارہ ہزار سوار موجود تھے صفحہ ۴۴، سراج الملوک طرطوشی۔
 ۲۔ اس زمانہ کا یہ دستور تھا کہ گھوڑوں کی دُمیں بہت لمبی رکھتے تھے۔ مگر میدان جنگ میں یہ طوالت باعث تکلیف تھی، لہذا دُم میں گرہ بگادی گئی۔ یہ حالت کل فوج کے گھوڑوں کی تھی۔ ۳۔ مختصر اللہ دل صفحہ ۴۲۔

بندہ سے جو تیرے نیک بندوں کا تشکّل ہے مت پھیر اور ہو اکا رخ دشمن کی طرف پھیر۔ سلطان کے ساتھ فوج بھی دعائیں شریک تھی۔ تھوڑی دیر میں سلطان کی دعا قبول ہوئی اور ۵۰۰ ادھر سے اُدھر بھگ گیا رخ ہوا کا

ہوا کا پھرناتھا کہ سلطان مع فوج کے آندھی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ یہ کل فوج سپہ سالار عظیم سا تو گین کے ماتحتی میں تھی۔ اول میدان قیصر کے ہات رہا اور الپ ارسلان کی فوج کو شکست نصیب ہوئی۔ لیکن ایک افسر کی نادانی سے قیصر کی فوج بھاگ نکلے۔ اور اکثر رفیق قیصر کو چھوڑ کر چلے گئے۔ الپ ارسلان نے موقع کو غنیمت سمجھ کر روٹیوں پر ایک آخری حملہ کیا اور میدان جیت لیا۔ مورخ گن لکھتا ہے کہ اس جنگ میں کس قدر رومی فوج قتل ہوئی۔ اور کتنے سپاہی گرفتار ہوئے اس کا ذکر ہی فضول ہے بہر حال فریقین کا عظیم الشان نقصان ہوا۔ اور الپ ارسلان کامیاب ہوا جب رومیوں کی فوج منتشر ہو گئی تو رومانوس اپنی مختصر فوج کے ساتھ لڑا رہا۔ لیکن خستہ کار زخمی ہو کر زمین پر گر گیا۔ اور ایک سوار نے اُسے گرفتار کر لیا جس سوار نے قیصر کو گرفتار کیا اس کا نام شادی تھا۔ اور یہ ایک پستہ قامت اور کرمیظ شخص تھا جس کی نسبت تاریخ نگارستان میں لکھا ہے کہ افسر فوج نے جائزہ کے وقت اسی بنا پر اس کا نام خارج کر دیا تھا۔ لیکن سلطان نے افسر مذکور سے سفارش کی کہ اس کو بھی سہنے دے ممکن ہو کہ یہی قیصر کو گرفتار کرے۔ چنانچہ سلطان کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ گرفتاری کے بعد قیصر تمام رات معمولی حیثیت سے لشکر میں رہا۔ صبح کو گوتہرائن نے الپ سلاں کے حضور میں

۱۰ تاریخ نگارستان میں اس سوار کا نام العنقت لکھا ہے صفحہ ۱۶۹ مطبوعہ بمبئی۔

پیش کیا۔ سلطان کو قیصر کے گرفتار ہونے میں شک تھا۔ لیکن جب اس نے رومی قیدیوں کے
 چہنچہنے چلائے کی آواز سنی اور بتی سی لیاش نے جو یونانی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اپنے آقا کو
 پہچانا اور قدیم موس ہوا۔ تب سلطان کو یقین ہوا۔ اور سلاطین ایشیا کے دستور کے مطابق
 قیصر بادشاہ کے سامنے زمیں بوس ہوا۔ اور آداب بجالایا۔ الپ ارسلان نے حالت غصہ میں
 اٹھ کر قیصر کا غور توڑنے کے لیے اپنا ایک پاؤں قیصر کے کندھے پر رکھ دیا۔ لیکن اس واقعہ کی
 نسبت لکھا ہے کہ اس میں کچھ شبہ ہی لیکن ابن خلدون وغیرہ کی روایت اس سے بھی زیادہ
 سخت ہے اور وہ یہ کہ سلطان نے اپنے ہات سے قیصر کے تین کورٹے مائے اور کہا کہ میں نے
 صلح کا پیام دیا تھا جس کو تو نے نہ مانا اور آخر یہ نتیجہ دیکھا۔ رومانوس نے شرم سے سر نہیچ کر کے
 عرض کیا کہ اب مجھے زہر تو نبخ سے معاف کیجئے اور جواب کو کرنا ہی وہ کیجئے۔ لیکن اس فری
 کار روائی کے بعد پھر سلطان نے قیصر کے ساتھ شاہانہ برتاؤ کیا۔ چنانچہ مورخ لکھتا ہے کہ سلطان
 نے قیصر کو زمین سے اٹھایا اور اس سے شیک ہنڈ مصافحہ کیا۔ اور یقین دلایا کہ تمھاری عزت
 اور تمھاری زندگی بطور ایک بادشاہ کے قائم رکھی جائیگی۔ پھر قیصر کو اپنے خیمہ کے قریب اتارا
 اور اغاز کے ساتھ ہمان رکھا۔ اور روزانہ دومرتبہ قیصر سلطان سے اکرماتا تھا۔ اٹھ دن کے بعد
 سلطان نے قیصر کو بہت سی نصیحتیں کیں اور ان نالائق سرداروں پر نفوس کی جو قیصر کو میدا
 جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اور جو غلطیاں اس جنگ میں قیصر سے ہوئی تھیں اس کو بھی
 سمجھائیں۔ اس کے بعد سلطان نے قیصر سے کہا کہ تباؤ میں تمھارے ساتھ کیا برتاؤ کروں۔

اسنے کہا اگر تو ظالم ہو تو میری زندگی ختم کرے۔ اور اگر تو منکبر ہو تو اپنی گاڑی مجھ سے کچھو اور پابجولاں اپنے دار السلطنہ تک لیجا۔ اور اگر تو اپنا فائدہ سمجھتا ہو تو تاوان لیکر چھوڑ دے۔ اور خواجہ نظام الملک نے کتاب الوصایا میں لکھا کہ قیصر نے سلطان کو یہ جواب دیا تھا کہ ”اگر تو قصاص ہو تو فیج کر ڈال اور اگر سوداگر ہو تو بیچ ڈال۔ اور اگر بادشاہ ہو تو بخش دے۔“ بہر حال یہ تہذیبوں و روایتوں کا ایک ہی ہے اس سوال و جواب کے بعد سلطان نے قیصر سے دریافت کیا کہ اگر میں گرفتار ہو کر تمہارے سامنے آتا تو تم میرے ساتھ کیا برتاؤ کرتے؟ اور انوسس جواب دیا کہ میں تجھ کو دسے لگھاتا۔ قیصر کا یہ جواب اگرچہ عقل و احسانندی کے خلاف تھا۔ تاہم سلطان نے نہایت متانت اور ایک فاتح کی شان سے مسکرا کر ٹال دیا۔ اور قیصر کو آزاد کر دیا۔ اور جب ہندوستانی افسر اور بطریق قیدی تھے ان کو بھی رہا کر کے خلعت اور انعام عطا کیے اور سلطان کا یہ شریفانہ برتاؤ دیکھ کر قیصر نے سلطان سے اقرار کیا کہ وہ سالانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار دے گا۔ اور دس لاکھ دینار بطور تاوان جنگ ادا کرے گا۔ اور کسی ایک شاہزادی کی ترکی شاہزادے سے عقد کرے گا۔ اور ضرورت کے وقت دمی شکر سلطان کی مدد کے لیے پہنچا کرے گا اور پچاس برس کے لیے یہ عہد نامہ لکھا گیا۔ تکمیل معاہدہ کے بعد سلطان نے دس ہزار دینار نقد اور ایک خلعت مرحمت فرما کر رومانوس کو بعد معافہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ رخصت کیا اور تین میل

۱۔ کتاب الوصایا صفحہ ۳۰۳۔ کتاب ہذا

۲۔ ایک روایت یہ ہے کہ قیصر کا جواب یہ سن کر سلطان نے حکم دیا کہ ذیل شخص کا قتل کرنا تو مقبول ہے لیکن میں منادی کر کے

نیلام کیا جاوے۔ چنانچہ نیلام میں کوئی خریدار نہیں ہوا تب آزاد کر دیا۔ سرج الملوک طوطوسی صفحہ ۱۴

۳۔ ابن صفحہ ۳۰۴۔ جلد ۶۔ عبد المجید۔ دکان شیر علیہ۔ ۱۳۔ تاریخ اکیلی سبوحی اصغری صفحہ ۴۲

ایک بطور شایعیت قیصر کے ہمراہ خود بھی گیا۔ جب قیصر اپنے سرحدی (قلعہ دو قبیہ) پر پہنچا۔ تو اس کو اطلاع ہوئی۔ کہ روم کے تخت پر یسائیل خفتم نے قبضہ کر لیا ہے۔ اور کل رعایا رومانوس کی فرمانبرداری سے انکار کرتی ہے۔ کیونکہ رعایا کا یہ خیال تھا کہ مسیح علیہ السلام رومانوس سے ناراض تھے یہی باعث شکست کا تھا۔ اور جن مسیح کا عتاب ہودہ لائق بادشاہت نہیں ہے۔ ہم رومانوس قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ اور اپنے قول کے مطابق بمثل تمام دولاکھ دینار اور ایک طبق جو اہرات سے بھرا ہوا (جس کی قیمت نوے ہزار دینار تھی) جمع کر کے سلطان کی خدمت میں روانہ کیے۔ اور شرعی قسم لکھی کہ اس سے زیادہ میرے پاس نہیں ہے اور اپنے تمام حالات سے سلطان کو اطلاع دی۔ الپ ارسلان رومانوس کی رستی اور ثابت قدمی سے بہت خوش ہوا اور جن لوگوں نے اس کے ملک پر قبضہ کر لیا تھا اس کی سرکوبی کو جانا چاہا۔ مگر اس درمیان میں معلوم ہوا کہ رومانوس کو اس کی نمک حرام رعایا نے اندھارے کے قتل کر ڈالا ہے۔ لہذا روانگی ملتوی رہی۔ اس منہج کے بعد الپ ارسلان سے کو واپس گیا۔ اور لڑائی میں جو خزانہ اور نادر چیزیں ملی تھیں وہ سب قلعہ میں داخل کی گئیں۔ اور قلعہ دار کو ان کی حفاظت کا خاص حکم دیا گیا۔ اور امیر المومنین اور دیگر سلاطین کو نامہ فتح روانہ کیے گئے جس کے جواب میں تمام ملکوں مبارکباد کے خطوط ملے۔ شعراء نے قصائد پڑھے۔ تاریخ اکل سلوک میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں مال غنیمت کا یہ حال تھا کہ ایک دینار میں تین تدرہ اور سدس دینار (۱۳ تا ۳۴ پائی) میں بارہ خود فروخت ہوتے تھے۔ اور سلطانی فوج کا ایک ایک سپاہی مال دولت سے گرا تبار ہو گیا تھا۔ مورخین کا قول ہے

لے روفۃ الصفۃ حالات الپ ارسلان۔

کہ یہ شیخ عبدالسلام کی فتوحات سے مشابہ ہے۔ اور لوگوں کو صحابہ کرام کا زمانہ یاد آگیا تھا۔

اس لڑائی کے بعد سلطان نے ایشیائے کوچک کی حکومت اپنے چچا زاد بھائی سلیمان
بن قلیش کے سپرد کر دی۔ جو بعد میں ایک مہر حکمراں اور ایک ماہر سپہ سالار ثابت ہوا جس نے
جلد ہی اپنی حدود سلطنت کو جانب شمال ہسپانیہ تک اور جانب مغرب بحیرہ روم تک بڑھا
لیا۔ اور قسیر کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ سلیمان نے ناموس (صوبہ بائینا) کو اپنا دار الحکومت بنایا
جو جنگ صلیبی تک مستور رہا۔ اور جب جنگ صلیبی میں یہ ملک نکل گیا تو قونیہ (اکوئم) کو صد
مقام بنایا۔ اور یہ حصہ ملک تازیوں کے تاخت و تاراج تک سلیمان کی اولاد کے قبضہ میں رہا۔
اور ششہ میں دولت عثمانیہ کے قبضہ میں چلا گیا۔ جس کی تفصیل تاریخ عثمانیہ میں پڑھنا چاہیے۔

بغداد فضلو پرشہ بخارہ [فتوحات روم سے فارغ ہو کر سلطان العربیہ رسلان اور خواجہ نظام الملک
سے کو واپس آئے اور انتظامات ملکی میں مصروف ہے۔ لیکن فضلو کی بغاوت کی شہرت سنکر
اُس کی سرکوبی کے لیے ایبہیم میں پھر فارس کی طرف روانہ ہوئے فضلو کا مختصر حال یہ ہے کہ
فضل بن حسن لقب فضلو حکمرانان شہانکارہ کی نسل سے تھا۔ اور العربیہ رسلان کی سفارش سے

سلسلہ تاریخ اسلام وارث آذربیل امیر علی صاحب القادر۔ صفحہ ۳۱ (باب ۱۴) حدود دار السلطنت قونیہ کے یہیں۔ جانب
مغرب روم و بیخ قسطنطنیہ و بحر القرم جانب جنوب بلاد شام و جزیرہ جانب مشرق ارمینہ جانب شمال بلاد کرج و بحر القرم۔ یہ
ایشیائے کوچک کہلاتا ہے۔ حاشیہ مختصر الدول صفحہ ۳۹۔ ۳۵ کا مل اشیر جلد ۱۰۔ صفحہ ۲۰۔ کتاب الوصایا۔ دوسرا حصہ کتاب ہزار
صفحہ ۳۶۸۔ مرآت البلدان ناصری صفحہ ۶۰۲۔ فارس نامہ ناصری صفحہ ۲۳ و ۳۳۔ جلد دوم ۳۵ شہانکارہ فارس کے
اُس حصہ کا نام ہے جو شیراز کے جنوب و مشرق میں واقع ہے اور جس کا صدر مقام ایبج تھا۔ قاضی عند الدین بن عبد الرحمن
ایبج۔ شیخ قطب الدین محمد ایبج۔ ملا صفی الدین ایبج۔ (استاد علامہ جلال الدین دوانی) مشاہیر علماء اسی خاک سے ہیں۔

سلطان طغرل بیگ نے ۴۵۶ھ میں بلاد فارس کا ٹھیکہ دیدیا تھا۔ فضلو یہ نے صوبہ فارس کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ خود واران میں رہتا تھا۔ اور شیراز میں اس کا نائب حکومت کرتا تھا جب اپنا رسد روم کی مہم میں مصروف ہوا تو میلان خالی پا کر فضلو یہ نے بغاوت شروع کی اور اسے خراج سے انکار کیا۔ تب خجہ انتظام الملک کی سپہ سالاری میں فارس پر فوج روانہ کی گئی۔ چونکہ فضلو یہ سیس سلطانی فوج سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی لہذا وہ قلعہ بھرجم میں پناہ گزیں ہوا۔ یہ قلعہ قصبہ جہرم سے جانب مشرق آٹھ فرسنگ پر واقع ہے۔ اور بلحاظ اپنی نوعیت کے ناقابل فتح ہے۔ اس واقعہ کو خواجہ نظام الملک نے کتاب الوصایا میں خود لکھا ہے۔ چنانچہ خواجہ کا بیان ہے کہ قلعہ کا محاصرہ صرف ایک ات ہوا۔ اور صبح کو یکایک قلعہ سے الامان کی صدا بلند ہوئی اور فضلو یہ نے خراج دینا منظور کر لیا۔ اس واقعہ پر عام حیرت تھی کہ جو قلعہ برسوں میں بھی فتح نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے قلعہ دار نے کیونکر اطاعت قبول کر لی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ رات بھر میں قلعہ کے تمام طالب و رجوع خشک ہو گئے تھے۔ اس لیے محصورین امان کے طالب ہوئے تھے۔ حقیقت میں یہ خواجہ نظام الملک کی نیک نیتی اور زہر دہار سائی کا اثر تھا کہ غیب سے قلعہ کے فتح کا سامان ہو گیا اور بتاریخ ۲۹ ستمبر ۴۵۶ھ یوم پنجشنبہ (محرم ۴۵۶ھ) یہ فتح نصیب ہوئی۔ ایک عیسائی موبتخ نے اس واقعہ کو پڑھ کر یہ رائے لکھی ہے کہ خواجہ نظام الملک کو سپہ سالاری اور فنون حرب سے کوئی مناسبت

(بقیہ نو صفحہ قبل) حکمرانان شاہکارہ کا سلسلہ نسب روئیر بابک تک پہنچا ہے۔ ابتدا میں اس خاندان کے بزرگ شاہی گلمہ بان تھے۔ لہذا شاہکارہ کہلائے۔ فضل کا باپ جن۔ فخر الدولہ دیلی کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ لیکن اس خاندان میں فضل بن جن نائب فضلو یہ سے زیادہ نامور ہوا ہے۔ اسے سر جان حکم صاحب حالات خواجہ نظام الملک۔

نہ تھی بلکہ جن لڑائیوں میں وہ شریک ہوا اُس کی کامیابی کو وہ اپنی مناجات اور دعاؤں کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ اور اپنی عبادت اور خدا پرستی پر بھروسہ رکھتا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب رائے ہے جس سے یورپ کی دہریست اور لاد مذہبی ٹپکتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کو دشمن کے مقابلہ میں اپنے آلات حرب اور فوج جنگ پر بھروسہ ہوتا ہے۔ اور علماء مذہب کا اگر جوں میں خدا سے دعا مانگنا ایک فضول کام ہے۔ حالانکہ اگر تائید غیبی اور فضل خداوندی شامل حال نہ ہو تو فوج کی کثرت اور اُس کی قواعد و انی مابل بیکار ہے۔ اور ضیاء الملک الدین امیر عبدالرحمن خاں مرحوم والی دہلی خدا و انفاستان تو اس قواعد کے بالکل خلاف تھے۔ انکا یہ قول مشہور ہے کہ ”میں تھیں در میدان بکار نیاید“ بہر حال ہم کو متنبہ مذکور کی رٹے سے اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ خواجہ جن نظام الملک جس طرح عقل اسے اور سیاست میں ایک منطیر شخص تھا۔ ویسا ہی وہ آداب لشکر کشی سے بھی واقف تھا۔ وہ جیسا کہ وزیر تھا ویسا ہی ایک تجربہ کار سپہ سالار بھی۔ اب اگر کسی خدا پرست سپہ سالار کا یہ خیال ہو کہ فتح اور شکست محض خدا کی طرف سے ہے تو اس پر یہ بدگمانی کرنا کہ وہ فوج حرب سے ماہر نہیں ہے اور اپنے فرائض سے ناواقف ہے محض ایک نادانی کا خیال ہے۔ قلعہ تبرجہرم ایک عجیب و غریب طرز کا قلعہ ہے۔ لہذا اس کا نقشہ اور فرہنگ پیش کی جاتی ہے جس کے ملاحظہ سے قلعہ کے اندر اور بیرون سے بخوبی سمجھ میں آجائیں گے نقشہ میں جو ہند سے دیئے ہوئے ہیں اس کے مطابق فرہنگ میں دیکھنا چاہیئے۔

فرہنگ نقشہ قلعہ تبرجہرم منقول از کتاب مرآت البلدان ناصری
رقمزدہ یا قرخان۔ پسر عبدالحسین خان مرحوم صفہسانی

۱۔ چوٹی ٹوہ جہرم۔ جو بطور پشتہ قلعہ کے چاروں طرف محیط ہے۔

۲۔ سنگری۔

۳۔ فاصلہ درمیانی پشتہ کوہ و قلعہ۔

۴۔ قیام گاہ نصر اللہ خاں باغی۔ عہد ناصر الدین شاہ مرحوم (تعمیر جدید)

۵۔ اس حصہ قلعہ کا نام ”وہ مردہ“ ہے۔ اور یہی مقام توپ خانہ ہے۔

۶۔ میدانی حصہ

۷۔ برج فضل علی باغی۔ عہد ناصر الدین شاہ ۱۲۹۲ھ (جدید) یہ مقام قلعہ کا دروازہ ہے جسکو رگ اول کہتے ہیں

۸۔ برج عالم ہیں تعمیر کردہ فضل علی (جدید) اس مقام پر پہاڑ کی چوٹی اُئی برج فرسخ ہے۔

۹۔ قلعہ تبرجہرم عہد نظام الملک جس میں فضلو یہ مقیم تھا۔

۱۰۔ راستہ بالائے قلعہ۔ اس مقام تک ذریعہ چاہ وازو نہ (الٹا کنواں) پہنچتے ہیں۔ اور پھر اس جگہ سے

بذریعہ طناب (سگڑ) بالائے قلعہ پہنچتے ہیں صرف ایک آدمی کے جائید کار راستہ ہے۔ ریگ دوم۔

۱۱۔ یہاں گودام ہوا کہ سیتقدربانی کا بھی ذخیرہ رہتا ہے۔ یہ ریگ سوم ہے۔

۱۲۔ برج نصر اللہ خاں بہارلو۔ (جدید)

۱۳۔ چشمہ الجح۔

۱۴۔ چشمہ کیسلہ۔

۱۵۔ موقع توپ۔

۱۶۔ چشمہ رازیانہ۔

۱۷۔ چاہ واژونہ یعنی رستہ قلعہ۔ اس مقام سے رگ اول تک ایک گھنٹہ کی مسافت ہے۔

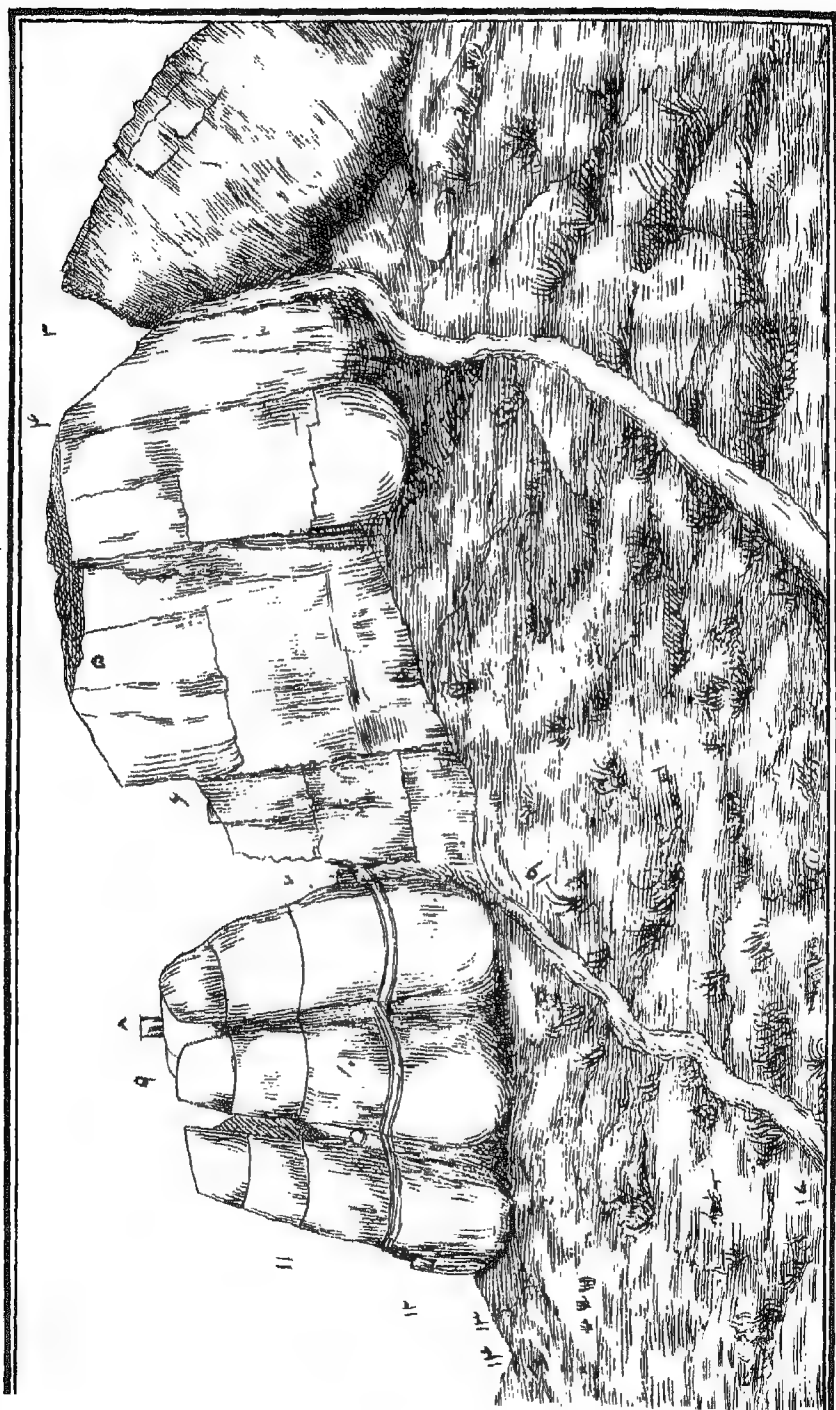
۱۸۔ راستہ "دہ مردہ"۔ اس رستہ سے توپیں لیجاتے ہیں۔ یہ رستہ دو گھنٹہ کا ہے۔

۱۹۔ چشمہ آبِ سیالیاں۔ یہ چشمہ پہاڑ کے نیچے ہے۔ اور پہاڑی سوتوں سے پانی ٹپکے کے حوضوں

میں جمع ہوتا ہے۔ اس چشمہ کے جانب مشرق ایک چوتھائی فرسنگ پر پہاڑ کے نیچے ایک سلسلہ

شیرہیوں کا ہے جو پہاڑ تراش کر بنائی گئی ہیں۔

نوٹ۔ قلعہ کے قدیم اور جدید حصہ پر متعدد برج ہیں اور ہر برج ایک سے آگاہ نام سے موسوم ہے۔ دولت ایران کی طرف سے آج کل اس قلعہ پر سنجوان بطور چوکی پولیس کے متعین ہیں۔



مقتل سلطان الپ اسلاں قیصر و مانوس کی لڑائی کے بعد سلطان الپ اسلاں نے اپنی عالی
 حوٹگی اور بلند خیالی سے یہ ارادہ کیا کہ جو علاقہ خاندان سلجوقیہ کا ابتدائی مسکن اور مولد رہا ہو اُس پر بھی
 قبضہ ہو جائے۔ چنانچہ دو لاکھ فوج پیادہ اور پچاس ہزار سوار یکدور سلطنت سے نکلا اور دریائے
 جیچون پر ایک پل باندھا۔ اور تقریباً بیس دن میں جیچون کے پار ہو گیا۔ سلطان کا قصد تھا کہ شہر الملک
 انگلیس خان بن تغلج خاں والی ماوراءالنہر پر حملہ کرے۔ چنانچہ جیچون سے اتر کر پہلا مقام ”فربر“ پر ہوا۔
 اور اس جگہ تمام فوج کو دعوت دی گئی اور اسی جگہ سے ایک قلعہ پر جس کا نام ”برزم“ تھا جو نہر جیچون
 کے کنارہ واقع تھا، حملہ کیا گیا۔ لیکن اتفاق سے یہ قلعہ مستح نہیں ہوا جب سلطان الپ اسلاں نے
 دیکھا کہ اگر میں قلعہ برزم کی فتح میں ابھار ہو نکھا تو اصلی تم جانی رہیگی۔ لہذا یوسف غار زری محاذ قلعہ
 بتاریخ چھٹی ربیع الاول ۵۷۱ھ اپنے سامنے طلب کیا۔ اور گفتگو شروع ہوئی۔ یوسف نے سر دبا
 سلطان سے سخت کلامی کی سلطان کو اُس کی گستاخی ناپسند ہوئی۔ اور غصہ کی حالت میں حکم
 دیا کہ اُس کو چومینہ کر کے قتل کر دو۔ یہ سن کر یوسف اور برہم ہوا۔ سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ ”اے
 محنت کہیں مجھ ایسے بہادر بھی اس ذلیل طریقہ سے قتل کیے جاتے ہیں۔ یہ سخت جواب سن کر
 الپ اسلاں پہلے سے باہر ہو گیا اور مکان میں سہ چوہہ تیر جوڑ کر یوسف کو نشانہ بنایا۔ الپ اسلاں
 ایسا فادرا نڈاز تھا کہ اس کا تیر کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔ لیکن یوسف پر وار خالی گیا اور اکیس بھی
 نشانہ پر نہ لگا۔ تب سلطان سخت سے اُٹھا کہ یوسف کو پکڑ کر خود سزا دے۔ لیکن گوشہ دامن

۱۔ تاریخ آل سلجوق اصفہانی، صفحہ ۴۴۔ کامل اثیر دین خلدون۔ وفات الپ اسلاں۔ وقویم ابو الفضا صفحہ ۲۳

۲۔ فربر۔ جیچون کے شرعی جانب ہو۔ اس جگہ سے دریا کا کنارہ ایک میل ہو

تخت کے پایہ سے ابکھا اور سلطان موٹھ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس قدر موقع پا کر یوسفؑ نے الہیہ السلام کو ایک ایسی چھری ماری جس کے صدمہ سے وہ مرغِ بیل کی طرح تڑپنے لگا۔

بشود چو از جان خود دست پاک زندکار و برخواہر کستہ غلام
سعد اللہ کہ گوہر آئین جو سلطان کے سر مانہ کھڑا ہوا تھا اُس نے یوسفؑ کو گرفتار کر لیا
جامع فرہش نیا پوری نے ایک بیچ کو ب یوسفؑ کے سر پر پارا جس کے صدمہ سے انکی روح
پردہ از کر گئی۔ بعد ازاں دیگر درباریوں نے یوسفؑ کے ٹکڑے کر دیئے اور زخمی سلطان کو درباری
خیمہ سے ایک دوسرے خیمہ میں اٹھالے گئے۔ زخم کے صدمہ سے بروز شنبہ دسویں ربیع الاول
۶۲۶ھ مطابق ۲۴ نومبر ۱۲۲۸ء سلطان کا انتقال ہو گیا۔ نو برس۔ دو مہینہ۔ دس یوم مستقل سلطنت
کر کے چالیس برس کے سن میں انتقال کیا۔ اور مرد کے شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ الہیہ السلام
بروز جمعہ تاریخ ۲ محرم ۶۲۷ھ پیدا ہوا تھا قبر کے تعویذ پر حسبِ ذیل فارسی شعر کندہ ہوئے۔

سر الہیہ السلام دیدی زخمت رفت برگردوں برود آ تا بنجاک اندر سدا لپک سلاں بنی
مصنف تاریخ الوانی نے اس مضمون کو عربی میں اس طرح پر نظم کیا ہے۔

یا من برای البارسلان علی فلاہ
سایم من المجد قد ضیعت کو الہ
تعال و انظر فلم یبق سوی حجی
هذا التراب فقد نلت هو الہ

۱۔ تاریخ پرو فیسربان صاحب ۲۔ کتاب الوانی جلد اول۔ صفحہ ۴۳۰۔ مذکورہ بالا فارسی شعر پرو فیسربان صاحب
کی تاریخ میں صریح ہے اور تاریخ گنج دانش میں یہ شعر لکھا ہے۔

بالاسہ چرخ دیدی الہیہ السلام بہت در مرد و بین کنوں کہ بزیر تراب شد

اور انگریزی تادیبوں میں اسی شعر کا ترجمہ نشر میں لکھا ہوا ہے جس وقت باشندگان ماوراء النہر نے سنا کہ الپ سلاں دولاکھ فوج لیکر آ رہا ہے تو تمام ملک میں ہل چل پڑ گئی۔ اور شہر بخارا کے مسلمانوں نے ختم قرآن کا وظیفہ شروع کیا۔ اور خدا سے دعا کی کہ وہ انکا حامی و مددگار ہو۔ چنانچہ اُن کی دعا متجاوب ہوئی اور سلطان تنگ نہ بڑھ سکا۔ جب سلطان زخمی ہو کر اپنے خیمہ میں گیا تو درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”کہ مجھ پر جو کچھ گزرا وہ میری خام خیالی کا نتیجہ تھا۔ افسوس ہے کہ میں نے ایک بزرگ کی نصیحتوں پر عمل نہیں کیا۔ ایک یہ کہ کسی کو نظر حرات سے نہ دیکھنا۔ دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو کبھی بڑا نہ سمجھنا۔ آج وہ مرتبہ نفس مارا ہے کہ کسی کی۔ اول صبح کے وقت ایک ٹیلہ پر کھڑے ہو کر جب میں نے فوج کو دیکھا۔ تو کثرت فوج سے میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آج دنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی میرا مقابلہ کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنی طاقت پر بہرہ کیا حالانکہ ایک ہزار جاندار (غلامان خاصہ) میرے سامنے موجود تھے۔ مگر میں نے اُن کو منع کیا کہ وہ یہ کہ نہ روکیں۔ درحقیقت اگر میں اپنے کاموں میں خدا سے مدد مانگتا تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔ اور اب میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔“

زخمی ہونے کے بعد سلطان نے ایک دربار کیا۔ اور اپنے بیٹے ملکشاہ کے سر پر تاج سلطنت رکھا

۱۵ اس مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ میں ذیل کی نظم میں ادا کیا ہے۔

مرا پر دانائے مرشد شہاب دواند ز فرمود دروے آب
یکے آنکہ در خلق بدیں مباش دگر آنکہ در خویش خودیں مباش

۱۶ تاریخ بخارا ص ۱۴۰

کامل اسیر طبع ۱۰ صفحہ ۲۵ و ۲۶

اور اس کی رفاقت کا تمام سرداروں سے حلف لیا۔ اور ملک شاہ کو وصیت کی کہ وہ تمام سلطنت کا انتظام نظام الملک کے مشورہ سے کرتا رہے جو ایک خدا پرست اور مدبر وزیر ہو۔ اور اپنے دوسرے بیٹے ایاز کے حق میں یہ وصیت کی کہ اُس کو پانچ لاکھ دینار دے دینا۔ اور قازنیک بن داؤد کو فارس اور کرمان کی حکومت سپرد کرنا اور سیقدر نقدی کے لیے بھی ہدایت کی اور اُمراء دولت سے یہ بھی اقرار لے لیا کہ میری وصیت کی تعمیل کی جائے اور اگر میرے حکم کی تعمیل نہ ہو تو تم تنوار سے کام لیا۔ اس کے بعد مکہ شہادت پڑھتا ہوا انتقال کر گیا۔

سیرت سلطان ابوسعید [سلطان ابوسعید] ایک نہایت فیاض اور عادل بادشاہ تھا۔ کسی کی شکایت کبھی نہیں سننا تھا جس کی تصدیق خواجہ نظام الملک نے اپنے ایک ذاتی واقعہ سے کی ہو۔ چنانچہ سلطنت کو اس عہد میں بڑی ترقی ہوئی اور بلحاظ رقبہ حکومت لوگ اس کو "سلطان عالم" کہتے تھے۔ خدا کی نعمتوں کا بڑا شکر گزار تھا۔ اور بے حد صدقات کا دینے والا۔ رمضان المبارک میں پندرہ ہزار دینار خیرات کرتا تھا۔ دفتر میں ایک جسر رہتا تھا جس میں تمام سلطنت کے ان فقراء و مسکین کے نام درج تھے جن کو گھر بیٹھے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ اس بادشاہ نے خالص مالگذاری کے علاوہ کبھی رعایا سے کسی قسم کا تاوان اور جبر ٹنڈ وصول نہیں کیا۔ اور سال میں صرف دو مرتبہ خراج وصول کیا جاتا تھا۔ اوقات فرصت میں شاہنامہ اور سکندر عظیم کی فتوحات اور قدیم بادشاہوں کی تاریخ سناتا تھا۔ علاوہ باطنی اوصاف کے نہایت خوبصورت۔ وجہ اور ہما قور تھا۔ غریب و مساکین کا ایک نہ بدست حامی تھا۔ اور مذہبی توہین کو ایک منٹ کے لیے

بھی جائز نہ رکھتا تھا۔ ہر شہر میں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ایساے عہد میں ضرب المثل تھا۔ خلیفہ قائم بامر اللہ
کا بہت ادب کرتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ نہ بغداد جا سکا اور نہ خلیفہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس کے
عہد سلطنت میں ہر شہر میں مدرسے جاری ہوئے جس سے علم کا فیض عام ہو گیا۔ باشندگان فارس
کا یہ قول صحیح ہے کہ جن وحشی ناریوں سے ہکواندیش تھا۔ اور جن کی حکومت کو ہم ایک آفت
ناگمانی سمجھتے تھے۔ اُن کے آنے سے ملک کی قسمت کھل گئی۔ لیکن الپ ارسلان کو جہاں خدا
نے اور نعمتیں دی تھیں۔ اُن میں سب سے بڑھ کر خواجہ نظام الملک کی ذات تھی۔ تمام مورخوں
کا اس پر اتفاق ہے کہ الپ ارسلان کے دور حکومت کی ترقی کا باعث خواجہ نظام الملک کی
حکمت عملیاں تھیں۔ دارا بھی بہت لائبرٹی تھی۔ چنانچہ طاہرہ دایک قسم کی لائبرٹی کی چوٹی
سے نیچے تک دارا بھی کی ہمت دار و دگر ہوتی تھی (اور کلمہ کلاہش تا پائین بحیرہ) اور چوگان بازی
(پولو) کی حالت میں دارا بھی میں تین گرہ لگایا تھا۔ سیاست کا یہ حال تھا کہ ایک غلام نے
کسی دیہانی کی پگڑائی چھین لی۔ جب وہ فریادی ہوا تو تحقیقات کی گئی۔ ایک غلام گرفتار ہوا
سائے آیا اسی وقت قتل کا حکم دیا اور اُس کی نش تین مہینے تک سولی پر لٹکتی رہی اور کسی کی
طاقت نہ تھی کہ اُس کو دفن کرے۔ بادشاہوں کے سفیر جیسا منے گئے تھے تو اُس کی ہیبت
اور جلال سے کانپنے لگتے تھے۔ وسعت سلطنت کا یہ حال تھا کہ تمام ممالک مقبوضہ میں بارہو
ماتحت حکمراں تھے۔ دسترخوان شاہی بہت وسیع تھا یہاں تک کہ میدان کارزار اور
شکار گاہ میں بھی وسیع پیمانہ پر انتظام ہوتا تھا۔ علاوہ شاہی دسترخوان کے باورچی خانہ میں

روزانہ فقرا اور مساکین کے لیے پچاس بکریاں فوج ہوتی تھیں۔ اس کے عہد میں جو عمارت بنائی جاتی تھی اُس کی نسبت حکم تھا کہ وہ بہت بلند و مستحکم اور شاندار ہو۔ کیونکہ سلطان کا خیال تھا کہ یہ آثار عالی ہمتی اور وفور نعمت پر زمانہ آئندہ میں دلالت کرتے رہیں گے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر شاندار عمارت بنوائی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۳۵۹ھ میں جب سلطان الہیہ ارسال کو معلوم ہوا کہ امام صاحب کے مزار پر کوئی قبۃ نہیں ہے اور نہ کوئی مدرسہ ہے تو اُس نے ابو سعد محمد بن منصور شرف الملک مستوفی کو حکم دیا کہ امام صاحب کی قبر پر ایک قبۃ اور ایک مدرسہ طیار کرایا جائے۔ چنانچہ کام جاری ہوا۔ اور عمارت بن کر طیار ہو گئی۔ رسم افتتاح مدرسہ بڑی شان سے ادا ہوئی۔ ابو جعفر مسعود نے جو اتفاق سے اس موقع پر آنکلا تھا۔ امام صاحب کی مح میں یہ جربستہ اشعار پڑھے جو اُسی وقت قبۃ پر لکھ دیئے گئے۔

المرتزان العلم کان صیدا فجمعه هذا للمغیب فی اللحد

کذا لک کانت ہذا الارض مہیتۃ فانشرها فعل العبد الابی سعد

یعنی تم دیکھتے نہیں علم کس طرح اتر مورا ہوا تھا۔ پھر اس شخص نے اس کو مرتب کر دیا جو اس لحد میں مدفون ہے۔ اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی ہوئی تھی جس کو شرف الملک ابو سعد کی کوشش نے دوبارہ زندہ کر دیا۔ ابن بطوطہ کے زمانہ تک یہ مدرسہ قائم تھا جس کے ساتھ مسافر خانہ بھی قائم تھا اور مسافروں کو کھانا ملا کرتا تھا۔

لے تاریخ آل سلجوق اصفہانی سیرۃ الہیہ ارسال ص ۳۲۔ تاریخ آل سلجوق صفحہ ۳۲۔ اشعار باد فی تغیر درج ہیں۔

سلطان الپ ارسلان کی عہداری میں جس قدر عیسائی رعایا تھی اُن کو حکم تھا کہ وہ مثل نعلِ پست
داس کی شکل قریب تک پہنچا کر رکھے تھی، کے ایک نشان اپنی گردن میں ڈالے رہیں۔ تاکہ مسلمان اور عیسائی
میں فرق مہتیا زبانی رہے۔ عقل اور فراست میں اپنے سب بھائیوں سے ممتاز تھا۔
اور اسی وجہ سے سلطان طغرل بیگ نے اس کو ولیعہد کیا تھا۔ چنانچہ زمانہ ولیعہدی کا یہ قہم
مشہور ہے جس کو شمس العلماء مولانا حالی نے اپنی مسدس میں نظم کیا ہے۔

الپ ارسلان سے طغرل نے پوچھا کہ قویں ہیں دنیا میں جو جلو مندر
نشاں اُن کی اقبال مندی کو ہیں کیا کب اقبال مندان کو کہنا ہی زیبا
کہا ملک دولت ہو بات کئے جتیک

جہاں ہو کر بستہ ساتھ ان کے جتیک

جہاں جائیں نہ سرخرو ہو کے آئیں طغرل ہمنماں ہو جدھر باگ اٹھائیں
نہ بگڑیں کہیں کام جو وہ بنائیں نہ اکھڑیں قدم جس جگہ وہ جائیں
کریں بس کو گر بس تو وہ کیا ہو

اگر خاک میں بات ڈالیں طسلا ہو

ولیعہد کی جب کہ باتیں سنیں یہ ہنسائیں کے فرزانہ دور ہیں یہ
کہا جان غم گپ ہو گو دشیں یہ مگر شرط اقبال ہرگز نہیں یہ

حوادث سے بن گزارا نہیں یہاں

انج (مسدس حالی)

بلندی لپٹی سے چارہ نہیں یہاں

لے گج دانش صفحہ ۴۰۹

سلطان۔ طغرل بیگ کی طرح، اگرچہ سپاہی تھا۔ لیکن شعرا کا قدردان تھا۔ فتوحات کے موقع پر شعرا و منابر کا وہیں قصائد پڑھتے تھے اور صلہ پاتے تھے۔ عجمی غزنوی، دربار کا شاعر تھا جس کے ذیل کے اشعار بطور یادگار رکھے جاتے ہیں۔

بگردوں ہریں بر شد بہ فخر ملک ایران	کہ گستر از برش سایہ خجستہ رانست سلطان
خداوند جهان، الہیہ اسلاں سلطان دین کو	کہ با عیش نہاید جو رکیس عدل نوشتہ اراں
خداوندی و رازید کہ چون تنغیش شود پیدا	اگر کوہے بود دشمن بنجاک اندر شود پنهان
خداوندی کہ در سود و زریاں خوشنودی و خشمش	یکے ہو لیست بے اندہ یکی در دیت بیدار
نگہ کن تا بدیں لشکر کہ طاعی گشت امرش را	چہ کرد انشاء در یاد دل بدل بدعت طعیناں
بہول رعد گشت باد و چشم ابر از اسی	بزور پیل و سہم شیر و مکر گرگ پر دستاں
قوی چون نہ اسکندر سید دل چون شب ہمار	ہمہ شفتہ چوں دریا ہمہ نے حصر چوں باراں
بیک حکم کہ سلطان کرد بچوں شیر آہو	ز خون خصم دریا شد بیک ساعت ہمہ میدان
چو سہم رانست بہ سہم معادی زود بگرزد	چو اہرمن کہ بگریزد ز سہم آیت سترقاں
بچونین فتح فرخندہ کہ وادتا ایزد اور	تو شادی کن کہ دشمن گشت زار و خستہ و پشور

تو یار شادمانی باش تا دشمن خورد اندہ

تو جنت تندرستی باش تا دشمن بود نال

۱۔ مجمع الفصحی صفحہ ۳۳۰۔ عبد المجید نام، عجمی، تخلص غزنی کا باشندہ، ایک نامور حکیم اور فاضل تھا۔ ملک شاہ کا بھی مداح رہا۔ حکیم سنائی، ادیب صابرا اور سوزنی اس کے حلیں ندیم تھے۔ عجمی کے علاوہ، زہیر الدین، اسیر الدین،

سلطان الپ ارسلان نے انتقال سے قبل اپنے عزیزوں کو حسب ذیل ملک تقسیم کئے

سیلمان بن داؤد چغری بیگ

بلخ

امیر انیاکج بن مینو

ماژندراں

ارسلان ارغوبردار الپ ارسلان

غوازم

ارسلان شاہ۔ پسر الپ ارسلان

مرو

الیاس

چغانہ (صغایاں)

مسعود بن ارطاس

تخارستان

مود و دین ارطاس

ولایت بختور (نواح باؤفیس) و اسفران

انتقال کے وقت سلطان کے حسب ذیل بیٹے موجود تھے۔

ملکشاہ۔ تئش۔ تکش۔ ارغون۔ ارسلان شاہ۔ ایاز۔ بوری برس چند بیٹیاں بھی تھیں

جن میں سے سارہ۔ و عائشہ مصفری خاتون۔ زلیخا خاتون مشہور ہیں۔

تخت نشینی ملکشاہ سلطان الپ ارسلان کے انتقال پر سترہ سال کی عمر میں دسویں بیع الاول

۶۱۷ھ میں جلال الدولہ ابولفتح ملکشاہ اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ملکشاہ کے اور بھائی بھی

موجود تھے۔ مگر چونکہ ملکشاہ سب میں بڑا اور قابل تھا لہذا وہ میں خواجہ نظام الملک کے

مشورہ سے الپ ارسلان نے اپنا ولیعہد کیا تھا۔ اور رسم ولیعہدی بڑی دہوم سے منعرا

دینیہ نوٹ صفو قبل مجیر الدین بلقانی، کمال الدین نچوانی، شام فورنیا پوری۔ ذوالفقار، سید محمد الدین علوی بھی اسی دربار

شاعر تھے (از دولت شاہ مکرہندی) ۱۷۷۰ھ صولاقا لکھنؤ تاریخ خراسان نسخہ قلمی۔ وکال اشیر صفحہ ۱۷۷۰ھ تقویم ابوالفضیل صفحہ ۱۷۷۰ھ

۱۷۷۰ھ کمال اشیر صفحہ ۱۷۷۰ھ و ۱۷۷۰ھ۔ وزیرۃ الخاں ص ۱۷۷۰ھ۔ روضۃ الصفاح صفحہ ۸۲۔

النگ راوکان دطوس، میں ادا ہوئی تھی۔ اور اس دن الپ ارسلان کے جوش مسرت کا یہ عالم تھا کہ جب ملکشاہ گھوڑے پر سوار ہو کر سامنے حاضر ہوا تو رکاب پکڑ کر چند قدم چلا۔ اور مرصع تخت پر جو خاص اس تقریب کے لیے بنوایا گیا تھا۔ ملکشاہ کو اپنے سامنے بٹھایا اور قیمتی خلعت پہنایا۔ اور عرصہ تک نصیحتیں کرتا رہا۔ سرداران فوج، اُمراء اور عزیزوں سے اطاعت کا حلف لیا گیا۔ اور دربار بغداد سے بھی منظوری حاصل کر لی۔

چونکہ الپ ارسلان نے حالت سفر میں انتقال کیا تھا۔ اور ماوراءالنہر پر حملہ کی طیاریاں تھیں لہذا فوج کثیر ہم رکاب تھی۔ لیکن ملکشاہ نے آگے بڑھنا مناسب نہ جانا اور مع فوج کے تین دن میں جیون سے اُتر کر براہ خراسان نیشاپور پہنچا۔ ایام تعزیت کے ختم ہونے پر جبکہ محاکم تابع فرمان تھے۔ اُن کے حکمرانوں کو تخت نشینی کی باضابطہ اطلاع دی گئی۔ بغداد، حریم شریفین، اور بیت المقدس میں ملکشاہ کا خطبہ پڑھا گیا۔

جنگ قادور دیگ اور خواجہ کی حکمت عملی ملکشاہ ہنوز اپنے باپ کے غم میں مبتلا تھا۔ اور تخت نشینی کا جشن بھی نہ ہونے پایا تھا کہ شعبان ۴۵۷ھ میں سلطان کا چچا قادور دیگ تاج و تخت کا دعویٰ دار ہو کر کرمان سے رے کی طرف بڑھا۔ خاندان میں قادور دیگ سے بزرگ، اور با اثر کوئی باقی نہ تھا۔ اس کے علاوہ تمام اراکین سلطنت اور سرداران فوج قادور دیگ سے رشوت لے چکے تھے۔ اور آئندہ کے لیے خاص مراعات کے اُمیدوار کیے گئے تھے۔ اب ملکشاہ فریق اور محسن خواجہ نظام الملک تھا جس کے مددگار شرف الدولہ مسلم بن قریش۔ اور بہار الدولہ

منصور بن دہیس تھے۔ یہ عربی قبائل کے سردار تھے جن کی ماتحتی میں قوم کرد کے جانباز سپاہی تھے چنانچہ سلطان دوزیر بھی مداخلت کے لیے تیار ہو کر نیشاپور سے روانہ ہو گئے اور انہیں شہنشاہ کو ہمدان کے قریب میدان کرج میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہو گیا۔ تین شبانہ روز خونریز جنگ لڑی۔ اور ملک شاہ فوجیاب ہوا۔ قادور دیگ گرفتار ہو کر سامنے آیا اور عفو قصور کا طالب ہوا۔ سلطان نے معافی نہیں دی۔ فتح کے بعد فوجی سردار مبارک باد کے لیے حاضر ہوئے اور خواجہ سے عرض کیا کہ اس فتح کے صلہ میں ہماری تختہ میں اضافہ کیا جائے چنانچہ خواجہ نے فوجی شاہرہ میں سات لاکھ دینار کا اضافہ کر دیا اور قادور دیگ کو مصلحت ملکی سے اردو ڈالا۔ ملک میں امن و امان ہو گیا۔ ملک شاہ نے کرمان کی حکومت بدستور قادور دیگ کے خاندان میں بسنے دی۔ اور اس کا رگزاری کے صلہ میں خواجہ نظام الملک کی جاگیر میں اضافہ کر دیا۔ اور آٹا ایک کا خطاب دیکر سلطنت سلجوقیہ کا مالک بنا دیا اور امر عرب اور کردوں کو بھی خلعت سے ممتاز کیا۔ پندرہ سال از غلام ساوگتین کو علاوہ جاگیر و منصب کے عطا کیا۔ اور خطاب دیکر علم و فائزہ بھی مرحمت کیا۔ اور ملک شاہ اطنیان سے سلطنت کرنے لگا، کیونکہ سلطان کا ایک بھائی ایاز جو الپ ارسلان کے انتقال پر بلخ میں حکمران ہو گیا تھا۔ وہ بھی فوت ہو گیا تھا۔

اب ہم خواجہ کے وہ خاص حالات لکھتے ہیں جن کا تعلق عہد ملکشاہ سے ہے۔

خواجہ نظام الملک نے قادور دیگ کے قتل میں جو حکمت عملی برتی وہ اس کے صاحب الزما

۱۵۹۰ء میں تخت نشینی ملکشاہ ۷۵۰ھ اس موقع پر حصہ اول کا صفحہ ۱۵۹-۱۶۰ دیکھنا چاہیے جس میں واقعہ کی تصریح ہے۔

ہونے کی ایک کمال شہادت ہے۔ لیکن ذیل کے واقعات سے بھی ظاہر ہوگا کہ نظام الملک کے
در بختیال اور مدبر وزیر تھا

خواجہ کی رے فوج کی تحقیف ^{۱۳۷۲ھ} میں بہا مشبان سلطان ملک شاہ نے مقام سے کل
فوج کا جائزہ لیا۔ اور سات ہزار سواروں کو ضرورت سے زیادہ سمجھ کر موقوف کر دیا۔ خواجہ نے
عرض کیا کہ یہ سپاہی ہیں، کاتب، تاجر اور خطاط نہیں ہیں جو اپنی معاش کو قائم رکھ سکیں
بحر سپہ گری ان کا دوسرا پیشہ نہیں ہے۔ آخر یہ لوگ کہاں جائیں گے۔ ضرور ہو کہ کسی دوسری
سلطنت میں رجوع کریں گے۔ یا کسی کو سردار بنا کر ملک میں غارتگری کریں گے اور ان کی ذات
سے اس قدر شورش ہوگی کہ بزرگوں کے جمع کیے ہوئے خزانے خالی ہو جائیں گے۔ اور امن
عام میں خلل انداز ہوں گے۔ لہذا انکا موقوف کرنا عقل و حکمت کے خلاف ہے۔ لیکن ملک شاہ
نے خواجہ کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور فوجی رجسٹر سے سات ہزار جوانوں کا نام کاٹ دیا چنانچہ
یہ گروہ تکش برادر ملک شاہ سے مل گیا، اور ان باغیوں کی مدد سے تکش نے بوشخ، مرد دروہ و مرد جہاں
ترند وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور فتح نیشاپور کی طیاریاں ہونے لگیں لیکن تکش کے حملہ سے پہلے
نظام الملک اور ملک شاہ نیشاپور پہنچ گئے۔ سلطان کی خبر سن کر تکش قطعہ ترندیں پناہ گیر ہو گیا اور
اخیر میں صلح ہو گئی۔ لیکن نتیجہ وہی ہوا جو اول خواجہ نے کہا تھا۔

ملک شاہ کو دہلیوں کی قید سے چھڑانا ^{۱۳۷۲ھ} ملک شاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد جب قیصر روم نے

خانہ جنگی اور بغاوتوں کا حال سنا۔ تو وہ بھی بقصد ملک گیری ایران کی طرف بڑھا ملک شاہ بھی مقابلہ کے لیے نکلا۔ دونوں لشکر تھوڑے فاصلہ پر خیمہ زن تھے۔ لیکن ملک شاہ کی شان و شوکت سے متاثر ہو کر قیصر صلح کا خواستہ گزار تھا۔ اور شرائط صلح کے لیے سفیروں کی آمد و رفت جاری تھی چنانچہ انہی دنوں کا واقعہ یہ کہ سلطان ملک شاہ چند سواروں کو ہمراہ لیکر شکار کے لیے نکل گیا اور رومیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے سواروں کو سمجھا دیا کہ میرا ادب و لحاظ نہ کرنا۔ اور مجھ سے معمولی برتاؤ کرنا۔ تاکہ افشار راز نہ ہو۔ جب خواجہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے چند سوار لشکر سے باہر روانہ کیے اور بعد نماز مغرب اعلان کر دیا کہ سلطان شکار سے واپس آگیا ہے۔ اور خود رومی لشکر میں جا کر قیصر سے ملاقات کی۔ قیصر نے خواجہ کو بڑے تپاک سے لیا۔ اور مسئلہ صلح پر خواجہ سے مدد کا طالب ہوا۔ اثناء کلام میں قیصر نے کہا کہ کل چند آدمی آپ کی فوج کے گرفتار ہوئے ہیں۔ ان کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جانا خواجہ نے کہا کہ مجھے ان لوگوں کی خبر نہیں ہے۔ نہ لشکر میں کسی نے ذکر کیا تھا۔ بہر حال قیدی سامنے آئیں تو معلوم ہو چنانچہ قیدی پیش ہوئے۔ خواجہ نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ تم بڑے بیوقوف ہو۔ جو لشکر سے علیحدہ ہو کر گرفتار ہو گئے۔ اگر قتل کر دیئے جاتے تو دونوں سلطنتوں کی بدنامی ہوتی کہ صلح کے زمانے میں قیدی قتل ہو گئے۔ بعد ازاں ان کو چلے جانے کا حکم دیدیا۔ جب خواجہ قیصر سے رخصت ہو کر رومیوں کی حد سے دور نکل آیا۔ تب گھوڑے سے اتر کے ملک شاہ سے معذرت کی اور عرض کیا کہ قیصر کے سامنے جو گفتگو کی تھی وہ مصلحت پر مبنی تھی۔ اور ملک شاہ کی واپسی پر بڑی خوشی منائی گئی۔ جب قیصر کو معلوم ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا اور خواجہ کی عقل و فرست کی بڑی تعریف کی

اس واقعہ کے خاتمہ پر مصنف نگارستان نے خرب ذیل اشعار لکھے ہیں۔

حکیم گفت کہ تقدیر سابق بہت مے بہ ہیچ حال تو تدبیر خود منسرو مگذار
کہ اگر موافق حکم قضاست تدبیرت بہ کام دل سی از کار خویش بن خودا
وگر مخالف آنست در دت معذو کسی کہ دلا از انوار عدل بہ تہلہا

جیون کے ملاح کا ایک خاص واقعہ | خواجہ نظام الملک کو ہمیشہ مدنظر رہا کہ ملکشاہ کی شان و شوکت

کی دستاں صفحات تاریخ میں باقی ہے چنانچہ مشہور ہے کہ ^{۱۵۸۶ء} ۱۵۸۶ء میں جب سلیمان خاں حاکم سمرقند کی گوشمالی کے لیے روانہ ہوا۔ اور مقصد میں کامیاب ہو گیا تو واپسی کے وقت خواجہ نے جیون کے ملاح کو (جن کی کشتیاں کرایہ کی گئیں تھیں) بجائے نقد کرایہ ادا کرنے کے حاکم انطاکیہ (ملک شام) کے نام ہندسی (حکم خزانہ) جاری کی کہ وہ ملاح کو یہ قسم خزانہ سے ادا کرے۔ چنانچہ ملاحوں نے اس کی ملکشاہ سے شکایت کی۔ تب سلطان نے خواجہ سے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے خواجہ نے عرض کیا کہ جب ہم دنیا میں نہوں گے۔ تب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ملکشاہ کی سلطنت اس قدر وسیع تھی کہ ملاحان جیون کی اجرت خزانہ انطاکیہ سے دلانی گئی تھی۔ سلطان اس نکتہ سے خوش ہوا۔ خواجہ کی تعریف کی۔ اور فرمایا کہ اب میرے حکم سے آپ ان ملاحوں کو اسی جگہ کرایہ دیکر رخصت کر دیجیے۔

خیر روم کی واپسی کا سفر ہے | واقعہ مندرجہ بالا کے قریب قریب یہ روایت ہے کہ ^{۱۵۸۶ء} ۱۵۸۶ء میں ملکشاہ

نے احمد خاں بن خضر خاں حاکم ماوراء النہر پر اصفہان سے فوج کشی کی۔ روم کا سفیر اس وقت

لے انا نہ حیراں صفحہ ۵۔ روضۃ الصغایر چارم سلاطین سلجوق ۷۷۷ کامل اثیر صفحہ ۵ جلد ۱۰

سالانہ خراج لیکر حاضر ہوا تھا، خواجہ نظام الملک اس حم میں سفیر کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور کاشغر پہنچ کر خراج لیا۔ اور سفیر کو یہاں سے نصرت کیا۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ رومی سفیر کو دولت سلجوقیہ کی وسعت کا اندازہ ہو اور یہ تاریخی واقعہ ہو جائے۔ کہ قیصر روم کا سفیر خراج لیکر باب کاشغر تک آیا تھا۔

یوڈل سٹم کا اجزاء | اسلام سے پہلے دنیا میں جو عظیم الشان سلطنتیں تھیں ان کا یہ اصول تھا کہ ملک میں جو با اثر امرا سپہ گری کا جوہر رکھتے تھے ان کو بڑی بڑی جاگیریں دیکر یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اپنی فوج (ایک خاص تعداد معین تھی) لیکر حاضر ہوں گے۔ چنانچہ تقسیم جاگیرات کا یہ سلسلہ یہاں تک بڑھ کر گیا تھا کہ بڑے جاگیردار بطور خود اپنے علم کو شکی طریقہ پر تقسیم کر دیتے تھے اور ان سے بھی وہی معاہدہ کرتے تھے جس کے خود پابند تھے۔ لیکن براہ راست ان ماتحتوں کو سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور اس فوجی اصول کا نام یوڈل سٹم تھا اور یہ طریقہ یونان، روم، الکبریٰ، اور ایران میں جاری تھا۔ لیکن اصول سیاست میں یہ نظام غیر منتظم تھا اور کبھی کبھی جاگیردار باغی ہو کر تباہی سلفنت کا باعث ہوتے تھے۔ جسکی نظیر خود روم کی عظیم الشان سلطنت تھی۔ لہذا اسلام کے نامور فاتح اور مشہور مدبر امیر المومنین فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں فوج کی تنخواہ مقرر کر دی تھی۔ اور جاگیر داری کے قدیم قانون پر عمل نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اس عہد سے خلفاء عباسیہ اور دیگر سلاطین میں تقسیم تنخواہ کا قاعدہ جاری تھا۔ جب سلجوقیوں کا دور حکومت ہوا۔ تو گزشتہ خوزیریوں اور خانہ جنگیوں سے

لے طبقات انشا فیہ جلد سوم حالات نظام الملک۔

ملک ایران ہو گیا تھا۔ اور ہر صوبہ کا پورے سراج وصول نہ ہوتا تھا۔ لہذا خواجہ نظام الملک نے قدیم قاعدہ کو نوڑ کر جاگیر داری کا از سر نو انتظام کیا۔ اور اس عملدرآمد سے ملک آباد ہو گیا اور ملکی پیداوار میں غیر معمولی ترقی ہو گئی۔ یہ انتظام خواجہ نے اس لیے کیا تھا کہ سلطنت سلجوقیہ کے تحفظ اور عروج و ترقی کا مدار فوج پر تھا۔ اور فوج کے سردار اکثر قبچاقی اور تاتاری غلام ہوا کرتے تھے جن پر بادشاہ کا عزیزوں سے زیادہ عہت سبار تھا۔ اور ان سے بغاوت کا خطرہ بھی کم تھا۔ اور یہی غلام بادشاہ کے محافظ جان بھی ہوتے تھے۔ لہذا مشہور قلعے اور اقطاع ان کے سپرد کر دیئے گئے۔ ایسی جاگیریں فارس، مسقط، اور شام کا حصہ منقسم تھا۔ جنکے حاصل سے جاگیردار فائدہ اٹھاتے تھے اور فوج مرتب رکھتے تھے۔ موسم بہار میں اس قسم کی تمام فوج کو حاضر رہنا پڑتا تھا۔ اور موسم سرما میں ان کی کچھ ضرورت ہوتی تھی۔ البتہ بشرط ضرورت اسکتی تھی۔

فیوڈل سسٹم کا طریقہ عام طور پر پنی زمانہ متروک ہو۔ اور یورپ کی کسی سلطنت میں بھی جاری نہیں ہو۔ مگر اس وقت ملکی مصلحت سے مفید تھا جس کو خواجہ نے جاری کیا تھا اور سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں بھی ملک مصر میں یہی آئین تھا۔ جو خواجہ کی یادگار تھا۔

المیہ اشعر پرلین اور اس کا اندازہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دور حکومت میں وزیر عمید الملک کنیری نے تمام مالک محروسہ میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ خطبہ میں ردافض پرلین کیجائے۔ اس کے بعد

۵۵ دیباچہ حیات صلاح الدین نوشتہ مسٹر لین پول صاحب۔

یہی حکم اشعرہ کی نسبت بھی جاری کر دیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۳۵۶ھ میں امام البحرین اور ابو القاسم قشیری۔ حافظ ابو بکر بہیقی جیسے نامور ائمہ نیشاپور سے مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے اور ان بزرگوں کے ہمراہ اور تمام علماء بھی چلے گئے۔ چنانچہ اس سال حرین شریفین میں چار سو قاضی حنفی اور شافعی مذاہب کے جمع تھے۔ لیکن خواجہ نظام الملک نے وزیر ہوتے ہی حکم جاری کر دیا کہ روافض اور اشعرہ پر جو لعن کیجاتی ہو وہ بند کیجائے۔

عمید الملک کے اس حکم سے خوفزدہ و فساد خراسان میں پیدا ہوا اُس کی تفصیل کے قبل عقائد اشعریہ سمجھ لینا چاہیے۔ کیونکہ یہی عقائد باعث لعن و طعن ہوئے تھے

- ۱۔ خدا کو جائز ہو کہ انسان کو اس کام کی تکلیف دے جو اُس کی طاقت سے باہر ہو۔
- ۲۔ خدا کو حق ہو کہ وہ مخلوقات کو عذاب دے۔ بغیر اسکے کہ انکا کوئی جرم ہو یا انکو ثواب ملے۔
- ۳۔ خدا کو پہچانا شریعت کی رو سے واجب ہو نہ عقل کی رو سے۔

۴۔ میزان (ترازو) حق ہو اور اس طرح کہ خدا نامہ اعمال کے دفتروں میں وزن پیدا کر دیگا۔ یہ وہ عقائد ہیں کہ اشعریہ کے نزدیک سنت اور اعتزال میں حد فاصل ہیں۔ اس کے علاوہ ذات صفات اور افعال الہی کے مسائل ہیں جس کا اجمالی بیان امام خوالی نے احیاء العلوم کے شروع میں کیا ہے۔

طبقات الشافعیہ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ابو ہسل بن الموفق۔ ے کے ایک بیٹے تھے جو فاضل

۱۵ امام ابوحنن علی اشعری پر دیکھو نوٹ صفحہ ۵۰۵ حصہ اول ۱۵ علم الکلام صفحہ ۵۶ ۱۵ طبقات جلد ثانی تذکرہ

علی بن اسماعیل از صفحہ ۲۳۵ لغایہ ۲۶۱۔

اور اخلاق میں ضرب اہل تھے ان کے مکان پر ہمیشہ علماء کا مجمع رہا کرتا تھا۔ اور شوافع و حنفی کے علماء وہاں مناظرہ بھی کیا کرتے تھے۔ ابوسہل فرقہ اشعریین میں داخل تھے۔ اور مذہبی معلومات بھی خوب رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ابوسہل وزیر السلطنت ہونے والے ہیں جب عمید الملک نے سنا تو پریشان ہو گیا اور یہ تدبیر کی کہ طفل بیگ سے فرقہ مبتدعہ پر لعن کی اجازت حاصل کی اور اسی زمرہ میں اشعریہ کو بھی داخل کر دیا۔ اور علماء اشاعرہ کو درس تدریس اور وعظ و نصیحت سے روک دیا۔ اور بعض محترمین کو جو اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے اپنا مؤید بنا لیا اور سلطان کو علماء شافعیہ سے عموماً اور اشعریہ سے خصوصاً بدظن کر دیا اور وجہ کے دن علانیہ ٹوہن و تندیل ہونے لگی جس طرح بعض بنی امیہ کے عہد میں سرمنبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی توہین ہو کر تھی، چنانچہ ابوسہل اس فتنہ کے فرو کرنے کے لیے اُٹھے۔ اور فرج سے ادا دچاہی مگر وزارت کے اثر سے کامیابی نہ ہوئی۔ اور نہ سلطان تکے سائی ہو سکی۔ مجبوراً تمام ملک کے علماء کو توجہ دلائی گئی اور عمید الملک کو بھی اطلاع دی گئی۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر عمید نے بالزام بغاوت (منظوری سلطان) ابوسہل رئیس الفرائی، امام قشیری اور امام احرارین کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا۔ ابوسہل تو اجراء حکم سے پہلے، اے سے چلے گئے۔ اور امام احرارین بھی کرمان ہو کر حجاز کو تشریف لے گئے۔ لیکن امام قشیری اور رئیس الفرائی گرفتار ہو گئے اور قلعہ قندز (کھن ڈر) میں قید کر دیئے گئے۔ قیدیوں کو کچھ اور ایک مہینہ گزارا تھا کہ ابوسہل نے ناصیہ باختر سے ایک جنگجو جماعت فراہم کر کے قندز پر حملہ کا قصد کیا۔ اور قلعہ دار سے قیدیوں کو مانگا۔ اس نے انکار کیا اور مقابلہ پر آمادہ ہوا۔ چنانچہ مقابلہ میں قلعہ دار زخمی ہو گیا اور

رئیس الفرائی اور امام قشیری رہا ہو کر ادھر اُدھر چلے گئے۔ عمید الملک نے سلطان سے واقعہ بیان کر کے ابوسہل کی گرفتاری کا حکم حاصل کیا۔ اور بمقام سے اگر گرفتار کر لیا اور تمام مال و اسبابِ جائیداد کو ضبط کر کے نیلام کیا۔ اور ابوسہل کو کسی قلعہ میں قید کر دیا۔ چنانچہ خواجہ بہر نظام الملک نے وزیر ہو کر اس فتنہ کا انتہی حال کیا۔ اور عمید الملک عبرت انگیز طریقہ سے قتل کر دیا گیا جو علماء و فقہاء کی بددعاؤں کا اثر تھا۔

فرقہ اشعریہ کے متعلق علماء کے فتویٰ واقعہ مذکورہ کے ذیل میں یہ بھی قابلِ تحریر ہے کہ مخالفین اشعریہ کی نسبت علماء نے یہ پہچان میں حسبِ ذیل فتویٰ لکھا تھا۔

استفتاء

۱۔ ائمہ دین کا اس گروہ کی نسبت کیا حکم ہے جو فرقہ اشعریہ کی تکفیر اور لعن و طعن کرتا ہے اور وہ کس سلوک کا مستحق ہے؟

جواب

اصحابِ حدیث کا اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہ اشعری، ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ اور ان کا وہی مذہب ہے جو اہل حدیث کا ہے۔ انھوں نے اصولِ دیانات میں اہل سنت کے طریقہ کو ملحوظ رکھ کر مخالفینِ اہل سنت کی خوب تردید کی ہے معتزلہ، روافض، خوارج کے لیے وہ ایک برہنہِ شمشیر تھے۔ جس نے انہیں لعن و طعن کیا یا سب و شتم سے پیش آیا۔ اُس نے گویا تمام اہل سنت پر لعن و طعن کیا۔ کہتے عبدالکریم بن ہوازن القشیری۔ اور امام صاحب کے دستخط کے بعد علماء ذیل کے دستخط تھے۔

محمد بن علی البخاری، شیخ ابو محمد جوینی، عبداللہ بن یوسف، ابو الفتح شاشی، علی بن احمد جوینی، ناصر تعمیری، احمد بن محمد ایوبی، علی بن محمد ایوبی، ابو عثمان الصابونی، ابو نصر بن ابی عثمان الصابونی، شریف بکری، محمد بن الحسن، ابی الحسن قلقا بادی،

ان کے علاوہ عبدالجبار اسفرائینی نے بزبان فارسی یہ عبارت لکھی: ”ایں ابو حسن اشعری اس مامست کہ خداوند عزوجل اس آیت در شان من فرستاد و فسوف یاتی اللہ بقوم یحکمهم ویجوزہ“ مصطفی علیہ السلام در ان وقت بجد وے اشارت کرد۔ ابو موسی اشعری قالی تم قوم ہوا۔“

”کاتبہ عبدالجبار علی بن محمد اسفرائینی“

۲ اسی مضمون کا دوسرا متن علماء بغداد سے حاصل کیا گیا۔ جس کا یہ جواب ہے ”جس نے ایسا کیا اس نے بدعت کی اور وہ فعل ناجائز کا مرتکب ہوا۔ امیر وقت کو اس کی تادیب لازم ہے۔ تاکہ خود کو اور دوسروں کو ایسے امور کے ارتکاب کی جرات نہ ہو“

”کاتبہ قاضی القضاۃ ابو عبداللہ الدامغانی کھنفی“

اور قاضی صاحب کے دستخط کے بعد علماء ردیل نے اپنے دستخط ثبت کیے۔

شیخ ابو اسحاق شیرازی، ابراہیم بن علی فیہرہ و زابادی، محمد بن احمد شافعی معروف بفخر الاسلام شاشی، ابو الخطاب بن الحکولی، ابو عبداللہ قیروانی، سعد لہنی، ابو الوفاء بن عقیل حسبی، ابو منصور الرزاز، ابو الفرج اسفرائینی، ابو الحسن بن النخل، ابو الحسن علی بن کحین قزوینی حنفی، ابو نجر قزوینی، عمر بن احمد خطیبی زنجانی۔

چنانچہ یہ دستخط زمانہ دراز تک قائم رہا۔ اور علماء مابعد کی بھی وہی رائے قائم رہی جو

علماء مذکورہ بالا لکھ چکے تھے۔

خواجہ نظام الملک کے خطبات القاب | خواجہ حسن کا پورا نام مع القاب خطابات حسب ذیل ہے۔
"وزیر کبیر، خواجہ بزرگ، تاج محضرتین، قوام الدین، نظام الملک، اتابک، ابو علی حسن رضی امیر المؤمنینؑ اور اس کی تشریح یہ ہے۔

۱۔ وزیر کبیر چونکہ دولت سلجوقیہ میں خواجہ حسن سے بڑھ کر کوئی دوسرا وزیر نہیں ہوا
لہذا ملک میں اس کا عام لقب وزیر کبیر تھا۔

۲۔ خواجہ بزرگ سلطان ملک شاہ زمانہ ولیعہدی خواجہ کی اتالیقی میں تھا لہذا ملک شاہ
تعظیماً خواجہ بزرگ کہا کرتا تھا۔

۳۔ تاج محضرتین دولت سلجوقیہ کے دو نامور بادشاہ الپ سلاں اور ملک شاہ کے عہد
میں خواجہ وزیر سلطنت رہا ہے۔ لہذا تاج محضرتین مشہور ہوا۔

۴۔ قوام الدین یہ مذہبی خطاب ہے۔ اور علماء و فقہاء کا عطیہ ہے۔

۵۔ نظام الملک شہرت عام کی بنا پر یہ خطاب خواجہ کے نام سے بھی زیادہ مشہور و معروف ہے۔

سلطان طغرل بیگ سلجوقی نے سب سے اول اپنے وزیر ابو محمد حسن
بن محمد ہستانی کو نظام الملک کا خطاب دیا تھا۔ اس کے بعد ابو نصر محمد
بن منصور گندری کو عمید الملک کا خطاب دیا۔ اور گندری کے قتل کے
بعد الپ ار سلاں نے جب خواجہ کو وزیر عظم مقرر کیا تو خلعت وزارت کے
ساتھ نظام الملک کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اور خواجہ بالعموم اسی

خطاب سے تمام عالم میں شناسا ہو۔ یہ خطاب اس درجہ معزز قرار لایا گیا
ہو کہ ایران ہندوستان میں بھی سلاطین نے اپنے قابل ترین وزراء کو
نظام الملک کا خطاب دیا ہو۔ گویا خطابِ زیر کے فضل و کمال اور معیت
کا ایک گراں بہا اور صریح تمغہ ہو۔

۶۔ اتابک

ملک شاہ نے تخت نشین ہو کر جب اپنی عظیم الشان سلطنت کا خواجہ حسن
کو مالک بنا دیا۔ اس وقت خلعتِ وزارت کے ساتھ اتابک کا خطاب
مرحمت کیا جس کے معنی بزرگ وراثت کے ہیں۔ اور یہ ترکی زبان کا
لفظ ہے۔

۷۔ رضی امیر المؤمنین علیہ السلام میں خلیفہ المقتدی بامر اللہ نے خواجہ حسن کو رضی امیر المؤمنین کا
خطاب عنایت کیا تھا اور خطاب کے ساتھ جو خلعت ملا تھا۔ اُس پر نقش
تھا کہ "الوزیر العالم العادل نظام الملک رضی امیر المؤمنین"
اور قبول خواجہ نظام الملک یہ وہ خطاب تھا کہ جو ابتداء سے دولتِ اسلام
سے اس وقت تک کسی زیر کو نہیں ملا تھا۔

عربِ رجم میں جس قدر چھوٹی یا بڑی خود مختار حکومتیں قائم تھیں اُن کے
فرمانروا خلافت عباسیہ سے خطاب و خلعت حاصل کر لیا کرتے تھے
بڑی عزت سمجھتے تھے اور جب تک دربار خلافت سے خطابِ مر
نہ ہو ملک کی نظروں میں نہ معزز نہیں ہو سکتے تھے اور یہ صرف مذہبی

عظمت کا اثر تھا۔ ورنہ خلفاء و خدوان حکمرانوں کے ماتحت تھے۔

مہر وزارت | خواجہ کی مہر وزارت پر یہ کلمہ منقش تھا اور اس کا لفظ "اللہ علی نعمہ"

خواجہ کی جاگیر | سلطان الپ ارسلان نے اپنے عہد حکومت میں خواجہ بہ نظام الملک کے طوس کا ضلع جاگیر میں دیدیا تھا۔ اور طوس چونکہ خواجہ کا وطن اور محل ولادت تھا۔ اس لیے خواجہ کے طوس کی ترقی اور سرسبزی کا بہت خیال تھا۔ اور قدرتی طور پر بھی صوبہ خراسان میں یہ ضلع نہایت زرخیز تھا۔ اور سیر و تفریح کے لیے جلت۔ آبگینہ، حبس، آسیا کبود، یا قوتی، سلطان میدان، پل خاتون، صفد صلبہ اور رادکان، جیسی مشہور و معروف مزار موجود تھے چنانچہ رادکان کی نسبت جغرافیہ نگاروں کا دعویٰ ہے کہ غوطہ دمشق، صفد سمرقند، شعب ثوان، اور مرج شدان (یہ نیا کی چار جنت ہیں) کے بعد رادکان کا درجہ ہر الپ ارسلان نے یہاں نہایت عمارتیں بنوائی تھیں۔ اور ملک شاہ بھی مع ترکان خاتون کے اکثر رادکان میں رہا کرتا تھا۔

طوس کی مفصل تاریخ حصہ اول میں لکھی گئی ہے۔ اور صفحہ ۶ پر ایک طے لانی حاشیہ ہے جس کا یہ ضمیمہ سمجھنا چاہیے طوس کے قریب زادک میں خواجہ نصیر الدین طوسی نے ایک برج بنایا تھا جس میں سال کے حساب سے بارہ دروازے تھے۔ اور ہر مہینہ کا ہلال اپنے مقابل کے دروازہ سے نظر آتا تھا۔ چنانچہ یہ برج خواجہ کے کمال نبیانی کا نتیجہ تھا۔ خواجہ کی مدح اور موت کے متعلق ہر شاعر بھی یادگار ہیں۔

نازل اندر طوس کردن آں سرکس اختیار	آں یکے عالم دوم شاعر سیرگشاں وزیر
در براعت در فصاحت در وزارت برگذشت	از نظام الملک غوانی و شہر وی نصیر
ہند ہم ازمانہ فی الحجہ و شنبہ وقت شام	سال ہجرت شمس شہناؤ و ذوق قص نہ تام
خواجہ عالم نصیر الدین طوسی از قضا	نقل کرد از خطہ بغداد تا دارالسلام

طے مورالہ عالم حالات طوس نسخہ قلمی۔

تو اس جاگیر کا دوسرا ضلع قوس (کوس) تھا۔ قوس جبل طبرستان سے ملتی ہے جس میں دامغان، اور بظام جیسے عظیم الشان پرگنے واقع ہیں۔ چنانچہ ملک شاہ نے تخت نشین ہو کر جنگ قارہ کے بعد ہی یہ ضلع خواجہ کو دیدیا تھا، ان اضلاع کی آمدنی خواجہ کے ذاتی مصارف کو کافی تھی۔ اس کے علاوہ ہر تقریباً در خاص کارگزار یوں کے موقع پر انعام ملا کرتے تھے

نظارت نافذ خواجہ نظام الملک نے اپنی انیس^{۶۹} سالہ عہد وزارت میں صیغہ رفاہ عام پبلک ورکس کو بڑی ترقی دی تھی۔ سلطنت کی طرف سے بھی ہمیشہ بڑے پیمانہ پر کام جاری رہتا تھا۔ لیکن نجفیت وزیر عظم، اپنی ذاتی جاگیر سے بھی خواجہ نے اس مدین لاکھوں دینار صرف کر دیئے تھے۔ ہمہ محروسہ کے ہر بڑے شہر اور قصبہ میں خواجہ نے سرے، رباط، مساجد، اور شفا خانے بنوائے تھے۔ اور یہی حال تعمیر مدارس کا تھا۔ تفصیل نظامیہ کے حالات میں ہی چنانچہ بغداد کی سرکاری نظامیہ، اور نیشاپور کا شفا خانہ نظامیہ بہت مشہور ہیں، حجاز کا راستہ اول نہایت خطرناک اور

خطرناک، دامغان، سے اور نیشاپور کے درمیان واقع ہے اور دامغان سے دو منزل کے فاصلہ پر بظام ہے۔ یہ دونوں مقامات بہتر لہ چھوٹے شہروں کے ہیں، اور خوب آباد ہیں۔ خصوصاً بظام تجارت کی منڈی ہے موجودہ آبادی ۹۰۰۰۰ نو سو مکاناں کی ہے جس میں ماہذراتی، خراسانی، اور ترکمانی قابل آباد ہیں۔ اس شہر کی خصوصیات میں یہ بات ہے کہ کوئی بظامی مرض عشق میں مبتلا نہیں ہوتا ہے اور اگر کوئی سوداؤہ عاشق با دیہ پناہی کرتا ہوا، یہاں آجائے تو پانی کا ایک گلاس کے عشق کو زائل کر دیتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کوئی شخص درخیم میں بھی مبتلا نہیں ہوتا ہے۔ شاپور ذوالاکتاف کا تعمیر کردہ قلعہ موجود ہے۔ ہوا معتدل ہے باغات کی کثرت ہے۔ میوہ اور غلہ خوب پیدا ہوتا ہے۔ سرے اور حمام بھی موجود ہیں، بازار میں روس کا مال تجارت بکثرت موجود رہتا ہے، امام محمد بن جعفر صادق کے مزار پر سنگ لزار کا ایک منارہ پچیس گز کا طو لانی موجود ہے جو عجائبات سے ہے۔ صفحہ ۱۱۳ گنج دانش و مرآۃ البلدان صفحہ ۲۰۹۔

نگ لائحہ تھا جس کو خواجہ نے قافلوں کی گزر کے لائق بنا دیا۔ اور عربین شریفین میں محض حجاج اور زائرین کے قیام کے لیے مکانات بنوائے۔ اور مصارف کے لیے اوقاف جاری کروائے۔

دیوان الانشا سلاطین عجم نے انتظام ملکی کے واسطے اہلکاروں کی جو تقسیم کی تھی ان میں سب سے بڑے عہدہ وزارت کا تھا چنانچہ عہد اسلام میں بھی بادی تغیر یہ عہدہ قائم رکھا گیا۔ جو عہد اسلام اور عہد بنی امیہ سے ترقی کرتا ہوا، خلافت بنی عباس میں انتہائے عروج پر پہنچ گیا۔ اور اس عہد میں علمائے سیاست نے وزارت کو دو درجوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

اول وزارت تفویضیۃ یہ وزارت ایسی تھی کہ جس میں خلیفہ کسی شخص کو وزیر مقرر کر کے تمام سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیتا تھا۔ چنانچہ براکھ اور خواجہ نظام الملک اسی درجہ کے وزیر تھے۔

دوسری وزارت تنفیذی تھی۔ اس وزارت میں خلیفہ اور سلطان کے احکام و قوانین کا اجرا کرنا صرف وزیر کا کام تھا۔ اور یہ وزیر سلطنت اور رعایا کے مابین صرف ایک واسطہ ہوتا تھا۔ جبکہ اعلیٰ عہدہ داروں کے غفل و نصب انتظام سلطنت میں کسی قسم کا خستہ یا رنہ ہوتا تھا۔ بہر حال دونوں وزارتوں کے ماتحت ایک منتخب علم ہوتا تھا جس میں متعدد اقسام کے منشی ملازم ہوتے تھے اور پھر ہر میں ایک خاص شخص افسر ہوتا تھا جس کی ماتحتی میں چھوٹے چھوٹے اہلکار مقرر ہوتے تھے اور اس بڑے دفتر کا نام دیوان الانشا تھا۔ جو زمانہ حال میں سکریٹریٹ کہلاتا ہے۔

کے نام سے تبدیل ہو گیا ہے چنانچہ خواجہ نظام الملک کی ماتحتی میں بحیثیت وزیرِ عظم چچ محمد (سرکاری) علاوہ اُن کے نائبوں کے تھے جس کی تفصیل یہ ہے۔

- ۱ کمال الدولہ ابوالرضیٰ فضل اللہ بن محمد صاحب دیوان الانشا و الطغرا
- ۲ سید الروسا ابوالحسن محمد بن کمال الدولہ نائب دیوان الانشا و الطغرا۔
- ۳ شرف الملک ابوسعید محمد بن منصور بن محمد صاحب دیوان الزمام والاستیفاء
- ۴ استاد ابو غالب البرادستانی نائب دیوان الزمام والاستیفاء
- ۵ مجاہد الملک ابو الفضل اسعد بن محمد البلاسانی مستوفی الممالک
- ۶ ابن بہمن یار قاسمی ملقب بہ عمید الدولہ کاتب
- ۷ مجیر الدولہ ابولفتح علی بن حسین لارستانی کاتب الرسائل
- ۸ سید الملک ابو المعالی الفضل بن عبدالرزاق بن عجم عارض الجند۔

۹ تاج الملک ابو الغنائم المرزبان بن خسرو فیروز مشتم خزانہ و ناظر حرم (دہلی پرنس سکریٹری کا نائب) عہدہ داران مذکورہ بالا اپنے اپنے فن میں انتخاب تھے جن کی سوانح عمری لکھنے کا یہ موقع نہیں ہے، البتہ اُن کے فرائض کا مختصر بیان لکھنا ضروری ہے، تاکہ زمانہ قدیم کی بعض مصطلحات و فقرات کا ناظرین کو علم ہو جائے۔

انشاء و مراسلات دنیا کی تمام قوموں کو علم انشا کی طرف ہمیشہ خاص توجہ رہی ہے اور عرب و عجم کی شیفنگی تو غیر معمولی تھی۔ یمن ہمیشہ سلطنت کے ساتھ ترقی کرتا رہتا ہے، چنانچہ عربی ادیبوں نے

فضاحت و بلاغت اور مختصر نویسی میں جو کمال پیدا کیا تھا اُس کے ہزاروں نمونے ادبی کتابوں میں موجود ہیں۔ خلفا اور سلاطین ہمیشہ ایسے انشا پردازوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے جو اپنے فن میں کامل ہوں۔ چونکہ دربار سے عمال اور والیان ملک کے نام احکام و فرامین جاری ہوتے تھے، اور دیگر سلاطین کو بھی اُن کی مراسلات کا جواب دینا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے دیوان الانشا اور دیوان الرسائل ایک بڑا دفتر ہو گیا تھا جس کی شاخوں کا بیان تاریخ العلوم میں درج ہے۔

کاتب جو شخص علم انشا میں عظیم نظیر ہوتا تھا، وہ دربار کا کاتب مقرر کیا جاتا تھا۔ خلفا اور سلاطین اسلام کے عہد میں کاتب کا منصب وزارت سے کچھ ہی کم ہوتا تھا۔ تمام فرامین اور توقیعات کاتب خود ہی لکھتا۔ اور آخر میں اپنے دستخط ثبت کرتا۔ اور مہر شاہی کے بعد بجا کرتا تھا۔ اس عہدہ پر ہمیشہ وہی شخص مقرر کیا جاتا تھا جو فضل و کمال کے ساتھ جوہر شرافت بھی رکھتا ہو۔ اور اخلاق و آداب میں بھی کامل ہو۔ اور رازداری اور انصاف پسندی میں بھی ممتاز ہو۔ اور علاوہ علم ادب کے تاریخ، قصص اور سیرت میں بھی دخل رکھتا ہو۔

طغرا سلطان کی شان و شوکت کے لیے جس طرح پر تاج، تخت، علم و رایت، طبل و طنبور، سک، خطبہ، مہر، طراز (نشان و مارکہ) مختص علامتیں ہیں یا خلفا، بنی امیہ اور بنی عباس کے لیے چادر، انگوٹھی اور عصا خاص علامتیں تھیں۔ اسی طرح طغرا بھی سلطنت کا ایک متمم اور نشان مارکہ ہے جو فرامین و مراسلت شاہی اور سندات جاگیر وغیرہ پر ہوتا تھا۔ طغرا میں بادشاہ کا نام و القاب و خطاب بخطِ جلی لکھا جاتا تھا اور طغرا نویسی بھی خوش نویسی کا ایک شعبہ ہے جہاں چھ طغرا نویس

کا تعلق بھی دفتر انشا سے ہوتا تھا اور وہ کوئی جداگانہ محکمہ نہ تھا اور دولت سلجوقیہ میں، دیوان الانشا کا نام بھی۔ دیوان لطیف رکھ دیا گیا تھا۔ اور یہ طغراشاہی دستخط کے قائم مقام ہوتا تھا۔ سلطان کو پھر دست خاص سے خطوط و فرامین پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ سلطان ابوالفتح مسعود بن محمد بن ملکشاہ کا نام اور وزیر فخر الکتاب ابوالحسن بن علی اصفہانی متوفی ۵۱۱ھ، کتابت طغرا کا موجد ہے۔ اور یہی پہلا شخص ہے جو طغرانی کے خطاب سے ممتاز ہوا ہے۔

دیوان الزمام خلافت راشدہ کے مبارک دور میں خلفاء کرام سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے کام خود انجام دیتے تھے۔ ہر عامل اور والی تقویٰ، امانت و دیانت کا مجسم نمونہ ہوتا تھا اس لئے ان کی کارگزاری نگرانی سے مستثنیٰ تھی، اور خود خلفاء کی ذاتی جاگیر بھی نہ تھی، جس کے لیے مستقل عملہ کی ضرورت ہو، بلکہ بیت المال کے معمولی وظیفہ پر گذار و قات ہوتی تھی۔ لیکن جب خلافت نے دینی پہلو چھوڑ کر دنیاوی سلطنت کا انداز اختیار کیا، اور قیصر و کسریٰ کے دستور العمل پر اسلامی سلطنت کا مدار ٹھہرا تو سلطنت کا ہر صیغہ ظہور پذیر ہوا۔ اور پھر ہر صیغہ میں متعدد عملہ کی ضرورت پیش آئی، سب سے بڑے دفتر یعنی وزارت کے بعد جو محکمے نظام سلطنت کے لیے ضروری سمجھے گئے اس میں دیوان الضیاع اور دیوان الزمام کا شمار درجہ اول میں ہے، جس عہدہ دار کے مات میں سلطان کی ذاتی املاک اور آراضیات کا انتظام سپرد ہوتا تھا وہ افسر دیوان الضیاع ہوتا تھا۔ اور سلطنت کے محاصل کا جس صیغہ سے تعلق تھا وہ دیوان الخراج (خراج میں مالگذاری، آبپاشی، جزیہ، صدقات، معدنیات، جنگلات، بحری ٹیکس، چنگی، ٹیکس سال کی آمدنی شامل تھی) کہلاتا تھا۔ اس دفتر کا وہ حصہ جو فوجی اور ملکی اخراجات سے متعلق تھا

اسکا نام دیوان الزمام تھا، جو اسلامی ریاستوں میں آج بھی بخشی گری کے خطاب سے ممتاز ہے۔
دیوان الاستیقا دیوان الخراج کی جو تشریح اور بیان کی گئی ہے، اُس کا عملد رآمد خلفاء بنی امیہ
 و بنی عباس کے عہد سلطنت میں تھا، لیکن دولت سلجوقیہ میں محاصل سلطنت کا جو دفتر تھا وہ
 دیوان الاستیقا کہلاتا تھا، اور ستویں اس کا وہ اعلیٰ عہدہ دار تھا جو زمانہ حال کی اصطلاح
 میں مہتمم دفتر محاسبی اور اکاؤنٹنٹ جنرل کہلاتا ہے، اور وزارت کے بعد یہ سب سے بڑا منصب ہے۔
دیوان الجند فوجی دفتر کا نام دیوان الجند ہے، جس کے بانی امیر المؤمنین فاروق اعظم ہیں،
 ابتداءً اس دفتر کا نام صرف یوان تھا، لیکن بنی امیہ اور بنی عباس کے عہد دولت میں جب فوجوں
 کا باضابطہ انتظام وسیع پایہ پر ہوا، تو محکمہ کا پورا نام دیوان الجند قرار پایا۔ اور اس محکمہ نے
 عہد اسلام میں اس قدر ترقی کی ہے جس کی ایک مستقل تاریخ لکھی جاسکتی ہے۔ جو افسر فوج کا جائزہ
 لیا کرتا تھا۔ اسکا نام عارض تھا۔ دولت سلجوقیہ میں سپہ سالار اعظم کے بعد عارض کا درجہ تھا
 فوجی معائنہ جس کا دوسرا نام جائزہ، اور ریویو ہے، یہ نہایت قدیم طریقہ ہے۔ چنانچہ سلاطین بنی امیہ
 اور سلاطین عجم بذات خاص فوج کا معائنہ کرتے تھے جس میں سوار و پیادوں کی جسمانی حالت
 اُن کے اسلحہ، اور سواری اور تمام لوازمہ کی جانچ کی جاتی تھی۔ اور یہی طریقہ صدر اسلام سے
 اخیر تک قائم رہا۔ سلاطین مغلیہ میں اورنگ زیب عالمگیر کو جائزہ کی طرف نہایت توجہ
 تھی۔ اور اُس کی وسعت نظر کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ سلطان طغرل بیگ اور الپ ارسلان
 جنگ کے موقع پر فوج کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ اور ناقص و ناکارہ سپاہی چھانٹ دیتے تھے۔
لطیفہ خلیفہ المعتد عباسی کے فوجی صیغہ کا نامور منتظم، عمرو بن لیث ایک دن فوج کا جائزہ

بے رہا تھا کہ عارض نے ایک سے ارکو پیش کیا جس کا گھوڑا از حد لاغراور کمزور تھا۔ عمر و نے سوا سے کہا: ”تکو گھوڑے کا جو صرفہ ملتا ہو معلوم ہوتا ہو کہ تم اپنی جو رو کو کھلا کر اُس کو فربہ بنا رہے ہو۔ اور گھوڑے کو دہلا کر رکھا ہو۔ حالانکہ یہ تمہاری ترقی اور انعام کا ذریعہ ہو“ سوار نے جواب دیا ”حضور عالی! اگر میں جائزہ میں اپنی بیوی کو پیش کرتا تو اس میں شک نہیں ہے کہ اُسے دیکھ کر آپ میرے گھوڑے کو موٹا تازہ بناتے اور پاس کر دیتے“ عمر و سوار کا یہ بھستہ جواب سن کر ہنس پیا اور اُسی وقت انعام دیکر حکم دیا کہ اب دوسرا گھوڑا خرید لو۔

خزانہ خزانچی، یا ہتم خزانہ، یا منصب بھی لوازمہ سلطنت میں سے ہے۔ خلفاء اور دولت سلجوقیہ میں اکثر معتبر غلام اس خدمت پر مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور ”خازندار“ کہلاتے تھے۔



۱۔ جملہ عہدوں کی صراحت مقدمہ بن غلدون، انار الاہل فی ترتیب الاول۔ تاریخ آل سلجوق، صہنمانی، اور احکام السلطانیہ میں ہے۔ ہم نے اس کا خلاصہ لے لیا ہے۔

خواجه نظام الملک کا علمی ذوق۔ مدرسہ عظیم نظامیہ بغداد کی تعمیر علوم و فنون کی اشاعت صیغہ تعلیم کی اولیت

اسلامی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کے لحاظ سے خلافت عباسیہ کے دو سکے
تاجدار ابو جعفر منصور کا عہد حکومت بھی تاریخ اسلام میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ تخت نشینی کو
ابھی سات ہی سال ہوئے ہیں کہ پہلے ۱۳۱ھ میں اسلامی علوم کی ترویج شروع ہو گئی فیصروم
سے یونانی کتب علیہ کے عربی ترجمے منگائے جاتے ہیں جن کو پڑھ کر علمائے اسلام یونانی
علوم کے شوق میں دیوانے ہوئے ہیں۔ بیت الحکمت میں یونان، ایران، اور ہندوستان سے
ہر مذہب ملت کے علماء و حکماء، اگر داخل ہو رہے ہیں۔ گویا بغداد میں علم کا سیلاب اُٹھا
چلا آتا ہے۔ تصنیفات کے ساتھ باقاعدہ تعلیم و تعلیم کا بھی آغاز ہو گیا ہے، اور ترقی کا ہر قدم آگے
بڑھ رہا ہے۔ المنصور کے بعد ہارون الرشید اور مامون الرشید کا دور آتا ہے۔ یہ وہ عہد سعادت
ہو جس میں علم کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ کر سارے عالم کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور
کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس فوج اور شغف علمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ دو تین صدیوں میں دنیا بھر میں اسلام
اللہ، مجتہدین اور محققین سے بھر گئی، اور ہر فرد ایسا جو ہر کامل ہو کر نکلا، جس کی نظیر نوسنہ
برس کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی ہے۔ یہی وہ دور اولیٰں کے علماء تھے جنہیں سے ہر ایک کی
ذات پر زندہ کالج کا صحیح اطلاق ہو سکتا تھا۔ یہ تو سب کچھ ہوا، لیکن سخت تعجب ہے کہ
ہنوز دار الخلافہ کی چار دیواری میں کسی دارالعلوم (کالج) اور مدرسہ (سکول) کی شاندار

عمارت نظر نہیں آتی تھی۔ منصور عباسی نے قصر الذهب، قصر الخلد، قسبۃ کھضر اور بغداد کی
زیب زینت کے لیے ڈوکر و درہم (ایک درہم چار آنہ) صرف کر ڈالے۔ مگر موازنہ (مقابلہ)
میں عمارت مدرسہ کے لیے ایک پائی کی رقم منظور نہیں کی گئی۔ اور یہ حالت نہ صرف بغداد
کی ہی بلکہ تمام دنیا کے اسلام اس صفت میں مشترک ہو۔ یہ تاریخی نمونہ چوتھی صدی ہجری
تک قائم تھی کہ یکایک ساحل مصر سے کچھ روشنی نمودار ہوئی۔ اور طلباء علوم یہ شعر پڑھتے
ہوئے بڑھتے دُور سے ائید نے جھلکی سے اک دکھلائی ہو

ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینی آئی ہو

اور خدا کا شکر بجالائے کہ الحاکم بامر اللہ نے ہینہیمہ میں ایک شاندار مدرسہ اور اختلاف
مصر میں بنایا۔ یہ سب پہلا مدرسہ تھا۔ جو ایک سلطنت کی طرف سے رعایا کے لیے قائم ہوا
اس مدرسہ کا سنگ بنیاد اسی ساعت سعید میں کھا گیا تھا کہ وہ سلاطین اور اُمراء و دولت
کے لیے چراغ ہدایت بن گیا۔ چنانچہ نیا پور میں عام قومی چندہ سے ایک مدرسہ استاذ ابوبکر
فوزک کے لیے تعمیر ہوا جنہوں نے ہینہیمہ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اسی شہر میں دوسرا
مدرسہ بہیقیہ قائم ہوا جس کے مدرس عظیم ابوالقاسم اسکات سفرانی تھے۔ افسوس ہو کہ بہیقیہ
کی تاریخ تعمیر کا کسی مورخ نے کچھ ذکر نہیں کیا ہو۔ لیکن شیخ ابو محمد عبد اللہ جوینی اور امام الحرمین
جوینی کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ مدرسہ بھی مصری درس گاہ کے بعد قائم ہوا
ہو اور امام الحرمین (استاد علامہ غزالی) نے ابتدائی کتابیں اپنے والد شیخ ابو محمد عبد اللہ سے

پڑیں۔ اور ان کے انتقال پر ۱۱۳۷ھ میں داخل مدرسہ بہیقیہ ہوئے۔ اس مدرسہ میں تعلیم کا انتظام اعلیٰ پیمانہ پر تھا۔ اور اسی بنا پر بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اسلامی دنیا میں سب سے پہلا مدرسہ بہیقیہ ہی ۱۱۳۷ھ میں سلطان محمود غزنوی نے دارالسلطنت غزنی میں ایک مدرسہ جاری کیا۔ اور فتوحات ہندوستان کا ایک قیمتی حصہ اس پر صرف کر دیا اور مصارف کے لیے دوامی جاگیر بھی وقف کی۔ بھائی کو دیکھ کر امیر نصرت سبگتین نے بھی نیشاپور میں ایک مدرسہ بنایا۔ اور سعید نام رکھا۔ چوتھا مدرسہ علامہ ابو اسحاق اسفرائینی متوفی ۱۱۴۱ھ کے لیے قائم ہوا۔ پانچواں مدرسہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے حکم سے تعمیر ہوا۔ اس مدرسہ کی نسبت حکیم ناصر خسرو غزنوی نے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ”روز شنبہ یازدہم شوال ۱۱۴۱ھ میں نیشاپور شہر چار شنبہ آخریں ماہ کسوف بود۔ حاکم زمان طغرل بیگ محمد بود برادر چغری بیگ سلجوقی و مدرسہ فرمودہ بود بہ نزدیک بازار ”سراجان“ و انرا عمارت میکردند۔“ چھٹا مدرسہ ابوسعید اسماعیل بن علی بن اللشہری استرآبادی اصولی اور واعظ کا تھا۔ یہ صرف ایک شہر نیشاپور کی حالت تھی۔ اور ان مدارس کو مورخین نے ”اہمات المدارس“ کا خطاب دیا ہے۔ لیکن عراق عرب و رجم ہنوز خواجہ نظام الملک طوسی کی فیاضی کا منتظر تھا۔ آخر وہ وقت بھی آگیا کہ بغداد اور نیشاپور وغیرہ میں خواجہ کی طرف سے مدرسوں کی بنیادیں پڑیں۔ سب سے اول اہم نظامیہ بغداد کے حالات لکھتے ہیں۔

۱۱۷۰ھ میں الحاضرہ صفحہ ۱۰۶ سفرنامہ ناصر خسرو و حالات نیشاپور ۱۱۷۰ھ انسا ایکلو پیڈیا برطانیہ میں لکھا ہے کہ سب سے پہلا مدرسہ تھا جس کو کامون الرشید نے زمانہ ولیمہ حجازی اسان قائم کیا تھا لیکن اسکی تصدیق عربی، فارسی، انگریزی سے نہیں کی جاسکتی۔

نظامیہ کا موقع | آج دنیا میں نظامیہ موجود نہیں ہے۔ لہذا اس کے اول اس کا موقع و محل لکھنا ضروری کہ وہ بغداد میں کس جگہ تھا۔ اور اس غرض کے لیے چند سطریں بطور تہیہ کافی ہیں۔ خلیفہ منصور عباسی نے جب دار الخلافہ کی تعمیر کا قصد کیا۔ تو عراق عرب میں موجودہ بغداد کی جانب مغرب مشرق عمدہ قطعاً آراضی کی تلاش کی۔ چنانچہ مغربی گوشہ میں وہ جگہ پسند آئی جس کا نام ”کرخ“ تھا۔ یہ ایک موضع تھا جس کو شاپور۔ ذوالاکتاف نے آباد کیا تھا۔ اور مشرقی حصہ میں ”ساباط“ کو انتخاب کیا۔ یہ بھی ایک مشہور گاؤں تھا۔ جہاں نوشیروان عادل نے ایک باغ لگایا تھا۔ اور اس جگہ وہ اکثر مقدمات بھی فیصلہ کیا کرتا تھا۔ لہذا یہ مقام ”باغ داد“ کے نام سے مشہور تھا۔ چنانچہ خلیفہ منصور نے کرخ میں نئے شہر کی بنیاد ڈالی، اور شہر کو بشکل دائرہ بنایا اور مرکز میں ایوان خلافت تعمیر کیا۔ اور دریائے دجلہ (دادی السلام) کو وسط میں لے لیا اور شہر کو بڑی بڑی سڑکوں پر تقسیم کر دیا۔ ہر سڑک کی چوڑائی چالیس گز قرار دی گئی۔ اور شہر نہاں میں چار دروازے نصب کیے گئے جن کے نام یہ ہیں۔ باب الکوفہ۔ باب خراسان۔ باب البصرہ۔ باب الشام۔ اور ایک دروازہ سے دوسرے کا فاصلہ ایک میل تھا۔ نہروں کے ذریعہ سے شہر کے مکانات اور باغات میں پانی آتا تھا، اور مختلف مقامات پر عبور کے لیے ایک سو پچیس پل (جسر) دجلہ پر بنائے گئے تھے۔ اور نہروں میں نہریں خاص اہتمام سے بنوائی گئی تھیں۔ اب اس نہر کے آثار المسعودیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ منصور کے بعد جب خلیفہ ممدی کا زمانہ آیا۔ تو اس نے دار الخلافہ

لعنہ تہذیب العباد فی مدینہ بغداد۔ پروفیسر نیپولین۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۵ء و تہذیب القلوب بحوالہ مستوفی ذکر بغداد۔

انجم جلد ۲ تذکرہ بغداد۔

کو مغرب سے جانب مشرق منتقل کر دیا۔ اور شاہی محلات میں اضافہ کیا۔ اور خلیفہ مارون الرشید و مامون الرشید نے بھی اسی حصہ کو پسند کیا۔ چنانچہ یہ مشرقی حصہ جنت کا نمونہ بن گیا۔ اور "رضاع" کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ اور ہنوز "بغداد جدید" کے نام سے مشہور ہے۔ عہد مروان الرشید میں بغداد کا طول ۲ میل اور عرض ۲۴ میل تھا اور مردم شماری کا صحیح تخمینہ میں لاکھ خلیفہ معظم نے کثرت غلاموں سے مجبور ہو کر دار الخلافہ کو بغداد سے ساڑھے ساتھ منقل کر دیا۔ اور خلیفہ معظم نے بغداد پسند کیا، گویا اکٹھ برس کے بعد اب رفتہ بچو آمد۔ بعد ازاں خلیفہ مستظهر بالله (۱۰۹۴) نے بغداد میں ترمیم کی، اور خندق و فیصل کو از سر نو بنایا۔ اور مشرقی حصہ میں چار دروازے قائم کیے۔ چنانچہ پہلا دروازہ و جلد کے سرے پر تھا۔ جس کا نام باب السلطان تھا۔ دوسرا باب النصر۔ تیسرا باب الخلیفہ۔ چوتھا باب البصیلہ تھا۔ اس کے بعد مشرقی حصہ میں جب آبادی غیر معمولی ہو گئی تو اندرون شہر میں باب طراٹب اور باب الارنج وغیرہ اور دروازے بڑھائے گئے۔ اس تفصیل کے بعد اب مدرسہ نظامیہ کا موقع آسانی سے معلوم ہو جائیگا جس کا کوہ عہد قدیم کے سیاحوں اور زمانہ حال کے مورخوں نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

ابن جبیر کی شہادت: ایہ نامور سیاح مہینہ صفر ۵۱۱ھ میں بغداد پہنچا ہے اور لکھتا ہے کہ بغداد میں

لے "سامرا" اصلی نام شہر میں ہی تھا۔ جو کثرت استعمال سے سامرا ہو گیا۔ بغداد اور زکریا کے مابین و جلد کے مشرقی کنارہ پر ہے۔ اور بغداد سے ۹۰ میل کا فاصلہ ہے۔ مجمع جلد ۳ لے تمام شاہی محلات اور طبقہ اعلیٰ کے مکانات باب طراٹب میں تھے۔ اور یہ گویا شاہی محلہ تھا۔ باب الارنج بھی بہت بڑا محلہ تھا۔ جہیں مثل شہر کے اور متعدد محلے آباد تھے۔ باب البصیلہ کی آبادی جنوب اور مشرق میں تھی اور مشرقی حصہ باب کلوادی سے منقل تھا۔ مجمع جلد اول

لے ترجمہ سفر نامہ ابن جبیر حالات بغداد ۱۲۰

تین مدرسے ہیں۔ اور سب شرقی حصہ میں ہیں۔ ہر مدرسہ کی عمارت خوبصورتی میں نامور محلات سے بہتر ہے اور سب سے بڑا اور مشہور مدرسہ نظامیہ ہے۔

ابن بطوطہ کی تصدیق | ابن بطوطہ $\frac{۷۲۴}{۱۳۲۴}$ میں داخل بغداد ہوا ہے۔ اور مشرقی بغداد کے حالات میں لکھتا ہے کہ ”بغداد کے مشرقی حصہ میں بڑی ترتیب کی آبادی ہے اور بازار بہتر ہیں اور سب سے بڑا بازار سوق الشاٹا ہے جس میں ہر چیز کا کارخانہ جدا ہے اور اس بازار کے وسط میں نظامیہ ہے جس کی عمارت حسن خوبی میں ضرب المثل ہے نظامیہ کے اخیر میں مدرسہ مستنصریہ ہے۔

مصنف خلافت بغداد کی رائے | مدرسہ نظامیہ کے موقع کے متعلق زمانہ حال کی تحقیقات کا خلاصہ یہ کہ مسٹر ٹی، اسٹریٹج صاحب اپنی کتاب ”خلافت بغداد“ میں لکھتے ہیں کہ نظامیہ کالج باب اللنج اور ساحل دجلہ کے درمیان میں واقع تھا جو شہر بنیہ کے باب البصلیہ سے قریب تھا، اور اُس سڑک پر تھا جو باب البصلیہ سے ہوتی ہوئی باب المراتب تک محلات شاہی

۱۱۷۰ سفرنامہ ابن بطوطہ حالات بغداد ۱۱۷۰ سوق الشاٹا۔ اس بازار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں صرف سہ شنبہ (گل)، کو بازار لگتا تھا۔ یہ حالت آبادی بغداد سے قبل کی ہے جب منصور کے زمانہ میں یہاں میدان تھا اور اطراف بغداد کے لوگ یہاں سے سودا خرید لے جاتے تھے۔ تعمیر نظامیہ کے وقت یہ سب سے آباد بازار تھا ۱۱۷۰، مستنصریہ خلیفہ مستنصر بالله نے $\frac{۶۲۴}{۱۲۲۴}$ میں دجلہ کے کنارہ اس مدرسہ کی بنیاد رکھی اور چھ سال میں عمارت پوری ہوئی تمام خلفاء بعد اس میں بچہ مستنصریہ کے اور کوئی عمارت کسی خلیفہ کے نام سے نہ تھی۔ مذاہب اربعہ کے فقہاء، شیخ الحدیث، شیخ النجاشی، شیخ الفرائض، شیخ الطب، درس کے لیے مقرر ہوئے کتب خانہ شاہی سے ۱۶۰ اڈوں پر لاکھ کتب ہیں مدرسہ بھی گلیں طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے مکان، فرش، خوراک، روغن، کاغذ، قلم وغیرہ دیا جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک شرفی ماہوار وظیفہ تھا۔ ساڑھے ۲۰ لاکھ روپیہ لائے کی جاگیر وقف تھی۔ ایوان مدرسہ میں ایک عجیب بیش قیمت گھڑی تھی جس کو علی بن تنبجہ ہنسکی نے بنایا تھا۔ انتخاب از رسائل شبلی نعمانی صفحہ ۲۷۳۔

کے کنائے کنائے چلی گئی تھی۔ ”سوق نظامیہ“ ان اطراف میں ایک بہت بڑا گزرگاہ عام تھا جو شائع (ایک مشہور محلہ کا نام ہے) سے ملحق واقع ہوا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کالج دجلہ کے کنارہ رہا ہو گا۔

صاحب موصوف کی تحقیقات نہایت صحیح ہیں۔ اور اسلامی خیرافیوں کے بالکل مطابق ہیں۔ نظامیہ فی الحقیقت دجلہ کے کنائے تھا جس کی صراحت آگے ہے۔

حافظ عبدالرحمن ناموسلیج | حافظ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ”مدرسہ نظامیہ بغداد کے اس حصے میں ہندوستان کی تحقیقات تھا جس کو مورخین نے رصافہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور آج کل اس کو بغداد تو کہتے ہیں۔ زمانہ کی دست برد نے نظامیہ کی عمارت کو ایسا ملیا میٹ کیا ہے کہ اب اس کا کوئی نشان تک باقی نہیں۔ باخبر لوگوں نے بیان کیا کہ جس جگہ نظامیہ تھا اب وہاں حارۃ الیھود کے نام سے ایک محل آباد ہے جس میں یہودیوں کے مکانات بنے ہوئے ہیں بغداد کے آثار قدیمہ کی بربادی کچھ نظامیہ ہی سے محقق نہیں۔ مدرسہ نصریہ جو خلیفہ المستنصر بالله کی یادگار اور ساتویں صدی کے نامور مدارس میں شمار ہوتا تھا اس وقت ترکی کسٹم ہاؤس پر مٹ چکی، سائر کا دفتر کا آؤس بنا ہوا ہے اور طالب العلوم کی جگہ کلرک اس میں کام کرتے ہیں۔ زبیدہ خاتون کے مقبرہ کے سوا جو ”کسح“ یعنی بغداد کہنے میں ہے۔ خلفاء عباسیہ میں کسی کی عمارت کا نام و نشان تک نہیں۔ مقبرہ بھی سطح زمین کے برابر ہو نیکی تھا کہ حضرت سلطان المعظم

سلطان المعظم صاحب جب سمرقند میں سفر کو روانہ ہوئے ہیں تو کانپور میں قتل و غارت گری میں لگے ہوئے تھے کہ بغداد کا نظامیہ کے موقع محل کی تحقیقات ضرور کیجیگا۔ چنانچہ وہی سفر چاقا صاحب نے ۲۰ ستمبر ۱۹۰۹ء کو لکھنؤ سے خط لکھا جس کا خلاصہ درج کیا گیا ہے

کے نسبتی بھائی کاظم پاشا نے صرف کثیر سے اس کی مرمت کرا دی۔ غالباً یہ اثر ان پستیدہ خدمات کا ہی جو بربیدہ خاتون کی طرف سے مگر معطلہ اور عرفات کے درمیان زائرین بیت المقدس کی آسائش کے واسطے نہر کے متعلق عمل میں آئی تھیں۔

پروفیسر نوٹلین کی تحقیقات | پروفیسر صاحب اپنی جغرافیہ بغداد میں لکھتے ہیں کہ ”سنہ ۱۵۵۷ھ میں ایقنی نظام الملک مدرسہ عالیہ سہا یا النظامیہ ومن آثارها الموجودة الان والى الحج (کسٹوہاؤس)“

الغرض اس تمام تحقیقات کا خلاصہ یہ ہو کہ مدرسہ نظامیہ بغداد کے سب سے آباد مشرقی حصہ میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ اور موقع کے لحاظ سے اس سے بہتر دوسری جگہ نہ تھی۔ شاہی محلات اور آباد بازار سب نظامیہ سے ملحق تھے اور خواجہ نظام الملک نے خود بڑا بازار بنوایا تھا جس کی وجہ سے نظامیہ کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی۔ افسوس یہ کہ زمانہ کے حوادث نے جس طرح اسلامی سلطنتوں اور اسلامی علوم و فنون کو مٹا دیا اسی طرح اس عظیم اثران بہت العلوم کو بھی صفحہ ہستی سے محو کر دیا۔

پروفیسر نوٹلین کی تحقیقات کے مطابق اس کے آثار کا سلسلہ کٹم ہاؤس سے جا کر لمجاتا ہو۔ اور شاعر کا یہ شعر اس کے حسب حال ہو

از نقش و نگارے در دیوار کستہ آثار پدیدست صنادید عجم را
تعمیر بر نظامیہ | خواجہ نظام الملک کے حالات میں لکھا جا چکا ہو کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور

فقیہ اور محدث تھا۔ اور اس کی مجلس ہمیشہ علماء و صوفیہ سے بھری رہتی تھی۔ ایسا روشن خیال اور مدبر وزیر ملک کی فلاح و بہبود سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا ہی۔ کیونکہ ملک اور قوم میں ترقی و فارغ البالی، اور عزت کا ذریعہ صرف اعلیٰ تعلیم و تربیت ہی۔ اور عام تعلیم بغیر ایک قومی ہمت العلوم (یونیورسٹی) کے محال ہی۔ اس خیال سے خواجہ نظام الملک نے بڑے پیمانہ پر ایک درسگاہ بنانیکا قصد کیا تھا۔ اور اس ارادہ کی تحریک یوں ہوئی کہ ایک من شیخ الشیوخ ابو سعد صوفی نیشاپوری خواجہ سے ملنے آئے اور کہا کہ آپ کے نام سے مدینہ السلام میں ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتا ہوں جس کے ذریعہ سے آپ کا نام قیامت تک زندہ رہے گا جو مجھ نے کہا بہت خوب آپ ضرور بنائیے۔ چنانچہ خواجہ نے فراہمی سامان کے لیے اپنے دکنلا کو اسی وقت حکم دیدیا۔ اور شیخ نے ذیلہ کے کنارے ایک خوبصورت قطعہ اراضی خرید کیا اور پچھوڑنگل مہینہ ذیقعدہ ۷۵۵ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۳۵۴ء مدرسہ کا سنگ بنیا رکھا گیا۔ اور پچھوڑے دو سال کی مدت میں باہ ذیقعدہ ۷۵۹ھ (ستمبر ۱۳۵۷ء) عمارت مدرسہ بیکر مکمل ہو گئی شیخ ابو سعد نے عمارت پر خواجہ نظام الملک کا نام نقش کیا۔ مدرسہ کے چاروں طرف بازار آباد کیے گئے، اور حمامات بنائے گئے۔ اور بہت سے دہات مصارف کے لیے وقف کیے گئے اور مدرسہ کی لاگت تعمیر ساٹھ ہزار دینار (ایک دینار پانچو پچہ کا ہوتا ہی) ہوئی۔ اور خواجہ نے اس صرفہ کو منظور کیا۔ اور رقم شیخ ابو سعد کو ادا کر دی گئی۔ عمارت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن ۷۵۹ھ میں بہت کچھ ترمیم و تجدید ہوئی۔

خانہ کتب نظامیہ کی عمارت میں ایک حصہ خانہ کتب (لائبریری) کے لیے خاص تھا اور عمارت کی تکمیل کے بعد خواجہ نے ہزاروں کی تعداد سے نا اور پیش قیمت کتابیں داخل کر دی تھیں۔ افتتاح کے بعد علامہ ابو ذکریا تبریزی کتب خانہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ علامہ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ ایک عیش پسند و نفیس مزاج امیر تھے۔ دن رات عیش و طرب کے جلسوں میں ہار لےتے تھے۔ لوگوں نے خواجہ سے شکایت کی اور خواجہ نے بچشم خود تبریزی کی حالت دیکھی۔ اور شکایت کو صحیح پایا۔ صبح کو تنخواہ میں دو چنڈا اضافہ کر دیا اور کہلا بھیجا کہ مجھے پہلے سے آپ کے مصارف کا علم نہ تھا۔ ورنہ اول ہی دن کافی مشاہرہ مقرر کیا جاتا۔ تبریزی پر خواجہ کی اس علمی قدر دانی کا اس قدر اثر پڑا کہ اپنے افعال سے نا ٹب گیا۔ علامہ تبریزی کے بعد یعقوب بن سلیمان اسفہانی مہتمم مقرر ہوئے۔

طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ طبقہ علماء میں سے جب کوئی عالم خواجہ کو تنخواہ دیتا تو وہ صرف کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ اور یہ نادر کتابیں، خواجہ کتب خانہ مدرسہ میں داخل کر دیتا تھا۔ باوجود اس کے کتب خانہ مکمل نہیں تھا اور اس کی کو خلیفہ الناصر لدین اللہ نے پورا کر دیا۔ ^{۵۸۹ھ} ۱۱۹۹ھ میں خلیفہ نے کورنے شاہی کتب خانہ سے نادر کتابیں مدرسہ میں داخل کر دیں۔ ^{۱۱۹۹ھ} ۱۱۹۹ھ میں کتب خانہ میں آتش زدگی ہوئی۔ اور پیش تک جھکرا کہ ہو گئیں مگر خواجہ کی نیک نیتی کا اثر تھا کہ ایک کتاب بھی نہ جلنے پائی اور سب بحال لی گئیں۔ خواجہ کو جب بغداد آنے کا اتفاق ہوا

علامہ نامہ خسروال صفحہ ۵۹۰ طبقات الکبریٰ جلد ۳ صفحہ ۲۳۰ حالات عبدالسلام مغربی ۳ طبقات جلد ۲ صفحہ ۲۹
 ۳۵۰۰ کا لائبر جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۳ ۵۰۰ کا مل جلد ۱ صفحہ ۸۲ -

تو وہ مدرسہ ضرور دیکھتا تھا اور کتب خانہ میں جا کر کتب بینی کرتا، اور حدیث روایت کرتا۔

نظامیہ کے اطراف سے جواب | اول تو نظامیہ کا موقع قدرتی طور پر لکھنؤ تھا۔ لیکن اُس کی زینت و زینت کے لیے علاوہ بازاروں کی آبادی کے خواجہ نے ایک تدبیر بھی کی تھی کہ مدرسے کے قریب اپنی سکونت کے لیے ایک حویلی بنائی تھی جس کی تقلید میں خواجہ کے بیٹوں جال الملک اور مولد الملک نے بھی کوٹھیاں تعمیر کی تھیں اور اُس میں رہا کرتے تھے جس کی وجہ سے مدرسہ کی انگرائی بھی خوب ہوتی تھی۔ اور مدرسہ کے زیرِ متن پریسٹنسرے حاشیے اور بھی غصبے ڈالتے تھے۔

نظامیہ کی وسعت | افسوس ہو کسی تاریخ میں ہماری نظر سے نہیں گزرا کہ جس آراضی پر نظامیہ تھا۔ اس کا رقبہ کس قدر تھا۔ لیکن مورخین کا بیان ہے کہ نظامیہ کی عمارت حبیبی عظیم الشان تھی سقید وسیع بھی تھی اور شاہی محلات کے ہم پلہ۔ علامہ ابوالفتح شیرازی کے حالات میں لکھا ہے کہ جب علامہ درس کے لیے مدرسہ تشریف لائے ہیں تو علاوہ ہجوم طلباء کے سارے بغداد کا نظامیہ کے اندر جمع تھا۔ یہ زمانہ (عہد خلیفہ القائم بامر اللہ) اگرچہ اس خطاط کا تھا۔ تاہم دس اور پندرہ لاکھ کے بین بین مردم شماری سمجھنا چاہیے۔ اس آبادی کا انتخابی حصہ بھی قابلِ غور ہے کہ وہ کس قدر ہو گا۔ اور نظامیہ کے ہال کتنے بے چوڑے تھے۔ جس نے اس مجمع کو جذب کر لیا تھا۔ تاریخ کامل میں اردشیر بن منصور داعط کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ ان کے حلقہ و غط میں ایک بڑا مجمع ہوا تب لوگوں کو خیال ہوا کہ حلقہ کی پائش کی جائے چنانچہ پائش کی گئی تو حلقہ ۵ گز طول اور ۲۰ گز عرض کا تھا جو سامعین سے بھر اڑا تھا اور یہ مجلس عظا ہمیشہ عمارت مدرسہ کے اندر

منعقد ہوا کرتی تھی۔ اس پیمائش سے جو ایک حصہ عمارت کی ہی نظامیہ کی کل وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

رسم افتتاح جب مدرسہ بن کر مکمل ہو گیا۔ تو بروز شنبہ دسویں ذیقعدہ ستمبر ۱۲۵۹ھ کو مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ خواجہ نظام الملک کا مدرسہ خلفائے عباسیہ کا دارالخلافت، علم و فضل کا زمانہ اور شہنشاہ کا دن، جہاں اس قدر سامان جمع ہوا تھا اس جلسہ کی شان شوکت کی تصویر صرف عالم خیال ہی میں کھینچ سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس علمی مرکز میں سارا بغداد اُمنڈا آیا تھا۔ اور جو ارباب فضل و کمال تھے ان کا تو حقیقت میں گھر ہی تھا۔ اعلیٰ مرہم کے لیے علامہ شیخ ابوالفتح شیرازی کا انتخاب کیا گیا تھا۔ جو اس عہد میں شیخ الاشیوخ اور استاد کل کا درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ علامہ مدرسہ کی طرف آئے تھے کہ راستہ میں ایک راکے نے شیخ کو مخاطب کر کے کہا دو یا شیخہ کیف تدس فی مکان مغصوب، چنانچہ محض اس شبہ پر کہ نظامیہ کی تعمیر آراضی مغصوب پر ہوئی ہے، شیخ راستہ سے پلٹ گئے، اور روپوش ہو گئے۔ حاضرین جلسہ جب انتظار کرتے کرتے پریشان ہو گئے اور دوپہر کا وقت آگیا تو شیخ عبدالملک ابو منصور بن یوسف نے جو اعیان بغداد میں نہایت عالی منزلت تھے، حاضرین جلسہ سے خطاب کیا کہ طلبہ اور شائقین کا ہجوم ہو اور درس کا ہونا بھی لازمی ہے لہذا مناسب ہے کہ ابو نصر بن جبتاغ مصنف شامل جو مدرسہ میں تشریف رکھتے ہیں، وہ درس دیں، چنانچہ حاضرین جلسہ کی عام رائے سے ابو نصر مندرجہ بالا فرمودہ

ہو سکے۔ اور مدرسہ کا افتتاح کیا۔ اور بخیر و خوبی جلسہ ختم ہو گیا۔

نظامیہ کا علم مدرسہ نظامیہ کے عام انتظامات اور نگرانی کا ربار کے لیے اسی قدر علم کی ضرورت تھی جس قدر ایک چھوٹی سی ریاست کے لیے ہوا کرتی ہے۔ ادنیٰ درجہ کے کسبِ ملازم تھے اس کی تفصیل معلوم ہونا مشکل ہے لیکن طبقہ اعلیٰ کے عہدہ دار حسبِ ذیل تھے۔

متولی ۱ متولی کا منصب آج کل کی اصطلاح میں سکریٹری کا درجہ رکھتا ہے۔ متولی ہمیشہ مدرسہ میں ہا کرتا تھا اور تمام انتظامی امور کا وہ ذمہ دار ہوتا تھا۔ یہ خدمت مستقل تھی۔ مگر بعض اوقات مدرسہ عظم (پرنسپل) کے بھی سپرد ہو جایا کرتی تھی جو تمام شیوخ میں صدر عظم کا درجہ رکھتا تھا۔

شیوخ ۲ فقہ، حدیث، تفسیر، صرف، نحو، ادب، علم کلام وغیرہ کے مدرس جداگانہ

تھے اور ہر مدرس "شیخ" کے خطاب سے ممتاز تھا۔ ہر شیخ اپنے علم و فن میں یگانہ روزگار ہوتا تھا۔ نظامیہ میں کسی عالم کا مدرس مقرر ہو جانا۔ اس کی ذات کیلئے یہی عزت تھی کہ جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا اعزاز نہ تھا۔ اور یہ وقار قیام مدرسہ تک قائم رہا۔ انتخاب کا قاعدہ جس طرح مدرسوں (پروفیسرس) کے لیے جاری تھا۔ ویسی ہی سختی سے نابوں کا بھی انتخاب ہوتا تھا۔ ہر نائب اپنے شیخ سے فضل و کمال میں دوسرے درجہ کا مانا جاتا تھا اس کی تصدیق حالات علماء ہی ہوگی مثلاً امام احمد غزالی، اور فخر الاسلام کیا ہر اسی، یہ نائب تھے جن کا درجہ امام محمد غزالی کے بعد تھا اور یہ خصوصیت اول سے اخیر تک قائم رہی۔ ہر شیخ کی تنخواہ پیش قرار تھی۔

خازن ۳ کتب خانہ کا مہتمم، (لائبریرین) یہ بھی معزز عہدہ تھا۔ اور اس خدمت پر ہمیشہ ممتاز رہا۔ یہ عہدہ دار "خازن" کہلاتا تھا۔

میں نے یہ اکثر اوقات یہ خدمت قابل ترین طلبہ کو سپرد کی جاتی تھی جن کا انتخاب حلقہ درس سے ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات جداگانہ علماء بھی مقرر ہوتے تھے۔ معید کے لیے ضروری تھا کہ وہ بلند آواز ہوتا کہ شیخ کے الفاظ سامعین تک پہنچ جاویں

مفتی ۵ | قومی نویسی کے لیے جداگانہ علمہ تھا اور خاص حالتوں کے سوا شیخ الفقہ اور شیخ الفرائض کو فتویٰ نگاری کی خدمت سپرد نہ ہوتی تھی۔

واعظ ۶ | جب باہر سے کوئی مشہور اور نامور عالم آتا تھا تو علاوہ جامع مسجد کے مدرسہ نظامیہ میں بھی اُس کا وعظ ضرور ہوتا تھا۔ لیکن عام ہدایت و فرائض سانی کے لیے بھی مستقل واعظ مدرسہ کی طرف سے ملازم تھے۔ اور کبھی کبھی مدرسوں میں سے بھی کوئی وعظ کیا کرتا تھا۔

ناظر وقت۔۔۔ نظامیہ بغداد اور اُس کے ماتحت مدارس (تفصیل اگے درج ہی کے لیے)
جس قدر بغداد وقت تھی اُس کے تحفظ اور انتظام کے لیے ایک عہدہ دار مقرر تھا۔ جو ناظر وقت
کہلاتا تھا۔ خواجہ ابونصر بن نظام الملک بھی اس خدمت پر رہا ہے۔ اور اس کی نیابت میں دوسرے
علماء کام کرتے تھے۔

تھامس کے برائے مختار اسلامی مورخین نے چھ یا سات لاکھ دینار سالانہ صرفہ مدارس کا کھلایا جو
 اور یہ رقم ہی جو خود اجماع نظام الملک نے خزانہ شاہی سے مقرر کی تھی اس کے علاوہ اپنی ذاتی جگہ

اسے سہ ہزار ملوک طرطوشی میں، اسات لاکھ کی رقم کھلی ہو، اور گبن صاحب نے ۲ لاکھ دینار لکے ہیں جو صرف نظامیہ بغداد کے کسی خاص حصہ کا صرفہ ہو سکتا ہے۔

سے دسواں حصہ مقرر کر دیا تھا اور زکوٰۃ و خیرات کا روپیہ اس کے علاوہ تھا، اور مصنف سراج الملوک نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بھی اپنی رقم سرکاری عطیہ کے برابر کر دی تھی۔ بہر حال صیفیہ تعلیم پر پچاس لاکھ روپیہ سالانہ سے کم خرچ نہ ہوتا ہو گا۔ اور بظاہر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہے کیونکہ خواجہ نظام الملک دولت سلجوقیہ میں صرف وزیر ہی نہ تھا بلکہ وہ ایک خود مختار بادشاہ تھا جو چاہتا تھا کہ گزرتا تھا لیکن خواجہ کے دشمن تاج الملک وغیرہ اس کے تمام صیغوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ اور خواجہ کی شکایتیں ملکشاہ سے کرتے رہتے تھے چنانچہ نظامیہ کے مصداق معلوم ہونے پر ملکشاہ سے کہا گیا کہ اس قدر روپیہ میں یہی فوج مرتب ہو سکتی ہے جس سے قسطنطنیہ فتح ہو سکتا ہے۔ اور یہ زمانہ عیسائی سلاطین کا ہے جن کا مقابلہ سلطان کو کرنا پڑتا ہے مگر خواجہ کا یہ حال ہے کہ وہ فضول کاموں میں بیت المال کو خالی کیے دیتا ہے، جب سلطان سے شکایت چند مرتبہ کی گئی تو اس نے ایک دن معمولی طریقہ سے خواجہ سے کہا کہ تپا ہے باپ! چھ لاکھ دینار کے صرف سے تو ایک جراثم کر مرتب ہو سکتا ہے جن لوگوں پر آپ نے کثیر ٹا رہے ہیں۔ اس نے کیا کام بھل سکتا ہے؟ ملکشاہ کا یہ سوال سن کر خواجہ آبدیدہ ہو گیا۔ اور کہا کہ ”جان پدر! میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اگر نیلام کیا جاؤں تو پانچ دینار سے زیادہ بولی نہ ہوگی لیکن تم ایک نوجوان ترک ہو۔ تاہم مجھے امید نہیں ہے کہ تیس دینار سے زیادہ تمہاری بھی قیمت آئے۔ سپہ خدائے تم کو بادشاہ بنایا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ تم لذات دینی میں

سلطہ رواسا اور امر و جائزہ ادین نظامیہ میں وقف کر دیا کرتے تھے چنانچہ ابو سعد صوفی نے انتقال کے وقت ۶۲۹ھ میں تمام جائزہ وقف کر دی۔ کامل جلد ۱۰ صفحہ ۵۔ ۱۱ اعلام صفحہ ۸۲۔

منہمک رہتے ہو نیکیوں کے مقابلہ میں گناہوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہی ممالک فتح کرنے کے لیے تم فوج بھرتی کرنا چاہتے ہو، ان کی تلواریں دو گڑ کی ہوں گی، اور ان کے تیرتین سو قدم سے زیادہ نہیں جاسکتے ہیں لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں ان کی دعاؤں کے تیر فوش سے عرش تک جائیں گے، جو کام ان کی دعاؤں سے ہو گا وہ تمہاری فوجیں نہیں کر سکتی ہیں، فرزند وزیر کا یہ جواب نہ کہ ملک شاہ بہت رویا۔ اور کہا کہ پیائے باپ! ایسی فوجیں جس قدر ممکن ہو طیار کرو۔“

کامیاب طلبہ | مسٹر گبن لکھتے ہیں کہ ”مختلف اوقات میں نظامیہ سے چھ ہزار طلبہ ہر درجہ کے کامیاب ہو کر نکلے۔ جن میں امر اور اہل حرفہ دونوں کے لڑکے شامل تھے۔“ ہمارے خیال میں یہ تعداد نظامیہ کی عمر کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ اور اس پر اضافہ کثیر کی گنجائش ہے۔ مگر افسوس ہے کہ نظامیہ کے عہد میں وہاں کا سند یافتہ اپنے نام کے ساتھ نظامی نہیں لکھتا تھا، بلکہ اپنے استاد کے نام سے شہرت پاتا تھا۔ ورنہ اسماے رجال سے کج فیصلہ ہو جاتا کہ زائد اذیتیں صدیوں میں کس قدر رباب کمال مدرسہ نظامیہ سے فیضیاب ہوئے۔ غالباً اس غلطی سے متاثر ہو کر جامع ازہر (مصر) کے طلبہ اپنے نام کے ساتھ ازہری اور جائے قومی کالج، مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے نوجوان علیگ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے متعلم ندوی، اور ممالک یورپ کے تعلیم یافتہ اکسن (منوبہ اسکندریہ)، وغیرہ لکھتے ہیں۔ یہ طریقہ نہایت اچھا ہے، اور ہر مدرسہ کے طلبہ کو اسکی تقلید کرنا چاہیئے۔ کہ زمانہ آئندہ کے مورخین کو شمار و تخمینہ میں ہماری طرح مصیبت نہ اٹھانا پڑے۔ بہر حال اگر ہم مسٹر گبن کی رائے کو صحیح تسلیم کر لیں کہ نظامیہ نے اپنی مدت العمر میں چھ ہزار طلبہ

کیسے تو بھی نظامیہ کے فخر و مباحات کے لیے کافی ہو کیونکہ ان میں سے ہر ایک آسمان علم کا آفتاب یا ستارہ ہو گا۔

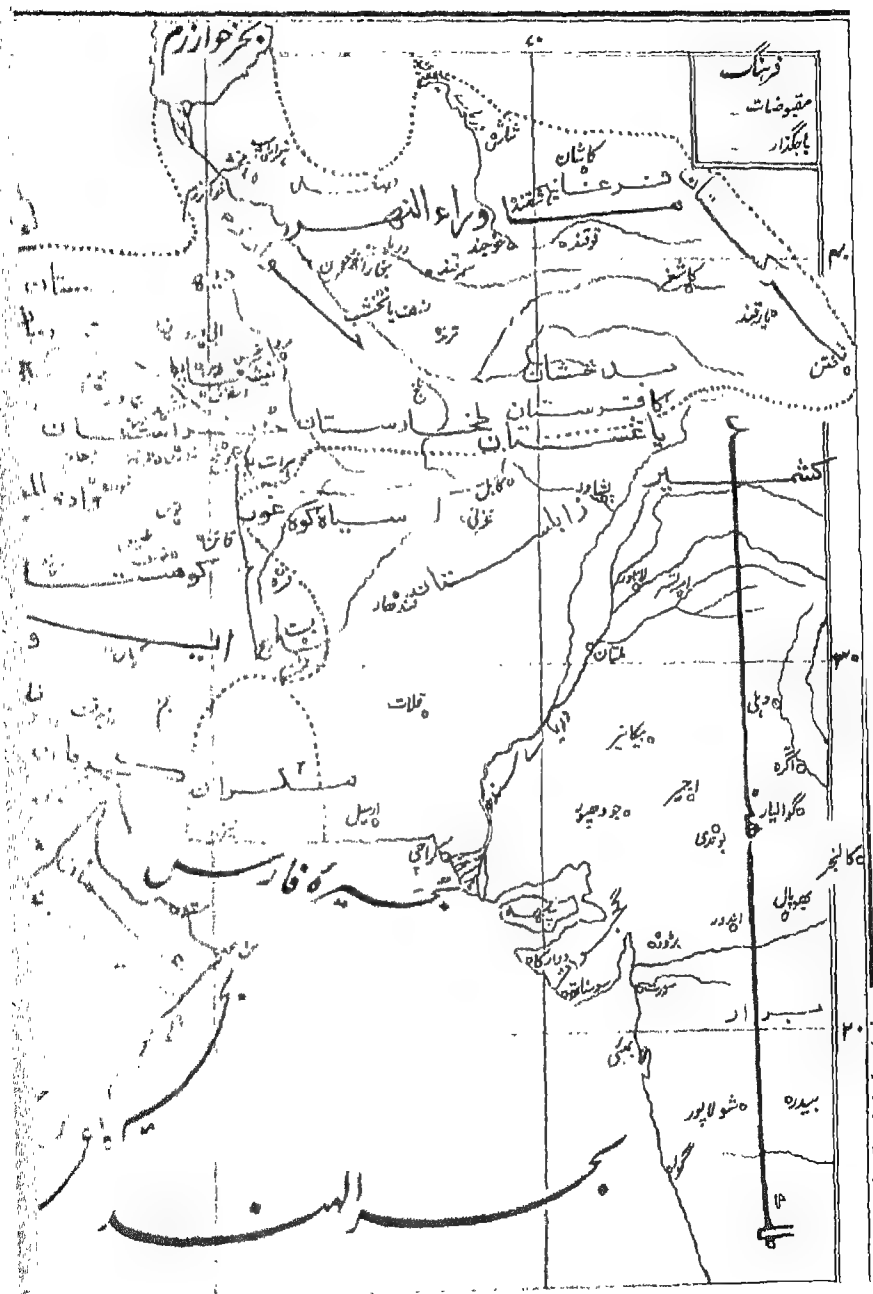
نظامیہ کے نتائج اور دلالتا نظامیہ بغداد کے قیام کی جب علما، ماوراء النہر کو خبر ہوئی تو انہوں نے ایک تمام ماتم منعقد کی جب لوگوں نے اس اظہار غم کے وجوہ دریافت کیے تو انہوں نے کہا کہ علم ایک شریف ملکہ ہے جس کو نیک نفس اور قدسی صفات لوگ حاصل کیا کرتے تھے اب جب کہ حصول علم کے لیے وظیفہ مقرر ہو گیا تو وہ کہیں ناکس کا حصہ ہو گیا۔ اب ذیل آدمی علم کے ذریعہ سے جاہ و ثروت حاصل کریں گے۔ اور کوئی شخص علم کو من حیثیہ علم حاصل کرے گا۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ نظامیہ کے اجراء سے علما میں ایک خاص مذہبی جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اور سلاطین و امرا میں متبادل کی تحریک شروع ہو گئی تھی۔ اور محض نظامیہ کی تعلیم پر مصر، شام، اور عراقین میں بہت سے مدرسے کھل گئے تھے۔ اور علم کا علم ساری دنیا میں بلند ہو گیا تھا۔ اگر صرف نظامیہ کے ایک سو برس بعد کے مدرسوں کی تاریخ لکھی جائے تو ایک کتاب بن جائے۔“

نظامیہ کا سب سے پہلا اثر تو یہ ہوا کہ چھٹی صدی کے ختم ہونے تک تمام دنیا اسلام میں (باستثناء اندلس) علم کی روشنی پھیل گئی۔ اور علما جو مسجدوں، خانقاہوں، اور حجروں میں درس دیا کرتے تھے وہ منظر عام پر آ گئے۔ اور ہر مدرسہ کے لیے ارباب علم مشرق و مغرب کے گوشوں سے ڈھونڈھ کر نکال لیے گئے۔“

نظامیہ سب سے پہلا مدرسہ ہے جس نے طلبہ کے لیے ذیلیہ مقرر کیا اور ان کو خرید کر بکراؤ فراہمی سامان خور و نوش سے بے نیاز کر دیا۔ اور سرکاری خدمات کے لیے نظامیہ کا تعلیم یافتہ سب سے بڑھ کر قرار پایا۔ خواجہ نظام الملک کی نسبت مشہور ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اسلامی دنیا میں سب سے اول مدرسہ قائم کیا۔ اور ابن خلکان کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن اٹھارہ مذکورہ بالا سے ظاہر ہو چکا ہے کہ خواجہ کی ولادت سے قبل مصر میں اور اس کے بعد شیا پور میں مدرسے قائم ہوئے۔ لہذا اولیت کا غیر نظام الملک کے حصہ میں نہیں آ سکتا ہے۔ اور نہ نظامیہ بغداد پہلا مدرسہ ہے۔ علامہ سیوطی کا قول ہے کہ نظام الملک نے خاص فقہاء کے لیے مدرسہ بنایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نظامیہ ایسے اعلیٰ پایہ پر قائم ہوا کہ جس کی عالمگیر شہرت و عظمت نے تمام کچھلی دیگاؤں کو دلوں سے مٹا دیا اور وہ سب کا مترجم بن گیا۔ اور سب سے پہلا مدرسہ مشہور ہوا۔

نظامیہ و تحقیقین یہ بات بھی نظامیہ کی خصوصیات میں ہے کہ دنیا کے دور دراز حصوں علماء آتے تھے۔ اور مدرسہ کے ہمان رہ کر علمی تحقیقات میں مصروف رہتے تھے بکثرت تاریخ و طبقات میں ایسے لوگوں کا جا بجا ذکر آیا ہے۔

درس نظامیہ مدرسہ نظامیہ کا کوئی خاص نصاب تعلیم (کورس) نہ تھا۔ بلکہ ہر شیخ اپنے متعلقہ علم و فن پر خطبہ (لکچر) دیتا تھا۔ اور اس کے ذیل میں تمام علمی نکات حل کر دیتا تھا۔ یورپ میں ایک کتاب "درس نظامیہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے اور ہندوستان میں بھی ایک صاحب نے درس نظامیہ پر فائدہ فرسائی کی ہے۔ مگر دونوں مصنف تحقیقات کی سرحد سے



مستروں کو رہیں۔ ”درس نظامیہ“ یہ لفظ خاص ہندوستان کی علمی زبان کا سرنا یہ ناز ہے اس کو نظامیہ بغداد سے منسوب کرنا نہ صرف ظلم بلکہ جہالت ہے۔

ہندوستان کے تمام شہروں میں جس طرح لکھنؤ، چٹم و چراغ کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح لکھنؤ میں فرنگی محل کا مرتبہ ہے۔ اور علمائے فرنگی محل میں ملا نظام الدین وہ مشہور معروف علامہ تھے جن کے نام نامی سے درس نظامیہ منسوب ہے۔ تمام ہندوستان میں مولانا کے عہد سے آج تک جقدر عالم ہوئے ہیں اور جو درس کے سلسلے اس وقت ہندوستان میں قائم ہیں وہ سب مولانا کے اسم گرامی سے وابستہ ہیں اور ہر عالم اسپر فخر کرتا ہے۔ در نظامیہ کی طرح در نظامیہ کی بھی ایک مستقل تاریخ ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

نظامیہ کی عمر | مدرسہ نظامیہ سڑا آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) تک قائم رہا۔ اور اس میں تین سو تیس برس کی عمر میں جیسے نامور شاگرد نظامیہ نے پیدا کیے وہ اس کے اعزاز، شہرت اور بقائے دوام کے لیے کافی ہے۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی خیسر چھٹی صدی ہجری کے طالب العلم ہیں جنہوں نے مدرسہ کے وظیفہ سے تعلیم پائی تھی۔ قابلیت اور فضل و کمال کے چانچ کے لیے یہی ایک نام کافی ہے۔ ”قیاس کن ز گلستان من بہار مرا“

مدرسہ نظامیہ بغداد کے مشاہیر شیوخ و علماء کی فہرست

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ابن خلکان، کامل اثیر اور تاریخ آل سلجوق میں نظامیہ کے جن مشاہیر علماء کا تذکرہ ہے۔ اس کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔ سوانح عمری لکھنا طوالت سے خالی تھا

شائقین اس کتاب میں حالات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ غالب حصہ واقعات کا طبقات سے ماخوذ ہی۔ اور ابن خلکان وغیرہ سے معمولی اضافہ و ترمیم کا کام لیا گیا ہے۔

۱۱۔ رسم افتتاح کے بعد سے امام ابو نصر عبد السید بن محمد بن عبد الواحد بن احمد بن جعفر المعروف بابن الصباغ صاحب الشال والکمال۔ جو مشہور فقیہ و محدث تھے۔ مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ لیکن ابو منصور بن یوسف اور عمید ابو سعد کی خاص کوشش سے بعد تحقیقات و رفع شک شیخ ابو اسحق شیرازی نے مدرسہ کی خدمت منظور کر لی اور پورے تین دن کے بعد ابو نصر اپنی خدمت سے علیحدہ کیے گئے۔

۱۲۔ شیخ جمال الدین ابو اسحق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی "سینچر کے دن ذی الحجہ ۷۴۴ھ کو مدرسہ میں تشریف لائے۔ اور سبق شروع ہو گیا۔ اور عرصہ تک علمی خدمت میں مصروف رہے۔ پھر دوبارہ ۷۴۶ھ میں مدرسہ مقرر ہوئے اور اسی سال میں انتقال فرمایا۔ رسم تعزیت میں تین دن کے لیے خواجہ مؤید الملک بن نظام الملک نے مدرسہ بند کر دیا جب نظام الملک نے سنا تو بیٹے پر ناراض ہوا اور فرمایا کہ علامہ کے اعزاز میں ایک سال تک نظامیہ کو بند رکھنا چاہیے تھا۔ سبحان اللہ! کیا علمی قدر دانی تھی۔

۱۳۔ ۱۴۔ علامہ کے انتقال پر عبد الرحمن بن مامون بن علی بن ابراہیم المعروف بابو سعید متولی مقرر ہوئے۔ اور کچھ دنوں کے بعد علیحدہ ہو گئے۔ اور امام ابو نصر صباغ دوبارہ مدرسہ مقرر ہوئے اور ۷۴۸ھ تک علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۵۔ نامہ انشورن ناصری صفحہ ۱۳۱ جلد اول۔ ابو نصر صباغ کے حالات ابن خلکان و طبقات اشافیہ میں بھرست ہیں۔

۵۔ علی بن المظفر بن حمزہ بن زید بن محمد العلوی کھینی، المعروف ابو القاسم بن ابی علی
دبوسی، فقہ، اصول، لغت، نحو، نظر، جدل، میں امام مانے گئے ہیں۔ ۳۴۹ھ سے ۳۸۲ھ
تک مدرس رہے۔

۶۔ امام ابو عبد اللہ احسن بن علی طبری اور قاضی ابو محمد عبد الوہاب بن محمد بن عبد الوہاب
بن محمد بن عبد الوہاب فارسی شیرازی حسن اتفاق سے ۳۸۳ھ میں داخل مدرسہ ہوئے۔
منتظمین نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں استاد ایک ایک دن درس دیا کریں۔ چنانچہ یہ سلسلہ جاری
ہو گیا۔ طبری نے ۳۹۹ھ میں اور قاضی ابو محمد نے ۴۱۱ھ میں انتقال کیا۔

۸۔ امام محمد بن محمد بن احمد، حجة الاسلام ابو حامد غزالی طوسی۔ امام صاحب نے ۳۸۲ھ
سے ۳۹۹ھ تک تظامیہ میں قیام کیا۔ پھر زیارت حرین کے حیلہ سے ملک شام کو تشریف
لے گئے۔ اور جامع دمشق میں جا کر معتمد ہو گئے۔

۹۔ ابو الفتح امام احمد بن محمد بن احمد غزالی طوسی ملقب بہ مجد الدین علامہ غزالی کے
چھوٹے بھائی، مشہور متونی، واعظ، متونی ۴۱۱ھ۔

۱۰۔ شمس الاسلام، ابو الحسن علی بن محمد بن علی ملقب بہ عماد الدین المعروف بہ کیا المرسی
فقہہ (غزالی ثانی)، متونی ۴۱۱ھ۔

۱۱۔ فخر الاسلام ابو بکر محمد بن احمد بن احسن بن عمر شاشی المعروف بہ مظہری متونی ۴۱۱ھ۔

۱۵۔ امام صاحب دلت آخرت کے یہ دنیا سے قطع تعلق کرنا چاہتے تھے، مگر درس سے اس کا موقع نہ ملتا تھا۔ چنانچہ
جند ابی نے کیا ایک کھینچا اور مدرسہ چھوڑ کر ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ امام صاحب نے حالات ثانیہ تفصیل سے اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں لکھی ہیں۔

- ۱۱۲ ابو الحسن علی بن ابی زید محمد بن علی النخوی المعروف فیہی استرآبادی متوفی ۵۱۶ھ
۱۱۳ ابو الفتح احمد بن علی بن محمد الوکیل بن برہان الاصولی، بڑے مستعد مدرس تھے۔ نماز
صبح سے عشاء تک درس دیا کرتے تھے۔ خوالی شاشی، اور کیتا ہراسی کی شاگردی کا فخر حاصل
تھا۔ متوفی ۵۲۶ھ
- ۱۱۴ امام ابو الفتح اسعد بن ابو نصر مہینی دومرتبہ مقرر ہوئے اول ۵۱۳ھ لغایہ ۵۱۹ھ
دوبارہ ۵۲۳ھ متوفی ۵۲۹ھ
- ۱۱۵ الحسن بن سلمان بن عبد اللہ نہروانی متوفی ۵۲۵ھ
- ۱۱۶ عبد الرحمن بن حسین بن محمد طبری المعروف بابو محمد متوفی ۵۳۱ھ
- ۱۱۷ شیخ ابو منصور سعید بن محمد بن عمر المعروف بالرزاز متوفی ۵۳۹ھ
- ۱۱۸ عبد الزاق بن عبد اللہ بن علی بن اسحق طوسی، برادر زادہ خواجہ نظام الملک عثم
تک درس رہا۔ پھر سلطان سنجر سلجوقی کا وزیر ہو گیا متوفی ۵۴۶ھ
- ۱۱۹ محمد بن عبد اللطیف بن محمد بن ثابت بن الحسن بن علی ابو بکر لمہلبی متوفی ۵۵۲ھ
- ۱۲۰ شیخ ابو الخبیب سہروردی، صوفی، زاہد، فقیہ متوفی ۵۶۳ھ
- ۱۲۱ ابو طالب المبارک بن المبارک کرخی، خوشنویس درجہ اعلیٰ متوفی ۵۸۵ھ
- ۱۲۲ مجرالدین ابو القاسم محمد بن المبارک بن علی بن المبارک بن الحسن عراقی متوفی ۵۹۲ھ
- ۱۲۳ مجدالدین یحییٰ بن الربیع بن سلیمان بن حراز بن سلیمان العدوی العمری متوفی ۶۰۶ھ
- ۱۲۴ قاضی ابو زکریا بن القاسم بن المفرج قاضی تکریت متوفی ۶۰۶ھ

- ۲۵ | محمد بن واثق بن علی بن فضل بن ہبۃ اللہ بغدادی متوفی ۳۳۱ھ
- ۲۶ | عبد اللہ بن ابی الوفا محمد بن الحسن متوفی ۳۵۵ھ
- ۲۷ | محمود بن احمد بن محمود ابوالمنائب نجفی متوفی ۳۵۸ھ
- ۲۸ | الحسن بن علی بن محمد (بزمانہ مدرسی اسعد مہینی)
- ۲۹ | عبد اللہ بن یوسف بن عبد القادر اذربائیجانی
- ۳۰ | احمد بن یحییٰ بن عبد الباقی بن عبد الواحد بن محمد بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عبد الرحمن
- ۳۱ | ابو الفضل زہری بغدادی المعروف بابن شقران (صوفی، واعظ) متوفی ۳۶۱ھ
- ۳۲ | السید محمد بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ السامی فقیہ متوفی ۳۷۸ھ
- ۳۳ | علی بن ابی المکارم بن فقیان۔ ابوالقاسم دمشقی متوفی ۳۵۹ھ
- ۳۴ | احمد بن عمر بن الحسن کروی۔ ابوالعباس المعروف بالوجیہ متوفی ۳۹۵ھ
- ۳۵ | منصور بن الحسن بن منصور۔ امام ابوالکلام زنجانی متوفی ۳۹۵ھ
- ۳۶ | ابو الحسن علی بن علی بن سعادت فقیہ متوفی ۳۹۵ھ
- ۳۷ | ابو حامد محمد بن یونس بن محمد بن منقہ بن مالک بن محمد الملقب بالمدین فقیہ متوفی ۳۹۱ھ
- ۳۸ | مفتی۔ شیخ رضی الدین ابو داؤد سلیمان بن لطیف شافعی
- ۳۹ | داغظ۔ احمد بن محمد بن حسن بن محمد بن ابراہیم ابو بکر الغوری، امام ابو بکر بن فورك
- ۴۰ | کے نواسہ تھے نیشاپور سے بغداد آکر سکونت اختیار کر لی تھی۔ خدمت عظمیٰ کے علاوہ اشعری
- علم کلام پر درس بھی دیا کرتے تھے متوفی ۳۸۵ھ

۲۔ امام ابو نصر بن ہستاد ابو القاسم قشیری کا وعظ بھی بڑے معرکہ کا تھا ۳۶۹ھ میں آپ نے مدرسہ میں وعظ کیا۔ چونکہ امام صاحب شہری تھے لہذا احتیالہ سے جنگ ہو گئی اور سون نظامیہ میں بڑی خونریزی ہوئی، اس جنگ جہاں میں ایک فریق علامہ ابو سحت شیرازی بھی تھے (دکال جلد ۱ صفحہ ۳۶)

۳۔ اردشیر بن منصور ابوحسین اعط عبادی مروزی۔ یہ بڑے فصیح البیان واعظ تھے۔ علامہ غالی اور شاہیر صوفیہ وعظ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ تاریخ کامل میں صرف ایک ٹکس وعظ کا بیان ہے جو عبادی الاول ۳۸۶ھ میں ہوئی تھی۔

۴۔ ابو منصور محمد بن محمد بن سعد بن عبد اللہ البروی فقیہ متونی ۳۹۶ھ۔
۵۔ احمد بن اسماعیل بن یوسف بن محمد بن العباس قزوینی طالقانی۔ یہ بڑے زبرد واعظ تھے جب منبر پر بیٹھتے تو حاضرین سے دریافت کرتے اور حسبِ اہل سامعین بیان فرماتے جس کتاب و تفسیر کی فرمائش کی جاتی اسی کے مطابق بیان شروع ہو جاتا تھا۔ حافظہ غیر معمولی پایا تھا۔ متونی ۳۹۹ھ۔

اس عہد میں یہ عام دستور تھا کہ بعد نماز جمعہ ہر جامع مسجد اور مدرسہ نظامیہ میں وعظ ہو کر کرتا تھا۔ ابن جبیر نے حالات بغداد میں، شیخ جمال الدین ابی الفضل بن علی الجوزی اور شیخ رضی الدین قزوینی، امام شافعیہ اور مدرس مدرسہ نظامیہ کے وعظ کا مفصل بیان لکھا ہے، چنانچہ شیخ رضی الدین کے وعظ کا حال ہم نقل کرتے ہیں جس سے مجلس وعظ کی بعض خصوصیات کا

حال معلوم ہو گا۔

میں پہلی مرتبہ شیخ رضی الدین قزوینی کی مجلس عظیمیں شریک ہوا۔ یہ شخص علوم میں اس فوج کے علماء سے مشہور اور ممتاز تھے۔ پانچویں صفر ۱۱۸۸ھ کو جمعہ کے دن مدرسہ نظامیہ میں مجلس عظمیٰ ہوئی۔ واعظ جب منبر پر چڑھا۔ تو قاریوں نے منبر کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ کر بڑی خوش الحانی سے قرأت شروع کی۔ اس کے بعد شیخ نے بہت متانت اور وقار سے خطبہ پڑھا اور علوم و فنون میں مثل تفسیر و حدیث کے گفتگو شروع کی۔ گفتگو میں ہر طرف سے علمی مسائل پر سوال ہونے لگے۔ شیخ نے معقول جوابوں سے سب کی تسکین فرمائی۔ اور چشم و ابرو سے کیسی طرح کا انقباض ظاہر نہیں ہوا۔ بعض نے تحریری سوال پیش کیے، ان سب کو اپنے ہاتھ میں لیکر ہر ایک کا جواب لکھ کر حوالے کیا۔ مجلس نہایت خیر و برکت کی تھی۔ محل سے محل آدمی کے بھی بے اختیار آنسو جاری تھے۔ خصوصاً اختتام کے وقت تو لوگ بقیار ہو گئے۔ آنکھوں سے میٹھے پر سارے لگے، چاروں طرف سے توبہ کا شور بلند ہوا۔ اکثر نے شیخ کے ہاتھ پر توبہ کی اور بہت سی پیشانیوں کے بال تراشے گئے۔ (اس زمانہ کا یہ بھی دستور تھا کہ جب مجلس و عظمیٰ خوب وقت ہوتی اور لوگ توبہ و استغفار کرنے میں مشغول ہوتے تو بعض سامعین اعظما کے سامنے اپنی گردن جھکا دیتے۔ اور واعظ اپنے ہاتھ سے پیشانی کے کبوتر بال تراش دیتا اور سر پر دست شفقت پھیر کر اس کے واسطے دعاے خیر کرتا۔) اس کے بعد مجلس ختم ہوئی۔

ناظر دفتر ۱۵ | خواجہ ابو نصر احمد بن نظام الملک۔

۲ | الحسن بن سعد بن الحسن الخوجی (نائب ابو نصر)۔

۳ | محمد بن عبد اللطیف بن محمد بن عبد اللطیف الجندی۔

۴ | محمد بن علی بن ابو نصر احمد بن نظام الملک۔

۵ | عبد اللود و بن محمد بن المبارک بن علی۔ (مُعید) متوفی ۶۱۸ھ

۶ | عبد الرحیم بن محمد بن محمد بن النین، ابو الرضا سبط ابو القاسم بن فضلان (مُعید) متوفی ۶۳۳ھ

متوفی ۶ | ابو سعد عبد الرحمن اصول، فقد اخلاف میں بردست عالم تھے۔ بعد وفات شیخ

ابو اسحق مدرس مقرر ہوئے۔ اور ۷۷۷ھ میں معزول ہو گئے۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک ابو سعد سے

نا راض تھا۔ لیکن ابو صلیغ کے بعد پھر مقرر ہوئے اور اخیر عمر تک رہے، مگر ابو سعد سے فقہاء بھی

خوش نہ تھے متوفی ۶۴۸ھ

محققین بن نظامیہ۔ ۷ | ابو اسحق ابراہیم بن یحییٰ بن عثمان بن محمد اہلبی۔

۲ | ایاقوت مہذب الدین، مشہور شاعر متوفی ۶۲۲ھ

۳ | علامہ خطیب تبریزی مصنف شرح حاشیہ، مغلقات، والی تمام چونکہ علامہ

نامور ادیب تھے۔ لہذا علم ادب کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ متوفی ۶۲۶ھ

۴ | قاضی بہاؤ الدین بن شداد، چار سال تک مُعید ہے۔ پھر سلطان صلاح الدین کی

خدمت میں چلے گئے۔ اور وہاں قاضی عسکر مقرر ہو گئے۔ قاضی صاحب نے سلطان کی سوانح عمری

بھی لکھی ہے۔ جو چھپ گئی ہو اور انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

نظامیہ بغداد کے ماتحت مدارس

نظامیہ بغداد کے افتتاح کے بعد تمام ممالک محروسہ دولت سلجوقیہ میں مدرسے کھل گئے تھے کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں مدرسہ نہ ہو۔ جو مدرسے خواجہ نظام الملک نے قائم کیے وہ نظامیہ کہلائے۔ اور اپنے شہروں کی نسبت مشہور ہوئے۔ نظامیہ کے علاوہ ہر بڑے شہر میں امدادیہ، روسا کے مدارس موجود تھے لیکن ہم ان کے تاریخی حالات سے بحث نہیں کریں گے۔ نظامیہ بغداد اپنے عہد میں ایک اسلامی یونیورسٹی (بیت العلوم) تھی۔ جس کے ماتحت بکثرت مدارس (کالج) تھے۔ اور خواجہ نظام الملک کے عہد وزارت میں اس کا سب سے نمایاں کارنامہ اجراء نظامیہ بغداد ہی۔ یہی نظامیہ تھا جس کی اعلیٰ تعلیم و تربیت نے اس عہد کے مسلمانوں کو ایک زندہ قوم بنا دیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بھی اگر چاہتے ہیں کہ ان کا علمی عہد سعادت اور شاندار زمانہ ماضی پھر واپس آجائے۔ اور وہ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے دنیا میں ممتاز ہو کر رہیں تو اسکا پہلا فرض ہونا چاہیے کہ وہ اپنے قومی کالج، مدرسہ العلوم علی گڑھ کو جس طرح ممکن ہو یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچادیں۔ یہی یونیورسٹی انشا اللہ ان کی سُو و بہبود اور قوت و عظمت کا ذریعہ ہوگی۔

بسیل تذکرہ یہ چند سطریں لکھی گئی ہیں۔ امید ہے کہ اس کتاب کے ناظرین بھی اس قومی مسئلہ پر توجہ کریں گے اور اپنی فیاضی سے مدرسہ العلوم کو محروم نہ رکھیں گے۔ نظامیہ کے ماتحت مدارس کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

نظامِ نیشاپور (۱)

صوبہ خراسان کا نیشاپور مشہور شہر ہے کتب جغرافیہ میں وہ باب المشرق کے خطاب سے ممتاز ہے۔ یہ شہر ہمیشہ دارالعلم اور معدنِ فضل و کمال رہا ہے فقہ، حدیث، ادب، تاریخ، لغت کا گھر تھا۔ اس شہر کے علماء کا حصہ شمار نہیں ہو سکتا ہے چونکہ طغرل بیگ نے رالپ ارسلان سلجوقی نے نیشاپور کو دارالسلطنت بنایا تھا۔ اس لیے خراسان میں یہ نہایت آباد شہر تھا اور بڑے بڑے مدرسے جاری تھے لیکن سرکاری مدرسہ کوئی نہ تھا۔ لہذا امام الحرمین کی واپسی پر (امام صاحب حرمین سے تشریف لائے تھے) خواجہ نظام الملک نے خاص امام صاحب کے لیے ایک شاندار مدرسہ بنایا اور امام الحرمین مسلسل تیس سال تک اس مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ امام صاحب کے حلقہ درس میں وزرائے تین سو کا مجمع رہا کرتا تھا جس میں طلبہ اور علما دونوں ہوتے تھے۔ نظامیہ بغداد سے یہ مدرسہ دس سو درجہ پر تھا۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد وعظ ہوا کرتا تھا۔ اس مدرسہ کی فضیلت میں یہی کہنا کافی ہوگا کہ علامہ امام غزالی طوسی جیسے فخر روزگار عالم اسی مدرسہ کے ایک نامور طالب علم تھے۔ مدرسہ کے مشہور شیوخ حسبِ ذیل ہیں۔

عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف بن محمد بن عبد اللہ بن حیو بن جونی المعروف بام الحرمین

ابو المعالی امتونی رحمۃ اللہ علیہ

عبد الوہاب بن عبد الکریم بن ہوازن مدرس و اعطاء متونی رحمۃ اللہ علیہ

لے طبقات صفحہ ۲۴۹ جلد ۳ امام الحرمین کے تفصیلی حالات حصہ اول کتاب ہذا میں درج ہیں۔

۳۷۔ حجت الاسلام امام غزالی طوسی، دمشق کے سفر سے واپس آکر قیام کیا۔ پھر طوس میں خاص ایک سال پناہ دے کر رہا کیا۔ متوفی ۵۱۱ھ۔

۳۸۔ مسعود بن احمد بن محمد بن لطف الخوافی متوفی ۵۵۶ھ۔

۵۔ ابو المعالی مسعود بن محمد بن مسعود المعروف قطب الدین نیشاپوری متوفی ۵۸۹ھ۔

نظامیہ اصفہان (۲)

عراق عجم میں اصفہان بھی اول درجہ کا شہر ہے۔ ایرانیوں نے اس کی تعریف میں بہت مبالغہ کیا ہے۔ اصفہان کے منجم اور طبیب مشہور ہیں لیکن دیگر ارباب کمال کی بھی کمی نہیں ہے۔ جس کی علمی تاریخ شاہد ہے۔ یہ ملک شاہ سلجوقی کا دار السلطنت تھا۔ اور اس میں نہایت شادمانہ عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ خصوصاً قلعہ تبرک، تاریخی شہرت رکھتا ہے۔ علمی مدسے بھی بکثرت تھے مگر خواجہ نظام الملک نے یہاں بھی مدرسہ بنایا۔ اس کا درجہ نظامیہ نیشاپور کے بعد تھا۔ یہ مشہور مدرسہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ محمد بن ثابت بن الحسن بن علی بن ابو بکر خجندی متوفی ۵۸۳ھ۔

۲۔ ابو سعید محمد بن محمد بن ثابت خجندی رئیس شافعیہ متوفی ۵۳۴ھ۔

۳۵۵۹

۳۔ الحسن بن محمد بن الحسن بن احمد بن یحییٰ بن ثاب الرکائی المعروف شیخ فخر الدین ابو المعالی متوفی ۶۱۱ھ۔

۱۷ شمس الاسلام کیا ہر کسی کے انتقال پر نظام الدین احمد بن نظام الملک نے امام صاحب نظامیہ بغداد کے لیے طلب کیا تھا مگر امام صاحب نے معذرت کی اور طوس سے نکلے۔ یہ اس وقت کا خط امام صاحب سے تفصیل سے مرسل ہے۔ دیکھو فضائل الامام بن سائل حجت الاسلام صوفیہ ۲۰۲

نظامیہ مرو (۳)

نیشاپور اور اصفہان کے بعد مرو کا درجہ ہے۔ یہ شہر و شاہیجان اور مرو شاہیجان کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ اس سرزمین پر بڑی غونیزیاں ہوئیں اور اس کی تاریخ واقعات عبرت انگیز سے مالا مال ہے۔ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد میں ابتدائے دار السلطنت کا پھر سلطان سنجری جوئی نے دار السلطنت بنایا۔ مرو بھی ہمیشہ علمی مرکز رہا ہے۔ اس مدرسہ کے اساتذہ میں اسعد بن محمد بن ابی نصر ابو الفتح اہلبینی مشہور ہیں۔

نظامیہ خوزستان (۴)

خوزستان شہر صوبہ ہے جس کے حدود عراق عرب و خوزستان اور فارس سے متصل ہیں۔ تشریف آواز، عسکر، مکرم، اس کے مشہور شہر ہیں اس صوبہ میں چودہ (۱۴) شہر ہیں معلوم نہیں کہ خواجہ کا مدرسہ کس شہر میں تھا۔ مگر تاریخ کامل میں نظامیہ خوزستان لکھا ہے۔ اور اس کے مدرسوں میں یوسف دشتی متوفی ۶۶۶ھ کا نام مشہور ہے۔

نظامیہ موصل (۵)

موصل اسلامی شہر ہے۔ اور لب جلع آباد ہے۔ یہاں کا قلعہ اور شہر نیاہ ضرب المثل ہے، اور جزیرہ کے شہروں میں سب سے مشہور ہے۔ مدرسہ نظامیہ موصل کے مشہور شیوخ یہ ہیں

۱۔ احمد بن نصر بن کچن ابوالعباس انباری معروف بنس الدنبل متوفی ۴۵۹ھ

۲۔ ابو حامد محمد بن القاضی کمال الدین شہر زوری متوفی ۴۵۶ھ

۳۔ محمد بن ابی الفرج بن معالی بن برکتہ بن کچن ابوالعالی (معیذ) متوفی ۴۲۲ھ

نظامیہ جزیرہ ابن عمر (۶)

شہر متصل سے تین دن کی مسافت پر یہ جزیرہ واقع ہے۔ سفر نامہ ابن بطوطہ میں لکھا ہے کہ یہ شہر بہت بڑا ہے اور چونکہ اس کے چاروں طرف ایک ندی محیط ہے اس لیے وہ جزیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس شہر کا بڑا حصہ ویران ہے۔ مگر سبب شدے ارباب فضل و کمال ہیں۔ "بہر حال یہ جزیرہ دنیا کے ایک گوشہ نشین گمنامی کی حالت میں پڑا تھا لیکن غواہ نظام الملک کی علمی فنی سے یہ جزیرہ بھی محروم نہ رہا۔ مصنف روضتین نے لکھا ہے کہ آج کل یہ روضی کے نام سے مشہور ہے" اس مدرسہ کے اور مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

نظامیہ آمل (۷)

آمل، ماژندران کا شہر ہے۔ اور طبرستان کے ذیل میں اس کے حالات کتب جغرافیہ میں تحریر ہیں۔ ایک عورت آملہ کی یادگار میں بنایا گیا تھا لہذا آمل مشہور ہوا۔ اور ہمیشہ سیرگاہ سلاطین ایران رہا ہے۔ آج بھی موجود ہے۔ آثار قدیمہ میں قلعہ کا ایک حصہ باقی ہے جہاں قافلے

ٹھہرتے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ کے مدرس "ہبۃ اللہ بن سعد بن طاہر الروایاتی متوفی ۱۱۳۴ھ مشہور ہیں۔

نظامیہ بصرہ (۸)

عراق عرب میں بغداد کے بعد بصرہ کا نمبر ہی۔ خاص اسلامی شہر جو فاروق اعظم کے عہد میں آباد ہوا۔ کسی زمانہ میں یہ علم نحو کا گھر تھا۔ بصرہ کے نحوی امام فن اور مجتہد مانے جاتے تھے۔ اور جب انحطاط کا زمانہ آیا تو ابن بطوطہ نے بنظر استعجاب لکھا ہے کہ امام جامع مسجد جمعہ کا خطبہ غلط پڑھ رہا تھا۔ گو یا بصرہ میں کوئی نحوی باقی نہ تھا۔ خلفاء عباسیہ کے عہد کے بعد واقعی بصرہ میں بہ حالت چھا گئی تھی۔ اور یہاں علمی روشنی کی ضرورت تھی جو مدرسہ نظامیہ سے وجود پذیر ہوئی اور صفیاء کی روایت ہو کہ نظامیہ بصرہ کی عمارت وسعت میں نظامیہ بغداد سے بڑی تھی۔ اور یہ مدرسہ حضرت زبیر بن العوامؓ کے مزار کے متصل واقع تھا۔ معتمد بانیہ کے اخیر زمانہ میں مدرسہ برباد ہوا، اور اس کا تمام سامان بغداد میں منتقل ہو گیا۔ فخر الاسلام شاشی کے داماد اور علامہ ابو جعفر شیرازی کو شاگرد محمد بن قیان بن حامد بن طیب ابو اہل انباری عرصہ تک اس مدرسہ میں رہے ہیں جنہوں نے ۱۱۰۹ھ میں وفات پائی۔

نظامیہ ہرات (۹)

افغانستان کے حد شمالی پر ہرات واقع ہے۔ عہد سلجوقیہ میں یہ شہر صوبہ خراسان میں بہت مشہور تھا۔ خواجہ نظام الملک نے جب مدرسہ بنایا۔ تو مدرسہ کے لیے محمد بن علی بن حامد فقیہ کو غزنی سے طلب کیا۔ تمام شہر کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر مجبوراً وزیر اعظم کے حکم سے علامہ کو ہرات

جانا پڑا اور وہیں ^{۱۱۱۱}سب سے پہلے میں انتقال کیا۔

نظامیہ بلخ (۱۰)

صوبہ خراسان میں بلخ ایک قدیم شہر ہے۔ منوچہر بن امیر بن فریدوں نے آباد کیا تھا۔ آنکھ کو
نہا را اسی جگہ تھا جس کے متولی برا مکہ تھے۔ عہد سلجوقیہ میں بہت آباد تھا چنانچہ سلطان سنجر
سلجوقی کی مسجد کے آثار ہنوز موجود ہیں۔ مدرسہ نظامیہ بلخ بہت مشہور ہوا۔ اور صدیوں تک قائم
رہا مشہور مدرس حسب ذیل ہیں۔

عبد اللہ بن طاهر بن محمد بن شہنشاہ اسفہانی متوفی ^{۷۸۸} ۷۸۸ھ
عبد اللہ بن عمر بن محمد بن کچہن بن علی ابوالقاسم بن الطریف بلخی
عمر بن احمد بن اللیث الطالقانی ابو حفص متوفی ^{۳۳۶} ۳۳۶ھ

نظامیہ طوس (۱۱)

صورتاً قائم تاریخ خراسان کی ایک اہمیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ نے سب سے اول
ایک مختصر مدرسہ طوس میں بنایا تھا۔ اور اُس کے بعد نظامیہ بغداد تعمیر کیا۔ اگر ایسا ہو تو تعجب نہیں ہے
کیونکہ طوس خواجہ کا وطن اور مولد تھا اور ہر انسان کو سب سے اول اپنے گھر کی فکر ہوتی ہے۔ اس مدرسہ کے
تفصیلی حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

افسوس ہے کہ نظامیہ کے ماتحت مدارس میں ہم نے صرف گیارہ مدرسوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ

تمام مورخ اس پر متفق ہیں کہ عراق عرب، عجم، شام، بیت المقدس، دیاربکر وغیرہ میں کوئی ایسا شہر نہ تھا، جہاں خواجہ نظام الملک نے مدرسہ نہ بنایا ہو۔ لیکن مورخین کی کوتاہ قلمی سے آج ہم صرف شہروں کی فہرست بھی پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کو ہم نے طوس کے ذکر سے شروع کیا تھا۔ اور آج طوس پر کتاب کا خاتمہ کرتے ہیں۔

تم الكتاب بحمد الله وفضله وعونه وحسن توفيقه وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم۔

تمام شد



جلال الدولہ مہاشاہ سلجوقی

ضمیمہ

ترکمانی صولت اور مغلی جلاوت ہم میں تھی
عزم کر دی ہم میں تھا بدوی حمیت ہم میں تھی
تذکرہ ملک شاہ سلجوقی

خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری ختم ہو گئی۔ وزارت جس قدر سلطنت کا تعلق تھا، اس کا بھی
مجل مفصل بیان ہو چکا۔ لیکن ملک شاہ "رائل ہیرو رآف اسلام" (نامور فرمان وایان اسلام)
میں عموماً اور طبقہ سلاجقہ میں خصوصاً ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اور سلاجقہ عراق میں تو "واسطۃ
العقد" کا منفہ خاص اُسی کے لیے ہے۔ لہذا مختصر پانہ پر ملک شاہ کی سوانح عمری پیش کی جاتی ہے۔
اور مفصل تذکرہ کے لیے ناظرین کو ہماری "تاریخ آل سلجوق" کا انتظار کرنا چاہیے جس کا ایک معتد بہ
حصہ لکھا جا چکا ہے۔

نسب نامہ ولادت تعلیم تربیت تخت نشینی | ملک شاہ سلطان آلپ سلاسل سلجوقی کا سب سے بڑا بیٹا، اور
چغری بیگ، داؤد کا پوتا ہے۔ دولت سلجوقیہ میں عروج و اقبال اور عظمت و جلال کا ملک شاہ کی فائز
خاتمہ ہو گیا۔ یہ فخر خاندان بتاریخ ۱۹ جمادی الاول ۵۷۷ھ (جولائی ۱۱۸۱ء) پیدا ہوا۔ اور آلپ سلا

کے سایہ عاطفت اور خراج نظام الملک کی تائیدی میں تربیت پذیر ہوا۔ شاہیر علما اس کے معلم رہے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ ملک شاہ عربی، فارسی، نظم و نثر پر قادر تھا۔ اور شعر و سخن سے خاص دلچسپی رکھتا تھا۔ اور باوجود کم عمری حسنِ ظاہری کی طرح صفاتِ باطنی میں بھی ممتاز تھا۔ عقل و فطرت کے ساتھ متانت پائی جاتی تھی۔ ملک شاہ ہنوز سترہ سالہ نوجوان تھا کہ سرست باپ کا سایہ اٹھ گیا، نو عمری میں سرِ سلطنت نے پاؤں چومے اور پتھر شاہی تاج پر جلوہ افگن ہوا۔ دسویں بیجِ الاء (۶۶۷ھ نومبر ۱۲۷۸ء) کو رسم تاج پوشی عمل میں آئی۔ اور تخت نشینی کے بعد سلطانِ اعلا و جلال الدولہ ابوالفتح، ملک شاہ کے نام سے مشہور عالم ہوا۔ اور خلافت بغداد سے سند حکومت کے ساتھ دیرین امیر المومنین کا معزز خطاب بھی مرحمت ہوا۔ حرمین، بیت المقدس، بغداد، عراقین، ماوراء النہر اور شام میں ملک شاہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور ملک میں سکے جاری ہوئے۔

حدودِ سلطنت | ملک شاہ کے زمانہ میں معین السلطنت خراج نظام الملک کی بدولت سلطنت کو فوق الغایت ترقی ہوئی۔ ماوراء النہر سے تیک اور حدودِ چین سے اقصائے شام تک سلجوقی پھر رہو ادا تھا۔ سلطنتِ روم با جگوار تھی۔ قیصر تین لاکھ و تیار نذرانہ اور تیس ہزار جزیرہ ادا کرتا تھا۔ قسطنطنیہ کی ٹکسال کے طلائی و نقرئی سکے نیشاپور و راصفہان کے بازاروں میں چلتے تھے۔ مختصر یہ کہ خلفاء و متقدمین کے بعد سلام میں دولت سلجوقیہ سب سے بڑی سلطنت تھی۔

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱
 ۴

بناوت و فنون | تخت نشینی کے بعد سلطان کے چچا قاور دیگ نے بناوت کی اور کست
کھائی۔ یہیں میں حقیقی بھائی نکش برسر مقابلہ ہوا، اور دولت اٹھا کر صلح پر فیصلہ کیا۔ یہیں
سلطان خاں خاقان سمرقند نے سرکشی کی جس کے لیے خود سلطان کو جانا پڑا تھا۔ جنگ و نتیجہ
کی تصویر ملک الشعراء امیر میر غفری نے اس طرح پر کھینچی ہے۔

فتح سمرقند

خداے ہر چہ دہ بندہ را ز فتح و ظفر	بدین پاک دہریا عیستل یا یہ ہنر
ہمیں کہ از ظفر تیغ شہ بشرق و مغرب	ہزار گونہ لیسیل است صد ہزار
چو ز آب سحوں بگذشت و ز کار بند	کشید تا بمرقت دایت و لشکر
کشاہد کرد سمرقند را بر و ز تخت	بچشم عدل سوسے خاص عام کو نظر
چو دیدیم کہ دادند شہر و آمد شاہ	گرفت اہصار و ز شاہ کرد خد
ز ہرا و سپہ بر ہصار گرد شدند	ہمہ سپہ رن و خاک صبر و کوہ جگر
سپاہ خویش پراگندہ کرد گر حصار	روان گشت ز ہر سو مہار و زے و گجر
غبار تیرہ چو ابر و خدنگ چن باران	سان نیزہ چو برق و تیرہ چوں تند
فرد گرفتہ حصارے کہ گر کم صنعتش	دراں صفت سخم بگذر و ز وہم و فکر
چنانش کرد کہ بسیند گفتی اے عجا	مگر بزل کہ شلایں حصار زیر و زبر
ہم از حصار کشیدند شاں بحضرت شا	چنانکہ اہل گنہ را کشند و محشر
ہمہ کردہ پشیمان شدند و در شل است	کے کہ بد کند آخر ز بد شد کیفر

اگر کشادن و موعوب عجائب بود
کنوں کشادن چین و چگل عجائب تر

جب یہ یلماں خاں گرفتار ہو کر سامنوا یا تو اس سلاطانی کا غاشیہ اس کے کندہوں پر رکھا گیا اور سربراہ فرسیاب (نام موضع) سے خاقان کے محلات تک ہمراہ رکاب لٹتا ہوا آیا۔ پھر سمرقند سے اصفہان کے قلعہ میں روانہ کر دیا گیا اور وہاں عرصہ تک قید رہا۔ یسلیمان کی سرکشی کی انتہائی منہاجی۔ ورنہ فتح مالک کے بعد تاج بخشی ملک شاہ کا خاصہ تھا۔ جیسا کہ قیصر دم اور دیگر خواقین سردارانِ عرب کے ساتھ کیا گیا۔ ملک شاہ کے عہد میں بغاوتیں کم تر اور فتوحات اکثر ہوئیں۔ امیر بختیش کی سپہ لاری میں دم پر فوج کشی ہوئی، قیصر نے خراج دینا تسلیم کر لیا تاج الدولہ قش (برادر سلطان) نے حلب، حران، رہا، قلعہ جابر، منبج، لاذقیہ، کفرطاب، فامیہ پر قبضہ کر کے ملک شام کو مستحکم کر دیا۔ سعد اللہ گورہر میں نے زہید عدنان اور بلا میں کو فتح کیا۔ مصر و بلاد مغرب پر بھی فوج کشی ہوئی۔ اب ان فتوحات کو نقشیں دیکھو تو معلوم ہو گا کہ کاشغ سے بیت المقدس تک طول میں اور قسطنطنیہ سے بلاد انحرز تک عرض میں سلطنت پھیلی ہوئی ہے۔

ملکی دورہ | ملک شاہ کو سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا جس کی تفصیل سالہ ملک شاہی میں ہے، رؤفہ الصفا میں لکھا ہے کہ ”سلطان نے انطاکیہ سے جبند (ماوراء النہر) تک دو مرتبہ دورہ کیا“ اور گبن صاحب لکھتے ہیں کہ ”ملک شاہ نے ملک کے اُس حصہ میں جسر بنیخسرو اور خلفا حکمران تھے

سال سلجوق مغرورہ ۳۰۵ھ آل سلجوق صفحہ ۶۶۶ ۶۶۷ھ ابن خلدون ۷۷۷ھ یہ ملک کا سفر نامہ ہے جو خود اُس نے لکھا ہے۔ اس کتاب کے حوالے تاریخوں میں ملتے ہیں۔ ایک نسخہ انڈیا آفس لندن میں ہے۔

بارہ مرتبہ دورہ کیا۔ لیکن سر جان مالک صاحب کی رسلے کے مطابق اس سیر و سیاحت سے وہ ممالک خارج ہیں جو سلطان کے باجگزار اور زیر اثر تھے۔ اور اگر وہ شامل کیے جائیں تو بارہ مرتبہ ان میں دورہ کرنا محال ہو۔ ہمارے نزدیک بھی یہ رسلے صحیح ہی۔ سلطان نے صرف عراق عجم اور عرب کے مشہور شہروں کا دورہ کیا تھا۔ ۱۰۱۱ھ میں کرمان کا سفر کیا۔ اور تین مرتبہ السلام بغداد میں حاضر ہوا جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ اول مرتبہ جو چوتھی ذی الحجہ ۱۰۱۱ھ (مارچ ۱۰۱۲ء) کو داخل بغداد ہوا۔ وزیر سلطنت ابو جعفر نے خلیفہ المقتدی بامر اللہ کی طرف سے شاندار استقبال کیا۔ داخلہ کے تیسرے دن سلطان نے حلبہ (شرقی بغداد میں باب النج کے قریب ایک بڑا محلہ ہے) میں چو لو (چوگاں بازی) کھیلا۔ خلیفہ نے عمدہ عمدہ گھوڑے نذرانہ میں پیش کیے۔ اور ۱۰۱۲ھ (اپریل ۱۰۱۳ء) کو قصر خلافت میں سلطان نے خلیفہ سے ملاقات کی اور تقریباً چالیس ارکان سلطنت رشتہ داران سلطان خلیفہ کے حضور میں نام بنام پیش کیے گئے۔ سلطان کو سات پارچہ کا خلعت اور طوق و کنگن مرصع مرحمت ہوا۔ اور دو تلواریں گلے میں حائل کی گئیں جس کے شکریہ میں سلطان آداب بجالایا اور رسدہ شریفہ کو دو مرتبہ بوسہ دیا۔ اسی زمانہ میں سلطان نے امام موسیٰ رضا، حضرت معروف کرخی، امام احمد بن حنبل، اور امام ابو حنیفہ کے مزارات کی بھی زیارت کی۔ فاتحہ پڑھا۔ نذرانہ اور مسکین کو صدقات دیئے گئے۔ اور مہینہ صفر ۱۰۱۲ھ میں خراسان کو واپس گیا۔

۲۔ دوسری مرتبہ بتاریخ ۲۸ رمضان ۱۰۱۲ھ (اکتوبر ۱۰۱۳ء) پھر آیا۔ اور ۱۰۱۳ھ ذیقعدہ یوم

پنجشنبہ (یکم جنوری ۱۷۹۷ء) کو جامع سلطان کی بنیاد ڈالی۔ بہرام خیم نے سمت قبلہ قائم کی۔ اور محفل میلاد بڑی دہوم سے کی گئی۔ شعراء نے قصائد پڑھے خواجہ نظام الملک نوں متبہ ہوا۔ تیسری مرتبہ ۲۴ رمضان ۱۲۱۸ھ (۲۸ اکتوبر ۱۷۹۷ء) کو بعد انتقال خواجہ نظام الملک داخل بغداد ہوا۔ اور اسی جگہ مہینہ شوال میں انتقال کیا۔

فوج شاہی | مسٹر گبن نے دولت سلجوقیہ کے صرف سواروں کی تعداد سینتالیس ہزار لکھی ہے اور نامہ خسرواں کی روایت ہو کہ دار السلطنت میں ہر وقت پاس ہزار سوار موجود رہتے تھے۔ غالباً انگریزی مورخوں نے یہی ہی روایات پر قیاس کر لیا کہ فوجی قوت صرف ہستقد تھی۔ ہر سلطنت میں دار السلطنت کے علاوہ تمام صوبوں درجہ کی چھاؤنیوں میں فوج رہا کرتی ہے اور جس بادشاہ کی سلطنت اس قدر وسیع ہو۔ اُس کے پاس صرف چھیالیس سینتالیس ہزار سوار ہوں یہ فرین قیاس نہیں ہے۔ اگرچہ فیوڈل سسٹم کی وجہ سے فوج نظام دولت سلجوقیہ میں کم تھی، مگر باوجود اس کی کے چار لاکھ مستقل فوج تھی جس میں غالباً سوار اور پیادے دونوں شامل ہوں گے اور یہ تعداد خواجہ نظام الملک کے سیاست نامہ میں لکھی ہے۔ اور اس کے علاوہ ضرورت کے وقت کافی فوج مہیا ہو جاتی تھی۔ اور باوجود کثرت فوج، کوچ و مقام میں ہر جنس کا نرخ ارزاں رہتا تھا جس کا محکمہ کسرپٹ کی خوبی کا اندازہ ہوتا ہے۔

خراج سلطنت | تمام سلطنت کی کف درآمدنی تھی۔ یہیں معلوم ہو سکی۔ مگر سلطان کی ذاتی جاگیر کی آمدنی کہیں ہزار تومان زر کرنی اور میں ہزار دینار صرف خاص تھا۔

صیغہ رفاہ عام | ملک شاہ کو رعایا کی فلاح اور ملک کی آبادی کا از حد خیال تھا۔ ہر ضلع میں شفا خانہ۔ سرائیں، مدارس موجود تھے۔

زراعت و تجارت | ترقی زراعت کے لیے تمام ملک میں نہروں کا جال پھیلا دیا تھا۔ اور ترقی تجارت کے لیے سڑکیں بنائی گئی تھیں جنگلوں میں سرائیں موجود تھیں پل بنائے گئے تھے اور حفاظت کے واسطے پولیس کی چوکیاں قائم تھیں۔

امن امان | سلطان کا عہد ولت نہایت پرامن تھا۔ ماوراءالنہر سے اقصائے شام تک قافلے بلا خوف و خطر آتے جاتے تھے۔ اور یہی حالت اکا دکا مسافروں کی تھی۔ خوشحالی، رفاہ اور امن امان میں ملک شاہ کا عہد حکومت روحی، اور عربی حکومتوں سے کم نہ تھا۔

معانی جنگی | ترقی تجارت کی غرض سے سلطان نے تمام ملک کی جنگی معاف کر دی تھی۔ اور یہ مھول اس عہد میں مکوس کے نام سے مشہور تھا۔

فارسی علم ادب علم خط کی ترقی | آل سلجوق کے ابتدائی دور میں فتر عربی زبان میں تھا۔ لیکن وزیر عمید الملک کندی نے فارسی میں تبدیل کر دیا تھا۔ چنانچہ علاوہ دفاتر کے فارسی علم ادب کبڑی ترقی ہوئی تھی۔ اور چونکہ ملک شاہ خود شاعر تھا لہذا مشاہیر شعرا کا دربار میں مجمع رہتا تھا اور ادبی ترقیات کے ساتھ خوشنویسی اور خطاطی کی طرف بھی عام توجہ تھی۔ کیونکہ اس عہد میں شاہزادوں اور امراء و وزراء کی اولاد کو خوشنویسی خاص طور پر سکھائی جاتی تھی۔ اور دفتر انشا کی ملازمت کے لیے خوشنویسی لازمی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک بھی خط نستعلیق اور قاع میں شاہی

سلطان کا لکھنا سیریں، انٹازیل، سید میر علی علیہ السلام کا لکھنا، بن خلکان — سلیمان دولت شاہ بھرتی

درجہ رکھتا تھا۔ پر عنوان نہایت وسیع ہو جس کی تفصیل تاریخ آل سلجوق میں ہے۔ لیکن تاہم ہمارا اہم الماحی
نحاس اور مرہبہ معربی کے چند منتخب شعراء جو سلطان کی مح میں بی بی نازا میں کیے جاتے ہیں

ابوالمعالی مخمس

جسم اور لطف روح و روح اور فصل نفس
طبع او بادست وجودش آب این غالب برآں
گر شگفت است ایکله مستولی شود بر باد آب
آتشے کا نذر ا دل مر خاک را سچیز نکرد
علم روحانیت خسلان تو بے تعلیم کس
آسمان فیروزه گوں شد تا نگین سازی ازو
نفس اور فصل عقل و عقل اور انور دین
حلم او طینت خشمش تاوڑاں غالب بر این
این شگفتی نہ کہ آید تا در فرمان طین
پیش خاک اکنون ہی مالہ خجاک اندر حبیب
اے عجب جسم تو روح است یا روح الایس
چون نگین سازی ز چیزی کت بود زیر نگین

امیر مغربی

خسر و عادل ملک شاہ آغخاوند کے کہت
از مدار سپنج و حکم ز ہرہ و بہرام و تیر
شاہزادہ چہر تو باقی باد تا گیہاں بود
ملک دین تخت و تخت ملک تہر زین و جام
صلح رصد | ملک شاہ نے سنہ فارسی یزدجردی میں اصلاح کی اور سنہ جلالی ملک شاہی
جاری کیا جس کی مفصل تاریخ عمر و خیام کے حالات میں تحریر ہو۔ بارہ مہینوں کے جدید نام یہ تھے۔

ماہ نو، نو ہزار گزافروز، روز افزوں، جہانتاب، جہاں آرا، چتر کاں، خزاں، شرف، شب افزوں
آتش افزوں، سال افزوں۔

ذاتی شوق ملک شاہ کے روزمرہ کے مشاغل میں سب سے زیادہ دل خوش کن شکار کا
شوق تھا۔ روضۃ الصغایں لکھا ہے کہ ایران و توران کی شکار گاہوں میں سے کوئی ایسی جگہ باقی
نہیں ہے جہاں ملک شاہ کے نعل اسب کے نشانات نہ ہوں۔ شکار کا ایک باضابطہ جبر تھا جس
میں وزانہ شکار کی تعداد درج ہو کرتی تھی۔ مصنف راحت الصدور نے خود اس جبر کو دیکھا
تھا جس کا نام شکار نامہ تھا۔ اور یہ جبر مشہور شاعر ابوطاہر خاؤنی مصنف مناقب الشعرا کا لکھا
ہوا تھا۔ ملک شاہ نے عمر بھر میں دس ہزار شکار کیے جو کمال تیر اندازی کی دلیل ہے۔ اور چونکہ شکار
محض شوقیہ و بلا ضرورت ہو کرتا تھا۔ لہذا ملک شاہ نے خوف خدا سے ذکر کردہ قاعدہ مقرر کر دیا
تھا کہ فی شکار ایک دینار (پانچ روپیہ) صدقہ دیا کرتا تھا۔

شکار کی یادگار تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کو قذہ میں سلطان کا قیام تھا کہ حج کے
واسطے قافلہ روانہ ہوا۔ سلطان بھی بنظر حصول ثواب قافلہ کی مشابعت میں چلا اور چند منزلوں تک
برابر چلا گیا۔ رہتیں شکار بھی خوب ہوا تھا۔ لہذا سلطان نے حکم دیا کہ شکاری جانوروں کے سینگوں

سے تاریخ علم ادب فارسی پر فیروز راز صاحب تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ سلطان کو قذہ سے وادی الفریز گیا۔ وہاں سے
سببہ پہنچا پھر سببہ واقعہ کیا۔ اور اسی جگہ بنایا گیا کہ قذہ سے مکہ منورہ کو جاتے ہوئے یہ شیعہ رنزل میں پہنچا۔ واقعہ سے کو قذہ میں
کی راہ ہے اور یہ ایک کشادہ میدان ہے جہاں پانی کی افراط ہے۔ اور کھجنا فید میں اس کا نام واقعہ الخوند بھی ہے۔ ابن جریر کا بیان ہے کہ انیشوں
کا منارہ ہے اور عود کی شکل ہے۔ منارہ میں چوہاں اور ہشت پل خاتم بندی کی ہوئی ہے۔ تمام منارہ پر ہرن کے سینگ نصب ہیں
دور سے سیاہی (خار شیت) کی پیڑ کی طرح چمکتا ہے۔

اور کھروں سے بطور یادگار ایک مینار بنایا جائے چنانچہ واقعہ سے بڑھ کر قرقار کے نزدیک
مینار بنایا گیا۔ اور اسکا نام "منارۃ القرون" رکھا گیا۔ مصنف تاریخ آل سلجوق نے لکھا ہے کہ یہ
مینار ہمارے زمانہ میں (۶۲۳ھ) موجود ہی۔ لیکن سفرنامہ بن جبیر اور ابن بطوطہ میں جہی واقعات
سفر مذکورہ منورہ درخت اشرف میں اس مینارہ کا ذکر ہے لیکن ان سیاحوں کو کسی نے اس منارہ
کے تاریخی حالات نہیں بتائے۔ اسی قسم کا دوسرا مینارہ کرستان میں تھا جسکا موقع نہیں معلوم
جہاں علماء و شعراء سلطنت کے کاموں سے جڑبست ملتی تو جلد احباب میں بٹھتیا یا
علماء و شعراء کا جمع ہوتا۔ ہر ایک سے اُسی کے مذاق کے مطابق گفتگو کیا کرتا۔ علماء کی گفتگو
ہمیشہ منظور ہو کر تھی چنانچہ اسی خیال سے خلیفہ المقتدی نے شیخ ابوحنیفہ
کو دربار میں بھیجا اور شیخ نے ابو الفتح بن ابیث عبدعراق کی بہت سی کتابیں کیں۔ چنانچہ شیخ
کی مرضی کے مطابق حکم دیدیا۔ اور امام الحرمین کے ساتھ جو واقعہ گزرا اس کی تفصیل اس نواب کے
حالات میں موجود ہے۔

راج خانہ کعبہ ^{۱۱۵۱ھ} میں بڑی شان و شوکت سے حج کے لیے روانہ ہوا۔ اور چونکہ براہ
کو قدیم تھا لہذا سبعینہ (وادی اسبیل) سے چل کر واقعہ میں ایک کنواں بنوایا جسکا نام تاریخ
نزدہت القلوب میں چاہ تو دن لکھا ہے۔ یہ کنواں پندرہ گز مربع میں ہے جس کا عمق چار سو گز ہے۔
اور بالکل سنگسار زمین پر بنایا گیا ہے۔ اور یہی موضع لکھتا ہے کہ زبیدہ خاتون کے بعد ملک شاہ

سلطنت کا زمانہ ۷۴۷ھ گج دہش صفحہ ۴۱۱ھ نزدہت القلوب کہ منازل جہاں اشرف ۷۵۰ھ تو دن لکھا
کا ایک شہر غلام تھا۔ غالباً اس کی گرائی میں پناہ لیا ہوا ہوگا۔ اور اسی نسبت سے چاہ تو دن شہر ہوا۔

سلجوقی نے مکہ معظمہ کے رہتہ میں تالاب و روض بنائے تھے، تاریخ کامل وغیرہ میں لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کے رہتہ میں جس قدر مشکلات تھیں وہ سب ملکشاہ نے حل کر دی تھیں۔ حجاج کے قیام کے واسطے سرائیں بنوائی گئیں۔ اور چاہات آنہوشی پر خاص توجہ کی گئی۔ امیر اکبر میں (شریف) نے ہرجاجی پر سات دینار زر سرخ نکس مقرر کیا تھا۔ وہ سلطان نے موقوف کر دیا۔ اور اس معاوضہ میں امیر اکبر میں کو جاگیر دیدی۔

تعمیرات | سلطان کو محلات اور قلعہ جات بنانے کا بڑا شوق تھا۔ دار السلطنت اصفہان کو اعلیٰ درجہ کی عمارات سے آراستہ کر دیا تھا۔ اور قلعہ تبرک اور دژ کوہ اس کی یادگار ہیں۔ سلطان نے بڑے شہروں کے گرد فصیل بھی بنوائی تھی۔ اور قدیم قلعے جو منہدم یا مرست طلب ہو گئے تھے۔ اُن کی ہمیشہ تجدید ہو کرتی تھی۔ جزافیہ گنج دانش میں جا بجا اسکا تذکرہ ہے۔ اسی طرح باغات لگانے کا بھی شوق تھا۔ اور اصفہان کے باغات بہت مشہور ہیں۔

ملکی نظم و نین | ایک مہذب و متمدن سلطنت کا جیسا عمدہ نظام ہونا چاہیے وہ موجود تھا۔ اور یہ تمام انتظامات خواجہ نظام الملک زیر غلم کے سپرد تھے جس کی تفصیل خواجہ کے حالات میں موجود ہے۔ مختصر یہ کہ دیوانی عدالتیں اور سیاسی محکمے فقہاء اور قضائے کے ہاتھ میں تھے۔ اور مالی انتظام خواجہ نظام الملک کی اولاد کے سپرد تھا۔ اور فوجی صیغہ میں عموماً ترک تھے جو سلطان کے رشتہ دار تھے یا معتبر غلام۔

خانگی زندگی | ملک شاہ کی پہلی شادی، الپ سلاں نے اپنی حیات میں جنگ قیصر

کے بعد کی تھی۔ جس کی نسبت روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ خاقان اعظم نے ہمد ہمایوں کا ڈولہ بڑی شان شکوہ سے نیا پور روانہ کیا تھا۔ اور جب اس میں داخل شہر ہوئی تو تمام شہر آراہستہ کیا گیا تھا۔ ایک ہزار ترکی غلام ڈولہ کے چلو میں تھے اور ہر ایک کے ہات میں ایک نادر تھنہ ترکستان کا تھا۔ شک، عنبر، عود، کافور کی گولیاں جلوس پر نثار کی جاتی تھیں۔ دوسرے عقد اے بی بی میں ترککان خاتون سے خود سلطان نے کیا تھا۔ یہ سب معزز اور معتد بہ حکم تھی۔ اور ملکی انتظام میں دخل تھی۔ محمود اسکا بیٹا تھا۔ تیسرا عقد زبیدہ سے ہوا تھا جو ملک شاہ کے چچا یا قوتی بن اود کی بیٹی تھی۔ برکیارق اس کے بطن سے تھا اور خواجہ نظام الملک اسی کو ولیہ سلطنت کرنا چاہتا تھا۔ اور ترککان خاتون اپنے نابالغ بیٹے محمود کو چاہتی تھی۔ یہی بنا انجمنیت تھی جب نے نظام الملک کو وزارت سے معزول کرایا۔ اور ملک شاہ کے انتقال پر یہی دونوں شاہزادے خانہ جنگی کا باعث ہوئے۔ ملک شاہ نے قیصر روم "لکسن کامنی انس" کی حینہ و جمیلہ دختر سے شادی کا پیام دیا تھا۔ اور باجگزار قیصر اس رشتہ کو سرستے منظور کر لیا۔ مگر سلطان کی قبل از وقت موت نے مشرق و مغرب کے اتحاد کو روک دیا۔ لیکن مسرگین تحریر کرتے ہیں کہ خود شاہزادی نے اس درخواست کو نامنظور کر دیا۔ محققین کے نزدیک یہ ایک صداقت سے دور ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سلطان کی موت نے نامہ پیام کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ورنہ اس سے بڑھ کر قیصر کے لیے اور کیا غرت ہو سکتی تھی۔ ابن خلکان کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ سلطان نے اسے کی

صفحہ ۱۷۰ دیکھو نوٹ صفحہ ۱۷۰۔ ترککان خاتون ۱۷۰ کا مل اثر ۱۷۰ دیکھو صفحہ ۱۷۰۔ ۱۷۰ دیکھو نوٹ صفحہ ۱۷۰

صفحہ ۱۷۰ تاریخ سرسین انسٹانزبل سید میر علی۔

ایک مغنیہ سے بھی عقد کیا تھا۔ یہ مغنیہ گانا سنائے آتی تھی۔ مگر سلطان اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور اپنی محبت کا اظہار کیا۔ مغنیہ سلطان کا منشا سمجھ کر بولی کہ حضور مجھ جیسی عورت جہنم کا ایندھن بنے یہ میری غیرت تقاضا نہیں کرتی۔ اور حلال محرام میں صرف ایک کلمہ ہی کا تو فرق ہے۔ اس پر حسبہ جو ایک سلطان نے عقد کر لیا۔

محبت اولاد | سلطان کو اپنی اولاد سے غیر معمولی محبت تھی جب شاہزادہ داؤد کا انتقال ہوا، تو فرط غم سے ہجیر و تکفین ملتوی کر دی، نعش متعفن ہو گئی تو امرار نے دفن کی۔ اور سلطان کو ہلاکت سے بچایا۔ جب سنجر کی ولادت ہوئی، تب سلطان کا غم غلط ہوا۔

خلفاء عباسیہ رشتہ داری | سب سے اول ۳۴۵ھ میں طغرل بیگ نے اپنی بھتیجی ارسلان خاتون کا عقد خلیفہ القائم بامر اللہ سے کیا تھا۔ اور ۳۴۶ھ میں اپنی ارسلان نے اپنی دختر دصغر خانی کو کا عقد مقتدی بامر اللہ سے کر دیا۔ اور ۳۴۷ھ میں ملکشاہ نے بھی اپنی ایک بیٹی کا عقد مقتدی سے کیا۔ یہ رشتہ داری خلفاء عباسیہ کی مذہبی عظمت و ارادت کی بنا پر ہوئی تھی اور ملکی مصلحتیں بھی تھیں۔

منصف نزاری | محدث گسری اور نصفت شعاری، ملکشاہ کا خاصہ تھا۔ اور اس کا عالم کہ سلطان عادل تھا۔ اس کا ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا تھا۔ انصاف کے وقت رشتہ دار اور اغیار برابر تھے، تمام مورخین نے اس ائمہ کو بنظر استحسان دیکھا ہے کہ سلطان کا حقیقی بھائی شہزادہ باغی ہو کر مقابلہ کو آ رہا تھا۔ اور سلطان بھی مدافعت کو جا رہا تھا کہ راستہ میں شہزادہ امام علی بن

لہ کال ایشیہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۲۔ ۳۴۷ھ شادی کے تفصیلی حالات میں دیکھو کہ بنی حصار اول صفحہ ۱۰۱

موسیٰ رضا آگیا۔ سلطان نظام الملک کے ہمراہ روضہ کے اندر گیا اور فاتحہ پڑھ کر واپس ہوا اور خواجہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا دعا مانگی۔ خواجہ نے کہا کہ میں نے آپ کی فتح و نصرت کی دعا مانگی ہے۔ ملک شاہ نے کہا کہ میں نے تو یہ دعا کی ہے کہ ”اگر میرا بھائی مسلمانوں پر حکومت کرنے میں مجھ سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہو تو خدا اس کو فقیار بنا کر دے۔“

۲۔ ایک مرتبہ اصفہان کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ کسی گاؤں میں قیام ہوا غلاموں نے ایک فریہ گانے کو لاوارث سمجھ کر فوج کیا، اور کباب بنائے۔ یہ گانے ایک بیوہ عورت کی تھی۔ اور تین بچوں کی پرورش اس کے دودھ سے ہوتی تھی۔ جب اُس نے یہ حال سنا تو وہ بدحواس ہو گئی اور صبح کو زندہ رود اصفہان کی مشہور نہر کے پل پر لٹکھڑی ہوئی۔ جب سلطان سامنے آیا تو نہایت مہیا کی سے بولی کہ اے الپ سلاں کے بیٹے! میرا انصاف نہر کے پل پر کھینچا یا پل صراط پر جو جگہ پسند ہوا انتخاب کر لے۔ سلطان گھوڑے سے اتر پڑا اور کہا پل صراط کی طاقت نہیں ہے میں اسی جگہ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ پل حال سُکر بیوہ عورت، کوشتر گائیں معاوضہ میں دیں اور جب اُس نے کہا کہ میں رضی ہوں تب گھوڑے پر سوار ہوا۔

(۳)۔ کسی امیر کے قلام نے ایک غریب حبشی سے تر بوز چھین کر اپنے آقا کو نذر کیا حبشی نے سلطان سے شکایت کی اور تحقیقات پر تر بوز برآمد ہوا۔ سلطان نے حال پوچھا تو امیر نے کہا کہ میرے سپاہی کہیں سے لائے تھے۔ سلطان نے اُن سپاہیوں کو طلب کیا تو

لے کال اثر جلد ۱ صفحہ ۷۷۷ ذیلہ المجالس صفحہ ۱۳۳۷ ابن ندیم حالات ملک شاہ۔

امیر نے عرض کیا کہ وہ کہیں باہر چلے گئے ہیں۔ سلطان نے امیر کے دروغ مصلحت آمیز کو سمجھ لیا تھا، لہذا حبشی سے کہا کہ یہ امیر میرا غلام ہے، اور میں تجھ کو تربوز کے بدلے میں انعام دیتا ہوں۔ چنانچہ امیر نے تین سو درہم (پچھتر روپیہ) دیکر حبشی کو رضا مند کیا اور غلامی سے بچا پائی زندہ دلی | ملک شاہ ایک زندہ دل اور با مذاق سلطان تھا۔ ایک مرتبہ نیشاپور کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا، کہ اردلی کے سواروں سے الگ ہو کر ایک گاؤں میں جا پہنچا۔ شدت سے بھوکا تھا۔ لہذا کھانے کی فکر میں ایک کاشتکار کے پاس گیا جو اپنے کھیت میں ہل جوت رہا تھا۔ اور دونوں میں اس طرح پر گفتگو شروع ہوئی

سلطان۔ میں مسافر ہوں بھوک نے خستہ کر دیا ہے، تم میری دعوت کر سکتے ہو۔
کاشتکار۔ ہاں جناب! میرے پاس ویاں تو ضرور ہیں مگر وہ میری خوراک سے زیادہ نہیں ہیں
سلطان۔ میں تیرا مہمان ہوں، فضول کب بک سے کوئی نتیجہ نہیں ہے۔
کاشتکار۔ سبحان اللہ! فضول گو وہی ہے جو زبردستی کا مہمان ہو۔
سلطان۔ میرا چاقو لپیٹاؤ۔ اور دو ٹکڑے روٹی کے تراش لاؤ۔
کاشتکار۔ حضرت معاف کیجئے۔ یہ مصرعہ دستہ کا چاقو کسی باورچی کو دکھائیے وہ دو ٹیوں کی قیمت میں لے لیگا۔

سلطان۔ میں خوشی سے چاقو دیتا ہوں اسے قبول کرو اور کھانا لاؤ۔
کاشتکار۔ میری آپ کی کبھی کی جان پہچان بھی نہیں ہے۔ آپ تشریف لیجاویں میں دعوت

سے مجبور ہوں۔

یہ جواب سن کر ملک شاہ روانہ ہو گیا۔ جب تھوڑی دور نکل گیا تو کاشتکار دوڑا اور رکا۔ پکڑ کر بوسہ دیا۔ اور عرض کیا کہ معافی کا خواست گزار ہوں۔ مجھے مذاق کی عادت ہے تشریف لے چلیے۔ چنانچہ سلطان اُپس آیا۔ کاشتکار نے فوراً ایک بکری ذبح کر کے کباب لٹکائے اور اچھی طرح سے کھانا کھلایا۔ اور اپنی باتوں سے سلطان کو خوب ہنسایا۔ اس عرصہ میں اردلی کے سوار آگئے، سلطان روانہ ہوا۔ اور کاشتکار اہل جوئے لگا۔ وقت نہت سلطان نے کہا کہ دارالسلطنت میں حاضر ہونا۔ کاشتکار نے عرض کیا کہ مہمان سے روٹیوں کی قیمت لینا میرا شعار نہیں ہے۔ سلطان کو یہ جواب پسند آیا۔ اور وہی گاؤں جکا وہ کاشتکار تھا جاگیر میں دیا۔

علی شہزاد [ملک شاہ کی آرزو تھی کہ شرفار کی اولاد تعلیم پائے اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کو تعلیم نہ دیجائے چنانچہ دولاکھ درہم کا نذرانہ محض اس بنیاد پر منظور کر دیا۔ جبکہ مختصر واقعہ یہ ہے کہ دینور کے ایک کاشتکار نے خواجہ نظام الملک کو رضا مندر کے سلطان سے سفارش کرائی کہ اس کے بیٹے کو تعلیم کی اجازت دیدیجائے۔ سلطان خواجہ پر غضبناک ہوا اور کہا کہ مجھے تمہاری سفید داڑھی اور خدمات قدیمانہ کا ادب مانع ہوا ورنہ آج تمہاری رسوائی میں کچھ شبہ نہ تھا۔ اگر میں یہ نذرانہ قبول کروں تو آئندہ زمانہ میں لوگ یہی کہیں گے کہ ملک شاہ نے رشوت لیکر نا اہلوں کو حصول علم کی اجازت دیدی۔“

خمسری ایام [ملک شاہ کی زندگی کے اخیر دو تین سال نہایت افسردگی میں گزرے،

سلطنت دولت شاہ ہمرقندی صفحہ ۸۰۔ اور تاریخوں میں بھی یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے

خصوصاً موت کا سال نہایت خراب تھا۔ خواجہ نظام الملک کی معزولی اور تاج الملک کی وزارت اسی سال میں ہوئی۔ اور دفتر انشاء کے بھی قدیم عہد میں دوبدل کیا گیا۔ چنانچہ یہ انقلاب سرور نہ ہوا۔ سلطان کا بھی انتقال ہوا۔ اور محرم ۱۰۰۷ھ میں تاج الملک بھی بری طرح سے قتل کیا گیا۔ فرقہ باطنیہ کا زور ہوا۔ اور خلیفہ المقتدی سے انتہائی نفرت پیدا ہوئی جس کا سبب یہ تھا کہ سلطان اپنے نواسہ ابو الفضل جعفر کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا۔ اور خلیفہ نے اپنے دوسرے بیٹے مستنصر باہد کو ولیعہد کر کے جعفر کو محروم کر دیا تھا۔ چنانچہ خلیفہ کی معزولی کے لیے ۲۴ رمضان ۱۰۰۷ھ کو سلطان بغداد آیا اور ماہ صیام کے بعد شوال ۱۰۰۷ھ (۶ نومبر ۱۰۰۷ء) کو شکار کے لیے روانہ ہوا۔ نہر جلیل (مابین تکریت بغداد) کے کنارے شکار کھیل رہا تھا۔ کہ بیمار پڑا۔ بیماری کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک نگر خرسکار کیا تھا۔ اس کے کباب خوب شوق سے کھائے۔ گرانی معدہ سے بخار آ گیا اور نہایت شدید ہوئی، تب بغداد آیا۔ اطباء نے فصدی۔ مگر کوئی نفع نہ ہوا۔ اور واپسی کے دوسرے دن ۵ شوال ۱۰۰۷ھ (۸ نومبر ۱۰۰۷ء) کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۵

چونکہ ہامی شت عباداں تھیں حال خلق
دقی ز آب پُر شود و نوبتے تھی
ایں برکہ حیات سلم، تھی شود
از آب زندگانی و از سفر ہی
دیرست زود مرگ نباشد از اں گریز
فرشندہ نیکنامی و خوش وقت آگئی
ترکان خاتون نے سلطان کے واقعہ موت کو چھپا دیا۔ اور نہایت خاموشی سے

سلف تفصیل کے لیے دیکھو نوٹ مندرجہ صفحہ ۱۸۴ حصہ اول۔

ملک شاہ کے انتقال پر دولت سلجوقیہ حب ذیل طبقات پر تقسیم تھی

نام طبقہ	ایام سلطنت یوم ماہ سال	تعداد حکمران	ابتداء و انتہا	مختصر کیفیت
طبقہ عراق	۱۵-۹-۱۶۱	۱۴	۷۲۹ لغایہ ۷۵۹ ۶۱۱۹۴ م ۶۱۱۳۶ م	یہ طبقہ سلاجقہ اعظم کہلاتا تھا جس پر ملک شاہ کے بعد برکیارق حکمران ہوا۔
طبقہ کرمان	۱۵۰۰-۰۰	۹	۷۳۳ لغایہ ۷۵۸ ۶۱۰۴۱ م ۶۱۱۸۶ م	عماد الدین قراار سلاخان و رد بیگ بن خجری بیگ داؤد اسکا بانی تھا۔
طبقہ روم	۰۰۰-۷۳۲	۱۴	۷۷۶ لغایہ ۸۰۲ ۶۱۰۷۶ م ۶۱۳۰۲ م	یہ سلطنت ایشیائے کوچک میں قنقش بن اسرئیل بن سلجوق اعظم نے قائم کی تھی۔

ان شاخوں کے علاوہ شام میں قنقش بن الپ سلاخان اور کردستان میں مغیث الدین محمود حکمران تھا۔ مگر یہ حکمران درجہ اول کے جاگیرداروں میں داخل تھے۔ اور حقیقت میں سلاجقہ اعظم کے ماتحت تھے۔ ہر شاخ اپنی مستقل تاریخ رکھتی ہو۔ جسکی تفصیل انشا اللہ تاریخ آل سلجوق میں ہوگی۔

خاتمہ

لے خدا تیرا شکر و احسان ہو کہ برسوں کی آرزو آج پوری ہوئی اور قلم کے مسافر کو خانہ قلمدان میں دم لینے کا موقع ملا۔ میری ذات کے لیے یہ ایک دلچسپ مسئلہ تھا۔ لیکن ظہیرین البراکہ سے عفو قصور کا طالب ہوں، جن کو منظام الملک کا غیر معمولی انتظار کرنا پڑا۔ وقتسیر یہ ہو کہ دسمبر ۱۹۷۹ء تک چار سو صفحات چھپ کر مسودہ کتاب ختم ہو گیا تھا۔ اور اسی زمانے میں ریاست بھوپال کے ایک بڑے پرنس کی تحصیلداری پر میرا تقرر ہوا۔ چنانچہ حال پرگت ہو کر تاریخ اسلام کی جگہ کاغذات پٹواری، وصول مالگداری اور فیصلہ مقدمات (مال، فوجداری، دیوانی) سے کام پڑا۔ تاہم راتوں کو جاگ کر یہ کتاب ختم کی گئی۔ اور اندون تاریخ آل سلجوق حیات رشید اعظم (ہاروانا رشید عباسی) اور ایک قدیم سفرنامہ (اہل معجزہ و حوشی) کی ترتیب تالیف میں مصروف ہوں۔ خاتمہ اس دعا پر ہے کہ ارتعم الراحمین نظام الملک کی عمر میں برکت دے۔ اور میری اس خدمت کو قبول کرے آمین!

خاکس

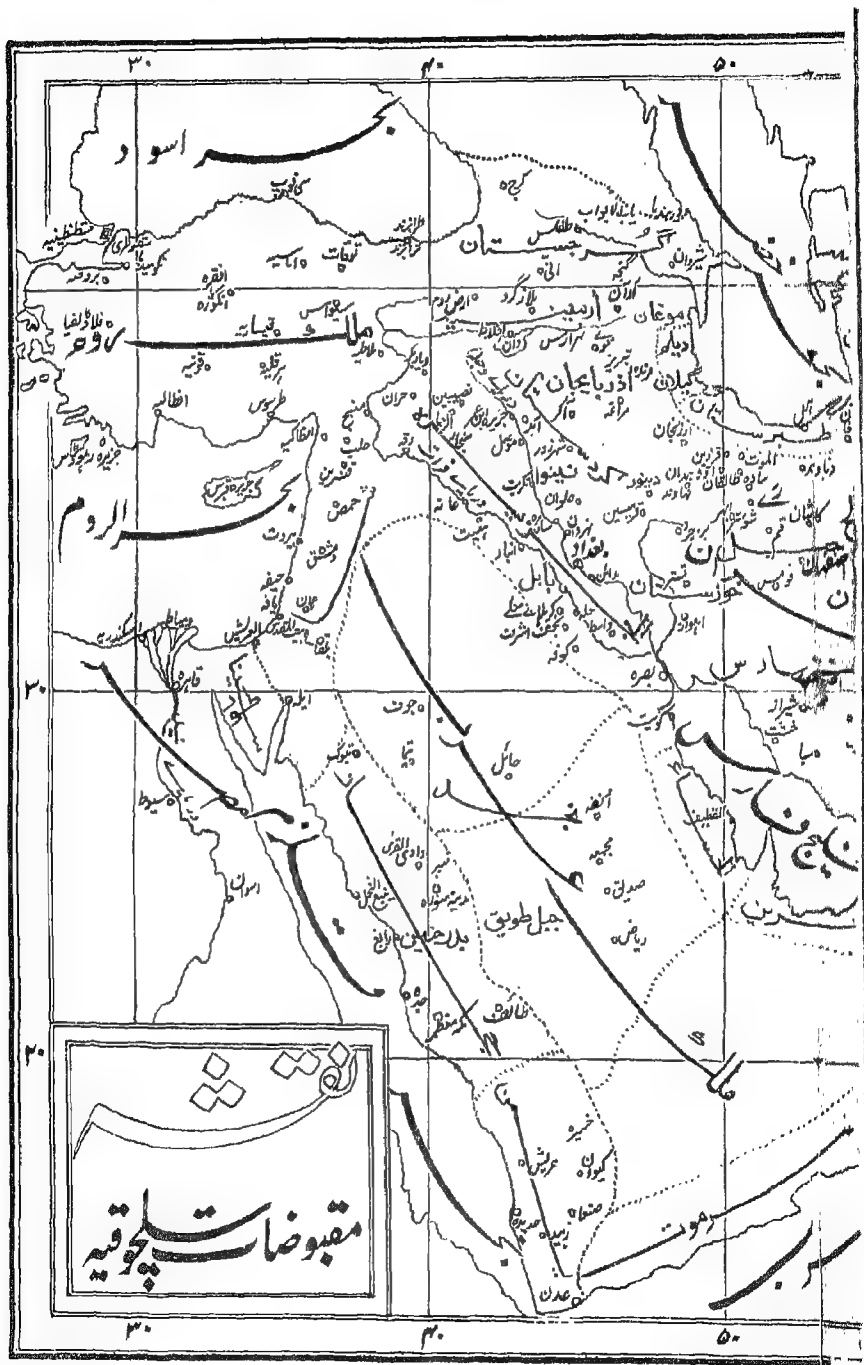
محمد عبدالرزاق ابن منشی الہی بخش
صاحبِ عوم رمال و پنم ہند۔ کانپوری

یومِ دو شنبہ، ۲۰ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مطابق ۳ جنوری ۱۹۸۱ء

اسفند ۱۳۳۳ھ جلالتی ملک شاہی

قلعہ بیگم گنج (سیلوں) بھوپال (منٹرنل انڈیا)



فہرست کتب جسے کتاب نظام الملک طوسی ماحوذی

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۱	سیر الملوک (سیاست نامہ)	سیاست	فارسی	خواجہ نظام الملک طوسی متوفی ۶۸۵ھ مطبوعہ پیرس دار السلطنہ فرانسیسی ۱۹۹۶ء
۲	دستور الوزراء (وصایا)	"	"	خواجہ نظام الملک طوسی - نسخہ قلمی عند قدیم
۳	احکام السلطانیۃ والایات الدینیۃ	"	عربی	امام ابو یحییٰ علی ہمدانی متوفی ۳۵۵ھ مطبوعہ مصر ۱۲۵۹ھ
۴	عقد الفرید (اخلاق)	"	"	وزیر ملک سعید متوفی ۶۵۲ھ مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ
۵	آثار الاول فی ترتیب الدول	"	"	حسن بن عبداللہ عباسی متوفی ۶۶۸ھ مطبوعہ مصر ۱۳۰۵ھ
۶	معید النعم و مبدی النقم	"	"	تاج الدین عبد الوہاب سبکی مطبوعہ مصر
۷	سلوک الممالک فی تدبیر الممالک	"	"	شہاب الدین احمد مطبوعہ مصر ۱۲۸۶ھ
۸	فتوح البلدان	تاریخ	"	امام ابو العباس احمد بن یحییٰ بن جابر ہمدانی ہمدانی متوفی ۳۴۹ھ مطبوعہ مصر ۱۳۱۸ھ
۹	سراج الملوک	"	"	ابوبکر محمد طوسی - ہامی - اندلسی متوفی ۵۲۰ھ مطبوعہ مصر ۱۳۰۴ھ
۱۰	تاریخ التوحقین فی العراق	"	"	امام عماد الدین محمد بن محمد بن حامد اصفہانی متوفی

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
		تاریخ	عربی	٥٩٤ م مطبوعه مصر سنه ١٣١٨ هـ
١١	الفخری فی الادب السلطانیہ	"	"	محمد بن علی بن طباطبا المعروف بابن الطقطقی
	والدول الاسلامیہ	"	"	مطبوعه مصر سنه ١٣١٤ هـ
١٢	المعارف	"	"	ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبة کاتب دینوری متوفی ٢٤٧ م مطبوعه مصر سنه ١٣٨٩ هـ
١٣	مرجع الذہب معادن الجواهر	"	"	قطب الدین ابوجن علی بن حسین موعودی متوفی ٣٧٧ م مطبوعه مصر سنه ١٣٠٣ هـ
١٤	تاریخ ملوک الارض	"	"	حمزہ بن الحسن اصفہانی (تہمتی صدی ہجری) مطبوعه کلکتہ سنه ١٩٨٧ هـ
١٥	کامل	"	"	ابو الحسن علی المعروف بابن الاثیر جزیری متوفی ٦٣٠ م مطبوعه مصر سنه ١٣٠٣ هـ
١٦	کتاب التبتین فی اخبار الدولین	"	"	شہاب الدین مقدسی شافعی المعروف بابن شہاب متوفی ٦٦٥ م مطبوعه مصر سنه ١٢٨٤ هـ
١٧	مختصر الدول	"	"	علامہ غری قوریوس ابوالفرج بن ہارون (الطیب) المطی معروف بابن العبري متوفی ٦٨٥ م ١٢٨٧ هـ مطبوعه بیروت سنه ١٨٩٠ هـ

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۰	.	تاریخ	عربی	مطبوعه مصر ۱۳۱۱ هـ
۲۸	بلوغ الارباب فی احوال العرب	"	"	آلوسی زاده سید محمود شکر آفندی بغداد ۱۳۱۲ هـ
۲۹	خصایر الطرب فی تعذات العرب	"	"	نوفل آفندی طرابلسی مطبوعه بیروت
۳۰	الوانی فی المسأله الشرقیه (جلد اول)	"	"	امین بن ابراهیم شمیل - لبنانی (۱۸۹۴ هـ) تک بقیه حیات تمام مطبوعه اسکندریه ۱۲۹۶ هـ
۳۱	انحطاط التوفیقیه	"	"	علی پاشا مبارک متونی ۱۳۱۱ هـ مطبوعه مصر ۱۳۰۵ هـ یہ کتاب تقریری کا ذیل ہے۔
۳۲	اخبار الدول آثار الاول	"	"	ابوالعباس بن احمد قرمانی مطبوعه بغداد ۱۲۸۲ هـ
۳۳	آثار الادار (تراجم)	"	"	سلیم جمیل حوزی - مطبوعه بیروت ۱۲۹۸ هـ
۳۴	مقدمہ ابن خلدون	فلسفہ تاریخ	"	بشیر مجبر ۱۹
۳۵	کشف الفنون عن اسامی کتب الفنون	تاریخ علوم	"	کاتب چلبی مطبوعه قسطنطنیہ ۱۳۱۱ هـ
۳۶	اکتفاء القنوع بما هو مطبوع	تاریخ کتب مطبوعه	"	ایڈورڈ بن کرنلیوس فانڈیکس مطبوعه البعلبک مصر ۱۳۱۳ هـ ۱۸۹۷ ع
۳۷	طل و نخل	تاریخ العقائد والذاهب	"	ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی متونی ۱۳۱۳ هـ مطبوعه بیروت ۱۱۵۳

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۳۸	الفصل فی اہل	تاریخ التتائہ والمذہب	عربی	امام ابو محمد علی ابن احمد بن حزم الظاہری توفی ۳۵۶ھ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ء
۳۹	دیباچہ تاریخ آل سلجوق	تاریخ	فرنجی	ایم ہاؤسٹا۔ ایک فرنج عالم ہے جس نے تاریخ آل سلجوق اصفہانی کو اپنے اہتمام سے بمقام لیڈن چھپوایا ہے اس نے اصل کتاب پر یہ دیباچہ لکھا ہے۔
۴۰	گبن امپائر (عہد اسلام)	"	انگریزی	مطبوعہ لندن ۱۷۹۷ء
۴۱	خلافت بغداد	"	"	ٹی۔ اسٹرنج۔ مطبوعہ لندن۔
۴۲	لٹری ہٹری آف پرمیا	تاریخ علم ادب فارسی	"	پرفیسر ای۔ جی۔ براؤن مطبوعہ لندن ۱۹۰۶ء
۴۳	شاہنامہ	تاریخ	فارسی	فردوسی طوسی۔ مطبوعہ بمبئی ۱۲۷۶ھ
۴۴	المعجم	"	"	فضل اللہ شیرازی مطبوعہ اصفہان ۱۲۷۹ھ
۴۵	وصاف	"	"	شرف الدین عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی مطبوعہ اصفہان۔
۴۶	حوالہ القایم (تاریخ خراسان)	"	"	ابوزید احمد بن سہل بلخی۔ قلمی۔
۴۷	جامع التواریخ رشیدی	"	"	فضل اللہ بن ابوالخیر رشیدی مطبوعہ پیرس ۱۸۳۳ء
۴۸	روضۃ الصفا	"	"	میرخوند مورخ۔ مطبوعہ بمبئی ۱۲۹۰ھ جلد چہارم

نمبر شمار	نام کتاب	نام طر و فن	نام زبان	نام مصنف
۴۹	تاریخ بیہقی	تاریخ	فارسی	ابوالفضل بیہقی مطبوعہ کلکتہ ۱۱۶۲ھ
۵۰	طبقات ناصری	"	"	منہاج الدین سرراج مطبوعہ کلکتہ ۱۱۶۴ھ
۵۱	نگارستان	"	"	قاضی احمد بن محمد دہستانی مطبوعہ ممبئی ۱۲۵۱ھ
۵۲	آئین اکبری	"	"	علامہ ابوالفضل مطبوعہ علی گڑھ ۱۲۵۱ھ
۵۳	ہفت اقلیم تذکرہ	"	"	آنریبل سرسید خاں بہادر مرحوم نے اپنی ادٹری سے شائع کیا تھا۔
۵۴	نامہ خسرواں	"	"	امین رازی لکھنؤ۔
۵۵	زینۃ المجاہدین	"	"	جلال الدین مرزا مطبوعہ ممبئی
۵۶	ناسخ التواریخ	"	"	میرزا محمد حسین بی مطبوعہ اصفہان ۱۳۱۲ھ
۵۷	کسری نامہ	"	"	لسان الملک مرزا محمد تقی سپہر متوفی طہران ۱۳۰۶ھ
۵۸	تاریخ ہند	"	"	مطبوعہ کلکتہ ۱۳۲۱ھ
۵۹	تاریخ ایران	"	"	جان راشدین مترجمہ مولوی عبدالرحیم صاحب
۶۰	تاریخ نامہ ناصری	"	"	گورکھپوری مطبوعہ کلکتہ۔
۶۱	جامع التواریخ	"	"	سر جان ملکم مطبوعہ ممبئی
		"	"	حاجی مرزا حسن شیرازی مطبوعہ اصفہان ۱۳۱۳ھ
		"	"	مولوی فقیر محمد مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۶ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۶۲	قلائد الجواهر فی احوال البواهر	تاریخ المذہب	فارسی	علامہ عباس شروانی مطبوعہ مدنی ۱۳۱۳
۶۳	دبستان مذاہب اردستانی	"	"	مطبوعہ کلکتہ ۱۸۰۹ء (ذوالفقار)
۶۴	دعوت اسلام	"	اردو	علی ڈبلیو آزالہ صاحب بن پرفیسر العلوم علیگرہ مترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی مطبوعہ مفید عام اگرہ ۱۹۵۵ء
۶۵	تاریخ ہند (عہد اسلام)	"	"	آرنیل انٹن صاحب مطبوعہ سائی علی گڑھ ۱۸۶۴ء
۶۶	تہذیب عرب	تاریخ تمدن	"	مترجمہ شمس العلماء سید علی بلگرامی مطبوعہ مفید پریس اگرہ ۱۸۹۰ء
۶۷	معجم البلدان	جغرافیہ	عربی	امام شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت الحموی متوفی ۶۲۶ھ ۱۲۳۸ء مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ھ
۶۸	تقویم البلدان	"	"	سلطان ملک المؤید عباد الدین اسماعیل بن ملک الفضل نور الدین علی صاحبہا المعروف بابو الفدا دمشقی متوفی ۶۲۳ھ ۱۲۳۱ء مطبوعہ پریس ۱۸۳۰ء
۶۹	مرصد الاطلاع علی اسماء الالکئہ و البقاع	"	"	امام شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت الحموی مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ھ
۷۰	خریدۃ العجائب فی زیل العجائب	"	"	عمر بن الوردی الملقب زین الدین متوفی

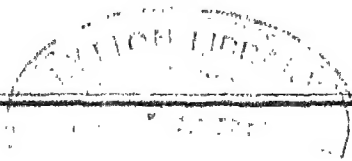
نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۰	.	جغرافیه	عربی	۴۴۹ء مطبوعه مصر ۱۲۹۲ء
۷۱	المرآة الوضیة فی الكرة الارضیة	"	"	کرنلیوس فانڈیکامریکائی متونی ۱۸۹۵ء مطبوعه بمبئی
۷۲	نزهت القلوب (تایخ)	"	فارسی	محمد مستوفی قزوینی مطبوعه بمبئی ۱۳۱۱ء
۷۳	گنج دانش	"	"	محمد تقی خاں حکیم مطبوعه اصفهان ۱۳۰۵ء
۷۴	جام جم	"	"	شاهزاده فرامیروز مطبوعه اصفهان ۱۲۷۷ء
۷۵	مرآة البلدان ناصری	"	"	صیخ الدوله محمد خان مطبوعه طهران ۱۲۹۲ء
۷۶	ہستوریکل ہندی اٹلس	اٹلس	جرمنی	۱۸۸۶ء مرتبه ڈاکٹر جروڈائیڈری جرمنی مطبوعه جرمن
۷۷	سفرنامہ ناصر خسرو	سفرنامہ	فارسی	۱۸۷۷ء یگانہ ناصر خسرو علوی بخاری متونی ۱۲۸۱ء مطبوعه دہلی
۷۸	رحلہ محمد بن جابر اندلسی	"	اردو	ابو ان محمد بن عبد جابر متونی ۱۲۱۸ء ۱۲۱۸ء ترجمہ حافظ احمد علی شوقی ستم کتب خانہ راسیت رامپور
۷۹	تحفة النظاری فی غرائب الامصار	"	عربی	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الطیب شمس الدین ابن بطوطہ طنجی متونی ۱۳۷۹ء مطبوعه مصر ۱۲۲۸ء
۸۰	آثار العجم	"	فارسی	میرزا محمد نصیر دوست شیرازی مطبوعه بمبئی ۱۳۱۲ء
۸۱	سفرنامہ پرویسر ویلیری	"	اردو	ترجمہ ڈفرسیہ اخبار لاہور ۱۹۰۳ء
۸۲	خیابان فارس	"	"	ترجمہ سفرنامہ نواب لاڈکرزن بہادر سابق

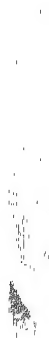
نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۸۳	دفیات الایمان	سیر و تراجم	عربی	ولیسرے ہند مترجمہ مولوی ظہیر علی خاں بی۔ اے اوٹپر وکن یو یو مطبوعہ حیدرآباد وکن سنہ ۱۹۰۰ء قاضی ابوالعباس احمد بن غلکان بکلی متوفی ۶۸۱ھ مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ء ۶۱۲۸۲
۸۴	فوات الوفيات	"	"	صلاح الدین محمد شاکر علی متوفی ۱۲۶۶ھ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ
۸۵	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	"	"	قاضی تاج الدین ابونصر عبد الوہاب بن تقی الدین سبکی مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ھ
۸۶	عمود الباری فی طبقات اللطباء	"	"	موفق الدین بن ابی اصیبعہ متوفی ۶۶۹ھ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ
۸۷	کتاب الاتحاف بحجب الاشراف	"	"	شیخ عبد اللہ شبراوی متوفی ۱۱۶۱ھ ۱۳۱۶ھ مطبوعہ مصر ۱۲۵۸ھ
۸۸	الدر المنثور فی طبقات باب الخو	"	"	مضنفہ سید زنبی مصری مطبوعہ مصر ۱۳۱۲ھ
۸۹	دمیہ نقصر عصر اہل العصر - تذکرہ	تذکرہ	"	ابوحن علی الباخزی شافعی قلمی کتب خانہ نواب سید محمود رضی خاں صاحب نمبر و الاچاہ نواب صدیق حسن خاں بہادر مرحوم۔
۹۰	تذکرۃ الاممہ	"	فارسی	علامہ باقر قلمی ۱۱۹۶ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۹۱	آثار الوزراء	تذکرہ	فارسی	حاجی سیف الدین عقیلی قلمی - موجودہ بیابک اور سنشیل لائبریری پٹنہ۔
۹۲	دولت شاہ سمرقندی	"	"	مطبوعہ بی بی سلسلہ ۳۱۳۰۵
۹۳	آتشکدہ	"	"	حاجی لطف علی بیگ آذر - مطبوعہ بی بی سلسلہ ۳۱۲۴۴
۹۴	تذکرۃ الاولیا	"	"	مولانا فرید الدین عطار - مطبوعہ لاہور سلسلہ ۶۱۸۹۱
۹۵	نقحات الانس	"	"	مولانا عبدالرحمن حاجی - مطبوعہ کلکتہ سلسلہ ۶۱۸۵۶
۹۶	مرآۃ الجنال	"	"	شیر خان لودی - کلکتہ
۹۷	مجمع الفصحا	"	"	ہدایت - طہران - سلسلہ ۱۲۹۵ م
۹۸	نامہ انشوران ناصری	"	"	مرزا ابو الفضل ساوجبی - مرزا حسن طالقانی، ملا عبد الوہاب دینی - ملا محمد حمیدی - طہران سلسلہ ۳۱۲۹۷
۹۹	سلسلۃ البذہب	تصوف	"	مولانا عبدالرحمن حاجی - قلمی
۱۰۰	کشف المحجوب	"	"	مولانا علی بن عثمان ہجویری - مطبوعہ لاہور
۱۰۱	تہذیب الاخلاق	اخلاق	عربی	ابن مسکویہ - مطبوعہ مصر سلسلہ ۶۱۳۱۸
۱۰۲	کتاب الزیعدی الی مکام الشریعہ	"	"	راغب اصفہانی - متوفی ۵۰۲ھ - مصر سلسلہ ۳۱۳۱۸
۱۰۳	التبر المسبوک فی نصائح الملوک	"	"	امام غزالی - مطبوعہ مصر سلسلہ ۳۱۳۰۴
۱۰۴	اخلاق جلالی	"	فارسی	ملا جلال الدین محقق دوانی - مطبوعہ لکھنؤ سلسلہ ۶۱۸۷۳

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۱۰۵	منتخبات سعید	اخلاق	فارسی	حافظ محمد سعید - مطبوعه قدیم لکهنؤ -
۱۰۶	عهد الفرید	ادب و محاضرات	"	ابن عبد ربہ اندلسی متوفی ۳۲۸ھ مصر ۱۳۰۵ھ
۱۰۷	ادب الدین والدین	"	"	ابو الحسن الماوردی متوفی ۳۵۵ھ مصر ۱۳۱۸ھ
۱۰۸	الصاوح والباغم	"	عربی	سید شریف نظام الدین ہبباری متوفی ۵۱۹ھ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۵ھ
۱۰۹	استطرف فی کل فن و فن منی مستظرف	"	"	شہاب الدین احمد متوفی ۵۸۰ھ مصر ۱۳۰۸ھ
۱۱۰	کشکول	"	"	شیخ محمد ہار الدین بن حسین عالمی متوفی ۵۶۱ھ مصر ۱۰۳۱ھ
۱۱۱	کتاب الخلاط	"	" مطبوعہ ۱۳۱۷ھ
۱۱۲	چهار مقالہ (طبعیات)	"	فارسی	نظامی عروضی تخریقی مطبوعہ طہران ۱۳۰۵ھ
۱۱۳	رباعیات عمر خیام	"	"	مرتبہ پروفیسر اس، ہیرن الین، لندن نسخہ جات مطبوعہ بمبئی و کلکتہ -
۱۱۴	تختہ العراقرین	"	"	خاقانی - مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۵ھ
۱۱۵	دیوان لامعی	"	"	حکیم لامعی جرجانی - مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۶ھ
۱۱۶	کشاف اصطلاحات الفنون	قاموس العلوم	عربی	شیخ محمد علی قحانوی (۱۱۵۸ھ) ایشیا ناک سوسائٹی بنگال (کلکتہ) ۱۸۴۲ھ
۱۱۷	دائرة المعارف	"	"	پطرس - بستانی متوفی ۱۸۸۳ھ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۵-۸۸ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۱۱۸	انسائیکلو پیڈیا برطانیکا	قاموس العلوم	انگریزی	مختلف جلدیں
۱۱۹	انسائیکلو پیڈیا پاپولر	"	"	مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۰۳ء
۱۲۰	فرنگیہ انجمن آراء ناصرہ	لغت	فارسی	مطبوعہ طهران سنہ ۱۲۹۹ھ
۱۲۱	فضائل امام	اشعار	"	مطبوعہ غازی، مطبوعہ اکبر سنہ ۱۳۱۱ھ
۱۲۲	شواہد النفس فی اثبات کلبیہ	ہئیت	"	مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۹۲۲ء
۱۲۳	التوفیقات الالہامیہ	تقویم	عربی	محمد مختار پاشا مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۱ھ
۱۲۴	تقویم ابوالضیاء	"	ترکی	مطبوعہ قسطنطنیہ سنہ ۱۳۱۱ھ مآخذ تقویم سلطان ملکشاہ
۱۲۵	متفرقات	اخبارات	اردو	اخبارات، علمی رسائل، اس کے علاوہ دیگر کتابوں کے بھی نام ہیں گزشتہ ہذا میں درج نہیں ہیں۔





نظام الحاسب الآلي

43



MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of **Rs. 1-00** per volume per day shall be charged for text-books and **10 Paise** per volume per day for general books kept over - due.

